4

ترتیب و تدوین

علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و شارح

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ

قادری پبلشرز

اردو بازار۔ لاہور

مرآۃ المناجیح

شرح

مشکوٰۃ المصابیح

جلد چہارم

ترتیب وتدوین

علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری التبریزی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم وشارح

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

قادری پبلشرز

اردو بازار - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب	...------...	مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (جلد چہارم)
ترتیب وتدوین	...------...	امام شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب رحمۃ اللہ علیہ
مترجم وشارح	...------...	حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
کمپوزنگ	...------...	ورڈ زمیکر
مطبع	...------...	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
اشاعت	...------...	فروری 2005ء

بسم الله الرحمن الرحيم

بحضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم
بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام
کلام شیخ سعدی
کتبہ گوہر قلم

فہرست مرأت المناجیح

(جلد چہارم)

بَابُ مَا يَقُوْلُ عِنْدَ الصَّبَاحِ وَالْمَسَآءِ وَالْمَنَامِ

باب صبح شام اور سوتے وقت کیا کہے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

صبح شام سے مراد دن کے دونوں کنارے ہیں یعنی نماز فجر سے پہلے اور بعد تا طلوع آفتاب اور مغرب کی نماز کے بعد سے تا غروب شفق منام مصدر میمی بھی ہوسکتا ہے اور ظرف بھی یعنی سونے پر یا سونے کے وقت کیا پڑھے، ظاہر یہ ہے کہ یہاں سونے سے مراد رات کا سونا ہے۔ نہ کہ دوپہر کا قیلولہ و آرام، کیونکہ اس باب میں رات کے سونے ہی کی دعائیں بیان ہوں گی، رات میں اصل آرام ہے۔ دنیاوی کاروبار اس کے تابع، اور دن میں اصل کاروبار ہے، سونا اس کے تابع رب فرماتا ہے: وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (۷۸:۱۰،۱۱) لہٰذا حقیقۃً سونے کا وقت رات ہی ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمْسٰى قَالَ اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبْرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَاِذَا اَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ اَيْضًا اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ رَبِّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابٍ فِى النَّارِ وَعَذَابٍ فِى الْقَبْرِ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۲۷۱) روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شام پاتے تو فرماتے ہم نے شام پائی اور اللہ کے ملک نے شام پائی سب تعریفیں اللہ کو ہیں[۱] اس اکیلے کے سواء کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کا ملک ہے اس کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے[۲] الٰہی میں تجھ سے اس رات کی اور جو اس رات میں ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس رات کی اور جو اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ لیتا ہوں[۳] خدایا میں سستی، بڑھاپے اور زیادتی عمر کی برائیوں سے[۴] اور دنیا کے فتنوں سے، اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ لیتا ہوں[۵] اور جب سویرا پاتے تو ساتھ یہ بھی کہتے ہم نے سویرا پایا اور اللہ کے ملک نے سویرا پایا[۶] اور ایک روایت میں یوں ہے کہ یا ربّ میں آگ میں عذاب اور قبر میں عذاب سے تیری پناہ لیتا ہوں[۷] (مسلم)

(۲۲۷۱) [۱] یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم نے بخیریت دن گزار لیا اور شام پالی، ہمارے ساتھ رب تعالٰی کے ملک نے بھی شام پالی، یہ دونوں چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں، اگر ملک تباہ ہوجاتا، صرف ہم ہی رہ جاتے، تب بھی مصیبت تھی، یہاں ملک سے مراد عالم اجسام سفلی ہے جہاں دن رات ہوتے ہیں، عالم انوار، عالم امر، جنت دوزخ وغیرہ میں نہ دن ہو نہ رات وہاں تو رب کی تجلی ہے نہ کہ سورج کی، جیسے قیامت میں ہوگا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (۳۹:۶۹) اور زمین جگمگا اٹھے گی اپنے رب کے نور سے (کنز الایمان)، [۲] یعنی ان دن

رات کے آنے جانے صبح شام کی تبدیلیوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو گردش دینے والا اکیلا معبود ہے، جس کا کوئی ساتھی نہیں اور ہر چیز پر قادر ہے سبحان اللہ کیسا پیارا استدلال ہے کہ گھومنے والی چیزوں سے گھمانے والے کی قدرت کا پتہ لگاؤ۔۳ہر وقت اپنے ساتھ خیر یا شر لاتا ہے کسی وقت میں خطرناک حادثے ہو جاتے یا ہم سے برے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں اور کسی وقت میں اچھے واقعات رونما ہوتے ہیں یا ہم کو اچھے اعمال کی توفیق ملتی ہے اس دعا میں عرض کہ خدایا! اس وقت کے حادثات، برے اعمال سے تیری پناہ اور اس وقت کے اچھے واقعات اور نیک اعمال کی توفیق کی تجھ سے طلب ہے، معلوم ہوا کہ اوقات کو حادثات و اعمال میں دخل ہے۔۴کسل کے معنی ہیں طبیعت کا بوجھ جس سے عبادات بخوبی ادا نہ ہو سکیں اگر چہ جسم میں طاقت ہو، ہرم وہ بڑھاپا جس سے زندگی کا اصل مقصود فوت ہو جائے یعنی علم و عمل جاتے رہیں رب تعالٰی فرماتا ہے کہ: لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْاً (۱۶۔۷۰) کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے (کنزالایمان) اور بڑھاپے کی برائی سے مراد سٹھ جانا ہے کہ مت کٹ جائے اور انسان دوسروں پر بوجھ بن جائے کہ اپنے عزیز اس کی موت کی تمنا کرنے لگیں، معلوم ہوا کہ شیخوخت، ہرم اور کبر اگرچہ تینوں کے معنی بڑھاپا ہی ہیں مگر ان تینوں کا آپس میں بڑا فرق ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں ہرم و سوء کبر میں تکرار نہیں بلکہ ان کے معنی جدا جدا ہیں۔۵دنیا کے فتنے، محبت دنیا اور غفلت عیش ہیں، یہ دونوں چیزیں تمام گناہوں کی جڑ ہیں، عذاب قبر سے مراد یا تو خود وہاں کا عذاب ہے یا اس عذاب کے اسباب جیسے چغل خوری یا پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنا وغیرہ بہرحال یہ دعا بہت نفیس ہے۔۶باقی تمام وہ الفاظ کہتے جو شام کے وقت کی دعا میں گزر گئے اور ان کی وہ ہی تفسیر ہے جو ابھی عرض کر دی گئی، خیال رہے کہ دوزخ کا عذاب آگ میں عذاب ہے کہ بندہ آگ میں داخل ہو کر عذاب پائے گا اور قبر میں عذاب آگ کا عذاب ہے کہ قبر میں دوزخ نہیں آ جاتی بلکہ دوزخ کی کھڑکی کھل جاتی ہے جس سے وہاں کی لپٹ، گرمی، دھواں، بدبو وغیرہ آتی رہتی ہیں، رب تعالٰی دونوں سے بچائے۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰ وَاِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَمَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ .(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ عَنِ الْبَرَاءِ)

(۲۲۷۲) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں اپنا بستر لیتے تو اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھتے۱ پھر کہتے الٰہی میں تیرے نام پر مروں گا اور جیوں گا۲ اور جب بیدار ہوتے تو کہتے شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں مر جانے کے بعد زندہ کیا، اسی کی طرف اٹھنا ہے۳ (بخاری) اور مسلم نے حضرت براء سے۔

(۲۲۷۲)۱آپ کا بستر شریف قبر کے رخ بچھایا جاتا کہ قبلہ کے داہنے سر مبارک ہوتا اور قبلہ کے بائیں پاؤں شریف، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھی کروٹ پر لیٹتے داہنا ہاتھ داہنے رخسارہ کے نیچے رکھتے تھے، قبر میں میت کی ہیت بھی یہ ہی ہوتی ہے، چونکہ نیند موت کا نمونہ ہے، اس لئے حضور علیہ السلام کا بستر قبر کے نمونہ کا ہوتا تھا تاکہ لیٹنے کے وقت موت یاد آئے کہ کبھی قبر میں بھی لیٹنا ہے۔۲یہاں موت زندگی سے مراد سونا جاگنا ہے، رب تعالٰی کا نام شریف ممیت بھی ہے اور محی بھی یعنی ممیت کے نام پر مروں گا اور محی کے نام پر جیوں گا یعنی بیدار ہوں گا کہ میرے یہ دو حال تیرے ان دو ناموں کا مظہر ہیں (مرقات)۔۳یعنی یہ جاگنا کل قیامت میں اٹھنے کی دلیل ہے۔نشور نشر سے بنا معنی متفرق ہونا، پھیل جانا، اسی سے انتشار اور منتشر بنا، جاگنے کو نشور اسی لئے کہتے ہیں کہ بندے جاگ کر طلب رزق وغیرہ کے لئے پھیل جاتے ہیں اور بکھر جاتے ہیں۔خیال رہے کہ عربی میں نیند، سکون، بے عقلی، جہالت، بھیک مانگنے، گناہ، بڑھاپے، ناگوار حالت جیسے ذلت، فقر وغیرہ کو موت کہہ دیتے ہیں اور ان کے مقابل کو حیات یعنی زندگی، یہاں موت بمعنی نیند ہے اور احیا بمعنی بیداری رب تعالٰی فرماتا ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ

(۱۲۲:۶) اور کیا وہ کہ مردہ تھا ہم نے اسے زندہ کیا (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (۸۰:۲۷) بے شک تمہارے سنائے نہیں سنتے مردے (کنزالایمان) ان دونوں آیتوں میں موت سے مراد جہالت ہے اور میت سے مراد جاہل و کافر (مرقات ولمعات)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهٗ بِدَاخِلَةِ اِزَارِهٖ فَاِنَّهٗ لَايَدْرِيْ مَا خَلَفَهٗ عَلَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَاتَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ لِيَضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ لِيَقُلْ بِاسْمِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلْيَنْفُضْهُ بِصَنَفَةِ ثَوْبِهٖ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَّاِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهَا۔

(۲۲۷۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر جائے تو اپنے تہبند کے داخلی پلو سے بستر جھاڑ دے[۱] اسے کیا خبر کہ بستر پر کیا چیز پڑی ہے[۲] پھر کہے یارب تیرے نام پر اپنا پہلو رکھ رہا ہوں[۳] اور تیرے نام پر ہی اٹھاؤں گا[۴] اگر آج میری جان تو قبض کرے تو اس پر رحم فرمانا[۵] اور اگر واپس بھیجے تو اس کی اس ہی سے حفاظت فرمانا جس سے اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتا ہے[۶] اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جائے پھر کہے بِاسْمِكَ (مسلم بخاری)[۷] اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر اپنے کپڑے کے پلو سے بستر تین بار جھاڑے[۸] اور یوں کہے کہ اگر تو میری جان قبض فرمالے تو اسے بخش دیجیو۔

(۲۲۷۳) عرب شریف میں دن ورات بستر بچھے ہی رہتے تھے ہمارے ملک کی طرح صبح کو سمیٹے نہ جاتے تھے اور اس زمانہ میں تہبند ہی پہنے جاتے تھے اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ جب سونے کے لئے بستر پر جاؤ اور کوئی فالتو کپڑا نہ ہو تو تہبند کے پلے سے ہی بستر جھاڑ دو پھر لیٹو۔[۲] گردوغبار، کانٹا، ہڈی یا کوئی موذی جانور، نجاست وغیرہ لہذا اس جھاڑ لینے میں جان وایمان دونوں کا امن ہے یہ حکم استحبابی ہے۔[۳] یعنی بستر جھاڑ کر داہنی کروٹ پر لیٹ جائے پھر لیٹ کر یہ کہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔[۴] یعنی تیرا نام لے کر سوتا ہوں اور تیرا نام لے کر اٹھوں گا دکان زندگی بند بھی تیرے نام پر کر رہا ہوں اور تیرے نام پر ہی کھولوں گا، میں کسی وقت نہ تجھ سے لاپرواہ ہوں نہ تجھ سے غافل۔ اللہ یہ قال بھی نصیب کرے اور یہ حال بھی۔[۵] اس طرح مجھے بخش دینا اور میری معمولی نیکیاں قبول فرمالینا، چونکہ نیند بھی ایک طرح کی موت ہے جس کے بعد بیداری موہوم ہے یقینی نہیں، اس لئے دعا کر کے سونا بہت مناسب ہے۔[۶] یعنی اگر تو مجھے اپنے فضل وکرم سے دوبارہ زندگی بخشے کہ بیدار کردے۔ تو جیسے کہ اپنے نیک بندوں کو نفس وشیطان، برے عقیدے واعمال سے بچائے رکھتا ہے مجھے بھی ان چیزوں سے بچانا، خلاصہ یہ کہ جسم کی حفاظت کے ساتھ روح کی حفاظت بھی فرمانا۔[۷] بہتر یہ ہے کہ پہلے داہنی کروٹ پر لیٹے، پھر چت، پھر بائیں پر، پھر دوبارہ داہنی کروٹ لیٹ کر سوجائے، کہ داہنی کروٹ پر سونے سے غفلت زیادہ نہیں ہوتی، وقت پر آنکھ کھلتی ہے، کیونکہ دل بائیں طرف ہے داہنی کروٹ پر لیٹنے سے دل معلق رہتا ہے۔ یہ فرق ہمارے لئے ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کروٹ پر لیٹیں آپ کو غفلت آتی ہی نہیں یہ عمل بہت مفید ہے۔ (مرقاۃ)[۸] یہ جھاڑنا لیٹنے سے پہلے ہے نہ کہ لیٹنے کے بعد کپڑے سے مراد چادر رومال یا تہبند ہے اس جھاڑنے کی حکمتیں پہلے بیان ہوچکی ہیں یہ حکم استحبابی ہے۔

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۲۲۷۴) روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ نَامَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِىْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِىْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِىْ اِلَيْكَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِىْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّ رَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِىْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِىْ اَرْسَلْتَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَهُنَّ ثُمَّ مَاتَ تَحْتَ لَيْلَتِهٖ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ يَافُلَانُ اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْاَيْمَنِ ثُمَّ قُلْ اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِىْ اِلَيْكَ اِلٰى قَوْلِهٖ اَرْسَلْتَ وَقَالَ فَاِنْ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاِنْ اَصْبَحْتَ اَصَبْتَ خَيْرًا ۔(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹتے پھر یوں کہتے الٰہی میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی اور اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کیا۱ اور اپنا کام تیرے سپرد کیا۔ تیرے کرم پر ٹیک لگائی تیری طرف رغبت کرتے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے۲ تجھ سے نہ کہیں پناہ ہے نہ رہائی سواء تیری طرف کے۳ میں تیری اتاری کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لایا۴ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو یہ کلمات کہہ لے پھر اسی رات مر جائے تو ایمان پر مرے گا۵ اور ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ اے فلاں جب تو اپنے بستر پر جائے تو نماز کا سا وضو کرے۶ پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے پھر کہے الٰہی میں نے اپنے کو تیرے سپرد کیا آخر کلام ارسلت تک ۷ اور فرمایا کہ اگر تم اسی رات میں مر گئے تم اسلام پر مرو گے اور اگر تم صبح پاؤ گے تو بہت بھلائی حاصل کرو گے۸۔ (مسلم بخاری)

(۲۲۷۴) ۱ نفس سے مراد ذات یا جان ہے اور وجہ سے مراد چہرہ یا توجہ یا دل کا رخ یا ان دونوں جملوں میں اپنے ظاہر و باطن کی طرف اشارہ ہے یعنی الٰہی میرا باطن بھی تیرے مطیع ہے کہ اس میں ریاء (شرک) سرکشی نہیں' اور میرا ظاہر بھی تیرا فرمانبردار کہ میرا کوئی عضو باغی نہیں' غرض یہ کہ میرا اپنا کچھ نہیں' سب کچھ تیرا ہے سوتے وقت یہ کلمات اس لئے عرض کئے تاکہ معلوم ہو کہ میرا سونا بھی تیرے حکم کے ماتحت ہے (لمعات وغیرہ) ۲ لہٰذا مجھے اندرونی و بیرونی آفات سے بچالے اور میری معاش و معاد اچھی کر دے' رغبت تو تفویض کے لحاظ سے ہے اور رہبت الجاء کے اعتبار سے ہے' چونکہ بیداری میں' انسان کچھ ذمہ دار ہوتا ہے اور با اختیار' مگر سو جانے پر سب کچھ کھو بیٹھتا ہے' اسی لئے اس موقع پر یہ دعا بہت ہی موزوں ہے۔ نیز سوتے وقت یہ خبر نہیں ہوتی کہ اب سویرے کو اٹھوں گا یا قیامت میں' اس لئے یہ کہہ کر سونا بہتر ہے کہ خدایا اب سب کچھ تیرے سپرد۔ شعر:۔

سپردم بتو مایہ خویش را ۔۔۔ تو دانی حساب کم و بیش را

۳ یعنی تیرے غضب سے پناہ صرف تیری رحمت کے دامن میں ہی مل سکتی ہے اور تیری پکڑ سے رہائی صرف تو ہی دے سکتا ہے۔ تیرے غضب کی آگ کو صرف تیری رحمت ہی کا پانی بجھا سکتا ہے' اگر تو عدل کرے تو اونچے اونچے کانپ جائیں' اگر فضل فرمائے تو گنہگاروں کی بھی امید بندھ جائے۔ شعر:۔

عدل کریں تے تھر تھر کمبن اُچیاں شاناں والے ۔۔۔ فضل کریں تے بخشے جاون میرے جیے منہ کالے

۴ کتاب سے مراد قرآن شریف ہے اور نبی سے مراد حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اور یہ الفاظ ہماری تعلیم کے لئے ہیں ورنہ حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ میں اپنی رسالت پر ایمان لایا' نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات یعنی نبوت ورسالت وغیرہ کا علم حضور کے لئے علم حضوری ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کے لئے عین ایمان ہیں' جیسے اللہ تعالٰی اپنی توحید ورسالت کو جانتا تو ہے مگر اسے موحد یا مومن اس معنی سے نہیں کہہ سکتے' یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت ورسالت کو جانتے تو ہیں مگر اس جاننے کو ایمان نہیں کہا جائے گا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کے لئے عین ایمان ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے قرآن کے مومن ہیں نہ کہ اپنے' اسی لئے ربّ تعالٰی نے فرمایا: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ (۲،۲۸۵) رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے ربّ کے پاس سے اُترا (کنزالایمان) یہ نہ فرمایا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِرِسَالَتِهٖ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سارے قرآن پر ایمان ہے اور قرآنی آیات میں حضور کی رسالت کی بھی آیات ہیں حضور ان کے مصداق ہیں اسی لحاظ سے اپنے بھی مومن (ازمرقات مع زیادۃ) ۵؎ یعنی یہ دعائیہ کلمات صبح تک اس کے ایمان کی گارنٹی ہیں' پھر سویرے کو نیا روز نئی روزی ہے۔ ۶؎ یعنی اگر سوتے وقت تمہارا وضو نہ ہو تو اس اہتمام سے وضو کرلو جس اہتمام سے نماز کے لئے کرتے ہو مع مسواک وادائے سنن ومستحبات' یہ حکم استحبابی ہے' پہلے بحوالہ مرقات عرض کیا جاچکا ہے کہ اگر اس وقت تیمم بھی کرے جب بھی انشاء اللہ یہ ہی فائدہ ہوگا ۷؎ یہ تمام کلام حضرت براء کا ہے جو اختصاراً بیان فرمایا' ظاہر یہ ہے کہ اس دعا میں کتاب سے قرآن شریف اور نبی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں' اور ممکن ہے کہ کتاب سے تمام آسمانی کتب اور نبی سے تمام نبی مراد ہوں کہ سب پر ایمان لانا ضروری ہے (اشعہ) نبی یا تو نباء سے بنا' معنی خبر' نبی خبر دینے والا کس کی اللہ کی ذات وصفات اور معاش ومعاد کی' یا نباءَ ۃ سے بنا بمعنی بلندی درجہ' نبی بلند درجے والا (مرقات)' ۸؎ بعض روایات میں انہی براء ابن عازب سے ہے کہ میں نے دوبارہ یہ ہی دعا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی تو بجائے بنبیك کے برسولك کہہ دیا' تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں یہ ہی کہو بنبیك معلوم ہوا کہ وظیفے کے الفاظ بالکل نہ بدلے ورنہ تاثیر نہ ہوگی' علماء فرماتے ہیں کہ اگر حدیث کے الفاظ یاد ہوں تو روایت بالمعنی نہ کرے' حدیث کی روایت بالمعنی جب درست ہے جبکہ الفاظ یاد نہ رہے ہوں' یونہی قرآن کریم کے الفاظ' شد' مد' مخارج طریقہ ادا میں حتی الامکان تبدیلی نہ ہونے دے' اس حدیث میں وعدہ فرمایا گیا کہ سوتے وقت یہ پڑھنے والا انشاء اللہ ایمان پر مرے گا اسلام وتقویٰ پر جئے گا' بڑی ہی مجرب دعا ہے' فقیر بفضلہ تعالٰی اس پر عامل ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَاٰوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِیَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِیَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۲۷۵) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو فرماتے خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا پلایا بچایا اور ہمیں پناہ دی ۱؎ کیونکہ بہت وہ ہیں جنہیں نہ کوئی بچانے والا ہے نہ پناہ دینے والا ۲؎ (مسلم)

(۲۲۷۵) ۱؎ کفایت سے مراد موذی جانوروں' آفتوں' بلاؤں سے محفوظ رکھنا' بچانا' حاجات پوری فرمانا' پناہ دینے سے مراد ہے رہنے کے لئے گھر دینا' سردی گرمی سے بچنے کو بستر وغیرہ عطا فرمانا' ۲؎ چنانچہ کفار کو ربّ تعالٰی نے نفس' شیطان کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا' اب وہ ہر طرح ان کے بس میں ہیں اسی طرح بعض وہ مساکین ہیں جن کے پاس نہ گھر ہے نہ در نہ بستر' ایمان نفس وشیطان سے امان ہے' مکان وبستر مصیبتوں سے امان ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو دونوں امان عطا فرمائیں۔

وَعَنْ عَلِیٍّ اَنَّ فَاطِمَةَ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۲۲۷۶) روایت ہے حضرت علی سے کہ جناب فاطمہ نبی کریم صلی

وَسَلَّمَ تَشْكُوْا اِلَيْهِ مَا تَلْقٰى فِيْ يَدِهَا مِنَ الرَّحٰى وَبَلَغَهَا اَنَّهٗ جَآءَهٗ رَقِيْقٌ فَلَمْ تُصَادِفْهُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِعَائِشَةَ فَلَمَّا جَآءَ اَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ قَالَ فَجَآءَ نَا وَقَدْ اَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْنَا نَقُوْمُ فَقَالَ عَلٰى مَكَانِكُمَا فَجَآءَ نَقَعَدَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهَا حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَقَدَمِهٖ عَلٰى بَطْنِيْ فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكُمَا عَلٰى خَيْرٍ مِّمَّا سَاَلْتُمَا اِذَا اَخَذْتُمَا مَضْجَعَكُمَا فَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَاحْمَدَ ثَلَاثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَكَبِّرَ اَرْبَعًا وَّثَلٰثِيْنَ نَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمَا مِنْ خَادِمٍ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس تکلیف کی شکایت کرنے جو ان کے ہاتھ کو چکی سے پہنچتی تھی۱ انہیں جب خبر لگی تھی کہ حضور کے پاس غلام آئے ہیں انہوں نے حضور کو نہ پایا تو حضرت عائشہ سے کہہ آئیں۲ جب حضور تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے یہ قصہ عرض کیا ۳ فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم بستر پکڑ چکے تھے تو ہم اٹھنے لگے تو فرمایا اپنی جگہ رہو تشریف لائے میرے اور فاطمہ زہراء کے درمیان بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ میں نے حضور کے قدم کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس کی۴ فرمایا میں تمہیں تمہارے سوال سے بہتر چیز نہ بتادوں۵ جب تم اپنے بستر لو تو ۳۳ بار سبحان اللہ پڑھو اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۶ (مسلم بخاری)

(۲۲۷۶) ۱ حضرت فاطمہ زہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی پیاری چہیتی صاحبزادی تھیں شادی سے پہلے کام کاج نہ کیا تھا۔ حضرت علی کے ہاں آکر تمام کام کرنے پڑے کام سے کپڑے کالے اور چکی سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے جو پھوٹ کر زخم بن گئے تھے شعر:۔

آئیں جب خاتون جنت اپنے گھر	پڑ گئے سب کام ان کی ذات پر
کام سے کپڑے بھی کالے پڑ گئے	ہاتھ میں چکی سے چھالے پڑ گئے

۲ یعنی اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کے گھر تھا' اس لئے خاتون جنت انہیں کے گھر تشریف لائیں' مگر اتفاقاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تھے دولت خانے میں نہ تھے اس لئے والدہ ماجدہ سے عرض کر کے واپس ہوگئیں۔ شعر:۔

پر نہ تھے دولت کدہ میں شاہ دیں	والدہ سے عرض کر کے آ گئیں

خود حضرت علی نے حضرت خاتون جنت کو بتایا تھا کہ آج قیدی غلام حضور کے ہاں آئے ہیں' حضور غلام بانٹ رہے ہیں ایک لونڈی تم بھی حضور سے مانگ لو جو گھر کا کام کاج کرے اس سے معلوم ہوا کہ شادی کے بعد بھی اولاد ماں باپ سے مانگ سکتی ہے اس میں نہ گناہ ہے نہ شرم۔ ۳ شعر

گھر میں جب آئے حبیبِ کبریا	والدہ نے ماجرا سارا کہا
فاطمہ چھالے دکھانے آئی تھیں	گھر کی تکلیفیں سنانے آئی تھیں
ایک لونڈی آپ اگر ان کو بھی دیں	چکی اور چولھے کے دکھ سے وہ بچیں

۴ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو حضرت عائشہ کو کچھ جواب دیا' نہ دن میں حضرت فاطمہ کے ہاں تشریف لائے رات کو سوتے وقت تشریف لائے تو بستر فاطمہ پر اس طرح تشریف فرما ہوئے کہ ایک قدم فاطمہ پر تھا دوسرا جناب علی کے سینہ پر انوار پر اس سینہ کے قربان جو

قدم رسول چومے ۵؎ یعنی لونڈی خادم کا فائدہ تم کو صرف دنیا میں پہنچے گا مگر اس دعا کا فائدہ دنیا' قبر' حشر ہر جگہ پاؤ گی' حضور نے انہیں خادم کیوں نہ عطا فرمایا۔شعر:۔

شب کو آئے مصطفٰی زہرا کے گھر	اور کہا دختر سے اے جان پدر
ہیں یہ خادم ان یتیموں کے لئے	باپ جن کے جنگ میں مارے گئے
تم پہ سایہ ہے رسول اللہ کا	آسرا رکھو فقط اللہ کا

۶؎ اس کا نام تسبیح فاطمہ ہے جو تمام سلسلوں میں خصوصاً سلسلہ قادریہ میں بہت معمول ہے' اس تسبیح کے لئے عام تسبیحوں میں' ہر ۳۳ دانہ پر چھوٹا امام پڑا ہوتا ہے' اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اس لئے طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے فاطمہ زہرا کا مطالبہ پورا نہ کیا' انہیں میراث نہ دی جس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچی' وہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا فتویٰ دیں گے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَآءَتْ فَاطِمَةُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهٗ خَادِمًا فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكِ عَلٰی مَاهُوَ خَیْرٌ مِنْ خَادِمٍ تُسَبِّحِیْنَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِیْنَ وَتَحْمَدِیْنَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِیْنَ وَتُكَبِّرِیْنَ اللّٰهَ اَرْبَعًا وَّثَلٰثِیْنَ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَعِنْدَ مَنَامِكِ .(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۲۷۷) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خادم مانگنے آئیں ۱؎ تو فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتادوں جو خادم سے بہتر ہے ۳۳ بار سبحان اللہ پڑھا کرو اور ۳۳ بار الحمد اللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر ہر نماز کے وقت اور سوتے وقت پڑھ لیا کرو ۲؎ (مسلم)

(۲۲۷۷) ۱؎ حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر' کیونکہ اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام انہی کے دولت خانہ میں تھا کیونکہ حضرت خاتون جنت کو تو جناب علی نے خبر دی تھی کہ آج حضور کے ہاں بہت لونڈی غلام آئے ہیں اور حضور انہیں مسلمانوں میں تقسیم فرمارہے ہیں تم بھی جاؤ ایک لونڈی حاصل کرلو جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزرا' خیال رہے کہ خادم مذکر مونث دونوں کو کہا جاتا ہے' یہاں مونث مراد ہے کیونکہ حضرت خاتون جنت نے لونڈی مانگی تھی جو چکی چولھے کا کام کر سکے (از مرقات) ۲؎ پچھلی حدیث میں صرف صبح شام کا ذکر تھا یہاں ہر نماز کا ذکر ہے' ممکن ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو صرف صبح شام کا حکم دیا ہو بعد میں ہر نماز کے بعد یا اس کے برعکس' بہرحال احادیث میں تعارض نہیں' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقر غنا سے افضل ہے اور صبر شکر سے بہتر' یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں باپ کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو محنتی' عابد' زاہد' متقی بنائیں۔انہیں صرف مالدار کرنے کی کوشش نہ کریں لڑکی کے لئے بہترین جہیز اعمال صالحہ ہیں نہ کہ صرف مال' یہ حدیث تربیت وتعلیم کا خزانہ ہے' یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکی سسرال کی تکالیف کی شکایت ماں باپ سے کرسکتی ہے ازالہ تکالیف کے لئے' یہ بھی معلوم ہوا کہ سسرال کی تکالیف پر ماں باپ لڑکی کو گھر نہ بٹھالیں بلکہ وہاں ہی رکھیں اور صبر وشکر کی تلقین کریں' اس سے خانگی زندگی کے بہت سے مسائل حل ہوجاتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا

(۲۲۷۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سویرا پاتے تو کہتے الٰہی ہم نے تیری مہربانی

وَبِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيٰ وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ وَ اِذَا اَمْسٰى قَالَ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيٰ وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

سے صبح پائی اور تیری مہربانی سے ہی شام کریں گے اور تیری مہربانی سے جئیں گے اور تیرے فضل سے مریں گے[۱] اور تیری ہی طرف رجوع ہے اور جب شام پاتے تو کہتے الٰہی تیرے فضل سے ہم نے شام پائی اور تیرے فضل سے ہی صبح کریں گے اور تیری مہربانی سے جئیں مریں گے تیری ہی طرف اٹھنا ہے[۲] (ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ)

(۲۲۷۸) [۱] خیال رہے کہ انسان کے مرنے پر تعجب نہیں بلکہ اسکی زندگی حیرت ناک ہے کیونکہ اندرونی اور بیرونی دشمن اتنے ہیں کہ خدا کی پناہ اتنے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود اس کا زندہ رہنا اللہ کی قدرت ہی ہے اس دعائے شریف کا یہی مطلب ہے کہ خدایا تیرے ہی کرم اور مہربانی سے ہم شام سے سویرا پا لیتے ہیں اور سویرے سے شام' ہماری زندگی اور موت تیرے ہی قبضہ میں ہے' یہ معنی تو بالکل ظاہر ہیں یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ خدایا ہماری زندگی و موت نفس' دنیا یا شیطان کے لئے نہیں بلکہ الحمد اللہ تیری عبادت کے لئے ہے۔[۲] نشور نشر سے بنا' معنی پھیلنا' اسی سے ہے منتشر' چونکہ قیامت کی زندگی پھیلے ہوئے بکھرے ہوئے اجزاء کو جمع کر کے ہوگی' اس لئے اس زندگی کو نشور کہا جاتا ہے' اسی لیے مرقات وغیرہ نے اس کا ترجمہ کیا بعث بعد الموت یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں کافر' مومن' منافق سب جمع ہیں مگر قیامت میں سب چھٹ جائیں گے کہ حکم ہوگا: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (۳۶؍۵۹) اور آج الگ پھٹ جاؤ گے اے مجرمو (کنزالایمان) اس لئے اس اٹھنے کا نام نشور ہے' اسی وجہ سے مرقات نے اس کے معنی کئے و التفرق بعد الجمع

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مُرْنِيْ بِشَيْءٍ اَقُوْلُهٗ اِذَا اَصْبَحْتُ وَاِذَا اَمْسَيْتُ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَّمَلِيْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ قُلْهُ اِذَا اَصْبَحْتَ وَاِذَا اَمْسَيْتَ اِذَا اَخَذْتَ مَضْجَعَكَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۲۷۹) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت ابوبکر نے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسی چیز بتایئے جو میں صبح شام کے وقت پڑھ لیا کروں[۱] فرمایا یوں کہا کرو اے اللہ اے کھلی چھپی چیزوں کے جاننے والے اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے اے ہر چیز کے ربّ ومالک[۲] میں گواہی دیتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں اپنے نفس کی شرارت اور شیطان کی شرارت اور اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں[۳] جب صبح پاؤ جب شام پاؤ جب اپنے بستر پر لیٹو یہ پڑھا کرو (ترمذی ابوداؤد دارمی)

(۲۲۷۹) [۱] بطور وظیفہ جو میرے لئے دین و دنیا میں مفید ہو' اس سوال سے معلوم ہوا کہ وظیفے شیخ کی اجازت سے پڑھنے چاہیں کہ اس میں الفاظ کی تاثیر کے ساتھ زبان کی تاثیر بھی جمع ہوجاتی ہے' جب صدیق اکبر جیسی ہستی کو اجازت کی ضرورت ہے تو ماوشما کس شمار میں ہیں[۲] خلق بمعنی پیدا کرنا اور فطر کے معنی ہیں بغیر مثال کے پیدا فرمانا یعنی ایجاد کرنا'' ربّ تعالیٰ آسمانوں کا خالق بھی ہے اور فاطر بھی' ہمارا خالق ہے فاطر نہیں' کیونکہ ہم سے پہلے بہت سے انسان پیدا فرما چکا ہے' مالک' بمعنی ملکیت والا اور ملیک کے معنی ہیں ہر طرح ملکیت والا ظاہر کا بھی باطن کا بھی' ہم لوگ اپنی چیزوں کے مالک تو ہیں مگر ملیک نہیں' ہماری ملکیت صرف ظاہر پر ہے وہ بھی چند روز۔[۳] خیال رہے کہ ہمارے نفس امارہ کی شرارتیں شیطان کے شر سے کہیں زیادہ ہیں' صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کا دل معدن اسرار ہے اور منبع اشرار شیطان تو فقط نفس کو

رائے دیتا ہے اصل سرکش نفس ہی ہے۔ نیز شیطان لاحول وغیرہ سے بھاگ جاتا ہے مگر یہ نفس نہ کسی وظیفہ سے بھاگے نہ کسی عمل سے، یہ تو صرف ربّ تعالیٰ کے فضل سے ہی دبتا ہے اسی لئے اس افصح الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کا ذکر پہلے فرمایا اور شیطان کا بعد میں، خیال رہے کہ یہ ذکر ہمارے اپنے نفسوں کا ہے، نفس صدیقی جو اللہ کی مہربانی اور اس کے حبیب کے کرم سے نورانی ہو چکا تھا وہ تو صدق وصفا کی کان ہے، حضور سنا رہے ہیں حضرت صدیق کو اور بتا رہے ہیں ہم کو، شرک میں دو احتمال ہیں "ش" کا زیر اور "ر" کا جزم، معنی کفر ایمان کا مقابل اور ش اور ر دونوں کا زبر، معنی شکاری کا جال (لمعات مرقات)

وَعَنْ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ یَقُوْلُ فِیْ صَبَاحِ كُلِّ یَوْمٍ وَّمَسَاءِ كُلِّ لَیْلَةٍ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَیَضُرُّهٗ شَیْءٌ فَكَانَ اَبَانٌ قَدْ اَصَابَهٗ طَرَفُ فَالِجٍ فَجَعَلَ الرَّجُلُ یَنْظُرُ اِلَیْهِ فَقَالَ لَهٗ اَبَانٌ مَا تَنْظُرُ اِلَیَّ اَمَا اِنَّ الْحَدِیْثَ كَمَا حَدَّثْتُكَ وَلٰكِنِّیْ لَمْ اَقُلْهُ یَوْمَئِذٍ لِیُمْضِیَ اللّٰهُ عَلٰی قَدَرَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَجَاءَةُ بَلَاءٍ حَتّٰی یُصْبِحَ وَمَنْ قَالَهَا حِیْنَ یُصْبِحُ لَهٗ تُصِبْهُ فَجَاءَةُ بَلَاءٍ حَتّٰی یُمْسِیَ ۔

(۲۲۸۰) روایت ہے حضرت ابان ابن عثمان سے[۱] فرماتے ہیں میں نے اپنے والد کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی بندہ نہیں جو ہر دن صبح شام اور ہر رات تین بار یہ کہہ لیا کرے میں نے اس کے نام سے صبح شام کی جس کے نام کی برکت سے نہ زمین کی کوئی چیز نقصان دے نہ آسمان کی اور وہ سنتا جانتا ہے۔ پھر اسے کوئی چیز نقصان بھی دے دے[۲] حضرت ابان کو کچھ فالج ہو گیا تو ایک شخص انہیں غور سے دیکھنے لگا[۳] آپ نے اس سے فرمایا کہ تو مجھے کیا دیکھتا ہے۔ حدیث ویسی ہے جیسی میں نے تجھے سنائی، لیکن اس دن میں یہ دعا نہ پڑھ سکا کہ اللہ مجھ پر اپنی قضاء قدر نافذ کر دے[۴] (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد) ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ اسے صبح بلاء ناگہانی نہ پہنچے گی اور جو صبح کو یہ پڑھے تو اسے شام تک آفت ناگہانی نہ پہنچے گی[۵]

(۲۲۸۰) آپ قرشی ہیں تابعی ہیں، حضرت عثمان ابن عفان کے فرزند ہیں۔ اپنے والد اور دیگر صحابہ سے بہت سی احادیث لیں اور ان سے امام زہری وغیرہ اکابر ملت نے، مدینہ منورہ میں قیام رہا یزید ابن عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں وفات پائی، یہ دعا مجرب ہے، فقیر بفضل ربّ قدیر اس کا عامل ہے الحمدللہ اس کی برکت سے ہر آفت سے امن رہا ہے۔ صبح پڑھ لو شام تک حفاظت ہے اور شام کو پڑھو تو صبح تک امن ۔[۳] یعنی جن لوگوں نے آپ سے یہ حدیث سنی تھی ان سے کوئی تعجب کر کے آپ کو دیکھنے لگا کہ آپ تو یہ حدیث روایت کرتے تھے اور یقین ہے کہ آپ اس پر عامل بھی ہوں گے اور یہ دعا پڑھتے بھی ہوں گے پھر آپ پر فالج کا اثر کیوں ہو گیا اور اس آفت سے آپ امن میں کیوں نہ رہے، حضرت ابان ان کا تعجب سمجھ گئے، اس لئے آپ نے وہ جواب دیا جو آگے آ رہا ہے۔[۴] سبحان اللہ کیا پاکیزہ فرمان ہے کہ حدیث سچی حدیث والے محبوب سچے ارادہ الٰہی برحق، جس دن مجھے فالج ہونے والا تھا اس دن میں یہ عمل پڑھنا ہی بھول گیا تھا اس لئے یہ فالج ہوا۔[۵] یہ الفاظ گزشتہ الفاظ کی گویا شرح ہے کہ اس دعا کی برکت سے ناگہانی بیماری اور زہریلے جانور کے کاٹنے اور دوسری اچانک آفتوں سے حفاظت رہتی ہے، دوسری قسم کی مصیبت آ سکتی ہے، خیال رہے کہ کسی دعا سے موت نہیں ٹل سکتی، وہ تو یقینی آتی ہے جسے کوئی تدبیر نہیں ٹال سکتی، نہ دعا نہ دوا، یہاں مرقات نے فرمایا کہ بڑی آفت ... جوان کو گھبرا ... معمولی تکالیف و بیماریاں تو

انسان کو لگی ہی رہتی ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَقُوْلُ اِذَا اَمْسٰی اَمْسَیْنَا وَاَمْسَی الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ رَبِّ اَسْاَلُكَ خَیْرَ مَا فِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ وَخَیْرَ مَا بَعْدَهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَافِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ وَشَرِّ مَابَعْدَهَا رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَمِنْ سُوْءِ الْكِبَرِ اَوِالْكُفْرِ وَفِیْ رِوَایَةٍ مِنْ سُوْءِ الْكِبَرِ وَالْكِبْرِ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابٍ فِی النَّارِ وَعَذَابٍ فِی الْقَبْرِ وَاِذَا اَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ اَیْضًا اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ رِوَایَتِهٖ لَمْ یَذْكُرْ مِنْ سُوْءِ الْكُفْرِ۔

(۲۲۸۱) روایت ہے حضرت عبداللہ[۱] سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت یہ پڑھتے تھے ہم نے اور اللہ کے سارے ملک نے شام پائی[۲] اللہ کا شکر ہے اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے[۳] اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ الٰہی میں تجھ سے اس رات کی بھلائی اس کے بعد کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس رات کے شر اور اس کے بعد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں[۴] یارب میں سستی اور بڑھاپے برے[۵] یا کفر سے اور ایک روایت ہے کہ برے بڑھاپے اور تکبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں[۶] یا رب میں آگ کے عذاب اور قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں[۷] اور جب سویرا پاتے تو بھی کہتے کہ ہم نے اور اللہ کے سارے ملک نے صبح پائی (ابوداؤد ترمذی) اور ایک روایت میں کفر کی ہر برائی کا ذکر نہ فرمایا۔

(۲۲۸۱)[۱] عبداللہ سے مراد حضرت عبداللہ ابن مسعود ہیں جو بڑے فقیہ مشہور صحابی ہیں (اشعۃ اللمعات)[۲] اللہ کے سارے ملک سے مراد عالم اجسام ہے، کیونکہ عالم انوار اور عالم امر وغیرہ پر نہ رات آئے نہ دن اسی طرح جنت و دوزخ میں سورج کا اثر نہیں وہاں رب کی تجلی ہے اَمْسَیْنَا میں یا تو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے یا سارے مسلمان یا سارے انسان اگرچہ ملک اللہ میں انسان بھی داخل تھا مگر چونکہ یہ اشرف المخلوق ہے اس لئے اسکا ذکر خصوصیت سے فرمایا لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے[۳] یعنی حقیقی ملک اور حقیقی حمد صرف رب تعالٰی کی ہے، دوسروں کا ملک بھی مجازی و عارضی ہے اور حمد بھی مجازی مصنوع کی تعریف دراصل صانع کی تعریف ہے[۴] یعنی اس رات کے شر سے بھی تیری پناہ اور آئندہ راتوں کے شر سے بھی، شر سے مراد تشریعی تکوینی دونوں شر ہیں، راتوں میں نیکیوں کی توفیق نہ ملنا گناہ ہو جانا، راتیں غفلت میں گزارنا ان کی تشریعی شر ہے اور راتوں میں چوری ڈکیتی گھر گر جانا اندھیرے میں زہریلے جانوروں کا کھانا وغیرہ تکوینی شریں ہیں، یہ ایک لفظ ان تمام کو شامل ہے[۵] سستی سے مراد نیکیوں میں سستی ہے جس سے یا تو نیکیاں ہوں ہی نہیں یا ہوں مگر بگڑ کر اور برے بڑھاپے سے مراد وہ بڑھاپا ہے کہ قوتیں جواب دے جائیں اور دوسروں پر انسان بوجھ بن جائے اللہ اس عمر سے بچائے۔ شعر:

دانت گرے اور کھر گھسے پیٹھ بوجھ نہ لے ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ کر بھس دے

[۶] تکبر اللہ تعالٰی کی تو صفت اسکا نام ہے متکبر یعنی بہت ہی بڑائی والا مگر بندے کے لئے تکبر کبھی عیب ہے کبھی خوبی بندے کے لئے اس کے معنی ہیں بڑائی کا اظہار اگر یہ کفار کے مقابلہ میں ہو خصوصًا جنگ کی حالت میں تو بہت ہی اچھا ہے خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین میں فرمایا انا ابن عبدالمطلب اور مسلمان کے مقابلہ میں ہو شیخی کے طور پر تو برا اور اگر رب تعالٰی کی نعمت کے اظہار کے لئے ہو تو اس کا نام شکر ہے یہ عبادت ہے اور اللہ رسول کے مقابلہ میں تکبر سے برا تکبر مراد ہے جو حرام یا کفر ہے[۸] دوزخ اور قبر دونوں جگہ آگ ہی کا عذاب ہو

گا مگر دوزخ کا عذاب آگ میں عذاب ہے اور قبر کا عذاب آگ سے عذاب ہے کہ آگ دوزخ میں ہے مگر اس کی گرمی قبر میں چونکہ دوزخ کا عذاب سخت ہے اور قبر کا عذاب اس سے نرم و ہلکا اسی لئے پہلے دوزخ کے عذاب کا ذکر فرمایا بعد میں قبر کے عذاب کا یعنی الٰہی میں دوزخ اور قبر کیعذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں، مقصد یہ ہے کہ خدایا مجھے زندگی میں ایسے اعمال سے بچا لے جو عذاب دوزخ یا عذاب قبر کا سبب ہیں، اور بعد موت قبر کے عذاب سے بچا اور بعد حشر دوزخ کے عذاب سے۔

وَعَنْ بَعْضِ بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهَا فَيَقُوْلُ قُوْلِيْ حِيْنَ تُصْبِحِيْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاْءُ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا فَاِنَّهٗ مَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ حَتّٰى يُصْبِحَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۲۸۲) روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صاحبزادیوں سے[۱] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سکھاتے تھے کہ فرماتے تھے صبح کے وقت یہ کہہ لیا کرو اللہ پاک ہے اسی کا شکر ہے اللہ کے بغیر قوت نہیں جو اللہ نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا[۲] میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہے جو صبح کے وقت یہ کہہ لے گا تو شام تک اسکی حفاظت کی جائے گی اور جو شام کے وقت یہ کہے گا تو صبح تک اس کی حفاظت ہوگی[۳] (ابوداؤد)

(۲۲۸۲) [۱] حضور علیہ السلام کی صاحبزادیاں چار ہیں، زینب، رقیہ، اُم کلثوم، فاطمہ، تمام نے حضور علیہ السلام کو جوانی میں دیکھا ہے سب کی شادی خود کی ہے، یہاں حضرت فاطمہ زہرا یا حضرت زینب وغیرہا مراد ہیں چونکہ تمام صاحبزادیاں متفقہ طیبہ طاہرہ ہیں اس لئے ان کا نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کے لئے مضر نہیں۔ [۲] سبحان اللہ کیسی پیاری حمد ہے یعنی اللہ نے جس چیز کا ہونا چاہا وہ ہوگئی اور جس کا ہونا نہ چاہا وہ نہ ہوئی، اور چاہنے نہ چاہنے میں اس کی صد ہا حکمتیں ہیں، کیونکہ وہ ہر عیب سے پاک ہے اور برائیوں کو چاہنا اچھائیوں کو نہ چاہنا اس کی شان سے بعید ہے، خیال رہے کہ ارادہ، رضاء، مشیت میں فرق ہے، رب تعالٰی ہر اچھی بری چیز کا خالق ہے اور ہر چیز اس کے ارادہ سے ہے مگر برائیوں سے راضی نہیں، کفار کا کفر، گنہگار کے گناہ رب تعالٰی کے ارادہ سے ہیں مگر اسکی رضا سے نہیں، یہاں مشیت، بمعنی ارادہ ہے یعنی ہر چیز کا وجود اس کی خلق و ارادہ سے ہے۔ [۳] حصن حصین شریف میں ہے کہ ابوداؤد، نسائی، ابن سنی نے عمل الیوم اللیلہ میں عبدالحمید مولٰی بنی ہاشم عن امہ عن بعض بنات النبی ہے، عبدالحمید کی والدہ کا نام معلوم نہ ہوسکا غالباً یہ صحابیہ ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ اَدْرَكَ مَافَاتَهٗ فِيْ يَوْمِهٖ ذٰلِكَ وَمَنْ قَالَهُنَّ حِيْنَ يُمْسِيْ اَدْرَكَ مَافَاتَهٗ فِيْ لَيْلَتِهٖ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۲۸۳) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو صبح کے وقت کہہ دے کہ اللہ کی پاکی ہے شام وسویرا پاتے وقت اس کی حمد ہو رہی ہے، آسمانوں اور زمین میں اور عصر اور ظہر کو بھی تسبیح پڑھو[۱] کذلک تخرجون تک تو اس دن میں جو نیکی چھوٹ گئی ہوا سے پالے گا اور جو شام کے وقت یہ پڑھے گا تو اس رات میں چھوٹی نیکیاں پالے گا[۲] (ابوداؤد)

(۲۲۸۳) ۱؎ اس آیت کریمہ میں سبحان اللہ سے مراد یا تو رب تعالٰی کی تسبیح پڑھنا ہے یعنی اے مسلمانو! صبح وشام رب تعالٰی کی بارگاہ میں تسبیح کا ہدیہ پیش کیا کرو اور یا اس سے مراد نمازیں ہیں کیونکہ نماز شروع سبحنك اللھم سے ہوتی ہے جزو بول کر کل مراد لیا گیا یعنی صبح شام نماز فجر ومغرب پڑھا کرو دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔ ولہ الحمد جملہ معترضہ ہے یعنی آسمان و زمین والے رب تعالٰی کی حمد وثناء کرتے ہیں ہر ذرہ قطرہ ہر فرشتہ و تارہ حمد الٰہی کرتا ہے تو مسلمانو تم کیوں خاموش رہتے ہو اس کے بعد پھر نماز کا ذکر ہوا عشیا وحین تظھرون عشیا سے وقت عصر مراد ہے اور تظھرون سے وقت ظہر مراد غرضیکہ اس آیت میں نماز پنج گانہ کا حکم ہوا کیونکہ تمسون یعنی شام کے وقت میں مغرب وعشا داخل ہیں' کیونکہ ان اوقات میں انسان کے حالات تبدیل ہوتے ہیں اور رب تعالٰی کی نعمتوں کی تجدید اسلئے خصوصیت سے ان اوقات میں تسبیح وتہلیل کا بھی حکم ہے اور ان ہی وقتوں میں نمازیں بھی فرض ہیں تاکہ ہر حال رب کی حمد سے شروع ہو' ان اوقات کی اہمیت ہماری کتاب تفسیر نعیمی میں ملاحظہ فرمایئے' ۲؎ نیکی چھوٹ جانے سے مراد نوافل نیکیاں چھوٹ جانا ہیں یا فرائض عبادات میں نقصان رہ جانا ہے یعنی رب تعالٰی اس آیت کریمہ کی برکت سے بہت سی نفلی نیکیوں کا اجر عطا فرمائے گا' اگر آج دن رات کے فرائض میں کچھ نقصان واقع ہو گیا ہوگا تو رب تعالٰی اس آیت کریمہ کی برکت سے بہت سی نفلی نیکیوں کا اجر عطا فرمائے گا' اور اگر آج دن رات کے فرائض میں کچھ نقصان واقع ہو گیا ہوگا تو رب تعالٰی نقصان پورا فرمادے گا' اس حدیث کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تمام فرائض وواجبات چھوڑ دو صرف یہ ہی آیت صبح شام پڑھ لیا کرو۔

وَعَنْ اَبِیْ عَیَّاشٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ كَانَ لَهٗ عِدْلُ رَقَبَةٍ مِّنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِیْلَ وَكُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَّحُطَّ عَنْهُ عَشْرُ سَیِّاٰتٍ وَّرُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَّكَانَ فِیْ حِرْزٍ مِّنَ الشَّیْطَانِ حَتّٰی یُمْسِیَ وَاِنْ قَالَهَا اِذَا اَمْسٰی كَانَ لَهٗ مِثْلُ ذٰلِكَ حَتّٰی یُصْبِحَ فَرَاٰی رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَا یَرَی النَّائِمُ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا عَیَّاشٍ یُحَدِّثُ عَنْكَ بِكَذَا وَكَذَا قَالَ صَدَقَ اَبُوْ عَیَّاشٍ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنِ مَا جَتَه)

(۲۲۸۴) روایت ہے حضرت ابوعیاش سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت یہ کہہ لیا کرے کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے' اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اسے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے ۲؎ اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس گناہ معاف ہوں گے اور اس کے دس درجے بلند ہوں گے ۳؎ اور اس کے لئے شام تک شیطان سے حفاظت ہوگی ۴؎ اور اگر یہ کلمات شام کے وقت کہہ لے تو صبح تک اسے یہ ہی ملے گا ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ۵؎ عرض کیا یا رسول اللہ ابوعیاش آپ سے ایسی ایسی حدیث روایت کرتے ہیں' فرمایا ابوعیاش سچے ہیں ۶؎ (ابوداؤد' ابن ماجہ) ۷؎

(۲۲۸۴) ۱؎ ابوعیاش دو ہیں ایک کا نام تو زید ابن صامت ہے کنیت ابوعیاش' یہ انصاری ہیں' دوسرے زید ابن عیاش مخزومی ہیں' یہ تابعی ہیں یہاں پہلے ابوعیاش مراد ہیں جو صحابی ہیں (لمعات' اشعہ) مصابیح کے بعض نسخوں میں یہاں ابن عباس ہے وہ غلط ہے صحیح ابوعیاش ہی ہے (مرقات) ۲؎ اسلام میں یوں تو غلام آزاد کرنا بڑا ثواب ہے خصوصاً جبکہ غلام اولاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہو اسکا آزاد کرنا تو بہت ہی ثواب ہے کہ اس میں ایک نبی کی اولاد پر احسان بھی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اولاد پر مہربانی کرنے میں زیادہ ثواب

ہے' بعض حضرات گیارھویں شریف کا تبرک حضرات سادات کرام کو دیتے ہیں ان کی اصل یہ ہی حدیث ہے' یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اولاد ہونا اللہ کی نعمت ہے' شرافت خاندان سے بھی ملتی ہے اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب **الکلام المقبول فی شرافة نسب الرسول** میں ملاحظہ فرمائیے' اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہل عرب کو غلام بنایا جا سکتا ہے' یہاں تو ان عرب غلاموں کی آزادی کا ذکر ہے جو پہلے سے غلام بنائے جا چکے تھے۳ درجوں سے مراد یا تو دنیا میں ایمانی درجے یا آخرت کے جناتی درجے یعنی یہ کلمات پڑھ لینے والے کے ایمان دس درجہ بڑھیں گے یا قیامت میں اس کے دس درجے جنت میں اونچے ہوں گے ان درجوں کی بلندی رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۴ اس طرح کہ انشاء اللہ شام تک شیطان اسے نہ گمراہ کر سکے گا نہ اس سے گناہ کبیرہ کرا سکے' ہاں نفس کی شرارت سے گناہ ہو جائیں تو ہو جائیں یا شیطان اسے دیوانہ و بیمار نہ کر سکے گا' بعض بیماریاں وجنون شیطانی اثر سے ہوتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے: **اَلَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ** (۲:۲۷۵) وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو (کنز الایمان) غرضکہ یہ دعا ایک مضبوط قلعہ ہے۵ یہ خواب یہاں اس لئے نقل فرمایا' کہ اس سے حدیث کی صحت معلوم ہوتی ہے' پتہ لگا کہ کبھی سچے خواب سے حدیث کو قوت پہنچ جاتی ہے بشرطیکہ خواب مخالف قانون شرعی نہ ہو' کیوں نہ ہو کہ خواب نبوت کے فیضان کا چھیالیسواں حصہ ہے' جب سچے خواب سے حدیث کو تقویت پہنچ سکتی ہے تو ولی کے صحیح کشف سے بھی قوت پہنچ سکتی ہے' مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے حضرت جنید کا واقعہ اپنی کتاب تحذیر الناس میں نقل فرمایا کہ بارہ ہزار کلمہ شریف سے عذاب سے نجات ہونے کی حدیث کو ایک جوان صالح کے کشف سے قوت ہوئی' مگر جو خواب یا الہام خلاف شرع ہو وہ الہام نہیں بلکہ وسوسہ شیطان ہے۶ اسے نسائی' ابن ابی شیبہ اور سنی نے بھی روایت کیا' ان کی روایات کے آخر میں کچھ کلمات زیادہ ہیں۔

وَعَنِ الْحَارِثِ بْنِ مُسْلِمِ ن التَّمِیْمِیِّ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اَسَرَّ اِلَیْهِ فَقَالَ اِذَا انْصَرَفْتَ مِنْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْ قَبْلَ اَنْ تُكَلِّمَ اَحَدًا اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَاِنَّكَ اِذَا قُلْتَ ذٰلِكَ ثُمَّ مُتَّ فِیْ لَیْلَتِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَازٌ مِّنْهَا وَاِذَا صَلَّیْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ كَذٰلِكَ فَاِنَّكَ اِذَا مُتَّ فِیْ یَوْمِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَازٌ مِّنْهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۲۸۵) روایت ہے حضرت حارث بن مسلم تمیمی سے وہ اپنے والد سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی کہ حضور انور نے انہیں خفیۃً۱ فرمایا کہ جب تم نماز مغرب سے فارغ ہو تو کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات بار یہ پڑھ لو الٰہی مجھے آگ سے بچا لے۲ جب تم یہ کہہ لو گے پھر اگر تم اس رات مر جاؤ گے تو تمہیں آگ سے گزر لکھی جائے گی اور جب تم فجر پڑھو تو یہ ہی کہہ لو پھر اگر تم اس دن فوت ہو جاؤ تو تمہارے لئے آگ سے گزر جانا لکھا جائے گا۳

(ابوداؤد)

(۲۲۸۵) اَسَرَّ اِسْرَ اسے بنا جس کے معنی خفیہ بھی ہیں یعنی سر بھید کی بات بتانا' اور اعلان بھی' اس طرح کہ اسراء کی ہمزہ سلب کے لئے ہو' یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خفیۃً یہ عمل بتایا تاکہ در مکنون کی طرح اس کی قدر کریں اور اس کو سنبھالیں یا علانیہ ارشاد فرمایا تاکہ دوسرے سامعین کو بھی اس کا فائدہ ہو (مرقات) مگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں جیسا کہ اشعہ اور لمعات وغیرہ میں ہے۲ یعنی نماز مغرب پڑھ کر بغیر کسی سے دنیاوی کلام کئے ہوئے سات بار یہ دعا پڑھو' دنیاوی کلام کر لینے سے نماز کا دلی خشوع وخضوع کم ہو جاتا ہے اور زبان پر نماز کی تاثیر کم ہو جاتی ہے' اس لئے بعض دعاؤں میں دنیاوی کلام نہ کرنے کی قید ہوتی ہے حتیٰ کہ تلاوت قرآن و دعاؤں کے دوران بھی اور وضو میں بھی دنیاوی کلام نہ کرنا چاہیے' سات بار کی قید اس لئے ہے کہ دوزخ کے دروازے سات ہیں

اس عدد کی برکت سے اللہ تعالٰی اس پر وہ ساتوں دروازے بند کردے گا' ہر عدد ایک قفل کا کام دے گا انشاء اللہ۳؎ جواز کا ترجمہ آج کل اصطلاح میں یا پاسپورٹ (Passport) ہے یعنی نکل جانے کا اجازت نامہ جیسے ویزہ (Visa) داخلہ کا اجازت نامہ ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان کلمات کی برکت سے آج تمہیں نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے بچنے کی توفیق ملے اور اگر آج موت آئی تو ایمان پر خاتمہ میسر ہوگا' یہ مطلب نہیں کہ یہ دعا پڑھ لو اور خواہ کتنی ہی بدکاریاں کرو' شرک کرو' جنتی ہو گئے' لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ حِيْنَ يُمْسِيْ وَحِيْنَ يُصْبِحُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَاَهْلِيْ وَمَالِيْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِيْ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ فَوْقِيْ وَاَعُوْذُ بِعَظْمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ يَعْنِي الْخَسْفَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۲۲۸۶) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام کے وقت یہ کلمات پڑھنا' کبھی نہ چھوڑتے تھے۱؎ الٰہی میں تجھ سے عافیت مانگتا ہوں دنیا و آخرت کی۲؎ الٰہی میں تجھ سے اپنے دین و دنیا اور گھر بار و مال میں معافی اور عافیت مانگتا ہوں۳؎ الٰہی میرے عیبوں کو چھپالے اور مجھے خوفوں سے امن دے۴؎ الٰہی مجھے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اور اوپر سے محفوظ رکھ۵؎ میں تیری عظمت کی پناہ مانگتا ہوں اس لئے کہ نیچے سے ہلاک کیا جاؤں یعنی زمین میں دھنسا کر۶؎ (ابوداؤد)

(۲۲۸۶) ۱؎ اس طرح فرمانا کہ لم یکن یدع مبالغہ کے لئے ہے یعنی میں سفر و حضر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا میں نے تو یہ دیکھا کہ حضور یہ پڑھنا کسی حالت میں نہ چھوڑتے تھے' یہ مطلب نہیں کہ آپ پر یہ دعا پڑھنی فرض تھی' معلوم ہوا کہ مستحب کام ہمیشہ کرنا حرام نہیں' حضور فرماتے ہیں کہ اچھا عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو۲؎ عافیت کے معنی ہیں آفات سے سلامتی و حفاظت' آفات میں دنیاوی آفتیں بھی داخل ہیں جیسے ناگہانی مصیبتیں بری بیماریاں وغیرہ اخروی آفتیں بھی شامل جیسے گناہ میں مشغولیت نیکیوں سے دوری بے صبری' ناشکری وغیرہ اسی لئے آگے دین و دنیا کا ذکر ہے' بعض نے فرمایا کہ دنیا کی عافیت گناہوں سے حفاظت ہے اور آخرت کی عافیت عذاب سے بچالینا ہے بہرحال یہ دعا بہت جامع ہے'۳؎ سبحان اللہ کیسی پیاری دعا ہے' انسان پر تین قسم کی ہی مصیبتیں آتی ہیں' جانی' مالی اور عیالی پھر یہ تینوں مصیبتیں دو طرح کی ہوتی ہیں دنیاوی اور دینی گویا کل چھ قسم کی آفتیں ہوئیں' ان چھ قسم کی مصیبتوں سے ایک چھوٹے سے جملے میں امن مانگ لی' خیال رہے کہ گناہ سے بچالینا عافیت اور گناہ سرزد ہو چکنے کے بعد معاف کر دینا عفو' اس پیارے محبوب نے ہم کو سب کچھ سکھا دیا اللہ تعالٰی ہمیں سیکھنے کی توفیق دے۴؎ چونکہ ہمارے عیوب بیشمار ہیں اور خطرناک چیزیں بے حد اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورات اور روعات جمع فرمائے' روع' بمعنی گھبراہٹ یہاں گھبراہٹ میں ڈالنے والی چیزیں مراد ہیں عوراتی' روعاتی میں نہایت نفیس مقابلہ ہے' خیال رہے کہ یہ دعا ہم گنہگاروں کی تعلیم کے لئے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو وہ شان ہے کہ جس پر ان کی نظر کریمانہ ہو جائے وہ عیبوں سے پاک ہو جائے۔ شعر:

جس طرف بھی اٹھ گئیں عالم منور ہو گئے　　　میں تری آنکھوں کے صدقے ان میں کتنا نور ہے

۵؎ اس مبارک جملہ میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ

(پ۸ء۱) پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے داہنے اور اُن کے بائیں سے (کنزالایمان) مقصد یہ ہے کہ شیطان کے آنے کے چار راستے ہیں میرے مولیٰ مجھے ان چاروں راستوں سے محفوظ فرمادے کہ کسی طرف سے شیطان مجھ تک نہ پہنچ سکے یا مقصد یہ ہے کہ آفات و بلائیں ان طرفوں سے آسکتی ہیں مولیٰ ان اطراف کو محفوظ فرمادے۔۲؎ اغتیال غیل سے بنا معنی دھوکہ یا اچانک اغتیال کے معنی میں اچانک قتل یا اچانک ہلاکت چونکہ دھنسا کر ہلاک کردینا تمام آفتوں سے سخت تر آفت ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا بعض شارحین نے فرمایا کہ چہار طرف سے آفت کا انسان کچھ تدارک ان سے بچنے کی تدبیر کرسکتا ہے مگر زمین میں دھنسنا وہ آفت ہے جس کی کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی اس لئے اسے علیحدہ بیان کیا مگر پہلی بات قوی ہے کیونکہ دوسری آفتوں کا مقابلہ کبھی انسان سے ناممکن ہوجاتا ہے بارش اوپر سے اور دریاؤں کا سیلاب ہر چہار طرف سے آتا ہے اور انسان کو بے بس کردیتا ہے انسان تو مکھی مچھر کا مقابلہ نہیں کرسکتا بس اللہ تعالٰی اپنی امان میں رکھے۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ اَللّٰهُمَّ اَصْبَحْنَا نُشْهِدُكَ وَنُشْهِدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَلَآئِكَتَكَ وَجَمِيْعَ خَلْقِكَ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا اَصَابَهٗ فِيْ يَوْمِهٖ ذٰلِكَ مِنْ ذَنْبٍ وَّاِنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا اَصَابَهٗ فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ مِنْ ذَنْبٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ۔

(۲۲۸۷) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صبح کے وقت یہ کہہ لے الٰہی ہم نے سویرا پالیا۱؎ ہم تجھے اور تیرا عرش اٹھانے والوں اور دیگر فرشتوں اور تیری ساری مخلوق کو گواہ بناتے ہیں۲؎ کہ تو اللہ ہے تجھ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں تیرا کوئی ساجھی نہیں اور یہ کہ محمد تیرے بندہ اور تیرے رسول ہیں۔مگر اللہ اس کے اس دن کے سارے گناہ معاف کردے گا اور اگر یہ کلمات شام کے وقت کہہ لے گا تو اللہ اس رات کے اس کے سارے گناہ معاف کردے گا۳؎(ترمذی،ابوداؤد)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

(۲۲۸۷)۱؎ یہ عرض معروض شکر کے لئے ہے نہ کہ رب تعالٰی کو خبر دینے کے لئے یعنی تیرا شکر ہے کہ ہم نے بخیریت سویرا پالیا رات میں ہلاک نہ ہوگئے مرکر دوبارہ زندگی پالی۔۲؎ یعنی اللہ تو بھی گواہ رہ اور تیری مخلوق میں سے اعلیٰ ادنیٰ ہر چیز گواہ رہے کہ نہ ہی کسی وقت تجھ سے غافل ہیں نہ تری نعمتوں کے منکر اس جملہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ تجدید ایمان کرتے رہنا بہت ہی اعلیٰ چیز ہے دوسرے یہ کہ اپنے ایمان پر خالق و مخلوق کو گواہ بنالینا بہت بہتر ہے یہ گواہیاں قیامت میں بڑے کام آئیں گی بعض روایات میں ہے کہ ہر جنگل و دریا میں بلند آواز سے کلمہ طیب پڑھا کرو کہ ذرے و قطرے تمہارے ایمان کے گواہ بن جائیں موذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک کی ہر چیز اس کے ایمان کی گواہ ہے بعض زائرین مدینہ منورہ میں روضہ اطہر پر حاضر ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایمان کا گواہ بناتے ہیں عرض کرتے ہیں یارسول اللہ میں گواہ ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں حضور بھی گواہ رہیں کہ میں آپ کا گنہگار امتی ہوں پڑھتا ہوں لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے اور اس کے بڑے بڑے فائدے ہیں۔۳؎ یا اس طرح کہ اس دن تجھ کے گناہوں سے بچنے کی توفیق دے گا یہ بھی معافی کی ایک صورت ہے یا اس طرح کہ جو گناہ اس سے آج سرزد ہوں گے انہیں معاف فرما دے گا سبحان اللہ ساری مخلوق کو اپنے ایمان کا گواہ بنالینا اتنا مفید ہے تو جن لوگوں نے جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا گواہ بنالیا ان کی

قسمت کا کیا کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب شہدائے احد کو دفن فرما رہے تھے تو فرماتے تھے کہ میں ان لوگوں کے ایمان کا گواہ ہوں' درہ والے قسمت والے شہید' جو حضور کے ہاتھوں دفن ہو گئے تمہاری تو مٹی ٹھکانے لگ گئی' محنت وصول ہو گئی۔

میں سمجھوں گا مٹی ٹھکانے لگی مدینہ میں برباد گر ہو گئی

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسٰى وَاِذَا اَصْبَحَ ثَلٰثًا رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّرْضِيَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

(۲۲۸۸) روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی بندہ مسلمان نہیں جو شام اور صبح تین بار یہ کہہ لیا کرے میں اللہ کی ربوبیت اسلام کے دین ہونے اور محمد مصطفیٰ کے نبی ہونے سے راضی ہوا، مگر اللہ کے ذمہ کرم پر ہو گا کہ قیامت میں اسے راضی فرمالے۲(احمد' ترمذی)

(۲۲۸۸)۱اللہ سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی قضاء سے راضی رہے' رضاء بالقضاء خاص بندوں ہی کو نصیب ہوتی ہے' اور اسلام سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کے تمام احکام پر خوش ہو سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضور کو اپنے جان مال اولاد کا صحیح معنی میں مالک جانے' اور حضور کو تمام چیزوں سے پیارا جانے' اللہ تعالٰی اس قال کو حال کردے اور حقیقت یہ ہے کہ جب حضور پیارے تو حضور کی ہر چیز پیاری' حضور کا قرآن' حضور کا اسلام' بلکہ حضور کا رب بھی پیارا' عشق مصطفیٰ تمام محبتوں کا ذریعہ ہے شعر:۔

محمد از توے خواہم خدا را خدایا از تو عشق مصطفیٰ را

اکثر دعائیں تین بار پڑھی جاتی ہیں تاکہ جماعت ہو جائے' اور جماعت پر اللہ کی رحمت ہے' اسی لئے یہ کلمات بھی تین تین بار کہے۔۲یعنی قیامت میں رب اسے اتنا دے گا کہ بندہ خوش ہو جائے گا' خیال رہے کہ یہ صفت کہ رب بندے کو راضی کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے رب تعالٰی نے فرمایا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (۹۳'۵) اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے (کنزالایمان) پھر حضور کے صدقہ سے حضرت صدیق اکبر کو یہ وصف ملا کہ رب تعالٰی نے ان کے متعلق فرمایا وَلَسَوْفَ يَرْضٰى پھر ان سرکار کے صدقہ سے یہ کلمات پڑھنے والے کو بھی عطا ہوا' حضرت صدیق اکبر عملی طور پر اللہ' اسلام اور حضور سے راضی تھے انہوں نے یہ کر کے دکھا دیا رضی اللہ عنہ۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّنَامَ وَضَعَ يَدَهٗ تَحْتَ رَاْسِهٖ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ اَوْ تُبْعَثُ عِبَادَكَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنِ الْبَرَاءِ

(۲۲۸۹) روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سونا چاہتے تو اپنا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھتے۱پھر فرماتے الٰہی مجھے اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے یا اپنے بندوں کو اٹھائے۲(ترمذی) اور احمد نے حضرت براء سے روایت کی۔

(۲۲۸۹)۱اس طرح کہ ہاتھ شریف کا بعض حصہ سر مبارک کے نیچے رہتا اور بعض حصہ رخسار مبارک کے نیچے یا کبھی سر کے نیچے ہاتھ رکھتے کبھی رخسار کے نیچے ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے۲یہ کلمات تین بار فرماتے تھے (مرقات) یہ سب کچھ ہماری تعلیم کے لئے ہے ورنہ ہم گنہگاروں کو حضور عذاب الٰہی سے بچائیں گے شفاعت فرمائیں گے۔

وَعَنْ حَفْصَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْقُدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۲۲۹۰) روایت ہے حضرت حفصہ سے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے رخسارہ کے نیچے رکھتے ا پھر تین بار عرض کرتے خدایا مجھے اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے ۲(ابوداؤد)

(۲۲۹۱) ا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سوتے یا رات میں سوتے یا بحالت سفر جنگل میں ہمیشہ قبر کے رخ پر لیٹتے تھے داہنی کروٹ پر قبلہ رو ہوکر اور داہنا ہاتھ داہنے رخسارے کے نیچے رکھتے' اس طرح کہ ہاتھ کا کچھ حصہ سر کے نیچے بھی ہوتا تھا' اس طرح سونا سنت ہے' اور یوں ہی دفن بھی کیا جائے تو بہتر ۲ یعنی قیامت کے عذاب سے بچا کہ اصل عذاب تو وہی ہے قبر کا عذاب یا نزع کے وقت کا عذاب تو اس عذاب کا پیش خیمہ ہے جو قیامت کے عذاب سے محفوظ ہوگا تو امید ہے کہ ان عذابوں سے بھی بچا رہے گا۔ خیال رہے کہ مومن کو نزع کی شدت یا قبر کی وحشت عذاب نہیں' گنہگار کے لئے عتاب ہے اور نیک کار کے لئے رحمت جیسا کہ باب عذاب قبر میں عرض کیا گیا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ مَضْجَعِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ تَكْشِفُ الْمَغْرَمَ وَالْمَاْثَمَ اَللّٰهُمَّ لَا يُهْزَمُ جُنْدُكَ وَلَا يُخْلَفُ وَعْدُكَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۲۲۹۱) روایت ہے حضرت علی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیٹتے وقت کہتے تھے الٰہی میں تیری ذات کریم کی اور تیرے کامل کلمات کی پناہ لیتا ہوں ا اس کے شرارت سے تو جس کی پیشانی پکڑے ہے ۲ الٰہی تو ہی قرض اور گناہ کو دور کرتا ہے ۳ الٰہی تیرا لشکر کبھی شکست نہیں پاتا تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا ۴ اور تیرے مقابل بختاور کو بخت نفع نہیں دیتا ۵ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے (ابوداؤد)

(۲۲۹۱) ا وجہ سے مراد ذات باری تعالٰی ہے کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اور کلمات الٰہیہ سے مراد اس کے اسماء وصفات ہیں یا آیات قرآنیہ' میں یا کن فرمانا یعنی تیری ذات وصفات آیات کی پناہ لیتا ہوں' چونکہ یہ تمام چیزیں کامل ہیں نقصانات سے پاک' اس لئے انہیں تامات فرمایا گیا معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندوں خصوصاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کلمات اللہ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اللہ ہیں جیسا کہ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ (۱۸:۱۰۹) کی تفسیر صوفیانہ میں ہے' ۲ یعنی ساری موذی چیزیں تیرے قبضہ میں ہیں جسے تو بچانا چاہے اسے یہ موذی تکلیف نہیں دے سکتیں' پیشانی پکڑنے سے مراد قبضہ میں ہونا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا (۱۱:۵۶) کوئی چلنے والا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضہ قدرت میں نہ ہو (کنزالایمان) ۳ ممکن ہے کہ قرض سے مراد اللہ تعالٰی کے فرض ہوں جیسے وہ فرض واجب عبادات جو ادا نہ کی گئیں' اور ماثم سے مراد وہ گناہ ہوں جو نہ کرنے تھے اور کر لئے گئے یا مغرم سے مراد وہ ناجائز قرض ہیں جن سے رب ناراض ہے جیسے حرام کام میں خرچ کرنے کے لئے قرض لینا لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے اتنی پناہ مانگی ہے تو آپ پر قرض کیوں ہوتا تھا حتی کہ وفات کے وقت بھی آپ کی زرہ قرض میں گروی تھی۔ بعض قرض ثواب ہیں اور بعض قرض گناہ' قرض گناہ سے پناہ مانگی (از مرقات مع زیادت) یا قرض سے وہ قرض مراد ہے جو ادا نہ ہو سکے' حضور کے تمام قرض ادا ہو گئے حتی کہ حضور کے بعد صدیق اکبر نے ادا کئے' ۴ اللہ کے لشکر سے مراد تو فرشتوں کا لشکر ہے یا جانوروں وغیرہ کا وہ لشکر جو عذاب دینے آئے'

جیسے فیل والوں پر ابابیل یا احزاب کے کفار پر ہوا کا لشکر' یا طوفان نوحی میں پانی کا لشکر یا لشکر سے مراد مومن غازیوں کا لشکر ہے جو محض رضائے الٰہی کے لئے جہاد کرے کہ انجام کار فتح اسی کی ہوتی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ کبھی ان کی شکست ہوتی ہے عارضی وہ بھی اپنی کسی غلطی کی وجہ سے کربلا میں امام حسین کی فتح ہوئی کہ اسلام بچ گیا' حسینی لشکر اللہ کا لشکر تھا' نیز رب کے وعدہ میں خلاف ناممکن ہے اس کا وعدہ ہو چکا اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۵۸:۲۲) سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے (کنزالایمان) ۵؎ جد کے معنی مال بھی ہیں اور بخت ونصیب بھی' دوسرے معنی یہاں زیادہ موزوں ہیں۔ نصیب میں مال' سلطنت' فوج' مکان وقلعہ وغیرہ سب ہی داخل ہیں یعنی جب تو کسی کو پکڑے تو اسے نہ سلطنت بچا سکتی ہے نہ فوج وخزانہ اور قلعہ۔ تیری پکڑ سے تیری رحمت ہی بچا سکتی ہے' یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند لوگ حاضر تھے کوئی جدی الاہل کسی نے کہا جدی الزرع' کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ' تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنا کر یہ دعا کی۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَاْوِیْ اِلٰى فِرَاشِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ اَوْعَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ اَوْعَدَدَ وَرَقِ الشَّجَرِ اَوْ عَدَدَ اَيَّامِ الدُّنْيَا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

(۲۲۹۲) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے بستر پر جاتے وقت یہ کہہ لے میں اس اللہ سے معافی مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۱؎ وہ زندہ اور قائم رکھنے والا ہے اور اس بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں ۲؎ (تین بار کہے) تو اللہ اس کے گناہ بخش دے گا اگرچہ سمندر کے جھاگ یا ریگ رواں یا درختوں کے پتوں یا دنیا کے دنوں کے برابر ہوں ۳؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۲۲۹۲) ۱؎ سوتے وقت یہ دعائیں واستغفار اس لئے پڑھائے گئے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہے' نہ معلوم اب جاگنا ہو یا نہ ہو لہٰذا توبہ کر کے سونا' کہ اگر یہ آخری نیند ہو تو اللہ تعالٰی کے نام پر ہو۔ شعر:۔

سونے والے اللہ اللہ کر کے سو کیا خبر اب جاگنا ہو یا نہ ہو

اس استغفار میں بندے کی اپنی بے بسی اور رب تعالٰی کی انتہائی قدرت وقوت کا اظہار ہے' ان دونوں باتوں کا اقرار ہی توبہ کی جان ہے ۲؎ اس طرح کہ جو ہو گیا' ہو گیا' اب کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا' تو کریم ورحیم ہے' معافی دیدے' ۳؎ ظاہر یہ ہے کہ گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں ممکن ہے کہ گناہ کبیرہ بھی مراد ہوں' اس کی رحمت ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے کہ ہمارے گناہ محدود ہیں رب تعالٰی کی رحمت غیر محدود' ایام دنیا سے مراد اوقات دنیا ہیں یعنی گھنٹے' منٹ اور سیکنڈ' عالج علج سے بنا' معنی دخول' اسی لئے خاص خادم کو عالج کہتے ہیں کہ ہمارے کاموں میں دخیل ہوتا ہے' دوا کرنے کو علاج کہتے ہیں کہ وہ دوا مرض میں یا بدن میں داخل ہو کر اثر کرتی ہے' بہت زیادہ ریتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض ریتہ بعض میں دھنسا جا رہا ہے اس لئے اسے عالج کہتے ہیں' یہ ریتہ دور سے دریا معلوم ہوتا ہے اسی لئے اس رمل عالج کا ترجمہ ریگ رواں کیا جاتا ہے (مرقات مع اضافہ)

وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَاْخُذُ مَضْجَعَهٗ بِقِرَآءَةِ

(۲۲۹۳) روایت ہے حضرت شداد بن اوس ۱؎ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو بستر پر لیٹے

سُوْرَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا فَلَا يَقْرَبُهٗ شَيْءٌ يُّؤْذِيْهِ حَتّٰى يَهُبَّ مَتٰى هَبَّ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

قرآن شریف کی کوئی سورۃ پڑھ کر۲ مگر اللہ تعالیٰ اس پر فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے پھر کوئی ایذا دہ چیز اس کے پاس نہیں پھٹکتی حتیٰ کہ بیدار ہو جب بھی۳ (ترمذی)

(۲۲۹۳)۱ پہلے عرض کیا جا چکا کہ آپ حضرت حسان ابن ثابت کے بھائی ہیں، انصاری، بڑے عالم و عابد تھے۲ اس طرح کہ لیٹ کر یا سورۃ پڑھ کر لیٹے مگر یہ سورۃ کا پڑھنا لیٹنے کے ارادہ سے ہو، ظاہر یہ ہے کہ سورۃ سے مراد پوری سورت ہے نہ کہ کسی سورت کی کچھ آیات جیسے فلق و ناس یا قل یایھا الکفرون وغیرہ بعض لوگ آیۃ الکرسی بھی پڑھ لیتے ہیں اور سورۂ کافرون بھی، یہ بہت ہی اچھا ہے۔۳ بزار نے حضرت انس سے روایت کیا ہے مرفوعاً کہ لیٹتے وقت سورہ فاتحہ اور قل ہو اللہ احد پڑھ کر سوؤ، رات بھر امن میں رہو گے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ سورہ بقر کی آخری تین آیات پڑھ کر سویا کرو، محفوظ رہو گے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلَّتَانِ لَا يُحْصِيْهِمَا رَجُلٌ مُّسْلِمٌ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ اَلَاوَ هُمَا يَسِيْرٌ وَّمَنْ يَّعْمَلُ بِهِمَا قَلِيْلٌ يُسَبِّحُ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرًا وَّيَحْمَدُهٗ عَشْرًا وَّيُكَبِّرُهٗ عَشْرً قَالَ فَاَنَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُهَا بِيَدِهٖ قَالَ فَتِلْكَ خَمْسُوْنَ وَمِائَةٌ فِي اللِّسَانِ وَاَلْفٌ وَّخَمْسُ مِائَةٍ فِي الْمِيْزَانِ وَاِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ يُسَبِّحُهٗ وَيُكَبِّرُهٗ وَيَحْمَدُهٗ مِائَةً فَتِلْكَ مِائَةٌ بِاللِّسَانِ وَاَلْفٌ فِي الْمِيْزَانِ فَاَيُّكُمْ يَعْمَلُ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ اَلْفَيْنِ وَخَمْسَ مِائَةِ سَيِّئَةٍ قَالُوْا وَكَيْفَ لَا نُحْصِيْهَا قَالَ يَاْتِيْ اَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ وَهُوَ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَيَقُوْلُ اذْكُرْ كَذَا اذْكُرْ كَذَا حَتّٰى يَنْفَتِلَ فَلَعَلَّهٗ اَنْ لَّا يَفْعَلَ وَيَاْتِيْهِ فِيْ مَضْجَعِهٖ فَلَا يَزَالُ يُنَوِّمُهٗ حَتّٰى يَنَامَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ قَالَ خَصْلَتَانِ اَوْ خُلَّتَانِ لَا يُحَافِظُ عَلَيْهِمَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ وَكَذَا فِيْ رِوَايَتِهٖ بَعْدَ قَوْلِهٖ وَاَلْفٌ وَّخَمْسُ مِائَةٍ فِي الْمِيْزَانِ قَالَ وَيُكَبِّرُ اَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ وَيَحْمَدُ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَيُسَبِّحُ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَفِيْ اَكْثَرِ

(۲۲۹۴) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصلتیں ایسی ہیں کہ کوئی مسلمان آدمی انہیں اختیار نہیں کرتا مگر جنت میں ضرور جائے گا۱ وہ ہیں تو آسان مگر ان پر عامل تھوڑے ہیں۲ ہر نماز کے بعد دس بار اللہ کی تسبیح کہے۔ دس بار اس کی حمد کرے۔ دس بار تکبیر کہے۳ راوی فرماتے ہیں پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے عقد انامل فرما کر فرمایا کہ یہ زبان میں تو ڈیڑھ سو ہیں۴ مگر میزان یعنی ترازو میں ڈیڑھ ہزار ہوں گے۵ اور جب اپنا بستر لے تو سو بار تسبیح تکبیر اور حمد کرے۶ تو یہ زبان میں ایک سو ہیں اور میزان میں ایک ہزار ۷ بتاؤ تو تم میں سے کون ہے جو ایک دن و رات میں ڈھائی ہزار گناہ کرے۸ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم ان کلمات کی کیوں نہ پابندی کریں گے۹ فرمایا جب کوئی نماز میں ہوتا ہے تو شیطان اس کے پاس پہنچ کر کہتا ہے فلاں بات یاد کرو فلاں بات یاد کرو حتیٰ کہ نمازی کو باز رکھ دیتا ہے تو شاید وہ یہ عمل نہ کر سکے۱۰ اور شیطان اس کی خوابگاہ پر پہنچ کر اسے سلاتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ سو جاتا ہے۱۱ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا دو خصلتیں یا دو عادتیں ایسی ہیں جن کی کوئی بندہ مسلمان حفاظت نہیں کرتا ۱۲ الخ اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں اس کلام کے بعد کہ میزان میں ڈیڑھ ہزار ہیں یہ ہے کہ فرمایا ۳۴ بار تکبیر کہے

تُسْخِ الْمَصَابِیْحِ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ ۔ جب اپنا بستر لے اور۳۳ بار الحمد اللہ پڑھے اور ۳۳ بار سبحان اللہ کہے ۱۳؎ اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

(۲۲۹۴)۱؎ ایسے مقامات میں رجل بمعنی آدمی ہوتا ہے نہ کہ بمعنی مرد لہٰذا یہ مطلب نہیں کہ مرد مسلمان تو یہ عمل کرے عورت مسلمہ نہ کرے بلکہ جو بھی کرے مرد یا عورت سب کو مفید ہے' مسلم کی قید اس لئے لگائی گئی کہ کافر کا کوئی عمل وظیفہ نہ قبول ہے نہ باعث ثواب' ۲؎ خیال رہے کہ بعض اعمال کی دنیاوی تاثیر کفار سے صادر ہو جاتی ہیں' جیسے گالی کا برا اثر اور اچھے الفاظ کا دل پر اچھا اثر بہر حال ہوتا ہے' خواہ کافر کی طرف سے ہو یا مومن کی طرف سے: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (۲:۴۵) اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان پر (نہیں) جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں (کنزالایمان) یہ نماز خاشعین کے سواء دوسروں پر گراں ہے' اس کا ظہور آج بھی ہو رہا ہے کہ روزہ' حج جو مشکل چیزیں ہیں لوگ خوشی وشوق سے کرتے ہیں حتیٰ کہ بچے روزے کے لئے ضد کرتے ہیں مگر نماز کا پابند کوئی کوئی ہے' اسی طرح اس عمل کے پڑھنے والے اب بھی بہت کم دیکھے جاتے ہیں' یہ ہے اس مخبر صادق کی سچی خبر صلی اللہ علیہ وسلم' ۳؎ اس طرح کہ پہلے دس بار سبحان اللہ کہے' پھر دس بار الحمد اللہ' پھر دس بار اللہ اکبر' یہ نہ کرے کہ سبحان اللہ والحمد اللہ اللہ اکبر ملا کر دس بار کہے کہ یہ مقصد حدیث کے خلاف ہے ۴؎ اس طرح کہ ہر نماز کے بعد تیس ہوئے' اور پانچ نمازیں ہیں تو تیس پنجہ ڈیڑھ سو ہوئے' ۵؎ یعنی یہ کلمات روزانہ پڑھنے میں ڈیڑھ سو مگر ثواب میں ڈیڑھ ہزار' کیونکہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے' رب تعالٰی فرماتا ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (۶:۱۶۰) جو ایک نیکی لائے اس کے لئے اس جیسی دس ہیں (کنزالایمان)' یہ تو ہے قانون' اور فضل رب کا کوئی حساب نہیں' ۶؎ یعنی سوتے وقت بستر پر لیٹنے سے پہلے سبحان اللہ ۳۳ بار' الحمد اللہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرے' واؤ ترتیب کے لئے نہیں لہٰذا اللہ اکبر الحمد اللہ کے بعد پڑھے' اور اس کا ذکر حمد سے پہلے ہے یہ ہی بزرگوں کا عمل ہے اور دوسری احادیث بھی اس کی تائید فرماتی ہے۔ ۷؎ یہاں بھی وہ ہی حساب ہے کہ قانوناً ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے' تو سو کلمات کا ثواب ہزار گنا ہوا' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں وزن نیکی کے ثواب کا ہوگا نہ کہ محض الفاظ کا' اسی لئے کفار کی نیکیاں بالکل وزنی نہ ہوں گی' اور گناہ بہت بھاری' انشاء اللہ مومن کی نیکیاں بقدر اخلاص وزنی ہوں گی اور گناہ کا یا تو وزن ہوگا ہی نہیں اگر ہوگا تو بہت ہلکا' رب تعالٰی کفار کی نیکیوں کے متعلق فرماتا ہے: فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (۱۸:۱۰۵) تو ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی تول نہ قائم کریں گے (کنزالایمان) لہٰذا فی المیزان فرمانا بہت موزوں ہے' ۸؎ یعنی یہ کلمات سارے مل کر پڑھنے میں تو ہوئے ڈھائی سو' اور ثواب میں ہوئے ڈھائی ہزار' اور ہر ایک کلمہ ایک ایک گناہ مٹاتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱:۱۱۴) بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں (کنزالایمان) چنانچہ ان کا مجموعہ ڈھائی ہزار گناہ مٹانے کے لئے کافی ہے اور بمشکل ہی کوئی مسلمان ایسا ہوگا' جو ڈھائی ہزار گناہ روزانہ کرے۔ تو انشاء اللہ اب یہ کلمات خالص نفع ہی میں بچے' کچھ نے تو گناہ مٹائے' اور جو گناہوں سے بچے انہوں نے درجے بڑھائے' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکیاں ثواب کا باعث بھی ہیں اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ بھی' داتا کی دین کے بہانے ہیں' ۹؎ یہ سوال تعجب کے لئے ہے کہ یا حبیب اللہ اتنا آسان عمل اور اتنے فائدے والا عمل کون چھوڑے گا اور کیوں چھوڑے گا' کیسے چھوڑے گا ۱۰؎ سبحان اللہ کیسا پیارا جواب ہے' یعنی جب شیطان فرائض عبادات میں یوں خلل ڈال دیتا ہے' تو یہ عمل تو ایک نفلی کام ہے اس سے کیوں نہ روکے گا' نماز کے بعد تمہیں ایسے کام یاد دلائے گا کہ تم مسجد سے جلد جانے کی کوشش کرو گے' اور کہے گا کہ یہ عمل صرف نفلی ہی تو ہے اسے چھوڑ دو' فلاں کام چل کر کرو' ۱۱؎ یعنی نماز والے عمل سے تو اس طرح روکے گا جو بیان ہوئی' اور سوتے

وقت کے عمل سے یوں روکے گا کہ اسے بستر پر پہنچتے ہی سلادے گا کہے گا کہ یہ عمل صرف نفلی ہے اسے چھوڑ دے اور جلد سو جاؤ تا کہ فجر کے لئے وقت پر آنکھ کھلے' خیال رہے کہ شیطان دینداروں کے پاس پہنچ کر دین دکھا کر بہکاتا ہے' ۱۲یعنی ابوداؤد کی روایت میں شک سے ہے کہ خلتان فرمایا: یاصلتان اگر چہ ان دونوں لفظوں کے معنی ایک ہی ہیں مگر محتاط راوی الفاظ رسول اللہ کی پابندی کرتے تھے اور حدیث کو قرآن شریف کی طرح یاد کرتے تھے اگر کہیں ذرا سا تردّد ہو جاتا تو بیان کر دیتے ہے ۱۳یہاں بھی وہ بات یاد رہے جو ابھی پہلے عرض کی گئی کہ داؤ ترتیب نہیں چاہتا لہٰذا بیان میں تکبیر پہلے ہے اور تسبیح بعد میں' مگر پڑھنے میں سبحان اللہ پہلے ہوگی اور اللہ اکبر بعد میں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ غَنَّامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ يَوْمِهٖ وَمَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ حِيْنَ يُمْسِیْ فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ لَيْلَتِهٖ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۲۹۵) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن غنام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صبح کے وقت یہ پڑھے الٰہی تیری جو نعمت مجھے یا تیری کسی مخلوق کو ملی وہ صرف تیرے اکیلے کی طرف سے ہے ۱تیرا کوئی شریک نہیں' لہٰذا تیری ہی حمد ہے اور تیرا ہی شکر ۲تو اس نے آج کے دن کا شکریہ ادا کر دیا ۳اور جو اسی طرح شام کے وقت کہہ لے تو اس نے اس رات کا شکریہ ادا کر دیا ۴(ابوداؤد)

(۲۲۹۵) ۱یعنی جسے جو دینی یا دنیاوی نعمت ملی بلا واسطہ یا بالواسطہ وہ تیری ہی طرف سے ہے' اس دعا میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (۱۶'۵۳) اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے (کنزالایمان) خیال رہے کہ نعمت و مصیبت سب اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے مگر ادب یہ ہے کہ نعمتوں کو رب کی طرف نسبت دو اور مصیبت کو اپنی طرف' رب تعالٰی فرماتا ہے: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (۴۲'۳۰) اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا (کنزالایمان) ۲یعنی حقیقی حمد اور حقیقی شکر تیرے ہی ہیں کہ حقیقی منعم تو ہی ہے' تیرے سواء جس کا بھی شکر و حمد ہوں گے وہ مجازی ہوں گے' لہٰذا یہ دعا قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف نہیں: اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَيْكَ (۳۱'۱۴) یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا (کنزالایمان) یعنی میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرو' کہ وہاں ماں باپ کا شکریہ مجازی مراد ہے ۳یعنی صبح شام اس دعا کے پڑھنے والوں کو توفیق ملے گی کہ رب تعالٰی کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں اور اگر شکریہ میں کچھ کوتاہی ہوگئی' تو رب تعالٰی اس کی برکت سے وہ کمی پوری فرما دے گا' یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز' زکوٰۃ روزہ کچھ نہ کرو صرف یہ دعا پڑھ لیا کرو کیونکہ ساری عبادتیں رب کا شکریہ ہیں اور شکریہ تو اس دعا سے پورا ہو گیا اب اور شکر کی کیا ضرورت ہے' غرضیکہ حدیث صاف ہے' بعض علماء فرماتے ہیں کہ شکریہ دلی بھی ہوتا ہے' زبانی بھی' یہاں شکر سے مراد قولی شکر ہے یعنی ان کلمات میں ایسا ثواب ملے گا جیسے کوئی دن بھر زبانی شکریہ ادا کرتا رہے' رہا عملی شکریہ وہ اس کے علاوہ ہے ۴اسے نسائی نے انہی عبداللہ ابن غنام سے روایت کیا' اور ابن حبان و ابن سنی نے حضرت ابن عباس سے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ كُلِّ شَیْءٍ

(۲۲۹۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ حضور جب اپنے بستر پر جاتے تو عرض کرتے ۱اے اللہ اے آسمانوں کے ربّ اے زمین کے رب

فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی مُنْزِلَ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِیْ شَرٍّ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ وَّاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ وَّاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ وَّ اَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَیْءٌ اِقْضِ عَنِّی الدَّيْنَ وَاَغْنِنِیْ مِنَ الْفَقْرِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ اخْتِلَافٍ يَسِيْرٍ .

اے ہر چیز کے رب۲ اے دانہ اور گٹھلی کو پھاڑ کر نکالنے والے۳ اے توریت انجیل اور قرآن کو اتارنے والے۴ میں ہر اس کی شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی تیری گرفت میں ہے۵ تو ہی اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں اور تو ہی آخر ہے کہ تیرے پیچھے کچھ نہیں۶ تو ہی ظاہر ہے کہ تیرے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو ہی چھپا ہے کہ تیرے پیچھے کچھ نہیں ۷ میرا قرض ادا کردے اور مجھے فقیری سے غنا بخش ۸ ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ اسے مسلم نے کچھ تھوڑے فرق کے ساتھ روایت کیا۔

(۲۲۹۶) ۱ یعنی بستر پر جاتے وقت لیٹنے سے پہلے اور حصن حصین میں ہے کہ سرکار بستر پر لیٹ کر یہ پڑھتے تھے' ہوسکتا ہے کہ کبھی یہ ہو کبھی وہ' لہذا دونوں روایتوں میں تعارض نہیں' ۲ آسمانی وزمینی اصولی نعمتیں ہیں درمیان کی چیزیں فروعی نعمتیں یعنی تمام اصولی وفروعی نعمتوں کے رب مسلم کی روایت میں سماوات کے ساتھ سبع بھی ہے اور حصن حصین میں ورب العرش العظیم بھی ہے' ۳ نوی کھجور کی گٹھلی کو کہتے' چونکہ عرب میں کھجور زیادہ ہوتی ہے' نیز تمام درختوں سے کھجور افضل بھی اور زیادہ نافع بھی ہے' اس لئے دانوں کے بعد اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا یعنی اے تخم اور گٹھلی کو چیر کر اس میں سے درخت نکالنے والے مولیٰ' چونکہ دانوں سے غذا اور گٹھلی سے پھل پیدا ہوتے ہیں غذا اور میووں سے جسمانی رزق ہے' اس لئے دونوں کا ذکر فرمایا' ۴ یعنی جسمانی روزیوں کے ساتھ ہم کو روحانی روزی دینے والے' کیونکہ آسمانی کتابیں روحانی روزی کا ذریعہ ہیں' چونکہ زبور شریف میں صرف دعائیں تھیں' احکام توریت ہی میں تھے نیز توریت شریف زبور پر حاوی تھی' اس لئے زبور کا ذکر نہ فرمایا' حصن حصین میں بجائے قرآن کے فرقان ہے' ۵ مطلب یہ ہے کہ ہر شروالی چیز تیرے قبضہ میں ہے کہ اس کا خالق و مالک ہے مولیٰ میں اس کے شر سے تیری پناہ لیتا ہوں' ضعیف ہوں تو قوی' اے قوی مجھ ضعیف کو اپنی پناہ میں لے لے' ۶ یعنی تو ہی ازلی ہے کہ عدم سابق سے پاک ہے اور تو ہی ابدی ہے کہ عدم لاحق سے پاک' خیال رہے کہ رب کے سوا کوئی چیز ازلی وقدیم نہیں' ہر چیز حادث ونو پید ہے مگر رب کے ارادے سے بعض چیزیں ابدی ہیں جیسے دوزخ اور وہاں کے عذاب اسی طرح جنت اور وہاں کے ثواب ارواح اور جنتی و جہنمی لوگ وہاں پہنچ کر کہ یہ سب کچھ ابدی ہیں جنہیں فنا نہیں' رب تعالٰی فرماتا ہے اکلها دائم اور فرماتا ہے خلدین فيها ابدا اگر ان میں سے کسی چیز کو فنا ہوتی تو خلدین کیسے ہوتا اور ابدا کیسے خلاصہ یہ ہے کہ قدیم وازلی رب تعالٰی کے سوا کوئی نہیں' مگر ابدی بہت چیزیں ہیں۔لیکن رب تعالٰی ذاتی حقیقی ابدی' اور وہ چیزیں مجازی وعرضی ابدی' اور ہوسکتا ہے بعدك بمعنی غيرك ہو' اور مطلب یہ ہو کہ تیرے سواء کسی کو ذاتی طور پر بقا نہیں' رب تعالٰی فرماتا ہے: كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (۲۸'۸۸) ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے (کنزالایمان) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِلَّا كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللهِ بَاطِلٌ بے دینوں نے اس حدیث سے دلیل پکڑی کہ جنت و دوزخ کو فنا ہے' مگر یہ بات باطل ہے' اور مطلب حدیث کا وہ ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔ ۷ یعنی اے میرے مولیٰ تو صفات وافعال کے لحاظ سے ایسا ظاہر ہے کہ اس کے ظہور پر کسی کا ظہور نہیں اور ذات کے لحاظ سے ایسا چھپا ہوا ہے کہ تجھ سے زیادہ کوئی چھپی چیز نہیں۔شعر:

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار اس پہ یہ پردہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے

یہاں مرقات نے فرمایا کہ دون بمعنی غیر بھی آتا ہے اور بمعنی قریب بھی، یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی تیرے سوا کوئی حقیقی پر چھپا ہوا نہیں یا کوئی چیز چھپنے میں تجھ سے قریب بھی نہیں، صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی بصارت سے چھپا ہے اور بصیرت سے ظاہر یعنی نظر سے چھپنا فکر میں ظاہر۔

وَ عَنْ اَبِیْ الْاَزْھَرِ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَہٗ مِنَ اللَّیْلِ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ وَضَعْتُ جَنْبِیْ لِلّٰہِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَاخْسَا شَیْطٰنِیْ وَفُکَّ رِھَانِیْ وَاجْعَلْنِیْ فِی النَّدِیِّ الْاَعْلٰی ۔(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۲۹۷) روایت ہے حضرت ابواز ہر انماری[۱] سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اپنی خواب گاہ قبول فرماتے[۲] تو کہتے اللہ کے نام پر اللہ کے لئے میں نے اپنی کروٹ رکھ دی[۳] الٰہی میرے گناہ بخش دے اور میرے شیطان کو دور فرما دے میرا رہن چھوڑا دے[۴] اور مجھے اعلٰی مجلس میں داخل فرما[۵] (ابوداؤد)

(۲۲۹۷)[۱] قرض سے مراد مخلوق کا قرض ہے کیونکہ اس قرض سے بہت گناہ پیدا ہوتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ قرض رات کا غم اور دن کی ذلت ہے، فقیری سے مراد مخلوق کی محتاجی ہے یا اس سے دلی فقر مراد ہے جس کے متعلق فرمایا گیا کہ فقر کفر تک پہنچا دیتا ہے لہذا یہ حدیث نہ اس آیت کے خلاف ہے: وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (۳۸'۴۷) اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج (کنزالایمان) اور نہ اس حدیث کے مخالف الفقر فخری [۲] یعنی یہ دعا رات کے آرام کی ہے نہ کہ دوپہر کی [۳] بسم اللہ اور للہ دونوں وضعت کے متعلق ہیں یعنی میں اللہ کے نام کی مدد سے لیٹتا ہوں اور اللہ ہی کی رضا، اس کی عبادت کے لئے لیٹتا ہوں نہ کہ محض آرام کے لئے، مومن کا جاگنا، سونا، جینا مرنا اللہ کے لئے چاہیے: وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بعض نسخوں میں للہ نہیں ہے[۴] میرے گناہ سے مراد یا تو میری امت کے گناہ ہیں یا خطائیں مراد ہیں یا یہ لفظ ہماری تعلیم کے لئے ورنہ حضور گناہوں سے معصوم ہیں شیطان سے مراد انسانی شیطان ہیں یا قرین شیطان ہے، رب تعالٰی نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی کہ آپ کا قرین شیطان مومن ہوگیا، اخسا خساءٌ سے بنا بمعنی کتے کو دھتکارنا، رہانی گروی چیز کو کہتے ہیں، یہاں مراد اپنی ذات ہے کیونکہ انسان کی ذات اپنے اعمال میں گروی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: کُلُّ امْرِیءٍ بِمَا کَسَبَ رَھِیْنٌ (۲۱'۵۲) سب آدمی اپنے کئے میں گرفتار ہیں (کنزالایمان) یعنی مجھے نیک اعمال کی توفیق دے کر میرے نفس کو گروی ہونے سے چھوڑا دے[۵] ندی مجلس کو کہتے ہیں اور مجلس والوں کو بھی یہاں مجلس مراد ہے، اور اعلٰی مجلس سے مراد قرب الٰہی غیر شناختی ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلق سے اعلٰی ہیں ان سے اعلٰی مجلس والا کہاں اور حضور کی مجلس والے صحابہ تمام مجلس والوں سے افضل ہیں اس جملہ کے اور بھی معنی کئے گئے ہیں، مگر یہ معنی زیادہ مناسب ہیں، یا یہ دعا ہماری تعلیم کے لئے ہے، تو ندیٰ سے مراد مجلس والے ہیں۔ یعنی خداوندا مجھے ملائکہ، انبیاء، اولیاء کا مجلس والا بنا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَہٗ مِنَ اللَّیْلِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَفَانِیْ وَاٰوَانِیْ وَاَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَالَّذِیْ مَنَّ عَلَیَّ فَاَفْضَلَ وَالَّذِیْ اَعْطَانِیْ فَاَجْزَلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ اَللّٰھُمَّ رَبَّ کُلِّ

(۲۲۹۸) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بستر اختیار فرماتے تو فرماتے شکر ہے اس اللہ کا جو میرے لئے کافی ہوا جس نے مجھے کھلایا اور پلایا اور جس نے مجھ پر احسان پھر فضل کیا[۱] اور جس نے مجھے دیا تو بہت زیادہ دیا[۲] ہر حال میں اللہ کا شکر ہے[۳] اے اللہ ہر چیز کے رب اور بادشاہ اے ہر چیز

شَیْءٍ وَّمَلِیْکَهٗ وَاِلٰـهَ کُلِّ شَیْءٍ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کے معبود میں آگ سے تیری پناہ لیتا ہوں۴ (ابوداؤد)

(۲۲۹۸)۱؎ اس دعا میں رب تعالیٰ کی چھ نعمتوں کا ذکر ہے' کفایت یعنی مخلوق سے بے نیاز کر دینا اواء یعنی رہنے کے مکان عطا فرمانا' کھانا پانی عطا فرمانا دیگر نعمتیں دینا اور سب سے اعلیٰ دینا واقعی رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا دیا کہ جتنا کسی کو نہ دیا' خود فرماتا ہے: وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (۱۱۳/۴) اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے (کنزالایمان) محبوب آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے' اور فرماتا ہے: اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (۱/۱۰۸) اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں (کنزالایمان) ہم نے آپ کو بہت کچھ دیا' یہاں اس عطا کا شکر ہے۲؎ افضل میں کیفیت کی زیادتی مراد تھی اور اجزل میں مقدار کی زیادتی مقصود ہے' یعنی مجھے رب تعالیٰ نے بہت زیادہ واعلیٰ دیا لہٰذا کلمات میں تکرار نہیں۳؎ یعنی فقر وغنا رنج وغنا راحت ومصیبت ہر حال میں اللہ کا شکر ہے' خیال رہے کہ رب کی بھیجی ہوئی مصیبت وغم بھی نعمت ہے کہ اس کے ذریعے ہزار ہا گناہ معاف ہو جاتے ہیں' لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ شکر تو صرف نعمت پر ہوتا ہے پھر ہر حال میں شکر کیسا' ۴؎ مالک وملیک کا فرق بار ہا بیان ہو چکا کہ ظاہری عارضی ملک رکھنے والا بھی مالک کہلاتا ہے مگر حقیقی دائمی ملک والا ملیک مالک ملیک سے عام' اس سے معلوم ہوا کہ دعا کرتے وقت رب تعالیٰ کو اس کے اچھے ناموں سے یاد کرنا چاہیے' حمد الٰہی دعا کا رکن ہے' آگ سے پناہ مانگنے کے یہ معنی بھی ہیں کہ رب تعالیٰ ہمیں دوزخ والے اعمال سے بچائے اور معنی بھی ہیں کہ گناہوں کی معافی دے کر دوزخ سے نجات دیدے' دوزخ سے نجات ملنے پر ان شاء اللہ جنت ملنا لازمی ہے' کیونکہ سواء جنت دوزخ کے انسانوں کے لئے تیسرا کوئی مقام نہیں اعراف ایک عارضی جگہ ہوگی جس کے بعد جنت ملے گی لہٰذا حدیث پر یہ سوال نہیں کہ یہاں جنت کی طلب نہیں کی گئی۔

وَعَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ شَکٰی خَالِدُ بْنَ الْوَلِیْدِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَنَامُ اللَّیْلَ مِنَ الْاَرَقِ فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوَیْتَ اِلٰی فِرَاشِکَ فَقُلِ اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرْضِیْنَ وَمَا اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّیٰطِیْنِ وَمَا اَضَلَّتْ کُنْ لِّیْ جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِکَ کُلِّهِمْ جَمِیْعًا اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیَّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ اَوْ اَنْ یَّبْغِیَ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ لَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِیِّ وَالْحَکِیْمُ بْنُ ظُهَیْرِ نِ الرَّاوِیْ قَدْ تَرَکَ حَدِیْثَهٗ بَعْضُ اَهْلِ الْحَدِیْثِ.

(۲۲۹۹) روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ خالد ابن ولید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی عرض کیا یا رسول اللہ میں' بے خوابی کے باعث رات کو سوتا نہیں تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو یوں کہو اے اللہ اے سات آسمانوں کے اور جن پر یہ آسمان سایہ فگن ہیں ان کے ربّ اور زمینوں کے اور جنہیں زمین اٹھائے ہے انکے رب۲؎ اور اے شیطانوں کے اور جنہیں وہ گمراہ کریں ان کے رب۳؎ تو اپنی ساری مخلوق کے شر سے میری پناہ ہو جا کہ ان میں سے کوئی مجھ پر زیادتی یا ظلم کرے۴؎ تیری پناہ غالب ہے۔ تیری ثنا شاندار ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں صرف تو ہی معبود ہے'۵؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں اور حکیم ابن ظہیر راوی کی حدیث کو بعض محدثین نے چھوڑ دیا ہے۶؎

(۲۲۹۹)۱؎ شکا الف سے بھی لکھا جاتا ہے' یہ شکوت سے بنا اور شکی سے بھی جو شکیت سے بنا شکوت وشکیت دونوں لغتیں درست ہیں۔ مشکوۃ شریف کے اس نسخے میں ی سے ہے ارق مطلقاً بے خوابی کو کہتے ہیں خواہ فکر یا رنج سے ہو یا خشکی سے' خوشی سے بے خوابی ارق نہیں کہلاتی

کہ وہ بیماری نہیں' یہاں وسوسہ یا فکر سے نہ سونا مراد ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی' اگر خشکی سے ہوتی تو دوا بتائی جاتی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم روحانی بھی ہیں حکیم جسمانی بھی' حضرت خالد کو کئی راتوں سے نیند نہ آئی تھی یا وسوسوں سے یا رنج وغم سے آپ پریشان ہو گئے تھے تب یہ عرض کیا۔۲؎ اس چھوٹے سے جملے میں تمام عالم اجسام کی چیزیں داخل ہیں آسمان میں فرشتے وغیرہ آ گئے' آسمان کے زیر سایہ ہیں تمام فضا کی چیزیں اور زمین اور زمینی چیزوں میں زمین پر اور زمین کے اندر کی تمام چیزیں داخل ہو گئیں۔۳؎ شیاطین سے مراد گمراہ کن چیزیں ہیں آدمی ہوں یا جنات' اس سے عام چیزیں مراد ہیں خواہ عقل والی ہوں یا غیر عاقل' اگرچہ یہ چیزیں بھی پہلے جملہ میں داخل تھیں مگر خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ کیا گیا' کیونکہ اس دعا میں انہیں کے شر سے حفاظت مانگی گئی ہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں' ۴؎ یہاں جار بمعنی حافظ' ناصر' امان دہ ہے نہ کہ بمعنی پڑوسی بلکہ پڑوسی کو بھی جار اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ امن و امان کا ذریعہ ہوتا ہے' رب تعالٰی فرماتا ہے: وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ (۲۳'۸۸) اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا (کنزالایمان) یعنی خدا تو میرا مددگار' حافظ' امان ہو جا' مجھے اس سے امن میں رکھ کہ کوئی موذی چیز ایذا دے' ۵؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ جار' بمعنی مستجیر ہے یعنی جو تیری امان میں آ جائے وہ سب پر غالب رہتا ہے' دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالٰی نے فرمایا: اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ (۳۱'۲۸) بے شک تجھے امان ہے (کنزالایمان) تم کو امن ہے یعنی جو تری امان میں آ جائے وہ سب پر غالب رہے' جسے سلطنت دنیاوی پناہ دیدے وہ غالب ہو جاتا ہے تو جسے رب پناہ دیدے اسے کون مغلوب کر سکتا ہے' رب کی حمد و ثنا تمام حمدوں سے شاندار ہے کہ تمام مخلوق اس کے گن گا رہی ہے' ۶؎ چنانچہ حکم یا حکیم بن ظہیر کے متعلق بخاری' ابوزرعہ' نسائی' ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ یہ متروک الحدیث ہے' ابن معین نے فرمایا کہ اس حدیث میں کچھ نہیں' ابن عدی نے فرمایا کہ اس کی اکثر حدیثیں غیر محفوظ ہیں' اس حدیث کو ابن ابی شیبہ' طبرانی اور حصن حصین نے بھی نقل فرمایا'

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِىْ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ فَتْحَهٗ وَنَصْرَهٗ وَنُوْرَهٗ وَبَرَكَتَهٗ وَهُدَاهُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَافِيْهِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهٗ ثُمَّ اِذَا اَمْسٰى فَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۲۳۰۰) روایت ہے حضرت ابو مالک سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سویرا پالے تو کہہ لے ہم نے صبح کی اور اللہ رب العلمین کے ملک نے صبح پائی ۲؎ اے اللہ میں تجھ سے اس دن کی بھلائی اس کی کشادگی اس کا نور اس کی برکت اور اس کی ہدایت مانگتا ہوں ۳؎ اور جو کچھ اس دن میں ہے اس کے اور اس کے بعد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں ۴؎ پھر جب شام پائے تو اس طرح کہہ لے ۵؎ (ابوداؤد)

(۲۳۰۰) ۱؎ آپ کا نام کعب ابن مالک ہے' کنیت ابو مالک اشعری ہیں یا اشجعی' آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے جو ہم نے عرض کیا وہ ہی قوی ہے' (اشعہ) ۲؎ یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم لوگوں نے بخیر و خوبی سویرا پا لیا یہاں ملک الٰہی سے وہ حصہ دنیا کا مراد ہے' جس پر اس وقت سویرا ہوا آدھی دنیا کیونکہ آدھی زمین پر دن رہتا ہے اور آدھی پر رات' جب یہاں سویرا ہوتا ہے تو دوسرے حصہ میں شام ۳؎ کہ تو مجھے اس دن میں علم' عمل' حلال روزی' عبادات کی توفیق بخش ۴؎ یعنی دن بھر مجھے برے عمل' حرام روزی' گناہوں سے محفوظ رکھ ایسی شر سے بھی بچا لے

جس کا اثر آج ہی ختم ہو جائے' اور ایسی شر سے بھی بچا جس کا اثر بعد تک رہے' بعض جرموں کی وجہ سے دو تین سال کی جیل یا پھانسی ہو جاتی ہے' یہ ہے شر مابعدہ' ۵؎ مگر اس وقت بجائے اصبحنا کے امسینا کہے باقی کلمات وہ ہی کہے۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ یَا اَبَتِ اَسْمَعُكَ تَقُوْلُ كُلَّ غَدَاةٍ اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَدَنِیْ اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَصَرِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ تُكَرِّرُهَا ثَلٰثًا حِیْنَ تُصْبِحُ وَثَلٰثًا حِیْنَ تُمْسِیْ فَقَالَ یَا بُنَیَّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْعُوْبِهِنَّ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَسْتَنَّ بِسُنَّتِهٖ (رَوَاهُ اَبُو دَاوٗدَ)

(۲۳۰۱) روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے عرض کیا ابا جان میں آپ کو ہر صبح یہ کہتے سنتا ہوں ۲؎ الٰہی مجھے میرے بدن میں عافیت دے الٰہی مجھے میرے کانوں میں عافیت دے الٰہی مجھے میری آنکھوں میں عافیت دے ۳؎ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اسے تین بار مکرر کرتے جب سویرا ہوتا اور تین بار جب شام ہوتی ۴؎ فرمایا اے بیٹا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعائیں مانگتے سنا تو میں بھی چاہتا ہوں کہ اس سنت کی پیروی کروں ۵؎ (ابوداؤد)

(۲۳۰۱) ۱؎ ابوبکرہ کا نام نُفَیع ابن حارث ہے' آپ طائف کی فتح کے دن کفار طائف سے بچتے ہوئے ایک کنوئیں کی چرخری سے لٹک کر قلعہ طائف سے باہر آ گئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ابوبکرہ ہو یعنی چرخری والے بکرہ عربی میں کنوئیں کی چرخری کو کہتے ہیں۔ آپ مشہور صحابی ہیں' آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن تابعین میں سے ہیں ۲؎ معلوم ہوا کہ نیک بچے اپنے ماں باپ کے ہر عمل کو بغور دیکھتے سنتے ہیں' اور ان کی عبادتوں دعاؤں کو یاد کر کے ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں' باپ کو چاہیے کہ اچھا نمونہ بنیں کہ اولاد ان کی نقال ہے' بچوں کا پہلا مدرسہ' ان کا گھر ہے' اور پہلے معلم ان کے ماں باپ' ۳؎ اگرچہ بدن میں کان و آنکھ بھی آ گئے تھے مگر چونکہ زیادہ اچھے برے اعمال ان دو اعضا سے ہوتے ہیں' نیز آنکھوں سے آیاتِ الٰہیہ دیکھتی جاتی ہیں اور کانوں سے آیاتِ قرآنیہ سنی جاتی ہیں اس لئے ان دونوں اعضاء کا ذکر علیحدہ فرمایا' اور بمقابلہ آنکھ کے کان زیادہ کارآمد ہیں کہ آنکھ صرف سامنے کو دیکھتی ہے مگر کان ہر طرف کی آواز سنتا ہے' اس لئے کان کا ذکر پہلے ہوا آنکھ کا بعد میں' کوئی پیغمبر کان سے معذور نہ ہوئے' ۴؎ یعنی نماز فجر و مغرب کے بعد آپ یہ دعا تین تین بار پڑھتے ہیں' ان دو وقتوں کی خصوصیت اور اکثر دعاؤں' وظیفوں کے تین بار ہونے کی وجہ پہلے عرض کی جا چکی ہے' ۵؎ یعنی میں ثواب کی نیت سے یہ کلمات پڑھتا ہوں کہ ان کا پڑھنا سنت ہے اور ہر سنت پر عمل ثواب' مجھے اس سے بحث نہیں کہ ان کی تاثیر کیا ہے اور ان سے دوسرے فوائد کیا ہیں' اس سے معلوم ہوا ہے کہ تمام ذکر اور وظیفے پڑھنے کا ثواب اجازت پر موقوف نہیں وہ ضرور ملے گا کہ اللہ کا ذکر ثواب ہے' اور جو وظیفے حضور صلی اللہ علیہ وسم سے ثابت ہیں ان کا دہرا ثواب ہے ایک ذکر خیر کا ثواب دوسرا اداء سنت کا' رہی ان کی تاثیر' اس کے لئے اجازت بہت ہی مفید ہے بغیر اجازت بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے مگر اجازت سے تاثیر بہت بڑھ جاتی ہے تلوار' چاقو کسی کی سان پر چڑھا ہوا خوب کاٹ کرتے ہیں یہ دعائیں تلواریں اور بزرگوں کی اجازت ان کی سان۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْكِبْرِیَاءُ وَالْعَظَمَةُ لِلّٰهِ وَالْخَلْقُ وَالْاَمْرُ وَاللَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَمَا سَكَنَ فِیْهِمَا

(۲۳۰۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سویرا پاتے تو یوں کہتے ہم نے اور اللہ کے ملک نے سویرا پا لیا اللہ کی ہی حمد اور بڑائی ہے اور عظمت اللہ کے لئے ہے ۱؎ اور خلق' حکم اور رات دن اور جو ان میں رہیں سب

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ هٰذَا النَّهَارِ صَلاَحًا وَّاَوْسَطَهٗ نَجَاحًا وَّاٰخِرَهٗ فَلاَحًا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ذَكَرَهُ النَّوَوِيُّ فِيْ كِتَابِ الْاَذْكَارِ بِرِوَايَةِ ابْنِ السُّنِّيِّ ۔

اللہ کے لئے ہیں۲ الٰہی اس دن کا اول درست بنا اور درمیان کو کامیابی اور آخر کو چھٹکارا بنا اے تمام رحم والوں سے بڑے۳ اسے امام نووی نے کتاب الاذکار میں ابن سنی کی روایت سے بیان کیا۔

(۳۳۰۲)۱ کبریائی سے مراد رب تعالٰی کے صفات ذاتیہ ہیں اور عظمت سے مراد صفات فعلیہ ان دونوں کے صفات کا فرق علم کلام میں تفصیل وار مذکور ہے' صفات ذاتیہ کا تعلق ذات سے ہے اور فعلیہ کا تعلق مخلوق سے' سورج کا چمکنا اس کا وصف ذاتی ہے اور دوسروں کو چمکانا صفت فعلیہ'۲ آہستگی سے پیدا فرمانا خلق ہے اور ایک دم پیدا فرمادینا امر یا مادیات کو پیدا فرما خلق ہے اور مجردات کی پیدائش امر' یا بالواسطہ پیدا فرمانا خلق ہے اور بلاواسطہ پیدائش امر' رب تعالٰی فرماتا ہے: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (۱۷،۸۵) تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے (کنزالایمان) یعنی روح عالم امر سے ہے یا صرف کلمہ کن سے بنی ہے کسی مادہ وغیرہ سے نہیں بنی' آسمان اور ان کے نیچے کی چیزیں دن رات میں رہتی ہیں مگر جنت دوزخ عالم انوار کی خبریں دن رات میں نہیں رہتیں کہ وہاں تک دن رات کی پہنچ نہیں' چونکہ ہماری نظر ان ہی چیزوں پر ہے اس لئے ان کا ہی ذکر فرمایا ورنہ ہر مخلوق اللہ کی ہے'۳ سبحان اللہ کیسی جامع دعا ہے' دن کے تین حصے ہیں اول' درمیان' آخری' ان تینوں حصوں میں تین نعمتیں مانگی اول دن میں دین ودنیا کی درستی اور درمیان میں دین ودنیا کی کامیابی اور آخر میں وہ ظفر جو اچھا خاتمہ نصیب کرے' مرقات نے فرمایا کہ یہاں دن کے تین حصوں سے مراد سارے اوقات ہیں چونکہ دن کام کا وقت ہے جب اس کے ہر حصہ میں ہر نعمت مانگ لی تو رات جو آرام کا وقت ہے اس میں بھی ہر نعمت مانگ لی۔

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ اَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ وَعَلٰى دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى مِلَّةِ اَبِيْنَا اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۳۰۳) روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن ابزی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم جب سویرا پاتے تو کہتے ہم نے اللہ کے دین پر اور اخلاص کے کلمے پر۱ اور محمد مصطفٰی صلی اللہ وسلم کے دین پر۲ اور اپنے والد حضرت ابراہیم کی ملت پر سویرا پایا' حضرت ابراہیم ہر برائی سے دور تھے مشرکوں سے نہ تھے۳ (دارمی)

(۲۳۰۳)۱ فطرت کے لغوی معنی ہیں پیدائش' رب تعالٰی فرماتا ہے: فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰،۳۰) بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۶،۱۴) وہ اللہ جس نے آسمان وزمین پیدا کئے (کنزالایمان) پھر اصطلاح میں پیدائشی حالت کا نام فطرت ہوا' شریعت میں سنت انبیاء کو بھی فطرت کہتے ہیں اور ملت کو بھی چونکہ اسلام ہی انسان کا پیدائشی دین ہے کہ ہر بچہ ایمان پر پیدا ہوتا ہے' پھر مختلف صحبتیں پا کر مختلف دین اختیار کرتا ہے اس لئے اسے فطرت کہا جاتا ہے یہاں آخری معنی ہی مراد ہیں۲ یہ فطرت اسلام کا بیان ہے لغۃً ہر نبی کا دین اسلام ہے' یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں سے فرمایا تھا وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۳،۱۰۲) اسی لئے فرمایا کہ اسلام سے مراد دین محمدی ہے' خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسلام پر ہیں اور حضور کی امت بھی' مگر حضور اس دین پر ہیں ہم کو چلانے کے لئے' ہم اس راہ پر ہیں چلنے کے لئے ریلوے لائن پر انجن بھی ہے اور پیچھے والے ڈبے بھی مگر انجن چلانے کے لئے اور ڈبے چلنے کے لئے رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ بلکہ اپنے متعلق بھی فرماتا ہے: اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى

صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ یعنی رب تعالٰی سیدھے راستہ پر ملتا ہے جیسے کہا جاتا ہے لاہور سیدھی سڑک پر ہے۳؎ کفار عرب شرک کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم دین ابراہیمی پر ہیں' اس جملہ میں ان کی تردید ہے کہ حضرت ابراہیم تو مشرک نہ تھے تم مشرک ہو' پھر تم ان کے دین پر کیسے ہوئے ہم دین ابراہیمی پر ہیں۔خیال رہے کہ دین ابراہیمی پر ہونے کے معنے یہ ہیں کہ آپ کا دین ملت ابراہیمی کے مطابق ہے نہ یہ کہ آپ ان کے متبع ہیں چنانچہ ختنہ' حجامت' قربانی' مہمان نوازی تمام احکام ابراہیمی اسلام میں موجود ہیں۔

بَابُ الدَّعَوَاتِ فِی الْاَوْقَاتِ — باب خاص وقتوں کی دعائیں

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

یعنی مختلف اوقات کی مختلف دعاؤں کا باب پچھلے باب میں دائمی اوقات کی دعاؤں کا ذکر تھا' جیسے صبح شام سونے جاگنے کے وقت کی دعاؤں مگر اس باب میں عارضی اوقات و عارضی حالات کی دعاؤں کا ذکر ہوگا جیسے نکاح' جہاد وطی وغیرہ کے وقت کی دعائیں' اس باب میں مختلف اوقات اور مختلف حالات دونوں کی دعاؤں کا ذکر ہوگا' مرقات نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعائیں' اتباع سنت کے لئے کم از کم عمر میں ایک بار ضرور پڑھ لی جائیں' اور یہ منقول دعائیں دوسری دعاؤں سے افضل ہیں بلکہ بعض حالات کی دعائیں تلاوت قرآن سے بھی افضل ہیں کہ ان میں اتباع سنت ہے۔دیکھو رکوع وسجود التحیات میں منقول دعائیں ہی پڑھی جائیں گی نہ کہ قرآن' اکثر نوافل گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے بھی افضل ہیں کہ ان میں سرکار کی اتباع ہے' افضلیت تو ان کے دم قدم سے وابستہ ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّاتِيَ اَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا فَاِنَّهٗ اِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِيْ ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَيْطَانٌ اَبَدًا .(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۳۰۴) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم میں سے کوئی جب اپنی بیوی کے پاس جانا چاہے تو یہ کہہ لے۱؎ بسم اللہ خدایا ہم کو شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو اس بچے سے دور رکھ جو تو ہمیں دے۲؎ تو اگر اس صحبت میں ان کے نصیب میں بچہ ہوا تو اسے شیطان کبھی نقصان نہ دے سکے گا۳؎ (مسلم بخاری)۴؎

(۲۳۰۴)۱؎ یہ دعا' ستر کھولنے سے پہلے پڑھے اور حلال صحبت پر پڑھے' حرام پر پڑھنا سخت جرم ہے بلکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے جیسے شراب نوشی یا خنزیر کھانے یا جوئے پر بسم اللہ پڑھنا' اہل سے مراد بیوی یا لونڈی ہے'۲؎ یعنی اس صحبت میں نہ شیطان شریک ہو اور نہ بچے کو شیطان کبھی بہکائے' بسم اللہ سے مراد پوری بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے خیال رہے کہ جیسے شیطان کھانے پینے میں ہمارے ساتھ شریک ہو جاتا ہے ایسے ہی صحبت میں بھی' اور جیسے کھانے پینے کی برکت شیطان کی شرکت سے جاتی رہتی ہے' ایسے ہی صحبت میں شیطان کی شرکت سے اولاد نالائق اور جناتی بیماریوں میں گرفتار رہتی ہے' اور جیسے بسم اللہ پڑھ لینے سے شیطان کھانے پینے میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا' ایسے ہی بسم اللہ کی برکت سے صحبت میں شیطان کی شرکت نہیں ہوتی' جس سے بچہ نیک ہوتا ہے اور آسیب وغیرہ سے بفضلہ تعالٰی محفوظ بھی رہتا ہے' بہتر یہ ہے خاوند بیوی دونوں پڑھ لیں۔۳؎ یعنی بسم اللہ وغیرہ کی برکت سے بچہ کو نہ تو ابلیس کبھی نقصان پہنچا سکے گا نہ اس کی ذریت' بچہ جنون' مرگی وغیرہ جناتی امراض سے بھی محفوظ رہے گا اور مؤمن رہے گا ان شاء اللہ (مرقات) اس لئے یہاں شیطان نکرہ فرمایا گیا' ایسے بچے کو ان شاء اللہ نیک اعمال کی بھی توفیق ملے گی۔اس حدیث کو ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے مرفوعًا روایت فرمایا' یہ عمل نہایت مجرب ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ الْكَرْبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۳۰۵) روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف کے وقت یہ کہتے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ عظمت والا علم والا ہے[۱] اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بڑے عرش کا رب ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور کرم والے عرش کا رب ہے[۲] (مسلم بخاری)

(۲۳۰۵)[۱] کرب سے مراد وہ سخت تکلیف یا رنج وغم ہے جو دل کو گھیرے، حلیم کے معنی ہیں عذاب میں جلدی نہ فرمانے والا بلکہ اپنے مجرم کو باز آجانے پر بخش دینے والا اور اس کا غم وغیرہ دور کردینے والا یعنی یہ تکلیف ہماری کسی خطا کی وجہ سے، رب تعالٰی حلیم ہے معافی دے گا اور اسے دور فرمادے گا۔[۲] کریم یا تو ربّ کی صفت ہے اور مرفوع ہے یا عرش کی صفت ہے اور مجرور، خیال رہے کہ یہاں صرف رب تعالٰی کی حمد ہے دعا کا لفظ ایک بھی نہیں، مگر چونکہ کریم کی حمد بھی دعا ہے، نیز ذکر اللہ سے بلائیں ٹلتی ہیں اس لئے اس کا نام دعائے کرب ہے اور اس کا نام دفع کرب ہے (لمعات، نووی) یا یہاں زبان پر حمد ہے دل میں سوال (مرقات)

وَعَنْ سُلَيْمٰنَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهٗ جُلُوْسٌ وَاَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهٗ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَقَالُوْا لِلرَّجُلِ اَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ بِمَجْنُوْنٍ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۳۰۶) روایت ہے سلیمان ابن صرد سے فرماتے ہیں کہ دو شخصوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپس میں گالی گلوچ کی ہم حضور انور کے پاس بیٹھے تھے[۱] ان میں سے ایک شخص دوسرے کو غضب میں برا بھلا کہہ رہا تھا اس کا منہ سرخ ہوگیا[۲] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسی دعا جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کہہ دے تو اس کی یہ حالت جاتی رہے[۳] جسے محسوس کررہا ہے میں مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں[۴] لوگوں نے اس سے کہا کیا تو سنتا نہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں وہ بولا میں دیوانہ نہیں ہوں[۵] (مسلم بخاری)

(۲۳۰۶)[۱] آپ کے آس پاس بیٹھے تھے کھڑے نہ تھے، کیونکہ اس طرح کھڑے ہونے کو حضور انور منع فرماتے تھے کہ بزرگ بیٹھا ہو اور لوگ ادبًا سامنے کھڑے ہوں، گالی گلوچ کرنے والے غالبًا دو بدوی نومسلم ہوں گے جنہیں ابھی نہ آداب مجلس کی خبر تھی نہ تہذیب سے خبردار تھے جیسے ایک بدوی نے خاص محراب مسجد میں کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والے بہت مہذب تھے[۲] زیادتی غصہ کی وجہ سے، کیونکہ دل کا اثر پہلے چہرے پر ہی پڑتا ہے، چہرہ دل کی کتاب ہے[۳] یعنی ان کلمات کی برکت سے دل کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے، اعتدال پر آجائے، جوش ختم ہوجائے[۴] اس عمل کا ماخذ یہ آیت ہے: وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (۷:۲۰۰) اور اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچا دے (کسی برے کام پر اکسائے) تو اللہ کی پناہ مانگ (کنزالایمان) ہر شیطانی اثر پر شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے یہ غصہ بھی شیطانی تھا کیونکہ مسلمان بھائی پر تھا اور نفس اور دنیاوی وجہ سے تھا اور گالی گلوچ کرنا بھی شیطانی عمل تھا اس لئے اعوذ باللہ کا حکم دیا گیا کفار پر غصہ یا مسلمان پر کسی دینی وجہ سے غصہ تو عبادت ہے، لہذا حدیث شریف پر یہ اعتراض نہیں کہ اگر غصہ شیطانی چیز ہے تو خود حضور نے بارہا غصہ فرمایا ہے کہ حضور کا غضب عبادت، کیونکہ دین کے لئے تھا، اللہ تعالٰی بھی مجرموں پر غضب فرماتا ہے[۵] صحابہ کرام نے

اس کا جوش ٹھنڈا ہو جانے پر اس سے یہ کہا' اس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اعوذ تو دیوانہ پر پڑھی جاتی ہے' میں دیوانہ نہیں ہوں کہ اعوذ پڑھو فقیر نے عرض کیا تھا کہ یہ شخص یا منافق تھا یا کوئی بدوی نومسلم جو تہذیب وتمدن سے یکسر خالی ہوتے ہیں' اس جواب سے اس کی تائید ہوتی ہے مومن اور واقف شریعت تو حضور کے ہر حکم پر مرمٹتا ہے' ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاذ تھے' خدا معلوم کون معاذ مراد ہیں اگر معاذ ابن جبل مراد ہیں تو یہ واقعہ یا ان کے اسلام سے پہلے کا ہے یا بالکل نومسلم ہونے کے وقت کا۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمِ اِذَا سَمِعْتُمْ صِیَاحَ الدِّیْکَةِ فَسَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّهَا رَأَتْ مَلَکًا وَّاِذَا سَمِعْتُمْ نَهِیْقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ فَاِنَّهٗ رَاٰی شَیْطَانًا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۳۰۷) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم مرغ کی آذان سنو تو اللہ سے اس کا فضل مانگو[۱] کیونکہ مرغ فرشتہ کو دیکھتا ہے[۲] اور جب تم گدھے کا ہینگنا سنو تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو۔ کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے[۳] (مسلم بخاری)[۴]

(۲۳۰۷)[۱] ظاہر یہ ہے کہ یہاں ہر مرغ کی ہر آواز مراد ہے جسے ہم مرغ کا اذان دینا کہتے ہیں' بعض لوگوں نے تہجد کے وقت کی مرغ کی آواز مراد لی' بعض نے صبح صادق کے وقت کی آواز' مگر پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ حدیث میں کوئی قید نہیں' مرغ کی ہر اذان پر دعا مانگنا چاہیے۔[۲] یعنی مرغ رحمت کا فرشتہ دیکھ کر بولتا ہے' اس وقت کی دعا پر فرشتے کے آمین کہنے کی امید ہے' بعض روایات میں ہے کہ عرش اعظم کے نیچے ایک سفید مرغ ہے اس کی آواز پر زمین کے مرغ بولتے ہیں واللہ اعلم (اشعہ) اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی مجلس میں دعا کرنی چاہیے' کیونکہ جب بزرگوں کے ذکر پر اللہ کی رحمت اترتی ہے تو ان لوگوں کی موجودگی تو بڑی ہی رحمت کا باعث ہے' (مرقات) اولیاء اللہ' فرشتوں سے افضل ہیں جب فرشتے کی موجودگی سے دعائیں قبول ہوتی ہیں تو اولیاء اللہ کی موجودگی یقیناً باعث قبولیت ہے' معلوم ہوا کہ جانور غیبی فرشتوں کو دیکھ لیتے ہیں'[۳] یعنی گدھا کسی خاص شیطان کو دیکھ کر بولتا ہے اکثر اس کا بولنا شہوت میں ہوتا ہے' یہ اعلان کر کے مادہ سے صحبت کرتا ہے' اس وجہ سے بھی یہ آواز خبیث ہے' رب تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا: اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ (۳۱'۱۹) بے شک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی (کنزالایمان) بدترین آواز گدھے کی ہے' اور فرمایا: لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ (۱۱'۱۰۶) وہ اس میں گدھے کی طرح رینکیں گے (کنزالایمان) دوزخیوں کی آواز گدھوں کی سی ہوگی' اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ بروں کی آمد پر اور بروں کو دیکھ کر اعوذ باللہ پڑھنی چاہیے۔ دوسرے یہ کہ بری بکواس کی آواز گدھے کی سی آواز ہے' غیبت جھوٹ گانے بجانے' بے دینی کی تقریریں اسی میں داخل ہیں کہ یہ سب شہوت نفسانی کی آوازیں ہیں۔[۴] یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی' نسائی حاکم نے بھی روایت کی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اسْتَوٰی عَلٰی بَعِیْرِهٖ خَارِجًا اِلَی السَّفَرِ کَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ لَنَا بُعْدَهٗ

(۲۳۰۸) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کو نکلتے ہوئے اونٹ پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے[۱] پھر یہ فرماتے پاک ہے وہ اللہ جس نے اسے ہمارا تابع کر دیا ہم اسے مطیع نہ کر سکتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں[۲] الٰہی ہم تجھ سے اپنے سفر میں بھلائی پرہیزگاری اور تیرے پسندیدہ عمل کی توفیق مانگتے ہیں[۳] الٰہی ہم پر اس سفر کو آسان فرما دے اور اس کی

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَابَةِ الْمُنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَاِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيْهِنَّ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

درازی سمیت لے۴ اے اللہ تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور گھر بار میں والی ہے۵ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں سفر کی مشقتوں سے اور برے انتظار سے اور بری واپسی سے مال اور گھر بار میں۶ جب واپس ہوتے تو بھی یہی فرماتے ان کلمات میں سے اور بڑھا دیتے ہم لوٹنے والے توبہ کرنے والے رب کے ثنا گو ہیں ۷ (مسلم)

(۲۳۰۸)۱ چونکہ اونٹ وغیرہ بلند چیز پر سوار ہوتے وقت انسان کو اپنی بلندی نظر آتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رب تعالٰی کی کبریائی بیان فرماتے تھے چنانچہ ٹیلہ پہاڑی پر چڑھتے وقت بھی تکبیر کہتے تھے یا اس تعجب پر تکبیر کہتے کہ رب تعالٰی نے ایسے جانور کو ہمارے قبضہ میں کیسے کر دیا جبکہ مکھی مچھر ہمارے قبضہ سے باہر ہیں۲ یہ قرآن شریف کی آیت ہے اس میں ہم اپنے عجز رب تعالٰی کی رحمت کا اقرار کرتے ہیں کہ کہاں ہم جیسے ضعیف النسیان انسان اور کہاں یہ قوی جانور مگر رب تعالٰی کی مہربانی ہے کہ یہ ہمارے تابع وفرمان ہیں یہ ہماری بہادری نہیں بلکہ رب تعالٰی کی مہربانی ہے دیکھو ہرن نیل گائے بلکہ مکھی وغیرہ کسی طرح ہمارے قابو میں نہیں آتے حالانکہ وہ اونٹ و ہاتھی سے کہیں کمزور ہیں پھر اپنے معاد کا بھی ذکر فرمایا کہ ہمارے یہ قبضے قدرتیں رہنے والے نہیں ہم ایک دن عاجز ہو کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوں گے ہمیں وہ وقت یاد ہے۔ ہم متکبر نہیں زندگی کی سواری سے بھی ایک دن اترنا پڑے گا۔ نوٹ:۔ جو کوئی خشکی کی سواری ریل موٹر ہوائی جہاز تانگہ وغیرہ پر سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھ لے تو ان شاء اللہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۳ سفر میں کبھی ساتھیوں سے لڑائی بھی ہو جاتی ہے اور نیک اعمال میں کمی بھی اس لئے رب تعالٰی سے بر یعنی بھلائی کی بھی توفیق مانگی اور پرہیز گاری کی بھی تقوٰی سفر کا روحانی توشہ ہے بر سے مراد یا تو ساتھیوں سے سلوک ہے یا رب تعالٰی کی عطایا نیک اعمال اور تقوٰی سے مراد بد خلقی لڑائی جھگڑے اور بد عملیوں سے بچنا خیال رہے کہ محبت و رضا ہم معنی ہیں جیسے کہ ارادہ و مشیت ہم معنی ہیں مگر رضا و ارادہ میں بڑا فرق ہے ما ترضٰی ارشاد ہوا نہ کہ ترید۴ یعنی سفر میں ہم کو بدنی و روحانی راحتیں عطا فرما اور دراز سفر کو مختصر کر دے جب رب چاہے تو طویل راستہ کو چھوٹا کر دیتا ہے فرشتے جنات ہمارے دور نظر خیال کے لئے نیز انبیاء و اولیاء کے لئے دور دراز سفر بہت چھوٹے ہو جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج میں کروڑوں میل آنا جانا طے کئے اس دعا کی برکت سے ان شاء اللہ طویل سفر ہلکا بھی ہو جائے گا اور سفر کی تکلیف سے بھی امن رہے گی۵ کہ میرا بھی تو حافظ ہے اور میرے پیچھے میرے گھر والوں کا والی و ماوٰی ہے۶ یعنی اس سفر میں نہ تو برائی کے ساتھ لوٹوں کہ گھر والے مجھے دیکھ کر گھبرا جائیں اور نہ ہی گھر والے کسی آفت میں مبتلا ہوں کہ میں واپسی پر انہیں دیکھ کر گھبرا جاؤں بہت جامع دعا ہے اس میں چوری یاری ہلاکت و دیگر ناگہانی آفات سے پناہ لی گئی ہے۷ یعنی جب سفر سے گھر کی طرف روانہ ہوتے تب تو اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الخ فرماتے اور جب مدینہ منورہ کی بستی دیکھتے تو ائبون تائبون الخ فرماتے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ گھر پہنچ کر تو سفر ختم ہوتا ہے پھر سفر کی دعا کیوں پڑھتے تھے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ يَتَعَوَّذُ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَدَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ

(۲۳۰۹) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سرجس سے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کرتے تو ان چیزوں سے پناہ مانگتے تھے۔ سفر کے نقصانات سے۱ اور واپسی کی تکلیف سے۲ اور بھلائی کے بعد برائی سے۳ مظلوم کی بددعا سے۴ اور گھر بار و مال میں

رَوَاهُ مُسْلِمٌ . برائی دیکھنے سے (مسلم)

(۲۳۰۹)۱؎ وعثاء وعث سے بنا، معنی نقصان یا وہ مشقت جو رب کے ذکر اور آخرت کی فکر سے روک دے چونکہ سفر گو سقر یعنی دوزخ کا ٹکڑا ہے اس لئے یہ دعا فرماتے ۲؎ اس طرح کہ جب گھر لوٹوں تو کوئی نقصان وہ چیز نہ دیکھوں، اسی طرح جب سفر دنیا سے وطن آخرت کی طرف واپس جاؤں تو کوئی مصیبت نہ اٹھاؤں، اس دعا میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ (۲۶،۲۲۷) اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے (کنزالایمان) ۳؎ کور عمامہ کے پیچ کو کہتے ہیں اور حور اس پیچ کا کھل جانا یعنی زیادتی کے بعد نقصان، اصلاح کے بعد فساد، جمع ہونے کے بعد بکھرنا، جماعت میں ہونے کے بعد الگ ہو جانا، آرام کے بعد تکلیف، بھلائی کے بعد برائی، ثابت قدمی کے بعد بدل جانا، ان سب سے تیری پناہ رب تعالٰی فرماتا ہے: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (۸۱،۱) جب دھوپ لپیٹی جائے (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ (۳۹،۵) رات کو دن پر لپیٹتا ہے (کنزالایمان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ ترقی کے بعد تنزل، توبہ کے بعد گناہ، ذکر کے بعد غفلت، حاضری کے بعد غائب ہو جانا، ان سب سے پناہ (لمعات، مرقات، مع زیادت) ۴؎ چونکہ سفر میں ساتھیوں سے جھگڑے بھی ہو جاتے ہیں، خصوصاً عرب میں پانی پر اور کبھی ان جھگڑوں میں ظلم بھی ہو جاتا ہے، اس لئے سفر کے موقع پر مظلوم کی بددعا سے خصوصیت سے پناہ مانگی گئی، مظلوم کی بددعا اور قبولیت کے درمیان حجاب نہیں۔

وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلاً فَقَالَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهِ ذٰلِكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۳۱۰) روایت ہے حضرت خولہ بنت حکیم سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو کسی منزل پر اترے تو یہ کہہ لے میں اللہ کے پورے و کامل کلمات کی پناہ لیتا ہوں اس مخلوق کے شر سے ۲؎ تو اس منزل سے کوچ کرتے وقت تک اسے کوئی چیز نقصان نہ دے گی ۳؎ (مسلم)

(۲۳۱۰)۱؎ آپ حضرت عثمان ابن مظعون کی بیوی ہیں، نہایت نیک اور عالمہ تھیں، مگر آپ سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے ۲؎ ان کلمات سے مراد یا قرآن کریم ہے یا ساری آسمانی کتب یا اسمائے الٰہیہ یا رب کا کلام نفسی یا اس کا علم یا اس کے فیصلے، تام سے مراد ہے نقصان و عیب سے پاک صوفیاء فرماتے ہیں کہ کلمات اللہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ ان کی ہر بات وحی الٰہی ہے، عیسٰی علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں اور ہمارے حضور کلمات اللہ، مخلوق سے وہ مخلوق مراد ہے جس سے شر ہو سکے، اس میں اپنا نفس بھی داخل ہے اور چیزیں بھی ۳؎ کفار عرب سفر کی منزلوں میں اترتے وقت کہتے تھے کہ ہم اس جنگل کے سردار کی پناہ لیتے ہیں یعنی جنات کی، اللہ کے محبوب نے ہم کو اس کے عوض یہ دعا سکھائی، یہ دعا سفر و حضر میں ہمیشہ ہی صبح شام پڑھا کریں، زہریلی چیزوں سے محفوظ رہو گے، بہت مجرب ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَالَقِيْتُ مِنْ عَقْرَبٍ لَدَغَتْنِي الْبَارِحَةَ قَالَ اَمَا لَوْ قُلْتَ حِيْنَ اَمْسَيْتَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ لَمْ تَضُرَّكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۳۱۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا یارسول اللہ آج رات مجھے بچھو کے کاٹ لینے سے بہت ہی تکلیف پہنچی ۱؎ فرمایا اگر تم شام کے وقت یہ کہہ لیتے کہ میں اللہ کے کامل کلموں کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوق کی شر سے تو تمہیں بچھو تکلیف نہ پہنچا سکتا ۲؎ (مسلم)

(۲۳۱۱)۱ما موصولہ ہے اور یہ جملہ مبتداء ہے جس کی خبر پوشیدہ ہے یعنی مجھے جتنی تکلیف پہنچی بیان نہیں کرسکتا یا ما استفہامیہ ہے اور استفہام تعجب کے لئے یعنی تعجب ہے کہ مجھے کتنی سخت تکلیف پہنچی ۲اس سے معلوم ہوا کہ یہ دعا ہمیشہ ہی پڑھنی چاہیے صبح کے وقت پڑھ لینے سے شام تک زہریلی چیزوں سے امن ہے اور شام کو پڑھ لینے سے صبح تک امن۔

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا كَانَ فِىْ سَفَرٍ وَّ اَسْحَرَ يَقُوْلُ سَمَّعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَحُسْنِ بَلَآئِهٖ عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَاَفْضِلْ عَلَيْنَا وَعَائِذًا بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۳۱۲) روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور سویرا پاتے تو یہ فرماتے سننے والے سن لیں کہ ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اس کی ہم پر اچھی نعمت ہے۱اے ہمارے رب تو ہمارا ساتھی ہوجا اور ہم پر فضل کر۲ آگ سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۳ (مسلم)

(۲۳۱۲)۱اس جملہ کی قرأت اور ترجمے میں شارحین نے بہت موشگافیاں کی ہیں فقیر صرف ایک مطلب عرض کرتا ہے سمع یا تو تفعیل کا ماضی ہے یا باب علم کا اور بہر حال ماضی بمعنی خبر ہے یعنی ہر سننے والا ہماری حمد سن لے یا ہر سننے والا ہماری حمد دوسروں کو سنادے تاکہ کل قیامت میں گواہی دے بلاء سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو بغرض امتحان ہم کو دی گئیں اور حسن کا عطف حمد پر ہے اور یہاں اقرار پوشیدہ ہے یعنی ہر سننے والا ہماری حمد بھی سن لے اور رب تعالٰی اچھی آزمائش یعنی اس کی نعمتوں کا اقرار بھی سن لے کہ ہم نعمتوں کے اقرار میں ان پر شاکر ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے: وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (۲۱:۳۵) اور ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں برائی اور بھلائی سے جانچنے کو (کنزالایمان) یہ معنی آسان بھی ہیں اور بہتر بھی باقی اپنے حبیب کی مراد کو رب جانے اس سے معلوم ہوا کہ اپنے ایمان و اعمال پر لوگوں بلکہ پانی وذروں کو گواہ بنالینا بہتر ہے کہ کل قیامت میں ان کی گواہی کام دے گی یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ سمع خبر ہی ہو اور معنی یہ ہوں کہ ہماری حمد ڈھکی چھپی نہیں بلکہ سننے والوں نے سنی ہے وہ خوب جانتے ہیں ۲یعنی الٰہی تو ہمارا حافظ و ناصر ہوجا اور ہم پر اپنا فضل وکرم دائم قائم رکھ۔۳ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی اس دعا کا جز ہے اور حضور علیہ السلام کا فرمان یعنی میں آگ سے اللہ کی پناہ لیتے ہوئے یہ کہہ رہا ہوں اور ہوسکتا ہے کہ یہ راوی کا کلام ہو یعنی حضور علیہ السلام رب کی پناہ لیتے ہوئے یہ کلمات فرماتے تھے عائذًا مصدر نہیں بلکہ اسم فاعل ہی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ اَوْ حَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ يُكَبِّرُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْاَرْضِ ثَلٰثَ تَكْبِيْرَاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ .(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۳۱۳) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد یا حج یا عمرہ سے واپس ہوتے۱تو ہر اونچی زمین پر تین بار تکبیر کہتے۲ پھر کہتے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۳ ہم لوٹ رہے ہیں توبہ کرتے ہیں عبادت کرتے ہیں سجدے کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں۴ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کردیا اپنے بندے کی مدد سے اور احزاب کو اکیلے ہی بھگادیا۵ (مسلم بخاری)

(۲۳۱۳)۱یعنی اپنے ہر سفر سے واپسی میں [illegible] بلکہ آپ کے سفر

ان تین قسموں کے ہی ہوئے اس لئے راوی نے اس طرح بیان کیا۲؎ تاکہ اس کی حمد مطابق حال کے ہو کیونکہ اس وقت خود زمین سے بلند ہورہے ہیں۔ اس لئے اللہ کی بلندی کا ذکر کیا اور اترتے وقت رب کی تسبیح پڑھتے تھے۳؎ ان کلمات کی شرح بارہا ہوچکی ہے یہ چوتھے کلمے کے الفاظ ہیں اور رب تعالٰی کی بہترین حمد اس موقع پر یہ اس لئے پڑھا گیا تاکہ معلوم ہو کہ اتنی آفتوں میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود کیسے جینا ہے اور کیسے چلنا پھرنا ہے۴؎ یعنی ہم بفضلہ تعالٰی بخیریت اپنے وطن کو لوٹ رہے ہیں اور اس سفر میں جو عبادتوں میں کوتاہی ہوگئی ہو اس سے توبہ کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ ہمیشہ رب کے عابد اور اس کے حضور ساجد رہیں گے ترمذی کی روایت میں بجائے ساجدون کے سائحون ہے سیحٌ سے مشتق معنی پانی کا بہنا یعنی ہم مطلوب کی طرف بآسانی جارہے ہیں۵؎ اس میں خدا کی تین نعمتوں کا ذکر ہے ایک اسلام کے غلبے کا وعدہ فرمانا اور اسے پورا کردینا دوسرے اپنے بندہ خاص حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری مدد صحابہ کے ذریعہ اور باطنی مدد ہواؤں اور فرشتوں کے ذریعہ فرمانا اور تیسرے غزوہ احزاب جسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں اس میں کفار کے لشکر جرار کو تیز ہوا سے بھگا دینا ورنہ مسلمان اس وقت بچ نہ سکتے تھے کیونکہ بارہ ہزار کفار کا لشکر مدینہ منورہ پر باہر سے حملہ آور ہوا تھا اور ادھر خود مدینہ کے یہود نے عہد شکنی کرکے مسلمانوں کو فنا کرنے کی ٹھان لی تھی اندیشہ تھا کہ اس موقع پر مسلمان ان بیرونی اور اندرونی دشمنوں میں پھنس کر ایسے پس جاتے تھے جیسے چکی میں دانہ رب تعالٰی خود فرماتا ہے: اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (۳۳،۹) جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے (کنزالایمان) اور ہوسکتا ہے کہ احزاب سے مراد کفار کی ساری جماعتیں ہوں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلَی الْمُشْرِكِیْنَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۳۱۴) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفٰی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن مشرکوں پر بددعا کی عرض کیا اے اللہ اے کتاب اتارنے والے جلد حساب لینے والے اے اللہ احزاب کو بھگادے اے اللہ انہیں شکست دے اور انہیں ہلا ڈال۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۳۱۴)۱؎ احزاب یعنی غزوہ خندق کا کچھ ذکر ابھی ہوچکا چونکہ اس موقع پر عرب کی ساری ہی کفار جماعتیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے شہر کے آس پاس خندق کھدوائی تھی اس لئے اسے غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں اور خندق بھی دعا کا مقصد یہ ہے کہ اے مولٰی تو تو ایسی قدرت والا ہے کہ آسمان سے کتابیں اتار سکتا ہے ساری مخلوق کا حساب قیامت میں چار گھنٹہ میں لے لے گا تیرے نزدیک ان سارے کفار کو بھگا دینا ہمیں ان سب کے شر سے بچالینا کیا مشکل ہے خدایا اپنی قدرت دکھادے انہیں بھگا دے ہمیں بچالے حضور علیہ السلام کی دعا لفظ بلفظ قبول ہوئی کہ ایک تیز ہوا چلی جس سے کفار کے خیمے اڑ گئے۔ جانور بھاگ گئے اور ان کی جماعتیں تتر بتر ہوگئیں اگر حضور علیہ السلام دعا کردیتے کہ انہیں ہلاک کردے تو ایک کافر بھی بچ کر نہ جاتا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَبِیْ فَقَرَّبْنَا اِلَیْهِ طَعَامًا

(۲۳۱۵) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے والد کے پاس تشریف لائے تو ہم

وَوَطْبَةً فَاَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَاْكُلُهٗ وَيُلْقِي النَّوٰى بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ وَيَجْمَعُ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ فَجَعَلَ يُلْقِي النَّوٰى عَلٰى ظَهْرِ اِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى ثُمَّ اُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهٗ فَقَالَ اَبِيْ وَاَخَذَ بِلِجَامِ دَآبَّتِهٖ اُدْعُ اللّٰهَ لَنَا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نے آپ کی خدمت میں کھانا اور کھجور کا حلوہ پیش کیا۱؎ ۔اس سے حضور نے کچھ کھایا پھر چھوارے حاضر کیے گئے تو انہیں کھانے لگے اور گٹھلیاں دو انگلیوں کے بیچ لیکر پھینکنے لگے۲؎ کہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی جمع فرماتے اور ایک روایت میں ہے کہ گٹھلیاں اپنی کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کی پشت پر ڈالنے لگے پھر پانی لایا گیا حضور نے پیا پھر میرے والد نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر عرض کیا حضور ہمارے حق میں اللہ سے دعا فرمائیے۳؎ تو فرمایا الٰہی تو جو انہیں روزی دے اس میں برکت دے اور انہیں بخش ان پر رحم کر۴؎ (مسلم)

(۲۳۱۵)۱؎ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں رطبۃ ہے' ر کے ساتھ بعض نسخوں میں وَطِيْئَةً ہے بمعنی ملی ہوئی کھجوریں جس میں مکھن ملا ہو' اور بعض میں وطبۃ ہے یعنی گٹھلی نکالی ہوئی کھجوریں جنہیں گھی یا پنیر یا مکھن سے کھایا جائے' یہی زیادہ مشہور ہے' بعض لوگوں نے کہا کہ وطبہ کھجور کے شربت کو کہتے ہیں' مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے یعنی ہم نے آپ کی خدمت میں تین چیزیں پیش کیں کھانا' کھجور کا حلوا اور چھوارے معلوم ہوا کہ مہمان کی خدمت کے لئے کھانے میں قدرے تکلف کرنا سنت ہے' ۲؎ یعنی چھوارے کھا کر اس کی گٹھلیاں اس انداز سے پھینکتے تھے کہ کلمہ اور بیچ کی انگلی ملا کر ان کی پشت پر لیتے اور پھینک دیتے' معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کی اداؤں کو بھی یاد رکھتے اور ان کی روایت کرتے تھے' ۳؎ یعنی میرے والد حضور علیہ السلام کو پہنچانے کے لئے لگام شریف پکڑ کر آگے آگے چلے اور جب کچھ دور پہنچا کر لوٹنے لگے' تو دعا کے لئے عرض کیا' معلوم ہوا کہ بزرگوں کی لگام یا رکاب پکڑنا اظہار عجز کے لئے سنت صحابہ ہے اور مہمان کو وداع کے وقت کچھ دور پہنچانے جانا بھی سنت ہے' خیال رہے کہ ان صحابی نے کھانا کھلاتے ہی اس دعا کی درخواست نہ کی تاکہ یہ دعا اس خدمت کا معاوضہ نہ بن جائے اور اخلاص میں فرق نہ آجائے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ مہمان کو کھلا کر دعا نہ کراؤ' اور فقیر کو صدقہ دے کر دعا نہ کراؤ' وہ خود دعا کریں تو ان کی مہربانی' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں سے دعا کرانا سنت صحابہ ہے' اگرچہ یہ خود بھی بزرگ ہوں' حضرات صحابہ کرام اولیاء کے اولیاء ہیں' مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کراتے ہیں۔ ۴؎ بہت جامع دعا ہے روزی میں جسمانی روحانی تمام روزیاں داخل ہیں' مغفرت سے گناہوں کی بخشش اور رحم سے خیر کی توفیق اور اس کی قبولیت مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاَى الْهِلَالَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ ۔

(۲۳۱۶) روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبیداللہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے۱؎ تو کہتے اے اللہ' اسے ہم پر امن وامان' سلامتی اور اسلام کا چاند بنا کر چمکا۲؎ اے چاند میرا اور تیرا رب اللہ ہے۳؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۲۳۱۶)۱؎ عربی میں پہلی دوسری تیسری [illegible] کے چاند کو ہلال کہتے ہیں [illegible] پہلی [illegible] دیکھتے تو یہ دعا مانگتے' ۲؎ اس

طرح کہ یہ چاند ہمارے لئے تیری یہ نعمتیں لایا ہو اور اس مہینہ میں ہمیں تیری یہ نعمتیں ملیں' خیال رہے کہ اوقات راحات و آفات کا ظرف تو ہیں مگر کبھی سبب بھی ہوتے ہیں جیسے گرمی اور سردی کا سبب وقت ہے' نمازوں کے وجوب کا سبب وقت ہے' ایسے ہی کبھی روحانی حالات کا سبب بھی وقت بن جاتے ہیں' لہذا یہ دعا اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ ۳؎ اس میں مشرکین کی تردید ہے جو چاند سورج کو معبود جان کر ان کی پوجا کرتے تھے' خطاب چاند سے ہے سنانا انسان کو ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَاَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ رَجُلٍ رَاٰى مُبْتَلًى فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا اِلَّا لَمْ يُصِبْهُ ذٰلِكَ الْبَلَاءُ كَائِنًا مَّا كَانَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَمْرُوبْنُ دِيْنَارِنِ الرَّاوِیْ لَيْسَ بِالْقَوِیِّ ۔

(۲۳۱۷) روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب اور حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی شخص نہیں جو کسی گرفتار بلا کو دیکھے۱؎ تو یہ کہہ لے شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے اس آفت سے بچایا' جس میں تجھے مبتلا کیا اور اس نے مجھے بہت سی مخلوق پر بزرگی بخشی۲؎ مگر اسے یہ بلا نہ پہنچے گی۔ جو بلا بھی ہو۳؎ (ترمذی) اور ابن ماجہ نے اسے حضرت ابن عمر سے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور عمرو ابن دینار راوی قوی نہیں۴؎۔

(۲۳۱۷) ۱؎ بلا خواہ جسمانی ہو جیسے کوڑھ' اندھا پن یا اور کوئی بیماری' یا مالی جیسے قرض' فقر' تنگی رزق وغیرہ' یا دینی جیسے کفر' فسق' ظلم بدعت وغیرہ غرضیکہ ہر مصیبت کے لئے یہ دعا اکسیر ہے (لمعات' مرقات) ۲؎ یہ دعا بہت آہستہ کہے کہ وہ مصیبت زدہ نہ سنے' ورنہ اسے رنج ہوگا (لمعات) مگر فاسق و فاجر کو سنا کر یہ دعا پڑھے تاکہ اسے عبرت ہو اور اپنے فسق سے توبہ کرے (مرقات) خیال رہے کہ یہ شکر یہ اپنی عافیت پر ہے نہ کہ اس کی آفت پر کیونکہ دوسرے کی مصیبت پر خوش ہونا سخت جرم ہے' چونکہ یہ دعا آفت زدہ کو دیکھتے ہوئے پڑھی جائے گی اس لئے خطاب کی ضمیر آئی۔ ۳؎ یہ دعا اکسیر اعظم ہے' بہت لوگوں نے اس کی آزمائش کی ہے' فقیر کا اس پر خود عمل ہے' اسے نہایت مجرب پایا' ہر مسلمان اسے یاد کر لے' انشاء اللہ بہت فائدہ اٹھائے گا' ۴؎ ترمذی نے یہ حدیث دو اسنادوں سے روایت کی' حضرت ابوہریرہ اور سیدنا عمر ابن خطاب سے پہلی اسناد کو حسن اور دوسری کو ضعیف کہا مطلقاً ضعیف نہ کہا' اور اگر ضعیف بھی ہوتی تب بھی عمل امت اور تجربہ امت سے قوی بن جاتی' جیسا کہ بارہ ہزار کلمہ والی حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے لیکن کشف اولیاء اور تجربہ اُمت سے حدیث صحیح مانی گئی' اس ضعیف کے قوی ہو جانے کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں مطالعہ فرمایئے۔

وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِیْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَلْفَ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَّمَحَا عَنْهُ اَلْفَ اَلْفِ سَيِّئَةٍ وَّرَفَعَ لَهٗ اَلْفَ اَلْفِ دَرَجَةٍ وَّبَنٰى لَهٗ بَيْتًا فِی الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ

(۲۳۱۸) روایت ہے حضرت عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بازار میں داخل ہونے پر یہ کہہ لے۱؎ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اکیلا ہے وہ جس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے زندگی اور موت دیتا ہے وہ خود زندہ ہے جو کبھی نہ مرے گا اسی کے قبضہ میں خیر ہے۲؎ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۳؎ تو اللہ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس لاکھ گناہ مٹاتا ہے اور اس کے دس لاکھ درجے بلند کرتا ہے اور اس کے لئے جنت

مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ مَنْ قَالَ فِيْ سُوْقٍ جَامِعٍ يُبَاعُ فِيْهِ بَدَلَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ .

میں گھر بناتا ہے۴ (ترمذی' ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا۔ یہ حدیث غریب ہے اور شرح سنہ میں یوں ہے۵ کہ جو بھر بازار میں جائے جہاں تجارت ہوتی ہے (من دخل السوق کے عوض)۶

(۲۳۱۸)۱ عربی میں بازار کو سوق کہتے ہیں کیونکہ یہ سوق سے بنا بمعنی جانا اور لے جانا' چونکہ لوگ بازار میں خود بھی جاتے ہیں اور اپنے سامان بھی لے جاتے ہیں اس لئے اسے سوق کہا جاتا ہے بعض نے کہا کہ یہ ساق کی جمع ہے بمعنی پنڈلی' چونکہ لوگ بازار میں اکثر اپنی پنڈلیوں پر کھڑے ہی ہوتے ہیں بیٹھتے کم ہیں اس لئے اسے سوق کہتے ہیں' بازار غفلت' شیطان کے تسلط اور اکثر جھوٹ' دھوکے کی جگہ ہے اس لئے وہاں جاتے وقت اس دعا کا ثواب بھی زیادہ ہے' بہتر ہے کہ یہ دعا آہستہ پڑھے تاکہ ریاء سے دور رہے' اور اگر اس لئے اونچی آواز سے بھی پڑھ لے کہ دوسرے بھی یہ پڑھ لیں تو مضائقہ نہیں۲ اگرچہ شر بھی اللہ تعالٰی ہی کے قبضہ میں ہے' مگر چونکہ شر کو رب تعالٰی کی طرف نسبت دینے سے بے ادبی ہے اس لئے صرف خیر کا بیان ذکر کیا گیا کہنا یہ چاہیے کہ خیر رب تعالٰی کی طرف سے ہے اور شر میری طرف سے' ۳ اس دعا کی برکت سے انشاءاللہ یہ شخص اس مبارک جماعت میں داخل ہوجائے گا جس کا ذکر اس آیت میں ہے: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (۲۴' ۳۷) وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے (کنزالایمان) وہ لوگ جنہیں تجارتی کاروبار اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ شیطان بازار ہی میں اپنے انڈے بچے دیتا ہے وہاں ہی اس کے جھنڈے گڑتے ہیں' وہاں ہی نوے فی صد گناہ ہوتے ہیں' اس لئے وہاں یہ دعا پڑھنا بہت بہتر ہے' دکاندار حضرات ضرور پڑھ لیا کریں کہ انہیں اکثر وقت وہاں ہی رہنا ہوتا ہے' آج کل کچہریاں بازاروں سے بدتر ہیں' وہاں بھی یہ دعا ضرور پڑھے (از مرقات مع زیادۃ) ۴ اگر دونوں الف کو زبر اور درجہ کو بھی زبر پڑھا جائے تو معنی ہوں گے ہزار ہزار یعنی ہزار ہا نیکیاں' یہ ہی ترجمہ اشعۃ اللمعات نے کیا' اور اگر پہلے الف کو زبر اور دوسرے الف کو کسرہ یعنی زیر اور حسنۃ کو زیر ہی پڑھا جائے' تو معنی ہوں گے ہزار جگہ ہزار جگہ یعنی دس لاکھ سو ہزار ایک لاکھ' دس سو ہزار دس لاکھ دوسرے معنی فقیر نے اس لئے اختیار کئے کہ رب تعالٰی کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کے خزانوں میں کمی نہیں' ۵ شرح سنہ صاحب مصابیح کی ہی کتاب ہے جیسا کہ دیباچہ میں عرض کیا گیا' ۶ بازار کی جتنی رونق زیادہ اور وہاں جتنا کاروبار زیادہ اتنے ہی وہاں گناہ زیادہ' اسی لئے اس قدر دعا کا ثواب زیادہ مرقات نے فرمایا کہ قتیبہ ابن مسلم بادشاہ خراسان یہ حدیث سن کر یہ دعا' پڑھنے کے لئے روزانہ بازار جاتے تھے اور یہ دعا پڑھ کر لوٹ آتے۔

وَعَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَدْعُوْ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ تَمَامَ النِّعْمَةِ فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ تَمَامُ النِّعْمَةِ قَالَ دَعْوَةٌ اَرْجُوْ بِهَا خَيْرًا فَقَالَ اِنَّ مِنْ تَمَامِ النِّعْمَةِ دُخُوْلَ الْجَنَّةِ وَالْفَوْزَ مِنَ النَّارِ وَسَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ فَقَالَ قَدِ اسْتُجِيْبَ لَكَ فَسَلْ وَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا وَهُوَ

(۲۳۱۹) روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا مانگتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنا۔ الٰہی میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں تو حضور نے فرمایا پوری نعمت کون چیز ہے۱ وہ بولا کہ یہ ایک دعا ہے جس سے میں بھلائی کی امید کرتا ہوں۲ تو فرمایا کہ پوری نعمت جنت کا داخلہ اور آگ سے نجات ہے۳ اور ایک شخص کو کہتے سنا اے بزرگی و اکرام والے تو فرمایا تیری قبول ہوگئی اب مانگ لے۴ اور نبی کریم صلی اللہ

يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْاَلُكَ الصَّبْرَ فَقَالَ سَاَلْتَ اللّٰهُ الْبَلَاءَ فَاسْئَلْهُ الْعَافِيَةَ ۔(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا الٰہی میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں تو فرمایا کہ تو آفت مانگ رہا ہے اللہ سے عافیت مانگ۵(ترمذی)

(۲۳۱۹)۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال امتحان کے طور پر ہے کہ تیری دعا تو بڑی ہی پیاری ہے، بتا تو نے اس کا مطلب کیا سمجھا ہے اور کس نیت سے یہ دعا مانگتا ہے معلوم ہوا کہ دعا کے الفاظ بھی اچھے ہوں اور نیت بھی اعلیٰ، وہاں لفظ کے ساتھ نیت بھی دیکھی جاتی ہے۔۲؎ بھلائی سے مراد بہت مال ہے یعنی تمام نعمت سے میری مراد بہت سا مال ہے رب مجھے خوب مالدار کردے، سچ ہے۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

۳؎ یعنی پہلے ہی جنت میں پہنچ جانا اس طرح کہ دوزخ میں بالکل نہ جائے، یہ تمام نعمت ہے اور اگر دوزخ میں کچھ سزا پا کر پھر جنت میں جائے، تو یہ بھی اگرچہ نعمت تو ہے مگر پہلی نعمت اس سے اعلیٰ ہے خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مــن فرما کر یہ بتایا کہ اور چیزیں بھی تمام نعمت ہیں، لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (۵:۳) اسلام پر جینا ایمان پر مرنا بھی تمام نعمت ہے، مقصد یہ ہے کہ صرف مال کی زیادتی تمام نعمت نہیں، تو اس کی نیت ہی نہ کیا کر بلکہ آگ سے نجات کی نیت کر۔۴؎ بعض لوگوں نے ذوالجلال والاکرام کو اسم اعظم مانا ہے، ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حمد الٰہی قبول دعا کے لئے اکسیر اعظم ہے پھر جیسی اعلیٰ حمد ہوگی ویسی ہی اعلیٰ قبولیت بھی ہوگی انشاء اللہ یہ ہی درود شریف کا حال ہے، کہ جس قدر اخلاص کے ساتھ جیسا اعلیٰ درود شریف ہوگا ویسی ہی دعا کی قبولیت۔۵؎ یعنی صبر تو آفت یا مصیبت پر ہوتا ہے، تو صبر مانگنا در پردہ اپنی آفتوں کا مانگنا ہے بلکہ آفت آجانے پر بھی بعض اولیاء اللہ صبر نہیں مانگتے بلکہ آفت کا دفعیہ مانگتے ہیں، ہاں بوقت امتحان صبر طلب کرتے ہیں، جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر بھی دی، اور صبر کی دعا بھی، غرضیکہ مختلف موقعے مختلف ہی دعا حسب حال مانگنی چاہیے۔

وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا فَكَثُرَفِيْهِ لَغَطُهُ فَقَالَ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْمَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ اِلَّا غُفِرَلَهٗ مَا كَانَ فِيْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

(۲۳۲۰) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی جگہ بیٹھے جہاں شور وشغب زیادہ ہوا تو اٹھنے سے پہلے یہ کہہ لے پاک ہے تو اے اللہ اور تیری حمد ہے۲؎ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۳؎ مگر اس کی تمام وہ حرکات معاف کردی جائیں گی جو اس مجلس میں ہوئیں تھیں

(ترمذی، بیہقی، دعوات کبیرہ)

(۲۳۲۰) لَغَطْ سے مراد بے فائدہ گفتگو جس میں وقت ضائع ہو کہ یہ بھی نقصان وہ چیز ہے بعض نے فرمایا کہ بیہودہ گفتگو لغط ہے جس میں حق اللہ ضائع ہو، غرض یہ کہ فریب، جھوٹ، غیبت اس سے خارج ہیں، کہ یہ چیزیں حقوق العباد میں سے ہیں بغیر معاف کرائے معاف نہ ہوں گی۔۲؎ اس دعا کا ماخذ یہ آیت ہو سکتی ہے: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ، (۵۲:۴۸) اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو (کنزالایمان) ۳؎ یعنی اس اضاعت وقت کے قصور اور تیری نعمت زبان کو غلط استعمال کرنے کی غلطی سے توبہ کرتا ہوں میں قصور مند بندہ ہوں، تو غفور رحیم رب ہے ... سبحان اللہ کیسی دعا ہے ... بخشش ... جو ابھی اوپر عرض کیا گیا، کہ جیسے

مال برباد کرنا گناہ ہے' ایسے ہی وقت برباد کرنا بھی گناہ' وقت مال سے زیادہ لائق قدر ہے' اسی گناہ کی معافی مانگی گئی۔

وَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ اُتِيَ بِدَآبَّةٍ لِيَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهٗ فِي الرِّكَابِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَلَمَّا اسْتَوٰى عَلٰى ظَهْرِهَا قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِىْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلٰثًا وَّاللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلٰثًا سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْلِىْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ثُمَّ ضَحِكَ فَقِيْلَ مِنْ اَيِّ شَىْءٍ ضَحِكْتَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ مِنْ اَيِّ شَىْءٍ ضَحِكْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِىْ ذُنُوْبِىْ يَقُوْلُ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ غَيْرِىْ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِىُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۳۲۱) روایت ہے حضرت علی سے کہ آپ کی خدمت میں سواری کے لئے ایک گھوڑا لایا گیا۱ آپ نے جب رکاب میں پیر رکھا۲ تو فرمایا: بسم اللہ' جب اس کی پیٹھ پر بیٹھ گئے' تو فرمایا الحمد اللہ۳ پھر فرمایا پاک ہے وہ رب جس نے اسے ہمارا تابعدار بنایا اور ہم اسے مطیع نہ کر سکتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۴ پھر تین بار کہا الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر پاک ہے تو میں نے یقیناً اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا۵ پھر آپ ہنسے۶ عرض کیا گیا اے امیر المؤمنین آپ کس چیز سے ہنس رہے ہیں تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وہ ہی کیا جو میں نے کیا پھر آپ ہنسے۷ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کس چیز سے ہنستے ہیں فرمایا کہ تمہارا رب اپنے بندے سے خوش ہوتا ہے۸ جب وہ کہتا ہے خدایا میرے گناہ بخش دے رب فرماتا ہے میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ بخشتا نہیں۹ (احمد' ترمذی' ابوداؤد)

(۲۳۲۱)۱ لغۃً دابۃ ہر جانور کو کہتے ہیں' رب تعالٰی فرماتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (۱۱/٦) اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو (کنزالایمان)

مگر اصطلاح میں دابۃ گھوڑے کو کہا جاتا ہے' وہ ہی یہاں مراد ہے' آپ کی خدمت میں گھوڑا حاضر کیا گیا تھا' ۲ رکاب معنی آلہ رکوب جس میں پاؤں رکھ کر سوار ہوتے ہیں ۳ یہ حمد سواری ملنے کے شکریہ پر ہے یعنی خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے ہماری آسانی کے لئے ہم کو سواری بخشی' بہت لوگ مجبوراً پیدل سفر کرتے ہیں ۴ یہ قرآن شریف کی آیت ہے' اس کی شرح ابھی فصل اول میں گزر گئی' خلاصہ یہ ہے کہ مولی ان قوی جانوروں کا ہم کمزور انسانوں کے قبضہ میں آجانا تیری مہربانی سے ہے ہم تو مچھر مکھی کو تابع نہیں کر سکتے' پھر ہم پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ ہم کو خود اپنے ہاتھ پاؤں پر بھی اختیار و قبضہ نہ رہے گا یعنی بعد موت ہم کو وہ وقت یاد ہے' ہم اس نعمت پر متکبر نہیں تیرے شکر گزار ہیں' سبحان اللہ کیسی جامع اور برمحل دعا ہے ۵ یعنی میری خطاؤں وگناہوں کے باوجود تو نے مجھے یہ سواری وغیرہ کی نعمتیں بخشیں' تو مجھے امید ہے کہ تو اپنے کرم سے مجھے معافی بھی دیدے گا میں نے وہ ہی کیا جو گنہگار کرتے ہیں تو وہ ہی کر جو ستار و غفار کی شان ہے ۶ یعنی مسکرائے' ٹھٹھا نہ لگایا مسکرانا اظہار خوشی کے لئے ہوتا ہے ٹھٹھا دل کی غفلت سے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے بہت تھے ٹھٹھا کبھی نہ لگا' ۷ یعنی میں قولی و عملی سنتوں پر عمل کر رہا ہوں' اس موقع پر یہ دعا مانگنا سنت قولی ہے' اور اس وقت تبسم کرنا سنت عملی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی نقل کرتے تھے اسے ثواب سمجھتے تھے اور یہ بھی پتہ لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت پر عمل کرنا باعث ثواب ہے۔ حتی کہ ہنسنا اور رونا بھی ۸ خلاصہ یہ ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں ہنس رہا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے رب تعالٰی کی موافقت میں تبسم فرمایا تھا' تو یہ عملی سنت رسول بھی ہے اور سنت الٰہیہ بھی' رب تعالٰی تعجب کرنے' ہنسنے سے پاک ہے اس لئے وہاں ان الفاظ کے معنی ہوتے ہیں خوش ہونا' رب تعالٰی کی رضا وخوشی اس کی شان کے لائق ہے ہماری رضا وخوشی ہماری حیثیت کے موافق ہے۔ ۹ معلوم ہوا کہ رب تعالٰی اس بندے سے بہت راضی وخوش ہوتا ہے جو اپنے کو بے کس و گنہگار جانے' اور رب تعالٰی کو قادر و غفار جانے' یہ ہی حال بارگاہ مصطفوی کا ہے کہ وہاں بھی بے کسی پر رحم بہت ہوتا ہے۔ شعر:۔

دیکھی جو بے کسی تو انہیں رحم آ گیا — گھبرا کے ہو گئے وہ گنہگار کی طرف

خیال رہے کہ گناہ تو اللہ تعالٰی ہی بخشتا ہے' اس کے محبوب بندے شفاعت تو کرتے ہیں' مگر براہ راست گناہ بخشتے نہیں' مگر حقوق بندے بھی معاف کر سکتے ہیں' میں اپنا قرض یا خون معاف کر سکتا ہوں' لہذا حدیث بالکل واضح ہے' جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے گناہ یا کفارے معاف فرما دیئے وہ باذن الٰہی تھے' ان معافیوں کی بہت مثالیں ہیں جو ہم نے اپنی کتاب سلطنت مصطفٰی میں بیان کی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَدَّعَ رَجُلاً اَخَذَ بِيَدِهٖ فَلَا يَدَعُهَا حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ هُوَ يَدَعُ يَدَالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقُوْلُ اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَاٰخِرَ عَمَلِكَ وَفِىْ رِوَايَةٍ وَّخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ اَبُوْ دَاوٗدَوابْنُ مَاجَةَ وَفِىْ رِوَايَتِهِمَا لَمْ يُذْكُرُو اٰخِرَ عَمَلِكَ

(۲۳۲۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو وداع فرماتے ۱؎ تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے خود اسے نہ چھوڑاتے حتی کہ وہ شخص ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ چھوڑ دیتا ۲؎ اور فرماتے' میں تیرا دین تیری امانت اور تیرا آخری عمل اللہ کے سپرد کرتا ہوں ۳؎ اور ایک روایت میں ہے خاتمہ کا عمل (ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ) ان دونوں کی روایات میں آخر عمل کا ذکر نہیں۔

(۲۳۲۲) ۱؎ صحابہ کرام سفر کو جاتے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس بارگاہ عالی سے وداع ہوتے تھے اس وقت کا یہاں ذکر ہو رہا ہے' اب بھی زائرین مدینہ منورہ سے چلتے وقت آخری سلام کے لئے روضہ انور پر حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں الوداع الوداع یا رسول اللہ الفراق الفراق یا حبیب اللہ ہم نے ایک وداعیہ قصیدہ عرض کیا تھا' جس کے کچھ شعر یہ ہیں شعر:۔

دور سے آئے تھے پردیسی غلام — عرض کرنے کو غلامانہ سلام
آستانہ سے وداع ہوتے ہیں اب — یہ فرماؤ کہ بلواؤ گے کب
چشم رحمت سے نہ تم کریو جدا — رکھیو اپنے سایہ میں ہم کو سدا

اس وقت جو دل کا حال ہوتا ہے وہ وداع ہونے والا ہی جانتا ہے شعر:۔

بدن سے جاں نکلتی ہے آہ سینے سے — ترے فدائی نکلتے ہیں جب مدینے سے
روضہ اچھا زائر اچھے' اچھی راتیں' اچھے دن — سب کچھ اچھا ایک رخصت کی گھڑی اچھی نہیں

۲؎ یہ حضور کی بندہ نوازی اور شان کریمانہ ہے کہ غلاموں سے خود ہاتھ نہیں چھوڑاتے' اب بھی وہ ہم گنہگاروں کو خود نہیں چھوڑتے' اللہ تعالٰی ان کے قدموں سے وابستگی عطا کرے ۳؎ یعنی خدا تیرے دین و ایمان و خاتمہ کی حفاظت کرے' سب کچھ اس کے سپرد ہے' امانت سے مراد یا تو اعمال شرعیہ ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳۳،۷۲) بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی

آسمانوں اور زمین پر (کنزالایمان) یا مسافروں کے آپس کے اخلاق و مالی معاملات چونکہ سفر میں کبھی آپس میں تلخی ترشی بھی ہو جاتی ہے' اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا' اس دعا میں لطیف اشارہ اس جانب بھی ہے کہ اے مدینہ میں میرے پاس رہنے والے اب تک تو تو میرے سایہ میں تھا کہ ہر مسئلہ مجھ سے پوچھ لیتا تھا' ہر مشکل مجھ سے حل کر لیتا تھا اب تو مجھ سے دور ہو رہا ہے کہ ہر حاجت میں مجھ سے پوچھ نہ سکے گا تو تیرا ہر کام خدا کے سپرد ہے' کیسی پیاری دعا ہے اور کیسی مبارک وداع آخر عمل سے مراد وقت موت ہے یعنی اگر اس سفر میں تجھے موت آئے تو ایمان پر آئے' تیری زندگی و موت رب کے حوالہ۔

وَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ الْخَطْمِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ قَالَ اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۲۳۲۳) روایت ہے حضرت عبداللہ خطمی سے[۱] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو وداع کرنا چاہتے تو کہتے میں تم لوگوں کا دین تم لوگوں کی امانت تم لوگوں کے آخری عمل اللہ کے سپرد و حوالہ کرتا ہوں[۲] (ابوداؤد)

(۲۳۲۳)[۱] آپ کا نام ابوموسیٰ عبداللہ ابن یزید ابن زید ابن حصین ابن عمرو ابن حارث ابن خطمہ ابن خثعم ابن مالک ابن اوس ہے سترہ برس کی عمر میں صلح حدیبیہ میں حاضر ہوئے تھے' عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں کوفہ کے حاکم رہے وہاں ہی وفات پائی۔[۲] اس کی شرح بھی ہو چکی چونکہ یہاں پورے لشکر کو وداع فرمانا ہے' اس لئے ضمیر جمع لائی گئی' معلوم ہوا کہ لشکر اسلام جنگی سامان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں بھی ساتھ لیتا تھا' محمود غزنوی جب سومنات کے مندر پر حملہ آور ہوا تھا تو حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کی دعائیں اور ان کا جبہ ساتھ لایا تھا' ان مجاہدین کی تلواریں آستانہ محبوبین پر دھار وارد ہوتی تھیں۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُرِيْدُ سَفَرًا فَزَوِّدْنِيْ فَقَالَ زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى قَالَ زِدْنِيْ قَالَ وَغَفَرَ ذَنْبَكَ قَالَ زِدْنِيْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ قَالَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ ۔

(۲۳۲۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا یا رسول اللہ میں سفر کا ارادہ کر رہا ہوں مجھے کچھ توشہ دیجئے[۱] فرمایا اللہ تمہیں پرہیز گاری کا توشہ دے[۲] عرض کیا کچھ زیادہ دیجئے فرمایا تمارے گناہ بخش دے عرض کیا میرے ماں باپ فدا کچھ اور عطا کیجئے[۳] فرمایا اللہ تمہیں بھلائی میسر کرے تم جہاں بھی ہو[۴] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے[۵]

(۲۳۲۴)[۱] یعنی میرے لئے ایسی وداعیہ دعا فرمائیے کہ جو توشہ کی طرح سفر دنیا و سفر آخرت میں ساتھ رہے' اور مجھے توشہ کی طرح ہر وقت کام آئے' زادوہ زائد کھانا ہے جو مسافر کی موجودہ ضرورت سے بچا ہوا آئندہ کام آوے رب تعالٰی فرماتا ہے: وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (۲'۱۹۷) اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیز گاری ہے (کنزالایمان) معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے توشہ دارین سمجھتے تھے اور ہر موقع پر آپ سے دعائیں کراتے تھے اپنی دعاؤں پر کفایت نہ کرتے تھے'[۲] یعنی تمہیں دنیا میں لوگوں سے غنا دے کہ تم سوال سے بچو اور آخرت کے لئے نیک اعمال کی توفیق بخشے' بہت جامع دعا ہے[۳] یعنی ابھی فقیر کی سیری نہیں ہوئی داتا کچھ اور ملے' دنیا میں صبر بہتر' آخرت کے معاملہ میں بے صبری و حرص افضل' شعر

حاجتے نیست مرا سیر ازیں آب حیات ضاعف اللہ علی کل زمان عطشی

۴؎ یعنی اللہ تعالٰی تمہیں جیتے مرتے، قبر وحشر میں ایسی بھلائیاں عطا فرماوے جس سے تمہیں پوری کامیابی نصیب ہو حیث ما کنت میں سفر حضر، زندگی وقبر ہر جگہ داخل ہے، سبحان اللہ سائل کی جھولی بھر دی، نہ معلوم ان الفاظ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دے دیا ہو اور سائل نے کیا کچھ لے لیا، یہ تو دینے والے اور لینے والے جانیں ۵؎ اسے حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی روایت کیا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُسَافِرَ فَاَوْصِنِیْ قَالَ عَلَیْكَ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَالتَّكْبِیْرِ عَلٰی كُلِّ شَرَفٍ فَلَمَّا وَلَّی الرَّجُلُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اطْوِ لَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَیْهِ السَّفَرَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۲۳۲۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں سفر کا ارادہ کر رہا ہوں مجھے کچھ وصیت فرمایئے ۱؎ فرمایا اللہ کا خوف گرہ باندھ لو اور ہر بلندی پر تکبیر کہو ۲؎ جب اس شخص نے پیٹھ پھیری تو فرمایا الٰہی اس کے لئے دوری لپیٹ دے ۳؎ اور اس پر سفر آسان کر ۴؎ (ترمذی)

(۲۳۲۵) ۱؎ جس پر میں سفر میں عمل کرتا رہوں، وصیت اگرچہ مرتے وقت کے کلام کو کہتے ہیں جس کا تعلق بعد موت سے ہو مگر کبھی تاکیدی حکم کو بھی وصیت کہہ دیتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ (۴:۱۱) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں (کنزالایمان) اور کسی آخری حکم کو بھی۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی مجھے تاکیدی نصیحت فرمادیں یا آخری نصیحت فرمادیں کیونکہ اب میں بارگاہ عالی سے رخصت ہو رہا ہوں نہ معلوم اب حاضری میسر ہو یا نہ ہو ۲؎ یعنی ہر جگہ ہر حال میں خوف خدا دل میں رکھو کہ یہ تمام نیکیوں اور گناہوں سے بچنے کی اصل ہے اور دوران سفر میں جب کسی ٹیلہ یا پہاڑی پر چڑھو تو اللہ اکبر کہہ لو، غرض دل وزبان دونوں کا انتظام فرمادیا چڑھتے وقت تکبیر کہنے کی حکمتیں ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی ہیں، ۳؎ اس طرح کہ دراز سفر اسے مختصر معلوم ہو یا واقعی بڑی مسافت اس کے لئے چھوٹی ہو جائے، کرامات اولیاء معجزات انبیاء سے یہ بھی ہے کہ ان کے لئے زمین لپٹ جاتی ہے، قرآن کریم فرمارہا ہے کہ حضرت آصف بن برخیا تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے شام میں لے آئے کہ گئے بھی لوٹ بھی آئے، قرآن کریم فرماتا ہے: اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (۲۷:۴۰) کہ میں اسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پل مارنے سے پہلے (کنزالایمان) ۴؎ یہ تعمیم بعد تخصیص ہے، یعنی وہ نعمت بھی دے اور ہر طرح اسے آسانی میسر فرما۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ فَاَقْبَلَ اللَّیْلُ قَالَ یَا اَرْضُ رَبِّیْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِیْكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِیْكِ وَشَرِّ مَا یَدُبُّ عَلَیْكِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اَسَدٍ وَّاَسْوَدَ وَمِنَ الْحَیَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِ الْبَلَدِ وَمِنْ وَّالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۲۳۲۶) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات سے پہلے سفر کرتے تو فرماتے اے زمین تیرا اور میرا رب اللہ ہے ۱؎ میں تیرے اور تیری اندرونی چیزوں کی اور جو کچھ تجھ میں پیدا کیا گیا ہے اس کی اور جو تجھ پر چلتے ہیں ان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ۲؎ میں شیر سے کالے سانپ سے عام سانپوں سے اور بچھوؤں سے اور شہر میں رہنے والوں کے شر سے اور ہر جننے والے اور جنے ہوئے کے شر سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں ۳؎ (ابوداؤد)

(۲۳۲۶) ۱؎ حق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام شجر وحجر کلام بھی کرتے ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء وکلام کو سنتے

بھی ہیں' لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین کو یہ خطاب فرمانا حقیقت پر مبنی ہے' ربّ تعالٰی نے زمین و آسمان سے یوں خطاب فرمایا تھا یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ (۱۱،۴۴) اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا (کنزالایمان) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نائبِ جنابِ کبریا ہیں' زمین و آسمان حضور علیہ السلام کا کلام سنتے اور آپ کی اطاعت کرتے ہیں (از مرقات) ربّ تعالٰی فرماتا ہے: فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ (۳۸،۳۶) ہم نے ہوا کو حضرت سلیمان کے لئے مسخر و تابع کر دیا کہ ہوا آپ کے حکم سے چلتی تھی' ۲؎ زمین کے شر زلزلہ' دھنسا گر جانا' راستہ بھول جانا وغیرہ ہیں اور اندرون زمین کے شر سیلاب سخت گرمی سخت ٹھنڈک وغیرہ زمین کی مخلوق کے شر اندرونی کیڑے مکوڑے وغیرہ ہیں کہ سفر میں انہی کی وجہ سے حادثات زیادہ پیش آتے ہیں۔ ۳؎ اگر چہ یہ چیزیں بھی زمین پر چلنے والوں میں داخل تھیں' لیکن چونکہ ان کی شر خصوصاً مسافر کو بہت زیادہ پہنچتی ہے' اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا' بعض لوگوں نے والد سے مراد ابلیس اور ولد سے اس کی ذرّیت لی ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو عام رکھا جائے (لمعات) کیونکہ مسافر کو اجنبی شہر میں چور اچکوں سے بھی بہت تکلیف پہنچ جاتی ہے۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا غَزَّاقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِيْرِیْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۳۲۷) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کرتے تو کہتے الٰہی تو میری قوت بازو ہے میرا مددگار ہے تیرے بھروسہ ہی سے دفع کرتا ہوں تیری مدد پر حملہ کرتا ہوں تیری امید سے جہاد کرتا ہوں ۱؎ (ترمذی' ابوداؤد)

(۲۳۲۷) ۱؎ احول حول سے بنا معنی دشمن کے مکر و فریب کو پھیر دینا یا برائی سے اچھائی کی طرف پھر جانا۔ یعنی الٰہی میں دشمن کے مقابل اپنی قوت' فوج' ہتھیاروں کے بھروسہ پر نہیں آیا ہوں' یہ تو فقط اسباب ہیں۔ بھروسہ تجھ پر ہے تو چاہے تو ابابیل سے فیل مروادے' کمزور مسلمان سے قوی کفار کو ہلاک کرادے' دو بچوں سے ابوجہل کو ٹھکانے لگادے۔ یہ وہ چیز ہے جو کفار کے پاس نہیں اور مسلمان انہی کی برکتوں سے فتح پاتے ہیں۔

وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰى اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَافَ قَوْمًا قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۳۲۸) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم سے خطرہ محسوس فرماتے ۱؎ تو کہتے اے اللہ ہم ان کے مقابل تجھے کرتے ہیں ۲؎ اور ان کی شر سے تیری پناہ لیتے ہیں ۳؎ (احمد ابوداؤد) ۴؎

(۲۳۲۸) ۱؎ اس طرح کہ آپ کو پتہ چلتا کہ فلاں قوم ہمارے خلاف سازش یا جنگی تیاری کر رہی ہے خیال رہے کہ خوف بہت طرح کا ہے خوف اطاعت و بندگی صرف ربّ تعالٰی کا ہی ہونا چاہیے اور خوف نفرت شیطان وغیرہ دشمنوں سے' اور خوف بمعنی خطرہ تکلیف ہر خطرناک چیز سے ہوسکتا ہے' موسیٰ علیہ السلام کو وادی سینا میں سانپ سے خوف ہوا' آپ نے فرعونیوں سے خوف کیا' یہ واقعات اس آیت کے خلاف نہیں لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کہ وہاں خوف اطاعت مراد اس ہی کی نفی ہے اور یہاں خوف بمعنی خطرہ ۲؎ نحر سینہ کو بھی کہتے ہیں اور جانور ذبح کرنے کو بھی فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۱۰۸،۲) تم اپنے ربّ کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو (کنزالایمان) چونکہ دشمن کے مقابلہ میں سینہ تان کر ہی کھڑے ہوتے ہیں اس مقابلہ کو اس لفظ سے تعبیر فرمایا۔ نیز اس میں نیک فال بھی ہے کہ خدایا دشمن کو ذبح کردے کہ وہ ہمارے مقابلہ کے لائق ہی نہ رہے ۳؎ یعنی ہمارے اور دشمن کی شر کے درمیان تو آڑ ہو جا تا کہ ان کی شر ہم تک نہ پہنچ سکے یہ دعا بہت ہی مجرب ہے ایک دشمن

کے مقابل بھی کام آتی ہے اور بہت دشمنوں کے مقابل بھی فقیر اس کا عامل ہے اور اس کی برکت سے شر اعداء سے محفوظ ہے۔ ۴؎ اسے نسائی ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کیا حصن حصین شریف میں ہے دشمن کے خوف کے وقت لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ پڑھنا بڑی امان ہے امام نووی نے کتاب الاذکار میں فرمایا کہ لِاِیْلٰفِ کو بہت اولیاء اللہ نے آزمایا ہے بہت مجرب پایا حضرت زید ابن علی عن عتبہ ابن غزوان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت نیز حصن حصین شریف میں اسے نقل کیا کہ جب مدد درکار ہو خصوصاً سفر میں تو کہے: یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو انشاءاللہ بہت جلد مدد پہنچے گی کہ بعض اللہ کے غیبی بندے اس پر مامور ہیں۔ مرقات نے یہاں فرمایا کہ یہ حدیث یا عباد اللہ حدیث حسن ہے مشائخ کی مجرب' مسافروں کو اس کی بہت ضرورت ہے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کو مدد کے لئے پکارنا بھی سنت ہے اور ان سے مدد لینا بھی سنت' یہ شرک نہیں۔

وَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَیْتِهٖ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نَّزِلَّ اَوْ نَضِلَّ اَوْ نَظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ اَوْ نَجْهَلَ اَوْ یُجْهَلَ عَلَیْنَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ قَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ مَاخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَیْتِیْ قَطُّ اِلَّا رَفَعَ طَرْفَهٗ اِلَی السَّمَاءِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضِلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ یُجْهَلَ عَلَیَّ۔

(۲۳۲۹) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکلتے تو کہتے شروع اللہ کے نام سے ۱؎ اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں۔ خدایا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں۔ اس سے کہ ہم پھسلیں اور بہکیں ۲؎ یا ستائیں یا ستائے جائیں یا جہالت کریں یا ہم پر جہالت کی جائے ۳؎ (احمد' ترمذی' نسائی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے' ابوداؤد' ابن ماجہ کی روایت یوں ہے' کہ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میرے گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ نکلے مگر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائے ہوئے ۴؎ پھر کہتے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ بہکوں یا بہکایا جاؤں یا ظلم کروں یا ستایا جاؤں یا جہالت کروں یا مجھ پر جہالت کی جائے ۵؎

(۲۳۲۹) ۱؎ یعنی اس نکلنے کی ابتداء اللہ کے نام سے کرتا ہوں تاکہ نکلنا برکت والا ہو ۲؎ یا ارادہ گناہ ہو جانا ذلت ہے اور ارادۃً قصداً گناہ کرنا ضلالت یا گناہ صغیرہ ذلت' ہے گناہ کبیرہ ضلالت یا عملی غلطی ذلت ہے اور اعتقادی غلطی ضلالت' چونکہ گھر سے باہر نکل کر ہر قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اچھوں سے بھی بروں سے بھی اس لئے اس موقع پر یہ دعا بہت مناسب ہے یعنی یا اللہ گناہوں' بدعقیدگیوں سے تو ہی مجھے بچانا اب ہر طرح کے لوگوں سے مجھے ملنا ہے خیال رہے کہ دعائیں تعلیم امت کے لئے ہیں ۳؎ حقوق العباد مارنا ظلم ہے اور حقوق اللہ ضائع کرنا جہالت یعنی خدایا نہ تو میں کسی کا حق ماروں نہ کوئی میرا حق مارے اور نہ میں تیرے حقوق میں کوتاہی کروں نہ کوئی مجھ سے کوتاہی کرائے اس جملہ کی اور بہت تفسیریں ہیں سلامتی دین اسی میں ہے کہ انسان نہ ظالم ہو نہ مظلوم نہ جاہل ہو نہ مجہول (اشعہ مع زیادۃ) ۴؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کعبہ قبلہ عبادت ہے اور آسمان قبلہ حاجات کہ سب کی جسمانی و روحانی روزی آسمان سے ہی آتی ہے اس لئے دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا پھیلانا ادھر دیکھنا بہتر ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذ ۲۲) اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے (کنزالایمان) اس نظر اٹھانے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ رب تعالٰی آسمان میں رہتا ہے۔ وہ تو ہر جگہ و جہت سے پاک ہے ہر وقت ہمارے ساتھ ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ (حدید ۴) اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو (کنزالایمان) ۵؎

دونوں آیتوں میں بڑا فرق نہیں قریباً یکساں ہیں۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ ہم لوگوں کے ساتھ مل کر کبھی تو دینی معاملے میں غلطی کر جاتے ہیں کہ خلاف عقیدہ باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں کبھی دنیوی معاملے میں یا اس طرح کہ کسی پر زیادتی کر بیٹھتے ہیں اور یا اس طرح کہ ساتھی کا حق صحبت ادا نہیں کرتے'اس دعا میں ان تینوں چیزوں سے پناہ مانگی گئی۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ رَجُلٌ مِنْ بَيْتِهٖ فَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ يُقَالُ لَهٗ حِيْنَئِذٍ هُدِيْتَ وَكُفِيْتَ وَوُقِيْتَ فَيَتَنَحّٰى لَهُ الشَّيْطَانُ وَيَقُوْلُ شَيْطَانٌ اٰخَرُ كَيْفَ لَكَ بِرَجُلٍ قَدْ هُدِيَ وَكُفِيَ وَوُقِيَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ لَهُ الشَّيْطَانُ ۔

(۲۳۳۰) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلے ۱؎ تو کہہ دے اللہ کے نام سے میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قوت ۲؎ تب اس سے کہا جاتا ہے تجھے ہدایت و کفایت دی گئی اور تو محفوظ کر دیا گیا ۳؎ پھر شیطان دور بھاگ جاتا ہے اور اس سے دوسرا شیطان کہتا ہے تجھے اس شخص سے کیا تعلق ہے جسے ہدایت و کفایت دی گئی اور جو محفوظ کیا گیا ۴؎ (ابوداؤد) (اور ترمذی نے له الشیطان تک)

(۲۳۳۰) ۱؎ گھر سے مراد رہنے کی جگہ ہے خواہ یہی گھر ہو جس میں بال بچوں کے ساتھ رہتے ہیں یا مسجد کا حجرہ' خانقاہ وغیرہ جہاں صوفیاء' طلباء اور مشائخ رہتے ہیں غرضیکہ ہر شخص اپنے ٹھکانے سے نکلتے وقت پڑھ لیا کرے ۲؎ یعنی اللہ کے نام سے نکلتا ہوں' اور اپنے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں میں کمزور ہوں وہ قوی ہے اس کے بغیر نہ کسی میں طاقت ہے نہ قوت' حول وقوت کے بہت نفیس فرق پہلے بیان کئے جاچکے ہیں گناہ سے بچنے کی طاقت حول ہے نیکی کرنے کی طاقت قوت ہے دنیا کے جنجال سے بچنے کی طاقت حول ہے۔ربّ ذوالجلال تک پہنچنے کی طاقت قوت ہے اچھے کام کرنے کی طاقت حول ہے اور مقبول کام کرنے کی طاقت قوت' خیال رہے ہر مقبول اچھا ہے۔ ہر اچھا مقبول نہیں مردودیت سے پہلے شیطان کے سجدے اچھے تو تھے مگر مقبول نہ تھے ۳؎ یعنی اس دعا کے پڑھنے پر غیبی فرشتہ اس سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ تو نے بسم اللہ کی برکت سے ہدایت پائی اور توکل علی اللہ کے وسیلہ سے کفایت اور لاحول کے واسطہ سے حفاظت' تین چیزوں پر تین نعمتیں ملیں۔خیال رہے کہ اگرچہ ہم فرشتہ کا یہ کلام سنتے نہیں مگر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم تک یہ کلام پہنچ گیا تو اس کا کہنا عبث نہ ہوا۔لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب ہم اس فرشتہ کا یہ کلام سنتے نہیں تو اس کا کہنا بیکار ہے نیز فرشتہ کے اس کلام کا عملی طور پر ظہور بھی ہو جاتا ہے۔کہ اس بندے کو یہ تینوں نعمتیں مل جاتی ہیں ۴؎ یعنی فرشتے کے اس کہہ دینے پر اس کا قرین شیطان جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اس سے بھاگ جاتا ہے پھر جب شام کو شیاطین کا سردار ابلیس اس سے دن بھر کی کارکردگی کا امتحان لیتا ہے۔تو یہ قرین اس بندے کی دعا کا ذکر کر کے افسوس کرتا ہے کہ میں آج اسے بہکا نہ سکا۔تب ابلیس اس کی تسلی کے لئے یہ کہتا ہے کہ تجھ پر کوئی میرا عتاب نہیں تو معذور تھا وہ بندہ فرشتہ کی امن میں آچکا تھا اس کی اور شرحیں بھی ہو سکتی ہیں۔مگر یہ شرح قوی ہے اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ فرشتہ کی امن امان میں آجانا امن و امان کا ذریعہ ہے۔پھر جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امان میں آجائے اس کا کیا کہنا دوسرے یہ کہ ابلیس فرشتوں اور ان کی امان وحفاظت کو دیکھتا ہے بدر میں ابلیس نے امدادی فرشتوں کو دیکھا تھا اور کہا تھا: اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ناری اور نوری مخلوق چھپی ہوئی نہیں۔حضور علیہ والسلام فرشتوں' شیاطین کو ملاحظہ بھی فرماتے ہیں اور ان کے کلام بھی سنتے ہیں پھر ہم فقیر مخلوق حضور علیہ السلام سے کیسے چھپ سکتے ہیں

وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ نِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ بَيْتَهٗ فَلْيَقُلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا ثُمَّ لِيُسَلِّمْ عَلٰى اَهْلِهٖ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۳۳۱) روایت ہے حضرت ابو مالک اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہو تو کہہ لے۱ الٰہی میں تجھ سے داخلے کی اور نکلنے کی بھلائی مانگتا ہوں اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اپنے ربّ تعالٰی پر ہم نے بھروسہ کیا پھر گھر والوں کو سلام کرے۲ (ابوداؤد)

(۲۳۳۱) ۱ اپنے گھر سے مراد اپنے رہنے کا گھر ہے خواہ ملکیت سے ہو یا کرایہ سے اور خواہ عارضی ہو یا دائمی لہٰذا جو شخص سرائے کے کسی حجرے میں مع بال بچوں یا دوستوں کے شب بھر کے لئے مقیم ہو وہ بھی داخل ہوتے وقت یہ عمل کرے۲ شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں یہاں فرمایا کہ اگر گھر میں لوگ ہوں تو انہیں سلام کرے' اگر خالی ہو تو فرشتوں کو سلام کی نیت سے یہ کہے **السلام علی عبادہ الصالحین** بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خالی گھر میں جاتے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرے (از شفا شریف' ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت کہے۔ **بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ** اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اوّل میں ملاحظہ کیجئے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَفَّاَ الْاِنْسَانَ اِذَاتَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِیْ خَيْرٍ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۳۳۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کے نکاح پر دعا کرتے تو فرماتے اللہ تجھے برکت دے اور تم دونوں پر برکت کرے تم دونوں کو بھلائی میں جمع رکھے۱ (احمد' ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ)

(۲۳۳۲) ۱ ہر نکاح کرنے والے کو یہ دعا دینا سنت ہے اگر مجلس نکاح میں موجود ہو تو ایجاب و قبول کے بعد یہ دعا دے اگر وہاں نہ ہو تو دولھا کو مبارکباد دیتے وقت یہ کلمے کہے' تجھے برکت دے سے مراد دنیاوی برکت ہے اولاد' مال' وغیرہ میں برکت' ربّ تعالٰی فرماتا ہے: اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (۲۴'۳۲) اگر وہ فقیر ہوں تو اللہ انہیں غنی کردے گا اپنے فضل کے سبب (کنزالایمان) اور تم پر برکت سے مراد دینی ہے نکاح خیر کی توفیق بخشے' بھلائی میں جمع رکھے کا مطلب یہ ہے کہ خاوند بیوی ایک دوسرے کی بھلائی میں مدد کریں برائی سے روکیں' یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے' ربّ تعالٰی نصیب کرے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمُ امْرَءَةً اَوِ اشْتَرٰى خَادِمًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاِذَا اشْتَرٰى بَعِيْرًا فَلْيَاخُذْ بِذُرْوَةِ سَنَامِهٖ وَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَفِیْ رِوَايَةٍ فِی الْمَرْاَةِ وَالْخَادِمِ ثُمَّ لِيَاْخُذْ بِنَاصِيَتِهَا وَلْيَدْعُ

(۲۳۳۳) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے نکاح کرے یا غلام خریدے تو کہے۱ الٰہی میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس پر تو نے اسے پیدا کیا اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس کی شر سے اور اس کی شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا۲ اور جب اونٹ خریدے تو اس کا کوہان پکڑ کر اسی طرح کہے۳ اور ایک روایت میں

بِالْبَرَكَةِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

عورت و خادم کے متعلق ہے کہ پھر اس کی پیشانی پکڑے اور دعائے برکت کرے۴ (ابوداؤد، ابن ماجہ)۵

(۲۳۳۳)۱بیوی یا لونڈی یا غلام کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے، جیسا کہ دوسری روایات سے ثابت ہے سر کے اگلے حصے پر ہاتھ رکھ کر بھی پڑھ سکتا ہے (مرقات)۲عموماً ہر انسان فطری طور پر برائی کی طرف مائل ہے بھلائی ربّ تعالٰی کے فضل سے نصیب ہوتی ہے، جبلتھا سے یہی طبعی میلان مراد ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہے اور یہاں فرمایا گیا کہ شریر پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہاں پیدائشی حالت کا ذکر ہے کہ بچہ اس عہدو پیمان پر پیدا ہوتا ہے جو میثاق کے دن ربّ تعالٰی سے کیئے گئے تھے: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى (۷:۱۷۲) کیا میں تمہارا ربّ نہیں سب بولے کیوں نہیں (کنزالایمان) اور یہاں اس کے میلان طبع کا ذکر ہے، خود ہمارا اپنا یہ میلان ہے اسی لئے ہر خطبہ کے اول سرکار پڑھا کرتے تھے نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا ربّ تعالٰی شر سے بچائے۳گائے بھینس بکری، وغیرہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پڑھے، ۴حصن حصین میں ہے کہ بیوی کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر گزشتہ مذکورہ دعا بھی پڑھے اور یہ دعائے تسخیر بھی کرے۔ یہ عمل بہت ہی مجرب ہے اور بہت مفید ہے اس دعا کی برکت سے گھر میں اتفاق رہتا ہے۔ بیوی ہر طرح خاوند کی خیرخواہ اور مطیع رہتی ہے، جانبین میں محبت قائم رہتی ہے، نبھاؤ بہت اچھا ہوتا ہے۔ زندگی بہت بہتر گزرتی ہے دونوں کو دین پر استقامت میسر ہوتی ہے۵اس کا پہلا جزء ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابویعلٰی موصلی، حاکم نے، اور اس کا دوسرا جزء ابوداؤد، نسائی، ابویعلٰی نے بھی روایت کیا ہے (مرقات)

وَعَنْ اَبِىْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَوَاتُ الْمَكْرُوْبِ اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا فَلَاتَكِلْنِىْ اِلٰى نَفْسِىْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِىْ شَانِىْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ۔(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۳۳۴) روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غمگین کی دعائیں یہ ہیں۱الٰہی میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں تو تو مجھے پلک جھپکنے کی بقدر بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر۲اور میرے سارے کام بنا۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں (ابوداؤد)۳

(۲۳۳۴)۱مکروب سے مراد وہ شخص ہے، جس کو کسی خاص غم و رنج یا فکر نے گھیر لیا ہو۔ جس سے خلاصی کی صورت نہ بنتی ہو، چونکہ یہ دعا بہت سی دعاؤں پر مشتمل ہے اس لئے اسے دعوات یعنی دعائیں فرمایا گیا۔ یہ دعا دفع رنج و غم کے لئے بہت مجرب ہے۲یعنی میں صرف تیری رحمت ہی کا امیدوار ہوں اور تیرا نام رجاء السائلین بھی ہے کوئی آس لگا کر آنے والا سائل تیرے در سے مایوس نہیں لوٹتا۔ لہذا مجھے میرے نفس کے حوالہ نہ کر کہ میرا سب سے بڑا دشمن یہ ہی ہے اور ساتھ ہی میں کمزور بھی ہوں۔ میں کسی چیز میں تیری مدد کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۳اسے ابن حبان، ابن ابی شیبہ، ابن سنی، طبرانی نے بھی روایت کیا۔

وَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ هُمُوْمٌ لَزِمَتْنِىْ وَدُيُوْنٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَفَلَا اُعَلِّمُكَ كَلَامًا اِذَا قُلْتَهٗ اَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّكَ وَقَضٰى عَنْكَ دَيْنَكَ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ قُلْ اِذَا اَصْبَحْتَ وِ اِذَا اَمْسَيْتَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ

(۲۳۳۵) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے غم و قرض چمٹ گئے۱فرمایا تو کیا میں تمہیں وہ دعا نہ سکھا دوں کہ جب تم اسے پڑھ لو تو اللہ تمہارے غم مٹا دے اور تمہارا قرض اتار دے۲فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ہاں نہ۔ فرمایا روزانہ صبح اور شام کے وقت پڑھ لیا کرو۳الٰہی میں رنج و غم سے

وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ قَالَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَذْهَبَ اللّٰهُ هَمِّىْ وَقَضٰى عَنِّىْ دَيْنِىْ . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

تیری پناہ لیتا ہوں ۴ اور عاجزی وسستی سے تیری پناہ لیتا ہوں ۵ اور کنجوسی وبزدلی سے تیری پناہ لیتا ہوں ۶ اور قرض کے چھا جانے اور لوگوں کے غالب آجانے سے تیری پناہ لیتا ہوں ۷ فرماتے ہیں میں نے یہ عمل کیا تو اللہ نے میرا غم مٹا دیا اور میرا قرض ادا کر دیا ۸ (ابوداؤد)

(۲۳۳۵) ۱ مرقات نے فرمایا کہ اس عرض کا مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ یعنی طلب مدد اور فریاد کرنا ہے یعنی مجھے ایسے بڑے غم وقرض نے گھیر لیا جو کسی طرح دفع نہیں ہوتے' آپ سے فریاد ہے کیونکہ آپ خالق ومخلوق کے درمیان وسیلہ عظمٰی ہیں انہیں آپ کا وسیلہ عظمٰی ہی دور کرسکتا ہے (مرقات) معلوم ہوا کہ مصیبتوں میں حضور علیہ السلام کی پناہ لینا حضور علیہ السلام سے مدد مانگنا سنت صحابہ ہے شرک نہیں ۲ یعنی اس دعا کی برکت اور میرے وسیلے اور میری تعلیم کے اثر سے رب تعالٰی تمہارے رنج وقرض سب کچھ دور کردے گا۔ کام رب ہی کرتا ہے مگر وسیلہ کے ذریعہ سے بزرگوں سے حاصل کی ہوئی دعاؤں میں دو تاثیریں ہوتی ہیں۔ الفاظ کی تاثیر اور ان کی زبان کی تاثیر۔ تلوار کسی کی سان پر رکھ کر تیز کرو پھر اس سے وار کرو ۳ صبح شام سے مراد یا تو بعد نماز فجر ومغرب کے اوقات ہیں یا ہمیشہ پڑھنا (مرقات) صوفیاء خاص ضرورت پر ہر نماز کے بعد ایک ایک بار یہ دعا پڑھا کرتے ہیں ۴ ہم وحزن یا تو ہم معنی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے' کیا فرق ہے۔ اس میں بہت گفتگو ہے صحیح تر یہ ہے کہ آئندہ مصیبت کے خطرہ کو ہم کہتے ہیں اور گزشتہ نازل شدہ مصیبت کی تکلیف کو حزن اسی لئے پختہ ارادے کو ہم کہا جاتا ہے ولقد ہمت بہ یا تکلیف دہ چیز واقع ہوجانے پر جو صدمہ ہے وہ ہم' اور کسی مطلوب کے فوت ہوجانے پر صدمہ حزن' واللہ اعلم بہرحال یہ دعا بہت جامع ہے ۵ یعنی نیکی پر قادر نہ ہونے اور قادر ہوکر اس کے کرنے میں بوجھل ہونے سے تیری پناہ' عجز وکسل میں یہی فرق ہے نیکی پر قدرت بھی اللہ کی رحمت ہے اور قدرت کے بعد کر لینے کا موقع مل جانا یعنی توفیق بھی اس کا کرم ۶ صدقات واجبہ' صدقات نفلیہ نہ ادا کرنا سائل کو بھیک کبھی نہ دینا مہمان نوازی نہ کرنا' حقوق مالیہ ادا نہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر درود شریف نہ پڑھنا وغیرہ بخل ہے اور تبلیغ کی ہمت نہ ہونا' جہاد میں بزدلی آجانا رزق کے معاملہ میں اللہ پر توکل نہ ہونا جبن یعنی بزدلی ہے۔ مسلمان بھائی سے لڑنے کی ہمت نہ کرنا بزدلی نہیں' فضول خرچی سے بچنا بخل نہیں۔ آج لوگوں نے سخاوت وفضول خرچی یوں ہی بخل وکفایت شعاری' یوں ہی بہادری اور ایذاء رسانی' یوں ہی بزدلی ونرمی دل میں فرق کرنا چھوڑ دیا ۷ خیال رہے کہ نفس قرض برا نہیں قرض تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لیا ہے غلبہ دین برا ہے جس کے ادا کی صورت نظر نہ آئے یا جو مقروض کو ذلیل کردے یا جس سے مقروض جھوٹ بولنے وعدہ خلافی کرنے پر مجبور ہوجائے اسی لئے یہاں غلبہ دین کا ذکر فرمایا' قہر رجال میں یا تو قرض خواہوں کا غلبہ یا بادشاہ کا ظلم یا ظالموں کا گھیر لینا مراد ہے اللہ تعالٰی ہر مسلمان کو ان سب مصیبتوں سے محفوظ رکھے ۸ یعنی یہ دعا میری مجرب بھی ہے تیر بہدف نسخہ ہے ہر مسلمان ہمیشہ ہی یہ دعا ہر نماز کے بعد ضرور ایک بار پڑھ لیا کرے۔ انشاء اللہ قرض وظلم سے محفوظ رہے گا۔ فقیر بفضل رب قدیر اس کا عامل ہے اس دعا کے زیر سایہ ہر بلا وقرض سے محفوظ ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ جَآءَهٗ مُكَاتَبٌ فَقَالَ اِنِّىْ عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِىْ فَاَعِنِّىْ قَالَ اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيْهِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ

(۲۳۳۶) روایت ہے حضرت علی سے کہ آپ کے پاس ایک مکاتب آیا بولا میں اپنی ادائے کتابت سے عاجز آگیا ہوں۔ میری مدد فرمائیے آپ نے فرمایا کیا میں تجھے وہ کلمے نہ سکھادوں جو مجھے رسول

كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلٍ كَبِيْرٍ دَيْنًا اَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْكَ قُلِ اللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرٍ اِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلَابِ فِيْ بَابِ تَغْطِيَةِ الْاَوَانِيْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے اگر تجھ پر پہاڑ برابر بھی قرض ہو تو اللہ تجھ سے ادا کرا دے ۲؎ یہ پڑھا کر و ۳؎ خدایا مجھے اپنے حلال کے ذریعہ اپنے حرام سے تو کافی ہو جا ۴؎ اور مجھے اپنی مہربانی سے اپنے سوا سے بے پروا کر دے ۵؎ (ترمذی، بیہقی، دعوات کبیر) ۶؎ اور ہم حضرت جابر کی یہ حدیث کہ جب تم کتوں کا رونا سنو الخ برتن ڈھکنے کے باب میں ان شاء اللہ ذکر کریں گے ۷؎

(۲۳۳۶) ۱؎ یعنی میرے مولا نے کچھ مال پر میری آزادی موقوف رکھی ہے جسے ادا کرکے میں آزاد ہوں اور میرے پاس وہ مال نہ ہے، اور نہ اس کے حاصل کرنے پر قدرت ہے براہ کرم مال یا دعا سے میری مدد فرمائیں معلوم ہوا کہ حضرت علی بفضل اللہ العلی مشکل کشا دافع بلا ہیں ان سے مصیبت میں مدد لینا شرک نہیں بلکہ سنت بزرگان ہے ۲؎ ظاہر یہ ہے کہ جناب علی نے دانستہ طور پر اس کی مالی مدد نہ کی کہ اس سے اس کا کام تو چل جاتا۔ مگر اسے غنا میسر نہ ہوتا، آپ نے اسے وہ دعا بتائی جس سے وہ ہمیشہ کے لئے لوگوں سے غنی ہو گیا وقتی حاجت روائی سے سائل کو غنی بنا دینا بہتر ہے ۳؎ ہر نماز کے بعد ایک بار، غالب یہ ہے کہ لفظ قل حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اور ہوسکتا ہے کہ آپ کا خود اپنا قول ہو مرقات، مشائخ کو ہمیشہ حسب ضرورت اوراد و وظیفہ ایجاد کرنے کا حق ہے اور منقولہ دعاؤں کی اجازت دینے کا بھی اختیار ہے ۴؎ یعنی حلال روزی بھی اتنی دے کہ مجھے حرام کی طرف توجہ نہ ہو اور میرے دل میں حرص بھی نہ پیدا ہونے دے تاکہ میں حرام سے بچا رہوں خلاصہ یہ ہے کہ کفایت و قناعت دونوں نصیب کر ۵؎ کہ دنیا والوں کے پاس حاجت لے کر مجھے نہ جانا پڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پروائی تو سخت محرومی بلکہ کفر ہے، شیطان نبوت سے بے پروا ہو کر مارا گیا ۶؎ اسے حاکم نے بھی روایت کیا یہ دعا بہت مجرب ہے فقیر کا اس پر عمل ہے اور اس کا بہت فائدہ فقیر آزما رہا ہے ۷؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی مگر میں نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس باب میں ذکر نہ کیا، ان شاء اللہ اس کی وجہ مناسبت وہاں ہی بیان کی جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا جَلَسَ مَجْلِسًا اَوْ صَلّٰى تَكَلَّمَ بِكَلِمَاتٍ فَسَاَلْتُهُ عَنِ الْكَلِمَاتِ فَقَالَ اِنْ تُكُلِّمَ بِخَيْرٍ كَانَ طَابَعًا عَلَيْهِنَّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاِنْ تُكُلِّمَ بِشَرٍّ كَانَ كَفَّارَةً لَّهٗ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

(۲۳۳۷) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ بیٹھتے یا نماز پڑھتے تو کچھ کلمات کہتے ۱؎ میں نے حضور سے ان کلمات کے متعلق پوچھا تو فرمایا اگر اچھی بات کی جائے ۲؎ تو ان پر روز قیامت مہر ہو جائے اور اگر بری بات کی گئی ہو تو اس کا کفارہ ہو جائے ۳؎ الٰہی تو پاک ہے تیری حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں ۴؎ (نسائی)

(۲۳۳۷) ۱؎ فارغ ہو کر بلکہ وہاں سے اٹھتے وقت یہ کلمات کہتے (مرقات) ۲؎ یا تو ان الف کے زبر سے ہے اور تکلم ت اور ک کے پیش سے یعنی ان کلمات کا بول لینا، پڑھ لینا یا ان الف کے کسرہ (زیر) سے اور تکلم ت اور ک کے زبر سے ہے یعنی اے عائشہ اگر تم یہ کلمات پڑھ لیا کرو پہلے

معنی زیادہ قوی ہیں۔ ۳؎ یعنی جو دعا ئیہ کلمے میں پڑھا کرتا ہوں ان کی تاثیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اچھی باتیں کر کے یا کوئی عبادت کر کے یہ کلمات پڑھ لے تو یہ کلمات ان باتوں یا عبادتوں کے لئے مثل مہر کے ہوں گے کہ تا قیامت محفوظ رہیں گے اور حساب کے وقت وہ مقبول ہوں گے خود وہ کلمات پڑھ لے تو یہ کلمات ان باتوں کا کفارہ بن جائیں گے کہ ان کی برکت سے رب تعالٰی ان برائیوں پر پکڑ نہ فرمائے گا اس لئے ہم ہر مجلس کے آخر میں یہ کلمات بھی اور وہ عبادت بھی یا دعا بھی جن پر یہ کلمات پڑھے گئے اور اگر کوئی بری باتیں بول کر یہ کلمات آخر میں کہہ لیتے ہیں ۴؎ یہ ان کلمات کا بیان ہے جن کا فائدہ ابھی بیان ہوا استغفار و توبہ کا فرق بیان ہو چکا ہے کہ گناہ سے معافی مانگنے کا نام استغفار ہے اور عیوب سے معافی مانگنے کا نام توبہ یا بڑے گناہوں سے معافی مانگنا استغفار ہے چھوٹے گناہوں سے معافی کا نام توبہ یا کھلے گناہوں سے معافی استغفار اور چھپے گناہوں سے معافی توبہ وغیرہ یہ بہت جامع دعا ہے جس میں رب تعالٰی کی حمد وثنا بھی ہے اور توبہ و استغفار بھی۔

وَعَنْ قَتَادَةَ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاَى الْهِلَالَ قَالَ هِلَالُ خَيْرٍ وَّ رُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَّرَشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ اٰمَنْتُ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا وَجَآءَ بِشَهْرِ كَذَا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۳۳۸) روایت ہے حضرت قتادہ سے انہیں خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو فرماتے بھلائی و ہدایت کا چاند ہو ۱؎ بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو تین بار فرماتے اس پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا ۲؎ پھر فرماتے اس رب کا شکر ہے جو فلاں مہینہ لے گیا اور فلاں مہینہ لایا ۳؎ (ابوداؤد) ۴؎

(۲۳۳۸) ۱؎ یعنی خدایا یہ مہینہ ہمارے لئے نیک اعمال کرنے کی توفیق اور گناہوں سے بچنے کی توفیق لے کر آیا ہو مہینے اور وقت میں بھی تاثیریں ہیں جیسے بعض وقت گرم ہوتے ہیں۔ بعض سرد، بعض زمانہ بیماریوں کے ہوتے ہیں بعض صحت کے ایسے ہی بعض اوقات گناہوں کے ہوتے ہیں بعض نیکیوں کے، اس لئے چاند دیکھنے پر یہ دعا پڑھتے تھے جس چیز کی ابتدا اچھی ہو اس کی بقا و انتہا بھی انشاء اللہ اچھی ہو گی۔ مہینہ کی ابتداء اگر دعا سے ہے تو انشاء اللہ سارا ماہ خیر رہے گی، ہلال مرفوع ہے ہذا کی خبر۔ یعنی انشاء اللہ یہ بھلائی کا چاند ہے یا خدایا یہ بھلائی کا چاند ہو ۲؎ اس میں چاند کے پجاریوں کی تردید ہے یعنی اے چاند میں تجھ پر ایمان نہیں لایا۔ بلکہ اس رب پر ایمان لایا ہوں جو تیرا اور میرا خالق ہے ۳؎ دونوں جگہ فلاں کی جگہ مہینے کا نام لیتے تھے چونکہ قریباً سارے دینی کام چاند و سورج سے وابستہ ہیں اس لئے ان اوقات کے بخیریت جانے آنے پر خدا کا شکر کرنا چاہیے۔ زکوٰۃ، حج، بیوہ عورتوں کی عدت، دودھ پلانے کی مدت، چاند ہی سے وابستہ ہیں۔ نماز کے اوقات، سحری و افطار وغیرہ سورج کی رفتار سے وابستہ ہے ۴؎ اسے طبرانی نے حضرت نافع ابن خدیج سے کچھ فرق سے مرفوعاً روایت کیا اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے موقوفاً مگر کچھ فرق سے (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَثُرَ هَمُّهٗ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّىْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ وَفِىْ قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِىْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِىَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِىَّ قَضَآئُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِىْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ

(۲۳۳۹) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے رنج و غم زیادہ ہو جائیں وہ یہ پڑھے ۱؎ الٰہی میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا اور تیری بندی کا بچہ ہوں ۲؎ اور میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے ۳؎ مجھ میں تیرا حکم جاری ہے میرے بارے میں تیرا فیصلہ عین انصاف ہے ۴؎ میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کی برکت سے جو تو نے اپنا رکھا یا جو نام اپنی کتاب میں اتارا جو نام

اَوِ سْتَاثَرْتَ بِهٖ فِی مَکْنُوْنِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَجِلَاءَ هَمِّیْ وَغَمِّیْ مَا قَالَهَا عَبْدٌ قَطُّ اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ غَمَّهٗ وَاَبْدَلَهٗ بِهٖ فَرَجًا .(رَوَاهُ رَزِیْنٌ)

اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا جو نام اپنے پاس پردہ غیب میں پوشیدہ ہے یہ مانگتا ہوں۵ کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار اور میرے رنج وغم کا دفیعہ بنادے۶ یہ کلمات کوئی بندہ نہیں کہتا مگر اللہ اس کا غم دور کردیتا ہے اور اس کے عوض کشادگی دیتا ہے۷ رزین ۸

(۲۳۳۹)۱ یعنی رنج وغم میں گھرا ہوا آدمی یہ دعا پڑھا کرے۔مراد دنیاوی رنج وغم ہیں۔جن کے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے آخرت کے رنج وغم تو اللہ کی نعمت ہیں انکے دفع کی کوشش نہ کرے بلکہ ان کے بقا کی دعا مانگے عشق خدا اور رسول کا رنج وغم تو مقصد حیات ہے شعر:۔

تراغم رہے سلامت میرے دل کو کیا کمی ہے — یہ ہی میری بندگی ہے یہ ہی میری زندگی ہے

ترا درد میرا درماں ترا غم مری خوشی ہے — مجھے درد دینے والے تیری بندہ پروری ہے

۲ یعنی خدایا میں تین طرح تیری رحمت کا حقدار ہوں ایک یہ کہ میں خود تیرا بندہ ہوں' دوسرے یہ کہ میرا باپ بھی تیرا بندہ ہے تیسرے یہ کہ میری ماں بھی تیری بندی اور بارگاہ عالی کی لونڈی ہے پھر ان نسبتوں کے ہوتے ہوئے تیرے در سے کیسے محروم رہوں گا۳ یعنی میں تیرے ملک وتصرف میں ہوں پیشانی بول کر ذات مراد لیتے ہیں یہ جملہ قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے: مَامِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا (۱۱'۵۶) کوئی چلنے والا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضہ قدرت میں نہ ہو (کنزالایمان) ۴ یعنی میرے اختیاری اعمال اور غیر اختیاری حالات پر تیری قضاوقدر نافذ ہے اور جو کچھ تو نے مجھ پر حکم نافذ فرمایا ہے وہ عین عدل وانصاف ہے خیال رہے کہ یہاں حکم سے مراد تکوینی حکم ہے نہ کہ تشریعی' حکم وامر میں بڑا فرق ہے دنیا میں سب کچھ ربّ تعالٰی کے حکم قضا وقدر سے ہورہا ہے اس کے امر سے نہیں ہورہا ہے سب کو ایمان لانے' نماز پڑھنے کا امر ہے مگر بہت لوگ نہ ایمان لاتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں نیز یہاں عدل سے مراد ظلم کا مقابل ہے نہ کہ فضل کا یعنی تو ظلم سے پاک ہے۵ اس عبارت سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ربّ تعالٰی کے نام بہت ہیں صرف ۹۹ نہیں جن احادیث میں ۹۹ نام مذکور ہیں وہاں مقصد یہ ہے کہ جو ان ناموں کا وظیفہ پڑھے گا بخشا جائے گا یہ مطلب نہیں کہ ربّ کے صرف اتنے ہی نام ہیں دوسرے یہ کہ اسمائے الٰہیہ تین قسم کے ہیں بعض وہ جو آسمانی کتابوں میں مذکور ہوئے اور عام مومنین نے جان لیے اور بعض وہ جو صرف انبیائے کرام' فرشتوں' یا بعض اولیاء کو الہاماً سکھائے گئے اور بعض جو درمکنون کی طرف پردہ غیب میں رکھے گئے کسی کو نہ بتائے گئے تیسرے یہ کہ اسماء الٰہیہ کی برکت' ان کے توسل سے دعا مانگنا چاہیے' خواہ ہم کو ان کا علم ہو یا نہ ہو۔ایسے اللہ کے مقبول بندوں نبیوں' ولیوں کے طفیل دعاء مانگنی چاہیے' ہمیں ان کی تفصیل معلوم ہو یا نہ ہو۶ یعنی جیسے موسم بہار زمین کی تمام خشکی بے رونقی دور کرکے اسے طرح طرح کی زینتوں سے آراستہ کردیتا ہے ایسے ہی قرآن شریف کے ذریعہ میرے دل کے رنج وغم تاریکی سیاہی' گناہوں کی طرف میلان' حرص و ہوس' حسد دور فرما کر اس میں ایمان وعرفان' خوف خدا' عشق جناب مصطفٰی کے پھل پھول لگادے' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف مومن کے دل کی بہار ہے ایسے ہی صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اس بہار کی جان ہیں ۷ اس طرح کہ رنج وغم کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور دل میں خوشی وراحت کی بارشیں ہوتی ہیں ۸ اسے احمد' ابن حبان' حاکم ابویعلٰی موصلی' بزاز' طبرانی' ابن ابی شیبہ نے بھی' انہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا وَاِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۳۴۰) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ جب ہم چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اترتے تو تسبیح کہتے تھے[۱] (بخاری)

(۲۳۴۰)[۱] یعنی ہم سفر میں جب کسی ٹیلے پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے کہ وہ رب کریم تمام اونچوں سے بڑا ہے اور جب نشیبی زمین پر اترتے تھے تو سبحان اللہ کہتے تھے کہ رب تعالٰی نزول اور اترنے سے پاک ہے کہ اس میں کمی ونقصان کا شائبہ ہے اسے ابوداؤد نسائی نے بھی روایت کیا۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا كَرَبَهٗ اَمْرٌ يَقُوْلُ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ بِمَحْفُوْظٍ

(۲۳۴۱) روایت ہے حضرت انس سے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز غمگین کرتی تو آپ فرماتے اے دائمی زندہ اے قائم رکھنے والے تیری رحمت سے مدد مانگتا ہوں[۱] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور محفوظ نہیں۔

(۲۳۴۱)[۱] یعنی تو حی و قیوم ہے میری مدد کر۔ مجھے اس مصیبت سے نجات دے۔ تیرے سواء میرا کون ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ حی و قیوم اسم اعظم ہے قرآن کریم میں یہ نام صرف تین جگہ مذکور ہوئے[۲] اسے حاکم' ابن سنی نے حضرت ابن مسعود سے اور نسائی نے حضرت علی سے مرفوعاً روایت کیا اس کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا سجدہ کرکے مانگتے تھے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ مِنْ شَيْءٍ نَقُوْلُ لَهٗ فَقَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ قَالَ نَعَمْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا قَالَ فَضَرَبَ اللّٰهُ وُجُوْهَ اَعْدَائِهٖ بِالرِّيْحِ هَزَمَ اللّٰهُ بِالرِّيْحِ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۳۴۲) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں ہم نے خندق کے دن عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی وظیفہ ایسا ہے جو ہم پڑھیں دل گلوں میں پہنچ گئے[۱] فرمایا ہاں اے اللہ ہمارے عیب ڈھک لے ہمارے خوفوں کو امن میں بدل دے[۲] فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہوا کے ذریعہ اپنے دشمنوں کے منہ پھیر دیئے اللہ نے انہیں ہوا کے ذریعے بھگا دیا۔[۳] (احمد)

(۲۳۴۲)[۱] یعنی جنگ احزاب کے موقع پر ہم خندق کھودنے میں مشغول تھے بھوک وخوف سے پریشان تھے بیرونی' اندرونی دشمنوں سے بہت تنگ آچکے تھے تب یہ عرض کیا۔ معلوم ہوا کہ اپنے رنج وغم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا نہ تو شرک وکفر ہے نہ بے صبری۔ اگر مریض حکیم سے شکایت نہ کرے تو شفا کیسے پائے[۲] یہاں عیب سے مراد گناہ نہیں بلکہ دشمن کا خوف اور دل کی گھبراہٹ ہے جس کا اظہار نہیں کیا جاتا' تاکہ دشمن دلیر نہ ہو جائے۔ یعنی ہماری موجودہ کمزوری چھپالے' دشمن اس پر مطلع نہ ہونے پائے اور گھبراہٹ کے اسباب دور فرما کر دلوں میں امن پیدا فرمادے۔ خیال رہے کہ امن اللہ کی بڑی نعمت ہے[۳] سبحان اللہ یہ ہوا اس دعا کا اثر کہ رب تعالٰی نے ابابیل سے فیل مروادیئے تیز ہوا سے اتنے بڑے لشکر جرار یعنی کفار کو بھگا دیا۔

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ السُّوْقَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُ

(۲۳۴۳) روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بازار میں داخل ہوتے تو کہتے اللہ کے نام ... الٰہی میں تجھ سے اس بازار کی خیر ... اس میں ہے اس کی

بِكَ مِنْ شَرِّ هَا وَشَرِّ مَا فِيهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُصِيْبَ فِيْهَاصَفْقَةً خَاسِرَةً ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ فِى الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

بھلائی مانگتا ہوں اور اس بازار کی شراور جو اس میں ہے اس کی شر سے پناہ مانگتا ہوں۲ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ گھاٹے کا سودا کروں۳ (بیہقی دعوات کبیر)

(۲۴۴۳) ۱؎ نفع کے سودے حلال روزی اور دل میں غفلت کا نہ پیدا ہونا بازار کی خیر ہے۔ یہ تمام چیزیں رب تعالٰی سے مانگے۔ بازار ہی سے قوم و ملک کا بقا ہے ۲؎ نقصان کی تجارت، حرام روزی، وہاں جھوٹ بول کر سودے بیچنا، غافل ہو جانا بازار کی شر ہے اس لئے بازار کو بد ترین جگہ فرمایا گیا ۳؎ دینی گھاٹا یا دنیاوی گھاٹا دونوں ہی مراد ہیں دونوں ہی سے پناہ مانگنی چاہیے صدقہ و خیرات نافع ہے مگر مہنگی چیز بیچنا یا سستی فروخت کر دینا گھاٹا کھا کر، حماقت بھی ہے اور باعث نقصان بھی جس کا نہ دنیا میں نفع ہے نہ آخرت میں اسے حاکم اور ابن سنی نے بھی روایت کیا۔

بَابُ الْاِسْتِعَاذَةِ — تعویذوں کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۱؎ یعنی ان دعاؤں کا باب جن میں اعوذ یا استعیذ آتا ہے عوذ کے معنی ہیں پناہ استعاذہ کے معنی پناہ لینا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاِذَا قَـرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ (۱۶، ۹۸) تو جب قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو (کنزالایمان) تلاوت قرآن کے وقت اعوذ پڑھنا سنت ہے، ویسے بھی مصیبتوں اور عام حالات میں پناہ لینے کی دعائیں پڑھتے رہنا چاہیے۔ صبح سورہ فلق و ناس پڑھنے سے آفات سے امن رہتی ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ وَسُوْٓءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَآءِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۴۴) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی پناہ مانگو آفت کی مشقتوں سے۱ اور بد بختی کے پہنچنے سے اور برے فیصلے سے۲ اور دشمنوں کے طعنوں سے۳ (مسلم بخاری)

(۲۴۴۴) ۱؎ آفتوں کی مشقت سے مراد وہ دنیاوی یا دینی مصیبتیں ہیں جن کے دفع پر انسان قادر نہ ہو۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ کثرت عیال و قلت مال جہد بلا ہے کہ اس سے انسان کبھی کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے حدیث شریف میں ہے کاد الفقر ان یکون کفرا ۲؎ دوزخ کے کام کر بیٹھنا درک شقاء ہے اصل بد بختی دوزخ کا داخلہ ہے دوزخی عرض کریں گے۔ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا (۲۳، ۱۰۶) اور دوزخ میں پہنچانے والے عقیدے یا اعمال اختیار کر لینا شقاء بد بختی کا پانا ہے۔ اس سے اللہ کی پناہ، برے فیصلہ سے مراد ہے کفر پر مرنے کا فیصلہ یعنی میرے مولا میں دوزخیوں کے کاموں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس سے بھی تیری پناہ لیتا ہوں کہ تو میری بدکاریوں کی وجہ سے میرے دوزخی ہونے کا فیصلہ کر دے۔ اس شرح سے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ فیصلہ الٰہی تو پہلے ہو چکا، اب اس سے پناہ مانگنے کے کیا معنی کیونکہ یہاں وہ فیصلہ مراد نہیں ۳؎ یعنی مولٰی مجھے ایسی دینی و دنیاوی مصیبتوں میں نہ پھنسا جن سے میرے دشمن خوش ہوں اور مجھ پر طعنے کریں، آوازے کسیں، اس سے بھی تیری پناہ، دعا بہت جامع ہے۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعِجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۳۴۵) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ رنج و غم سے عاجزی و سستی سے اور بزدلی و کنجوسی سے قرض چڑھ جانے اور لوگوں کے غلبہ سے [۱] (مسلم بخاری) [۲]

(۲۳۴۵) [۱] ان الفاظ کی شرح اور رنج وغم کا فرق پہلے باب میں عرض کیا گیا' صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرض کی فکر عقل خراب کر دیتی ہے' حدیث شریف میں الدین شین الدین قرض دین کا عیب ہے (مرقات) لوگوں سے مراد ظالم یا قرض خواہ ہیں' یہ دعا بھی بہت جامع ہے کہ اس میں خارجی داخلی مصیبتوں اور جسمانی روحانی اذیتوں سے پناہ مانگ لی گئی ہے [۲] اس حدیث کو ابوداؤد' ترمذی' نسائی نے بھی' روایت کیا۔ حصن حصین شریف میں یہ حدیث صرف بخاری کی قرار دی واللہ اعلم۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَاْثَمِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَشَرِّ وَفِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِن شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِيْ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۳۴۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں' سستی سے بڑھاپے سے قرض سے اور گناہ سے [۱] الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں آگ کے عذاب سے اور آگ کے فتنہ سے [۲] اور قبر کے فتنہ اور قبر کے عذاب سے [۳] اور مالداری اور فقیری کے فتنہ سے [۴] اور مسیح دجال کے فتنوں سے۔ اللہ میری خطائیں دھودے برف کے اولے کے پانی سے [۵] اور میرا دل ایسا صاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے [۶] اور میرے اور میری خطاؤں کے درمیان ایسا فاصلہ کر دے جیسے پورب وپچھم کے درمیان ہے [۷] (مسلم بخاری)

(۲۳۴۶) [۱] سستی سے مراد عبادات اور نیک اعمال کا طبیعت پر گراں ہو جانا' اور بڑھاپے سے وہ حالت مراد ہے جب انسان کی عقل کٹ جائے۔قوتیں جواب دے جائیں دوسروں پر بوجھ بن جائے۔ شعر:۔

دانت گرے اور کھر گھسے اور پیٹھ بوجھ نہ لے ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ بھس دے

اللہ تعالٰی اپنا اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا محتاج رکھے [۲] کفار آگ میں معذب ہوں گے مومن گنہگار معذب نہ ہوں گے بلکہ مودب ومہذب ہوں گے یعنی انہیں آگ کے ذریعہ پاک وصاف کر کے جنت کے لائق بنایا جائے گا آگ کے فتنہ سے مراد وہ گناہ ہے جو آگ میں جانے کا باعث بنا' لہٰذا کلام میں تکرار نہیں' آگ کا عذاب اور ہے آگ کا فتنہ کچھ اور' [۳] یعنی اے مولٰی اس سے بھی تیری پناہ کہ قبر کے سوالات کے جوابات مجھے بن نہ پڑیں اور اس سے بھی تیری پناہ کہ وہاں فیل ہو جانے پر سزا پاؤں [۴] یعنی غفلت اور سرکشی' گناہوں کی طرف میلان' مال وعزت پر پھول جانا غنٰی کا فتنہ ہے' مالداروں پر حسد' طمع ذلت' فکر' فقیری کے فتنے اللہ تعالٰی دونوں قسم کے فتنوں سے بچائے۔ خیال رہے کہ نہ امیری بری ہے نہ فقیری دونوں جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے ہیں بلکہ ان کے فتنے برے ہیں۔

فقر وشاہی وارداتِ مصطفٰی است

اس میں اختلاف ہے کہ فقیری افضل ہے کہ امیری صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض کے لئے فقیری افضل ہے اور بعض کے لئے امیری جس کے ذریعے یار ملے وہ ہی بہتر' بعض بیماریوں کو کڑوی دوا مفید ہوتی ہے بعض کو میٹھی' یہ تمام دعائیں امت کی تعلیم کے لئے ہیں' اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب کو ہر فتنہ سے محفوظ فرمایا تھا' آپ کا فقر بھی اکسیر تھا اور غنا بھی' صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ۵؎ خطاؤں کو دوزخ کی آگ قرار دیا اور مغفرت ورحمت کو برف کا پانی' جو آگ بجھا بھی دے اور اس جگہ کو ٹھنڈا بھی کردے' یعنی مجھے قسم قسم کی رحمتوں ومغفرتوں کے ذریعہ دوزخ کے اسباب سے پاک وصاف کردے ۶؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ ہمارے دل فطرۃً میلے ہوتے رہتے ہیں تیری رحمت ہو تو صاف ہو جائیں اور جیسے میلے کپڑے والا اچھوں میں بیٹھنے کے لائق نہیں ہوتا' جب کپڑے صاف ہو جائیں تو اچھی جگہ اٹھ بیٹھ سکتا ہے' خدایا ایسے ہی ہم تیری جنت کے لائق بذات خود تو نہیں' ہاں تو کرم کردے تو ہو جائیں' یہ سب امت کو تعلیم ہے ۷؎ یعنی جو خطا مجھ سے ہو چکی ہے انہیں معاف فرما کر مجھ سے دور کردے' اور آئندہ جو خطائیں مجھ سے سرزد ہو سکتی ہیں ان سے بچالے' جیسے مشرق ومغرب آپس میں نہیں مل سکتے' ایسے ہی وہ خطائیں مجھ تک نہ پہنچ سکیں ایسا فضل کردے۔ لہٰذا خطاؤں سے مراد واقعی وامکانی دونوں خطائیں ہیں۔

وَعَنْ زَيْدِبْنِ اَرْقَمَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِىْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا وَاَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلٰهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۳۴۷) روایت ہے زید ابن ارقم سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں عاجز رہ جانے' سستی' بزدلی' کنجوسی بڑھاپے ۱؎ اور عذاب قبر سے تیری پناہ لیتا ہوں ۲؎ الٰہی تو میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری دے اسے پاک کردے تو بہترین پاک کرنے والا ہے ۳؎ تو ہی نفس کا والی وارث ہے ۴؎ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس علم سے جو نفع نہ دے ۵؎ اور اس دل سے جو عاجزی نہ کرے اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جس کی قبولیت نہ ہو ۶؎ (مسلم)

(۲۳۴۷) ۱؎ عاجزی سے مراد نہ کرسکنا ہے جیسے روزہ' نماز حج' جہاد وغیرہ اور سستی سے مراد ہے کہ قادر ہونے کے باوجود نہ کرنا' کنجوسی سے حقوق مالیہ ادا نہ کرنا ہیں خواہ حقوق اللہ ہوں جیسے زکوۃ وقربانی اور حج وغیرہ یا حقوق العباد جیسے بیوی بچوں' والدین' عزیزوں کے نان و نفقات نہ دینا' بڑھاپے سے مراد وہ بے عقلی اور مت کٹ جانا ہے جو زیادتی عمر کے سبب ہو جاتی ہے ۲؎ کہ تو مجھے دنیا میں عذاب قبر والے اعمال سے بچالے اور بعد موت خود اس عذاب سے محفوظ رکھ خیال رہے کہ عذاب قبر کفار کو دائمی ہوتا ہے بعض مومن گنہگاروں کو عارضی مگر ضغطہ قبر یعنی تنگی وہ کبھی صالحین کو بھی ہو جاتی ہے اس لئے یہاں عذاب فرمایا تنگی کا ذکر نہ کیا' ۳؎ عربی میں ظاہری پاکی کو طہارت اور باطنی کو تزکیہ کہتے ہیں' اسی لئے مذبوح جانور کو مذکی کہتے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (۸۷:۱۴) بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا (کنزالایمان) تقوٰی سے مراد فسق وفجور کا مقابل ہے رب تعالٰی فرماتا ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (۹۱:۸) پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی (کنزالایمان) خیال رہے کہ کسب طہارت بندے کا کام ہے اور خلق طہارت رب کا کرم' جیسے بیج بودینا بندے کا کام ہے پیداوار رب کا فضل یعنی ہمارے کسب سے تیرا کرم افضل واکمل ہے' ۴؎ یعنی میرے نفس کو تقوٰی دے' کیونکہ تو اس کا ولی ہے' اور اسے پاک کردے' کیونکہ اس کا وارث ہے' دو نعمتوں کے لئے دو صفت الٰہیہ کا ذکر ہوا' ۵؎ غیر نافع علم سے مراد یا تو دنیاوی علوم ہیں جن سے دین

میں کوئی نفع نہ ہو جیسے سائنس ریاضی منطق فلسفہ جن سے دین کی خدمت نہ لی جائے یا وہ علم دین ہیں جو دنیا طلبی کے لئے سیکھے جائیں یا جن پر عالم خود عمل نہ کرے دوسروں کو سکھائے نہیں یا اس سے نقصان وہ علوم مراد ہیں جیسے جادو وغیرہ کے علوم جن سے فساد پھیلایا جائے۔٦ جس دل میں اللہ کے ذکر سے چین' عذاب کے ذکر سے خوف' جنت کے ذکر سے شوق حضور علیہ السلام کے ذکر سے وجدان نہ پیدا ہو وہ سخت ہے اللہ اس سے بچائے اور جس نفس میں قناعت وسیری نہ ہوں ایسے حریص نفس سے خدا کی پناہ خیال رہے کہ تین نعمتیں کسی کسی کو ملتی ہیں' کفایت' قناعت' ریاضت' جسے یہ تین نعمتیں مل گئیں وہ بادشاہوں سے زیادہ خوش نصیب ہے' اس جملہ میں یہ تینوں نعمتیں مانگ لی گئیں ہیں۔

وَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَآءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۳۴۸) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے یہ بھی الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں۔ تیری نعمت کے زائل ہو جانے سے اور تیری عافیت کے منقلب ہو جانے سے ا۔ اور تیرے اچانک عتاب سے اور تیری تمام ناراضگیوں سے۲ (مسلم)

(۲۳۴۸) ا زوال وانقلاب میں فرق یہ ہے کہ نعمت کا چھن جانا زوال ہے اور نعمت کے عوض نقمت ومصیبت آ جانا انقلاب' نعمت سے مراد اسلام' ایمان' تندرستی' غنا وغیرہ تمام دینی ودنیاوی نعمتیں ہیں اللہ تعالٰی دے کر نہ لے' وہ تو نہیں چھینتا ہم اپنی بدعملیوں سے زائل کر دیتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (۱۳:۱۱) بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں (کنزالایمان) ۲ یعنی خدایا ہمیں ایسے کاموں سے بچا جو تیری ناراضی کا باعث ہیں۔

وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّمَا لَمْ اَعْمَلْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۳۴۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں کئے کی برائی سے اور نہ کئے کی برائی سے ا (مسلم)

(۲۳۴۹) ا یعنی جو برائیاں میں کر چکا ہوں ان کی شر سے بچالے کہ ان کی معافی دیدے اور جو برائیاں ابھی نہیں کی ہیں آئندہ کرنے والا ہوں ان کی شر سے بچالے کہ ان کے نہ کرنے کی توفیق دے یا جو مصیبتیں خود میرے کئے سے آتی ہیں ان سے بچا اور جو ایک کے کرنے سے ساری قوم پر آتی ہیں نہ کرنے والے بھی رگڑے جاتے ہیں ان سے بچا' رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (۸:۲۵) اور اس فتنے سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں خاص ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا (کنزالایمان) یا مجھے ناکردہ گناہوں کی مصیبت سے بچا کہ شبہ میں گرفتار بلا ہو جاؤں' اس جملہ کی اور بھی تفسیریں ہوسکتی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِیْ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ يَمُوْتُوْنَ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(۲۳۵۰) روایت ہے ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے الٰہی میں تیرا مطیع ہوا۔ تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسہ کیا ا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیرے بھروسہ پر کفار سے جھگڑتا ہوں۲ الٰہی میں تیری عزت کی پناہ لیتا ہوں' تیرے سوا کوئی معبود نہیں اس سے کہ تو مجھے گمراہ کرے۳ تو وہ زندہ ہے جسے موت نہیں اور تمام جن وانسان مرجائیں گے۴ (مسلم بخاری)

(۲۳۵۰)۱؎ ظاہری اطاعت کو اسلام اور باطنی فرمانبرداری کو ایمان فرمایا گیا ہے،یعنی الٰہی میرا ظاہر و باطن،قالب وقلب تیرا مطیع ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو حقیقت بیان فرمارہے ہیں،ہم گنہگار یہ دعا حضور کی نقل کرتے ہوئے پڑھیں ہمیں خود اپنا پتہ ہے کہ کتنے درجے سے مطیع ہیں،خدا کرے اصل کی برکت نقل پر بھی آجائے۔۲؎ یعنی خدایا میں اپنی قوت و طاقت یا فوج وہتھیار کے بھروسہ پر جہاد نہیں کرتا صرف تیرے بھروسے پر کرتا ہوں یہ توکل وہ قوت ہے جو کفار کے پاس نہیں صرف مسلمانوں کو حاصل ہے۔۳؎ سبحان اللہ کیا پیاری عرض ہے۔یعنی مولیٰ عزت والے آقا اپنے غلاموں کو ذلیل نہیں ہونے دیتے،تجھے اپنی عزت وغلبہ کا واسطہ کہ مجھے ذلت کے اسباب یعنی گمراہی وغیرہ سے بچالے۔۴؎ اس جملہ میں مسلمان کا رد ہے جو مصیبتوں میں جنات کی پناہ لیتے تھے خصوصًا بحالت سفر جب کسی منزل پر ٹھہرتے یعنی فانی کی پناہ بھی فانی ہے باقی کی پناہ بھی باقی،تیری پناہ دنیا وآخرت ہر جگہ کام آئے گی،خیال رہے کہ سردی گرمی میں لباس ومکان کی پناہ بیماری میں حکیم کی،مظلومیت میں حاکم کی،معصیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ اس دعا کے خلاف نہیں کہ یہ تمام چیزیں رب تعالٰی ہی کے مقرر کردہ اسباب ہیں۔ان کی پناہ رب تعالٰی کی پناہ ہے،مولانا جامی فرماتے ہیں شعر:۔

یا رسول اللہ بدر گاہت پناہ آوردہ ام ہمچو کاہے آمدم بے گناہ آوردہ ام

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْاَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا یُخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دُعَآءٍ لَا یُسْمَعُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَالنَّسَائِیُّ عَنْهُمَا ۔

(۲۳۵۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے الٰہی میں چار چیزوں سے تیری پناہ لیتا ہوں۱؎ اس علم سے جو نفع نہ دے۲؎ اس دل سے جس میں عجز نہ ہو۳؎ اس نفس سے جو سیر نہ ہو۴؎ اس دعا سے جو سنی نہ جائے۵؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)اور ترمذی نے اسے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کیا اور نسائی نے ان دونوں صاحبوں سے۔

(۲۳۵۱)۱؎ ان چار کا ذکر حصر کے لئے نہیں بلکہ اظہار اہمیت کے لئے ہے،یعنی تمام نقصان دہ چیزوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں،خصوصًا ان چاروں سے کہ ان کا نقصان بہت زیادہ ہے۔۲؎ اس طرح کہ وہ علم ہی مضر ہو،جیسے جادو وغیرہ کا علم،یا غیر مفید ہو جیسے غیر ضروری علوم یا علم بذات خود تو مفید ہو مگر میں اس سے فائدہ نہ اٹھاؤں،جیسے علم دین جو محض دنیا کمانے کے لئے سیکھا جائے،لیکن اس پر عمل نہ کیا جائے،صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم باعمل کل ہمارا گواہ ہوگا اور علم بے عمل ہمارے خلاف گواہ خیال رہے کہ کوئی عمل بذات خود برا نہیں بلکہ نتیجہ اور نیت کے لحاظ سے برا بن جاتا ہے،اگر کوئی علم بذات خود برا ہوتا تو پروردگار کو نہ ہوتا،لہذا اس دعا سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضور علیہ السلام کو بعض علوم نہ تھے سب سے بدتر چیزیں کفر اور جادو ہیں،مگر علماء فرماتے ہیں کہ ان کا سیکھنا کبھی فرض ہے بچنے کے لئے۔۳؎ عاجز دل زرخیز زمین کی طرح ہے جس میں پیداوار خوب ہوتی ہو اور سخت دل اس پتھریلے علاقہ کی طرح ہے جس میں بکھیرا ہوا بیج بیکار جاتا ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:

فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰهِ (۳۹،۲۲) اس جیسا ہوجائے گا جو سنگدل ہے تو خرابی ہے ان کی جن کے دل یادِ خدا کی طرف سے سخت ہوگئے ہیں (کنزالایمان)۴؎ یعنی دنیا سے سیر نہ ہو،جیسے استقاء کی بیماری والا پانی سے سیر نہیں ہوتا،آخرت کی نیکیوں سے سیر نہ ہونا خدا

کی رحمت ہے۔شعر:۔

حاجتے نیست مرا سیرازیں آب حیات ضاعف اللہ علی کل زمان عطشی

ہمارے حضور ہمیں دینے سے سیر نہیں ہوتے' رب تعالٰی فرماتا ہے: حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ تو ہم ان سے لینے سے کیوں سیر ہوں ۵؎یعنی بارگاہ الٰہی میں قبول نہ ہو' کیونکہ مردود دعا کبھی دعا کرنے والے کی مردودیت کی علامت ہوتی ہے خیال رہے کہ انبیائے کرام کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی' ہاں کبھی انہیں دعا سے روک دیا جاتا ہے' دعا سے روکنا اور ہے اور رد کرنا کچھ اور۔

وَ عَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْ خَمْسٍ مَنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَسُوْءِ الْعُمْرِ وَفِتْنَةِ الصَّدْرِوَ عَذَابِ الْقَبْرِ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۲۳۵۲) روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ چیزوں سے پناہ مانگتے تھے' بزدلی سے' بخل سے' بری عمر سے' سینوں کے فتنوں اور قبر کے عذاب سے ۲؎ (ابوداؤد' نسائی)

(۲۳۵۲) ۱؎قتال نہ کرسکنا بزدلی ہے اور مال خرچ نہ کرسکنا بخل اور بری عمر سے مراد بڑھاپے کی وہ حالت ہے جب اعضاء جواب دے جائیں اور انسان اپنے گھر والوں پر بوجھ بن جائے' اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (لمعات) ۲؎برے عقیدے' برے اخلاق' حسد' کینہ وغیرہ سب سینوں کے فتنے ہیں' عذاب قبر سے مراد وہ اعمال ہیں جو قبر کے عذاب کا باعث بنیں یا خود قبر کا عذاب' اس کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے۔

وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۲۳۵۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں فقیری اور کمی اور ذلت سے ۱؎ اور تیری پناہ مانگتا ہوں' اس سے کہ ستاؤں یا ستایا جاؤں (ابوداؤد' نسائی)

(۲۳۵۳) ۱؎فقیری سے مراد یا دل کی فقیری ہے یعنی قناعت نہ ہونا' یا مال کی فقیری جو کفر یا گناہوں تک پہنچا دے' اور کمی سے مراد نیک اعمال اور اچھے اخلاق کی کمی یا مسلمانوں کی تعداد کی کمی ہے ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مال واسباب کی زیادتی پسند نہ فرماتے تھے (مرقات) ذلت سے مراد لوگوں کی نگاہ میں حقارت ہے یا مالداروں کے سامنے عاجزی' صوفیاء فرماتے ہیں کہ فقر کے معنی ہیں پیٹھ توڑنے والی چیز' فقار پیٹھ کے جوڑ' یہ چار قسم کا ہے۔ایک حاجتوں اور ضرورتوں کا پیش رہنا' یہ سارے انسانوں کو ہے رب تعالٰی فرماتا ہے انتم الفقراء دوسرا ضروریات کا پورا نہ ہونا جس سے انسان زکوۃ لینے کے قابل ہوجاتا ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا (۲:۲۷۳) ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے (کنزالایمان) یا فرماتا ہے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ (۹:۶۰) زکوۃ تو انہی لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار (کنزالایمان) تیسرے دل کی ہوس' چوتھے رب کی طرف محتاجی' حضور علیہ السلام نے تیسرے قسم کے فقر سے پناہ مانگی ہے اور چوتھے فقر میں یہ فرق ہے کہ پہلا اضطراری ہے اور چوتھا اختیاری جو انبیاء اور خاص اولیاء کو حاصل ہوتا ہے ۲؎ اس طرح کہ میں اپنے نفس پر ظلم کروں یا نفس مجھ پر' یا میں دوسروں پر ظلم کروں دوسرے مجھ پر ظلم معنی حق مارنا۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ

(۲۳۵۴) روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں' عداوت' ومنافقت اور بدخلقی

وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنِّسَائِیُّ)

سے ۱؎ (ابوداؤد' نسائی)

(۲۳۵۴) ۱؎ شقاق سے مراد ہے حق کی مخالفت یا حق والوں سے نفرت اور نفاق سے مراد نفاق اعتقادی' عملی دونوں ہیں۔ بدخلقی سے مراد بری عادتیں ہیں' جیسے زنا' چوری حسد اور دوسروں سے ہمیشہ اکڑنا' صوفیاء فرماتے ہیں کہ زیادہ کھانا اور زیادہ سونا بھی بدخلقی ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنِّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۳۵۵) روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرض کیا کرتے تھے الٰہی میں بھوک سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ یہ بری بستر کی ساتھی ہے ۱؎ اور خیانت سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ یہ بد ترین مشیر کار ہے ۲؎ (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ)

(۲۳۵۵) ۱؎ بھوک سے وہ بھوک مراد ہے جو عبادات سے روک دے۔ خیال پراگندہ کردے کہ اس سے انسان بہت سے گناہ کر بیٹھتا ہے' روزہ کی بھوک تو عبادت ہے۔ خیال رہے کہ کبھی زیادتی بھوک میں حرام حلال ہو جاتا ہے۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ (۵:۳) تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو (کنزالایمان) ۲؎ خیانت امانت کی ضد ہے خُفْیَۃً کسی کا حق مارنا خیانت کہلاتا ہے خواہ اپنا حق مارے یا اللہ رسول کا یا اسلام کا یا کسی بندہ کا۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْآ اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۸:۲۷) استر' ظہارہ' ابرہ' اب بطانہ وہ خفیہ بات جو پیٹ میں رکھی جائے۔ پھر مشیر خاص کو جو اپنا صاحب اسرار ہو اور خلوت و جلوت میں ساتھ رہے بطانہ کہتے ہیں' ربّ تعالٰی فرماتا ہے: لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (۳:۱۱۸) غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے (کنزالایمان) یہ آخری معنی ہی مراد ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَيِّءِ الْاَسْقَامِ (اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنِّسَائِیُّ)

(۲۳۵۶) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے۔ الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں' برص سے کوڑھ سے دیوانگی سے ۱؎ اور بری بیماریوں سے ۲؎ (ابوداؤد' نسائی)

(۲۳۵۶) ۱؎ برص یا تو جسم کے سفید داغ ہیں اور جسم میں سودا پھیل کر جو اعضاء کی اصل صورت بدل دے' جس سے کبھی انگلیاں جھڑ جاتی ہیں جسم پر پھوڑے پھیل جاتے ہیں' یہ جذام ہے یعنی کوڑھ۔ اور عقل کا جاتا رہنا یا بگڑ جانا جنون ہے' چونکہ برص و جذام میں تکلیف بھی ہے۔ اور لوگوں کی نفرت بھی' جن کی وجہ سے انسان بہت سی عبادات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور عقل بگڑ جانے پر آدمی برے بھلے میں تمیز نہیں کرتا' اس لئے ان بیماریوں سے پناہ مانگی' ۲؎ جیسے استسقاء' سل' دق اور وہ لمبی بیماریاں جن میں انسان صبر نہیں کر سکتا' لوگوں پر بوجھ بن جاتا ہے' لوگ اس سے گھبرا کر اس کی موت کی دعائیں کرنے لگتے ہیں' بندہ ان کی وجہ سے حقوق اللہ وحقوق العباد ادا کرنے سے محروم ہو جاتا ہے' اللہ تعالٰی چلتے ہاتھ پاؤں اٹھا لے آمین' خیال رہے کہ یہ دعا ہماری تعلیم کے لئے ہے' ورنہ تمام انبیاء کرام حضور سید الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ان امراض سے محفوظ ہیں۔ بعض لوگ جذام کو متعدی بیماری سمجھتے ہیں یعنی اڑ کر لگنے والی' اس کی تحقیق ان شاء اللہ لا عدوی کی شرح میں ہوگی۔

وَعَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(٢٣٥٧) روایت ہے حضرت قطبہ ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں بری عادتوں سے برے کاموں سے اور بری خواہشوں سے ۱؎ (ترمذی)

(٢٣٥٧) ۱؎ برے اخلاق سے مراد باطنی و اندرونی اعمال ہیں جو خلاف شرع ہوں، جیسے بدعقیدگی، حسد، کینہ وغیرہ اور بری خواہشوں سے مراد برائیوں کی طرف دل کا میلان ہے۔ برے اعمال سے مراد وہ ظاہری اعمال ہیں جو خلافِ شریعت ہیں جیسے زنا چوری جھوٹ غیبت وغیرہ اور ہوٰی کے لغوی معنی ہیں محبت، بری چیز سے ہو یا اچھی سے، پہلی ہوٰی بری ہے دوسری اچھی، مگر اس کا اکثر استعمال بری رغبتوں میں ہوتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (۲۸:۵۰) اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اپنی خواہش کی پیروی کرے اللہ کی ہدایت سے جدا (کنز الایمان) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ھوٰی ھدی سے مل جائے تو ایسی ہے جیسے شہد اور مکھن ملا ہوا کبھی برے عقیدوں کو بھی ہوٰی کہہ دیتے ہیں، رب تعالٰی تعالٰی فرماتا ہے: اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (۴۵:۲۳)

وَعَنْ شُتَيْرِبْنِ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ تَعْوِيْذًا اَتَعَوَّذُ بِهٖ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِيْ وَشَرِّ بَصَرِيْ وَشَرِّ لِسَانِيْ وَشَرِّ قَلْبِيْ وَشَرِّ مَنِيِّيْ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

(٢٣٥٨) روایت ہے حضرت شتیر ابن شکل ابن حمید سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے کوئی تعویذ سکھایئے۔ جس سے میں تعویذ کیا کروں ۱؎ فرمایا کہو الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں اپنے کان اپنی آنکھ زبان دل اور منی کی شر سے ۲؎ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

(٢٣٥٨) ۱؎ یعنی وہ دعائیہ کلمات سکھایئے جن کے ذریعہ برائیوں سے رب تعالٰی کی پناہ لوں، تعویذ اس کاغذ کے پرزے کو بھی کہتے ہیں جس میں قرآنی آیت یا دعائیں لکھ کر اپنے پاس رکھیں کہ اس سے مقصود بھی پناہ لینا ہے، اس لفظ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ ۲؎ بری چیزیں گانے بجانے وغیرہ سننا کان کا شر ہیں، جھوٹ اور غیبت اور نقصان دہ یا بیکار باتیں کرنا زبان کا شر اور حسد، کینہ، برے عقیدے دل کا شر ہیں، اور زنا و اسباب زنا میں مبتلا ہونا منی کا شر ہیں، منی سے مراد وہ ہی مشہور چیز ہے جس کے خارج ہونے سے غسل واجب ہوتا ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ منی منیہ کی جمع ہے معنی موت یا امنیہ یعنی آرزو وتمنا خدایا بری قسم کی موتوں سے تیری پناہ، یا دنیوی لمبی امیدوں سے تیری پناہ، مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں (مرقات ولمعات)

وَعَنْ اَبِي الْيَسَرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَدَمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّيْ وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطٰنُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِيْ سَبِيْلِكَ مُدْبِرًا وَّاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَالْغَمِّ

(٢٣٥٩) روایت ہے حضرت ابو الیسر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں، عمارت گرنے سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اوپر سے گر جانے اور ڈوب جانے جل جانے ۱؎ اور بڑھاپے سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ شیطان مجھے وسوسے دے موت کے وقت ۲؎ اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تیری راہ میں پیٹھ پھیرتا مروں اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ سانپ سے ڈسا ہوا مروں ۳؎ (ابوداؤد، نسائی) اور دوسری روایت میں

یہ زیادتی ہے کہ غم سے۔ ۵؎

(۲۳۵۹)۱؎ اگرچہ یہ چاروں قسم کی موتیں شہادت ہیں، مگر چونکہ ناگہانی آفتیں بھی ہیں، جن میں انسان مبتلا ہو کر کبھی گھبرا کر ایمان کھو بیٹھتا ہے اور ان سے موت ناگہانی بھی ہے جن میں توبہ اور تیاری موت کی مہلت نہیں ملتی اس لئے ان سے پناہ مانگی، جیسے جہاد عبادت ہے، مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و عافیت کی دعائیں مانگی ہیں، اور ہر بیماری میں اجر ہے، مگر سرکار نے ان سے پناہ مانگی (از لمعات) ۲؎ بڑھاپے سے مراد برا بڑھاپا ہے جس میں مت کٹ جاتی ہے، خبط سے مراد ہے دیوانگی یا بے عقلی، شیطان کا زیادہ زور موت کے وقت ہوتا ہے کیونکہ اسی پر اعمال کا مدار ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شیطان دیوانگی اور بیماریاں انسان میں پیدا کرسکتا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (۲:۲۷۵) وہ جسے آسیب نے چھوکر مخبوط بنادیا (کنزالایمان) لہٰذا حضرات انبیاء کرام و اولیاء اللہ باذن پروردگار شفا بھی دے سکتے ہیں، ۳؎ یہ دعا بھی تعلیم امت کے لئے ہے ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں پیٹھ پھیرنے اور وفات کے وقت شیطان کی مس سے محفوظ ہیں۔ لدیغ ہرزہریلے جانور کے کاٹے ہوئے کو کہتے ہیں بچھو ہو یا سانپ، خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موت سے پناہ مانگی ہے لہٰذا وہ واقعہ اس دعا کے خلاف نہیں جو طبرانی نے سیدنا علی مرتضٰی سے نقل کیا کہ ایک بار حضور علیہ السلام کو بچھو نے کاٹ لیا تو آپ نے اس پر پانی اور نمک لگایا اور سورہ کافرون، فلق و ناس دم کی (مرقات) ۴؎ غم سے مراد وہ دنیوی سخت تکالیف ہے جو فکر آخرت سے روک دے۔

وَعَنْ مُّعَاذٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ طَمَعٍ يَهْدِيْ اِلٰى طَبْعٍ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

(۲۳۶۰) روایت ہے حضرت معاذ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اللہ کی پناہ مانگو اس طمع سے جو مہر لگ جانے تک پہنچا دے ۱؎ (احمد بیہقی، دعوات الکبیر)

(۲۳۶۰)۱؎ طمع کے لفظی معنی ہیں لوگوں سے مال کی امید رکھنا، اور طبع لوہے کی وہ زنگ ہے جو اسے مٹی بنادے (اشعہ) مگر یہاں طمع سے مراد نفس کا اپنی خواہشات میں محو ہو جانا ہے اور طبع سے مراد وہ عیب ہیں جو زائل نہ ہو سکیں، یعنی خدایا مجھے اس دنیوی حرص سے بچالے جو حریص کو ذلیل کردیتی ہے اور اسے ذلت کا احساس بھی نہیں ہوتا، طبع مہر لگانے کو بھی کہتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (۴:۱۵۵) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگادی (کنزالایمان) ظاہری گناہ کبھی دل پر مہر لگ جانے کا باعث بن جاتے ہیں خصوصاً حرص دنیا، مہر لگنے سے انسان برے بھلے میں تمیز نہیں کرتا حرص کا انجام یہ ہی ہے کہ حریص اچھا برا، حلال حرام ہر طرح کا مال رگڑ جاتا ہے، یہ شخص کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر چیز میں منہ ڈالتا ہے، مگر یہ بغیر سوچے ہی۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ اِلَى الْقَمَرِ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اسْتَعِيْذِيْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا فَاِنَّ هٰذَا هُوَ الْغَاسِقُ اِذَا وَقَبَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۳۶۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند دیکھا ۱؎ تو فرمایا اے عائشہ اس کی شر سے اللہ کی پناہ مانگو ۲؎ یہ ہی وہ غائب ہو جانے والا ہے گرہن لگتے وقت ۳؎ (ترمذی)

(۲۳۶۱)۱؎ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ تیسری تاریخ کے بعد کے چاند کو قمر کہتے ہیں۔ اس سے پہلے ہلال کہا جاتا ہے ۲؎ ظاہر یہ ہے کہ ہذا سے اشارہ چاند ہی کی طرف ہے نہ کہ رات کی طرف، جیسا کہ بعض شارحین کا خیال ہے ۳؎ اس فرمان میں اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (۱۱۳:۳) اور اندھیری ڈالنے والے کے شر سے جب وہ ڈوبے (کنزالایمان) آیت کریمہ میں غاسق اور وقب کی بہت

سی تفسیریں کی گئی ہیں' غاسق رات تاریک اور وقب شفق غائب ہونا چونکہ بہت سے گناہ' چوریاں' قتل' زنا' اندھیری رات میں ہی ہوتے ہیں' اس لئے اس سے پناہ مانگی گئی۔ غاسق چاند' کیونکہ یہ بھی سب میں چھپ کر اندھیرا پھیلا دیتا ہے' اور وقب گرہن لگنا' چونکہ چاند گرہن بہت ہیبت ناک چیز ہے اور اس وقت اکثر جادوٹونے ہوتے ہیں' اس لئے اس سے پناہ مانگی' یہ حدیث پاک اسی معنی کی طرف اشارہ کر رہی ہے غاسق اور وقب کی اور بہت تفسیریں ہیں جو طوالت کے خوف سے چھوڑ دی گئیں معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات منحوس ہوتے ہیں۔ بعض سعید رب تعالیٰ فرماتا ہے: فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (۱۹'۵۴) ایسے دن میں جس کی نحوست ان پر ہمیشہ کے لئے رہی (کنز الایمان) حضور انور کی ولادت و معراج کی ساعتیں بڑی سعید و مبارک ہیں۔ منحوس ساعتوں سے پناہ مانگو اور مبارک ساعتوں سے برکت لو۔

وَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ یَا حُصَیْنُ کَمْ تَعْبُدُ الْیَوْمَ اِلٰـهًا قَالَ اَبِیْ سَبْعَةً سِتًّا فِی الْاَرْضِ وَوَاحِدًا فِی السَّمَآءِ قَالَ فَاَیُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءَ قَالَ یَا حُصَیْنُ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ کَلِمَتَیْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا اَسْلَمَ حُصَیْنٌ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِیَ الْکَلِمَتَیْنِ اللَّتَیْنِ وَعَدْتَنِیْ فَقَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ ۔(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۲۳۶۲) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے[۱] فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے اے حصین تم آج کل کتنے معبودوں کو پوجتے ہو میرے والد بولے سات چھ زمین کے[۲] اور ایک آسمان کا تو فرمایا کہ ان میں سے خوف و امید کس سے رکھتے ہو بولے اس آسمان والے سے[۳] فرمایا اے حصین اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہیں دو دعائیں ایسی سکھاؤں جو تمہیں بہت فائدہ دیں[۴] فرماتے ہیں جب حصین مسلمان ہو گئے تو عرض کیا یا رسول اللہ مجھے وہ دعائیں سکھایئے جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا[۵] فرمایا یہ پڑھا کرو الٰہی مجھے میری ہدایت کا الہام کر اور مجھے میرے نفس کی شرارت سے پناہ دے[۶] (ترمذی)

(۲۳۶۲)[۱] آپ کا نام عمران کنیت ابوالخیر ہے خزاعی کعبی ہیں۔ خیبر کے سال اپنے والد حصین کے ساتھ ایمان لائے عہد فاروقی میں بصرے بھیجے گئے' پھر وہاں رہ گئے بصرے ہی میں ۵۲ ہجری میں وفات ہوئی' ابن سیرین فرماتے ہیں کہ عمران جیسا پرہیزگار و افضل کوئی بصرہ میں نہ تھا' آپ کو فرشتے سلام کرتے تھے' (کتاب الکاشف مولانا عبدالحق' از حاشیہ اکمال)[۲] یعنی لات' منات' یغوث' یعوق' نسر' عزے' ان تمام کا ذکر قرآن شریف میں ہے' یہ تمام بت عورتوں کے نام پر تھے' مگر چونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کو ساتواں معبود کہا گیا تو مونث نہیں ہے اس لئے سبعۃ ت سے کہا جو مذکر کے لئے بولا جاتا ہے'[۳] یعنی مصیبت میں فریاد' حاجت میں داد اس رب سے چاہتے ہیں جو آسمان والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے باقی یہ چھ تو اعزازی یا ٹمپریری (Temporary) ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں رہتا ہے' چونکہ ابھی یہ کافر تھے' اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کسی بات کی تردید نہ فرمائی' لہٰذا اس خاموشی سے یہ لازم نہیں کہ اسلام کا بھی یہ عقیدہ ہے[۴] سبحان اللہ کیسی نفیس تبلیغ ہے کسی کو لالچ دے کر کسی کو ڈرا کر' کسی کو اپنا دیوانہ بنا کر دعوت اسلام دی' حضرت بلال کو کیا دے کر بلایا' اپنا عشق دے کر' اپنا شوق دے کر' یوں کہو سب کچھ دے کر ان کا سب کچھ دکھ درد دور کر دیا[۵] یعنی حضرت حصین اس وقت تو ایمان نہ لائے مگر تیر نظر کے گھائل ہو چکے تھے' اس گھاؤ نے اپنا کام کر دیا' کچھ عرصہ بعد ایمان لائے تو یہ وعدہ یاد دلایا۔ جاگ لگانے کے کچھ دیر بعد دہی جمتا ہے[۶] ہر شخص کی خاص ہدایت جدا گانہ ہے جو رب تعالیٰ نے اس کے نصیب میں رکھی ہے' کسی کو صرف ایمان کی ہدایت' کسی کو تقویٰ

کی کسی کو عرفان کی، کسی کو عشق رحمان کی، مقصد یہ ہے کہ مولیٰ میں ایمان تو لے آیا، اب میرے نصیب میں جو مخصوص ہدایت تو نے رکھی ہے، وہ عطا فرما اور میرا نفس شرارتوں کی جڑ ہے اس کی شر سے مجھے بچا، لہٰذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ حضرت حسینؓ ہدایت تو پا چکے تھے پھر ہدایت کیوں مانگی، ہدایت کی تحقیق، اس کے اقسام ہماری تفسیر نعیمی میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی شرح میں ملاحظہ فرمایئے، خیال رہے کہ شیطان کی شرارت سے نفس کی شرارت زیادہ ہے کہ شیطان تو لاحول وغیرہ سے بھاگ جاتا ہے یہ مار آستین کسی عمل سے قبضہ میں نہیں آتا ہے، صرف رب تعالیٰ کے فضل سے آتا ہے۔

وَ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا فَزِعَ اَحَدُكُمْ فِي النَّوْمِ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو يُعَلِّمُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وَلَدِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَهَا فِيْ صَكٍّ ثُمَّ عَلَّقَهَا فِيْ عُنُقِهٖ

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَهٰذَا لَفْظُهٗ)

(۲۳۶۳) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی خواب سے گھبرا جائے۱ تو کہہ لے میں اللہ کے پورے کلمات کی پناہ لیتا ہوں۲ اس کی ناراضی اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر اور شیطانوں کے وسوسوں سے۳ اور ان کی حاضری سے تو تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچے گا۴ عبداللہ ابن عمرو اپنی بالغ اولاد کو یہ سکھا دیتے تھے اور ان میں سے نابالغوں کے گلے میں کسی کاغذ پر لکھ کر ڈال دیتے تھے۵ (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی کے یہ لفظ ہیں۔

(۲۳۶۳) ۱؎ یا سوتے میں برا خواب دیکھ کر گھبرائے، یا سوتے وقت برے خواب کے خطرے سے گھبرائے، پہلی صورت میں تو اس برے خواب کا ظہور نہ ہوگا، دوسری صورت میں یہ شخص بدخوابی سے بچے گا، ۲؎ پورے کلمات کی شرح گزر چکی کہ اس سے مراد اسماء الٰہیہ ہیں یا آیات قرآنیہ یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کلمات اللہ ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ۔ ۳؎ عقاب سے مراد عذاب یا حجاب ہے، اور بندوں کی شر سے مراد ظلم، گناہ وغیرہ، اور شیطان کے وسوسوں سے مراد فتنے اور برے عقیدے ہیں، بہت ہی جامع و مکمل دعا ہے۔ ۴؎ اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ اگر سونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لی گئی تو بدخوابی سے حفاظت ہوگی اور اگر برا خواب دیکھ کر پڑھی تو وہ خواب باطل ہو جائے گا انشاء اللہ اس کا ظہور نہ ہوگا یعنی حضرت عمرو ابن شعیب کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاص سمجھدار بچوں کو تو یہ دعا یاد کرا دیتے تھے تاکہ وہ خود پڑھ لیا کریں، اور ناسمجھ بچے جو نہ یاد کر سکیں ان کے گلے میں اس دعا کا تعویذ بنا کر ڈال دیتے تھے، یہاں بالغ سے مراد سمجھ دار ہے، اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ آیات قرآنیہ اسمائے الٰہیہ اور دعوات ماثورہ کا جو فائدہ پڑھنے سے ہوتا ہے وہ ہی فائدہ بفضلہٖ تعالیٰ لکھ کر ساتھ رکھنے سے ہوتا ہے، لو کے زمانے میں لوگ اپنے ساتھ پیاز رکھتے ہیں تو لو سے محفوظ رہتے ہیں، جب پیاز لو سے بچا سکتی ہے تو اسماء الٰہیہ پاس رکھنے سے آفات سے بچاؤ ہو سکتا ہے، دوسرے یہ کہ تعویذ لکھنا ہاتھ یا گلے میں باندھنا سنت صحابہ ہے، جن تعویذ گنڈوں سے منع کیا ہے وہ کفار کے جنتر منتر کے تعویذ ہیں جن میں شرکیہ الفاظ ہوں، تیسرے یہ کہ دعاؤں کے الفاظ بھی نافع ہیں اور ان کے نقوش بھی بلکہ وہ کاغذ بھی جن پر یہ نقوش لکھے جائیں، بعض دعائیں لکھ کر دھو کر ان کا پانی پلایا جاتا ہے، ان کی اصل بھی یہ حدیث بن سکتی ہے، اس پانی اور اس کاغذ کو اللہ کے نام سے نسبت ہوگئی تو شفا بن گئے، حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے سونے کے بچھڑے میں جان ڈال دی، ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا دھوون شفا تھا (قرآن حکیم)، آپ

زمزم شفا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایڑی سے جاری ہوا۔ (حدیث پاک)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنَ النَّارِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

(۲۳۶۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ سے تین بار جنت مانگے تو جنت کہتی ہے الٰہی اسے جنت میں داخل فرمادے اور جو تین بار آگ سے پناہ مانگے تو آگ کہتی ہے الٰہی اسے آگ سے امان دے دے[1] (ترمذی،نسائی)

(۲۳۶۴)[1] یعنی جو روزانہ صبح شام یا دن میں ایک بار یا عمر میں ایک بار تین دفعہ یہ کہے اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ اور تین دفعہ یہ کہہ لے اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ تو خود جنت اس کے لئے داخلہ کی دعا کرے گی اور خود دوزخ اپنے سے پناہ کی بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گی، حق یہ ہے کہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں، جنت کے در و دیوار، برگ و بار، وہاں کے حور و غلمان و فرشتے سبھی اس کے لئے دعا کرتے ہیں، قرآن کریم فرماتا ہے: وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (۵۰،۳۰) وہ عرض کرے گی کچھ اور زیادہ ہے (کنزالایمان) آگ کہے گی اے خدا مجھے اور زائد کردے اور فرماتا ہے: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (۱۷،۴۴) اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے (کنزالایمان) ہر چیز رب تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے، حضور علیہ السلام سے پتھروں، لکڑیوں نے کلام کیا، لہذا نہ تو یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ جنت بزبان حال کہتی ہے اور نہ یہ کہ وہاں کے حور و غلمان و ملائکہ کہتے ہیں (لمعات و مرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنِ الْقَعْقَاعِ اَنَّ كَعْبَ الْاَحْبَارِ قَالَ لَوْ لَا كَلِمَاتٌ اَقُوْلُهُنَّ لَجَعَلَتْنِيْ يَهُوْدُ حِمَارًا فَقِيْلَ لَهٗ مَا هُنَّ قَالَ اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ لَيْسَ شَيْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

(۲۳۶۵) روایت ہے حضرت قعقاع سے کہ جناب کعب احبار فرماتے ہیں[1] کہ اگر میں تین کلمات نہ کہہ لیتا ہوتا تو یہود تو مجھے گدھا بنا دیتے[2] ان سے عرض کیا گیا وہ کیا ہیں فرمایا پناہ لیتا ہوں میں اللہ کی عظمت والی ذات کی جس سے بڑی کوئی چیز نہیں اور اللہ کے پورے کلموں کی جن سے کوئی نیک کار و بدکار آگے نہیں بڑھ سکتے اور اللہ کے اچھے ناموں کی جو مجھے معلوم ہیں اور معلوم نہیں ان تمام کی شر سے جنہیں رب نے پیدا کیا پھیلایا اور ٹھیک کیا[3] (مالک)

(۲۳۶۵)[1] قعقاع تابعی ہیں، کعب احبار یہود کے بڑے عالم تھے، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کر سکے، زمانہ فاروقی میں ایمان لائے، لہذا دونوں حضرات تابعی ہیں۔[2] یعنی میرا اسلام یہود پر اتنا گراں ہے اور وہ میرے ایسے دشمن ہو گئے ہیں کہ اگر میرے پاس یہ عمل نہ ہوتا تو جادوگر یہودی اپنے جادو کے زور سے میری شکل یا میری عقل گدھے کی سی کر دیتے، خیال رہے کہ جادو سے عقل بھی خراب کی جاسکتی ہے اور اگر جادو قوی ہو تو شکل بھی بدل جاتی ہے، فرعون کے جادوگروں نے رسوں اور بلوں کو سانپ بنا دیا تھا، مگر حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، بعض ... میں حقیقت تبدیل ہو

جاتی ہے' عصائے موسوی واقع میں سانپ بن جاتا اس کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی میں دیکھو(از مرقات و لمعات) ۳؎ یعنی میں اللہ کی ذات اور اس کے ان کلموں کی پناہ لیتا ہوں کہ جسے ان کی حفاظت نصیب ہو جائے وہ ہر برے بھلے کے شر سے بچ جائے' ان کے حصار کو نہ توڑ سکے' برے سے مراد شیاطین ہیں اور بھلے سے مراد انسان' کہ یہ بذات خود تو بھلا ہے مگر اس میں کبھی شر پیدا ہو جاتی ہے' کلمات اللہ کے معنی بارہا بیان کیے جا چکے۔ ۴؎ اس دعا میں اللہ تعالٰی کی ذات اور اللہ کے کلمات یعنی آیات قرآنیہ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالٰی کے ناموں کی پناہ لی گئی ہے' معلوم ہوا کہ ماسوی اللہ کی پناہ لینا جائز ہے' خلق ذرءاور برءتینوں قریب المعنٰی ہیں' عدم سے وجود بخشنا خلق ہے' موجودات کو عالم میں پھیلانا ذرء اور ہر چیز کو اس کے حال کے مطابق صورت و سیرت بخشنا برء(اشعہ)

وَعَنْ مُسْلِمِ بْنِ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ كَانَ اَبِیْ يَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ فَكُنْتُ اَقُوْلُهُنَّ فَقَالَ اَیْ بُنَیَّ عَمَّنْ اَخَذْتَ هٰذَا قُلْتُ عَنْكَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُهُنَّ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ وَرَوٰى اَحْمَدُ لَفْظَ الْحَدِيْثِ وَعِنْدَهٗ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ۔

(۲۳۶۶) روایت ہے حضرت مسلم ابن ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ میرے والد ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے۔ الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں' کفر' فقیری' اور قبر کے عذاب سے تو میں بھی پڑھنے لگا ۱؎ آپ نے فرمایا اے میرے بچے تو نے یہ دعا کس سے لی میں نے کہا آپ سے ۲؎ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے ۳؎ (ترمذی' نسائی) لیکن نسائی نے نماز کے بعد کا ذکر نہ کیا اور احمد نے اس حدیث کے الفاظ روایت کئے اور ان کے نزدیک ہر نماز کے پیچھے ہے۔

(۲۳۶۶) ۱؎ نماز کے بعد سے مراد ہے سلام پھیرنے کے بعد کفر سے ہر قسم کا کفر مراد ہے' اور فقر سے فقیری کے فتنے یا کفران نعمت یعنی دل کا فقر مراد ہے' عذاب قبر سے وہ اعمال مراد ہیں' جو عذاب قبر کا باعث ہوں اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کے سامنے تلاوت قرآن اور دعاؤں کا ورد چاہیے' تاکہ وہ اچھی باتیں سیکھیں' اب تو مسلمان بچوں کو گانا بجانا سکھاتے ہیں' ۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ دعائے ماثورہ جو بزرگوں سے منقول ہو اس دعا سے بہتر ہے جو ہم خود بنائیں کیونکہ اس میں الفاظ اور زبان دونوں کی تاثیریں جمع ہوتی ہیں' ۳؎ یعنی میں بھی اس دعا کا موجد نہیں ہوں بلکہ حضور علیہ السلام کا ناقل ہوں' اس حدیث کی بنا پر صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی دعائیں محض سن کر پڑھنا بھی مفید ہیں' اگر کسی عامل کی اجازت بھی مل جائے تو بہت اچھا۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالدَّيْنِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَعْدِلُ الْكُفْرَ بِالدَّيْنِ قَالَ نَعَمْ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ قَالَ رَجُلٌ وَيَعْدِلَانِ قَالَ نَعَمْ (رَوَاهُ النَّسَائِیُّ ۔)

(۲۳۶۷) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں کفر اور قرض سے ۱؎ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کفر کو قرض کے برابر سمجھتے ہیں فرمایا ہاں ۲؎ اور ایک روایت میں ہے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر اور فقیری سے ایک شخص بولا کیا یہ دونوں برابر ہیں فرمایا ہاں ۳؎ (نسائی)

(۲۳۶۷) ۱؎ قرض سے وہ قرض مراد ہے جو مقروض پر غالب آجائے جسے مقروض ادا نہ کرسکے اور اس کی وجہ سے وہ ذلیل اور رسوا ہو لہذا

حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرض تو لیا ہے' کیونکہ جس قرض سے پناہ مانگی ہے وہ اور قرض ہے' اور جو لیا وہ اور ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ ضرورۃً خصوصاً نکاح' دوسری دینی ضرورتوں کے لئے قرض لینا سنت ہے جبکہ ادا کی پوری نیت ہو' نکاح کے قرض سے مراد بھاری جہیز یا حرام رسموں کے لئے قرض نہیں' یہ تو فضول خرچی ہے بلکہ وہ ضروری خرچ مراد ہیں جو حدیث شریف سے ثابت ہیں۔ ۲؎ کیونکہ مجبور مقروض اکثر جھوٹے وعدے کرتے ہیں' جھوٹے وعدے منافق کی علامت ہیں' نیز کافر کا مسلمان مقروض کبھی قرض کے دباؤ میں اسلام چھوڑ دیتا ہے' جیسا کہ ضلع متھرا اور ضلع آگرہ کے ملکھانہ راجپوتوں میں دیکھا گیا' شدھی کا فتنہ زیادہ تر قرض سے پھیلا' ۳؎ کیونکہ فقیر بے صبرے عموماً چوری' جھوٹی گواہی دے کر گناہ تو کیا ہی کرتے ہیں مگر کبھی رب تعالٰی کی ایسی شکایتیں کر ڈالتے ہیں جو صریح کفر ہوتی ہیں' یہاں وہ ہی فقر مراد ہے' جس کے ساتھ بے صبری ہو الفقر فخری والا فقر کچھ اور ہے۔

بَابُ جَامِعِ الدُّعَآءِ
باب جامع دعائیں

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

گزشتہ بابوں میں خاص اوقات یا خاص مقاصد کی دعائیں مذکور ہوئیں' اس باب میں وہ دعائیں بیان ہوں گی جو کسی وقت اور کسی حالت و مقصد سے خاص ہیں جن کے الفاظ تھوڑے' معنی و مقصد بہت زیادہ ہیں (اشعہ و مرقات)

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ یَدْعُوْا بِهٰذَا الدُّعَآءِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَهَزْلِیْ وَخَطَائِیْ وَعَمَدِیْ وَکُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۳۶۸) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ الٰہی میری خطائیں' میری نادانی اور میرے ہر کام میں حد سے بڑھ جانے کو بخش دے ۱؎ اور جو کچھ تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے اسے بخش دے ۲؎ الٰہی میری دانستہ اور نادانستہ اور ساری خطائیں اور برے ارادے جو میرے پاس ہیں ۳؎ بخش دے الٰہی وہ بخش دے جو میں نے آگے کئے اور جو پیچھے کئے جو چھپ کر کئے ۴؎ اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے ۵؎ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے تو ہی پیچھے کر دینے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے ۶؎

(مسلم بخاری) ۷؎

(۲۳۶۸) ۱؎ خطا سے مراد مطلقاً گناہ ہیں اور جہل سے مراد ان چیزوں سے ناواقفیت جن سے واقف ہونا فرض تھا یا وہ بدعملیاں ہیں جو دینی احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے سرزد ہو جائیں اسراف سے مراد مطلقاً زیادتی ہے یعنی بندگی کی حدود توڑ دینا' اسراف خطاء سے زیادہ عام ہے ۲؎ یعنی میرے سارے وہ گناہ جو مجھے یاد بھی نہ رہے یا وہ گناہ جنہیں میں نیکی سمجھ کر کر بیٹھا' مگر واقع میں وہ گناہ تھے وہ بھی بخش دے ۳؎ یعنی میرے سارے وہ گناہ جو ابھی تک بخشے نہ گئے بلکہ میرے پاس یعنی میرے نامہ اعمال میں موجود ہیں وہ بخش دے خیال رہے کہ

میرے ارادے بھی گناہ ہیں ہاں میرے خیالات جو غیر اختیاری طور پر دل میں آجائیں وہ معاف ہیں۔ لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب میرے ارادے گناہ ہی نہیں تو ان سے معافی مانگنے کے کیا معنی‘ ۴؎ یعنی پرانے اور نئے گناہ یوں ہی علانیہ اور خفیہ گناہ بخش دے‘ علانیہ خفیہ سے زیادہ برے ہیں کیونکہ گناہ کا اظہار بھی تو گناہ ہے ۵؎ میرے وہ گناہ بھی بخش دے جو میرے خیال میں تو معمولی وصغیرہ ہیں‘ مگر تیرے علم میں بڑے ہیں اور کبیرہ ہیں‘ خیال رہے کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے‘ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (۳:۱۳۵) اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں (کنزالایمان) اور کبھی بندے کے منہ سے ایک معمولی سی بات نکل جاتی ہے۔ جسے بندہ محسوس ہی نہیں کرتا‘ مگر رب تعالٰی کے نزدیک بندہ اس سے دوزخی بن جاتا ہے اس قسم کی تمام دعائیں ہماری تعلیم کے لئے ہیں ورنہ حضرات انبیاء بعد نبوت تو گناہ صغیرہ یا کبیرہ سے معصوم ہیں اور قبل نبوت گناہ کبیرہ سے‘ اور ان صغیرہ گناہوں سے معصوم ہیں جو نفرت کا باعث ہوں اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نبوت سے پہلے یا بعد کبھی کسی گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا چہ جائیکہ گناہ کرنا۔ اس عصمت انبیاء کی نفیس تحقیق ہماری کتاب ''قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء'' میں ملاحظہ کیجئے اور یہاں مرقات نے بھی اس پر کچھ بحث کی ہے‘ تفسیرات احمدیہ اور شرح فقہ اکبر میں اس مسئلہ پر مکمل بحث کی۔ ۶؎ یعنی تو جسے چاہے توفیق خیر دے کر اس کے درجے بلند کر دے اور جسے چاہے توفیق نہ دے جس سے وہ اپنی بدعملیوں کے باعث دوزخ میں پہنچ جائے‘ لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ جب رب تعالٰی نے ہمیں پیچھے کر دیا تو ہمارا کیا قصور ہے‘ کیونکہ ہمارا پیچھے ہٹ جانا اپنی بدعملی سے ہے ۷؎ یہ حدیث ابوداؤد‘ ترمذی اور نسائی نے بھی مختلف طریقوں سے نقل فرمائی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِيْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْيَایَ الَّتِیْ فِيْهَا مَعَاشِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِيْهَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَيٰوةَ زِيَادَةً لِّیْ فِیْ كُلِّ خَيْرٍ وَّ اجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّیْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۳۶۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے الٰہی میرا دین ٹھیک فرما دے جو میرے کام کی حفاظت ہے ۱؎ اور میری دنیا درست کر دے جس میں میری زندگی ہے ۲؎ اور میری آخرت درست فرما دے جہاں مجھے لوٹنا ہے ۳؎ اور میری زندگی کو ہر بھلائی میں زیادتی بنا ۴؎ اور میری موت کو ہر تکلیف سے راحت قرار دے ۵؎ (مسلم)

(۲۳۵۹) ۱؎ یعنی دینداری ہی وہ صفت ہے جو میرے نفس‘ مال‘ عزت وآبرو کی اصلاح کرتی ہے تو میرے دین کو درست رکھ‘ ہر چیز کی درستی دین سے ہے‘ اور دین کی درستی تیرے فضل سے‘ عقائد اخلاق کی درستی‘ دل کی سیاہی دور ہونا سب دین میں داخل ہے‘ جسے یہ نعمت مل گئی اسے سب کچھ مل گیا (لمعات) ۲؎ دنیا سے مراد صحت تندرستی اور روزی ہے‘ حلال روزی جو اطاعت الٰہی پر مدد دے رب تعالٰی کی نعمت ہے‘ اور حرام روزی جس سے انسان میں سرکشی اور غفلت پیدا ہوتی ہے اللہ کا عذاب‘ یعنی مجھے وہ تندرستی و مال دے جو تیری اطاعت میں صرف ہو‘ ۳؎ آخرت سے مراد قبر وحشر ابدالآباد تک کی زندگی ہے‘ چونکہ ہم اس عالم سے دنیا میں آئے ہیں اس لئے وہاں جانے کو لوٹنا فرمایا گیا‘ ۴؎ یعنی میری زندگی کی ہر گھڑی نیکیوں کی زیادتی کا ذریعہ ہو کہ ہر ساعت نیکیاں کرتا رہوں‘ جس سے میرا نیک نامہ اعمال پُر ہوتا رہے‘ سبحان اللہ رب تعالٰی ایسی زندگی نصیب کرے‘ سوتے وقت انسان دن بھر کا حساب لگایا کرے‘ کہ آج میں نے کتنے گناہ کئے اور کتنی نیکیاں‘ گناہوں سے توبہ کرکے نیکیوں پر شکر کرے [illegible] ۵؎ اس طرح کہ میری موت [illegible] بعد موت میں دنیا کی مشقتوں سے تو چھوٹ

جاؤں اور قبر و حشر میں مصیبت نہ دیکھوں بلکہ راحت دیکھوں' خیال رہے کہ پرہیز گار مرکر دنیا کی مصیبتوں سے چھوٹ جاتا ہے' اور لوگ اسے روتے ہیں' وہ رب تعالٰی کی رحمت دیکھ کر ہنستا ہے اور بدکار مرکر اور زیادہ مصیبتوں میں پھنس جاتا ہے' لوگ اس سے راحت پا جاتے ہیں وہ وہاں روتا ہے' اور لوگ اس کی موت پر خوشیاں مناتے ہیں' اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

شعر:

واسطہ محبوب کا دنیا میں جو سنی مرے ... یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں وہ بندہ صالح ملا ... فرش پر ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۳۷۰) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ کہا کرتے تھے الٰہی میں تجھ سے ہدایت تقویٰ' پاکدامنی اور تونگری مانگتا ہوں[۱] (مسلم)

(۲۳۷۰)[۱] ہدایت سے مراد اچھے عقائد ہیں' تقویٰ اچھے اعمال' پاکدامنی سے مراد برائیوں سے بچنا ہے' اور تونگری سے مراد مخلوق کا محتاج نہ ہونا اللہ رسول کا حاجتمند رہنا ہے' اس میں دین و دنیا کی تمام بھلائیاں مانگ لی گئیں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلِ اللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ وَسَدِّدْنِيْ وَاذْكُرْ بِالْهُدٰى هِدَايَتَكَ الطَّرِيْقَ وَبِالسَّدَادِ سَدَادَ السَّهْمِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۳۷۱) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی کہو الٰہی مجھے ہدایت دے مجھے ٹھیک رکھ[۱] اور ہدایت سے راستہ کی ہدایت کا خیال کرنا اور درستی سے تیر جیسی درستی مراد لینا[۲] (مسلم)

(۲۳۷۱)[۱] دنیا میں انسان سوار کی طرح ہے' مسافر کی سواری کتنی ہی اچھی ہو لیکن اگر اسے راستہ صحیح نہ ملے یا صحیح راستہ تو ملے' مگر اس پر صحیح چل نہ سکے' تو کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا' اس دعا کا مقصد یہ ہے کہ مولیٰ مجھے اپنے تک پہنچنے والا راستہ بھی دکھا' اور دکھا کر اس پر چلنے کی توفیق بھی نصیب کر[۲] یعنی جب یہ دعا مانگو تو ہدایت سے راہ الٰہی مراد لو جس پر چلنے سے رب تعالٰی تک پہنچا جا سکے' اور درستی و سیدھائی سے کامل درستی اور پورا سیدھا پن مراد لو' تیر کی تشبیہ سے یہ ہی مراد ہے' اس جملہ کی اور شرحیں بھی کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہت قوی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ مَالِكِ نِ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ اِذَا اَسْلَمَ عَلَّمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ ثُمَّ اَمَرَهٗ اَنْ يَّدْعُوَ بِهٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۳۷۲) روایت ہے حضرت ابو مالک اشجعی سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اسلام لاتا تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سکھاتے[۱] پھر اسے حکم دیتے کہ ان کلمات سے دعا مانگا کرے' الٰہی مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر مجھے ہدایت دے مجھے عافیت دے۔ مجھے روزی دے[۲] (مسلم)

(۲۳۷۲)[۱] معلوم ہوا کہ مسلمان ہوتے ہی نماز فرض ہو جاتی ہے' جب تک کہ قرآن شریف و دیگر ارکان یاد نہ ہوں وہ جماعت سے ادا کرتا رہے' اور بہت جلد خود یاد کرے' یہاں نماز سے مراد ترتیب وار نماز کے مسائل ہیں'[۲] ہدایت سے مراد یا تو ملی ہوئی ہدایت پر قائم رکھنا ہے یا ایمان کی ہدایت کے بعد نیک اعمال کی ہدایت مانگنا ہے' عافیت سے مراد دینی و دنیاوی امان ہے' رزق سے مراد حلال روزی ہے۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ اَکْثَرُ دُعَآءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَافِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَاعَذَابَ النَّارِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۳۷۳) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ دعا یہ تھی[۱] الٰہی ہم کو دنیا میں بھلائی دے[۲] اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ سے بچالے (مسلم بخاری)[۳]

(۲۳۷۳)[۱] کہ آپ نماز کے اندر اور دعا بعد نماز میں اور اس کے علاوہ اکثر حالات میں یہ دعا مانگا کرتے تھے[۲] یہ دعا بہت ہی جامع ہے جس میں دین و دنیا کی ساری نعمتیں مانگی گئی ہیں، رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی یہ دعا سکھا کر اس کے مانگنے والوں کے متعلق فرمایا: اُولٰٓئِکَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا کَسَبُوْا (۲۰۲،۲) ایسوں کو ان کی کمائی سے بھاگ (خوش نصیبی) ہے (کنزالایمان) قرآن شریف میں اس دعا اور استغفار کے بڑے فوائد بیان فرمائے، مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے پالنے والے ہم کو موت سے پہلے والی تمام نعمتیں عطا فرما جیسے صحت روزی نیکیوں کی توفیق، دین پر استقامت، حسن خاتمہ، علم و عمل وغیرہ اور آخرت کی تمام نعمتیں بخش جیسے حساب قبر و حشر میں آسانی و کامیابی اعمال کی قبولیت، جنت اور وہاں کی تمام نعمتیں اور ہم کو دوزخ سے بالکل بچالے کہ وہاں کا عذاب ہم کو بالکل نہ چھوئے یہ نہ ہو کہ سزا پا کر جنت میں جائیں، حضرت شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ اس کے مانگتے وقت تمام نیکیوں کا خیال کر لینا چاہیے، بہتر یہ ہے کہ دنیا کی نعمت سے کمال مصطفوی اور آخرت کی بھلائی سے جمال مصطفوی مراد لے یعنی ہم کو دنیا میں ان کے کمال کا چھینٹا دے، آخرت میں ان کا جمال دکھا کہ ان میں سب کچھ آ گیا[۳] اسے ابوداؤد، نسائی نے بھی روایت کیا، حصن حصین شریف میں رَبَّنَا اٰتِنَا ہے، اگر اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا کہے تو بہتر ہے کہ اس میں دونوں روایتوں پر عمل ہے، اور اگر فقط ربنا اتنا کہے تو بھی ٹھیک ہے کہ قرآن کریم میں یوں ہی ہے (از مرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْعُوْا یَقُوْلُ رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْکُرْلِیْ وَلَا تَمْکُرْ عَلَیَّ وَاهْدِنِیْ وَیَسِّرِ الْهُدٰی لِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ بَغٰی عَلَیَّ رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ شَاکِرًا لَّکَ ذَاکِرًا لَّکَ رَاهِبًا لَّکَ مِطْوَاعًا لَّکَ مُخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاهًا مُّنِیْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِیْ وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَثَبِّتْ حُجَّتِیْ وَسَدِّدْ لِسَانِیْ وَاهْدِ قَلْبِیْ وَاسْلُلْ سَخِیْمَةَ صَدْرِیْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۳۷۴) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے تو یوں عرض کرتے۔ یا رب میری مدد کر مجھ پر مدد اوروں کو نہ دے[۱] مجھے نصرت بخش میرے مقابل نصرت نہ دے[۲] میرے لئے تدبیر فرما میرے مقابل تدبیر نہ فرما[۳] مجھے ہدایت دے اور میرے لئے ہدایت آسان فرما[۴] مجھے ان پر فتح دے جو مجھ پر بغاوت کریں[۵] یارب مجھے اپنا شکر گزار اپنا ذاکر اپنے سے خوف کرنے والا اپنا مطیع تیری طرف رجوع کرنے والا آہ و زاری کرنے والا لوٹنے والا بنا[۶] یارب میری توبہ قبول کر میرے گناہ دھو دے میری دعا قبول فرما[۷] میری دلیل مضبوط کر، میری زبان درست رکھ۔ میرے دل کو ہدایت دے میرے سینے کی سیاہی دور کر دے[۸] (ترمذی ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۲۳۷۴)[۱] یعنی اپنے ذکر و شکر اور اچھی عبادت پر میری مدد فرما اور جن و شیاطین امارہ کو میرے مقابل مدد نہ دے کہ وہ مجھے نیک اعمال سے

روکیں ۲؎ یعنی کفار پر مجھ کو غلبہ دے ان کو ہم پر غلبہ نہ دے کفار خواہ انس ہوں یا جن یا ہمارے نفوس ان سب کو ہمارا مطیع بنا ہم کو ان کا فرمانبردار نہ کر بلکہ اپنا فرماں بردار رکھ ۳؎ رب تعالٰی کے مکر کے یہ ہی معنی مناسب ہیں نہ کہ فریب و دھوکہ یہ عیوب ہیں رب تعالٰی عیوب سے پاک ہے یعنی مجھے دشمنوں کے مقابل خفیہ تدبیروں کی تلقین کر انہیں میرے مقابل تدبیریں نہ القا کر ۴؎ جس سے مجھے نیک اعمال آسان معلوم ہوں گناہ گراں و بھاری یہ دونوں نعمتیں رب تعالٰی کے کرم سے نصیب ہوتی ہیں ۵؎ بغاوت سرکشی کرنے والے خواہ دشمن جان ہوں یا دشمن ایمان یا دشمن مال یا دشمن آبرو ۶؎ یہ وہ صفات ہیں جو مسلمان میں ہونی چاہئیں راہب کے معنی ہیں ظاہر و باطن ہر حال میں رب سے ڈرنے والا دنیا میں نہ پھنسنے والا جس رہبانیت سے حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے وہ معنی ترک دنیا ہے کہ اسلام میں تارک الدنیا ہو کر جوگی سادھو بن جانا منع ہے لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں مخبت کے معنی ہیں نیچی زمین میں اتر جانے والا خبت پست زمین کو کہتے ہیں اب اسے تواضع و ترقی کرنے والے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاَخْبَتُوْۤا اِلٰی رَبِّهِمْ (۲۳،۱۱) اور اپنے رب کی طرف رجوع لائے (کنزالایمان) اواہ مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت آہ وزاری کرنے والا خوف خدا میں کانپنے لرزنے والا رب تعالٰی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں فرماتا ہے اواہ منیبا ۷؎ یعنی اے مولٰی مجھے تمام شرائط کی جامع توبہ نصیب فرما پھر اسے قبول بھی فرما رب تعالٰی فرماتا ہے: تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (۸،۶۶) اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے (کنزالایمان) توبہ نصوح وہ ہے جو تمام شرائط کی جامع ہو بارگاہ عالی میں قبول ہو اور بندہ پھر توبہ کبھی توڑے نہیں حوب کے لغوی معنی ہیں جھڑک ڈانٹ اصطلاح میں گناہ کو حوب کہتے ہیں کہ یہ جھڑک کا ذریعہ ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا (۲،۴) بےشک یہ بڑا گناہ ہے (کنزالایمان) گناہ دل کا میل ہے رب تعالٰی کی مہربانی اس کا پانی قبولیت دعا بھی اللہ کی رحمت ہے جس قدر تقوٰی زیادہ اسی قدر دعا کی قبولیت زیادہ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کی بےقراری قبول دعا کے لئے اکسیر ہے رب تعالٰی فرماتا ہے اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ (۶۲،۲۷) یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے (کنزالایمان) اس لئے مظلوم کی دعا قبول ہے اگرچہ وہ فاسق ہو کہ اس کا دل بےقرار ہے ۸؎ ان جملوں میں چار چیزیں مانگیں دنیا و آخرت میں اپنی دلیل قوی ہونا کہ ہم کفار کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت ثابت کرسکیں زبان کا سیدھا چلنا کہ زبان اگر سیدھی چلے تو زبان ہے اور اگر ٹیڑھی چلے تو زبون یعنی فساد اور اگر زیادہ چلے تو زیان یعنی نقصان دل کی ہدایت کہ اگر دل ٹھیک ہوگیا تو سب کچھ ٹھیک ہے اور سینہ کی صفائی تاکہ یہ مدینہ بن جائے جس میں رحمت کا خزینہ ہے۔ شعر:

بنا دو میرے سینہ کو مدینہ نکالو بحر غم سے یہ سفینہ

وَعَنْ اَبِىْ بَكْرٍ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَكٰى فَقَالَ سَلُوا اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فَاِنَّ اَحَدًا لَمْ يُعْطَ بَعْدَ الْيَقِيْنِ خَيْرًا مِنَ الْعَافِيَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِىُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا

(۲۳۷۵) روایت ہے حضرت ابوبکر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر قیام فرما ہوئے پھر روئے ۱؎ تو فرمایا اللہ سے معافی اور امن مانگو ۲؎ کیونکہ کسی کو ایمان کے بعد امن سے بہتر کوئی نعمت نہ ملی ۳؎ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن ہے غریب ہے۔

(۲۳۷۵) ۱؎ حضور علیہ السلام کا یہ رونا اپنی امت کے آئندہ حالات ملاحظہ فرما کر تھا کہ اکثر لوگ فتنوں شہوت مال کی حرص اقتدار کی خواہش میں گرفتار ہو جائیں گے (مرقات) ۲؎ معافی سے مراد گناہوں کی معافی ہے اور عافیت سے مراد ہے کہ لوگ تم سے اور تم لوگوں سے

امن میں رہو یا دین کا فتنوں سے اور بدن کا سخت بیماریوں سے محفوظ رہنا یعنی گناہوں سے معافی اور زندگی، موت، قبر حشر کی آفتوں سے سلامتی مانگو (لمعات) ۳؎ حق یہ ہے کہ ایمان بھی عافیت ہی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور ایمان کے معنی ہی ہیں اپنے کو آفتوں سے امن و عافیت دینا۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا جَآءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الدُّعَآءِ اَفْضَلُ قَالَ سَلْ رَبَّكَ الْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ثُمَّ اَتَاهُ فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الدُّعَآءِ اَفْضَلُ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَاهُ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ فَاِذَا اُعْطِيْتَ الْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَقَدْ اَفْلَحْتَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا ۔

(۲۳۷۶) روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا یا رسول اللہ دعا کون سی افضل ہے ۱؎ فرمایا اپنے رب سے دنیا و آخرت میں امن و چین مانگو ۲؎ پھر وہ دوسرے دن حاضر ہوا عرض کیا یا رسول اللہ کون سی دعا افضل ہے۔ حضور نے اسی طرح پھر فرمایا ۳؎ پھر وہ تیسرے دن حاضر ہوا پھر اسی طرح عرض کیا حضور نے فرمایا کہ جب تجھے دنیا و آخرت میں امن و معافی دے دی جائے تو تو کامیاب ہو جائے گا ۴؎ (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے اسناد سے غریب ہے ۵؎

(۲۳۷۶) ۱؎ یعنی مجھے کون سی دعا زیادہ فائدہ مند ہے یا سارے لوگوں کے لئے ساری دعاؤں میں سے کون سی افضل، اس سوال سے معلوم ہوا صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں، ہم غلطی سے نقصان دہ دعائیں بھی مانگ لیتے ہیں، حضور کی بتائی ہوئی دعا میں یہ احتمال نہیں، اسی لئے دعا ماثور جو بزرگوں سے منقول ہو غیر ماثورہ سے افضل ہے ۲؎ یعنی دین و بدن میں امن اور مخلوق کی شر سے چین کہ کوئی جن وانس ہمیں بے چین نہ کر سکے نہ دنیا میں نہ آخرت میں ۳؎ خیال یہ تھا کہ شاید لمبی چوڑی دعائیں جن میں وقت بہت صرف ہو مانگنی چاہئیں اس مختصر دعا کی اہمیت نہ سمجھ سکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ تھا کہ میرے غلام کام کاج والے ہیں انہیں چھوٹی مگر جامع دعائیں بتائی جائیں تاکہ ان کے دنیوی کام بھی بند نہ ہوں، اس لئے یہ سوال جواب واقع ہوئے ۴؎ کیونکہ معافات میں جسمانی، روحانی، نفسانی، شیطانی تمام آفتوں سے سلامتی شامل ہے، جسے ان تمام آفات سے امن مل گئی، اس کے لئے باقی کونسی چیز رہ گئی اس لئے لمبی دعا کی خواہش نہ کر ۵؎ خیال رہے کہ اسناداً غریب کی تمیز ہے نہ کہ حسن کی، کیونکہ غرابت کبھی متن حدیث میں ہوتی ہے کبھی اسناد حدیث میں مگر حسن صرف اسناد ہی کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ متن کے، اس کے لئے اسناداً کہنے کی ضرورت ہی نہیں طبرانی میں حضرت عباس سے روایت اس طرح ہے کہ ایک بار میں نے بارگاہ اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے کچھ دعا سکھائیے، سرکار نے فرمایا اللہ سے عافیت مانگو کچھ روز بعد پھر میں حاضر ہوا اور میں نے یہ ہی عرض کیا تو فرمایا کہ چچا جان عافیت کی دعا زیادہ مانگا کرو کیونکہ یہ دعا مقاصد حاصل کرنے اور بلائیں دفع کرنے کے لئے کافی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُعَآئِهٖ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنِيْ حُبُّهٗ عِنْدَكَ

(۲۳۷۷) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن یزید خطمی سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی مجھے اپنی محبت نصیب کر اور اس کی محبت بھی جس کی محبت تیرے ہاں نفع

اَللّٰھُمَّ مَارَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ اَللّٰھُمَّ مَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّهٗ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

دے۲ الٰہی مجھے جو تو میری پسندیدہ چیز دے تو اس میں مجھے اس کی قوت بخش جسے تو پسند فرماتا ہے۳ الٰہی جو میری محبوب چیز تو مجھ سے دور رکھے تو اسے میرے لئے اپنی محبوب چیز میں فراغت بنادے۴ (ترمذی)

(۲۳۷۷)۱خطم قبیلہ اوس کی ایک شاخ ہے، یہ عبداللہ انصاری ہیں، سترہ سال کی عمر میں صلح حدیبیہ میں حاضر ہوئے، اس عبارت کی دو تفسیریں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ تو اور تیرے پیارے بندے مجھ سے محبت کریں، دوسرے یہ کہ میں تجھ سے اور تیرے پیارے بندوں سے محبت کروں، ربّ تعالٰی فرماتا ہے: فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ (۵:۵۴) تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا (کنزالایمان) دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں یعنی مجھے ان لوگوں ان چیزوں ان اعمال کی محبت دے جن کی محبت آخرت میں فائدہ مند ہو، انبیاء اولیاء، قرآن مجید، کعبہ معظمہ نماز روزہ تمام کی محبتیں اس میں شامل ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بعض چیزوں کی محبت نقصان دہ ہے، بعض کی محبت دنیا میں مفید ہے۔بعض کی آخرت میں آخرت کی محبت مانگے ۲یعنی جو منہ مانگی مراد تو مجھے دے اسے اپنی رضا میں صرف کرنے کی توفیق بھی دے، جسمانی قوت، اولاد، مال کو ہمیشہ تیری راہ میں خرچ کروں تاکہ میں غنی شاکر بن جاؤں ۳یعنی اگر تو میری کسی آرزو کو پورا نہ کرے اور میری منہ مانگی مراد نہ دے، تو مجھے اپنی دی ہوئی نعمتوں اور عبادتوں میں اتنا مشغول کردے کہ مجھے اس کی ضرورت ہی نہ رہے تاکہ میں مسکین صابر بنوں، میرا دل اس مانگی مراد میں مشغول نہ رہے تاکہ میری عبادتیں ناقص نہ ہوں، رضاء بالقضاء اللہ کی نعمت ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَلَّمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْمُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتّٰی یَدْعُوَ بِھٰٓؤُلَآءِ الدَّعَوَاتِ لِاَصْحَابِہٖ اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِہٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُھَوِّنُ بِہٖ عَلَیْنَا مُصِیْبَاتِ الدُّنْیَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْیَیْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰی مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

(۲۳۷۸) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم کسی مجلس سے اٹھتے حتی کہ اپنے صحابہ کیلئے یہ دعائیں مانگ لیتے۱ الٰہی ہمیں اپنے خوف سے وہ حصہ عطا فرما جس سے تو ہمارے اور اپنی نافرمانیوں کے درمیان آڑ ہو جائے۲ اور اپنی اطاعت سے وہ حصہ دے جس سے ہمیں تو اپنی جنت میں پہنچا دے۳ اور یقین کا وہ حصہ دے جس سے تو ہم پر دنیاوی مصیبتیں آسان کردے۴ اور ہمیں ہمارے کانوں اور آنکھوں اور قوت سے نفع دے جب تک تو ہمیں زندہ رکھے۵ اور اسے ہمارا وارث بنا۶ اور ہمارا غضب اس پر ڈال جو ہم پر ظلم کرے۷ اور ہم کو ان پر فتح دے جو ہم سے دشمنی کریں۸ اور ہمارے دین میں ہم پر مصیبت نہ دے۹ اور دنیا کو ہمارا نہ بڑا مقصود بنا اور نہ ہمارے علم کا منتہا بنا۱۰ اور ہم پر اسے مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کرے ۱۱ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۱۲

(۲۳۷۸)۱یعنی اکثر کسی مجلس سے اٹھتے وقت سرکار یہ دعا مانگ لیتے تھے اور یہ سب کچھ صحابہ کی اور ان کے ذریعہ ہماری تعلیم کے لئے تھا۔ خیال رہے کہ حضور علیہ السلام کی جن دعاؤں میں مغفرت کی طلب یا گناہوں کا اقرار ہے ان سب میں تعلیم امت مقصود ہے ورنہ سرکار خود

معصوم ہیں بلکہ ارادہ گناہ سے محفوظ ہیں۲؎ یعنی ہم سب کو اپنا دلی خوف دے جس کی برکت سے ہم گناہوں سے محفوظ رہیں، تحول واحد مخاطب ہے اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ خوف خدا اللہ کی نعمت ہے اور اس خوف کے بعد بھی ہمیں گناہوں سے رب ہی بچاتا ہے ہم خود نہیں بچتے، مطلقاً خوف خدا تو شیطان کو بھی حاصل ہے رب تعالٰی نے اس کا قول قرآن پاک میں نقل فرمایا اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (۲۸،۵) میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سارے جہان کا (کنزالایمان) خوف خدا اور عشق جناب مصطفٰی اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں، ۳؎ یعنی ہمیں اپنی بندگی کی توفیق بھی دے اور اسے قبول بھی فرما، یہاں بھی وہی اشارہ ہے کہ فقط عبادت جنت میں پہنچنے کے لئے کافی نہیں، مومن جنات اور فرشتوں کی عبادتیں انہیں جنتی نہیں بناتیں ۴؎ رب تعالٰی نے قرآن کریم میں ہر مصیبت کے بعد دو آسانیوں کی بشارت دی ہے: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (۹۴،۵) تو بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے (کنزالایمان) خدایا ہمیں اس بشارت پر ایسا یقین ہو جائے، کہ ہم ہر مصیبت کو آئندہ راحت کا پیش خیمہ سمجھیں، جس کی وجہ سے یہ زحمت رحمت بن جائے۔شعر:۔

ناخوش او خوش بود در جان من — جاں فدائے یار دل رنجان من

۵؎ یعنی ہمیں توفیق دے کہ اپنے حواس وقوتوں کے ذریعے دنیوی واخروی نفع اٹھائیں کہ انہیں تیری طاعتوں میں صرف کریں ۶؎ اس جملہ کی بہت شرحیں ہیں، بہترین شرح یہ ہے کہ وارث سے مراد میراث ہے یعنی ہمارے تقویٰ اور مذکورہ نفع کو ہماری میراث بھی بنا کہ ہمارے بعد لوگ ہماری ان صفات کو اختیار کرلیں اور فائدے اٹھائیں، ہماری میراث صرف مال نہ ہو بلکہ مال، حال، اعمال، کمال اور خوف ذوالجلال سب کچھ ہماری میراث ہو، خیال رہے کہ میراث اضطراری صرف بعض رشتہ داروں کو ملتی ہے، مگر میراث اختیاری تاقیامت، سارے انسانوں کو کنویں، مساجد، سرائیں، قبرستان وغیرہ موقوفہ چیزوں سے سبھی فائدہ اٹھاتے ہیں، یہ مال کی میراث اختیاری ہے، علماء کے علم، صوفیاء کے تقویٰ اور حضور علیہ السلام کے کمالات سے تاقیامت دنیا فائدہ اٹھائے گی، سخیوں کی کمائی میں فقیروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔شعر:۔

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم — ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم

۷؎ یعنی ہمیں توفیق دے کہ ہم بدلہ لینے میں بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑیں صرف ظالم سے ہی بدلہ لیں، جاہلیت والوں کی طرح ایک فرد کا بدلہ ساری قوم سے نہ لیں ثار کے لغوی معنی ہیں، کینہ، غصہ اور بدلہ، اس جملہ کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہتر ہے ۸؎ اس طرح کہ ہمیں ذاتی دشمنوں کو معاف کرنے کی ہمت دے اور قومی و دینی دشمنوں کو مغلوب کرنے کی طاقت دے ۹؎ یعنی ہم پر ایسی مصیبت نہ بھیج جو ہمارا دین برباد کردے کہ ہمیں بدعقیدہ بنادے یا ناقص کردے کہ ہم حرام کھانے لگیں یا عبادات میں کوتاہی کرنے لگیں ۱۰؎ یعنی نہ تو ہمارا یہ حال ہو کہ مال عزت سلطنت وغیرہ ہمارا اصل مقصد بن جائے اور نہ یہ حال ہو کہ ہمارے علم اور فکر دنیا ہی کے لئے وقف ہوں یا فقط ہم دنیاوی علوم ہی پڑھیں دینی علوم کی طرف توجہ ہی نہ دیں اور دینی علم بھی سیکھیں تو صرف اپنی تعظیم کرانے اور مال کمانے کے لئے، رب تعالٰی فرماتا ہے: وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ○ ذٰلِکَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (۵۳،۲۹،۳۰) اور اس نے نہ چاہی مگر دنیا کی زندگی یہاں تک ان کے علم کی پہنچ ہے (کنزالایمان) اس دعا میں اشارۃً فرمایا گیا کہ دنیا کا قصد اور علم سے دنیا حاصل کرنا قدرے جائز ہے بلکہ اگر یہ دنیا دین کے لئے ہو تو اس کا طلب کرنا عبادت ہے، دنیا صفر ہے اور دین عدد، صفر اگر اکیلا ہو تو کچھ بھی نہیں اور اگر عدد سے مل جائے تو اسے دس گنا کردیتا ہے ۱۱؎ یعنی دنیا میں ہم پر نفس امارہ، شیطان، کافر و ظالم سلطان کو مسلط نہ کر اور قبر و حشر میں عذاب کے فرشتوں کو ہم پر مقرر نہ فرما، لہٰذا یہ جملہ نیا ہے پہلے جملوں کی تکرار نہیں ۱۲؎ اسے نسائی نے اور حاکم نے علی شرط بخاری نقل فرمایا۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَّ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔)

(۲۳۷۹) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے الٰہی تو مجھے اس سے نفع دے جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے نافع چیزیں سکھا اور میرا علم بڑھا[1] ہر حال میں اللہ کا شکر ہے[2] اور دوزخیوں کے حال سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں[3] (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد سے غریب ہے۔

(۲۳۷۹)[1] علم چند قسم کے ہیں نقصان دہ، بیکار، صرف اپنے کو نافع، دوسروں کو بھی نافع، یہاں چوتھی قسم کے علم کی طلب ہے، بعض علم اوروں کو مفید خود اپنے کو مضر یا بیکار ہیں، اس سے بھی اللہ بچائے، جیسے بدعمل یا بے عمل عالم کا عمل، صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم بے عمل ایسا ہے جیسے شب تار میں اندھا شمع دار۔[2] یعنی رنج و خوشی، تنگی و فراخی میں اللہ کا شکر (عمل) جو شخص چھینک پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہہ کر سارے دانتوں پر زبان پھیرے تو ان شاء اللہ اس کے دانت خراب نہ ہوں گے اور اگر ساتھ ہی ہر وضو میں مسواک بھی کیا کرے تو سبحان اللہ[3] دنیا میں کفر و فسق اور آخرت میں عذاب و عقاب دوزخیوں کے حالات ہیں، ان سب سے اللہ بچائے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُنْزِلَ عَلَیْهِ الْوَحْیُ سُمِعَ عِنْدَ وَجْهِهٖ دَوِیٌّ کَدَوِیِّ النَّحْلِ فَاُنْزِلَ عَلَیْهِ یَوْمًا فَمَکَثْنَا سَاعَةً فَسُرِّیَ عَنْهُ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ یَدَیْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا وَ اَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا ثُمَّ قَالَ اُنْزِلَ عَلَیَّ عَشْرُ اٰیَاتٍ مَنْ اَقَامَهُنَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ ثُمَّ قَرَاَ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی خَتَمَ عَشْرَ اٰیَاتٍ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

(۲۳۸۰) روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تو آپ کے چہرہ انور کے پاس شہد کی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سنی جاتی تھی[1] ایک دن آپ پر وحی اتری تو ہم کچھ ٹھہرے پھر وہ حالت جاتی رہی[2] حضور نے قبلہ کو منہ کیا دونوں ہاتھ اٹھائے[3] اور عرض کیا الٰہی سب کو بڑھا دے گھٹا مت ہمیں عزت دے ہمیں ذلیل نہ کر ہمیں عطائیں دے محروم نہ کر ہم کو ترجیح دے ہم پر اوروں کو ترجیح نہ دے ہم کو راضی کر ہم سے راضی ہو جا[4] پھر فرمایا ہم پر دس آیتیں اتری ہیں جو انہیں قائم کرے (عمل کرے) تو جنت میں جائے گا پھر تلاوت کی قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ دس آیات تک[5] (احمد، ترمذی)

(۲۳۸۰)[1] ظاہر یہ ہے کہ یہ آواز حضرت جبریل علیہ السلام کی ہوتی تھی جسے صحابہ سنتے تو تھے مگر سمجھ نہ سکتے تھے کہ کیا کہہ رہے ہیں جب کسی کی ہلکی آواز سنی جائے اور الفاظ سمجھ میں نہ آئیں، تو شہد کی مکھی کی سی بھنبھناہٹ ہی معلوم ہوتی ہے بعض شارحین نے کہا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹہ کی آواز ہوتی تھی جو نزول وحی کے وقت بے اختیار آپ سے صادر ہوتی تھی، اس سے حضور کو سخت سردی میں پسینہ بھی آ جاتا تھا اور جسم مبارک بہت بھاری ہو جاتا تھا حتیٰ کہ اگر کسی پر ران شریف رکھی ہوتی، تو وہ شخص ران شریف میں بہت ہی زیادہ وزن محسوس کرتا تھا، مگر پہلی شرح درست ہے کہ وہ حضرت جبریل کی آواز ہوتی تھی (لمعات و مرقات)[2] نزول وحی ختم ہو جانے پر کچھ دیر تک یہ ہی حالت

رہتی تھی، پھر جب یہ حالت منقطع ہوتی تھی تب حضور علیہ السلام صحابہ کو وحی سناتے تھے کہ آج یہ آیت یا یہ حکم آیا، ایسے ہی آج ہوا ۳؎ یعنی دعا مانگنے کے لئے آپ روبقبلہ بھی ہو گئے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بھی اٹھائے کہ یہ دونوں کام سنت ہیں دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے چاہئیں کہ مولیٰ ہم کو دونوں جہان کی نعمتیں دے (مرقات) ۴؎ اولاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں مانگیں، پھر سورہ مومنون کی دس اگلی آیتیں سنائیں، کیونکہ ان آیات میں دس احکام ہیں جن کے عاملین کو رحمت کی بشارت ہے غافلین کو عذاب کی دھمکی ان دعاؤں کا مضمون یہ ہے کہ الٰہی ہماری تعداد یا ہماری نعمتیں بڑھاتا رہ، گھٹا نہیں، ہمیں دنیا و آخرت میں عزت دے، ذلیل نہ کر، دوسروں کے مقابل ہم کو ہر نعمت سے ترجیح دے، ہمارے مقابل دوسروں کو ترجیح نہ دے، ہمیں اپنے سے راضی رکھ اور ہم سے تو راضی رہ۔ ۵؎ ان آیتوں میں نماز میں عجز و نیاز، بے ہودہ باتوں سے علیحدہ رہنا، زکوٰۃ کی ادائیگی، بدخلقی سے بچنا اپنی پارسائی کی حفاظت، امانتوں کی ادائیگی اور وعدوں کی پابندی، حق گوئی نہ چھپانا وغیرہ مذکور ہیں، اور ان کی پابندی پر جنت کا وعدہ ہے، رب تعالیٰ ان پر عمل نصیب کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً ضَرِيْرَ الْبَصَرِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ادْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّعَافِيَنِيْ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَاِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قَالَ فَادْعُهُ قَالَ فَاَمَرَهُ اَنْ يَّتَوَضَّاَ فَيُحْسِنَ الْوُضُوْءَ وَيَدْعُوَ بِهٰذَا الدُّعَآءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ اِنِّىْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّىْ لِيَقْضِىَ لِىْ فِىْ حَاجَتِىْ هٰذِهٖ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِىَّ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)

(۲۳۸۱) روایت ہے حضرت عثمان ابن حنیف سے فرماتے ہیں ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ۱؎ عرض کیا حضور اللہ سے دعا کریں کہ مجھے آرام دے ۲؎ فرمایا اگر تو چاہے تو دعا کردوں اور اگر چاہے تو صبر کر یہ صبر تیرے لئے اچھا ہے ۳؎ وہ بولا حضور رب سے دعا کر دیں ۴؎ راوی کہتے ہیں تو حضور نے اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا مانگے ۵؎ الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف رحمت والے نبی حضور محمد مصطفیٰ کے توسل سے متوجہ ہوتا ہوں ۶؎ یا رسول اللہ میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے ۷؎ الٰہی میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول کر ۸؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(۲۳۸۱) ۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص بالکل نابینا تھا، بعض شارحین نے جو کہا کہ وہ ضعیف البصر تھے یا ان کی ایک آنکھ بیکار تھی خلاف ظاہر ہے ۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بیماریوں کی شکایات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے، اور اکثر براہ راست خود رب تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے بلکہ عرض کرتے تھے کہ حضور ہمارے لئے دعا مانگیں تاکہ الفاظ کے ساتھ زبان کی برکت و تاثیر بھی حاصل ہو، یہ ہے توسل کا عقیدہ، رب تعالیٰ کی کوئی نعمت بغیر وسیلہ نہیں ملتی، ۳؎ کیونکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کی آنکھیں میں بیکار کر دوں پھر اس پر صبر کرے تو میں اسے جنت ہی دوں گا، آنکھوں سے جنت بہتر ہے، ۴؎ ان نابینا صحابی کا مطلب یہ تھا کہ حضور مجھے آنکھیں بھی مل جائیں اور آخرت کی بھلائی بھی، آپ کے پاس کس چیز کی کمی ہے، شعر

جھولیاں کھول کے بے سمجھے نہیں دوڑ آئے ہمیں معلوم ہے دولت تری عادت تیری

یا یہ مطلب تھا کہ حضور کے صدقہ مجھے آخرت کی نیکیاں تو مل ہی گئی ہیں کہ مجھے ربّ تعالٰی نے ایمان دیا تقویٰ بخشا آپ کی صحابیت نصیب کی میری یہ ضرورت بھی پوری ہو جائے' لہٰذا نہ تو سائل پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح کیوں دی' حق یہ ہے کہ انہوں نے تو اس آیت پر عمل کیا: رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۲۰۱/۲) اے ربّ ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا (کنزالایمان) اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ آپ نے ایسے شخص کو دعا کیوں سکھائی' سرزنش کیوں نہ کی' نیز اس عرض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم صبر سے سرتابی نہیں ہے انہیں صبر کا حکم دیا ہی کب گیا' بطور مشورہ اختیار دیا گیا تھا بلکہ ناز غلامانہ کے انداز پر داتا سے زیادہ مانگنا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر عرفات میں حاجیوں کی بخشش کی دعا کی' حقوق اللہ معاف کئے گئے' پھر مزدلفہ میں حقوق العباد کی معافی کے لئے بھی دعا فرمائی۔ ۵؎ یعنی مسواک اور تمام سنتوں کے ساتھ وضو کر کے دو رکعت نماز حاجت پڑھے پھر یہ دعا مانگے (مرقات) معلوم ہوا کہ دعا کے لئے وضو اور نفل بہتر ہے' خیال رہے کہ اس موقع پر انہیں سرکار نے خود دعا نہ دے دی بلکہ دعا اور اپنے وسیلہ کے الفاظ انہیں سکھائے تاکہ قیامت تک کے مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں' اگر سرکار خود ہی دعا دے دیتے' تو بعد والے لوگ یہ فیض کیسے پاتے' بعض شارحین نے یہاں فرمایا کہ سرکار ان پر ناراض ہوگئے تھے' کیونکہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی بات نہ مانی' اس لئے دعا نہ فرمائی' مگر یہ صحیح نہیں' ورنہ سرکار نہ انہیں دعا سکھاتے نہ انہیں اپنے وسیلہ کی تعلیم دیتے۔ ۶؎ یعنی تیری بارگاہ میں براہ راست بغیر وسیلہ نہیں حاضر ہوا ان کا وسیلہ لے کر آیا ہوں جو خود رحمۃ للعٰلمین ہیں اور ان کی امت امت مرحومہ ہے یعنی تو ارحم الراحمین ہے اور تیرے نبی رحمۃ للعٰلمین ہیں اور میں تیرے فضل و کرم سے مرحوم ہے بِكَ میں حضور سے عرض معروض ہے بعض روایتوں میں یوں ہے یَا مُحَمَّدٍ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ لِتَقْضِیَ الخ ت کے ساتھ (مرقات) اس لتقضی میں دو احتمال ہیں واحد مونث مجہول ہو یعنی تاکہ میری حاجت پوری کردی جائے' یا واحد مخاطب معروف ہو یعنی یارسول اللہ آپ میری حاجت پوری کردیں' اس آخری معنی کی تائید قرآن شریف کی اس آیت سے ہوتی ہے: لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (۱۳۴/۷) بے شک اگر تم ہم پر عذاب اٹھادو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کردیں گے۔ (کنزالایمان) مذکورہ آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے محبوبین بحکم پروردگار دافع بلاء اور صاحب عطا ہیں اور حاجتوں میں انہیں پکارنا جائز ہے کیونکہ یہ دعا قیامت تک کے مسلمان پڑھ سکتے ہیں' اور اس میں حضور علیہ السلام کو پکارا بھی گیا ہے اور حضور علیہ السلام کا وسیلہ بھی لیا گیا ہے ۸؎ سبحان اللہ اس دعا میں تین خطاب ہیں آگے پیچھے ربّ سے اور بیچ میں اس کے حبیب سے جیسے انگوٹھی کے وسط میں نگینہ۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ دُعَآءِ دَاوٗدَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَمَالِیْ وَاَهْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ قَالَ

(۲۳۸۲) روایت ہے حضرت ابوالدردا سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داؤد علیہ السلام کی دعا یہ تھی کہ آپ عرض کرتے تھے' الٰہی میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے محبوبوں کی محبت مانگتا ہوں ۱؎ اور وہ عمل مانگتا ہوں جو تیری محبت تک پہنچا دے ۲؎ الٰہی مجھے اپنی محبت کو میری جان و مال گھر بار اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ

وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَكَرَ دَاوٗدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ يَقُوْلُ كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ .

محبوب بنادے۳؎ راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب داؤد علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو کہتے کہ وہ عابد ترین انسان تھے ۴؎(ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۲۳۸۲)۱؎ اس جملہ کے کئی معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ مجھے توفیق دے کہ تجھ سے بھی محبت کروں اور ان بندوں سے بھی جو تجھ سے محبت کرتے ہیں، علماء اولیاء انبیاء سے محبت بالواسطہ تجھ سے ہی محبت ہے، دوسرے یہ کہ خدایا مجھ سے تو بھی محبت کر اور تیرے محبوب بندے بھی محبت کریں یعنی حب کی اضافت یا مفعول کی طرف ہے یا فاعل کی طرف۔۲؎ اس کے بھی وہی دو معنی ہیں کہ ایسے عمل کی توفیق دے جس کی برکت سے تو میرا محبوب بن جائے یا میں تیرا محبوب بن جاؤں، اس سے معلوم ہوا کہ بعض اعمال میں عشق و محبت پیدا کرنے کی تاثیر ہوتی ہے۳؎ یعنی مجھے توفیق دے کہ تو مجھے میری اپنی ذات گھر بار مال و دولت سے زیادہ پیارا ہو جائے بلکہ جیسے سخت گرمی اور پیاس کی شدت میں ٹھنڈا پانی پیارا ہوتا ہے، اس سے زیادہ تیری محبت مجھے پیاری ہو، خیال رہے کہ محبوبیت کے لئے اس کے محبوب بندوں کی محبت لازم ہے۔ شعر:۔

حاصل نشود رضائے سلطاں تا خاطر بندگاں بجوئی

۴؎ یعنی داؤد علیہ السلام اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عابد تھے، جیسے ربّ تعالٰی بنی اسرائیل سے فرماتا ہے: اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ (۲،۴۷) اور یہ کہ اس سارے زمانے پر تمہیں بڑائی دی (کنزالایمان) لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ داؤد علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عابد ہوں، اور نہ یہ فرمان اس آیت کریمہ کے خلاف ہے جس میں نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا گیا: اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا (۱۷،۳) بے شک وہ بڑا شکرگزار بندہ تھا (کنزالایمان)

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ صَلّٰى بِنَا عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ صَلٰوةً فَاَوْجَزَ فِيْهَا فَقَالَ لَهٗ بَعْضُ الْقَوْمِ لَقَدْ خَفَّفْتَ وَاَوْجَزْتَ الصَّلٰوةَ فَقَالَ اَمَا عَلَيَّ ذٰلِكَ لَقَدْ دَعَوْتُ فِيْهَا بِدَعَوَاتٍ سَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ تَبِعَهٗ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ هُمَ اَبِيْ غَيْرَ اَنَّهٗ كَنٰى عَنْ نَفْسِهٖ فَسَاَلَهٗ عَنِ الدُّعَاءِ ثُمَّ جَاءَ فَاَخْبَرَ بِهِ الْقَوْمَ اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّيْ اَللّٰهُمَّ وَاَسْئَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَاَسْئَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَاَسْئَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى

(۲۳۸۳) روایت ہے حضرت عطاء ابن سائب سے وہ اپنے والد سے راوی۱؎ فرماتے ہیں ہم کو حضرت عمار ابن یاسر نے نماز پڑھائی تو اس میں اختصار فرمایا۲؎ تو ان سے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے نماز بہت ہلکی اور مختصر پڑھی تو فرمایا مجھے اس کا کوئی نقصان نہیں میں نے اس میں وہ دعائیں مانگ لی ہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں۔۳؎ جب آپ اٹھے تو قوم میں سے ایک شخص آپ کے پیچھے چلا وہ میرے والد تھے۔ ہاں انہوں نے اپنی ذات کو کنایۃً ذکر کیا۵؎ تو ان سے وہ دعا پوچھی پھر آئے وہ دعا قوم کو بتائی۶؎ الٰہی اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے صدقہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ زندگی کو میرے لئے بہتر جانے اور وفات دیدے جب موت کو میرے لئے بہتر جانے۷؎ الٰہی میں تجھ سے تیرا خوف مانگتا ہوں ظاہر و باطن میں۸؎ اور تجھ سے خوشی و ناخوشی میں سچی بات کی توفیق

وَاَسْئَلُكَ نَعِيمًا لَّا يَنفَدُ وَاَسْئَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَّا تَنقَطِعُ وَاَسْئَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَآءِ وَاَسْئَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاَسْاَلُكَ لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَآءِكَ فِىْ غَيْرِ ضَرَّآءَ مُضِرَّةٍ وَّلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مَهْدِيِّيْنَ ۔(رَوَاهُ النَّسَائِىُّ)

مانگتا ہوں۹اور تجھ سے امیری غریبی میں میانہ روی مانگتا ہوں۱۰اور تجھ سے نہ مٹنے والی نعمت مانگتا ہوں اور تجھ سے وہ آنکھ کی ٹھنڈک مانگتا ہوں جو بند نہ ہو۱۱اور تجھ سے رضا بالقضاء مانگتا ہوں اور تجھ سے بعد موت کے ٹھنڈی زندگی مانگتا ہوں۱۲اور تجھ سے تیری ذات کو دیکھنے کی لذت اور تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں بغیر مضر چیز کے نقصان اور بغیر گمراہ کن فتنہ کے۱۳اے اللہ ہم کو ایمان کی زینت سے آراستہ کر۱۴اور ہم کو ہدایت دینے والا ہدایت پانے والا بنا۱۵(نسائی)۱۶

(۲۳۸۳)۱حضرت عطاء تابعی ہیں اور ان کے والد سائب ابن یزید صحابی ہیں کہ ان کی پیدائش ۳ھ میں ہوئی اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کی عمر سات سال تھی اپنے والد یزید کے ساتھ اس حج میں شریک ہوئے تھے۔(مرقات)۲غالبًا یہ کوئی نفل نماز تھی،بعض نوافل کی جماعت اہتمام سے بھی جائز ہے جیسے نماز کسوف اور بلا اہتمام،تو ہر نفل کی جماعت جائز۔آپ نے یا تو اس نماز کی قرأت قرآن میں اختصار کیا یا دعائیں تھوڑی مانگیں،لمعات نے پہلی بات کو ترجیح دی اور مرقات نے دوسری کو۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ نے ارکان نماز بھی صحیح طور پر ادا نہ کئے کہ یہ صحابہ کی شان سے بعید ہے۔۳اس اَمَا میں شارحین نے بہت احتمال نکالے ہیں،ظاہر تر یہ ہے کہ ہمزہ نداء قریب کا ہے اور ما نافیہ یعنی اے دوست اس اختصار میں کوئی نقصان نہیں،کیونکہ میں نے وہ دعائیں پڑھ لی ہیں جن سے اس مختصر تلاوت یا چھوٹی دعاؤں کا بدلہ ہو جائے گا کہ ان کے الفاظ تھوڑے ہیں اور ثواب و فائدے زیادہ،ظاہر یہ ہے کہ یہ دعائیں نماز کے اندر ہی مانگی تھیں،سجدے یا سلام سے پہلے قعدہ میں۔۵ھُوَاَبِیْ سے یہاں تک کلام عطاء کا ہے یعنی میرے والد کہتے تھے کہ قوم میں سے ایک شخص حضرت عمار کے پیچھے دعا پوچھنے کے لئے گئے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ جانے والے والد سائب ہی تھے انہوں نے اپنا نام نہ لیا بلکہ ایک شخص کہہ دیا تاکہ اپنی بڑائی ظاہر نہ ہو۔۶بعض صحابہ کی ہیبت زیادہ تھی کہ ان سے ہر شخص بات نہیں پوچھ سکتا تھا،اس لئے صرف حضرت سائب نے پوچھا وہ بھی علیحدہ جاکر،خیال رہے کہ یہ دعا تو ایک ہی ہے مگر اس میں مانگی بہت چیزیں گئیں ہیں۔اسی لئے یہاں دعا واحد فرمایا اور وہاں دعوات جمع۔۷بعلمک میں ب استعطاف کی ہے یعنی اپنے علم غیب اور اپنی قدرت کے صدقہ میں مجھے یہ نعمتیں بخش،معلوم ہوا کہ صفات الٰہی کو وسیلہ بنا سکتے ہیں،خیال رہے کہ جب تک بندہ کو نیکیوں کی توفیق ملے اور دنیا میں فتنہ نہ پھیلے اور بندہ دوسروں پر بوجھ نہ بنے،تب تک تو زندگی موت سے افضل ہے،اور جب ان تینوں باتوں میں سے کوئی بات فوت ہو جائے تو موت زندگی سے بہتر ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ شر کی زندگی سے خیر کی موت اچھی۔شعر۔

به مرده بدزندگانی چناں زاں
وانکه خوابش بهتر از بیداری است

۸درمیان دعا میں بار بار رَبَّنَا یا اَللّٰھُمَّ کہنا سنت ہے۔اس میں دعا کی قبولیت کی قوی امید ہے اسی طرح ہر عرض کے اول واؤ بولنا بھی بہتر رب تعالٰی نے فرمایا:رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا (۳:۱۹۴) ظاہر و باطن سے مراد یا تو علانیہ وخفیہ ہے یا قالب وقلب یعنی الٰہی مجھے ہر حال میں اپنا خوف دے خواہ لوگوں کے سامنے ہوں یا تنہائی میں یا میرا دل وجسم دونوں پر تیرا خوف ہو کہ دل میں ڈر ہو،آنکھیں تر ہوں،دل میں درد ہو،منہ میں آہ سرد ہو۔۹یعنی خلق مجھ سے راضی ہو یا ناراض میں حق بات کہوں یا میں لوگوں سے راضی ہوں یا ناراض،ہر حال میں حق بولوں نہ

میں حق کو چھوڑوں نہ حق مجھے چھوڑے۔۱۰یعنی امیری غریبی میں مجھے روزی، گفتار رفتار خرچ وغیرہ میں درمیانی چال چلنے کی توفیق دے۔کہ نہ تو امیری میں فضول خرچ بن جاؤں، نہ غریبی میں ننگا بھوکا ہو جاؤں۔درمیانی چال اللہ کی رحمت ہے جسے نصیب ہو جائے۔۱۱یعنی جنت کی لازوال نعمتیں اور وہاں کی پاک بیویاں مانگتا ہوں جو آنکھ کی ٹھنڈک کا باعث ہوں یا نہ مٹنے والی مومن نسل یا نماز دائمی کی توفیق مانگتا ہوں اولاد ازواج، نماز سب کچھ آنکھ کی ٹھنڈک ہیں۔رب تعالیٰ فرماتا ہے: رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (۲۵،۷۴) اے ہمارے رب! ہمیں دے ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کو ٹھنڈک (کنزالایمان) خیال رہے کہ دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے۔آخرت کی ہر چیز کو بقا ریا کی عبادات دنیا میں فنا ہو جائیں گی، اللہ کے لئے کھانا پینا بھی آخرت کا توشہ ہے اور لافانی ہے گھڑے کا پانی فانی ہے نلکے کا پانی باقی ہے کہ مرکز سے وابستہ ہے ہم کو حضور علیہ السلام سے وابستگی چاہیے۔جو عزت وعظمت وغیرہ کا مرکز ہیں۱۲یعنی برزخ وحشر میں آرام کی زندگی کا طلبگار ہوں۔۱۳یعنی مجھے آخرت میں اپنا دیدار دے اور دنیا میں شوق دید نصیب کر، مگر ایسا شوق دے جو مجھے سیر الی اللہ سے منع نہ کر دے، جذب نہیں مانگتا سلوک مانگتا ہوں۱۴جسم کی ظاہری زینت لباس سے ہے۔دل کی زینت ایمان سے، اور بدن کی حقیقی زینت نیک اعمال سے ہے خدایا تو مجھے جسمانی و دلی زینت نصیب کر۔۱۵اس طرح کہ ہم خود بھی ہدایت پر رہیں اور دوسروں کو بھی ہدایت پر رکھیں۔۱۶اسے حاکم، احمد اور طبرانی نے بھی روایت کیا۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا وَّرِزْقًا طَيِّبًا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ.

(۲۳۸۴) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد یہ کہتے تھے الٰہی میں تجھ سے نفع بخش علم مقبول عمل اور حلال طیب روزی مانگتا ہوں۱

(احمد، ابن ماجہ، بیہقی، دعوات کبیر)

(۲۳۸۴)۱علم دل کا رزق ہے عمل بدن کی معنوی روزی، اور حلال رزق ان دونوں کی اصل، حرام روزی سے نہ دل میں نور معرفت پیدا ہو نہ اعمال میں لذت آئے، صوفیاء فرماتے ہیں کہ بغیر علم نافع کے عمل صالح کی توفیق نہیں ملتی، تم جس کا علم وعمل تو اچھا دیکھو مگر اس کی روزی حرام ہو تو اس کی مچھر کے پر برابر پروا نہ کرو، عبادات خزانہ الٰہی میں محفوظ ہیں، دعا اس خزانہ کی چابی ہے، اور رزق حلال اس چابی کے دانتے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ اس کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پیٹ میں حرام بھرا ہو، خیال رہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ دعا بعد نماز فجر یا تو گھر میں ہوتی تھی یا مسجد میں مگر بلند آواز سے جو گھر تک پہنچ جاتی تھی یا حضرت ام سلمہ خود جماعت کی آخری صفوں میں ہوتی تھیں اس لئے آپ کی دعا سنتی تھیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ دُعَآءٌ حَفِظْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَدَعُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اُعْظِمُ شُكْرَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نُصْحَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۳۸۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے ایک دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کی ہے۔جسے میں کبھی نہیں چھوڑتا۔الٰہی مجھے تو ایسا کر دے کہ تیرا بہت شکر کروں اور تیرا بہت ذکر کروں۱ اور تیری نصیحت کی پیروی کروں اور تیری وصیت کی حفاظت کروں۲ (ترمذی)

(۲۳۸۵)۱اُعْظِمُ اور اُكْثِرُ باب تفعیل سے بھی ہو سکتے ہیں اور باب افعال سے بھی، مگر افعال سے ہونا زیادہ بہتر ہے۔یعنی الٰہی مجھے

بہت نعمتیں دے اور ہر نعمت کے ہر شکر کی توفیق دے شکر قولی بھی اور شکر عملی کی بھی اور مجھے توفیق دے کہ میں لسانی جنانی ارکانی ہر طرح تیرا بہت ذکر کروں، ذکر وشکر کی تفصیل ہماری تفسیر نعیمی جلد دوم میں دیکھئے۔ ۲؎ نصیحت کے معنی ہیں خیر خواہی اور وصیت سے مراد رب کے تاکیدی حکم، چونکہ رب کے ہر حکم میں ہماری خیر خواہی ہے اگرچہ وہ حکم ہم پر گراں ہوں اور ہماری بہت دعائیں جو رد ہو جاتی ہیں۔ اس میں بھی ہماری خیر خواہی ہوتی ہے کہ ہم ناسمجھی سے بری چیزیں مانگ لیتے ہیں۔ اس لئے رب کی قضاء پر رضا اور اس کے احکام کی اتباع چاہیے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَ حُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضٰى بِالْقَدْرِ

(۲۳۸۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے اے اللہ میں تجھ سے تندرستی، پاک دامنی امانت داری اور اچھے اخلاق اور تقدیر پر رضا مانگتا ہوں ۱؎

(۲۳۸۶) ۱؎ یہ پانچ چیزیں لاکھوں نعمتوں کی جڑ ہیں، تندرستی میں ساری بیماریوں سے حفاظت آ گئی۔ اور پاکدامنی میں برے اعمال اقوال و احوال سے حفاظت اور امانت میں تمام دلی بیماریوں سے امن اور حسن خلق میں ہر قسم کی بد معاملگی سے نجات، اور رضا بالقضا میں دل کی بے چینی اور گھبراہٹ سے امان داخل ہے جسے یہ پانچ نعمتیں مل جائیں اسے سب کچھ مل گیا۔

وَعَنْ اُمِّ مَعْبَدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِىْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِىْ مِنَ الرِّيَآءِ وَلِسَانِىْ مِنَ الْكِذْبِ وَعَيْنِىْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ

رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِىُّ فِى الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ .

(۲۳۸۷) روایت ہے حضرت ام معبد سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ الٰہی میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو دکھلاوے سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو بد دیانتی سے پاک رکھ ۲؎ کیونکہ تو جانتا ہے خیانت والی آنکھ کو اور اس کو جسے سینے چھپاتے ہیں ۳؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیں۔

(۲۳۸۷) ۱؎ ام معبد دو ہیں۔ ام معبد بنت خالد اور ام معبد بنت کعب ابن مالک انصار یہ دونوں صحابیہ ہیں، پہلی ام معبد کے گھر میں بحالت ہجرت کچھ دن قیام فرمایا تھا جن کا واقعہ مشہور ہے۔ یہاں دوسری ام معبد مراد ہیں (اشعہ ومرقات) ۲؎ چونکہ سرکار ان تمام عیبوں سے پاک ہیں اس لئے اس دعا کے یہی معنی کئے جائیں گے کہ پاک رکھ یعنی مجھے اس پر استقامت دے، جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اتَّقِ اللّٰهَ (۳۳:۱) اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ کا یوں ہی خوف رکھنا (کنزالایمان) یعنی اے نبی کریم یونہی اللہ سے ڈرے جاؤ۔ ۳؎ خیانت والی آنکھ سے مراد چور نظری کرنے والی آنکھیں ہیں کن انکھیوں سے ناجائز چیزوں کو دیکھنا چور نظری ہے اور سینہ کے سارے عیوب حسد، کینہ، بغض، نفاق ماتخفی الصدور میں داخل ہیں اس کی اور بہت شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح مختصر بھی ہے اور قوی بھی۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ خَفَتَ فَصَارَ مِثْلَ الْفَرْخِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كُنْتَ تَدْعُوا اللّٰهَ بِشَىْءٍ اَوْ تَسْئَلُهٗ اِيَّاهُ قَالَ نَعَمْ

(۲۳۸۸) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی بیمار پرسی فرمائی جو بہت کمزور ہو گیا تھا ۱؎ کہ چوزہ کی طرح ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا کیا تو اللہ سے کوئی خاص دعا کرتا تھا یا کوئی خاص چیز مانگتا تھا ۲؎ وہ بولا

كُنْتُ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ مَا كُنْتَ مُعَاقِبِيْ بِهٖ فِي الْاٰخِرَةِ فَعَجِّلْهُ لِيْ فِي الدُّنْيَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ لَا تُطِيْقُهٗ وَلَا تَسْتَطِيْعُهٗ اَفَلَا قُلْتَ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالَ فَدَعَا اللّٰهَ بِهٖ فَشَفَاهُ اللّٰهُ ۔(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

میں یہ کہتا تھا الٰہی تو جو سزا مجھے آخرت میں دینے والا ہو وہ مجھے دنیا میں ہی دیدے۳ تب اس سے رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ تو اس کی طاقت اور قدرت نہیں رکھتا۴ تو نے یہ کیوں نہ کہا خدایا ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے۵ فرماتے ہیں اس نے اللہ سے یہ ہی دعا مانگی تو اللہ نے اسے شفا بخشی۶ (مسلم)

(۲۳۸۸)۱خفت کے معنی ہیں کمزور آواز جو بمشکل سنائی دے، اہل عرب کہتے ہیں خفت المیت مرنے والا خاموش ہوگیا یعنی وہ بیمار بوجہ کمزوری کے ضعیف آواز والا ہوگیا تھا جس سے بطور لزوم اس کی کمزوری جسم بھی معلوم ہوگئی لہٰذا اگلا کلام اس سے پورا ربط رکھتا ہے۔۲یہاں راوی کو شک ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا یہ فرمایا کہ تو خاص چیز مانگتا تھا۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کا حکیم مطلق بنا کر بھیجا، حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہمارے ظاہری و باطنی امراض اور ان کے اسباب جانتے ہیں۔۳ان صحابی کی یہ عرض ومعروض خوف آخرت اور خوف عذاب کی بنا پر ہے وہ سمجھے یہ تھے کہ گناہوں پر سزا ضرور ملتی ہے، اگر آخرت میں ملی تو سخت اور دیرپا ہو گی اور اگر دنیا میں ملی تو ہلکی اور عارضی ہوگی کہ موت ہر مصیبت کی انتہا ہے۔ان کی نظر اللہ کی معافی کی طرف نہ گئی، معلوم ہوا کہ ہمیں تو رب تعالٰی سے مانگنا بھی نہیں آتا جب تک کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نہ سکھائیں۔۴یعنی نہ تو تو دنیا کے عذاب کی طاقت رکھتا ہے اور نہ آخرت کے عذاب کی، لہٰذا یہ کلمہ ممکن نہیں۔اگرچہ خطاب ان صاحب ہی سے ہے مگر روئے سخن سب کی طرف ہے یعنی ساری مخلوق اس کے عذاب کی طاقت نہیں رکھتی وہ اپنا کرم ہی کرے۔۵اس دعا کی شرح پہلے کی جاچکی ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھلائی سے مراد گناہوں کی معافی، نعمتوں کی عطاء اور دونوں جہاں کی عافیت وامان ہے۔۶یا تو اس دعا ہی کی برکت سے بغیر دوا شفا دی یا کسی دوا کے ذریعہ صحیح دوا کا میسر آنا اور اس کی تاثیر رب تعالٰی کے کرم سے ہے۔دوسرے معنی مرقات نے اختیار فرمائے، مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ قَالُوْا وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهٗ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَآءِ لِمَا لَا يُطِيْقُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ ۔

(۲۳۸۹) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو یہ لائق نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے۱لوگوں نے پوچھا حضور ذلیل کیسے کرے فرمایا اپنے کو ان آفتوں پر پیش کرے جن کی طاقت نہ رکھتا ہو (ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی شعب الایمان) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

(۲۳۸۹)۱یعنی اپنی خواہش اور مرضی سے اپنے کو ذلت میں نہ ڈالے، لہٰذا یہ حدیث احکام جہاد کے خلاف نہیں بدر میں ۳۱۳ بے سامان صحابہ ہزار ہتھیار بند کفار کے مقابلہ میں ڈٹ گئے کہ وہاں دینی ضرورت تھی۔

وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ

(۲۳۹۰) روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی فرمایا کہو اللہ میرا باطن میرے ظاہر سے اچھا کردے اور میرے ظاہر کو نیک وصالح بنا

صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَاتُؤْتِی النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَیْرِ الضَّالِ وَلَا الْمُضِلِّ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

دے۱ اے اللہ میں تجھ سے وہ اچھا گھر بار، مال، اولاد، جو نہ گمراہ ہو اور نہ گمراہ گر مانگتا ہوں جو تو لوگوں کو دیتا ہے۲ (ترمذی)

(۳۳۹۰) ۱سبحان اللہ کیسی پیاری دعا ہے یعنی خدایا مجھے جسمانی پرہیز گاری بھی عطا فرما اور دلی تقویٰ ظاہری پرہیز گاری سے اعلیٰ ہو ظاہر کا باطن سے اعلیٰ ہونا غضب الٰہی ہے کہ یہ ریاء ہے، نیز ظاہر خراب ہونا دل کا اچھا ہونا بھی برا کہ یہ فسق ہے، غذا بھی اچھی و اعلیٰ چاہیے اور برتن بھی صاف ستھرا۔ ۲ظاہر یہ ہے کہ گمراہ اور گمراہ گر ولد کی صفت ہے کیونکہ مال اگرچہ گمراہ گر تو ہوتا ہے مگر گمراہ نہیں ہوتا، اور ہوسکتا ہے کہ ضال سے مراد خبیث اور برا ہو تو یہ تینوں کی صفت ہے، یعنی خدایا ہمیں ایسی بیوی بچے اور مال نہ دے جو خود بھی خبیث ہوں اور ہمیں بھی خبیث کر دیں۔

الحمد للہ کہ دعاؤں کا باب بخیر و بخوبی ختم ہوا، دعاؤں کے متعلق آخری گزارش یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ دعائیں بفضلہ تعالیٰ تیرے بہدف ہیں مگر دعاؤں کی قبولیت کے لئے چند چیزیں ضروری ہیں سچی زبان، حلال روزی، دل حاضر، آنکھیں تر، قبولیت کی امید تقویٰ و پرہیز گاری، رات کے آخری حصہ کی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں، اگر کبھی کسی دعا کے ظہور میں دیر لگے، تو یقین کرنا چاہیے کہ ہم میں کچھ کوتاہی ہے، رب سچا اس کے محبوب سچے ہم جھوٹے ہمارے اعمال کھوٹے ہیں۔ شعر

مری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں
میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

کِتَابُ الْمَنَاسِكِ — کتاب ارکان حج

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

مناسک' منسک کی جمع ہے جونسیکہ سے بنانسیکہ کے معنی ہیں عبادت' اسی لئے قربانی کونسیکہ اورقربانی کے وقت یا جگہ کومنسک کہا جاتا ہے' ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا (۲۲'۳۴) اور ہرامت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی (کنزالایمان) اب شریعت میں مناسک ارکان حج کو کہتے ہیں۔یعنی اس باب میں حج کا ذکر ہوگا' حج کے معنی ہیں قصداور ارادہ عبادت کی نیت سے کعبہ شریف کا ارادہ کرنا حج ہے' حج کا سبب کعبہ معظمہ ہے' کعبہ شریف سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا بیت المعمور کے مقابل' اسی کا نام فرشتوں کے ہاں ضراح تھا' آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے سے فرشتے اس کا حج کرتے تھے پھر آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف انبیائے کرام نے حج کعبہ کیا کسی اُمت پر حج فرض نہ تھا۔۵ ہجری یا ۶ ہجری یا ۹ ہجری میں حج فرض فرمایا گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضیت حج سے پہلے' قبل ہجرت جو حج کئے وہ بطور عادت کریمہ تھے' آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چل کر چالیس حج کئے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام و یونس علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام نے بھی شرکت کی اور حضور علیہ السلام کے ساتھ حج کیا' معلوم ہوا کہ انبیائے کرام زندہ ہیں عبادتیں کرتے ہیں' مگر انکی یہ عبادتیں شرعی تکلیف سے نہیں ان کی خود اپنی خوشی سے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کوحضور علیہ السلام نے ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا (مرقات ولمعات واشعہ)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِیْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَآئِهِمْ فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَیْءٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۳۹۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا[1] تو فرمایا اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا لہٰذا حج کرو[2] ایک شخص نے عرض کیا[3] یارسول اللہ کیا ہر سال حضور خاموش رہے حتیٰ کہ اس شخص نے تین بار کہا[4] تو فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا اور تم نہ کرسکتے[5] پھر فرمایا مجھے چھوڑے رہو جس میں میں تم کو آزادی دوں[6] کیونکہ تم سے اگلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ پوچھ گچھ اور زیادہ جھگڑنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے[7] لہٰذا جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے کر گزرو اور جب تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اسے چھوڑ دو[8] (مسلم)

(۲۳۹۱)[1] یہ خطبہ حج فرض ہونے کے سال مدینہ منورہ میں تھا ۸ھ میں فتح مکہ ہوئی تو بعض لوگوں نے حج کیا ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق نے لوگوں کو حج کرایا اور ۱۰ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا' ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حج کی فرضیت ۵ھ یا ۶ھ یا ۹ھ میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنے عرصہ تک حج نہ کرنا اس لئے تھا کہ آپ کو اپنی زندگی اور اپنے حج کرنے کا علم تھا' حق یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے ہجرت سے پہلے بھی دو یا تین حج کیے ہیں جیسا کہ ترمذی، ابن ماجہ و حاکم نے حضرت جابر وغیرہم سے روایت کی (مرقات) ۲؎ اگر حج کی فرضیت فتح مکہ سے پہلے ۵ھ یا ۶ھ میں ہوئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب تمہیں مکہ معظمہ پہنچنا میسر ہو جائے تو حج کرنا۔ فرض تو ابھی ہو گیا ہے مگر اس کی ادا جب لازم ہوگی اور اگر فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں فرض ہوا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سال ہی حج کرو۔ ۳؎ یہ عرض کرنے والے حضرت اقرع ابن حابس تھے۔ وہ سمجھے یہ کہ ہر رمضان میں روزے فرض ہوتے ہیں، تو چاہیے کہ بقرعید میں حج فرض ہو۔ پھر یہ سوچا کہ اس میں لوگوں کو بہت دشواری ہوگی، اس لئے آپ نے یہ سوال کیا اور بار بار کیا تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے۔ ۴؎ اس سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی اس لئے تھی کہ سائل سوال سے باز آجائے تاکہ ہم کو جواب کی ضرورت نہ ہو مگر سائل شوق کی زیادتی سے یہ اشارہ نہ سمجھ سکا۔ ۵؎ یعنی پورا جواب تو کیا معنی، اگر ہم صرف ہاں کہہ دیتے تب بھی ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے کہ آپ کی ہاں اور نہ میں تاثیر ہے جس کے قوی دلائل موجود ہیں کیوں نہ ہو کہ آپ کا کلام وحی الٰہی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (۵۳:۴) اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے (کنزالایمان) اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ فرمایئے، دوسرے یہ کہ بزرگوں سے اعمال اور وظیفوں میں قید یا پابندی نہ لگوانی چاہیے بلا قید عمل کرنا چاہیے۔ ۶؎ یعنی ہمارے احکام میں کیوں کیسے اور کب کہہ کر قید نہ لگائیں ہم شرعی احکام کی تبلیغ ہی کے لئے تو بھیجے گئے ہیں ضروری چیزیں ہم خود بیان فرمادیں گے (لمعات) ۷؎ اس طرح کہ انہوں نے زیادہ پوچھ پوچھ کر پابندیاں لگوالیں، پھر ان پابندیوں پر عمل نہ کر سکے یا انہوں نے عمل تو کیا مگر بہت مشکل سے جیسے ذبح گائے کا واقعہ ہوا۔ ۸؎ یعنی میرے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اور ممنوعات سے بچنا لازم، یہ دونوں کام بقدر طاقت ہیں اگر نماز کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھ لو، اگر جان پر بن جائے تو مردار کھالو، اس سے معلوم ہوا کہ جیسے وجوب و فرضیت کے لئے امر ضروری ہے ایسے ہی حرمت و ممانعت کے لئے نہی لازم جس چیز کا حکم بھی نہ ہو اور ممانعت بھی نہ ہو وہ جائز ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۵۹:۷) جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو (کنزالایمان) بعض جو کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ کیا ہو وہ حرام ہے غلط ہے قرآن شریف کے بھی خلاف ہے اور اس قسم کی احادیث کے بھی۔

وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۳۹۲) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل بہتر ہے فرمایا اللہ رسول پر ایمان لانا ۲؎ عرض کیا گیا پھر کون سا، فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا عرض کیا گیا پھر کونسا فرمایا مقبول حج ۳؎ (مسلم بخاری)

(۲۳۹۲) ۱؎ افضل سے مراد درجہ اور ثواب میں زیادہ، چونکہ ایمان عقائد کا نام ہے اور عقیدہ دل کا عمل ہے اس لئے ایمان کو اعمال میں داخل کیا گیا، نحوی لوگ جاننے پہچاننے اور ماننے کو افعال قلوب کہتے ہیں، چونکہ سارے اعمال کی صحت و قبولیت ایمان پر موقوف ہے اس لئے ایمان کا سب سے پہلے ذکر کیا گیا ۲؎ اللہ کی راہ کا جہاد وہ جنگ ہے جس میں محض رب کو راضی کرنا اور اسلام کی اشاعت منظور ہو مال ملک عزت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرنا فتنہ ہے جہاد نہیں۔ شعر

جنگ شاہان [illegible] است

چونکہ حج بدنی و مالی عبادات کا مجموعہ ہے۔اس لئے اس کا بھی بڑا درجہ ہے' حج مقبول ومبرور وہ ہے جولڑائی جھگڑے گناہ وریاء سے خالی ہو اور صحیح ادا کیا جائے۔خیال رہے کہ بعض احادیث میں ایمان کے بعد نماز کا ذکر ہے مگر یہاں جہاد کا ذکر آیا' اس لئے کہ جہاد فی سبیل اللہ اکثر نمازی ہی کرتے ہیں یا بعض ہنگامی حالات میں جہاد نماز سے افضل ہو جاتا ہے' دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں زیادہ مشغولیت کی بنا پر پانچ نمازیں قضاء فرمادیں' لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں ہنگامی حالات اور ہوتے ہیں' معمول پر پہنچنے کے بعد دوسرے حالات۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَّلَدَتْهُ اُمُّهٗ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۳۹۳) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کے لئے حج کرے تو نہ فحش کلامی کرے نہ فسق کی باتیں تو ایسا لوٹے گا جیسے اسے ماں نے آج جنا۱(مسلم بخاری)

(۲۳۹۳)۱حج کے بیان میں رفث سے مراد ہوتا ہے' بیوی سے صحبت یا صحبت کے اسباب پر عمل یا صحبت کی گفتگو اور فسق سے مراد ہوتا ہے ساتھیوں سے لڑائی جھگڑا یعنی جو رضائے الٰہی کے لئے حج کرے اور حج کو فحش باتوں' لڑائی جھگڑوں سے پاک وصاف رکھے تو گناہ صغیرہ سے تو یقیناً اور کبیرہ سے احتمالاً بالکل پاک وصاف ہو جائے گا۔حقوق العباد تو ادا ہی کرنا پڑیں گے حق یہ ہے کہ تاجر حاجی کو بھی ثواب ملے گا مگر مخلص حاجی سے کم (مرقات)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۳۹۴) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ سے دوسرے عمرہ تک درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے۱اور مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۲(مسلم بخاری)

(۲۳۹۴)۱علماء فرماتے ہیں کہ دو عمروں کے درمیان کے گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں' اور حج مقبول میں گناہ کبیرہ کی معافی کی بھی قوی امید ہے۔۲یعنی حج مقبول کی جزاء تو یقیناً ہے اس کے علاوہ دنیا میں غنا' دعا کی قبولیت بھی عطا ہو جائے تو رب کا کرم ہے حصر ایک جانب میں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۳۹۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ماہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۱(مسلم بخاری)

(۲۳۹۵)۱یعنی ماہ رمضان میں کسی وقت عمرہ دن یا رات میں اس کا ثواب حج کے برابر ہے۔معلوم ہوا کہ جگہ اور وقت کا اثر عبادت پر پڑتا ہے۔اعلیٰ جگہ اور اعلیٰ وقت میں عبادت بھی اعلیٰ ہوتی ہے (مرقات) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے عمرہ ذیقعدہ میں ہوئے۔

وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ رَكْبًا بِالرَّوْحَاءِ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوا الْمُسْلِمُوْنَ فَقَالُوْا مَنْ اَنْتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَرَفَعَتْ اِلَيْهِ امْرَاَةٌ صَبِيًّا فَقَالَتْ اَلِهٰذَا حَجٌّ قَالَ نَعَمْ وَلَكِ اَجْرٌ۔

(۲۳۹۶) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام روحاء میں ایک قافلہ سے ملے۱تو فرمایا یہ کون قوم ہے وہ بولے ہم مسلمان ہیں۔پھر بولے آپ کون ہیں فرمایا اللہ کا رسول۲تب آپ کی خدمت میں کسی عورت نے ایک بچہ آپ کی طرف اٹھایا

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بولی کیا اس کا بھی حج ہوسکتا ہے۳؎ فرمایا ہاں تجھے ثواب ہے۴؎ (مسلم)

(۲۳۹۶)۱؎ روحاء مدینہ منورہ سے چھتیس یا چالیس میل دور مکہ معظمہ کے رستہ پر ایک منزل ہے' یہاں ہی حضرت آمنہ خاتون کا انتقال ہوا۔ ۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کیلئے تشریف لے جارہے تھے' ادھر سے کوئی اور قافلہ بھی حج کے لئے آرہا تھا کہ ملاقات ہوگئی اور یہ سوال و جواب واقع ہوئے۔ ۳؎ غالبا یہ بچہ شیر خوار تھا۔ اس نے عرض کیا کہ اگر میں اس کا احرام بندھوادوں اور اسے گود میں لیکر سارے ارکان حج ادا کروں' تو کیا میرے حج کے ساتھ اس کا حج بھی ہوجائے گا۴؎ یعنی بچہ کو بھی حج کا ثواب ملے گا حج کرنے کا اور تجھے بھی اس کے حج کا ثواب ملے گا حج کرانے کا فقہا فرماتے ہیں کہ اگرچہ نابالغ بچہ کا حج ثواب کے لحاظ سے تو ہوجائے گا' مگر اس سے حجۃ الاسلام ادا نہ ہوگا۔ بالغ ہونے پر پھر حج کرنا پڑے گا' لیکن اگر فقیر یا غلام حج کرے تو ان کا حجۃ الاسلام ادا ہوجائے گا کہ امیری یا آزادی کے بعد انہیں دوبارہ حج کرنا ضروری نہیں کہ ہر شخص مکہ معظمہ پہنچ کر وہاں کا ہی مانا جاتا ہے مکہ کا فقیر یا غلام حج اسلام کرسکتا ہے مگر مکہ معظمہ کے چھوٹے بچوں کے حج سے حجۃ الاسلام ادا نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کی نیکیوں کا ثواب ماں باپ کو بھی ملتا ہے لہذا انہیں نماز روزہ کا پابند بناؤ۔

وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ امْرَاَةً مِنْ خَثْعَمَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ اَدْرَكَتْ اَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَّا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ وَذٰلِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۳۹۷) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا۱؎ یا رسول اللہ' اللہ کے فریضہ نے جو حج کے متعلق بندوں پر ہے میرے باپ کو بہت بڑھاپے میں پایا ہے جو سواری پر بیٹھ نہیں سکتا تھا۲؎ تو کیا میں اس کی طرف سے حج کردوں فرمایا ہاں یہ واقعہ حجۃ الوداع میں ہوا۳؎ (مسلم بخاری)

(۲۳۹۷)۱؎ یہ وہ عورت ہے جس کے متعلق بیہقی شریف میں ہے کہ ایک حسینہ عورت نے حضور انور سے یہ ہی مسئلہ پوچھا۔ حضرت فضل ابن عباس جو اس وقت حضور کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پر سوار تھے اسے دیکھنے لگے اور وہ انہیں دیکھنے لگی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔ اور فرمایا کہ زمانہ حج میں جو شخص اپنے آنکھ' کان' زبان کی حفاظت کرے ان کا مالک رہے تو اس کی ضرور بخشش کی جاتی ہے۔ (مرقات وغیرہ) حضرت فضل ابن عباس بھی بہت خوبصورت جوان تھے اس لئے وہ عورت بھی اس طرف دیکھتی تھی (اشعہ) ۲؎ یعنی میرے باپ پر بڑھاپے میں حج فرض ہوا ہے یا اس طرح کہ اسلام میں فرضیت حج کا حکم جب آیا تو بڈھے تھے یا اس طرح کہ ان کے پاس مال بڑھاپے میں ہی آیا ہے' یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے حج نہ کیا' حتی کہ بڈھا ہوگیا' پہلے معنی پر یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے' خیال رہے کہ اگر بہت بڑھاپے و معذوری کی حالت میں مسلمان صاحب نصاب ہو جبکہ سواری پر بھی سفر نہ کرسکے' تو امام ابوحنیفہ کے ہاں اس پر حج فرض نہ ہوگا کہ وہ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (۳:۹۷) میں داخل نہیں۔ امام شافعی کے ہاں فرض ہوجائے گا' ہاں صاحبین کے ہاں اگر یہ بڈھا دوسرے ساتھی مددگار کے خرچہ پر بھی قادر ہو تو حج فرض ہوجائے گا۳؎ اس جواب سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ایسا معذور شخص جس میں طاقت آنے کی امید نہ ہو حج بدل کراسکتا ہے' حج نفل میں طاقتور آدمی بھی کراسکتا ہے' دوسرے یہ کہ عورت مرد کی طرف سے حج کرسکتی ہے اگرچہ مرد و عورت کے طریقہ حج میں قدرے فرق ہوتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ اَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۲۳۹۸) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی

وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُخْتِیْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ وَاِنَّهَا مَاتَتْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عَلَیْهَا دَیْنٌ اَكُنْتَ قَاضِیَهٗ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاقْضِ دَیْنَ اللّٰهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِالْقَضَآءِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میری بہن نے حج کی منت مانی تھی اور وہ مرگئی[1] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتا بولا ہاں ضرور فرمایا تو اللہ کا قرض بھی ادا کرو[2] وہ تو زیادہ ادا کے لائق ہے[3] (مسلم بخاری)

(۲۳۹۸) [1] یعنی وہ بہن حج نذر ادا کئے بغیر مرگئی۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں یا کسی سے کرادوں' غالباً یہ شخص اس بہن کے مال کا وارث ہوا تھا[2] امام شافعی کے ہاں میت کا حج فرض اصل مال سے کرایا جائے گا کہ حج ایک قسم کا قرض ہے۔ اور قرض میراث پر مقدم ہوتا ہے ہمارے امام صاحب کے ہاں اگر میت حج بدل کرانے کی وصیت کرگیا ہے تو تہائی مال سے حج کرایا جائے گا غرض یہ کہ امام شافعی کے ہاں میت کے ذمہ کا حج قرض کی طرح ہے اور ہمارے ہاں وصیت' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقہی قیاس برحق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق العبد پر قیاس فرمایا' یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی بھی قیاس کرسکتے ہیں۔[3] کیونکہ خدا تعالٰی کا حق بندوں کے حق سے زیادہ ہے کہ وہ ہمارا مالک ومولٰی ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان استحباب پر مبنی ہے یعنی بہتر ہے کہ تو اس کی طرف سے حج کردے ورنہ اگر میت کے ذمہ زکوۃ یا کفارہ قسم وغیرہ رہ گئے ہوں تو وہ کسی کے ہاں میراث پر مقدم نہیں بلکہ وصیت کی صورت میں تہائی مال سے ادا کئے جائیں گے لہٰذا مذہب حنفی نہایت قوی ہے۔ بندوں کے قرض میراث پر مقدم نہیں کہ بندہ محتاج ہے رب غنی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ وَّلَا تُسَافِرَنَّ امْرَاَةٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اكْتُتِبْتُ فِیْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا وَخَرَجَتْ اِمْرَاَتِیْ حَاجَّةً قَالَ اذْهَبْ فَاحْجُجْ مَعَ امْرَاَتِكَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۳۹۹) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص کسی عورت سے خلوت نہ کرے[1] اور کوئی عورت اس کے بغیر سفر نہ کرے کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو[2] ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ میں فلاں جہاد میں لکھ لیا گیا ہوں اور میری بیوی حج کو جارہی ہے فرمایا جا اپنی بیوی کے ساتھ حج کر[3] (مسلم بخاری)

(۲۳۹۹) [1] یعنی جس عورت سے نکاح جائز ہو اس کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے' ماں' بہن' بیٹی کا یہ حکم نہیں۔[2] محرم عورت کا وہ عزیز ہے جس سے نسب یا رضاعت یا صہریت کی وجہ سے ہمیشہ نکاح حرام ہو۔ لہٰذا رضاعی بھائی' سسرو داماد وغیرہ کے ساتھ سفر جائز ہے' لہٰذا اگر عورت مکہ معظمہ سے تاحد سفر دور ہو اس پر بغیر محرم حج فرض نہ ہوگا۔ یہ ہی مذہب احناف ہے۔[3] اس وقت جہاد فرض عین نہ تھا فرض کفایہ تھا کہ تھوڑے مسلمان کفار کا مقابلہ کرسکتے تھے اس لئے اس کا نام مجاہدین کی فہرست سے خارج کردیا گیا' خیال رہے کہ امام شافعی کے ہاں چند عورتیں ثقہ مل کر حج کرسکتی ہیں۔ امام مالک کے ہاں ثقہ مرد کے ساتھ بھی حج جائز ہے جیسے ہجرت' بعض اماموں کے ہاں اگرچہ چند عورتیں مل کر حج کریں اور ان میں سے ایک عورت کا محرم ساتھ ہو تو سب کا حج درست ہے مگر مذہب احناف قوی ہے چونکہ اس شخص کی جگہ دوسرا آدمی جہاد کرسکتا تھا مگر دوسرا آدمی اس کی بیوی کو حج نہیں کراسکتا تھا' اس لئے مجاہدین سے نکال کر حج کرانے کا حکم دیا گیا۔ کہ ابھی ان کی بیوی حج کو روانہ نہ ہوئی تھی بلکہ تیاری کررہی تھی۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اسْتَاذَنْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْجِهَادِ فَقَالَ جِهَادُ كُنَّ

(۲۴۰۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے متعلق اجازت مانگی[1] تو فرمایا عورتوں کا

الْحَجُّ .(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) جہاد حج ہے۲(مسلم بخاری)

(۲۴۰۰)۱کہ مجھے بھی میدان جہاد میں اپنے ساتھ لے چلیں، مجاہدین کی مرہم پٹی و دیگر خدمات کروں گی، اور اگر ضرورت پڑی تو کفار سے لڑوں گی بھی۔۲یعنی عورتوں پر جہاد فرض نہیں حج فرض ہے۔ اگر ان میں اس کی طاقت ہو، خیال رہے کہ کبھی ہنگامی حالات ایسے نازک ہو جاتے ہیں کہ عورتوں کا بھی جہاد کرنا پڑتا ہے جبکہ مرد جہاد کے لئے ناکافی ہوں، کفار کا دباؤ بڑھ جائے، یہ حدیث نارمل حالات کی ہے۔ اور جن احادیث میں عورتوں کو جہاد میں جانا ثابت ہے وہ ہنگامی حالات میں ہے، لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں، جو جوان لڑکیوں کو تعلیم کے بہانہ اکیلی پردیس میں بھیج دیتے ہیں۔ جہاں اسکولوں میں مخلوط تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ بھی عبرت پکڑیں جو جہاد پریڈ کے بہانے عورتوں کو بے پردہ پھراتے ہیں۔ شعر

کر اب یہ فکر کہ بیٹا حج خفیفہ ہو ۔۔۔ یہ فکر چھوڑ کہ بیٹی تری عفیفہ ہو

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرُ امْرَاَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ اِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۰۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی عورت ایک دن و رات کا سفر اس کے بغیر نہ کرے۱کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو۲(مسلم بخاری)

(۲۴۰۱)۱اس ممانعت کے حکم سے مہاجرہ اور کفار کی قید سے چھوٹنے والی عورت خارج ہے کہ یہ دونوں عورتیں بغیر محرم اکیلی ہی دارالسلام کی طرف سفر کرسکتی ہیں بلکہ یہ سفر ان پر واجب ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ عورت اکیلی بصرہ سے بیت اللہ آئے گی اور بغیر رب کے کسی سے خوف نہ کرے گی (بخاری) لہٰذا یہ حدیث نہ تو اس حدیث کے مخالف ہے نہ حکم فقہاء اس حدیث کے خلاف (مرقاۃ وغیرہ)۲محرم کے معنی پہلے بیان کئے گئے کہ جس عورت سے نسبی و رضاعی رشتہ کی بنا پر نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو، لہٰذا بہنوئی کے ساتھ سالی دیور کے ساتھ بھاوج، یوں ہی بالشبہ ہو موطوء کی ماں اس داماد کے ساتھ سفر نہیں کرسکتی کہ دیور اور بہنوئی سے نکاح دائماً حرام نہیں اور بالشبہ موطوء کی ماں سے اگرچہ ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے مگر وہ محرم نہیں ان سے پردہ فرض ہے، خیال رہے کہ یہاں تو ایک دن رات کا ذکر ہوا اور بعض روایات میں دو دن دو رات کا ذکر ہے بعض میں تین دن تین رات کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ ان احادیث میں حد بندی مقصود نہیں مطلب یہ ہے کہ چھوٹا بڑا کوئی سفر اکیلے نہ کرے یا یہ احکام مختلف حالات میں ہیں، نازک حالات میں ایک دن رات کا سفر بھی اکیلے نہ کرے، بعض نارمل حالات میں تین دن سے کم کا سفر اکیلے کرسکتی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَاالْحُلَيْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهَلُّهُ مِنْ اَهْلِهِ وَكَذَاكَ وَكَذَاكَ حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا .(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۰۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لئے جو ذوالحلیفہ کو (میقات) احرام گاہ بنایا اور شام والوں کے لئے جحفہ کو۱اور نجدیوں کے لئے قرن منازل کو۲اور یمن والوں کے لئے یلملم۳یہ میقات ان کے باشندوں کے لئے بھی ہیں اور انکے لئے بھی جو ان کا باشندہ نہ ہو مگر ان پر سے گزرے۴جو حج یا عمرہ کا ارادہ کرتا ہو۵پھر جو ان میقاتوں کے اندر کا باشندہ ہو تو اس کا احرام اپنے گھر سے ہے اور اسی

طرح حتیٰ کہ مکہ والے مکہ سے ہی احرام باندھیں۔[۶] (مسلم بخاری)

(۲۴۰۲)[۱] میقات وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں سے حاجی یا عمرہ کرنے والے کو بغیر احرام آگے بڑھنا حرام ہے' مکہ مکرمہ کے چار راستے ہیں ان چاروں راستوں کے لئے یہ چار حدود ہیں' چنانچہ مدینہ والوں کے لئے مقام ذوالحلیفہ میقات ہے جو مدینہ طیبہ سے قریباً تین میل ہے جسے اب بیر علی کہتے ہیں فقیر نے زیارت کی ہے بعض روافض کہتے ہیں کہ یہاں حضرت علی نے کنوئیں میں جنات سے جنگ کی تھی اس لئے اسے بیر علی کہا جاتا ہے مگر یہ محض جھوٹ ہے (مرقات) اب شام کے لوگ مدینہ منورہ کے راستے جاتے ہیں' لہٰذا ان کا میقات بھی یہ ہی ہے ان کے پرانے راستے پر جحفہ میقات تھا جحفہ مکہ معظمہ سے پچاس کوس جانب شام ہے' جحفہ کے معنی ہیں سیلاب کا بہاؤ' یہاں ایک دفعہ زبردست سیلاب آیا تھا اس لئے جحفہ نام ہوا' اصلی نام مہیعہ ہے اسے ایک شخص مہیعہ نامی نے آباد کیا تھا (مرقات)[۲] نجد کے معنی ہیں اونچی زمین غور کا مقابل' اب یہ عرب کا ایک صوبہ ہے جو یمامہ سے عراق تک پھیلا ہوا ہے قرن منازل کے معنی ہیں منزلوں کے ملنے کی جگہ' یہ ایک گول پہاڑ ہے چکنا[۳] یلملم یا الملم بھی ایک پہاڑ ہے' ہندی اور پاکستانیوں کا میقات بھی یہ ہی ہے جو کامران سے نکل کر سمندر میں آتا ہے' وہاں ہی ہم لوگ احرام باندھتے ہیں کیونکہ ہم لوگ براستہ عدن مکہ معظمہ جاتے ہیں عدن یمن کا مشہور شہر ہے[۴] یعنی جو حاجی ان مقامات سے گزرے وہ ان ہی جگہوں سے احرام باندھے خواہ یمن کا باشندہ ہو[۵] یعنی احرام باندھنا ان مقامات پر اسے لازم ہے جو بارادہ حج یا عمرہ یہاں سے گزرے' مگر جو مکہ معظمہ جا ہی نہ رہا ہو تو ان میقاتوں پر اسے احرام باندھنا لازم نہیں' جیسے اب جو حجاج پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیں وہ میقات سے بغیر احرام گزر جائیں' پھر زیارت مدینہ منورہ کے بعد مکہ معظمہ چلیں' تو ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں' امام شافعی اس جملہ کے معنی یہ کہتے ہیں کہ جو شخص مکہ معظمہ تو جارہا ہو مگر حج یا عمرہ کے لئے نہیں بلکہ کسی اور کام کے لئے وہ بغیر احرام میقات سے گزر سکتا ہے ہمارے مذہب میں بیرون میقات رہنے والا کسی نیت سے مکہ معظمہ جائے میقات پر اسے احرام لازم ہے۔ ہاں خود مکہ والا اگر کسی وجہ سے میقات سے باہر گیا۔ پھر مکہ معظمہ لوٹا اسے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے دن رات مکہ معظمہ سے لوگ طائف آتے جاتے ہیں ہماری دلیل وہ حدیث ہے **لا یجاوز احدن المیقات الا محرما** کوئی شخص میقات سے بغیر احرام آگے نہ بڑھے اور اس جملہ کے دو معنی ہیں جو عرض کئے گئے کہ مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کرے تو احرام باندھے[۶] یعنی میقات کے اندر رہنے والے حج کا احرام اپنے گھر سے باندھیں حتیٰ کہ مکہ والے بھی اپنے گھر سے باندھیں' لہٰذا جدہ والے حج یا عمرہ کا احرام گھر سے باندھ کر ہی چلیں' خیال رہے کہ مکہ والے عمرہ کا احرام حرم شریف کی حدود سے باہر آ کر باندھیں گے' اور حج کا احرام گھر سے کیونکہ عمرہ مکہ معظمہ میں ادا ہوتا ہے اور حج بیرون حرم عرفات میں ادا ہوتا ہے' تو کچھ سفر کرانے کے لئے شریعت نے مکہ کے عمرہ کے لئے یہ پابندی لگائی' اب مقام تنعیم مسجد عائشہ سے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُهَلُّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِى الْحُلَيْفَةِ وَالطَّرِيْقُ الْاٰخَرُ الْجُحْفَةُ وَمُهَلُّ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ وَّ مُهَلُّ اَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَمُهَلُّ اَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ .(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۴۰۳) روایت ہے حضرت جابر سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مدینہ والوں کا احرام گاہ ذوالحلیفہ سے ہے اور ان کا دوسرا راستہ جحفہ ہے[۱] اور عرق والوں کا احرام گاہ ذات عراق سے ہے[۲] اور نجد والوں کا احرام گاہ قرن ہے اور یمن والوں کا احرام گاہ یلملم ہے (مسلم)

(۲۴۰۳)[۱] یعنی مدینہ والے اگر براستہ شام مکہ معظمہ جائیں کہ ان کی راہ میں ذوالحلیفہ بھی آئے اور جحفہ بھی تو ان پر جحفہ سے احرام باندھنا

واجب ہے' لیکن اگر ذوالحلیفہ سے ہی احرام باندھ لیں تو بہتر ہے' یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے کہ جو شخص دو میقاتوں سے گزرے اس پر آخری میقات سے احرام باندھنا فرض ہے نہ کہ پہلے میقات پر امام شافعی کے ہاں پہلے میقات پر احرام باندھنا فرض ہے' یہ حدیث ہماری تائید فرمارہی ہے۲ عرق کے لغوی معانی ہیں کنارہ دریا' چونکہ عراق کا علاقہ دجلہ وفرات کے کناروں پر ہے اس لئے اسے عراق کہتے ہیں عراق کی لمبائی عبادان سے موصل تک ہے' اور چوڑائی قادسیہ سے حلوان تک' ذات عرق' قرن منازل کے مقابل واقع ہے۔عراق کے مشہور مقامات بصرہ' بغداد' کربلا' نجف' موصل ہیں۔اگرچہ عراق وشام عہد فاروقی میں فتح ہوئے' مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ یہ علاقے فتح ہوں گے اور یہاں سے حجاج آیا کریں گے اسی لئے ان کے میقات مقرر فرمادیئے' ان پر عمل عہد فاروقی سے ہوا' جن روایات میں ہے کہ ان دونوں میقاتوں کو حضرت عمر نے مقرر فرمایا وہاں عملی تقرر مراد ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عُمَرٍ كُلُّهُنَّ فِيْ ذِی الْقَعْدَةِ اِلَّا الَّتِیْ كَانَتْ مَعَ حَجَّتِهٖ عُمْرَةٌ مِّنَ الْحُدَيْبِيَّةِ فِیْ ذِی الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةٌ مِّنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِیْ ذِی الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةٌ مِّنَ الْجِعِرَّانَةِ حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ فِیْ ذِی الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةٌ مَعَ حَجَّتِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۰۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے ۱ جو سب ذیقعدہ میں تھے سوائے اس عمرہ کے جو آپ کے حج کے ساتھ تھا ۲ حدیبیہ کا عمرہ ذیقعدہ میں سال آئندہ کا عمرہ ذیقعدہ میں ہی ۳ اور جعرانہ کا عمرہ جہاں حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں وہ بھی ذیقعدہ میں ۴ اور ایک عمرہ آپ کے حج کے ساتھ والا ۵ (مسلم بخاری)

(۲۴۰۴) ۱ یعنی ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کل چار عمرے کئے بیرون مکہ سے آکر (مرقات) ۲ یعنی حج کے ساتھ والا عمرہ تو ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا باقی تین ذیقعدہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قران کیا تھا یہ ہی قوی ہے ۳ مکہ معظمہ سے نو میل دور جانب مدینہ منورہ ایک میدان اور وہاں کے ایک درخت کا نام حدیبیہ ہے' اس کا اکثر حصہ حرم شریف میں داخل ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شروع ذی قعدہ ۶ ھ میں پیر کے دن مدینہ منورہ سے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے' جب حدیبیہ میں پہنچے تو قریش مکہ نے مسلمانوں کو عمرہ سے روک دیا۔آخر کار اس پر صلح ہوئی کہ سال آئندہ عمرہ کریں' اس سال ویسے ہی بغیر عمرہ کئے واپس جائیں' پھر ۷ ھ ذیقعدہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ قضاء کیا' اگرچہ ۶ ھ میں عمرہ نہ ہوسکا مگر اسے عمرہ ہی شمار کیا گیا کہ ثواب تو عمرہ کامل ہی گیا' غرضیکہ بعد ہجرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عمرے حقیقی کئے اور ایک عمرہ حکمی کیا۔اس سے مذہب حنفی ثابت ہوا کہ نفلی عبادت شروع کردینے سے واجب ہوجاتی ہے کہ اگر پوری نہ ہوسکے تو قضاء کرنی پڑتی ہے کیونکہ یہ عمرہ نفل تھا جس کے رہ جانے پر قضاء کرنی پڑی ۴ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا عمرہ وہ ہے جو جنگ حنین میں فتح فرمانے کے بعد تقسیم غنیمت فرماکر حضور نے کیا کہ بارہ ذیقعدہ ۸ ھ میں بعد نماز عشاء مقام جعرانہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے اور راتوں رات عمرہ کرکے واپس آئے' نماز فجر جعرانہ میں ہی ادا کی' جعرانہ مکہ معظمہ سے قریبًا تین میل طائف کے راستہ پر واقع ہے' اب اسے سہل کہتے ہیں' فقیر نے اس میدان کی زیارت کی ہے ۵ یعنی چوتھا عمرہ ۱۰ ھ میں حج کے ساتھ کیا یہ عمرہ شروع ذی الحجہ میں ہوا مگر حجۃ الاسلام حضور نے ایک ہی کیا' ہجرت سے پہلے قریش کے ساتھ بہت حج کئے جن کی تعداد معلوم نہیں (اشعہ)

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۲۴۰۵) روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ذِی الْقَعْدَۃِ قَبْلَ اَنْ یَّحُجَّ مَرَّتَیْنِ ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے پہلے ذیقعدہ میں دوبار عمرے کئے[۱] (بخاری)

(۲۴۰۵)[۱] یہاں حقیقی عمرے مراد ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقۃً کل تین عمرے کئے' دو تو حج سے پہلے' ایک حدیبیہ کی قضاء کا دوسرا فتح حنین کے بعد جعرانہ سے احرام باندھ کر' تیسرا حج کے ساتھ' جس کا احرام ذیقعدہ کی آخری تاریخوں میں باندھا اور افعال عمرہ چار ذی الحجہ کو ادا کئے جن راویوں نے چار عمروں کی روایت کی وہ حکمی عمرے کو بھی شامل کرکے ہے' یعنی خود صلح حدیبیہ کے سال کا عمرہ' لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ اَفِیْ کُلِّ عَامٍ یَّا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لَوْ قُلْتُھَا نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِھَا وَلَمْ تَسْتَطِیْعُوْا وَالْحَجُّ مَرَّۃً فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

(۲۴۰۶) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو اللہ نے تم پر حج فرض کیا تو اقرع بن حابس کھڑے ہوگئے[۱] عرض کیا یارسول اللہ کیا ہر سال فرمایا اگر ہم ہاں کہہ دیتے تو اسی طرح فرض ہوجاتا[۲] اور اگر یہ فرض ہوتا تو تم نہ عمل کرتے اور نہ کرسکتے پس حج تو ایک بار ہی ہے جو زیادہ کیا تو نفل کیا[۳] (احمد' نسائی' دارمی)[۴]

(۲۴۰۶)[۱] اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ اقرع ابن حابس نے حج کو روزہ اور زکوٰۃ پر قیاس کیا کہ جب وہ ہر سال ہوتے ہیں تو یہ بھی ہر سال چاہیے' مگر چونکہ حج ہر سال واجب ہونے میں انہیں دشواری ہوگی' اس لئے یہ سوال کیا' خیال رہے کہ حضرت اقرع بن حابس فتح مکہ کے موقع پر بنی تمیم کے وفد میں حاضر ہوکر اسلام لائے' اسلام سے پہلے بھی اور بعد اسلام بھی بہت شاندار بتائے گئے[۲] قلتھا میں ھا ضمیر کلمہ اقرع کی طرف لوٹ رہی ہے' اور یہاں مضاف پوشیدہ ہے یعنی اگر ہم کلمہ اقرع کے جواب میں ہاں کہہ دیتے تو ایسا ہی ہوجاتا' معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔[۳] یعنی مکہ والوں اور غیر مکی پر عمر میں ایک بار ہی حج فرض ہے' اس کے علاوہ نفل' بعض شافعی لوگ کہتے ہیں کہ ایک بار حج فرض عین ہے' اس کے سواء فرض کفایہ' یہ حدیث ان کے صراحۃً خلاف ہے اور اس کی احکام شرعیہ میں نظیر بھی نہیں ملتی ہاں جسے خدا قدرت دے اسے ہر پانچ سال میں ایک بار حج کرنا مستحب ہے' ابن حبان نے مرفوعاً روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے خدا تندرستی' مال اور قدرت دے' پھر وہ پانچ سال تک حج نہ کرے وہ محروم ہے بعض لوگوں نے اس حدیث کی بناء پر پانچ سال میں ایک بار حج واجب مانا ہے' مگر یہ خلاف اجماع ہے (مرقات)[۴] اسے دارقطنی' حاکم' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا' علی شرط شیخین فرمایا (مرقاۃ)

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّلَکَ زَادًا وَّرَاحِلَۃً تُبَلِّغُہٗ اِلٰی بَیْتِ اللّٰہِ وَلَمْ یَحُجَّ فَلَا عَلَیْہِ اَنْ یَّمُوْتَ یَھُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا

(۲۴۰۷) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص توشہ اور سواری کا مالک ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا سکے[۱] پھر حج نہ کرے تو اس میں فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو

وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ وَهِلَالُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ مَجْهُوْلٌ وَالْحَارِثُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ ۔

کر مرے یا عیسائی ہو کر۲ اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگوں پر اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے جو وہاں تک کا راستہ طے کر سکے۳ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے جس کی اسناد میں کچھ گفتگو ہے۔ ہلال ابن عبداللہ مجہول آدمی ہے اور حارث حدیث میں ضعیف مانا جاتا ہے۔۴

(۲۴۰۷)۱زاد سے مراد بقدر ضرورت اپنا اور اپنے بچوں کا خرچ ہے یعنی اپنا تو سفر کا خرچ اور اپنے لوٹنے تک بچوں کا گھر کا خرچ' یہ مصارف مکہ معظمہ سے قرب بُعد اور زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اس لئے اس کا تقرر نہیں ہوسکتا' اور سواری سے مراد ہر قسم کی ضروری سواری ہے جیسے آج کل ریل' جہاز موٹر کار کا خرچ ملکیت سے مراد سواری کے نفع کی ملکیت کی ہے لہٰذا جو سواری کے کرایہ پر قادر ہو اس پر حج فرض ہے' اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔ سواری میں جانے آنے کا خرچ مراد ہے نہ کہ صرف جانے کا۔۲یعنی اس تارک حج کی موت اور یہودی وعیسائی کی موت میں فرق نہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ اس سے راضی ہوگا نہ ان سے اگرچہ دونوں پر ناراضگیوں میں فرق ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر یہ شخص حج کا منکر ہو کر مرا تو اس میں اور اہل کتاب میں کفر میں فرق نہیں اور اگر حج کا تارک ہو کر مرا تو کفران یعنی ناشکری میں فرق نہیں۔ بہرحال اس کلام میں انتہائی غضب کا اظہار ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ حج نہ کرنا کفر ہے۳اس آیت کے آخر میں وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (۳٬۹۷) اور جو منکر ہو تو اللہ سارے جہان سے بے پروا ہے (کنزالایمان) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری آیت کریمہ تلاوت فرمائی ہوگی کہ محل استدلال آخر میں ہے' مگر راوی نے صرف اس قدر تلاوت کی۔۴یعنی اس حدیث کا ایک راوی تو مجہول ہے جس کے حالات کا پتہ نہیں اور دوسرا ضعیف ہے' مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث مرفوع بہت اسنادوں سے مروی ہے' اس کی روایت ابوامامہ سے بھی ہے اور اسے ابن عدی نے ابوہریرہ سے بھی روایت کیا' اور جب ضعیف حدیث مختلف اسنادوں سے مروی ہو جائے تو اس میں قوت آجاتی ہے اور حضرت عمر پر موقوف صحیح ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صُرُوْرَةَ فِي الْاِسْلَامِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۴۰۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسلام میں ترک دنیا نہیں۱ (ابوداؤد)

(۲۴۰۸)۱صرورت بروزن ضرورت' صر سے مشتق ہے معنی روکنا یا منع کرنا یا باز رہنا' ترک دنیا یعنی تَبَتُّل کو بھی صرورۃ کہتے ہیں اور ترک حج کو بھی' یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی اسلام میں تارک الدنیا ہو جانا منع ہے کہ کوئی نکاح کرنے یا اچھا کھانا پینا ترک کرنے کا عہد کرے یا اسلام میں قادر و مالدار کو حج نہ کرنا منع ہے' غالبًا صاحب مشکوٰۃ کے نزدیک صرورت کے یہ ہی معنی ہیں' اسی لئے وہ یہ حدیث حج کے بیان میں لائے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۴۰۹) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کا ارادہ رکھتا ہو تو جلدی کرے۱ (ابوداؤد' دارمی)۲

(۲۴۰۹)۱کیونکہ موت آجانے اور مال یا وقت چلے جانے کا ہر وقت اندیشہ وخطرہ ہے' اور ایک حج رہ جانے پر سال بھر تک انتظار کرنا ہے سال کس نے دیکھا ہے' فقہاء فرماتے ہیں کہ حج علی الفور واجب ہے کہ بلاوجہ دیر لگانا منع ہے' بلکہ امام ابویوسف و امام مالک کے ہاں یہ شخص فاسق ناقابل گواہی ہے' دیگر اماموں کے ہاں فاسق نہیں' خیال رہے کہ تمام ائمہ کے ہاں حج علی التراخی واجب ہے یعنی جب بھی کرے گا ادا

ہی ہوگا قضاء نہ ہوگا کہ اس کا وقت عمر بھر ہے' اس میں اختلاف ہے کہ بلاوجہ دیر لگانا فسق ہے یا نہیں' اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو مالدار ہوتے ہیں بچوں کی شادیاں وغیرہ کے لئے حج نہیں کرتے بعض جہلاء میں مشہور ہے کہ حج بڑھاپے میں کرنا چاہیے حالانکہ حج تو جوانی کا ہے جبکہ طواف وسعی وسفر بہ آسانی کر سکے' اکثر لوگ بڑھاپے کے انتظار میں بغیر حج مر جاتے ہیں۔۲؎ اسے حاکم نے بھی روایت کیا' بعض روایات میں ہے کہ اس سے پہلے حج کرلو جبکہ حج نہ کرسکو۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خُبْثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ عُمَرَ اِلٰى قَوْلِهٖ خُبْثَ الْحَدِيْدِ ۔

(۲۴۱۰) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حج وعمرہ ملا کر کرو۱؎ کہ یہ دونوں غریبی اور گناہوں کو ایسے مٹا دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو۲؎ اور مقبول حج کا ثواب جنت کے سواء اور کچھ نہیں۳؎ (ترمذی' نسائی) اور احمد' ابن ماجہ نے حضرت عمر سے لوہے کے میل تک روایت کی۴؎

(۲۴۱۰)۱؎ یعنی ایک سفر میں حج وعمرہ دونوں ادا کرلو خواہ قران کرو یا تمتع' یہ تو باہر والوں کے لئے ہوا یا اے مکہ والو حج کے بعد عمرہ بھی کرلو' کیونکہ مکہ والوں کو زمانہ حج میں عمرہ منع ہے بہرحال یہ حدیث سارے ہی مسلمانوں کے لئے ہے مکی ہوں یا غیر مکی' اور اس پر یہ اعتراض نہیں کہ مکہ والے اس پر کیسے عمل کریں۔۲؎ خبث' خ' ب کے زبر سے بھی پڑھا گیا ہے' اور خ کے پیش' ب کے زبر سے بھی' مگر دوسری قرأت زیادہ موزون ہے یعنی قران یا تمتع یا حج وعمرہ ملا کر کرنے سے دل کی اور ظاہری فقیری بھی بفضلہٖ تعالٰی دور ہوتی ہے۔اور گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اس کا تجربہ بھی ہے۔خیال رہے کہ گناہ وفقر دور کرنا ربّ کا کام ہے مگر یہاں اسے حج وعمرہ کی طرف نسبت کیا گیا کہ یہ اس کا سبب ہے' لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رسول غنی کردیتے ہیں' رب فرماتا ہے: اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (۹'۷۴) اللہ ورسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کردیا (کنزالایمان) ۳؎ حج مبرور کی تعریف پہلے ہوچکی کہ یہ وہ ہے جو حلال کمائی اور صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے اخلاص کے ساتھ اور مرتے دم تک کوئی ایسی حرکت نہ ہو جس سے حج باطل ہو جائے۔یعنی مقبول حج کا بدلہ صرف دنیاوی اور گناہوں کی معافی یا دوزخ سے نجات یا تخفیف عذاب نہ ہوگا بلکہ جنت ضرور ملے گی۔۴؎ منذری کی روایت میں ہے کہ جو حج کے لئے اخلاص سے جائے تو اس کی بخشش بھی ہوگی اور اس کی شفاعت بھی قبول ہوگی اور حاجی گھر واپس آنے تک اللہ کی امان میں رہتا ہے حج میں ایک درہم خرچ کرنا دوسرے مقامات پر دس لاکھ درہم خرچ کرنے سے افضل ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُوْجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنِ مَاجَةَ)

(۲۴۱۱) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا یا رسول اللہ کون چیز حج فرض کرتی ہے فرمایا توشہ اور سواری۱؎ (ترمذی' ابن ماجہ)

(۲۴۱۱)۱؎ توشہ سے مراد اپنا سفر کا سامان نان ونفقہ و دیگر خرچ ہے اور اپنے بال بچوں کے گھر کا خرچ اس کی واپسی تک اور سواری میں وہ ساری سواریاں داخل ہیں جن سے مکہ معظمہ کا راستہ طے ہو' جیسے ہم پاکستانیوں کے لئے کراچی تک ریل پھر کراچی سے جدہ تک جہاز اور جدہ سے مکہ معظمہ تک لاری بس' یہ سواریاں مختلف فاصلوں کے لئے مختلف ہیں یہ حدیث امام مالک کے خلاف ہے کہ ان کے ہاں پیدل

چلنے کی طاقت رکھنے پر پیدل حج فرض ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا الْحَآجُّ قَالَ الشَّعِثُ التَّفِلُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الْحَجِّ اَفْضَلُ قَالَ الْعَجُّ وَالثَّجُّ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالسَّبِيْلُ قَالَ زَادٌ وَ رَاحِلَةٌ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوٰى ابْنُ مَاجَتَه فِيْ سُنَنِهٖ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرِ الْفَصْلَ الْاَخِيْرَ ـ

(۲۴۱۲) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔عرض کیا حاجی کون ہے فرمایا میلا' بووالا۱ پھر دوسرا کھڑا ہوا عرض کیا یا رسول اللہ کون سا حج افضل ہے۲ فرمایا خون بہانا شور مچانا۳ پھر دوسرا اٹھا عرض کیا یا رسول اللہ سبیل کیا چیز ہے۴ فرمایا توشہ اور سواری۵ اسے شرح سنہ میں روایت کیا اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں مگر انہوں نے آخری چیز بیان نہ کی۔

(۲۴۱۲) سوال یہ تھا کہ کامل حاجی کون ہے۔فرمایا جس پر دو علامتیں ہوں۔ پراگندگی بال سر میلا' کیونکہ بحالت احرام بال ٹوٹنے کے اندیشہ سے سر کم دھوتے ہیں اور بووالا کیونکہ بحالت احرام خوشبو لگانا منع ہے' اور بسا اوقات پسینہ اور لوگوں کے اژدہام سے کچھ بو سی محسوس ہونے لگتی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ حاجی بحالت حج دنیاوی تکلفات سے ایک دم کنارہ کش ہوجاتا ہے۔۲ یعنی ارکان حج کے بعد کونسا عمل حج میں بہتر ہے' زیادہ کونسی صفات ہیں جن سے حج افضل ہوجاتا ہے۔ ارکان تو سب ہی ادا کرتے ہیں۔شعر:۔

حاجی تو سارے کہلاویں حج کرے کوئی ایک ہزاروں میں تو ہے نہیں لاکھوں میں جا دیکھ

۳ یعنی احرام باندھتے ہی بلند آواز سے تلبیہ کہتے رہنا اور دسویں ذوالحجہ کو قربانی دینا' بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے سارے اعمال حج مراد ہیں کیونکہ شور مچانا تلبیہ کہنا اوّل عمل ہے اور قربانی آخر عمل' درمیان کے اعمال ان میں خود ہی آگئے یعنی تلبیہ سے قربانی تک سارے عمل افضل ہیں۔۴ یعنی ربّ تعالٰی نے جو فرمایا: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (۳'۹۷) اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے (کنزالایمان) کہ بیت اللہ کا حج اس پر فرض ہے جو وہاں تک راستہ کی طاقت رکھتا ہو' راستہ سے کیا مراد ہے۔۵ بعض اماموں نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ فرضیت حج کے لئے صحت وتندرستی ضروری نہیں' اگر مدقوق مریض یا بہت بوڑھے کے پاس مال آیا' جو سواری پر بیٹھتا تو کیا حرکت بھی نہیں کرسکتا اس پر بھی حج فرض ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تندرستی کا ذکر نہ فرمایا' مگر یہ استدلال کچھ ضعیف سا ہے' اس لئے کہ یہاں تو راستہ کے امن کا بھی ذکر نہیں' حالانکہ اگر امن نہ ہو تو بالاتفاق حج فرض نہیں' اگر کہا جائے کہ سواری میں راستہ کا امن بھی داخل ہے۔تو جواب یہ ہے کہ سواری میں اس پر بیٹھ سکنے کی طاقت بھی داخل ہے' لہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں' ہاں جو پہلے سے مالدار تھا مگر حج نہ کیا۔ پھر بیمار یا بہت بوڑھا ہوگیا تو اس پر حج فرض ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ رَزِيْنِ الْعُقَيْلِيِّ اَنَّهٗ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَّا يَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ حُجَّ عَنْ اَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

(۲۴۱۳) روایت ہے حضرت ابورزین عقیلی سے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' عرض کیا یا رسول اللہ میرے والد بہت بوڑھے ہیں جو نہ حج وعمرہ کی طاقت رکھتے ہیں نہ سوار ہونے کی۱ فرمایا اپنے باپ کی طرف سے حج وعمرہ کرو۲ (ترمذی' ابوداؤد' نسائی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲۴۱۳)۱؎ یعنی میرے والد زیادہ بوڑھے ہونے کی وجہ سے نہ حج وعمرہ کے ارکان ادا کرسکتے ہیں طواف سعی وغیرہ اور نہ سواری پر بیٹھ سکتے ہیں۔ جو مکہ معظمہ تک پہنچائے' لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں غالبًا ان کے والد پر پہلے سے حج فرض تھا کسی مجبوری کی وجہ سے حج نہ کیا تھا' ورنہ ایسے بوڑھے پر اگر اس کمزوری میں مال آئے تو حج فرض نہیں ۲؎ یا تو ان کی طرف سے حج وعمرہ خود کردو یا کسی سے کرادو' خیال رہے کہ حج بدنی و مالی عبادت کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا بوقت مجبوری دوسرا اس کی طرف سے کرسکتا ہے' یعنی حج بدل' مگر قدرت ہوتے ہوئے خود ہی کرنا ہوگا' محض بدنی عبادات میں نیابت مطلقًا ناجائز ہے اور محض مالی عبادت میں مطلقًا جائز' لہٰذا کوئی کسی کی طرف سے نماز روزہ کبھی ادا نہیں کر سکتا۔ اور زکوٰۃ قربانی بہرحال ادا کرسکتا ہے' اس کی اجازت سے' خیال رہے کہ عمرہ فرض یا واجب نہیں' سنت ہے لہٰذا حدیث میں دونوں کا حکم دینا استحبابًا ہے' یعنی بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی باپ کی طرف سے ادا کرو' آیت کریمہ: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (۱۹۶:۲) اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو (کنزالایمان) میں عمرہ شروع کردینے کے بعد اس کے پورا کردینے کا حکم ہے' یعنی جب حج وعمرہ شروع کردیا' تو انہیں ضرور پورا کرو' کیونکہ ہر نفل شروع کردینے سے فرض ہوجاتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ مَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ اَخٌ لِّيْ اَوْ قَرِيْبٌ لِّيْ قَالَ اَحَجَجْتَ عَنْ نَّفْسِكَ قَالَ لَا قَالَ حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

(۲۴۱۴) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یوں کہتے سنا۔ لبیک (حاضر ہوں) شبرمہ کی طرف سے ۱؎ فرمایا شبرمہ کون' عرض کیا میرا بھائی ہے یا عزیز ہے فرمایا کیا تم اپنا حج کرچکے ہو عرض کیا نہیں فرمایا اپنا حج کرو۔ پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرو ۲؎ (شافعی' ابوداؤد' ابن ماجہ) ۳؎

(۲۴۱۴)۱؎ وہ صاحب شبرمہ کی طرف سے حج بدل کررہے تھے' اس لئے ان ہی کے نام سے تلبیہ کہہ رہے تھے ۲؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی' امام احمد' امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ جس نے اپنا حج نہ کیا ہو وہ حج بدل ہرگز نہیں کرسکتا' اگر کرے گا تو وہ خود اس کا اپنا حج ادا ہوگا نہ کہ بدل والے کا' مگر امام اوزاعی' امام مالک' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج بدل ادا تو ہوجائے گا' مگر ایسا کرنا بہتر نہیں چاہیے یہ کہ پہلے اپنا حج کرے' پھر حج بدل' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کی اجازت دی' اور یہ نہ پوچھا کہ تو اپنا حج کرچکی ہے یا نہیں' لہٰذا وہ حدیث بیان جواز کے لئے تھی اور یہ حدیث بیان استحباب کے لئے ہے۔ ۳؎ امام ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں مضطرب ہے کیونکہ اس کے راوی سعید ابن عروبہ اوّلاً بصرہ میں تو اسے حضرت ابن عباس پر موقوفا روایت کرتے تھے پھر بعد میں کوفہ آکر مرفوعًا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے لگے' معلوم ہوا کہ ان پر یہ حدیث مشتبہ ہے' نیز اس میں تدلیس ہے (مرقات) لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيْقَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۴۱۵) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورب والوں کے لئے عقیق کو میقات بنایا ۱؎ (ترمذی' ابوداؤد)

(۲۴۱۵)۱؎ اہل مشرق سے مراد عراق والے ہیں' عقیق عق سے بنا معنی قطع ہوجانا' چونکہ اس جگہ پانی کا سیلاب آتا رہتا ہے جس سے یہ علاقہ دوسری زمین سے کٹ جاتا ہے۔ اس لئے اسے عقیق کہتے ہیں' یہ عقیق وہ عقیق نہیں ہے جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ بلکہ یہ

عقیق مکہ معظمہ سے شرقی جانب ہے‘ ذات عرق کے مقابل‘ امام طیبی نے فرمایا کہ صحیح تر یہ ہے کہ یہ میقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق فتح فرما کر مقرر کیا یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں (اشعہ و مرقات) بلکہ عراق والوں کے لئے میقات ذات عرق ہے جیسے اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِاَ هْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ (رَوَاهُ اَبُو دَاوٗدَ وَالنَّسَائِي)

(۲۴۱۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عراق والوں کے لئے ذات عرق کو میقات بنایا[۱] (ابوداؤد‘ نسائی)[۲]

(۲۴۱۶)[۱] اس حدیث سے بعض لوگوں نے فرمایا کہ عراق والوں کے لئے دو میقات ہیں عقیق اور ذات عرق‘ جس سے عقیق پہلے ہے اور ذات عرق بعد میں۔ لہٰذا اگر عراق والے حجاج عقیق سے ہی احرام باندھ لیں تو بہت بہتر ہے اور اگر ذات عرق سے احرام باندھیں تو گنہگار نہیں۔[۲] یہ حدیث دارقطنی نے بھی روایت کی‘ جس کی سند علیٰ شرط بخاری ہے۔ اور یہ حدیث مسلم شریف کے موافق ہے جو پہلی فصل میں گزر چکی‘ بخاری نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ جب عہد فاروقی میں عراق فتح ہوا تو عراقیوں نے فاروق اعظم کی خدمت میں عرض کیا کہ امیر المومنین ہمارا میقات کیا ہے‘ کیونکہ نجد کا میقات قرن ہم سے بہت دور ہے تو آپ نے قرن کے مقابل ذات عرق مقرر کیا کہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقرر فرما دینے کی خبر نہ تھی (مرقات)

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَهَلَّ بِحَجَّةٍ اَوْ عُمْرَةٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى اِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ اَوْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۴۱۷) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام تک حج یا عمرہ کا احرام باندھے[۱] تو اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں یا اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے[۲] (ابوداؤد‘ ابن ماجہ)[۳]

(۲۴۱۷)[۱] اس طرح کہ پہلے بیت المقدس کی زیارت کرے‘ پھر وہاں سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ حاضر ہو کر حج یا عمرہ کرے۔[۲] یہ شک راوی کا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کا وعدہ فرمایا یا جنت کی عطاء کا‘ اس سے معلوم ہوا کہ جس قدر دور سے احرام بندھے گا اسی قدر زیادہ ثواب ملے گا‘ خیال رہے کہ اشہر حرم سے پہلے حج کا احرام باندھنا ہمارے ہاں مکروہ ہے۔ امام شافعی کے ہاں وہ احرام عمرہ کا ہو جائے گا یا بندھے گا ہی نہیں‘ مگر میقات سے پہلے ہی احرام باندھ لینا حتیٰ کہ اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر نکلنا افضل ہے‘ بشرطیکہ احرام کی پابندیاں پوری کر سکے اشہر حج یعنی حج کے مہینے شوال‘ ذیقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں کل دو ماہ دس دن[۳] حاکم نے مستدرک میں عبداللہ ابن سلمہ مری سے روایت کیا۔ حضرت علی سے کسی نے اس آیت کے متعلق پوچھا: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (۲:۱۹۶) اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو (کنزالایمان) کہ حج و عمرہ کا پورا کرنا کیا ہے فرمایا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھ کر نکلو‘ مشکوٰۃ کی اس حدیث کو بیہقی وغیرہ نے بھی روایت کیا‘ امام نووی نے فرمایا کہ یہ حدیث قوی نہیں‘ دیگر محدثین نے فرمایا حسن ہے‘ غرضیکہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے اور دونوں کلاموں میں تعارض نہیں

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْيَمَنِ يَحُجُّوْنَ فَلَا يَتَزَوَّدُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ فَاِذَا قَدِمُوا مَكَّةَ سَاَلُوا النَّاسَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۴۱۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ یمن کے لوگ حج کرنے آتے تو توشہ ساتھ نہ لاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل لوگ ہیں[۱] پھر جب مکہ معظمہ پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے[۲] اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری کہ توشہ ساتھ لو کیونکہ بہترین توشہ سوال سے بچنا ہے[۳] (بخاری)

(۲۴۱۸)[۱] یا تو یہ لوگ بالکل ہی توشہ ساتھ نہ لاتے تھے مانگتے کھاتے آتے تھے یا اس قدر تھوڑا توشہ لاتے تھے جو راستہ میں ہی خرچ ہوجاتا اور مکہ معظمہ پہنچ کر بے خرچ رہ جاتے، وہ اپنے کو متوکل کہتے تھے مگر درحقیقت مسا کل تھے یعنی مانگنے والے وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے گھر جا رہے ہیں، اس کے مہمان ہیں، مہمان ساتھ کھانا کیوں لائے۔[۲] بلکہ جب بھیک مانگنے سے کام نہ چلتا تو چوری ڈکیتی کرتے تھے (مرقات) یہ غلط توکل آج بھی بعض نکموں کے دل میں سمایا ہوا ہے کہ بیکار رہنے بھیک مانگنے کو توکل کہتے ہیں حالانکہ توکل کے معنی یہ ہیں شعر:۔

گر توکل مے کنی درکار کن کسب کن پس تکیہ برجبار کن

[۳] یعنی دنیا میں حج وغیرہ کے موقع پر بقدرِ ضرورت توشہ تو ساتھ لو، یہ توشہ توکل کے خلاف نہیں، پرہیز گاری اسی میں ہے کہ بھیک، چوری، ڈکیتی، قرض اور غصب سے بچا جائے، صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا کے سفر کا توشہ مال ہے، اور آخرت کے سفر کا توشہ نیک اعمال، رب تعالٰی تک پہنچنے کا توشہ کمال۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَى النِّسَآءِ جِهَادٌ قَالَ نَعَمْ لَا قِتَالَ فِيْهِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۴۱۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا عورتوں پر جہاد ہے فرمایا ہاں ان پر وہ جہاد ہے جس میں جنگ نہیں[۱] یعنی حج وعمرہ (ابن ماجہ)

(۲۴۱۹)[۱] بلکہ انکے جہاد میں سفر تھکن اور مشقت ہے جنگ نہیں، اسی مناسبت سے حج کو جہاد فرمایا، اس حدیث کی بنا پر بعض شوافع نے عمرہ کو واجب فرمایا کہ علٰی وجوب کے لئے آتا ہے اس کی بحث پہلے ہوچکی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَآءَ يَهُوْدِيًّا وَّاِنْ شَآءَ نَصْرَانِيًّا (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

(۲۴۲۰) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو حج سے کوئی ظاہری ضرورت یا[۱] ظالم بادشاہ[۲] یا روکنے والی بیماری نہ روکے[۳] پھر وہ حج کئے بغیر مرجائے تو چاہیے یہودی ہوکر مرے اور چاہے عیسائی ہوکر مرے[۴] (دارمی)

(۲۴۲۰)[۱] جیسے فقیری یعنی توشہ وسواری پر قدرت نہ ہونا کہ ہر دونوں چیزیں وجوب حج کی شرطیں ہیں[۲] یا تو خود اپنے ملک کا بادشاہ ظالم ہو کہ ظلماً حج کو جانے کی اجازت نہ دیتا ہو[۳] راستہ میں کسی سلطان کی حکومت ہو وہ حجاج کو گزرنے نہ دیتا ہو یا مکہ معظمہ کا بادشاہ ظالم ہو کہ حجاج

کو داخل نہ ہونے دے۔ ان تینوں صورت میں راستہ کا امن مفقود ہے' اور راستہ کا امن وجوب ادائے حج کی شرط ہے' ظلم کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر بادشاہ حجاج کو مہربانی ومحبت سے روکے' تو اس کا اعتبار نہیں' حج فرض ہوگا (مرقات) ۳؎ بیماری سے وہ بیماری مراد ہے جو سفر سے مانع ہو' تندرستی بعض کے نزدیک شرط وجوب ہے اور بعض کے ہاں شرط ادا پہلی صورت میں بیمار کی طرف سے حج بدل کرانا لازم ہوگا' دوسری صورت میں نہیں' ہمارے امام صاحب کے ہاں شرط ادا ہے کہ اگر کسی کے پاس مال سخت بیماری یا معذوری کی حالت میں آیا' اس پر حج فرض نہیں (مرقات) ۴؎ یعنی اس کی موت یہود و نصاریٰ کی سی ہے کہ وہ لوگ کتاب اللہ پڑھتے تھے مگر عمل نہ کرتے تھے۔ ایسے ہی یہ قرآن شریف پڑھتا رہا اور حج کی آیت پر بلا عذر عمل نہ کیا' لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بدعملی فسق ہے کفر نہیں' پھر اس کی موت کو یہودیوں عیسائیوں کی موت کیوں فرمایا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ الْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۴۲۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا حج وعمرہ کرنے والے اللہ کی جماعت ہیں۱؎ اگر یہ خدا سے دعا کریں تو رب ان کی قبول کرے اور اگر اس سے مغفرت مانگیں تو انہیں بخش دے۲؎ (ابن ماجہ)

(۲۴۲۱) ۱؎ جو اللہ تعالٰی کے گھر جا رہے ہیں' رب سے ملنے جا رہے ہیں' اور سلطان اپنے ملاقاتیوں کی بات مانتا ہے' ان کی سفارش قبول کرتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ بھی مقبول الدعا ہیں انشاء اللہ ۲؎ مسلمانوں کا طریقہ ہے کہ حجاج کو پہنچانے' وداع کرنے اور واپسی پر ان کا استقبال کرنے کے لئے اسٹیشن تک جاتے ہیں۔ ان سے دعا کراتے ہیں۔ یہ اس حدیث پر ہی عمل ہے کہ حاجی گھر سے نکلتے ہی مقبول الدعا ہے اور واپس گھر میں داخل ہونے تک مستجاب الدعوات رہتا ہے۔ خیال رہے کہ حاجی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واحد فرمایا اور عمرہ کرنے والوں کو جمع' تاکہ پتہ لگے کہ عمرہ والے سے حج والے کا درجہ زیادہ ہے کہ ایک حاجی عمرہ والوں کی جماعت کے برابر ہے' کیوں نہ ہو کہ حج فرض ہے اور عمرہ سنت' یہ ہی مذہب احناف ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَفْدُ اللّٰهِ ثَلٰثَةٌ اَلْغَازِیْ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ ۔

(۲۴۲۲) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کی جماعتیں تین ہیں۱؎ غازی' حاجی اور عمرہ کرنے والا۲؎ (نسائی' بیہقی' شعب الایمان)

(۲۴۲۲) ۱؎ یعنی تین شخص یا تین قسم کے لوگ ہیں' وفد وہ جماعت کہلاتی ہے جو اپنی قوم کی نمائندہ بن کر سلطان کی خدمت میں عرض معروض کرنے پر حاضر ہو۔ ۲؎ چونکہ یہ حضرات راہ الٰہی میں بہت محنت ومشقت اٹھاتے ہیں اور ان کی دعائیں تمام مسلمانوں کو کام آتی ہیں' اس لئے انہیں وفد اللہ فرمایا گیا یعنی اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں مسلمانوں کی طرف سے نمائندہ بن کر آنے والے لوگ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَقِیْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ یَّسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بَیْتَهٗ فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۴۲۳) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم حاجی سے ملو۱؎ تو اسے سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو۲؎ اور اس کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنی [illegible] کے لئے کہو کیونکہ وہ بخشا ہوا ہے۳؎ (احمد)

(۲۴۲۳)۱؎ ایک حاجی یا حاجیوں کی جماعت سے کہ حاجی دونوں پر بولا جاتا ہے' (اشعہ) مراد وہ ہے جو حج کرکے واپس وطن آیا' عمرہ یا زیارت مدینہ منورہ کرنے والا' غازی طالب علم بھی اسی حکم میں ہیں (مرقات) ان سب سے دعا کرانا چاہیے۲؎ یعنی کوشش کرو کہ تم ہی سلام و مصافحہ کی ابتداء کرو' اگر حاجی غریب ہے اور تم امیر' تو اسے سلام ومصافحہ کرنے میں اپنی توہین محسوس نہ کرو۳؎ اور ابھی اس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے کہ گھر میں نہیں پہنچتا ہے' سفر ختم نہیں کیا ہے' معلوم ہوا کہ حاجی کے آتے جاتے ہوئے راستہ کے گناہ بھی معاف ہیں' گھر میں آکر گناہ شروع ہوں گے' یہ بھی معلوم ہوا کہ مغفور لوگوں سے دعا کرانی چاہیے' لہٰذا اولیاء اللہ اور چھوٹے بچوں سے دعا کرانی چاہیے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِیًا ثُمَّ مَاتَ فِیْ طَرِیْقِهٖ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الْغَازِیْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ (رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

(۲۴۲۴) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حاجی یا غازی یا عمرہ کرنے والا ہوکر نکلا۔ پھر راستہ میں مرگیا۱؎ تو اس کے لئے غازی' حاجی اور عمرہ والے کا ثواب لکھ دیا گیا۲؎ بیہقی شعب الایمان۔

(۲۴۲۴)۱؎ یعنی جاتے ہوئے مرگیا' حج یا عمرہ یا غزوہ نہ کرسکا' جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۲؎ اس کی تائید اس آیت سے ہے: وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (۴:۱۰۰) اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہوگیا (کنزالایمان) جو اپنے گھر سے مہاجر ہوکر نکلا پھر اسے موت آگئی' تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ثابت ہوگیا مگر جو حج فرض ہونے کے بعد برسوں حج کو نہ گیا' پھر بڑھاپے میں گیا اور راہ میں مرگیا تو وہ ضرور اس دیر لگانے کا گنہگار ہے' یہ حدیث اس کے لئے ہے جو بلا عذر حج میں دیر نہ لگائے' کیونکہ حج فوراً ادا کرنا چاہیے' اور ہوسکتا ہے کہ یہ شخص بھی دیر لگانے کا گنہگار ہو' مگر اس کا یہ حج ہوجائے اللہ تعالٰی کریم ہے (مرقات)

بَابُ الْاِحْرَامِ وَالتَّلْبِیَةِ
احرام باندھنے' تلبیہ کہنے کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

احرام وتحریم دنوں کے معنی ہیں' حرمت میں یا حرمت والی چیز میں داخل ہوجانا' نماز کی پہلی تکبیر کو تحریمہ اور حج یا عمرہ کی نیت اور تلبیہ کو احرام اس لئے کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہی مسلمان پر کھانا پینا' بولنا وغیرہ حرام ہوگیا' اور وہ حرمت والی چیز یعنی نماز میں داخل ہوگیا اور حج وعمرہ کا احرام باندھتے ہی اس پر شکار' سلا کپڑا' سر ڈھکنا وغیرہ حرام ہوگیا اور وہ زمین حرم میں داخل ہونے کے لائق ہوگیا' احرام ہمارے امام صاحب کے ہاں شرط حج وعمرہ ہے۔ بعض اماموں کے ہاں رکن' تلبیہ کے معنی ہیں لبیک کہنا' جیسے تکبیر کے معنی ہیں اللہ اکبر کہنا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُطَیِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاِحْرَامِهٖ قَبْلَ اَنْ یُّحْرِمَ وَلِحِلِّهٖ قَبْلَ اَنْ یَّطُوْفَ بِالْبَیْتِ بِطِیْبٍ فِیْهِ مِسْكٌ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی وَبِیْصِ الطِّیْبِ فِیْ مَفَارِقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ

(۲۴۲۵) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خوشبو تیار کررہی تھی۔ آپ کے احرام کے لئے احرام باندھنے سے پہلے۱؎ اور آپ کے کھلنے کے لئے طواف بیت اللہ سے پہلے ایسی خوشبو جس میں مشک ہوتا تھا۲؎ گویا میں اب

وَسَلَّمَ وَهُوَمُحْرِمٌ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک بحالت احرام دیکھ رہی ہوں۳؎ (مسلم بخاری)۴؎

(۲۴۲۵)۱؎ یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج یا عمرہ کے احرام کا ارادہ فرماتے' تو میں خوشبو تیار رکھتی' آپ غسل فرما کر بغیر سلے کپڑے پہن کر خوشبو ملتے' پھر نفل پڑھ کر تلبیہ کہتے' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ حجۃ الوداع میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور اس سے پہلے عمروں میں بھی' تب ہی ماضی استمراری فرما رہی ہیں۲؎ بقرعید کے دن حاجی جمرہ عقبہ کی رمی کر کے کچھ حلال ہو جاتا ہے' پھر طواف زیارت کر کے پورا حلال ہو جاتا ہے کہ اسے اپنی عورت سے صحبت بھی جائز ہو جاتی ہے' فرماتی ہیں کہ میں ناقص حل پر ہی خوشبو حضور کو لگا دیتی تھی' اس کے بعد آپ زیارت کرتے تھے۳؎ یعنی احرام باندھتے وقت جو خوشبو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم استعمال کرتے تھے' وہ بعینہٖ آپ کی مانگ شریف میں بعد احرام بھی باقی رہتی تھی گویا میں تصور میں اب بھی اسے دیکھ رہی ہوں' اس سے معلوم ہوا کہ بحالت احرام خوشبو لگانا حرام ہے۔ مگر احرام سے پہلے کی خوشبو کا بقا جائز ہے خواہ خوشبو کا جرم باقی رہے یا اثر یہ ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے' اور یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔ امام مالک و شافعی کے ہاں پہلی خوشبو کا بقا بھی حرام ہے بلکہ اس میں بھی فدیہ واجب ہے یہ حدیث ان کے صراحۃً خلاف ہے' حضرت عبداللہ ابن عمر نے جو اس کے خلاف فرمایا تھا انہیں حضرت عائشہ کی یہ حدیث نہ پہنچی تھی' یہ حدیث سن کر انہوں نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا تھا (مرقات) لہٰذا امام شافعی رضی اللہ عنہ کا اس حدیث سے استدلال درست نہیں' مذہب حنفی بہت قوی ہے'۴؎ امام مالک کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص خوشبو میں لتھڑا ہوا احرام باندھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور انور نے اس سے فرمایا کہ خوشبو دھو ڈال۔ اپنا جبہ اتار دے' پھر عمرہ کے ارکان ادا کر' وہ فرماتے ہیں کہ احرام میں خوشبو لگی رہنا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے' ورنہ اس شخص کو خوشبو دھونے کا حکم کیوں دیتے' مگر یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اس شخص نے بعد احرام خوشبو لگائی تھی (ابن ہمام و مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ مُلَبِّدًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَا يَزِيْدُ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۲۶) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بال چمٹائے تلبیہ کہتے سنا۱؎ کہ فرماتے تھے حاضر ہوں یا اللہ حاضر ہوں حاضر ہوں۲؎ تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں' یقیناً حمد و نعت تیری ہے اور ملک تیرا ہے تیرا کوئی شریک نہیں ان کلمات پر زیادتی نہ فرماتے تھے۳؎ (مسلم بخاری)

(۲۴۲۶)۱؎ یہل اہلال سے بنا بمعنی چیخنا' شور مچانا لغوی معنی ہیں' چاند دکھانا مگر چونکہ چاند دکھاتے وقت شور مچاتے ہیں کہ وہ ہے چاند' اس لئے اب اس کے معنی ہیں چلانا' ملبد تلبید سے بنا بمعنی بال چپکانا کسی گوند وغیرہ سے تاکہ بال نہ اڑیں اور ان میں گرد و غبار نہ بھرے' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بحالت احرام تلبید جائز ہے' امام اعظم کے ہاں ممنوع' کہ یہ سر ڈھکنے کے حکم میں ہے' یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے' امام اعظم کے یہاں تلبید لغوی معنی میں ہے' یعنی بالکل مطلقاً جمع کر لینا' انہیں پریشان نہ رکھنا۔۲؎ لبیک کا ترجمہ ہے حاضر جناب' یہ لفظ کسی پکارنے والے کے جواب میں بولا جاتا ہے' پکارنے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے کہ انہوں نے تعمیر کعبہ کے بعد چار آوازیں رب تعالیٰ کے حکم سے دی تھیں عباد اللہ تعالوا الی بیت اللہ ... حاجی احرام باندھ کر اس پکار کا

جواب دیتا ہوا جاتا ہے کہ حاضر جناب حاضر جناب، بعض نے فرمایا کہ پکارنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، بعض نے فرمایا کہ خود رب تعالٰی ہے، مگر پہلی بات قوی ہے (مرقات) ۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات تلبیہ میں ان الفاظ پر زیادتی نہ فرماتے تھے کبھی زیادتی بھی فرماتے تھے امام طحاوی کے یہاں زیادتی کرنا مکروہ ہے اسی بنا پر دیگر دوسرے اماموں کے ہاں زیادتی جائز بلکہ مستحب ہے، چنانچہ صحابہ و تابعین تلبیہ یوں کہتے تھے: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَالرُّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ لَكَ لَبَّيْكَ اور بہت زیادتیاں فرماتے تھے جیسا کہ کتب احادیث میں موجود ہے، ہاں منقولہ الفاظ سے کمی کرنا مکروہ ہے، مرد کو تلبیہ بلند آواز سے کہنا چاہیے اور عورت کو آہستہ آواز سے۔

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَدْخَلَ رِجْلَهٗ فِي الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ قَائِمَةً اَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِى الْحُلَيْفَةِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۲۷) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا پاؤں شریف رکاب میں داخل فرمایا اور آپ کو لے کر آپ کی اونٹنی سیدھی کھڑی ہوئی۱؎ تو آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد کے پاس باآواز تلبیہ کہا۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۴۲۷) ۱؎ یعنی حضور علیہ السلام نے ذوالحلیفہ (بیر علی) پہنچ کر احرام کے نفل ادا کئے پھر مکہ کی طرف روانگی کے لئے اونٹنی، قصواء، پر سوار ہوئے، جب اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہوگئی۔ ۲؎ یہ دوسری بار تلبیہ کہا پہلی بار نفل پڑھتے ہی کہا تھا کیونکہ احرام کے نفل پڑھتے ہی تلبیہ کہنا چاہیے، پھر بار بار کہتا رہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں، نہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہے جن میں فرمایا گیا کہ آپ نے بعد نفل بیٹھے ہوئے تلبیہ کہا۔ ۳؎ بیہقی و ترمذی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے نفل پڑھتے ہی تلبیہ ہی کہا اسے بیہقی نے تو ضعیف کہا، مگر ترمذی نے حسن فرمایا، ابوداؤد نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ان دونوں حدیثوں کی تطبیق یوں روایت کی، بعض لوگوں نے حضور کا نفل کے بعد والا تلبیہ سنا انہوں نے وہ روایت کردیا اور دوسروں نے ناقہ پر سوار ہوتے وقت کا تلبیہ سنا انہوں نے وہ روایت کردیا، دونوں وقت تلبیہ کہنا سنت ہے (از مرقات) امام شافعی کے ہاں پہلے تلبیہ اونٹ پر سوار ہوکر کہے، امام اعظم کے ہاں نفل سے فارغ ہوتے ہی کہے، امام مالک و احمد، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں، یہ ہی عمل بہتر ہے (لمعات)

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصْرُخُ بِالْحَجِّ صُرَاخًا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۴۲۸) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے کہ حج کا خوب شور مچاتے تھے۱؎ (مسلم)

(۲۴۲۸) ۱؎ کیونکہ صحابہ نے اولاً صرف حج کا احرام باندھا تھا، پھر انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس احرام میں عمرہ بھی داخل کرلیں اور بجائے افراد کے قران کریں، یہ اول حالت کا ذکر ہے، لہذا یہ حدیث آئندہ احادیث کے خلاف نہیں، اولاً ان حضرات نے تلبیہ میں صرف حج کا ذکر کیا، پھر حج و عمرہ دونوں کا۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنْتُ رَدِيْفَ اَبِىْ طَلْحَةَ وَاِنَّهُمْ لَيَصْرُخُوْنَ بِهِمَا جَمِيْعًا الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۴۲۹) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ کا ردیف تھا۱؎ تمام صحابہ حج و عمرہ دونوں کا شور مچاتے تھے۲؎ (بخاری)

(۲۴۲۹)۱؎حضرت ابوطلحہ جناب انس کے سوتیلے والد ہیں' ایک گھوڑے یا اونٹ پر دو شخص سوار ہوں تو پیچھے والے کو ردیف کہا جاتا ہے یعنی میں اپنے والد کے پیچھے ایک ہی اونٹ پر سوار تھا۲؎ یعنی خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ تلبیہ میں حج وعمرہ میں تلبیہ کا نام پکارتے تھے۔ لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عام صحابہ کرام نے حجۃ الوداع میں قران کیا اور قران' افراد وتمتع دونوں سے افضل ہے دوسرے یہ کہ قارن تلبیہ میں بار بار حج وعمرہ کا نام لے' یہ ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے' امام شافعی کے ہاں افراد قران سے افضل ہے اور صرف پہلے تلبیہ میں حج وعمرہ کا ذکر کرے پھر نہیں' یہ حدیث ان کے مخالف ہے امام اعظم کی موید ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَّمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ وَّعُمْرَةٍ وَّ مِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ وَاَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ فَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلَ وَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ اَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَلَمْ يَحِلُّوْا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ ۔(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۳۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے سال نکلے تو ہم میں بعض وہ تھے جنہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا۱؎ اور ہم میں بعض وہ تھے جنہوں نے حج وعمرہ کا احرام باندھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا۲؎ تو جس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ تو کھل گئے۳؎ لیکن جس نے حج کا احرام باندھا تھا یا حج وعمرہ جمع کیا تھا وہ دسویں تاریخ تک نہ کھلے۴؎ (مسلم بخاری)

(۲۴۳۰)۱؎مرقات نے اَھَلَّ کے معنی کئے لَبّٰی یعنی بعض لوگ تلبیہ میں حج کا نام لے رہے تھے۔ اور بعض صرف عمرہ کا اور بعض حج وعمرہ دونوں کا' مگر احرام عموماً سب کا حج وعمرہ دونوں کا تھا یعنی قران کا اور ہوسکتا ہے کہ اھل کے معنی احرام باندھنا ہوں' یعنی بعض صحابہ نے صرف عمرہ کا احرام باندھا' کیونکہ وہ حج اس سے پہلے سال کر چکے تھے یا انہوں نے تمتع کیا ہو۔۲؎ خیال رہے کہ بعض راویوں نے حضور سے صرف عمرہ کی روایت کی ہے بعض نے صرف حج کی اور بعض نے حج وعمرہ دونوں کی' حضرت ام المومنین نے یہاں صرف حج کی روایت کی' وجہ یہ ہے کہ حضور انور نے قران کیا تھا' لہذا آپ تلبیہ میں کبھی صرف حج کا نام لیتے تھے کبھی صرف عمرہ کا اور کبھی حج وعمرہ دونوں کا جیسا کہ قارن کو اختیار ہے' ہر راوی نے جو سنا اسی کی روایت کی۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے افراد کیا تھا جیسا کہ شوافع نے سمجھا اور نہ یہ امام اعظم کے خلاف ہے۔۳؎ طواف وسعی کرکے عمرہ سے کھل گئے' پھر بعد کو حج کا احرام باندھا اس درمیان میں حلال رہے۔۴؎ یعنی جن حضرات نے اول ہی سے حج وعمرہ کا احرام باندھا تھا وہ اور جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا تھا بعد میں عمرہ بھی شامل فی الاحرام کرلیا تھا وہ یہ دونوں قسم کے حضرات دسویں ذی الحجہ کو احرام سے فارغ ہوئے جمرہ عقبہ کی رمی کرکے سوائے عورتوں کے تمام چیزیں انہیں حلال ہوگئیں اور طواف زیارت کرکے بیوی سے صحبت بھی حلال ہوگئی۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ بَدَاَفَاَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ اَهَلَّ بِالْحَجِّ ۔(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۳۱) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عمرہ کا حج کے ساتھ تمتع کیا۱؎ ابتداء عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۴۳۱)۱؎ یہاں تمتع لغوی معنی میں ہے یعنی ایک سفر میں حج و عمرہ سے فائدہ اٹھانا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا، پھر عمرہ کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا اور قران فرمالیا، لہٰذا یہ حدیث عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے خلاف نہیں کہ انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں تلبیہ فرماتے سنا: لَبَّیْكَ عُمْرَةً وَّ حَجًّا امام ابن حزم نے ایک مستقل کتاب اس بارے میں لکھی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران فرمایا، خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں قران افضل ہے، امام شافعی کے ہاں افراد بہتر، امام احمد کے ہاں تمتع افضل، یہ اختلاف اس بناء پر ہے۔ کہ حضور نے کونسا حج کیا۔ جن امام کے ہاں جس حج کا ثبوت ہوا، انہوں نے اسی کو افضل کہا، ہمارے ہاں حضور کے قران کا ثبوت ہے لہٰذا وہ ہی افضل ہے، مذہب حنفی قوی ہے (از مرقات و لمعات) ۲؎ عمرہ کرنے سے پہلے ہی، لہٰذا قران کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

وَعَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِاِهْلَالِهٖ وَاغْتَسَلَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

(۲۴۳۲) روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے احرام کے لئے کپڑے اتارے اور غسل کیا۱؎ (ترمذی و دارمی)

(۲۴۳۲)۱؎ یعنی آپ نے سلے کپڑے اتار دیئے اور غسل کر کے بغیر سلے کپڑے پہنے، پھر نفل پڑھ کر تلبیہ کہا، معلوم ہوا کہ احرام کے وقت غسل سنت ہے اگرچہ وضو بھی جائز ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَبَّدَ رَاْسَهٗ بِالْغِسْلِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۴۳۳) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لئے اپنے سر کے بال شریف خطمی سے چپکائے۱؎ (ابوداؤد)

(۲۴۳۳)۱؎ یہاں غسل غین کے کسرہ سے ہے۔ ما یغسل به جس سے غسل کیا جائے چونکہ خطمی سے نہاتے ہیں۔ اس لئے غسل کہہ دیتے ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ غسل اور بال شریف چپکانا احرام کے وقت نہ تھا بلکہ احرام سے پہلے تھا کیونکہ بحالت احرام بال چپکانا منع ہے، بعض لوگوں نے اسے عسل پڑھا یعنی شہد مگر یہ غلط ہے۔

وَعَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اٰمُرَ اَصْحَابِیْ اَنْ یَّرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالْاِهْلَالِ اَوِ التَّلْبِیَةِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ ۔

(۲۴۳۴) روایت ہے حضرت خلاد ابن سائب سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس جبریل آئے مجھے حکم پہنچایا کہ میں اپنے صحابہ کو حکم دوں۱؎ کہ اہلال یا تلبیہ اونچی آواز سے کریں۲؎ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

(۲۴۳۴)۱؎ یہ ترجمہ نہایت موزوں ہے کہ جبریل نے مجھے حکم پہنچایا خود حکم دیا نہیں، بلکہ حکم الٰہی بطور قاصد پہنچایا، کیونکہ حضرت جبرئیل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور پیغام رساں ہیں، خدام حکم دے نہیں سکتے، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے نبی مطاع ہیں۔ حضور انہیں حکم دیں گے۔ اسی لئے جبرئیل امین خود صحابہ سے نہیں کہتے تھے کہ میں جبرئیل تمہیں یہ حکم دیتا ہوں، بلکہ حضور سے

کہلواتے تھے۲؎ شک راوی کو ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اہلال فرمایا یا تلبیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شک نہیں ہے، اصحاب سے مراد ساری امت کے مرد ہیں، عورتوں کو اونچی آواز سے تلبیہ کہنا منع ہے، وہ اتنی پست آواز سے کہیں کہ خود اپنی آواز سن سکیں، مرد بھی اتنی اونچی آواز نہ کریں کہ مشقت میں پڑ جائیں، بلکہ درمیانی اونچی آواز سے کہیں (مرقات) یہ بلند آواز سنت ہے جس کا ثواب زیادہ ہے۔ اگر پست آواز سے کہیں تو گنہگار نہیں۔ ہاں ثواب کم ہو جائے گا۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُلَبِّيْ اِلَّا لَبّٰى مَنْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ مِنْ حَجَرٍ اَوْشَجَرٍ اَوْ مَدَرٍ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

(۲۴۳۵) روایت ہے سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو تلبیہ کہے مگر انتہا زمین تک ادھر ادھر یعنی دائیں بائیں کے تمام پتھر درخت ڈھیلے تلبیہ کہتے ہیں۱؎ (ترمذی، ابن ماجہ)

(۲۴۳۵) ۱؎ اس طرح کہ حاجی کے قریب کے درخت و پتھر اور کنکر تلبیہ کہتے ہیں۔ ان سے سن کر ان کے قریب کے کنکر پتھر وغیرہ ان سے سن کر ان کے قریب کے یہاں تک کہ ساری دنیا کے کنکر پتھر ڈھیلے تلبیہ کا شور مچاتے ہیں۔ یہ تلبیہ بزبان قال کہتے ہیں۔ صرف زبان حال سے نہیں، اللہ نے پتھر لکڑیوں میں احساس بھی دیا ہے، گویائی بھی بخشی ہے جس سے وہ رب تعالٰی کی تسبیح کرتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (۱۷،۴۴) اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے (کنزالایمان) بلکہ بزرگان دین نے ان کی تسبیح وغیرہ سنی بھی ہیں (مرقات) مولانا فرماتے ہیں شعر۔

نطق آب و نطق خاک و نطق گل ہست محسوس حواس اہل دل
فلسفی گو منکر حنانہ است از حواس اولیاء بیگانہ است

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کا تلبیہ سنتے تھے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكَعُ بِذِى الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ بِهِ النَّاقَةُ قَائِمَةً عِنْدَ مَسْجِدِ ذِى الْحُلَيْفَةِ اَهَلَّ بِهٰٓؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِىْ يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرُّغْبَآءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِمُسْلِمٍ)

(۲۴۳۶) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ میں دو رکعت نفل پڑھتے تھے۱؎ پھر جب مسجد ذوالحلیفہ کے پاس آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو جاتی تو ان کلمات سے تلبیہ کہتے کہ فرماتے۲؎ حاضر ہوں میں یااللہ حاضر ہوں حاضر ہوں خدمت میں حاضر ہوں اور ساری بھلائی تیرے قبضہ میں ہے۳؎ حاضر ہوں رغبت و اعمال تیرے لیے ہیں۴؎ (مسلم بخاری) اور لفظ مسلم کے ہیں۵؎

(۲۴۳۶) ۱؎ احرام کے لئے دو نفل، جس کے اول رکعت میں سورہ الکافرون دوسری میں قل ھواللہ غالبًا غسل و تبدیلی لباس گھر پر ہی کر لیتے تھے، ظاہر یہ ہی ہے۲؎ پہلی بار تو نفل پڑھتے ہی کہتے تھے، پھر اونٹنی پر سوار ہو کر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ غالبًا حضرت ابن عمر نے یہ ہی تلبیہ سنا اس لئے اس طرح روایت کی، لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے، کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نفل کے بعد ہی تلبیہ کہتے تھے۳؎ اگرچہ تمام خیر و شر اللہ تعالٰی ہی کے قبضہ میں ہے، اس کے ارادہ سے ہے مگر ادب یہ ہے کہ بندہ خیر کو رب کی طرف اور شر کو اپنی طرف

نسبت کرے۔ ۴؎ یعنی ہر حال میں تیری طرف راغب اور تجھ سے راضی ہوں اور میری نیکیاں تیرے قبضہ میں ہیں قبول فرمائے یا نہ فرمائے تو مالک ہے ۵؎ نسائی شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر یعنی قصر پڑھی پھر ناقہ پر سوار ہوئے اور تلبیہ کہا' اس بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد احرام باندھے' مگر جمہور علماء کا فرمان ہے کہ احرام کے لئے مستقل نفل پڑھے یہ ہی بہتر ہے' بعض علماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رکعتیں نماز فجر تھیں' مگر حق یہ ہی ہے کہ نفل نماز تھی (مرقات)

وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهٖ سَاَلَ اللّٰهَ رِضْوَانَهٗ وَالْجَنَّةَ وَاسْتَعْفَاهُ بِرَحْمَتِهٖ مِنَ النَّارِ ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)

(۲۴۳۷) روایت ہے حضرت عمارہ ابن خزیمہ ابن ثابت سے وہ اپنے والد سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ جب تلبیہ سے فارغ ہوتے تو اللہ سے اس کی رضا اور جنت مانگتے اور اس کی رحمت کے وسیلہ سے آگ سے پناہ مانگتے تھے ۲؎ (شافعی)

(۲۴۳۷) ۱؎ عمارہ تابعی ہیں ان کے والد خزیمہ ابن ثابت مشہور صحابی ہیں۔ انہی کی گواہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہیوں کے برابر قرار دی تھی' آپ جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے' اسی جنگ میں شہید ہوئے (مرقات) ۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ کے الفاظ ادا فرما کر پھر یہ دعائیں آہستہ مانگتے تھے۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ حاجی تلبیہ کہہ کر آہستہ آواز سے درود شریف پڑھے' پھر یہ دعائیں مانگے اور ہر بار تین دفعہ تلبیہ کہے مسلسل کہے جن میں دنیاوی بات کا فاصلہ نہ ہو' تلبیہ کہنے والے کو کوئی سلام بھی نہ کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ الْحَجَّ اَذَّنَ فِي النَّاسِ فَاجْتَمَعُوْا فَلَمَّا اَتَى الْبَيْدَآءَ اَحْرَمَ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۴۳۸) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اعلان فرما دیا ۱؎ پھر لوگ جمع ہو گئے پھر جب میدان میں پہنچے تو احرام باندھا ۲؎ (بخاری)

(۲۴۳۸) ۱؎ سارے عرب میں اپنے حج کا اعلان فرمایا کہ ہم فلاں تاریخ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہو رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج وہ عبادت ہے جس کا اعلان کرنا افضل ہے کہ دوسروں کو بھی شوق ہو اور لوگ آ کر اس سے دعا وغیرہ کرالیں' حرمین شریفین کو تحفے صدقے' دانہ اس کی معرفت بھیج دیں' آج کل جو رواج ہے کہ حاجی کو جلوس کی شکل میں اسٹیشن پہنچانے جاتے ہیں' گلے میں ہار پھول ڈالتے ہیں' ان تمام کاموں کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ یہ سب اعلان کی صورتیں ہیں ۲؎ یوں تو بیداء ہر میدان کو کہتے ہیں مگر یہاں ذوالحلیفہ کا خاص میدان ہے' احرام کے معنی ہیں حضور علیہ السلام نے یہاں اپنے احرام کا اظہار فرمایا' ورنہ اصل احرام تو مسجد ذوالحلیفہ میں بندھ چکا تھا جیسا کہ پچھلی روایتوں میں گزر چکا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَقُوْلُوْنَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلَكُمْ قَدْ قَدْ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا وَهُمْ يَطُوْفُوْنَ

(۲۴۳۹) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ مشرکین کہتے تھے' حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ تمہیں خرابی ہو بس کرو بس کرو ۱؎ وہ کہتے مگر تیرا ایک شریک ہے کہ تو اس کا اور اس کی ملک کا مالک ہے ۲؎ یہ کہتے جاتے

بِالْبَیْتِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تھے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے (مسلم)

(۲۴۳۹)؎ یعنی جب مشرکین لَا شَرِیْكَ لَكَ پر پہنچتے تو سرکار فرماتے' بس اسی پر رہو آگے شرکیہ لفظ نہ بولو یعنی اِلَّا شَرِیْکًا الخ نہ کہو' مگر وہ کب باز آتے تھے'؎۲ ایک شریک سے مراد ایک قسم کا شریک ہے' اس سے وہ اپنے سارے بت مراد لیتے تھے' ان بتوں کو وہ خدا کا بندہ بھی مانتے تھے اور اس کا مملوک بھی' پھر خدا کی برابر و مثل بھی۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: اِذْ نُسَوِّیْکُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۲۶،۹۸) جب کہ تمہیں ربّ العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے (کنزالایمان) گویا یہ بت ان کے عقیدے میں پارلیمنٹ کے ممبر تھے کہ ربّ تعالٰی ان کی مدد کے بغیر اکیلا دنیا کا انتظام فرما سکتا ہی نہ تھا' اور بعض مشرکین فرشتوں کو ربّ کی بیٹیاں مانتے تھے' لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب وہ بتوں کو ربّ کا بندہ اور مملوک مانتے تھے تو مشرک کیوں تھے' کوئی مسلمان کسی نبی ولی کو نہ الٰہی پارلیمنٹ کا ممبر مانتا ہے نہ ربّ کی اولاد بلکہ کہتا ہے عبدہ ورسولہ اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن میں ملاحظہ فرمائیے۔

بَابُ قِصَّةِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ

باب وداعی حج کا قصہ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

وداع واؤ کے فتح یا کسرہ سے بمعنی رخصت ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اسلام صرف ایک یہ ہی کیا ہے جو ۱۰ھ میں ہوا' چونکہ حضور نے اس حج میں لوگوں کو وداعیہ کلمات فرمائے اور اپنی وفات شریف کی خبر دی اس لئے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں حجۃ الوداع کا تفصیلی واقعہ حضرت جابر ہی سے مروی ہے' امام محمد باقر نے بھی حضرت جابر سے احادیث اور حجۃ الوداع کا واقعہ روایت کیا' حضور انور نے فرمایا تھا کہ اے جابر میرے اھل بیت میں سے ایک شخص تم سے علم لے گا (اشعہ)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ بِالْمَدِيْنَةِ تِسْعَ سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ اُذِّنَ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ فِي الْعَاشِرَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتّٰى اِذَا اَتَيْنَا ذَاالْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ اَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِي بَكْرٍ فَاَرْسَلَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَصْنَعُ قَالَ اغْتَسِلِيْ وَاسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ وَاَحْرِمِيْ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى اِذَا اسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ عَلَى الْبَيْدَاءِ اَهَلَّ بِالتَّوْحِيْدِ لَبَّيْكَ

(۲۴۴۰) روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو برس مدینہ پاک میں مقیم رہے کہ حج نہ کیا؎۱ پھر دسویں سال لوگوں میں حج کا اعلان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے جانے والے ہیں چنانچہ بہت ہی لوگ مدینہ پاک میں آ گئے؎۲ ہم آپ کے ہمراہ نکلے؎۳ حتی کہ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیس کے ہاں محمد بن ابوبکر صدیق پیدا ہوئے؎۴ ان بی بی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اب میں کیا کروں؎۵ فرمایا نہالو اور کوئی کپڑا باندھ لو اور احرام باندھ لو؎۶ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز ادا کی پھر قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے؎۷ حتی کہ جب اونٹنی آپ کو لے کر میدان میں سیدھی کھڑی ہوئی تو حضور نے کلمہ توحید بلند آواز سے پکارا؎۸ حاضر

اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ
وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ قَالَ جَابِرٌ
لَسْنَا نَنْوِیْ اِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ حَتّٰی اِذَا
اَتَیْنَا الْبَیْتَ مَعَهٗ اسْتَلَمَ الرُّکْنَ فَطَافَ سَبْعاً فَرَمَلَ
ثَلٰثاً وَّمَشٰی اَرْبَعاً ثُمَّ تَقَدَّمَ اِلٰی مَقَامِ اِبْرَاهِیْمَ فَقَرَاَ
وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّی فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ
فَجَعَلَ الْمَقَامَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْبَیْتِ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّهٗ قَرَاَ
فِی الرَّکْعَتَیْنِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ
ثُمَّ رَجَعَ اِلَی الرُّکْنِ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ
اِلَی الصَّفَا فَلَمَّا دَنٰی مِنَ الصَّفَا قَرَاَ اِنَّ الصَّفَا
وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اَبْدَاُ بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ فَبَدَاَ
بِالصَّفَا فَرَقٰی عَلَیْهِ حَتّٰی رَاَی الْبَیْتَ فَاسْتَقْبَلَ
الْقِبْلَةَ فَوَحَّدَ اللّٰهَ وَکَبَّرَهٗ وَقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ
عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ
وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ثُمَّ
دَعَا بَیْنَ ذٰلِکَ قَالَ مِثْلَ هٰذَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ نَزَلَ
وَمَشٰی اِلَی الْمَرْوَةِ حَتَّی انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِیْ بَطْنِ
الْوَادِیْ ثُمَّ سَعٰی حَتّٰی اِذَا صَعِدَتَا مَشٰی حَتّٰی اَتَی
الْمَرْوَةَ فَفَعَلَ عَلَی الْمَرْوَةِ کَمَا فَعَلَ عَلَی الصَّفَا
حَتّٰی اِذَا کَانَ اٰخِرُ طَوَافٍ عَلَی الْمَرْوَةِ نَادٰی وَهُوَ
عَلَی الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهٗ فَقَالَ لَوْ اَنِّیْ اسْتَقْبَلْتُ
مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْیَ وَجَعَلْتُهَا
عُمْرَةً فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ لَیْسَ مَعَهٗ هَدْیٌ فَلْیَحِلَّ
وَلْیَجْعَلْهَا عُمْرَةً فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِکِ بْنِ جُعْشُمٍ
فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ فَشَبَّکَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ وَاحِدَةً

ہوں الٰہی میں حاضر ہوں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر
ہوں ۹ بیشک تعریف نعمت ملک تیرے ہیں تیرا کوئی شریک نہیں
حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم صرف حج ہی کی نیت سے تھے عمرہ کو
جانتے بھی نہ تھے ۱۰ حتی کہ ہم جب کعبہ شریف میں حضور انور کے
ساتھ پہنچے ۱۱ تو حضور نے رکن کو بوسہ دیا پھر سات پھیرے طواف کیا
جس میں تین چکروں میں رمل فرمایا اور چار میں معمولی چال چلے ۱۲
پھر مقام ابراہیم پر تشریف لائے تو یہ آیت تلاوت کی کہ مقام ابراہیم
کو جائے نماز بناؤ پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ مقام کو اپنے اور
بیت اللہ کے درمیان کرلیا ۱۳ ایک اور روایت ہے کہ آپ نے ان
دونوں رکعتوں میں قل ھو اللہ احد اور قل یایھا الکافرون
پڑھیں ۱۴ پھر رکن اسود کی طرف لوٹے اسے چوما پھر دروازے سے
صفا پہاڑ کی طرف تشریف لے گئے جب صفا سے قریب ہوئے تو یہ
آیت تلاوت کی کہ صفا و مروہ اللہ کی دینی نشانیوں میں سے ہیں ہم
اس سے ابتدا کریں گے جس سے رب نے ابتدا کی چنانچہ آپ نے
صفا سے سعی شروع کی ۱۵ اس پر چڑھے حتی کہ کعبہ معظمہ کو دیکھ لیا تو
کعبہ کو منہ کیا اللہ کی توحید و تکبیر بیان کی ۱۶ اور فرمایا اللہ کے سوا کوئی
معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے
وہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۷ اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے اپنا
وعدہ پورا کردیا اپنے بندے کی مدد کی اس اکیلے نے احزاب کو بھگایا
۱۸ پھر ان ذکروں کے درمیان دعا مانگی ۱۹ تین بار یہ فرمایا ۲۰ پھر
اترے پھر مروہ کی طرف چلے حتی کہ بطن وادی میں آپ کے قدم
شریف برابر سیدھے ہوگئے ۲۱ پھر دوڑے حتی کہ جب آپ کے قدم
چڑھنے لگے تو معمولی چال چلے ۲۲ حتی کہ مروہ پر پہنچے پھر مروہ پر وہ
ہی کیا جیسا صفا پر کیا تھا ۲۳ حتی کہ جب مروہ پر آخری چکر ہوا تو
آپ نے آواز دی حالانکہ آپ مروہ پر تھے اور لوگ آپ سے نیچے تو
فرمایا اگر ہم اس کام کا پہلے سے خیال کرتے جس کا بعد میں خیال آیا
تو ہم ہدی نہ لاتے اور اسے عمرہ قرار دیتے ۲۴ لہٰذا تم میں سے جس

فِی الْاُخْرٰی وَقَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِی الْحَجِّ مَرَّتَیْنِ لَا بَلْ لِاَبْدِ اَبَدٍ وَّقَدِمَ عَلِیٌّ مِّنَ الْیَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا ذَا قُلْتَ حِیْنَ فَرَضْتَ الْحَجَّ قَالَ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُهِلُّ بِمَا اَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ قَالَ فَاِنَّ مَعِیَ الْهَدْیَ فَلَا تَحِلَّ قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْیِ الَّذِیْ قَدِمَ بِهٖ عَلِیٌّ مِّنَ الْیَمَنِ وَالَّذِیْ اَتٰی بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً قَالَ فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَقَصَّرُوْا اِلَّا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ كَانَ مَعَهٗ هَدْیٌ فَلَمَّا كَانَ یَوْمُ التَّرْوِیَةِ تَوَجَّهُوْا اِلٰی مِنًی فَاَهَلُّوْا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ وَالْفَجْرَ. ثُمَّ مَكَثَ قَلِیْلًا حَتّٰی طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَاَمَرَ بِقُبَّةٍ مِّنْ شَعْرٍ تُضْرَبُ لَهٗ بِنَمِرَةٍ فَسَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَشُكُّ قُرَیْشٌ اِلَّا اَنَّهٗ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ كَمَا كَانَتْ قُرَیْشٌ تَصْنَعُ فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَاَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَتٰی عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰی اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَآءِ فَرُحِلَتْ لَهٗ فَاَتٰی بَطْنَ الْوَادِیْ فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ اِنَّ دِمَآءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَیْكُمْ كَحُرْمَةِ یَوْمِكُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ تَحْتَ قَدَمَیَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَآءُ الْجَاهِلِیَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَآئِنَا دَمُ ابْنِ رَبِیْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ فَقَتَلَهٗ هُذَیْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِیَّةِ مَوْضُوْعٌ وَّاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِبَانَا

کے ساتھ ہدی نہ ہو وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنا لے ۲۵؎ تب حضرت سراقہ ابن مالک بن جعشم کھڑے ہوکر بولے یا رسول اللہ کیا یہ حکم ہمارے اس ہی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے ۲۶؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل فرمائیں اور دوبارہ فرمایا کہ عمرہ حج میں داخل ہوگیا یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے ۲۷؎ جناب علی یمن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدی کے اونٹ لے کر آئے ۲۸؎ تو ان سے حضور نے پوچھا کہ جب تم نے حج کی نیت کی تو کیا کہا تھا عرض کیا میں نے کہا تھا الٰہی میں اس کا احرام باندھتا ہوں جس کا احرام تیرے رسول نے باندھا ۲۹؎ فرمایا میرے ساتھ تو ہدی ہے لہٰذا تم حلال نہ ہونا ۳۰؎ راوی فرماتے ہیں کہ مجموعہ ان ہدیوں کا جو جناب علی یمن سے لائے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے کل سو تھا ۳۱؎ فرماتے ہیں پھر تمام لوگ حلال ہوگئے اور بال کٹوا لئے ۳۲؎ سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان حضرات کے جن کے ساتھ ہدی جانور تھا ۳۳؎ پھر جب آٹھویں بقرعید ہوئی تو لوگوں نے منیٰ کا رخ کیا تب حج کا احرام باندھا ۳۴؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے تو منیٰ میں ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور فجر پڑھی ۳۵؎ پھر تھوڑا ٹھہرے حتیٰ کہ سورج نکل آئے اور حضور نے حکم دیا تھا تو نمرہ میں حضور کے لئے اونی خیمہ لگا دیا گیا تھا ۳۶؎ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے قریش کو اس میں شک و تردد ہی نہ تھا کہ آپ مشعر حرام کے پاس قیام کریں گے (ٹھہر جائیں گے) ۳۷؎ جیسے اسلام سے پہلے قریش کرتے تھے ۳۸؎ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے آگے بڑھ گئے حتیٰ کہ عرفہ پہنچ گئے تو آپ نے مقام نمرہ میں خیمہ لگا ہوا پایا وہاں ہی اتر پڑے ۳۹؎ حتیٰ کہ سورج ڈھل گیا تو اونٹنی قصواء کا حکم دیا اسے کجاوا کس دیا گیا آپ بطن وادی میں تشریف لائے ۴۰؎ لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ تمہارے خون تمہارے آپس کے مال تم پر یوں ہی حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی اس مہینہ اور اس شہر میں حرمت

رِبَاعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَاِنَّهٗ مَوْضُوْعٌ كُلُّهٗ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَآءِ فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَّلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابُ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تُسْاَلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا اَنْتُمْ قَآئِلُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَابَةِ يَرْفَعُهَا اِلَى السَّمَآءِ وَيَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى اَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَآءِ اِلَى الصَّخَرَاتِ وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيْلًا حَتّٰى غَابَ الْقُرْصُ وَاَرْدَفَ اُسَامَةَ وَدَفَعَ حَتّٰى اَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلّٰى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ بِاَذَانٍ وَّاحِدٍ وَّاِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِاَذَانٍ وَّاِقَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَآءَ حَتّٰى اَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهٗ وَهَلَّلَهٗ وَوَحَّدَهٗ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى اَسْفَرَ جِدًّا فَدَفَعَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَاَرْدَفَ الْفَضْلَ ابْنَ عَبَّاسٍ حَتّٰى اَتٰى بَطْنَ مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ قَلِيْلًا ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيْقَ الْوُسْطَى الَّتِيْ تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ

۴۱ خبردار رہو زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدم کے نیچے روند دی گئیں ۴۲ اور جاہلیت کے زمانہ کے خون ختم کر دیئے گئے ۴۳ میں اپنے خونوں میں سے پہلا خون ختم کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ ابن حارث کا خون ہے ۴۴ یہ بنی سعد میں شیرخوار تھے تو انہیں قوم ہذیل نے قتل کر دیا تھا ۴۵ اور جاہلیت کے زمانہ کے سود ختم ہیں میں اپنے سودوں میں سے پہلا سود ختم کرتا ہوں وہ عباس ابن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سارا ہی ختم ۴۶ عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کہ تم نے انہیں اللہ تعالٰی کی امان میں لے لیا ہے اور کلمۃ الٰہیہ سے ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے ۴۷ تمہارے ان پر یہ حقوق ہیں کہ وہ تمہارے بستروں کو ان سے پامال نہ کرائیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو ۴۸ پھر اگر وہ عورتیں ایسا کریں تو تم انہیں غیر مہلک مار مارو ۴۹ اور عورتوں کی تم پر بھلائی سے ان کی روزی اور بھلائی سے ان کا کپڑا ہے ۵۰ میں تم میں وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ اس کے ہوتے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے جب تک تم اسے تھامے رہے، یعنی قرآن کریم ۵۱ اور تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے، سب بولے ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے تبلیغ فرما دی اور امانت ادا کردی اور خیر خواہی فرمائی ۵۲ پھر حضرت بلال نے اذان دی پھر تکبیر کہی حضور انور نے نماز ظہر پڑھی پھر تکبیر کہی تو عصر پڑھ لی۔ ان دونمازوں کے درمیان کچھ نہ پڑھا ۵۳ پھر سوار ہوئے حتی کہ عرفات کے جائے مقام پر تشریف لائے تو اپنی قصواء کا پیٹ بڑے پتھروں کی طرف کر دیا اور جبل مشاۃ کو اپنے سامنے لیا اور قبلہ کو منہ کیا ۵۴ پھر وہاں اتنا ٹھہرے رہے کہ سورج ڈوب گیا اور کچھ زردی غائب ہو گئی تا آنکہ سورج کی ٹکیہ پوری چھپ گئی ۵۵ اور حضرت اسامہ کو ردیف بنایا اور روانہ ہو گئے حتی کہ مزدلفہ پہنچ گئے ۵۶ پھر وہاں ایک اذان اور دو تکبیروں سے نماز مغرب وعشاء پڑھی درمیان میں نوافل کچھ نہ پڑھے ۵۷ پھر کچھ لیٹ گئے۔ ۵۸ حتی کہ فجر طلوع ہو گئی تو سویرا چمکتے ہی اذان وتکبیر کے ساتھ فجر پڑھی ۵۹ پھر قصواء پر سوار ہو لیئے حتی کہ مشعر پہاڑ کے

الْكُبْرٰى حَتّٰى اَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِیْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِّنْهَا مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ رَمٰى مِنْ بَطْنِ الْوَادِیْ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَى الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ ثَلٰثًا وَّسِتِّيْنَ بَدَنَةً بِيَدِهٖ ثُمَّ اَعْطٰى عَلِيًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ وَاَشْرَكَهٗ فِیْ هَدْيِهٖ ثُمَّ اَمَرَ مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَجُعِلَتْ فِیْ قِدْرٍ فَطُبِخَتْ فَاَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَشَرِبَا مِنْ مَّرَقِهَا ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَفَاضَ اِلَى الْبَيْتِ فَصَلّٰى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ فَاَتٰى عَلٰى بَنِیْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ يَسْقُوْنَ عَلٰى زَمْزَمَ فَقَالَ انْزِعُوْا بَنِیْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَلَوْ لَا اَنْ يَّغْلِبَكُمُ النَّاسُ عَلٰى سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ فَنَاوَلُوْهُ دَلْوًا فَشَرِبَ مِنْهُ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پاس تشریف لائے پھر قبلہ کو منہ کیا اور ربّ سے دعا مانگی۔ تکبیر وتہلیل وتوحید کہتے رہے وہاں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ خوب اجالا ہو گیا ۶۰ تو سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہو گئے اور حضرت فضل ابن عباس کو اپنے پیچھے سوار کر لیا ۶۱ حتیٰ کہ بطن وادی میں آئے تو اپنی اونٹنی کو کچھ حرکت دی ۶۲ پھر درمیانی راستے پر پڑ گئے جو بڑے جمرے پر نکلتا ہے ۶۳ حتیٰ کہ اس جمرہ پر پہنچے جو درخت کے پاس ہے ۶۴ تو اسے سات کنکر مارے جن میں سے ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہتے تھے جو کنکر ٹھیکری جیسے تھے ۶۵ بطن وادی سے رمی کی ۶۶ پھر قربانی گاہ کی طرف لوٹے تو تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے قربانی کئے پھر حضرت علی کو مرحمت فرمائے تو بقیہ انہوں نے قربانی کئے ۶۷ اور حضور نے انہیں اپنی ہدی میں شریک کر لیا ۶۸ پھر حکم دیا تو ہر اونٹ کی ایک بوٹی لے کر ہانڈی میں ڈالی اور پکائی گئی تو ان دونوں صاحبوں نے وہ گوشت کھایا اس کا شوربا پیا ۶۹ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور بیت اللہ شریف چلے تو نماز ظہر مکہ میں پڑھی ۷۰ پھر بنی عبدالمطلب کے پاس تشریف لائے جو زمزم پر پانی کھینچ رہے تھے فرمایا اے بنی عبدالمطلب کھینچے جاؤ ۷۱ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ سب لوگ تمہارے پانی کھینچنے میں تم پر غلبہ کر لیں گے تو میں تمہارے ساتھ پانی کھینچتا ۷۲ لوگوں نے حضور کو ڈول پیش کیا آپ نے اس سے پیا ۷۳ (مسلم) ۷۴۔

(۲۴۴۰) ۱؎ حج ۶ھ یا ۷ھ یا ۹ھ میں فرض ہوا' مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض ہوتے ہی نہ کیا کہ آپ کو اپنی زندگی شریف کی خبر تھی کہ ابھی وفات نہیں ہے' ہم پر فوراً اس لئے فرض ہوتا ہے کہ ہمیں زندگی کی خبر نہیں ۱۰ھ میں حج کیا' اسی کا نام حجۃ الوداع ہے' لہٰذا حضور انور نے بعد فرضیت حج صرف ایک حج کیا' حضور نے عمرے کل چار کئے ہیں ۲؎ مرقات نے فرمایا کہ کل ایک لاکھ تیس ہزار حجاج جمع ہو گئے' اشعہ میں ہے کہ وہ حضرات ایک لاکھ تھے یا ایک لاکھ چودہ ہزار یا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہو سکتا ہے کہ اولاً تھوڑے ہوں' آگے جاتے ہوئے ملتے ہوں گے' خیال رہے کہ کل صحابہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں سے اصحاب بدر تین سو تیرہ' پھر ان میں خلفائے راشدین چار ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق افضل الخلق بعد الانبیاء ہیں جیسے نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں' رسول تین سو تیرہ' مرسلین چار ان میں سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں۔ دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ' یہ حضرات اپنے گھروں سے سیدھے مکہ معظمہ نہ پہنچ گئے۔ بلکہ پہلے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تاکہ کعبہ ایمان کے ساتھ کعبہ اجسام کی طرف سفر کریں' اب بعض عشاق پہلے مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں پھر مکہ معظمہ اسی سنت پر عمل کرنے کے لئے' بعض اس کے عکس کرتے ہیں وَلِلنَّاسِ فِيْمَا يَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ ۳؎ یہ روانگی ۲۵ ذیقعدہ ۱۰ھ بعد

ظہر ہوئی جیسا کہ ترمذی‘ ابن ماجہ نے حضرت انس سے‘ اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی جس کجاوے پر حضور انور سوار تھے اس کی قیمت چار درہم یعنی ایک روپیہ دو آنے تھی۔ (مرقات) ۴؎ اسماء بنت عمیس پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب کی زوجہ تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے نکاح میں آئیں۔ آپ کے بعد حضرت علی مرتضٰی نے نکاح کیا‘ محمد ابن ابی بکر ان سے پیدا ہوئے‘ پھر حضرت علی سے یحیٰی ابن علی انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے (مرقات) محمد ابن ابوبکر صدیق صغر سن صحابی ہیں‘ ۳۸ھ میں اصحاب امیر معاویہ کے ہاتھوں شہید ہوئے (مرقات) ۵؎ یعنی میں اس حالت میں احرام یا حج کیسے ادا کروں خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں عصر‘ مغرب‘ عشاء اور اگلی فجر وظہر پڑھیں۔ حضور کی تمام ازواج پاک آپ کے ساتھ تھیں (مرقات) حضرت اسماء کا جوش ایمانی اور شوق حج قابل داد ہے کہ اس حالت میں بھی حضور کے ساتھ روانہ ہوگئیں ۶؎ یعنی نفاس نہ تو احرام سے مانع ہے نہ ادائے حج وعمرہ سے‘ صرف طواف منع ہے کہ وہ مسجد میں ہوتا ہے اور نفساء کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں اور احرام کے وقت یہ عورت نفل نہ پڑھے‘ کہ نفاس میں نماز پڑھنا حرام ہے۔ ۷؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے احرام کے نفل علاوہ فرض ظہر کے ادا کئے‘ پھر قصواء پر سوار ہوئے‘ قصواء قصٰی بمعنی دوری سے بنا‘ یا قصو بمعنی کان کٹنے سے بنا‘ چونکہ یہ اونٹنی بہت تیز رفتار اور دور تک جانے والی تھی یا چونکہ اس کے ایک کان کا کچھ حصہ کٹا ہوا تھا اس لئے اسے قصواء کہتے تھے‘ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی خاص اونٹنی تھی‘ ۸؎ یہاں اَھَلَّ کے معنی ہیں بلند آواز سے پکارا‘ توحید سے مراد ہے رب تعالٰی کی واحدنیت یعنی رب کی توحید پکاری‘ چونکہ تلبیہ میں لَاشَرِیْکَ لَکَ بھی ہوتا ہے اس لئے بالتوحید فرمایا‘ بعض شوافع نے توحید کے معنی اِذَا وحج کئے یعنی صرف حج کا تلبیہ فرمایا‘ اور اس سے ثابت کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد کیا مگر یہ معنی بہت ہی بعید ہیں‘ قوی وہ ہی ہے جو عرض کیا گیا۔ لہٰذا یہ جملہ شوافع کی تائید نہیں اور احناف کے خلاف نہیں۔ ۹؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ حاجی کا لبیک کہنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار اور بلاوے کا جواب ہے‘ چنانچہ حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت فرمایا کہ جب جناب خلیل بناء کعبہ سے فارغ ہوئے تو رب نے فرمایا لوگوں کو حج کے لئے بلاؤ‘ عرض کیا مولٰی میری آواز سب تک کیسے پہنچے گی‘ فرمایا پکارنا بلانا تمہارا کام ہے‘ تمہاری آواز سب تک پہنچانا ہمارا کام چنانچہ آپ نے پکارا‘ زمین و آسمان میں آپ کی آواز پہنچی‘ اور لبیک اسی پکار کا جواب ہے (مرقات) معلوم ہوا کہ بحکم پروردگار نبی کی آواز زمین و آسمان میں پہنچ سکتی ہے آج بذریعہ ریڈیو (RADIO) تار (TELEGRAPH) کی طاقت سے لاکھوں میل دور آواز پہنچادی جاتی ہے تو نور کی طاقت نار سے کہیں زیادہ ہے۔ ۱۰؎ کفار عرب اسلام سے پہلے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ اور بدترین جرم سمجھتے تھے ماہ صفری عمرہ جائز مانتے تھے‘ چنانچہ حضرات صحابہ کا اس موقع پر عمرہ کی طرف دھیان بھی نہ گیا‘ بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ حضور انور نے احرام کے وقت ہی لوگوں کو احرام کے اقسام بتا کر فرما دیا تھا کہ جو حج کا احرام باندھنا چاہے وہ یہ احرام باندھے جو عمرہ کرنا چاہے وہ عمرے کا احرام باندھے (مرقات) ۱۱؎ اس طرح کہ تین ذی الحجہ ہفتہ کے دن ذی طوی پہنچ گئے وہاں رات گزاری اور ۴ ذی الحجہ اتوار کے دن صبح کے وقت باب السلام کی طرف سے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور سب سے پہلے طواف قدوم کیا‘ بیت اللہ شریف کی تحیۃ طواف ہے دوسری مسجدوں کی تحیۃ دو رکعت نفل۔ ۱۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دروازۂ اسلام سے سیدھے رکن اسود پر پہنچے‘ اس کو بوسہ دے کر طواف قدوم کیا‘ طواف میں اکڑ کر چلنے کو رمل کہتے ہیں‘ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چکروں میں رمل کیا یعنی پہلوان کی طرح اظہار قوت دکھاتے چلے‘ رمل کی وجہ اور جگہ بیان ہوگی ان شاء اللہ اور چار چکر آہستہ معمولی رفتار پر ۱۳؎ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر جناب خلیل اللہ نے کعبہ کی دیواریں اونچی فرمائیں ہر طواف کے

بعد دو نفل پڑھے جاتے ہیں، یہ نفل اسی جگہ پڑھنا سنت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس پتھر پر نبی کے قدم پڑ جائیں وہ پتھر بھی قابل احترام ہو جاتا ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ عین نماز میں بزرگوں کے تبرکات کی تعظیم کرنا ثواب ہے، شرک نہیں، تو جو کہے نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال کرنا شرک ہے وہ دراصل حضور کی اہانت کرتا ہے، جب جناب خلیل اللہ کے نشان قدم والے پتھر کو آگے رکھ کر نماز پڑھنا درست ہوا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تو بہت اعلیٰ ہے۔[۴] واؤ ترتیب کے لئے نہیں صرف جمع کے لئے ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نفل طواف کی پہلی رکعت میں قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی کہ یہ جگہ پہلے بت خانہ بنی ہوئی تھی۔ اب ربّ تعالیٰ کے کرم سے پاک وصاف ہوئی تو پہلی رکعت میں شرک سے بیزاری کا اظہار اور دوسری رکعت میں توحید الٰہی کا اعلان فرمایا، چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ قرأت میں بھی بعض لفظ اونچی آواز سے پڑھ دیتے تھے۔ اس لئے لوگوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ فلاں رکعت میں فلاں سورت پڑھی [۵] باب الصفا سے صفا پہاڑ کی طرف گئے، اور یہ آیت پڑھ کر صفا پر کچھ چڑھے وہاں دعائیں مانگیں، خیال رہے کہ صفا مروہ وہ پہاڑ ہیں، جن پر بی بی حاجرہ رضی اللہ عنہا تلاش پانی میں سات بار چڑھیں، چونکہ ان پہاڑوں کو اس بی بی پاک کی قدم بوسی میسر ہوئی، اس لئے انہیں ربّ تعالیٰ نے شعائر اللہ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں قرار دیا، معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات، ان کے تبرکات شعائر اللہ بن جاتے ہیں، ان کی تعظیم ثواب ہے شرک نہیں سعی میں صفا سے شروع کرنا سنت ہے اور حج میں صفا مروہ کے درمیان سعی واجب ہے رکن نہیں، یہ ہی مذہب احناف ہے۔ [۱۶] اس زمانہ میں صفا اور کعبہ معظمہ کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی اس لئے صفا پر کچھ چڑھنے میں کعبہ معظمہ نظر آتا تھا اب آڑ واقع ہو چکی ہے اب کعبہ معظمہ نظر نہیں آتا، لیکن نظر آنا ضروری نہیں صرف کعبہ کو منہ کرنا ضروری ہے۔ اب تو صفا پہاڑ پر حرم مسجد وسیع کر دی گئی ہے کہ سعی مسجد ہی میں ہوتی ہے [۷] اب بھی سنت یہی ہے کہ صفا شریف پر یہ ہی دعا پڑھی جائے۔ [۸] اس کلمہ میں غزوۂ خندق کی طرف اشارہ ہے جبکہ ہر قسم کے کفار نے متفقہ طور پر مدینہ طیبہ پر یلغار کی تھی، ربّ تعالیٰ نے تیز سرد ہوا کے ذریعہ انہیں بھگا دیا، اس سے معلوم ہوا کہ سخت مصیبت کا وقت یاد رکھنا اور اس کے دفعیہ پر ربّ تعالیٰ کا شکر کرتے رہنا سنت ہے، یہ واقعہ بہت پہلے ہو چکا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک وقتاً فوقتاً اس کا ذکر فرماتے رہے ربّ تعالیٰ کی حمد و شکر کے لئے [۹] اس طرح کہ پہلے بھی اللہ کا ذکر کیا بعد میں بھی، اور درمیان میں دعائیں مانگیں، سنت یہ ہی ہے کہ دعا اللہ کے ذکر سے گھری ہو کہ ایسی دعا انشاء اللہ رد نہیں ہوتی [۲۰] اولاً ذکر الٰہی پھر دعا پھر ذکر الٰہی، یہ ایک بار ہوا، اس طرح تین دفعہ عمل کیا، حاجی اسی پر عمل کرے [۲۱] یعنی صفا کی ڈھلائی اور مروہ کی چڑھائی کے درمیان جو ہموار زمین ہے جسے بطن وادی کہتے ہیں وہاں سعی کی، سعی کے معنی ہیں دوڑ لگانا، چونکہ اسی جگہ حضرت ہاجرہ دوڑی تھیں، اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سعی فرمائی، اس مقبول بی بی کی پوری نقل اتارنا سنت ہے، مقبولوں کی نقل بھی اچھی، کہ اللہ تعالیٰ اصل کے طفیل نقل پر کرم فرما دے، بطن وادی لغۃً پہاڑ یا ٹیلے کے درمیان شگاف کو کہتے ہیں۔ [۲۲] یعنی جب مروہ شریف کی چڑھائی شروع ہوئی تو پھر معمولی رفتار سے چلنا شروع فرما دیا، دوڑ ختم کر دی [۲۳] یعنی اس قدر چڑھنا کہ کعبہ معظمہ سامنے آ جائے، کعبہ معظمہ کو منہ کرنا اللہ کا ذکر و دعائیں کرنا غرضیکہ جو کچھ صفا پر کیا، وہ ہی مروہ پر بھی کیا، وہ ہی دعائیں و ذکر جو صفا پر کیا تھا وہ ہی مروہ پر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل سعی فرمائی، سواری پر نہ کی، یہ ہی سنت ہے، بلا عذر سواری پر سعی کرنا خلاف سنت ہے، مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے کہ حضور نے سواری پر سعی فرمائی وہ عمرہ قضاء کا واقعہ ہے۔ اور وہ سوار ہونا بھی دشواری و معذوری کی وجہ سے تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لئے مکہ والے ہجوم بن کر آئے اور حضور کے پاس سے ہٹتے نہ تھے، پیدل سعی ناممکن ہوگئی تھی

لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں (مرقات) ۲۴؎ یعنی ہم نے قران کا احرام باندھ لیا' اور ہدی ہمارے ساتھ ہے' اب ہم کو عمرہ کر کے احرام کھول دینا جائز نہ رہا۔ اور ہم نے تم کو حکم دیا کہ عمرہ کر کے احرام کھول دو۔ شاید تم کو احرام کھولنا گراں گزرے کہ تم ہماری سنت پر عمل کرنے کے دلدادہ ہو تم ہمارے سے اعمال کرنا چاہتے ہو' اگر ہمیں احرام سے پہلے یہ خیال آ جاتا تو ہم ہدی ساتھ نہ لاتے اور نہ قران کا احرام باندھتے اور ہم بھی عمرہ کر کے کھل جاتے' تا کہ تم کو عمرہ پر کھل جانا گراں نہ ہوتا اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا اور قران ہی افضل ہے' دوسروں کو عمرہ کر کے کھل جانے کا حکم ایک مصلحت کی بناء پر دیا جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے زمانہ میں عمرہ کرنا اور حج کے قریب تک حلال رہنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا' وہ رسم توڑنا تھی' دوسرے یہ کہ صحابہ کرام حضور کی ہر ادا کی نقل کرنا سعادت سمجھتے تھے۔ ۲۵؎ یعنی صرف حج یا عمرے کا احرام بندھا ہوا اور اس کے ساتھ ہدی ہو تو ہدی کی قربانی کے بعد احرام کھولے' دسویں ذی الحجہ کو' مگر جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو اور اس کے ساتھ ہدی نہ ہو' تو وہ عمرے کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے' اس طرح کہ حج کے احرام کو عمرہ بنا دے' اسے فتح حج الی العمرۃ کہتے ہیں' یہ فتح صرف اس سال ہی صحابہ کے لئے جائز ہوا' اب تا قیامت کسی کو جائز نہیں' اب حج کا احرام بعد حج ہی کھل سکتا ہے' چنانچہ روایات میں ہے کہ بلال ابن حارث نے عرض کیا یا رسول اللہ فتح ہمارے لئے خاص ہے یا آئندہ بھی ہو گا' فرمایا صرف تمہارے لئے خاص طور پر ہے (مرقات) ۲۶؎ چار وجہ سے یہ حکم حاضرین پر گراں ہوا' ایک تو زمانہ حج میں عمرہ کرنا' کیونکہ اسلام سے پہلے زمانہ حج میں عمرہ گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے حج کا احرام عمرہ کر کے کھول دینا' اور تیسرے یوم عرفات کے قریب احرام کھولنا' چوتھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میسر نہ ہونا کہ حضور تو احرام میں ہیں اور ان حضرات کے احرام کھل گئے' سرکار کا یہ حکم صرف اس لئے تھا کہ لوگ اس زمانہ میں عمرہ کو گناہ نہ سمجھیں' حضرت سراقہ ابن مالک نے بھی پہلے مسئلہ کے متعلق سوال کیا کہ یا رسول اللہ زمانہ حج میں عمرہ کا جواز صرف اس سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے' بقیہ تین مسائل کے متعلق نہیں ہے' جیسا کہ جواب عالی سے معلوم ہو رہا ہے' لہٰذا اب فتح حج ہرگز جائز نہیں۔ ۲۷؎ یعنی عمرہ کا جواز زمانہ حج میں قیامت تک کے لئے ہے' امام احمد اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ فتح حج الی العمرۃ تا قیامت رہے گا۔ ان کے ہاں اب حج کا احرام عمرہ کر کے کھول سکتے ہیں' مگر امام ابوحنیفہ' شافعی' مالک و جمہور علماء رضی اللہ عنھم کے ہاں نہیں کر سکتے' ان کی دلیل مسلم کی یہ حدیث ہے کہ متعہ یعنی فتح حج صرف صحابہ کے لئے تھا' اور نسائی کی وہ روایت ہے کہ یا رسول اللہ فتح حج صرف ہم لوگوں کے لئے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے فرمایا صرف ہم لوگوں کے لئے (مرقات و لمعات) ہاں یہ جائز ہے کہ عمرہ کا احرام والا جب عمرہ نہ کر سکے کہ تنگ وقت میں مکہ معظمہ پہنچے یا عورت کو حیض آ جائے جس سے وہ طواف نہ کر سکے تو اس پر حج کا احرام باندھ لے' پہلے حج کرے بعد میں عمرہ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر کیا تھا۔ ۲۸؎ اس زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ یمن کے قاضی بنا کر بھیجے گئے تھے انہیں وہاں ہی اطلاع دے دی گئی تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج کو جا رہے ہیں تم مکہ معظمہ پہنچو' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ ہدی ساتھ لیتے آؤ کچھ اونٹ تو حضور خود لے گئے تھے اور بہت سے اونٹ حضور کے لئے جناب علی لے کر آئے تھے کل سو اونٹ ہو گئے تھے ۲۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ حج میں تعلیقاً نیت کر سکتے ہیں کہ خدایا جو فلاں بزرگ کی نیت وہ میری نیت' نماز میں تعلیق نیت درست نہیں' جیسا کہ فقہ میں مصرح ہے۔ ۳۰؎ یعنی ہماری طرح تمہارا احرام بھی قران کا ہو گیا اور ہمارے ساتھ بھی ہدی ہے۔ تمہارے ساتھ بھی' لہٰذا ہماری طرح تم بھی عمرہ کر کے احرام پر قائم رہنا۔ خیال رہے کہ جناب علی اپنے لئے بھی ہدی لائے تھے ۳۱؎ نہیں پتہ لگا کہ حضور انور مدینہ منورہ سے اپنے ہمراہ کتنے اونٹ قربانی کے لئے لائے تھے اور حضرت علی

کتنے لائے' بعض نے فرمایا کہ چالیس اونٹ سرکار لائے تھے اور ساٹھ اونٹ حضرت علی واللہ اعلم۔۳۲؎ اس سے حضرت عائشہ صدیقہ علیحدہ ہیں کہ آپ کے ساتھ ہدی نہ تھی' پھر بھی آپ کو حلال ہوجانے کا حکم نہ دیا گیا بلکہ عمرہ کے احرام پر حج کا احرام بندھوا دیا گیا (مرقات) خیال رہے کہ احرام کھولتے وقت سر منڈانا افضل ہے' مگر صحابہ نے اس موقع پر بال کٹوائے تھے منڈائے نہیں' کیونکہ عنقریب ہی انہیں حج کا احرام باندھ کر کھولنا تھا' اس وقت تک منڈے ہوئے بال بڑھ نہ سکتے تھے۔ نیز انہوں نے چاہا کہ ہم محلقین رؤسکم ومقصرین دونوں پر عمل کریں' اس وقت بال کٹوا لیئے اور حج کا احرام کھولتے وقت منڈوا دیئے (اشعہ) ۳۳؎ کہ وہ حضرات حلال نہ ہوئے مگر وہ تھوڑے تھے' زیادہ تر بغیر ہدی والے تھے ۳۴؎ آٹھویں ذی الحجہ کو ترویہ کہتے ہیں بمعنی سیراب کرنا' یا بمعنی غور کرنا' چونکہ اہل عرب حج کے لئے آٹھویں ذی الحجہ کو اونٹ کو پانی پلا لیتے تھے' یا حضرت خلیل اللہ نے آٹھویں ذی الحجہ کو اپنی خواب کے متعلق غور کیا تھا کہ قربانی کس چیز کی دوں اس لئے اسے ترویہ کہتے ہیں' غرضیکہ ترویہ یا روی" سے ہے یا رای" سے' منیٰ کے معنی ہیں بہانا' چونکہ اس میدان میں قربانیوں کا خون بہایا جاتا ہے۔ لہٰذا منیٰ کہا جاتا ہے۔۳۵؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ آٹھویں ذی الحجہ کی نماز فجر پڑھ کر سورج نکلتے مکہ معظمہ سے منیٰ روانہ ہوگئے' منیٰ کا یہ قیام احناف کے ہاں واجب نہیں سنت ہے ۳۶؎ نمرہ عربی میں چیتے کو کہتے ہیں' عرفات کے قریب کنارہ حرم پر ایک پہاڑی کا نام نمرہ ہے جس پر حضرت عمر نے مینار بنایا تھا تاکہ حد حرم کی علامت رہے۔ چونکہ اس پر سیاہ وسفید پتھر ہیں جو چیتے کے داغ کے مشابہ ہیں۔ اس لئے اسے نمرہ کہتے ہیں۔ (لمعات واشعہ) اس جگہ حضور کے قیام کے لئے خیمہ لگا دیا گیا تھا' معلوم ہوا کہ عرفات وغیرہ میں پہلے سے اپنے واسطے خیمہ لگا لینا جگہ پر قبضہ کر لینا جائز ہے جیسا کہ عموماً معلم حضرات آج کل کرتے ہیں' اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے ۳۷؎ اسلام سے پہلے کفار عرب کا دستور تھا کہ قریش مکہ تو مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے عرفات نہ پہنچتے تھے اور عوام حجاج عرفات شریف جاتے تھے' تمام مسلمانوں کو یقین تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزدلفہ میں ہی قیام کریں گے عرفات تشریف نہ لے جائیں گے کہ آپ تو قریش کے سردار ہیں' قرشی ہیں' ہاشمی ہیں' مطلبی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) مرقات نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور نبوت سے پہلے جو حج کئے ان میں عوام کے ساتھ عرفات تشریف میں ہی قیام فرماتے رہے۔۳۸؎ قریش کہتے تھے کہ ہم حرم شریف کے کبوتر ہیں حرم سے باہر نہ جائیں گے عرفات حرم سے باہر ہے' نیز اس میں اپنا شرف بھی ظاہر کرتے تھے کہ ہم سردار معلوم ہوں۔۳۹؎ یعنی اس قبہ میں قیام پذیر ہوئے' معلوم ہوا کہ بحالت احرام چھت' چھتری' خیمہ وغیرہ کا سایہ لینا جائز ہے' امام مالک واحمد کے ہاں ممنوع ہے' یہ حدیث ان کے خلاف نہیں' ۴۰؎ بطن وادی عرفات میں ایک میدان کا نام ہے جسے بطن عرفہ بھی کہتے ہیں' یہ جگہ عرفات میں داخل نہیں ہے' یہاں مسجد ابراہیم ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ابراہیم قبیس عباسی کی طرف منسوب ہے' اب بھی نماز ظہر وعصر وہاں ہی ہوتی ہے' اسی میدان میں ہی مسجد شریف واقع ہے جسے مسجد نمرہ کہتے ہیں۔ ۴۱؎ یعنی جیسے ماہ ذی الحجہ خصوصاً عرفہ کے دن حرم شریف کی زمین میں گناہ کرنا بدترین جرم ہے' کہ اس میں تین جرموں کا مجموعہ ہے' گناہ جرم' محترم جگہ کی بے حرمتی جرم' حرمت والی تاریخ ومہینہ کی بے ادبی جرم' ایسے ہی مسلمان کا خون بہانا' مال مارنا کئی جرموں کا مجموعہ ہے کہ یہ ظلم بھی ہے اور اللہ تعالٰی کی ناراضی کا باعث بھی' اور میری تکلیف وایذاء کا سبب بھی ہے' بعض نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس یعنی خون کی حرمت کو حرم شریف کی حرمت سے تشبیہ دی جو دائمی وباقی ہے' اور حرمت مال کو اس زمانہ کی حرمت سے تشبیہ دی جو عارضی ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔ اور یہ کلام شریف بہت ہی بلیغ ہے۔۴۲؎ یعنی ہم نے اسلام سے پہلے والی تمام بری رسمیں مٹا دیں نوحہ ماتم' بتوں کے نام کے ذبیحے وغیرہ تمام مٹا دیں' اب کوئی وہ رسوم ادا نہ کرے ۴۳؎ یعنی اسلام سے پہلے جو ظلماً خون کر دیئے گئے تھے۔ اور ان کا

قصاص باقی تھا وہ تمام خون معاف کر دیئے گئے' اب ان میں سے کسی قاتل پر قصاص نہیں' اب نیاراج ہے نیا راجہ' نیا دور ہے نئے دور والا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۴۴؎ اس بچے کا نام ایاس ابن ربیعہ ابن حارث ابن عبدالمطلب ہے حارث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں' ان کے بیٹے ربیعہ صحابی ہیں جنہوں نے خلافت فاروقی میں وفات پائی۔ ۴۵؎ اس طرح کہ بنی سعد و ہذیل قبیلوں میں جنگ ہوئی تھی۔ ہذیل کا ایک پتھر ایاس کے لگا جس سے وہ وفات پا گئے' مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں دم ربیعہ ہے بغیر ابن کے' خون سے مراد ربیعہ کے مطالبہ کا خون ہے جس کے وہ ولی ہیں' ورنہ مقتول ایاس ابن ربیعہ ہیں نہ کہ خود ربیعہ۔ ۴۶؎ یعنی زمانہ جاہلیت کے تمام غصب کئے ہوئے' لوٹے ہوئے اور سودی کاروبار کے مال معاف ہیں' جن کے ذمہ کسی کا قرض ہے اور سود بھی چڑھا ہوا ہے اس کے سود معاف' وہ اصل رقم ادا کرے۔ حضرت عباس اسلام سے پہلے سود لیتے تھے' ان لوگوں پر بہت قرض و سود تھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیئے' اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے جان و مال کے مالک ہیں' دیکھو آپ بذات خود خون بھی معاف فرما رہے ہیں اور مال بھی ان حق والوں سے معاف نہیں کرایا۔ دوسرے یہ کہ قانون پر پہلے بادشاہ اور اس کے اہل قرابت عمل کریں' پھر رعایا سے عمل کرائیں تب قانون چلتا ہے' اگر خود عمل نہ کریں تو رعایا عمل نہ کرے گی۔ جیسے آج دیکھا جا رہا ہے کہ قانون فٹ بال (Foot Ball) بن کر رہ گئے ہیں۔ دیکھو سرکار نے یہ دونوں قانون پہلے اپنے اور اپنے اہل قرابت پر جاری فرمائے۔ ۴۷؎ یہ ف' عاطفہ ہے یعنی مال و خون کے معاملات میں ظلم نہ کرو' پھر اپنی بیویوں پر بھی زیادتی نہ کرو' امان بمعنی امانت وعہد ہے یعنی تم نے انہیں اللہ کی ضمانت پر اپنے نکاح میں لیا ہے' کلمۃ اللہ سے مراد اللہ کا حکم ہے کہ فَانْكِحُوْهُنَّ یعنی اللہ تعالٰی کے فرمان کے ماتحت تمہارے لئے وہ حلال ہوئی ہیں' ہمارے ہاں بوقت نکاح دولہا دلہن کو کلمہ پڑھاتے ہیں' اس کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے تاکہ دونوں کا معاہدہ مضبوط رہے۔ کلمہ پڑھ کر عہد و پیمان کریں۔ ۴۸؎ یعنی تمہارے گھروں میں کسی ایسے کو نہ آنے دیں۔ اور تمہارے بستروں پر کسی ایسے کو نہ بیٹھنے دیں جن کا آنا بیٹھنا تم ناپسند کرتے ہو' فقہاء فرماتے ہیں کہ عورت کے میکے والے حتی کہ اس کے ماں باپ بھی بغیر خاوند کی اجازت اس کے گھر نہ جائیں' اگر خاوند ان کا آنا اپنے گھر میں ناپسند کرے تو عورت انہیں نہ بلائے بلکہ میکے جا کر ان سے مل آئے' اس کا ماخذ یہ حدیث ہے' ہاں مرد عورت کو ماں باپ کے ملنے سے منع نہیں کرسکتا کہ اس میں قطعیت رحم ہے۔ ۴۹؎ یعنی انہیں اس قصور پر سزا دے سکتے ہو معلوم ہوا کہ مرد عورت کو سزاءً معمولی طور پر مار سکتا ہے' کیونکہ مرد عورت کا حاکم ہے جیسے ماں' باپ' استاد اپنی اولاد شاگرد کو تنبیہہً مار پیٹ سکتے ہیں۔ ایسے ہی خاوند بیوی کو' مگر مار معمولی ہو' اسی لئے غیر مبرح فرمایا کہ اس مار سے ایذاء مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے۔ ۵۰؎ بھلائی سے روٹی کپڑے کے معنی یہ ہیں کہ خوشدلی سے دو' ان کے خرچ کو بوجھ نہ سمجھو اور جیسا خود کھاؤ پہنو ویسا ہی انہیں کھلاؤ پہناؤ۔ ۵۱؎ یعنی میں جا رہا ہوں اور قرآن کریم تم میں چھوڑے جاتا ہوں' اگر تم نے اپنے عقائد و اعمال اس کے مطابق رکھے تو گمراہ نہ ہو گے' خیال رہے کہ پورے قرآن پر عمل ضروری اور قرآن شریف میں تو یہ حکم بھی ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرو' اور یہ بھی ہے کہ جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کی' لہٰذا سنت پر عمل لازم ہوا' اب یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ سنت پر عمل ضروری نہیں قرآن کافی ہے۔ ۵۲؎ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایمان کی گواہی دیں گے اور ہم لوگ حضور کی تبلیغ کی گواہی دیں گے' ہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا کوئی بے ایمان انکار نہ کرسکے گا تاکہ پھر اس کی تحقیق کی جائے' لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ (۲:۱۱۹) تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا (کنزالایمان) یہ سوال اور ہے اور جس سوال کی نفی ہے وہ اور سوال ہے۔ ۵۳؎ یعنی مولیٰ تو ان کی گواہی کا گواہ ہوجا' ربّ تعالٰی فرماتا ہے: وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (۴:۷۹) اور اللہ کافی ہے گواہ (کنزالایمان) رب تعالٰی احکم

الحاکمین بھی ہے اور گواہوں کا گواہ بھی' ہر حاکم گواہوں کا گواہ ہوتا ہے۔لہٰذا یہ گواہی ربّ تعالٰی کی حاکمیت کے خلاف نہیں' بعض نسخوں میں ینکبھاب سے ہے نکب بمعنی جھانکنا اور نکت ت سے بمعنی کریدنا۔۵۴؎ یہ جمع صلوٰتین ہے' عرفات میں ظہر وعصر ایک اذان اور دو تکبیروں سے ظہر کے وقت میں ادا کی جاتی ہے۔ظہر کی سنتیں ونفل چھوڑ دی جاتی ہیں تاکہ عرفات پہاڑ پر جلد پہنچیں اور دعاؤں کے لئے کافی وقت ملے:لطیفہ معمہ:۔سوال:وہ کون سی جگہ ہے جہاں نفل کی وجہ سے فرض چھوڑ دیا جاتا ہے؟☆ جواب:وہ عرفات ہے' جہاں نفل یعنی دعاؤں کی وجہ سے عصر کا وقت جو فرض ہے چھوڑ دیا جاتا ہے:امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاں یہ جمع صلوٰتین حج کی وجہ سے ہے' امام شافعی کے ہاں سفر کی وجہ سے مذہب حنفی قوی ہے۔کیونکہ خود مکہ والے جو مسافر نہیں ہوتے وہ بھی یہاں جمع صلوٰتین کرتے ہیں اب امام مکہ معظمہ میں رہتا ہے مگر جمع کرتا ہے۔۵۵؎ حبل ریگ رواں کو کہتے ہیں جس پر رسیوں کی طرح سلوٹیں پڑی ہوتی ہیں' مشاۃ ماش کی جمع' بمعنی چلنے والے' چونکہ ریگ کی وجہ سے یہاں سواری پر نہیں چل سکتے پیدل چلنا پڑتا ہے اس لئے اسے حبل مشاۃ کہتے ہیں' یہ ایک میدان ہے عرفات شریف میں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھریلے علاقہ پر اونٹنی کھڑی کی' اس طرح کہ ریگستانی خطہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گیا اور قبلہ کو آپ کا منہ ہوگیا' حجاج کو اس جگہ کھڑے ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔شاید کبھی حضور کی جائے قیام پر کھڑا ہونا نصیب ہو جائے ۵۶؎ پہلے غائب ہونے سے مراد تھا سورج کا کچھ حصہ غائب ہونا' اور اس غائب ہونے سے مراد ہے پورا سورج ڈوب جانا' بیان میں ترتیب نہیں کیونکہ زردی سورج ڈوب چکنے کے بعد غائب ہو جاتی ہے' راوی نے غروب آفتاب کا ذکر دوبار کیا تاکید کے لئے' تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ غروب سے قریب غروب ہونا مراد ہے' ۵۷؎ یعنی آفتاب عرفات ہی میں غروب ہوگیا' اس کے بعد آپ مزدلفہ کی طرف اس طرح روانہ ہوئے کہ حضرت اسامہ ابن زید کو اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے سوار کرلیا' مزدلفہ' زلف بمعنی قریب سے ہے یا زَلَفٌ بمعنی ہموار زمین سے چونکہ یہ جگہ منیٰ سے قریب ہے' نیز اسی جگہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی ملاقات کا قرب ہوا اور یہاں کی زمین ہموار ہے' اس لئے اسے مزدلفہ کہتے ہیں' مزدلفہ میں رات گزارنا ہمارے ہاں اور امام احمد کے ہاں سنت ہے' بعض شوافع کے ہاں فرض ہے (لمعات واشعہ) بعض کے ہاں واجب ۵۸؎ امام احمد وزفر کے ہاں یہ ہی طریقہ ہے' ہمارے ہاں یہ دونوں نمازیں ایک ہی اذان اور ایک ہی تکبیر سے ہوں گی' کیونکہ عرفات میں تو عصر وقت سے پہلے ہوئی تھی' اسی لئے اس کی علیحدہ اطلاع ضروری تھی' مگر یہاں عشاء اپنے وقت میں ہو رہی ہے۔اس کی نئی اطلاع کی ضرورت نہیں' مسلم وترمذی نے حضرت ابن عمر سے ایک تکبیر کی روایت کی' ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح فرمایا (اشعہ) ۵۹؎ عشاء کی سنتیں ووتر ونفل پڑھ کر لیٹے' اس لئے ثم ارشاد فرمایا' اب بھی حاجی کو مزدلفہ میں پوری عشاء مع سنت وتر پڑھنا چاہیے (مرقات) مرقات نے فرمایا کہ سنت مغرب بھی پڑھنا بہتر ہے۔اس صورت میں یہاں نوافل اوابین کی نفی ہوگی۔۶۰؎ آپ ہمیشہ تو فجر اُجالے میں پڑھا کرتے تھے' مگر آج مزدلفہ میں فجر اول وقت پو پھٹتے ہی پڑھی' اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ فجر اُجالے میں پڑھنا چاہیے۔معلوم ہوا کہ مزدلفہ کی شب میں حاجی کو سونا سنت ہے' اگرچہ عموماً عید کی رات کو جاگنا بہتر ہے۔۶۱؎ مشعر حرام مزدلفہ میں ایک خاص جگہ کا نام ہے جہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے۔یہ جگہ قزح پہاڑ کے قریب ہے' اسی جگہ حاجی کو ٹھہرنا چاہیے۔۶۲؎ کفار مکہ سورج نکلنے کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہوتے تھے جبکہ پہاڑ کی چوٹی چمک جاتی تھی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج نکلنے سے پہلے روانگی فرمائی اور یہاں سے حضرت فضل ابن عباس کو اپنے پیچھے سوار کرلیا۔۶۳؎ وادی محسر مزدلفہ ومنیٰ کے درمیان ایک جنگل ہے' محسر کے معنی ہیں تھک جانے کی جگہ' ربّ تعالٰی فرماتا ہے:خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (۶۷:۴) اصحاب فیل کا ہاتھی اس جنگل میں پہنچ کر تھک گیا تھا اس لئے اسے محسر کہتے ہیں' بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں ہی اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا اس لئے یہاں سے جلد گزر جانا چاہیے' جیسے

قوم ثمود وعاد کی زمین سے جلد گزر جانا چاہیے بعض نے فرمایا کہ یہاں مشرکین ٹھہر جاتے تھے ان کی مخالفت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے جلد گزرے واللہ اعلم (اشعہ) ۶۴؎ یعنی عرفات کو جاتے وقت اور راستہ اختیار کیا تھا واپسی پر دوسرا راستہ اختیار فرمایا' یہ راستہ جمرہ عقبہ پر نکلتا ہے' معلوم ہوا کہ عرفات کو جاتے آتے علیحدہ راستے اختیار کرنا سنت ہے۔ ۶۵؎ یہ جمرہ عقبہ ہے' شاید اس زمانہ میں یہاں کوئی درخت ہوگا' اب وہاں کوئی درخت نہیں ہے' یہ جمرہ مسجد خیف سے دور ہے' مکہ معظمہ کی جانب ہے' آخری جمرہ ہے۔ چونکہ اس پہاڑ کے پیچھے ہے' جہاں بیعت عقبہ ہوئی' اسی لئے اسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔ ۶۶؎ خذف کے لفظی معنی ہیں انگلیوں سے کنکر پھینکنا' یہ کنکر باقلا کے دانہ کے برابر تھے' جو کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے سے پکڑ کر جمرہ (ستون) پر مارے جاتے تھے اب بھی ایسے ہی کنکر مارنا چاہئیں' بعض جہلاء بڑے بڑے پتھر مارتے ہیں' بعض جوتے مارتے ہیں' یہ غلط بھی ہے اور حماقت بھی۔ ۶۷؎ یعنی جمرہ کے سامنے کھڑے ہوکر ہموار زمین سے رمی کی جسے بطن وادی کہتے ہیں' اوپر کے حصہ سے رمی نہ کی' بطن وادی کا پتہ وہ جگہ دیکھ کر ہی لگتا ہے۔ ۶۸؎ قربانی گاہ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام گاہ سے قریب ہی تھا مسجد خیف کے قبلہ کی طرف جمرہ عقبہ سے قریب اگرچہ منیٰ سارا ہی قربانی گاہ ہے مگر بہتر یہ ہے کہ حضور انور کی قربانی گاہ میں پہنچ کر کی جائے (از مرقات) ۶۹؎ اس طرح کہ اپنی ہر قربانی میں حضرت علی مرتضٰی کا بھی حصہ رکھا۔ یہ جناب علی کی بڑی عظمت ہے۔ ۷۰؎ یعنی حضرت علی مرتضٰی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیگچی سے بوٹیاں بھی کھائیں' اور شوربا بھی پیا' معلوم ہوا کہ اپنی قربانی کا گوشت کھانا سنت ہے' بعض نے واجب کہا ہے' رب تعالٰی فرماتا ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا ۷۱؎ حق یہ ہی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ پہنچ کر زوال سے پہلے طواف زیارت کیا' پھر وہاں ہی ظہر پڑھی' جن روایات میں ہے کہ حضور نے منیٰ سے واپس ہوکر پڑھی وہاں راوی کو دھوکا ہوگیا' وہاں حضور نے نوافل پڑھے علاوہ فرض ظہر کے' ورنہ ظہر غیر وقت مستحب میں پڑھنا لازم ہوگا' اب بھی مستحب یہ ہی ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو ہی طواف زیارت کرے اور ظہر حرم شریف میں ہی پڑھے مگر یہ بمشکل میسر ہوتا ہے' کہ اس دن کام زیادہ ہوتے ہیں اور قربانی میں بہت دیر لگ جاتی ہے' اکثر حجاج مکہ معظمہ میں پڑھتے ہیں ۷۲؎ یہ لوگ حضرت عباس کی اولاد اور کچھ دوسرے حضرات تھے' وہاں چاہ زمزم سے ہر شخص پانی نہیں بھر سکتا' یہ بھی خاص لوگوں کا حق ہے ۷۳؎ یعنی اگر ہم نے پانی کھینچا تو یہ عمل سنت ہوجائے گا اور ہر شخص اس سنت پر عمل کرے گا' تمہیں یہاں سے نکلنا پڑے گا' اس لئے ہم خود نہیں کھینچتے ۷۴؎ آپ نے کھڑے کھڑے ہی ڈول سے زمزم پیا' بقیہ پانی چاہ زمزم میں ڈال دیا گیا' اب اس پانی میں دو برکتیں ہیں' ایک تو حضرت ذبیح اللہ کے پاؤں شریف کا دھوون ہے اور دوسرے حبیب اللہ کا پیا ہوا پانی اس میں ہے مبارک ہیں وہ جنہیں اس کا پینا نصیب ہو ۷۵؎ یہ حدیث ابن ابی شیبہ' ابوداؤد' نسائی' عبد ابن حمید' بزار' دارمی نے بھی حضرت امام جعفر صادق عن ابیہ عن جابر روایت کی۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَّمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَّلَمْ يُهْدِ فَلْيَحْلِلْ وَمَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَّاَهْدٰى فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ لَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهٖ وَمَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهٗ قَالَتْ فَحِضْتُ وَلَمْ اَطُفْ

(۲۴۴۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ۱؎ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں روانہ ہوئے تو ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا ۲؎ ہم جب مکہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور ہدی نہ لایا ہو وہ حلال ہوجائے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہدی لایا ہو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھ لے ۳؎ پھر حلال نہ ہو تو حتی کہ ان دونوں سے حلال ہو اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر حلال نہ ہو حتی کہ ہدی کی قربانی کرلے ۴؎ اور جس نے حج کا احرام

بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلَمْ اَزَلْ حَائِضاً حَتّٰى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَلَمْ اُهْلِلْ اِلَّا بِعُمْرَةٍ فَاَمَرَنِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَنْقُضَ رَاسِيْ وَاَمْتَشِطَ وَاُهِلَّ بِالْحَجِّ وَاَتْرُكَ الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ حَتّٰى قَضَيْتُ حَجِّيْ بَعَثَ مَعِيْ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ اَمَرَنِيْ اَنْ اَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِيْ مِنَ التَّنْعِيْمِ قَالَتْ فَطَافَ الَّذِيْنَ كَانُوْا اَهَلُّوْا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلُّوْا ثُمَّ طَافُوْا طَوَافاً بَعْدَ اَنْ رَجَعُوْا مِنْ مِناً وَاَمَّا الَّذِيْنَ جَمَعُو الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَاِنَّمَا طَافُوْ طَوَافاً وَّاحِدًا ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

باندھا ہو وہ اپنا حج پورا کرے۵ فرماتی ہیں کہ میں کپڑوں سے ہوگئی حالانکہ میں نے بیت اللہ کا طواف نہ کیا تھا نہ صفا اور مروہ کی سعی تو میں کپڑوں سے ہی رہی حتی کہ عرفہ کا دن آ گیا۶ اور میں نے صرف عمرہ کا ہی احرام باندھا ہوا تھا تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اپنے بال کھول دوں اور کنگھی کرلوں اور حج کا احرام باندھ لوں عمرہ چھوڑ دوں ۷ میں نے ایسا ہی کیا حتی کہ میں نے اپنا حج پورا کرلیا۸ میرے ساتھ عبدالرحمان ابن ابوبکر صدیق کو بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے چھوٹے ہوئے عمرہ کی جگہ مقام تنعیم سے عمرہ کروں۹ فرماتی ہیں کہ جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ انہوں نے بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کی پھر حلال ہو گئے۱۰ پھر منیٰ سے لوٹنے کے بعد ایک طواف کیا۱۱ لیکن جنہوں نے حج وعمرہ جمع کیا تھا۔ انہوں نے ایک ہی طواف کیا۱۲ (مسلم بخاری)

(۲۴۴۱) ۱؎ ہم تمام ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام۲؎ صرف حج کا یا حج مع عمرہ کا یا بعض نے صرف حج کا بعض نے حج وعمرہ دونوں کا، غرضیکہ صحابہ کے حالات مختلف تھے (مرقات) ۳؎ یعنی یہ دونوں قسم کے حضرات تمتع کریں، ہدی لانے والے تو ہدی کا تمتع کریں کہ درمیان میں حلال نہ ہوں اور ہدی نہ لانے والے بغیر ہدی کا تمتع کریں کہ درمیان میں حلال ہو جائیں، خیال رہے کہ حج چار قسم کا ہوتا ہے افراد، قران، تمتع ہدی والا، تمتع بغیر ہدی، ۴؎ دونوں عبارتوں کا مطلب قریباً یکساں ہے کیونکہ قارن اور ہدی والا تمتع دسویں بقرعید کو ہی قربانی کرتے ہیں اور اسی دن دونوں احراموں سے کھلتے ہیں ۵؎ یعنی افراد بانجح والا خواہ ہدی لایا ہو یا نہ لایا ہو بقرعید کے دن ہی احرام کھولے جیسا کہ مفرد کرتے ہیں ۶؎ یعنی میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا مگر حج سے پہلے عمرہ نہ کرسکی۔ کیونکہ میں ایام آ جانے کی وجہ سے طواف نہ کرسکی اور بغیر طواف صفا مروہ کی سعی ہوتی نہیں لہذا عمرہ کا کوئی رکن ادا نہ کرسکی خیال رہے کہ اگر عورت کو طواف کے بعد ایام آ جائیں تو وہ سعی کرسکتی ہے۔ اگر طواف سے پہلے آ جائیں تو نہ طواف کرسکتی ہے نہ سعی ۷؎ اسے فسخ عمرہ یا رفض عمرہ کہتے ہیں کہ عمرہ کا احرام باندھ کر بغیر عمرہ کئے کھل جانا یعنی خلاف احرام افعال کر لینا ۸؎ اس طرح کہ حج کا احرام باندھ کر بغیر طواف قدوم کئے عرفات چلی گئی، پھر عرفات مزدلفہ منیٰ کے افعال سے فارغ ہوکر طواف زیارت کرلیا کہ اب میں ایام سے فارغ ہو چکی تھی، طواف قدوم ایام کی وجہ سے نہ کرسکی تھی، اب بھی عورت کو عارضہ آ جانے پر یہ ہی حکم ہے کہ اسے طواف قدوم بلکہ طواف وداع بھی معاف ہو جاتا ہے ۹؎ تنعیم مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلہ پر حدود حرم سے باہر جگہ ہے۔ اب وہاں مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے۔ عام حجاج وہاں جا کر نفلی عمروں کا احرام باندھتے ہیں، یہ جگہ قریب ترین حد حرم ہے۔ یہ حدیث احناف کی دلیل ہے، کہ حائضہ عورت اپنا عمرہ چھوڑ دے۔ اور بعد حج اس کی جگہ دوسرا عمرہ یعنی عمرہ قضا کرے، حضرت عائشہ صدیقہ کا تمتع ہوا نہ کہ قران، اور یہ بعد والا عمرہ، عمرہ واجبہ تھا نہ کہ عمرہ نفلی، جیسا کہ شوافع نے سمجھا ۱۰؎ یہ حضرات ۷ ذی الحجہ تک حلال رہے آٹھویں کو احرام باندھ کر منیٰ روانہ ہو گئے، جیسا کہ تمتع والے اب بھی کرتے ہیں ۱۱؎ طواف زیارت جس کا وقت دسویں بقرعید سے بارہویں

بقرعید کی شام تک ہے، یہ طواف فرض ہے۔ ۱۲؎ یعنی قران والوں نے بھی منیٰ سے واپس ہوکر صرف ایک طواف ہی کیا، طواف زیارت انہوں نے قران کی وجہ سے اب دو طواف نہ کئے، لہٰذا یہ حدیث نہ تو احناف کے خلاف ہے نہ شوافع کی دلیل، خیال رہے کہ قارن احناف کے نزدیک بعد ادائے عمرہ عرفات جانے سے پہلے طواف قدوم اور صفا مروہ کی سعی کرے گا، اور بعد عرفات طواف زیارت کرے گا، امام شافعی کے ہاں قارن طواف قدوم نہیں کرتا صرف بعد عرفات طواف زیارت کرتا ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے مگر آپ نے عمرہ کے بعد طواف قدم کیا، نیز دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے مگر آپ نے عرفہ سے دو طواف کئے اور دو سعی، ایک طواف و سعی عمرہ کا، دوسرا طواف و سعی حج کا، نیز طحاوی نے عمران ابن حصین، علی، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ قارن دو طواف کرے اور دو سعی۔ لہٰذا اس حدیث عائشہ کے یہ ہی معنی ہیں کہ عرفات کے بعد قارن صحابہ نے ایک طواف کیا تاکہ تمام احادیث جمع ہوجائیں اور یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہو۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَبَدَا فَاَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ اَهَلَّ بِالْحَجِّ فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ اَهْدٰى وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ يُهْدِ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلنَّاسِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ اَهْدٰى فَاِنَّهٗ لَايَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَجَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَهْدٰى فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلْيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ ثُمَّ لِيُهِلَّ بِالْحَجِّ وَلْيُهْدِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ فَطَافَ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ اَوَّلَ شَيْءٍ ثُمَّ خَبَّ ثَلٰثَةَ اَطْوَافٍ وَّمَشٰى اَرْبَعًا فَرَكَعَ حِيْنَ قَضٰى طَوَافَهٗ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَانْصَرَفَ فَاَتَى الصَّفَا فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ اَطْوَافٍ ثُمَّ لَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى قَضٰى حَجَّهٗ وَنَحَرَ هَدْيَهٗ يَوْمَ النَّحْرِ وَاَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ

(۲۴۴۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وداعیہ حج میں، حج وعمرہ کا تمتع کیا۱؎ تو اپنے ساتھ ذوالحلیفہ سے ہدی لے گئے تو ابتداؤں فرمائی کہ پہلے عمرہ کا پھر حج کا احرام باندھا۲؎ لوگوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج وعمرہ کا تمتع کیا۳؎ بعض لوگ تو ہدی لے گئے تھے اور بعض نہ لے گئے تھے تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں سے فرمایا کہ تم سے جو ہدی لایا ہو وہ کسی حرام شدہ چیز سے حلال نہ ہو۴؎ تا آنکہ حج پورا کرلے اور جو ہدی نہ لایا ہو وہ کعبہ کا طواف کرے اور صفا مروہ میں دوڑے اور بال کٹوائے۔ حلال ہو جائے۵؎ پھر حج کا احرام باندھے اور قربانی دے جو قربانی نہ پائے وہ تین روزے زمانہ حج میں رکھے اور سات روزے گھر لوٹتے وقت۶؎ پھر جب حضور انور مکہ آئے تو طواف کیا سب سے پہلے سنگ اسود چوما پھر تین چکروں میں رمل فرمایا اور چار میں عام رفتار سے چلے۷؎ پھر جب طواف کعبہ پورا کرچکے تو مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر سلام پھیرا پھر لوٹے تو صفا پر آئے صفا مروہ کا سات بار طواف کیا۔ پھر آپ کسی حرام شدہ چیز سے حلال نہ ہوئے۸؎ حتی کہ حج پورا فرمالیا اور قربانی کے ہدی ذبح کردیئے اور منیٰ سے چلے بیت اللہ کا طواف کیا پھر تمام حرام شدہ چیزوں سے حلال ہوگئے

حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ وَفَعَلَ مِثْلَ مَافَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاقَ الْهُدٰى مِنَ النَّاسِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

۹ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سے کام تمام ہدی لانے والے لوگوں نے کئے ۱۰

(مسلم بخاری)

(۲۴۴۲) ۱ یہاں تمتع بمعنی لغوی میں ہے یعنی حج وعمرہ دونوں سے نفع حاصل کرنا تمتع عرفی یعنی قران کا مقابل مراد نہیں تاکہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہ ہو جن میں قران ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا بھی باندھ لیا' جس سے قران ہو گیا (اشعہ' مرقات' لمعات) یا اس کے برعکس دوسری صورت زیادہ ظاہر ہے۔ ۲ بعض علماء نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حج کا احرام باندھا تھا پھر عمرہ کا مگر چونکہ قران میں عمرہ پہلے ہوتا ہے حج بعد میں' اس لئے عمرہ کا پہلے ذکر ہے بعض نے اس کو ظاہری معنی پر رکھا اور کہا کہ جن روایات میں اس کے برعکس ہے وہاں حج کے فرض ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر پہلے ہے واللہ اعلم۔ (مرقات) ۳ یعنی بعض صحابہ نے بھی قران کیا' یہاں بھی تمتع لغوی معنی میں ہے' یعنی حج وعمرہ سے نفع حاصل کرنا ۴ یعنی ہدی والے تو احرام پر قائم رہیں اور بغیر ہدی والے عمرہ کر کے احرام کھول دیں اس کی وجہ پہلے عرض کی جا چکی ہے شیخ نے یہاں فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حج کا احرام باندھا تھا پھر عمرہ کا جن لوگوں نے پہلا احرام دیکھا انہوں نے افراد کی روایت کی اور جنہوں نے بعد کا حال دیکھا انہوں نے قران کی روایت کی' تمتع والی روایات میں تمتع سے لغوی معنی مراد ہیں' قران بھی لغۃً تمتع ہے' لہٰذا تمام احادیث درست و مطابق ہیں (اشعہ) ۵ خلاصہ یہ ہے کہ حج کا احرام والا ابھی عمرہ کر کے کھل جائے' حج کو فسخ کردے' پھر بعد میں نئے احرام سے حج کرے تاکہ لوگوں کا یہ خیال ٹوٹ جائے کہ حج کے زمانہ میں عمرہ حرام ہے یا احرام کھولنا حرام' اب یہ درست نہیں کہ حج کا احرام باندھ کر عمرہ کر کے کھول دے' جن صحابہ کرام نے تمتع کا انکار کیا ان کی یہ ہی مراد ہے یعنی حج فسخ کر کے عمرہ کرنا پھر حج کرنا یہ بات خوب ذہن میں رکھئے۔ ۶ متمتع یا قارن اگر قربانی کے لئے جانور میسر نہ پائیں تو دس روزے رکھیں' تو حج سے پہلے اشہر حج میں شوال' ذیقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن میں' مگر بہتر یہ ہے کہ تیسرا روزہ نویں ذوالحجہ کو ہو' اور سات روزے حج کے بعد گھر پہنچ کر یا ایام تشریق کے بعد مکہ معظمہ میں (مرقات وکتب فقہ) ۷ رمل یا خوب اکڑ کر چلنے یا بہادروں کی رفتار سے چلنے کو کہتے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے عمرہ قضا کے طواف میں تین چکروں میں رمل کیا تھا' مشرکین مکہ کو اپنی طاقت وقوت دکھانے کے لئے' پھر یہ رمل دائمی سنت ہو گیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے طواف قدوم میں بھی کیا اب بھی حجاج رمل کرتے ہیں' معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال کی نقل عبادت ہے اس رب کے گھر میں طواف جو عبادت ہے اس کی حالت میں اکڑنا عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ بارگاہ الٰہی میں عجز وانکسار چاہیے' مگر چونکہ یہ اکڑنا سنت ہے لہٰذا محبوب ہے' یہ بھی معلوم ہوا کہ عین عبادت کی حالت میں کفار کو اپنی طاقت دکھانا بہتر ہے کہ اسلامی قوت کا اظہار بھی عبادت ہے اب بھی فوجی پریڈ و فوجی سلاموں میں پھرتی و طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ ۸ بلکہ احرام پر قائم رہے کیونکہ آپ قارن تھے اور قران میں بقرعید کے دن ہی احرام کھولا جاتا ہے' یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے بعد حج کا احرام باندھا' لہٰذا یہ ہی ظاہر ہے کہ حج وعمرہ کے احرام ایک ساتھ ہی باندھے تھے اور قران ہی کیا تھا' یہ احناف کا مذہب ہے کہ قران افضل ہے' ۹ اس طرح کہ بقرعید کے دن رمی جمرہ سے تو حل ناقص ہوا جس سے سواء جماع باقی تمام چیزیں حلال ہو گئیں اور طواف زیارت سے حل کامل ہو گیا کہ صحبت بھی درست ہو گئی ۱۰ یعنی ہدی والے صحابہ کرام تو احرام سے بقرعید کے دن فارغ ہوئے اور بغیر ہدی والے صحابہ خواہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا یا حج کا عمرہ کر

کے احرام سے کھل گئے پھر آٹھویں ذی الحجہ کو محرم ہوئے جیسا کہ گزر گیا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ عُمْرَةٌ اِسْتَمْتَعْنَا بِهَا فَمَنْ لَّمْ يَكُنْ عِنْدَهُ الْهَدْىُ فَلْيَحِلَّ الْحِلَّ كُلَّهٗ فَاِنَّ الْعُمْرَةَ قَدْ دَخَلَتْ فِي الْحَجِّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ.

(۲۴۴۳) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وہ عمرہ ہے جس سے ہم نے تمتع کر لیا۱ تو جس کے پاس ہدی نہ ہو وہ پورا پورا حلال ہو جائے۲ کیونکہ اب قیامت تک کو عمرہ حج میں داخل ہو گیا۳ (مسلم) یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

(۲۴۴۳)۱یہاں بھی تمتع لغوی معنی میں ہے یعنی حج وعمرہ سے نفع اٹھالے دونوں ایک سفر میں کرنا قران کا مقابل نہیں یعنی الگ الگ احرام سے حج وعمرہ کرنا جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا۲ پورا حلال ہونا یہ ہے کہ بیوی سے صحبت بھی جائز ہو جائے ناقص حل یہ ہے کہ سلا کپڑا، خوشبو، سرڈھانپنا تو حلال ہو جائے مگر صحبت حرام رہے، اس حکمت سے یہاں پورے حلال کا حکم دیا۔۳ یعنی عمرہ حج کے مہینوں میں داخل ہو گیا کفار عرب کا عقیدہ تھا کہ شوال سے محرم تک عمرہ کرنا حرام ہے ماہ صفر سے جائز ہوتا ہے، یہ عقیدہ ختم فرما دیا گیا، بعض علماء جو فرماتے ہیں کہ مکہ والے حج کے زمانہ میں عمرہ نہ کریں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے عمرہ کرنے سے ہجوم زیادہ ہو جائے گا، اور باہر والوں پر طواف وسعی میں دشواری ہوگی، یہ لوگ تو ہمیشہ عمرہ کر سکتے ہیں، باہر کے حجاج کو اس زمانہ میں عمرہ آسانی سے کرنے دیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَبْنَ عَبْدِاللّٰهِ فِيْ نَاسٍ مَعِيَ قَالَ اَهْلَلْنَا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ خَالِصًا وَحْدَهٗ قَالَ عَطَآءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُبْحَ رَابِعَةٍ مَضَتْ مِنْ ذِي الْحَجَّةِ فَاَمَرَنَا اَنْ نَحِلَّ قَالَ عَطَآءٌ قَالَ حِلُّوْا وَاَصِيْبُوا النِّسَآءَ قَالَ عَطَآءٌ وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ وَلٰكِنْ اَحَلَّهُنَّ لَهُمْ فَقُلْنَا لَمَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ اِلَّا خَمْسٌ اَمَرَنَا اَنْ نُفْضِيَ اِلٰى نِسَآءِ نَافَنَاتِيَ عَرَفَةَ تَقْطُرُ مَذَاكِيْرُنَا الْمَنِيَّ قَالَ يَقُوْلُ جَابِرٌ بِيَدِهٖ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى قَوْلِهٖ بِيَدِهٖ يُحَرِّكُهَا قَالَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْنَا فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّيْ اَتْقٰكُمْ لِلّٰهِ وَاَصْدَقُكُمْ وَاَبَرُّكُمْ وَلَوْلَا هَدْيِيْ لَحَلَلْتُ كَمَا تَحِلُّوْنَ وَلَوِاسْتَقْبَلْتُ مِنْ

(۲۴۴۴) روایت ہے حضرت عطاء سے فرماتے ہیں میں نے اپنے ساتھی لوگوں کی جماعت میں حضرت جابر بن عبداللہ کو سنا فرماتے تھے۱ کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے خالص حج کے لئے احرام باندھا۲ عطاء کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار بقرعید کی تاریخ کی صبح مکہ معظمہ پہنچے تو ہم کو کھل جانے کا حکم دیا عطا کہتے ہیں کہ فرمایا حلال ہو جاؤ، عورتوں سے صحبت کرو۳ عطا کہتے ہیں صحبت ان پر واجب نہ کی لیکن ان کے لئے عورتیں حلال فرما دیں۴ ہم نے سوچا کہ جب ہمارے اور عرفہ کے درمیان صرف پانچ دن باقی رہ گئے تو ہم کو بیویوں کے پاس جانے کی اجازت دے دی تو کیا ہم عرفہ کو اس حال میں جائیں کہ ہمارے ذکر منی ٹپکاتے ہوں۔۵ راوی کہتے ہیں کہ حضرت جابر اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے گویا میں ان کا ہاتھ ہلتا دیکھ رہا ہوں۶ فرماتے ہیں کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا سب سے زیادہ

اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْیَ فَحِلُّوْا فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَاَطَعْنَا قَالَ عَطَآءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ عَلِیٌّ مِّنْ سِعَایَتِهٖ فَقَالَ بِمَ اَهْلَلْتَ قَالَ بِمَا اَهَلَّ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاهْدِوَ امْكُثْ حَرَامًا قَالَ وَاَهْدٰی لَهٗ عَلِیٌّ هَدْیًا فَقَالَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ قَالَ لِاَبَدٍ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سچا اور نیک اعمال ہوں ۷ اگر میری ہدی نہ ہوتی تو جیسے تم حلال ہو رہے ہو میں بھی حلال ہو جاتا اور جو بات بعد میں کھلی اگر پہلے سے ہم جانتے تو ہدی لاتے ہی نہیں ۸ لہٰذا حلال ہو جاؤ چنانچہ ہم حلال ہو گئے ہم نے آپ کا حکم سنا اور بجالائے ۹ عطاء فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے کہا پھر حضرت علی اپنے دارالعمالہ سے آئے ۱۰ حضور انور نے پوچھا کونسا احرام باندھا عرض کیا وہ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا حضور نے فرمایا ہدی ذبح کرو اور احرام میں ٹھہرو حضرت علی ہدی لائے تھے ۱۱ حضرت سراقہ ابن مالک ابن جعشم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ ہمارے اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے فرمایا ہمیشہ کیلئے ۱۲ (مسلم)

(۲۴۴۴) ۱ آپ کا نام عطاء ابن ابی رباح ہے، جلیل القدر تابعی ہیں مکہ معظمہ کے رہنے والے ساتھیوں کی جماعت کا ذکر قوت استدلال کے لئے کیا یعنی میں نے اکیلے یہ حدیث نہ سنی اس کے سننے والے دوسرے لوگ بھی ہیں ۲ اکثر صحابہ نے یا ہدی نہ لے جانے والے صحابہ نے حج کا احرام باندھا یا حضرت جابر نے اپنے اندازے سے یہ فرمایا، ورنہ بہت سے صحابہ نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا، خیال رہے کہ یہاں صحابہ کا ذکر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قران کیا تھا جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا، بہرحال یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں، ۳ یعنی پورے حلال ہو جاؤ جس میں بیوی سے صحبت بھی جائز ہے اس موقع پر کھل جانے کا حکم تو وجوبی تھا اور صحبت کا حکم اباحت کا، زیادہ سے زیادہ استحباب کا بہرحال دونوں حکم یکساں نہیں ہیں۔ ۴ علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ امر اباحت کا تھا مگر اس وقت ان لوگوں پر اپنی بیویوں سے صحبت مستحب ہو چکی تھی، کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو تھا۔ ۵ یہ کہنا یا سوچنا انکار کیلئے نہ تھا بلکہ حیرت کے لئے تھا جیسا کہ فرشتوں نے خلیفہ الٰہی کا اعلان سن کر عرض کیا تھا، اَتَجْعَلُ فِیْهَا لہٰذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ نبی کے فرمان کا انکار تو کفر ہے چونکہ یہ عمل صدیوں کے مروجہ عقیدے وعمل کے خلاف تھا اس لئے انہیں حیرت ہوئی، اس کا پہلے سے اعلان ہوا بھی نہ تھا اچانک حکم پہنچا، ۶ یہ حضرت عطاء کا قول ہے وہ کہتے ہیں حضرت جابر نے یہ کلام ہاتھ ہلا کر کیا جیسا کہ عادتاً بات کرتے ہیں ہاتھ ہلاتے جاتے ہیں یا بقیہ مدت کی کمی بیان کرنے کے لئے ہاتھ ہلایا کہ جب اتنی سی رتی بھر گھڑیاں باقی رہ گئیں عرفہ کا دن بالکل قریب ہی آ گیا تو صحبت حلال کی گئی، بعض شارحین نے فرمایا کہ ہاتھ کی حرکت ذکر کر کے منی ٹپکانے کی طرف اشارہ ہے مگر یہ درست نہیں معلوم ہوتا، ورنہ پھر انگلی ہلائی جاتی نہ کہ ہاتھ، پہلی دو تو جیہیں بہت قوی ہیں (مرقات) ۷ سرکار کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی درستی میں کچھ شبہ نہ ہوا تھا نہ انہیں قبول حکم سے سرتابی تھی صدیوں کے عقیدے کے خلاف پر تعجب تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کا شوق تھا کیونکہ حضور عالی خود حلال نہ ہوئے تھے تو گویا اس وقت حلال نہ ہونا انہوں نے سنت جانا حلال ہو جانا بالکل ناجائز مانا، شوق تھا کہ افضل پر عمل کریں، لہٰذا اس سے روافض دلیل نہیں پکڑ سکتے ۸ اس جملہ نے معاملہ صاف کر دیا کہ صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا شوق تھا نہ کہ حکم سے سرتابی، اگر مجھے تمہارے اس شوق کا پہلے سے اندازہ ہوتا تو میں ہدی نہ لاتا اور تمہارے ساتھ میں بھی حلال ہو

جاتا' تاکہ تمہیں حلال ہونے میں تکلف نہ ہوتا۔خیال رہے کہ لو استقبلت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی نہیں ہوتی یہاں ظہور واقعہ مراد ہے جیسے ربّ تعالٰی فرماتا ہے:لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا (۸،۲۳)اور اگر اللہ ان میں کچھ بھلائی جانتا (کنزالایمان) یا جیسے وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ (۳،۱۴۲)اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا (کنزالایمان) اب تک ربّ نے انہیں نہ جانا' یا یہ کلام افسوس کے لئے ہوتا ہے' کہ اگر ہمیں پہلے سے یہ اندازہ ہوتا کہ تمہیں اتباع سنت کا اتنا شوق ہے تو ہم بھی ہدی نہ لاتے'۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح ہوتی ہے کہ عمل میں خصوصیت کا احتمال ہے' یہ احناف کا مذہب ہے صحابہ کرام نے اطاعت خوشی سے کی نہ کہ ناراضی سے' جو کچھ تامل تھا وہ پہلے ہی ظاہر کردیا' اس لئے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ یہ اطاعت منافقت سے تھی'۱۰؎ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ' یمن کے ساعی تھے جو صدقات وصول فرمانے وہاں تشریف لے گئے تھے' غالبًا اس گفتگو کے بعد حضرت علی یمن سے یہاں پہنچے۱۱؎ یعنی تم بھی ہماری طرح قارن ہو اور تمہارے ساتھ بھی ہماری طرح ہدی ہے لہذا تم بھی احرام نہ کھولو حج سے فارغ ہو کر کھولنا۔۱۲؎ یعنی تاقیامت حج کے زمانہ میں عمرہ کرنا درست ہوگیا' وہ دستور ختم کردیا گیا کہ شوال سے صفر تک عمرہ حرام ہو مگر حج کا فتح صرف اس سال کے لئے تھا آئندہ کبھی جائز نہ ہوگا' یہ اشارہ جواز عمرہ کی طرف ہے' نہ کہ فتح حج کی جانب' یہ ہی جمہور علماء کا قول ہے (مرقات ولمعات)

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَرْبَعٍ مَضَيْنَ مِنْ ذِی الْحَجَّةِ اَوْ خَمْسٍ فَدَخَلَ عَلَیَّ وَهُوَ غَضْبَانُ فَقُلْتُ مَنْ اَغْضَبَكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ قَالَ اَوَمَا شَعَرْتِ اَنِّیْ اَمَرْتُ النَّاسَ بِاَمْرٍ فَاِذَا هُمْ یَتَرَدَّدُوْنَ

(۲۴۴۵) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بقرعید کے چار پانچ دن گزر گئے تو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو میرے پاس غصہ کی حالت میں تشریف لائے میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو کس نے رنجیدہ کیا خدا اسے دوزخ میں ڈالے۱؎ فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم نے لوگوں کو ایک حکم دیا تو وہ اس میں تردّد کرتے ہیں۲؎ اور اگر ہم پہلے سے وہ

وَلَوْ اَنِّیْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْیَ مَعِیَ حَتّٰی اَشْتَرِیَهُ ثُمَّ اَحِلَّ كَمَا حَلُّوْا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

جانتے جو بعد میں جانا تو ہم اپنے ساتھ ہدی نہ لاتے۔حتی کہ یہاں سے ہی قربانی خرید لیتے پھر جیسے یہ حلال ہورہے ہیں ہم بھی حلال ہوجاتے۳؎ (مسلم)

(۲۴۴۵)۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناراضی ان حضرات کے فتح حج میں تامل کرنے کی وجہ سے تھی' کہ ان لوگوں نے ہمارے حکم پر عمل کرنے میں دیر کیوں لگائی' حضرت عائشہ صدیقہ کی یہ بددعا اظہار ناراضی کے لئے ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غصے اور حضرت عائشہ کی اس ناراضی سے حضرات صحابہ اسلام سے خارج نہ ہوگئے' ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ساتھ حج نہ کراتے بلکہ پہلے انہیں دوبارہ کلمہ پڑھوا کر مسلمان کرتے' ان کے نکاح نئے کراتے' پھر حج کراتے' کیونکہ کافر حج نہیں کرسکتا نہ مکہ معظمہ حج کے لئے جا سکتا ہے' ربّ تعالٰی فرماتا ہے:فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (۹،۲۸) تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں (کنزالایمان) کوئی کافر اس سال کے بعد مکہ معظمہ سے قریب بھی نہ ہو' یہ ناراضی ایسی ہی ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر علی کو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا ہے تو فاطمہ کو طلاق دے دیں' باپ بیٹے پر غصہ کرتا ہے عداوت نہیں کرتا۔سعید بیٹا باپ پر ضد

کرتا ہے دشمنی نہیں کرتا۔۲؎ تردد اعتقاد میں نہیں عمل میں تھا' وہ بھی حضور علیہ السلام کی سنت پر عمل کے شوق میں' اگر اس موقع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی احرام کھول دیا ہوتا تو کسی صحابی کو کوئی تردد و تامل نہ ہوتا ۳؎ اور ہمارے حلال ہو جانے کی صورت میں ان حضرات کو حلال ہو جانے میں کوئی تامل نہ ہوتا۔

بَابُ دُخُوْلِ مَكَّةَ وَالطَّوَافِ — باب مکہ کا داخلہ اور طواف

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

اس باب میں دو باتیں ہوں گی' مکہ معظمہ میں داخلہ کے آداب' کہ کس وقت آئے کس طرف سے آئے اور کدھر سے جائے' اور طواف کعبہ کا طریقہ' کہ طواف کس عمل سے شروع کرے اور کس پر ختم کرے' مکہ مَكٌّ سے بنا' بمعنی ہلاکت اور سر کچل ڈالنا' چونکہ اللہ تعالیٰ نے کئی بار مکہ معظمہ کے دشمنوں کو ہلاک کیا انہیں کچل ڈالا' اس لئے اسے مکہ کہتے ہیں یا چونکہ مکہ معظمہ متکبرین وغرور والوں سے مجاہدے ریاضات کرا کے ان کے تکبر کو کچل ڈالتا ہے لہٰذا مکہ کہلاتا ہے' مکہ معظمہ کے نام وفضائل انشاءاللہ آخر باب حج میں بیان ہوں گے' صاحب مشکوٰۃ خود اس کا ایک باب باندھیں گے۔

عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَايَقْدُمُ مَكَّةَ اِلَّابَاتَ بِذِیْ طُوًی حَتّٰی یُصْبِحَ وَیَغْتَسِلَ وَیُصَلِّیَ فَیَدْخُلَ مَكَّةَ نَهَارًا وَاِذَا نَفَرَ مِنْهَا مَرَّبِذِیْ طُوًی وَبَاتَ بِهَا حَتّٰی یُصْبِحَ وَیَذْكُرُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَفْعَلُ ذٰلِكَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۴۴۶) روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کبھی مکہ معظمہ داخل نہ ہوتے مگر پہلے صبح تک ذی طویٰ میں رات گزار لیتے۔ غسل کرتے' نماز پڑھتے پھر دن میں مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ۱؎ اور جب مکہ سے واپس ہوتے تو ذی طویٰ پر گزرتے وہاں رات گزارتے حتی کہ صبح ہو جاتی اور فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمل کرتے تھے ۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۴۴۶) ذی طویٰ مکہ معظمہ سے قریب' مدینہ کے راہ پر ایک چھوٹی سی بستی یا کنواں کا نام ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں رات میں پہنچ گئے تھے' رات وہاں گزار کر بعد نماز فجر وہاں سے چلے تھے' اور دن میں مکہ معظمہ داخل ہوئے تھے' حضرت ابن عمر اس سنت پر عامل رہے' علماء فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ دن میں داخل ہونا کہ کعبہ معظمہ پر پہلی نظر ہیبت وجلال سے پڑے اور دعا خوب دل سے مانگی جائے' اول نظر پر دعا بہت قبول ہوتی ہے' کعبہ کی تجلی دن میں خوب نظر آتی ہے' بہتر یہ ہے کہ چاشت کے وقت داخل ہو (اشعہ) غسل کر کے مکہ معظمہ میں داخل ہونا بہت بہتر ہے (مرقات) نسائی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر دن میں مکہ معظمہ شریف تشریف لائے اور عمرہ کے وقت رات میں' سیدنا عبداللہ ابن عمر رات کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے منع فرماتے تاکہ حجاج کا سامان گڑبڑ نہ ہو' ابن حبان میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ انبیاء کرام مکہ معظمہ میں پیدل برہنہ پا داخل ہوتے تھے' عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ حج کعبہ سات لاکھ بنی اسرائیل نے کیا جو مقام تنعیم سے ننگے پاؤں ہو جاتے تھے (مرقات) ۲؎ واپسی پر یہ ذی طویٰ میں رات گزارنا اس لئے تھا کہ تمام صحابہ جمع ہو جائیں' اور اب یہاں سے سفر مدینہ کی تیاری کر لی جائے غرضیکہ آتے جاتے دونوں بار ذی طویٰ میں قیام

فرمایا مگر مختلف مصلحتوں سے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا جَآءَ اِلٰى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ اَعْلَاهَا وَخَرَجَ مِنْ اَسْفَلِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۴۷) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ آئے تو مکہ کے اوپر کے حصہ سے داخل ہوئے اور اس کے نچلے حصے سے تشریف لے گئے[۱] (مسلم بخاری)

(۲۴۴۷) [۱] یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں جس میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں مکہ معظمہ اس طرف سے داخل ہوئے جس کا نام کداء تھا' مکہ معظمہ کے قبرستان جنت معلی کی طرف جسے اب حجون کہتے ہیں اور واپسی کے وقت اس طرف سے نکلے جسے ہدی کہتے تھے۔اب اسے باب الشبکہ کہا جاتا ہے' فتح مکہ میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں راستوں سے داخل و خارج ہوئے' یہ تبدیلی راہ انہیں مصلحتوں سے فرمائی جو عید کے دن عیدگاہ جاتے آتے وقت ہوا کرتی تھیں کہ تبدیلی راہ تبدیلی حال کی علامت ہو دونوں راستے گواہ ہو جاویں' سارے شہر کی برکتیں میسر ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔

وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَدْ حَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَتْنِيْ عَائِشَةُ اَنَّ اَوَّلَ شَيْءٍ بَدَاَ بِهٖ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ اَنَّهٗ تَوَضَّاَ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةٌ ثُمَّ حَجَّ اَبُوْ بَكْرٍ فَكَانَ اَوَّلُ شَيْءٍ بَدَاَ بِهِ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةٌ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ مِثْلَ ذٰلِكَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۴۸) روایت ہے حضرت عروہ ابن زبیر سے[۱] فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو مجھے حضرت عائشہ نے خبر دی[۲] کہ پہلا وہ کام جس سے حضور انور نے مکہ معظمہ آتے وقت ابتدا کی یہ تھا کہ آپ نے وضو کیا پھر بیت اللہ کا طواف کیا[۳] پھر عمرہ نہ ہوا پھر حضرت ابوبکر نے حج کیا تو پہلا وہ کام جس سے ابتداء کی یہ تھا کہ بیت اللہ کا طواف کیا پھر عمرہ نہ ہوا پھر حضرت عمر نے حضرت عثمان نے اسی طرح عمل کیا[۴] (مسلم بخاری)

(۲۴۴۸) [۱] عروہ ابن زبیر ثقہ تابعین میں سے ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے یعنی اسماء کے صاحبزادے' آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایات کیں۔ [۲] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم غسل تو ذی طویٰ میں فرما چکے تھے اب بھی باوضو تھے وضو پر وضو فرمایا' خیال رہے کہ احناف کے نزدیک طواف کے لئے طہارت واجب ہے' دوسرے اماموں کے ہاں شرط ہے' ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ طواف نماز ہی ہے' ہاں طواف میں رب نے کلام جائز فرمادیا ہے۔جب طواف نماز ہے تو نماز میں طہارت شرط ہے' لہذا طواف میں بھی شرط' مگر استدلال ضعیف ہے اولاً تو وہ حدیث ہی صحیح نہیں' دوتشبیہ ہر بات میں نہیں ہوتی' دیکھو نماز میں کھانا پینا مفسد ہے مگر طواف میں کھانا پینا بالاتفاق طواف نہیں توڑتا۔ [۳] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا حج کے ساتھ والے عمرہ کے اور دوسرا عمرہ نہ کیا' آپ سے دوسرا عمرہ ثابت نہ ہوا' بعض شارحین نے اس جملہ کے اور معانی بھی کئے ہیں مگر یہ معنی بہت قوی ہیں [۴] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے راشدین نے بھی اسی طرح عمل کیا کہ مکہ معظمہ میں آتے ہی طواف کیا اور حج سے پہلے صرف یہ ہی ایک عمرہ کیا جس کا احرام حج کے احرام کے ساتھ باندھا تھا بعض حجاج حج سے پہلے اور حج کے بعد بہت سے عمرے کرتے رہتے ہیں یہ بھی اچھا ہے' بعض شارحین نے فرمایا کہ مکہ معظمہ سے عمرہ کے لئے باہر جانا صحابہ سے ثابت نہیں بجز حضرت عائشہ صدیقہ کے کہ آپ رہے ہوئے عمرہ کو پورا کرنے کے لئے تنعیم سے احرام باندھ کر آئیں (مرقات) لم تکن عمرۃ حضرت عروہ کا قول ہے نہ کہ عائشہ صدیقہ کا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ اَوِالْعُمْرَةِ اَوَّلَ مَا يَقْدُمُ سَعٰى ثَلٰثَةَ اَطْوَافٍ وَّمَشٰى اَرْبَعَةً ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَطُوْفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ .(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۴۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ کا آتے ہی طواف کرتے تو تین چکروں میں تیز چلتے اور چار میں درمیانی چال چلتے! پھر دو رکعتیں پڑھتے پھر صفا و مروہ کا طواف فرماتے۲ (مسلم بخاری)

(۲۴۴۹)! ایک طواف میں سات چکر ہوتے ہیں، پہلے طواف میں تین چکروں میں سینہ تان کر اکڑتے ہوئے، بہادری دکھاتے ہوئے چلنا، بقیہ چار چکروں میں معمولی رفتار پر چلنا سنت ہے، باقی طوافوں میں رمل نہ کرے۲ ہر طواف کے بعد دو نفل پڑھنا سنت ہے، بہتر یہ ہے کہ یہ نفل مقام ابراہیم کے سامنے پڑھے۔ اگر فجر یا عصر کے بعد طواف کرے تو ان وقتوں میں نفل نہ پڑھے، جتنے طواف کر لئے ہوں اتنے نوافل بعد میں پڑھے۔

وَعَنْهُ قَالَ رَمَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَجَرِ اِلَى الْحَجَرِ ثَلاَثًا وَّمَشٰى اَرْبَعًا وَّكَانَ يَسْعٰى بِبَطْنِ الْمَسِيْلِ اِذَا طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۴۵۰) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنگ اسود سے سنگ اسود تک تین تین چکروں میں رمل فرماتے اور چار میں معمولی رفتار! اور جب صفا و مروہ کا طواف کیا تو بطن مسیل میں دوڑتے تھے۲ (مسلم)

(۲۴۵۰)! اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ رکن یمانی و رکن اسود کے درمیان رمل نہ کرے معمولی رفتار سے چلے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورے چکر میں رمل کرے، طواف کا ہر چکر رکن اسود سے شروع ہوتا ہے اور وہاں ہی ختم ہوتا ہے۲ یعنی صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے، دوہرے میلوں کے درمیان تو دوڑتے تھے، آگے پیچھے راستہ میں معمولی رفتار سے چلتے تھے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ اَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهٖ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَّمَشٰى اَرْبَعًا . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۴۵۱) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ تشریف لائے تو حجر اسود پر پہنچے اسے چوما! پھر اس کی داہنی طرف چلے تو تین چکروں میں رمل کیا اور چار میں معمولی چال اختیار کی۲ (مسلم)

(۲۴۵۱)! سنگ اسود چومنے کے چار طریقے ہیں خود اس پر لب لگا کر بوسہ دینا اسے ہاتھ سے چھو کر ہاتھ چوم لینا، چھڑی وغیرہ لگا کر چھڑی چوم لینا دور سے سنگ اسود کی طرف ہاتھ کر کے ہاتھ چوم لینا، پہلی صورت بہت بہتر ہے اگر میسر ہو باقی دو صورتیں بھی جائز ہیں، یہاں پہلی صورت مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں طرح سنگ اسود چوما ہے، منہ لگا کر چومنا کبھی کبھی میسر ہوتا ہے اکثر چوتھی صورت ہی میسر ہوتی ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف شروع کرتے وقت سنگ اسود چومنا سنت ہے۲ ظاہر یہ ہے کہ اگلے تین چکروں میں پورے چکر میں رمل فرمایا، سنگ اسود سے سنگ اسود تک۔

وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَرَبِيٍّ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ اِبْنَ عُمَرَ اِسْتِلَامِ الْحَجَرِ فَقَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ

(۲۴۵۲) روایت ہے حضرت زبیر ابن عربی سے! فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت ابن عمر سے سنگ اسود چومنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۲ کو اسے ہاتھ

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

لگاتے اور چومتے دیکھا۳ (بخاری)

(۲۴۵۲) ۱؎ زبیر ابن عربی تابعی بصری ہیں، حضرت ابن عمر سے سماع ثابت ہے ان سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے۔ (اشعہ) اور زبیر ابن عدی کوفی ہیں تابعی ہیں، انہوں نے حضرت انس ابن مالک سے سنا ہے (مرقات) ۲؎ کہ یہ چومنا جائز ہے یا ناجائز، اگر جائز ہے تو سنت بھی ہے یا نہیں، بعض جہلاء کو خیال ہو گیا تھا کہ یہ پتھر پرستی ہے، ان پر شیطانی توحید کا زور ہو گیا تھا، اس لئے صحابہ کرام سے یہ سوالات ہوتے تھے۳؎ اس طرح کہ کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ لگا کر چوما اور کبھی ہاتھ سے سنگ اسود چھوا اور ہاتھ شریف چوم لیا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ اَرَالنَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ اِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۵۳) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے دو گوشوں یمانیوں کے سوا کسی اور چیز کو چومتے نہ دیکھا۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۴۵۳) ۱؎ خانہ کعبہ کے چار گوشہ ہیں، ہر گوشہ کو رکن کہتے ہیں رکن اسود، رکن یمانی، رکن عراقی، رکن شامی، رکن اسود کو دو عظمتیں حاصل ہیں، ایک یہ بناء ابراہیمی پر ہے، دوسرے اس میں سنگ اسود واقع ہے اس لئے اسے منہ یا ہاتھ لگا کر چومنا سنت ہے رکن یمانی کو صرف ایک عظمت حاصل ہے بنیاد ابراہیمی پر ہونا، اس لئے اسے صرف ہاتھ لگا کر چومنا سنت ہے منہ نہ لگانا بہتر (مرقات) باقی دو رکن عراقی، شامی، کو ان دونوں میں سے کوئی عظمت حاصل نہیں، کیونکہ یہ درمیان کعبہ میں ہیں، حطیم شریف بھی داخل کعبہ ہے اس لئے اسے چومنا سنت نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلٰی بَعِيْرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۵۴) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اونٹ پر طواف کیا۱؎ اور رکن اسود کو چھڑی سے چومتے تھے۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۴۵۴) ۱؎ بلا مجبوری و معذوری سواری پر طواف کرنا ممنوع ہے، طواف میں چلنا واجب ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر طواف لوگوں کی تعلیم کے لئے تھا تاکہ تمام لوگ یہ طواف دیکھ کر طواف کرنا سیکھ لیں۔ لہٰذا یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے اور یہ حضور کا معجزہ ہے کہ اونٹ نے اس وقت پیشاب پاخانہ نہ کیا ہم لوگ مجبوری کی حالت میں بھی اونٹ، گھوڑا حرم شریف میں نہیں لے جاسکتے ڈولی میں طواف کریں گے جیسا کہ بیمار و بڈھے لوگ کرتے ہیں، خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف قدوم تو پیدل کیا اور طواف زیارت سواری پر، لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور نے طواف میں رمل کیا اور سواری پر رمل ناممکن ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور انور اس وقت بیمار تھے، اس لئے سواری پر طواف کیا مگر یہ غلط ہے، ہاں بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے ایک عمرہ میں صفا مروہ کی سعی سواری پر کی مگر بیماری کی وجہ سے اس سعی میں حضور ان پہاڑوں پر چڑھے بھی نہیں، صفا مروہ کی سعی سواری پر کرنا ممنوع ہے (از مرقات) ۲؎ کوئی بڑی چھڑی حضور انور کے ہاتھ شریف میں تھی جو اونٹ سے سنگ اسود تک پہنچ جاتی تھی اس طرح چومنا جائز ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ عَلٰى بَعِيْرٍ كُلَّمَا اَتٰى عَلَى الرُّكْنِ اَشَارَ اِلَيْهِ بِشَيْءٍ فِيْ يَدِهٖ وَكَبَّرَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۴۵۵) روایت ہے ان ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف اونٹ پر کیا۔ جب بھی رکن پر آتے، تو اپنے ہاتھ کی کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کر دیتے[۱] (بخاری)

(۲۴۵۵)[۱] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ سواری پر طواف کرنے والا صرف رکن اسود پر اشارہ سے بوسہ دے گا رکن کی طرف اشارہ کرنا نہیں چاہیے اسے صرف ہاتھ لگا کر چومنا ہی سنت ہے دوسرے یہ کہ رکن اسود سے کوئی لمبی چیز لگا کر اسے چومنا بھی سنت سے ثابت ہے اور صرف اشارہ کر کے ہاتھ چوم لینا بھی درست ہے۔

وَعَنْ اَبِى الطُّفَيْلِ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ مَعَهٗ وَيُقَبِّلُ الْمِحْجَنَ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۴۵۶) روایت ہے حضرت ابوطفیل سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا[۱] آپ اپنے پاس ہاتھ کی چھڑی سے سنگ کو چھوتے اور چھڑی چوم لیتے (مسلم)

(۲۴۵۶)[۱] یعنی میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر طواف کرتے دیکھا' تب ہی تو حضور علیہ السلام نے چھڑی سے سنگ اسود کو مس کر کے چھڑی چوم لی (مرقات)

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَانَذْكُرُ اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ طَمِثْتُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ فَقَالَ لَعَلَّكِ نَفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ ذٰلِكِ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ فَافْعَلِيْ مَايَفْعَلُ الْحَآجُّ غَيْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِيْ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۵۷) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے حج کے سواء کسی چیز کا خیال بھی نہ کرتے تھے[۱] جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو میں کپڑوں سے ہوگئی[۲] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں رو رہی تھی فرمایا شاید تم مہینے سے ہوگئی میں نے عرض کیا ہاں[۳] فرمایا کہ یہ تو وہ شے ہے جو اللہ تعالٰی نے عورتوں پر مقرر فرمادی[۴] جو کچھ حجاج کریں تم بھی کرو بجز اس کے کہ طواف بیت اللہ نہ کرنا حتی کہ پاک ہوجاؤ[۵] (مسلم بخاری)

(۲۴۵۷)[۱] کیونکہ صدیوں سے اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ شوال سے محرم تک عمرہ جائز نہیں' یہ حج کے مہینے ہیں' ہم بھی یہ ہی خیال لئے ہوئے حج کو گئے تھے' مگر یہ فرمان پچھلی روایت کے خلاف ہے جہاں آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا' ممکن ہے کہ یہاں عوام کا خیال مراد ہو نہ کہ اپنا۔[۲] سرف مکہ معظمہ سے چھ میل کے فاصلہ پر جانب مدینہ منورہ ایک مقام ہے' اب مدینہ منورہ کا راستہ بدل چکا ہے سرف نہیں' یہاں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مزار ہے۔[۳] نفست نون کے فتح سے بمعنی حضنت ہے اور نون کے پیش سے ولادت کے خون کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں پہلے معنی میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ سمجھی تھیں کہ ماہواری کی حالت میں عورت حج نہیں کر سکتی' کیونکہ طواف حج کا رکن اعلٰی ہے جب وہ ہی نہ ہوسکا تو باقی ارکان بھی ادا نہ ہوسکیں گے اس لئے آپ روئیں کہ اب کیا کروں۔[۴] بنات آدم سے ساری عورتیں مراد ہیں جن میں حضرت حوا بھی داخل ہیں کہ انہیں بھی ماہواری آتی تھی' بعض علماء نے فرمایا کہ حضرت مریم کو اور بعض نے کہا فاطمہ زہرا کو بھی ایام نہ آتے تھے' یعنی اے عائشہ اس میں رونے کی کیا بات ہے یہ عارضہ تو ساری عورتوں کو ہوا ہی کرتا ہے ع مرگ' انبوہ جشنے دارد۔[۵] کیونکہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور حائضہ عورت مسجد میں جا نہیں سکتی نیز بعد والی سعی بھی نہیں کر سکتی کہ سعی طواف کے

بعد میں چاہیے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِیْ اَبُوْبَكْرٍ فِی الْحَجَّةِ الَّتِیْ اَمَّرَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ يَوْمَ النَّحْرِ فِیْ رَهْطٍ اَمَرَهُ اَنْ يُّؤَذِّنَ فِی النَّاسِ اَلَا لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوْفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۵۸) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں حضرت ابوبکر نے اس حج میں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امیر الحج بنایا تھا یعنی حجۃ الوداع سے پہلے ا بقر عید کے دن مجھے ایک جماعت میں بھیجا جسے آپ نے حکم دیا کہ لوگوں میں یہ اعلان کر دو ۲ کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی کافر حج نہ کرے اور کوئی ننگا طواف نہ کرے ۳ (مسلم بخاری)

(۲۴۵۸) ا فتح مکہ کے بعد ۹ ھ میں حج فرض ہوا' مگر اس سال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف نہ لے گئے' کیونکہ حضور کو علم تھا کہ ابھی ہماری وفات ہونے والی نہیں اور دینی امور میں بہت مشغولیت تھی' بلکہ حضرت صدیق اکبر کو مع حضرت علی و چند صحابہ کے امیر الحج بنا کر بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو حج بھی کرا دیں اور یہ اعلان بھی کر دیں اس میں خلافت صدیقی کی طرف اشارہ ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر ہی کو حج کا امام بنایا اور انہیں کو نماز کا امام بنا کر اپنے مصلے پر کھڑا کیا عمل استخلاف ہو گیا ۲ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب صدیق کو حج کا امیر بنایا' اور جناب صدیق نے مجھے اس اعلان کا حکم دیا' چونکہ اس جماعت مؤذن میں حضرت ابو ہریرہ امیر تھے دوسرے حضرات ماموراس لئے ضمیر واحد ارشاد ہوئی۔ ۳ سوائے قریش کے باقی تمام کفار عرب بالکل ننگے طواف کرتے تھے کہتے تھے کہ قریش تو ہوئے بے گناہ ہم ہیں گنہگار' ہم ان کپڑوں میں طواف نہ کریں گے جن میں گناہ کرتے رہے ہیں یا آئندہ گناہ کریں' لہذا نہ تو پرانے کپڑوں میں طواف کرتے تھے نہ نئے سلوا کر ان نئے کپڑوں میں' ہاں اگر کسی کو قرشی کرایہ پر کپڑا دے دیتا وہ پہن کر طواف کر سکتا تھا' ان کپڑوں کے کرایہ سے انہیں بہت آمدنی تھی' اس اعلان میں دو چیزوں سے روکا گیا' مشرکوں و کفار کو حج کرنے سے' رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (۹'۲۸) مشرک نرے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں (کنزالایمان) مشرک و کفار گندے ہیں اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں' دوسرے ننگے طواف کرنے سے رب تعالٰی فرماتا ہے: خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (۷'۳۱) اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ (کنزالایمان) اس سے معلوم ہوا کہ عام مسجدوں میں کفار کو اپنی عبادات کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی' خیال رہے کہ ننگے طواف کرنا ہمیشہ ہی کے لئے منع فرما دیا گیا حج میں ہو یا بعد حج' یہ حکم دائمی ہے' غیر منسوخ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنِ الْمُهَاجِرِ الْمَكِّیِّ قَالَ سُئِلَ جَابِرٌ عَنِ الرَّجُلِ يَرَى الْبَيْتَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فَقَالَ قَدْ حَجَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَكُنْ نَفْعَلُهُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(۲۴۵۹) روایت ہے حضرت مہاجر مکی سے فرماتے ہیں کہ حضرت جابر سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو بیت اللہ کو دیکھ کر اپنے ہاتھ اٹھائے فرمایا ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہم تو یہ نہ کرتے تھے ا (ترمذی' ابوداؤد)

(۲۴۵۹)۱؎ یعنی بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے سنت نہیں' امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک رضی اللہ عنہم کا یہ مذہب ہے' امام احمد کے ہاں ہاتھ اٹھانا سنت ہے' مرقات نے فرمایا کہ ان تین اماموں کے ہاں بھی کعبہ دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت ہے' فتح القدیر و مرقات میں بیہقی سے ہے کہ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ جب بیت اللہ شریف کو دیکھو تو ہاتھ اٹھا کر پڑھو: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ شافعی نے حضرت ابن جریج سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعا کرتے تھے اللھم زد ھذا البیت تشریفا و تعظیما الٰہی اس گھر کی عزت و شرف اور بڑھادے' بیہقی نے بھی اس کی مثل روایت کی' جبکہ ثبوت و نفی کی روایات میں تعارض ہوا تو ثبوت کی روایات کو ترجیح ہوگئی' نفی کرنے والوں کو اس کی خبر نہ ہوئی' یا یوں کہو کہ اول نظر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے' پھر جب بھی کعبہ نظر آئے بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرے' اس طرح دونوں روایتیں جمع ہیں' بہرحال ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ممنوع نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے (مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَاَقْبَلَ اِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ طَافَ بِالْبَیْتِ ثُمَّ اَتَى الصَّفَا فَعَلَاهُ حَتّٰى یَنْظُرَ اِلَى الْبَیْتِ فَرَفَعَ یَدَیْهِ فَجَعَلَ یَذْكُرُ اللّٰهَ مَاشَآءَ وَیَدْعُوْا ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۴۶۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے' حجر اسود کے سامنے آئے اسے چوما پھر بیت اللہ کا طواف کیا پھر صفا پر تشریف لائے۱؎ تو اس پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آ گیا۔ تو اپنے ہاتھ اٹھائے تو اس قدر اللہ کا ذکر و دعا کرتے رہے جتنا رب نے چاہا ۲؎ (ابوداؤد)

(۲۴۶۰)۱؎ یہ واقعہ یا تو حجۃ الوداع کا ہے یا کسی عمرہ کا اور صفا کی طرف جانا طواف اور طواف کی نماز ادا کرکے ہے۲؎ اس زمانہ میں صفا پر بہت اوپر چڑھ کر کعبہ نظر آتا تھا' اب تو زمین پر ہی نظر آ جاتا ہے کہ زمین بہت اونچی ہوچکی ہے اور مروہ پر بالکل نظر نہیں آتا' مگر ادائے سنت کے لئے کچھ چڑھ جانا چاہیے' بہتر یہ ہے کہ وہاں جو دل چاہے دعا مانگے' کوئی خاص مقرر نہ کرے کہ اس مقرر کرنے میں دل میں خشوع نہیں پیدا ہوتا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَیْتِ مِثْلُ الصَّلٰوةِ اِلَّا اَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُوْنَ فِیْهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِیْهِ فَلَا یَتَكَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَیْرٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَذَكَرَ التِّرْمِذِیُّ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ

(۲۴۶۱) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت اللہ کے گرد طواف نماز کی طرح ہے۱؎ بجز اس کے کہ تم اس میں بات کرسکتے ہو تو جو طواف میں کلام کرے تو اچھا ہی کلام کرے۲؎ (ترمذی' نسائی' دارمی) اور ترمذی نے اس جماعت کا ذکر کیا جنہوں نے اسے ابن عباس پر موقوف کیا۔

(۲۴۶۱)۱؎ طواف بھی نماز کی طرح بہترین عبادت ہے علماء فرماتے ہیں کہ مکہ والوں کے لئے نماز طواف سے افضل ہے اور باہر والوں کے لئے طواف نماز سے افضل کہ انہیں اس خاص زمانہ ہی میں طواف میسر ہوتا ہے (اشعہ)۲؎ یعنی طواف کی حالت میں دنیاوی کلام بھی جائز ہے لیکن جائز کلام کرے ناجائز باتیں غیبت جھوٹ وغیرہ نہ کرے' اس حدیث کی بناء پر بعض اماموں نے طواف میں وضو فرض مانا کہ نماز میں وضو فرض ہے اور طواف نماز کی طرح ہے لہذا اس میں بھی وضو فرض ہو' امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں وضو فرض نہیں' اولًا

تو اس لئے کہ یہ حدیث ظنی ہے اور ظنیات سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی' دوسرے اس لئے کہ کپڑوں کی پاکی' کعبہ کو منہ' قرأت قرآن' رکوع' سجود وغیرہ ان اماموں کے ہاں بھی طواف میں فرض نہیں' حالانکہ یہ چیزیں نماز میں فرض ہیں معلوم ہوا کہ طواف کو نماز سے صرف عبادت ہونے میں تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ شرائط وارکان کے اشتراط میں (اشعہ)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ اٰدَمَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ .

(۲۴۶۲) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حجر اسود جنت سے آیا[1] وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا' اسے آدمیوں کے گناہوں نے سیاہ کر دیا[2] (احمد' ترمذی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے[3]

(۲۴۶۲)[1] حدیث بالکل ظاہری معنی میں ہے بلاوجہ کسی تاویل وتوجیہ کی ضرورت نہیں' واقعی یہ پتھر جنت سے آیا' ہوسکتا ہے کہ وہ گھر جو آدم علیہ السلام کے طواف وسجدوں کے لئے جنت سے آیا تھا جو طوفان نوح کے وقت اٹھالیا گیا اسی کا یہ پتھر ہو جو باقی رکھا گیا یا مستقل طور پر وہاں سے یہ پتھر لایا گیا ہو۔[2] یعنی یہ پتھر شفاف آئینہ یا سیاہی چوس کاغذ کی طرح ہے جیسے شفاف آئینہ گردوغبار سے میلا' اور سیاہی چوس کاغذ گیلے حرفوں پر لگنے سے سیاہ ہوجاتا ہے' ایسے ہی یہ پتھر ہم گنہگاروں یا گزشتہ مشرکوں کے ہاتھ لگنے سے برابر سیاہ ہوتا چلا گیا' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب ہمارے گناہوں سے سنگ اسود سیاہ ہوگیا تو گناہوں سے دل بھی میلا ہوجاتا ہے اور بدکاروں گنہگاروں کی صحبت سے اچھے برے بن جاتے ہیں' بروں کی صحبت سے پرہیز چاہیے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (۶'۶۸) تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ (کنزالایمان) صحبت کی تاثیر ضروری ہے[3] یہ حدیث احمد' نسائی' ابن عدی' بیہقی' طبرانی وغیرہ نے مختلف اسنادوں سے روایت کی' غرض کہ یہ حدیث بہت قوی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجَرِ وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهٗ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَّنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهٗ بِحَقٍّ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ) .

(۲۴۶۳) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر کے متعلق فرمایا رب کی قسم اللہ اسے قیامت کے دن ایسے اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھتا ہوگا اور ایک زبان ہوگی جس سے بولتا ہوگا حق سے چومنے والوں کی گواہی دے گا[1] (ترمذی' ابن ماجہ' دارمی)

(۲۴۶۳)[1] حدیث بالکل ظاہر ہے' کسی تاویل وتوجیہ کی ضرورت نہیں' قیامت میں قرآن' ہمارے نیک اعمال وغیرہ تمام کی شکلیں ہوں گی' اور سب کلام کریں گے بلکہ ہمارے اعضاء بھی بولیں گے' رب تعالٰی فرماتا ہے: وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (۳۶'۶۵) اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کئے کی گواہی دیں گے (کنزالایمان) جو رب تعالٰی ان چیزوں کو گویائی بخش سکتا ہے وہ سنگ اسود کو بھی گویائی' آنکھ وغیرہ بخش سکتا ہے' اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ سنگ اسود حاجیوں کی شفاعت کرے گا' دوسرے یہ کہ سنگ اسود بحکم الٰہی نافع ہے' تیسرے یہ کہ سنگ اسود کا چومنا مفید ہے' قیامت میں کام آئے گا' چوتھے یہ کہ کروڑوں آدمیوں نے اسے چوما یہ ان سب کو جانتا پہچانتا ہے' پانچویں یہ کہ سنگ اسود ہمارے دلوں کے اخلاص ونفاق کو بھی جانتا ہے کہ کون اخلاص سے چوم رہا ہے اور کون نفاق سے' چھٹے یہ کہ سنگ اسود حاجیوں کے اچھے برے خاتمہ کو جانتا ہے کہ کون ایمان پر مرا اور

کون کفر پر' تب ہی تو وہ مومن مخلص کی شفاعت کرے گا' مرتد' منافق کی شفاعت نہ کرے گا جب ایک پتھر کے علم ونفع کا یہ حال ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کو رب نے سید الخلق بنایا ان کے علوم کا کیا پوچھنا' جو لوگ حضور انور کے لئے علوم خمسہ نہیں مانتے وہ اس حدیث میں غور کریں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوْتَتَانِ مِنْ يَاقُوْتِ الْجَنَّةِ طَمَسَ اللّٰهُ نُوْرَهُمَا وَلَوْلَمْ يَطْمِسْ نُوْرَهُمَا لَاَضَاءَ مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۴۶۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رکن اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں' جن کی روشنی اللہ نے چھپالی ہے[۱] اگر ان کی روشنی نہ چھپاتا تو یہ پورب وپچھم کے درمیان کو جگمگا دیتے[۲] (ترمذی)

(۲۴۶۴)[۱] یعنی ان دونوں جنتی یاقوتوں کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے ان کا اصلی نور چھپالیا گیا' تاکہ جنت پر ایمان بالغیب رہے' حجر اسود اور مقام ابراہیم دونوں ہی جنت کے جواہرات میں سے ہیں[۲] اور ان کی جگمگاہٹ سورج کو خیرہ کردیتی' سنگ اسود کو کفار قرامطہ اٹھا لے گئے تھے' انہوں نے مکہ معظمہ میں اتنا قتل وخون کیا تھا کہ حرم شریف اور چاہ زمزم لاشوں سے بھر گیا تھا' حجر اسود سے بولے کہ تو ہی شرک کا سرچشمہ ہے خدا کے سواء تو کب تک بنا رہے گا' پچیس سال تک یہ ان کے قبضہ میں رہا' پھر مکہ والوں نے انہیں بہت سا مال دے کر سنگ اسود مانگا' وہ بولے کہ وہ پتھر دوسرے پتھروں سے مخلوط ہوگیا ہے آ کر پہچان کرلے جاؤ مکہ معظمہ کے علماء نے کہا کہ جس پتھر پر آگ اثر نہ کرے وہ سنگ اسود ہے کیونکہ جنتی چیز میں آگ اثر نہیں کرتی' چنانچہ پتھر آگ سے تپ گئے یہ گرم بھی نہ ہوا' اس علامت سے واپس لائے' جاتے وقت اس پتھر کے بوجھ سے کئی سو اونٹ دب کر مر گئے تھے مگر واپسی کے وقت ایک دبلا اونٹ اسے مکہ لے آیا' غرضیکہ سنگ اسود عجیب نورانی بابرکت پتھر ہے (مرقاۃ)

وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُزَاحِمُ عَلَى الرُّكْنَيْنِ زِحَامًا مَارَاَيْتُ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُزَاحِمُ عَلَيْهِ قَالَ اِنْ اَفْعَلُ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ مَسْحَهُمَا كَفَّارَةٌ لِّلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ اُسْبُوْعًا فَاَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَّسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ لَا يَضَعُ قَدَمًا وَلَا يَرْفَعُ اُخْرٰى اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَّكَتَبَ لَهُ بِهَا حَسَنَةً ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۴۶۵) روایت ہے حضرت عبید ابن عمیر سے[۱] کہ حضرت ابن عمر دو رکنوں میں اس قدر بھیڑ میں گھستے[۲] کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کو وہاں اس قدر گھستے نہ دیکھا[۳] فرماتے ہیں اگر میں یہ کرتا ہوں تو درست ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ان کا چھونا گناہوں کا کفارہ ہے[۴] اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ جو اس بیت اللہ کا ایک ہفتہ نہایت حفاظت واحتیاط سے طواف کرے[۵] تو غلام آزاد کرنے کی طرح ہوگا اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ طواف کرنے والا ایک قدم نہیں رکھتا اور دوسرا نہیں اٹھاتا مگر رب تعالٰی ان کی برکت سے ایک گناہ مٹاتا ہے اور ایک نیکی لکھتا ہے[۶] (ترمذی)

(۲۴۶۵)[۱] آپ جلیل القدر تابعین سے ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں پیدا ہوئے تھے مگر زیارت نہ کرسکے'

آپ کی کنیت ابو عاصم ہے قبیلہ بنی لیث سے ہیں حجازی ہیں مکہ معظمہ کے قاضی رہے' حضرت ابن عمر کی وفات سے کچھ پہلے ہی وفات پا گئے ۲؎ یعنی ہر طواف کے اول و آخر میں حضرت ابن عمر سنگ اسود و یمانی چومنے کی بہت کوشش کرتے تھے بھیڑ میں گھس کر چومتے تھے' مگر اس طرح کہ کسی کو آپ سے ایذاء نہ ہو کہ وہاں ایذاء دینا ممنوع ہے۔ ۳؎ حتی کہ کبھی حضرت ابن عمر کی ناک شریف اس بھیڑ میں زخمی ہو جاتی تھی' دیگر صحابہ کرام اس ایذاء کو دیکھ کر بھیڑ میں نہ گھستے تھے بلکہ اشارہ سے چوم لیتے تھے' آج کل ان صحابہ کی سنت پر عمل کرنا چاہیے' اگر چومنے کا شوق ہو تو رات کے آخری حصہ میں یا دوپہری میں طواف کرلے ان اوقات میں آسانی سے بوسہ نصیب ہو جاتا ہے' فقیر کا تجربہ ہے۔ ۴؎ گناہ صغیرہ کا نہ کہ حقوق العباد کا' بعض لٹیرے بدو حجاج کو قتل' ان کا مال لوٹ کر' سنگ اسود چوم جاتے' طواف کر جاتے تھے اور کہتے یہ تھے کہ جو ہم کر آئے تھے وہ معاف ہو گیا یہ ان کی جہالت و حماقت تھی' اب تو وہاں بہت امن ہے ۵؎ اس طرح کہ مسلسل ایک ہفتہ طواف کرنے کوئی دن ناغہ نہ ہو' اور طواف کی تمام سنتیں و مستحبات ادا کرے یہ دونوں چیزیں اَحْصَاہُ سے ثابت ہوئیں۔ ۶؎ اس طرح کہ ایک قدم رکھنے پر گناہ کی معافی اور دوسرا قدم اٹھانے پر بلندی درجہ میسر ہوتی ہے۔ اور بے گناہ آدمی کو دونوں قدموں پر بلندی درجات ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّآئِبِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۴۶۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سائب سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو رکنوں کے درمیان فرماتے سنا' الٰہی ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے ۱؎ (ابوداؤد)

(۲۴۶۶) ۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی حالت میں رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان ہوتے تو یہ جامع دعا مانگتے تھے کیونکہ اس جگہ ستر فرشتے مقرر ہیں جو طواف والے کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں' اور یہاں فاصلہ بھی اتنا ہی ہے کہ یہ مختصر دعا پڑھ لی جائے' اس لئے سرکار یہاں یہ جامع دعا پڑھتے تھے' شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت طواف اس دعا کے سواء کوئی اور دعا منقول نہیں اب جو طواف کے ساتھ چکروں کی الگ الگ دعائیں مانگی جاتی ہیں وہ سلف صالحین سے منقول ہیں' اس دعا کی شرح ہم کتاب الدعوات میں کر چکے ہیں' یہاں اتنا سمجھ لو کہ دنیا و آخرت کی بھلائی کی ستر شرحیں کی گئی ہیں مگر مختصر و جامع و لذیذ شرح یہ ہے کہ دنیا کی بھلائی اتباع آقا و اطاعت مولیٰ ہے' آخرت کی بھلائی حضور کا قرب رب کا دیدار ہے اور عذاب نار' حجاب یار ہے۔ اللہ تعالٰی یہ نعمتیں نصیب کرے اور حجاب سے بچائے آمین۔

وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ اَخْبَرَتْنِيْ بِنْتُ اَبِيْ تُجْرَاةَ قَالَتْ دَخَلْتُ مَعَ نِسْوَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ دَارَ اٰلِ اَبِيْ حُسَيْنٍ لَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَرَاَيْتُهٗ يَسْعٰى وَاِنَّ مِيْزَرَهٗ لَيَدُوْرُ مِنْ شِدَّةِ السَّعْيِ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اسْعَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوٰى اَحْمَدُ مَعَ اخْتِلَافٍ ۔

(۲۴۶۷) روایت ہے حضرت صفیہ بنت شیبہ سے ۱؎ فرماتی ہیں مجھے ابی تجراۃ کی بیٹی نے خبر دی فرماتی تھیں کہ میں چند قرشی بیبیوں کے ساتھ ابی حسین کے خاندان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے گئی ۲؎ جب کہ آپ صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہے تھے تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کا تہبند شریف تیز دوڑنے کے باعث گردش کر رہا تھا ۳؎ اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ لوگو سعی کرو اللہ نے تم پر سعی واجب کی ۴؎ (شرح سنہ) اور احمد نے کچھ اختلاف سے روایت کی۔

(۲۴۶۷) یہ صفیہ تابعین میں سے ہیں، ان کا نام بنت شیبہ ابن عثمان ابن طلحہ حجبی ہے یعنی عثمان ابن طلحہ جو کعبہ شریف کے کلید بردار ہیں، ان کی پوتی ہیں اور بنت ابی تجراۃ کا نام حبیبہ ہے، بنی عبدالدار سے ہیں، تجراۃ ت کے زبر یا پیش سے جیم کے سکون ر کے زبر سے ہے۔۲؎ آل حسین کا یہ گھر سعی کے کنارہ پر تھا جہاں سے سعی بخوبی دیکھی جاسکتی تھی یہ حضور کی سعی دیکھنے اس لئے گئیں کہ سعی کا طریقہ سیکھ لیں اور حضور انور کی زیارت سے شرف حاصل کریں، جو تمام عبادات سے بہتر عبادت ہے، کہ کعبہ کے دیکھنے سے انسان حاجی بنتا ہے، حضور کو دیکھنے سے صحابی، اور ایک صحابی تمام جہان کے حاجیوں، غازیوں سے افضل ہے، کوئی شخص صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، رب فرماتا ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (۶۲،۳) اور ان میں سے اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں جو ان اگلوں سے نہ ملے (کنزالایمان) یعنی دوسرے مسلمان صحابہ کو نہیں مل سکتے۔۳؎ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی پیدل کی نہ کہ سواری پر، یہ ہی سنت ہے، بلا عذر سواری پر سعی کرنا مکروہ خلاف سنت ہے، جن روایات میں ہے کہ حضور نے سواری پر سعی کی وہ کسی عمرے میں تھی، جو بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے یا لوگوں کی تعلیم کے لئے تھی، جیسے حضور انور نے بغرض تعلیم سواری پر طواف بھی کیا۔۴؎ حج میں سعی امام شافعی واحمد و مالک رحمھم اللہ تعالٰی کے ہاں فرض ہے کہ اس کے رہ جانے پر حج باطل ہوگا مگر امام اعظم قدس سرہ کے ہاں واجب ہے کہ اس کے رہ جانے پر دم واجب ہوگا، ان اماموں کی دلیل یہ حدیث ہے، امام اعظم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث واحد ہے، اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی، بعض علماء کے ہاں سعی نفل ہے۔ان کی دلیل یہ آیت ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا (۱۵۸،۲) اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے (کنزالایمان) مگر یہ دلیل کمزور ہے (مرقات ولمعات وغیرہ) حضرت ابن عباس، ابن زبیر، انس بن مالک رضی اللہ عنھم سعی کو نفل ہی مانتے ہیں۔

وَعَنْ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْعٰی بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَلٰی بَعِیْرٍ لَّا ضَرْبٌ وَلَا طَرْدٌ وَلَا اِلَیْكَ اِلَیْكَ (شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۲۴۶۸) روایت ہے حضرت قدامہ ابن عبداللہ ابن عمار سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا مروہ کے درمیان اونٹ پر سعی کرتے دیکھا۲؎ جس میں نہ اونٹ کا مارنا پیٹنا تھا نہ لوگوں کو ہٹانا نہ ہٹو بچو فرمانا۳؎ (شرح سنہ)

(۲۴۶۸)۱؎ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں ضعفاء مکہ معظمہ سے تھے اس لئے وہاں سے ہجرت نہ کرسکے (اشعہ)۲؎ یہ سعی حجۃ الوداع کی سعی نہیں بلکہ کسی عمرہ کی سعی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری پر سعی کرنا کسی سخت مجبوری یا بیماری کی وجہ سے ہے۔لہٰذا یہ حدیث گزشتہ اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور کا تہبند شریف زیادہ تیز دوڑنے کی وجہ سے گھوم رہا تھا کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۳؎ اس میں ان امراء وسلاطین پر طعن ہے جو سعی میں راستہ خالی کراتے تھے۔یا ہٹو بچو کہتے تھے۔چاہیے یہ کہ امیر وفقیر ایک ساتھ سعی کریں، وہاں ہٹو بچو کیسی، موت، نماز، حج وعمرہ، دنیاوی فرق مٹاتے ہیں۔

وَعَنْ یَعْلَی بْنِ اُمَیَّةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَیْتِ مُضْطَبِعًا بِبُرْدٍ اَخْضَرَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ

(۲۴۶۹) روایت ہے حضرت یعلیٰ ابن امیہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز چادر بغل سے نکالے ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا۲؎ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

(۲۴۶۹)۱؎ آپ صحابی ہیں، فتح مکہ کے دن ایمان لائے، غزوہ حنین، طائف وتبوک میں حاضر ہوئے، حضرت عمر کی طرف سے نجران

کے حاکم تھے، جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ رہے، اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ ۲؎ اضطباع کے معنی عرض کئے جا چکے ہیں کہ احرام کی چادر داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر داہنا کندھا کھلا رکھنا اور بایاں کندھا ڈھکا رکھنا، چادر برد یمانی تھی، یہ ہی حضور انور کا محبوب کپڑا تھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ سبز چادر سے مراد مخطط بسبز ہے نہ کہ خالص سبز کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خالص سبز یا سرخ کپڑا نہیں پہنا، اضطباع یعنی داہنا کندھا کھولنا صرف اس طواف کے وقت مستحب ہے، بعض حجاج احرام کے وقت سے ہی کندھا کھلا رکھتے ہیں یہ غلط ہے اس طرح نماز مکروہ ہوگی (مرقات) بعض وارثی فقراء ہمیشہ احرام کا لباس پہنتے ہیں اس میں حرج نہیں، لیکن اضطباع نہ کریں اور نہ ننگے سر رہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهُ اعْتَمَرُوْا مِنَ الْجِعِرَّانَةِ فَرَمَلُوْا بِالْبَيْتِ ثَلٰثًا وَجَعَلُوْا اَرْدِيَتَهُمْ تَحْتَ اٰبَاطِهِمْ ثُمَّ قَذَفُوْهَا عَلٰى عَوَاتِقِهِمُ الْيُسْرٰى . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۲۴۷۰) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے جعرانہ سے عمرہ کیا۱؎ تو بیت اللہ شریف کا تین بار رمل کیا اور اپنی چادروں کو اپنی بغلوں کے نیچے سے لیا پھر انہیں اپنے بائیں کندھے پر ڈالا۲؎ (ابوداؤد)

(۲۴۷۰)۱؎ جعرانہ مکہ معظمہ سے جانب طائف ایک منزل فاصلہ پر ہے وادی حنین سے وھوازن سے متصل اسی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں اور یہاں سے ہی عمرہ کیا، یہاں سترہ دن یا کچھ کم وبیش قیام فرمایا اب بھی بعض عشاق مکہ معظمہ سے یہاں آ کر عمرہ کا احرام باندھتے ہیں، جسے بڑا عمرہ کہتے ہیں۔ فقیر نے اس مقام کی زیارت کی ہے۔ اشعہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمرہ راتوں رات کیا تھا، کسی کو اطلاع نہ تھی، صحابہ کرام نے اس کے بعد دوسرے وقت میں عمرہ کیا۔ ۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اضطباع صرف طواف میں کیا جائے گا نہ سعی میں ہوگا نہ کسی اور وقت یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی کے ہاں سعی میں اضطباع سنت ہے، طواف پر قیاس کرتے ہوئے، مگر یہ استدلال کمزور ہے، کیونکہ طواف میں اضطباع رمل کی طرح شجاعت ظاہر کرنے کے لئے تھا، حضور انور نے اور کسی موقع پر نہ اضطباع کیا نہ رمل۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَا تَرَكْنَا اسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيِّ وَالْحَجَرِ فِيْ شِدَّةٍ وَّلَا رَخَآءٍ مُنْذُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُمَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ نَافِعٌ رَاَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَلِمُ الْحَجَرَ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَبَّلَ يَدَهٗ وَقَالَ مَا تَرَكْتُهٗ مُنْذُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ .

(۲۴۷۱) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں ہم نے رکن یمانی و اسود کا چومنا چھونا سہولت یا دشواری میں کبھی نہ چھوڑا۔ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں چومتے دیکھا۱؎ (مسلم بخاری) اور ان کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ آپ سنگ اسود کو اپنا ہاتھ لگاتے پھر ہاتھ چوم لیتے اور فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کرتے دیکھا تب سے کبھی نہ چھوڑا۲؎

(۲۴۷۱)۱؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگ اسود کو منہ مبارک لگا کر چوما مگر رکن یمانی کو ہاتھ لگا کر البتہ بیہقی و حاکم۔ بسند ضعیف اور امام احمد نے۔ بسند صحیح منہ لگا کر بوسہ دینے کی بھی روایت کی ہے، اسی لئے امام محمد فرماتے ہیں کہ اسے بھی منہ لگا کر چومے، ہوسکتا ہے کہ یہ

منہ لگانا شاذ و نادر ہوا ہو (مرقات) ۲؎ یعنی طواف کے کسی چکر میں اس کا بوسہ نہ چھوڑا موقع ہوا تو منہ لگا کر چوما' ورنہ ہاتھ لگا کر' اور اگر نہ بن پڑا تو اشارہ کر کے' اس سے معلوم ہوا کہ رکن عراقی وشامی کو نہ چوما جائے گا' یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی سنت پر ہمیشگی کرنا برا نہیں' بیہقی میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے سنگ اسود کو چوما بھی اور اس پر سجدہ بھی کیا اور فرمایا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنگ اسود پر سجدہ کرتے دیکھا' جناب عمر فرماتے ہیں کہ میں حضور کو اس پر سجدہ کرتے دیکھا' حاکم نے باسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ آپ نے سنگ اسود پر پیشانی رکھ کر سجدہ کیا' لہٰذا امام مالک کا یہ فرمانا کہ اس پر سجدہ کرنا بدعت ہے' درست نہیں (مرقات) ان روایات سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم سنگ اسود کے بوسہ سے ناراض تھے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ اَشْتَكِىْ فَقَالَ طُوْفِىْ مِنْ وَّرَآءِ النَّاسِ وَاَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ اِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَاُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۷۲) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں بیمار ہوں تو فرمایا تم لوگوں کے پیچھے سے سوار ہو کر طواف کرلو۱؎ تو میں نے طواف کیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے متصل نماز پڑھ رہے تھے اور سورہ والطّور و کتاب مسطور پڑھ رہے تھے۲؎ (مسلم بخاری) ۳؎

(۲۴۷۲) ۱؎ بیماری سے وہ مرض مراد ہے جس میں چلنا پھرنا اور طواف دشوار ہو جائے اور سواری سے ڈولی پر سواری' مراد ہے جسے لوگ اپنے کندھوں پر اٹھا کر مریض کو طواف کرا دیں' نہ کہ جانور پر سواری' جانور پر طواف کرنا حضور کی خصوصیات سے ہے ہم کو حرم شریف میں جانور لے جانا جائز نہیں' لوگوں کے پیچھے کی قید اس زمانہ کے لحاظ سے ہے کہ اس وقت مسجد حرام اتنی ہی بڑی تھی جتنا اب مطاف ہے (طواف کی جگہ) اب جبکہ مسجد چوطرفہ بہت دور تک پھیل گئی ہے تو صرف جماعت کے وقت مطاف میں نماز ہوتی ہے' اس کے بعد پورا مطاف طواف والوں کے لئے خالی کر دیا جاتا ہے اور وہ لوگ باقی حصوں میں نماز پڑھتے رہتے ہیں وہاں نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے۲؎ یہ نماز فجر تھی چونکہ حضرت ام سلمہ فجر پڑھ چکی تھیں' اور بعد فجر نفل جائز نہیں' اس لئے آپ اس وقت طواف کرتی ہیں' غالب یہ ہے کہ حضور انور نے دونوں رکعتوں میں سورۃ والطّور پڑھی۔

وَعَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَاَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ اِنِّىْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ مَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْ لَا اِنِّىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ مَا قَبَّلْتُكَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۷۳) روایت ہے حضرت عابس ابن ربیعہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ آپ سنگِ اسود چومتے تھے اور کہتے تھے میں جانتا ہوں تو پتھر ہے نہ نفع دے نہ نقصان اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا۱؎ (مسلم و بخاری)

(۲۴۷۳) ۱؎ یعنی اے سنگ اسود میں تجھے پوجتا نہیں بلکہ چومتا ہوں' تجھے عبادت کا بوسہ نہیں دیتا بلکہ تعظیم کا بوسہ دیتا ہوں' کیونکہ عبادت اس اللہ کی ہے جو بذات خود نفع نقصان کا مالک ہے یہ اس لئے فرمایا کہ عہد فاروقی کے نومسلم لوگ جو اب تک پتھر پوجتے تھے وہ اس تعظیم کو پتھر کی عبادت نہ سمجھ لیں' مرقات میں ہے کہ یہاں نفع نقصان سے مراد بالذات نفع پہنچانا ہے ورنہ اسود بحکم پروردگار بہت نافع ہے کہ اس کا چومنا عبادت اور باعث ثواب ہے اور ابھی کچھ پہلے عبداللہ ابن عباس کی روایت گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اس کی آنکھیں بھی ہوں گی اور زبان بھی' اپنے اخلاص سے چومنے والوں کے ایمان کی گواہی دے گا۔ یعنی تجھے

چومنا ایک تَعَبُّدِیْ چیز ہے اور حضور انور کی اتباع میں ہے اس جگہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اور شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے فدایۃ الھدایہ میں اور ابن ہمام نے بروایت حاکم فرمایا کہ فاروقِ اعظم کے اس فرمان پر حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا اے امیر المومنین یقیناً اسود مفید بھی ہے اور مضر بھی' رب العالمین نے تمام روحوں سے جو اپنی وحدانیت کا اقرار لیا تھا وہ اقرار نامہ اسی پتھر میں محفوظ ہے اور یہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی آنکھیں وہونٹ ہوں مخلصین کی گواہی دے گا' یہ اللہ کا امین ہے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ ابوالحسن جس زمین میں تم نہ ہو مجھے خدا وہاں نہ رکھے' مرقات نے فرمایا کہ حدیث بشرط شیخین نہیں ہے' کیونکہ اس کی اسناد میں ابوہارون عبدی ہیں جس سے مسلم و بخاری حدیث نہیں لیتے (یعنی حدیث صحیح ہے اگرچہ بشرط شیخین نہیں) اسی جگہ مرقات نے فرمایا' مستحب یہ ہے کہ سنگ اسود کو چومنے کے بعد اس پر پیشانی رکھ کر سجدہ بھی کرے' اور ابن ہمام نے فرمایا کہ ابن ماجہ میں بروایت حضرت ابن عمر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگ اسود پر ہونٹ مبارک رکھے اور بہت دیر تک روتے رہے پھر فاروق اعظم سے فرمایا کہ اے عمر اس جگہ آنسو بہائے جاتے ہیں (مرقاۃ) فقیر حقیر احمد یار کہتا ہے کہ حضرت عمر نے اس زمانہ کے جہلاء کا انتظام فرماتے ہوئے سنگ اسود سے یہ فرمایا اور حضرت علی مرتضٰی نے قیامت تک کے وہابیوں کا انتظام فرماتے ہوئے اس کے یہ فضائل بیان فرمائے دونوں بزرگوں کے کلام برحق ہیں اور مسلمانوں کو مفید۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وُكِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَكًا يَعْنِي الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ فَمَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالُوْا اٰمِيْنَ . (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۴۷۴) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر یعنی رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں[1] تو جو کہتا ہے الٰہی میں تجھ سے معافی اور امن و عافیت دینی و دنیاوی مانگتا ہوں [2] اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے تو فرشتے کہتے ہیں آمین[3] (ابن ماجہ)

(۲۴۷۴)[1] یعنی بِہٖ کی ضمیر کا مرجع رکن یمانی ہے' یہ تفسیر غالبًا حضرت ابوہریرہ کی ہے[2] ذنوب کی معافی عفو ہے اور عیوب کی معافی عافیت یا دنیا میں معافی عفو ہے اور آخرت میں معافی عافیت' رکن یمانی اور سنگ اسود کے درمیان بحالت طواف یہ دعا ضرور مانگے [3] یعنی چونکہ اس جگہ کی دعا پر رکن یمانی والے یہ فرشتے آمین کہتے ہیں' اس لئے یہاں جامع دعا مانگنی چاہیے' یہ مطلب نہیں کہ اس دعا پر تو آمین کہتے ہیں اور اگر کوئی اور دعا مانگی جائے تو آمین نہ کہیں' مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ طواف کے چکروں میں دعائیں مقرر نہیں کہ فلاں چکر میں یہ دعا مانگے فلاں میں یہ' ہاں بحالت طواف قرآن مجید حضور انور سے ثابت نہیں' بہتر یہ ہے کہ دعائیں ہی مانگے۔

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا بِسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّاٰتٍ وَّكُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَّرُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَّمَنْ

(۲۴۷۵) روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیت اللہ کا طواف سات چکر کرے اور اس کے سوا اور بات چیت نہ کرے[1] کہ اللہ پاک ہے اللہ کی تعریف ہے' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ بہت بڑا ہے اللہ کے سوا نہ طاقت ہے نہ قوت تو اس کے دس گناہ مٹادیئے جائیں گے اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی

طَافَ فَتَكَلَّمَ وَهُوَ فِي تِلْكَ الْحَالِ خَاضَ فِي الرَّحْمَةِ بِرِجْلَيْهِ كَخَائِضِ الْمَآءِ بِرِجْلَيْهِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

اور اس کے دس درجے بلند ہوں گے۲ اور جو شخص طواف کرے اور اسی حالت میں باتیں کرے تو رحمت میں اپنے دونوں پاؤں سے ایسے گھس جائے گا جیسے پانی میں پاؤں سے گھس جاتا ہے۳ (ابن ماجہ)

(۲۴۷۵)۱؎ نہ دنیاوی بات کرے نہ تلاوت قرآن، یا یہ مطلب ہے کہ سوائے اس کے اور کوئی دعا ہی نہ مانگے، خیال رہے کہ رکن یمانی اور سنگ اسود کا درمیانی فاصلہ اس حکم سے علیحدہ ہے، وہاں وہ دعا مانگے جو ابھی گزر چکی، لہٰذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں ۲؎ یعنی پورے طواف کا یہ فائدہ ہوگا یا ہر چکر کا یا ہر دفعہ یہ دعا پڑھے گا، مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے علماء فرماتے ہیں کہ اللہ کی حمد کرنا بھی دعا ہے، دیکھو ان کلمات میں دعا یہ لفظ ایک بھی نہیں، صرف رب کی حمد و ثنا ہے مگر اس کے اتنے بڑے فائدے ہیں، خیال رہے کہ یہ فائدے ہم گنہگاروں کے لئے ہیں، بے گناہ بندوں کے لئے تیس درجوں کی بلندی ہوگی ۳؎ اس جملے کی بہت شرحیں ہیں، محقق شرح یہ ہے کہ باتیں کرنے سے مراد یہی کلمات بولنا ہیں، چونکہ ان کلمات کا اب دوسرا فائدہ بیان ہو رہا ہے اس لئے اس طرح ارشاد فرمایا، بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ جو شخص طواف میں دنیوی باتیں کرے وہ تو گھٹنوں گھٹنوں دریائے رحمت میں آ جاتا ہے اور جو گزشتہ کلمات پڑھے وہ دریائے رحمت میں غوطے لگاتا ہے، مگر یہ شرح ضعیف سی ہے کیونکہ مسجد میں خصوصاً طواف میں دنیاوی باتیں مکروہ ہیں جن سے نیکیاں برباد ہوتی ہیں اس پر ثواب کا وعدہ کیسا، حضرت آدم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کا طواف کیا تو آپ سے فرشتوں نے مصافحہ کرکے عرض کیا کہ ہم دو ہزار سال سے یہاں طواف کر رہے ہیں، آپ نے پوچھا کہ تم طواف میں کیا پڑھتے ہو، وہ بولے سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ تو آپ نے فرمایا کہ ہم اس پر یہ زیادہ کیا کریں گے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ (مرقات)

بَابُ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ — باب عرفہ میں ٹھہرنا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عرفہ عرفٌ سے بنا بمعنی پہچاننا، نویں تاریخ کو بھی عرفہ کہتے ہیں اور عرفات میدان کو بھی، مگر لفظ عرفات صرف میدان کو کہا جاتا ہے نہ کہ اس دن کو، رب فرماتا ہے: فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ (۲،۱۹۸) تو جب عرفات سے پلٹو (کنز الایمان) چونکہ اس جگہ کا ہر حصہ عرفہ ہے، اس لئے اسے جمع عرفات کہا جاتا ہے، اس جگہ کو چند وجہ سے عرفہ کہتے ہیں (۱) اسی جگہ حضرت آدم و حوا کی ملاقات تین سو برس کے فراق کے بعد ہوئی، اور ایک دوسرے کو پہچانا (۲) اسی جگہ جبریل امین نے جناب خلیل کو ارکان حج سکھائے، اور آپ نے فرمایا: عَرَفْتُ میں نے پہچان لیا (۳) یہ جگہ تمام دنیا میں جانی پہچانی ہے، کہ یہاں حج ہوتا ہے، یعنی مشہور ہے (۴) رب تعالٰی اس دن حاجیوں کو مغفرت کا تحفہ دیتا ہے، عرف بمعنی عطیہ رب فرماتا ہے عَرَّفَهَا لَهُمْ (۵) تمام حجاج وہاں پہنچ کر اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں، خیال رہے کہ قیام عرفہ حج کا رکن اعلیٰ ہے جسے یہ مل گیا اسے حج مل گیا۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِي بَكْرِ الثَّقَفِيِّ اَنَّهُ سَاَلَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَّهُمَا غَادِيَانِ مِنْ مِنًى اِلٰى عَرَفَةَ كَيْفَ كُنْتُمْ

(۲۴۷۶) روایت ہے حضرت محمد ابن ابی بکر ثقفی سے کہ انہوں نے حضرت انس ابن مالک سے پوچھا کہ

تَصْنَعُوْنَ فِیْ هٰذَا الْیَوْمِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَانَ یُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا یُنْکَرُ عَلَیْهِ وَیُکَبِّرُ الْمُکَبِّرُ مِنَّا فَلَا یُنْکَرُ عَلَیْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

آپ حضرات اس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کیا کہا کرتے تھے[۱] تو وہ بولے کہ ہم میں تلبیہ کہنے والا لبیک کہتا تھا اور اس پر اعتراض نہ ہوتا تھا اور ہم میں سے تکبیر والا اللہ اکبر کہتا تھا اس پر اعتراض نہ ہوتا تھا[۲] (مسلم بخاری)

(۲۴۷۶)[۱] شاید سائل کا خیال تھا کہ حجاج کو عرفات پہنچ کر کوئی خاص عبادت کرنا ہوتی ہوگی' اس لئے یہ سوال کیا حالانکہ کچھ پڑھنے کا نام حج نہیں بلکہ حاجی کا اس دن میں اس جگہ پہنچ جانے کا نام حج ہے۔[۲] عرفہ میں حاجیوں کا تلبیہ کہنا سنت ہے اور تکبیر کہنا جائز تلبیہ دسویں بقرعید جمرہ عقبٰی کی رمی پر ختم ہوتا ہے' خیال رہے کہ نماز پنج گانہ کے بعد تکبیر تشریق کہنا اور جگہ واجب ہے عرفات میں نہیں (مرقات) لہٰذا صحابہ کرام کا یہ تکبیر کہنا ذکر اللہ کی بنا پر تھا' یہ تکبیر تشریق نہ تھی۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًی کُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوْا فِیْ رِحَالِکُمْ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ کُلُّهَا مَوْقِفٌ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ کُلُّهَا مَوْقِفٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۴۷۷) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے یہاں قربانی کرلی ہے مگر سارا منیٰ ہی قربانی گاہ ہے لہٰذا اپنی منزلوں میں قربانی کرسکتے ہو[۱] اور ہم نے یہاں قیام فرمایا ہے مگر سارا عرفہ ہی قیام گاہ ہے[۲] اور ہم نے یہاں وقوف مزدلفہ کیا ہے' مگر سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے[۳] (مسلم)

(۲۴۷۷)[۱] هٰهُنَا سے منیٰ کی اس جگہ کی طرف اشارہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی یعنی صرف یہاں ہی قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ سارا ہی منیٰ قربانی گاہ ہے جہاں بھی کرلو گے ہوجائے گی حتیٰ کہ اپنے خیموں میں بھی قربانی کرسکتے ہو' اب حکومت نے منیٰ میں قربانی کے لئے الگ جگہ خاص کردی ہے تاکہ خیموں اور راستوں میں خون نہ بہے اور بیماری نہ پھیلے' یہ حکم انتظامی ہے نہ کہ شرعی اور سرکار کا یہ فرمان اباحت کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے حضور نے مسجد خیف کے پاس قربانی کی تھی' وہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے جسے مسجد نحر کہتے ہیں[۲] یعنی ہم نے جبل رحمت کے پاس وہاں کی چٹانوں سے متصل اپنا خیمہ ڈالا اور قیام فرمایا' عرفات میں قیام کی جگہ صرف یہی نہیں بلکہ بطن عرفہ کے سواء سارا میدان قیام گاہ ہے[۳] یعنی ہم نے مزدلفہ میں مشعر الحرام کے پاس قیام کیا مگر وادیٔ محسّر کے سواء سارا مزدلفہ قیام گاہ ہے' مزدلفہ زَلْفٌ سے بنا باب افتعال کی ت دال بن گئی' اس کے معنی ہیں قرب کی جگہ' چونکہ حاجی یہاں پہنچ کر اللہ سے قریب ہوتا ہے' نیز یہ جگہ منیٰ سے قریب ہے' اس لئے مزدلفہ کہا جاتا ہے' رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ (۸۱:۱۳) اور جب جنت پاس لائی جائے (کنزالایمان) علماء فرماتے ہیں کہ ان تینوں مقامات میں جس قدر حضور کی قیام گاہ سے قرب ہو اتنا ہی اچھا۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ یَوْمٍ اَکْثَرُ اَنْ یُّعْتِقَ اللّٰهُ فِیْهِ عَبْدًا مِّنَ النَّارِ مِنْ یَوْمِ عَرَفَةَ وَاِنَّهٗ لَیَدْنُوْا ثُمَّ یُبَاهِیْ بِهِمُ الْمَلٰٓئِکَةَ فَیَقُوْلُ مَا اَرَادَ هٰٓؤُلَآءِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۴۷۸) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ سے بڑھ کر ایسا کوئی دن نہیں جس میں اللہ اپنے بہت سے بندوں کو آگ سے آزاد کردے[۱] رب تعالٰی اس دن بہت ہی قریب ہوتا ہے پھر ان فرشتوں پر فخر فرماتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں[۲] (مسلم)

(۲۴۷۸)؎ یعنی سال بھر کے تمام دنوں سے زیادہ نویں ذی الحجہ کو گنہگار بخشے جاتے ہیں۔عبد کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی اس دن حاجیوں کے علاوہ اور بندوں کو بھی بخشا ہے۔اسی لئے غیر حجاج کے لئے اس دن روزہ سنت ہے۔؎۲ یعنی اس دن اللہ کی رحمت بندوں سے قریب تر ہوتی ہے اور رب تعالٰی فرشتوں پر حاجیوں کی افضلیت' ان کی شرافت و کرامت ظاہر فرماتا ہے کہ اے فرشتو تم نے کہا تھا کہ انسان خونریزی و فساد کرے گا تم نے اس پر غور نہ کیا کہ انسان اپنا گھر بار وطن چھوڑ کر' پردیسی بن کر' پریشان بال' کفن پہنے' لبیک لبیک کی صدائیں لگاتا عرفات کے میدان میں بھی آئے گا' بتاؤ ان حاجیوں نے سواء میری رضاء کے اور کیا چاہا ہے' صرف مجھے راضی کرنے کے لیے یہ لوگ ان میدانوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں یہ شرف نہ ملائکہ کو حاصل ہے نہ جنات کو صرف ان ہی کا حصہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ صَفْوَانَ عَنْ خَالٍ لَّهٗ يُقَالُ لَهٗ يَزِيْدُبْنُ شَيْبَانَ قَالَ كُنَّا فِيْ مَوْقِفٍ لَنَا بِعَرَفَةَ يُبَاعِدُهٗ عَمْرٌو مِنْ مَوْقِفِ الْاِمَامِ جِدًّا فَاَتَانَا ابْنُ مِرْبَعِ الْاَنْصَارِيُّ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْكُمْ يَقُوْلُ لَكُمْ قِفُوْا عَلٰى مَشَاعِرِ كُمْ فَاِنَّكُمْ عَلٰى اِرْثٍ مِنْ اِرْثِ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۴۷۹) روایت ہے حضرت عمرو بن عبداللہ ابن صفوان سے وہ اپنے ماموں سے راوی جنہیں یزید ابن شیبان کہا جاتا تھا؎۱ فرماتے ہیں ہم عرفات میں اپنی منزل میں تھے عمرو نے فرمایا کہ وہ جگہ امام کی جگہ سے بہت دور تھی؎۲ تو ہمارے پاس ابن مربع انصاری آئے بولے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہاری طرف پیغامبر ہوں؎۳ حضور تم سے فرماتے ہیں کہ تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو؎۴ تم لوگ اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی وراثت پر ہو؎۵
(ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ)

(۲۴۷۹)؎۱ حضرت عمرو ثقہ تابعین میں سے ہیں جمحی ہیں قرشی ہیں اور یزید ابن شیبان ازدی صحابی ہیں۔؎۲ اسلام سے پہلے کفار مکہ نے عرفات کے حصے بخرے کر لئے تھے' کہ ہر قبیلہ کے قیام کا الگ ٹھکانہ تھا' چنانچہ یزید ابن شیبان کے قبیلہ کا بھی ایک مقام تھا' قدیمی رسم کے مطابق یہ حضرت اپنی خاندانی قیام گاہ میں ٹھہرے' مگر آج دل کی کیفیت کچھ اور تھی' اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ سے بہت دور دیکھ کر پشیمان ہوئے' اس لئے اگلا واقعہ پیش آیا۔؎۳ ان کا نام زید یا یزید ابن مربع ہے' علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دور افتادگان حجاج کی دلی کیفیت خود معلوم فرمائی اس لئے یہ پیغام بھیجا' ان حضرات نے چاہا تھا کہ اس جگہ سے منتقل ہو کر حضور کے قدموں میں جا پڑیں' اس لئے یہ پیغام آیا' سرکار ہم پر ہمارے ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں۔؎۴ مشاعر مشعر کی جمع ہے بمعنی عبادت گاہ یعنی زمانہ جاہلیت سے جو تمہارے مقام مقرر ہو چکے ہیں' اور اب تم آ کر ٹھہر گئے ہو وہاں سے منتقل نہ ہو کہ اس میں سخت دشواری ہوگی سارا عرفات قیام گاہ ہے' مجھ سے دوری تمہارے لئے مضر نہیں (لمعات)؎۵ سبحان اللہ کیسا پاکیزہ فرمان ہے یعنی تم اپنے جاہل باپ دادوں کی پیروی میں یہاں نہ ٹھہرو' بلکہ سنت ابراہیمی سمجھ کر یہاں قیام کرو' اور میرے پاس آنے کی کوشش نہ کرو' رب تعالٰی فرماتا ہے: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ (۲۲'۷۸) تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی تمہارے باپ ابراہیم کا دین (کنزالایمان)

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۲۴۸۰) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ وَكُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَمَنْحَرٌ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

نے فرمایا عرفات جائے وقوف ہے اور سارا منیٰ قربانی گاہ ہے اور سارا مزدلفہ قیام گاہ ہے اور مکہ معظمہ کی ہر سڑک راستہ اور قربانی گاہ ہے[۱] (ابوداؤد دارمی)

(۲۴۸۰)[۱] فجاج فج کی جمع ہے بمعنی چوڑا راستہ یعنی اگرچہ ہم براستہ کداء مکہ معظمہ پہنچے لیکن مکہ معظمہ تک پہنچنے والے تمام راستے ٹھیک ہیں، جس راستہ سے یہاں آ ؤ درست ہے اور سارا مکہ معظمہ قربانی گاہ ہے، کہ حج کی قربانی حرم میں چاہیے، جہاں بھی ہو جائے، حجاج اپنی آسانی کے لئے منیٰ میں قربانی کر لیتے ہیں، علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ حج وعمرہ کی قربانی سارے حرم میں ہوسکتی ہے، لیکن حج کی قربانی منیٰ میں افضل ہے اور عمرہ کی قربانی مکہ معظمہ میں، خصوصاً مروہ پہاڑ کے پاس بہتر (مرقات)

وَعَنْ خَالِدِبْنِ هَوْذَةَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ عَرَفَةَ عَلٰى بَعِيْرٍ قَائِماً فِي الرَّكَابَيْنِ . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۲۴۸۱) روایت ہے حضرت خالد ابن ہوذہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ عرفات میں اونٹ پر دو رکابوں کے درمیان کھڑے ہوئے لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے[۱] (ابوداؤد)

(۲۴۸۱)[۱] یہ خطبہ حج ہے جو نویں بقرعید کو عرفات میں دیا جاتا ہے، جس میں عرفات سے چلنے، مزدلفہ میں ٹھہرنے، منیٰ میں قربانی اور طواف زیارت وغیرہ کے احکام سکھائے جاتے ہیں قائما بمعنی واقفا ہے یہ مطلب نہیں کہ آپ اونٹ پر کھڑے ہوئے تھے کہ یہ تو بہت مشکل ہے مطلب یہ ہے کہ آپ وقوف عرفات اونٹ پر کر رہے تھے فی الرکابین کے معنی یہ ہیں کہ دونوں قدم شریف رکاب میں رکھے ہوئے تھے چونکہ وہاں منبر تھا نہیں اور منشاء یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اونچے رہیں تاکہ دور تک کے لوگ آپ کی زیارت بھی کرسکیں اور آپ کا کلام شریف بھی سن سکیں، اس لئے یہ خطبہ اونٹ پر دیا، اب بھی عرفات شریف میں امام اونٹ پر خطبہ دیتا ہے۔

وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الدُّعَآءِ دُعَآءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَاقُلْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ اِلٰى قَوْلِهٖ لَا شَرِيْكَ لَهٗ .

(۲۴۸۲) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ کے دن کی دعاؤں میں سے بہترین[۱] اور جو ہم نے اور ہم سے پہلے نبیوں نے عرض کیا ان میں سے بہترین عرض یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے[۲] (ترمذی) اور مالک نے حضرت طلحہ ابن عبید اللہ سے لاشریک لہ تک روایت کی

(۲۴۸۲)[۱] کیونکہ اس دن کی دعا جلد قبول ہوتی ہے اور اس پر مانگنے سے زیادہ ملتا ہے۔ثواب دعا اس کے علاوہ ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں بقرعید کی دعا بہترین عمل ہے خواہ کہیں مانگی جائے، اگر حج میسر ہو اور میدان عرفات میں مانگی جائے، تو زہے نصیب ورنہ اپنے گھر یا مسجد وغیرہ جہاں ہو سکے مانگے، یہ دن غفلت میں نہ گزار دے، اسی لئے سمجھدار لوگ نویں بقرعید کو روزہ رکھتے ہیں، عبادات و دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں، اس دن کو لہو ولعب میں نہیں گزارتے۔[۲] اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ اس دن صرف دعا

ہی نہ مانگے' بلکہ ربّ تعالیٰ کی حمد وثنا بھی کرے کہ اللہ کے ذکر سے دل کو چین اور قرار ہے اور ذکروں میں بہترین ذکر یہ ہے کہ اس میں ربّ تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی حمد وثنا ہے اور سنت انبیاء پر عمل بھی یعنی ذکر اور زبان دونوں کی تاثیریں جمع ہیں اسی لئے لوگ دعائے ماثورہ' جو بزرگوں سے منقول ہوں زیادہ پڑھتے ہیں' دوسرے یہ کہ تمام دعاؤں میں بہترین دعا یہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کہنا یہ دعا ہے' حدیث قدسی میں ہے کہ جسے میرا ذکر دعا مانگنے سے روک دے تو اسے میں مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا' نیز اس میں رضاء بالقصناء علے وجہ الکمال ہے' شاعر کہتا ہے۔ شعر:۔

وکلت الی المحبوب امری کلہ   فان شاء احیانی وان شاء اتلف

یہ کلمات چوتھے کلمے کے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوتے ہی یہ پڑھا کرتے تھے' جیسا کہ گزر چکا' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ تاریخوں میں ذکر الٰہی افضل ہے کہ اس صورت میں ذکر کے ساتھ وقت کی فضیلت بھی جمع ہو جاتی ہے۔

وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ كُرَيْزٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَارُاِىَ الشَّيْطٰنُ يَوْماً هُوَ فِيْهِ اَصْغَرُ وَلَا اَدْحَرُ وَلَا اَحْقَرُ وَلَا اَغْيَظُ مِنْهُ فِىْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَاذَاكَ اِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ اِلَّا مَارُاِىَ يَوْمَ بَدْرٍ فَقِيْلَ مَارُاِىَ يَوْمَ بَدْرٍ قَالَ فَاِنَّهٗ قَدْرُاِىَ جِبْرَئِيْلَ يَزَعُ الْمَلٰٓئِكَةَ (رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلاً وَفِىْ شَرْحِ السَّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ)

(۲۴۸۳) روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبید اللہ ابن کریز سے[۱] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن شیطان بہت چھوٹا بہت پھٹکارا ہوا اور بہت ذلیل وغمگین نہ دیکھا گیا[۲] یہ صرف اس لئے ہے کہ وہ آج کے دن رحمت باری کا نزول اور اللہ کا بڑے گناہوں کی معافی دینا مشاہدہ کرتا ہے[۳] اس کے سواء جو بدر کے دن دیکھا گیا[۴] عرض کیا گیا حضور بدر کے دن کیا دیکھا گیا فرمایا اس نے حضرت جبریل کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کی صف آرائی کر رہے ہیں[۵] (مالک) مرسلاً اور شرح سنہ میں لفظ مصابیح کے۔

(۲۴۸۳)[۱] یہ طلحہ تابعی ہیں' اہل شام میں سے ہیں' اسی لئے مصنف نے ان کے دادا کا نام بھی لے دیا' کیونکہ طلحہ ابن عبید اللہ ابن عفان مشہور صحابی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں' ان کے دادا عثمان یعنی ابوقحافہ صدیق اکبر کے والد ہیں فقط طلحہ سے ذہن انہی کی طرف منتقل ہوتا ہے' جیسے صرف عبداللہ سے عبداللہ ابن مسعود اور صرف حسن سے خواجہ حسن بصری سمجھ میں آتے ہیں[۲] اصغر صغار سے ہے بمعنی حقارت ادحر دحر سے بنا بمعنی ذلت کے ساتھ نکالنا' ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا (۳۷، ۸، ۹) اور ان پر ہر طرف سے مار پھینک ہوتی ہے انہیں بھگانے کو (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: اَخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا (۷، ۱۸) فرمایا یہاں سے نکل جا رد کیا گیا راندہ ہوا (کنزالایمان) شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے یا وہ اور اس کی ساری ذریت' یعنی یوں شیطان ہمیشہ ہی ذلیل وخوار اور غمگین رہتا ہے' مگر نویں بقرعید کو حاجیوں کو عرفہ میں دیکھ کر بہت غمگین ہوتا ہے' معلوم ہوا کہ نیک کام پر غم کرنا اور نیکیوں سے جلنا شیطانی عمل ہے[۳] اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کی نگاہ سے غیبی پردے اٹھے ہوئے ہیں جن سے وہ فرشتوں کو بھی دیکھ لیتا ہے اللہ کی رحمتیں اترتے ہوئے دیکھتا ہے اور ربّ تعالیٰ کے فیصلوں سے بھی خبردار رہتا ہے' ورنہ اس دن اس کے زیادہ غمگین ہونے کے کیا معنیٰ' جب اس ناری کا یہ حال ہے تو نوری مخلوق کی شان کیا ہوگی'[۴] کہ اس دن وہ عرفہ کے دن سے بھی زیادہ پریشان غمگین وذلیل وخوار تھا' اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے شیطان اور اس کی ذریت چھپی ہوئی نہیں' حضور تو اس کی دلی کیفیتوں تک سے مطلع ہیں' کہ اس کے دل پر اس وقت

کیا گزر رہی ہے'رُاِیَ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے اسے آنکھوں سے دیکھا۵؎ یزع وَزَعٌ سے بمعنی تقسیم وترتیب' رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَهُمْ يَزْعُوْنَ اہل عرب صفیں ترتیب دینے والے کووازع کہتے ہیں ہاں فرشتوں سے وہ پانچ ہزار فرشتے مراد ہیں' جو مسلمانوں کی امداد کے لئے جنگ بدر کے دن آئے' یہ فرشتے کفار کو ہلاک کرنے نہ آئے تھے' ورنہ ایک فرشتہ پورے ملک کو ہلاک کرسکتا ہے' بلکہ مسلمانوں کی معیت اور حضور کی ماتحتی کی عظمت حاصل کرنے آئے تھے جیسے بدری صحابہ تمام صحابہ سے افضل ہیں ایسے ہی بدری فرشتے دوسرے فرشتوں سے افضل۔شعر:۔

معلوم ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ اِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيُبَاهِي بِهِمُ الْمَلاۤئِكَةَ فَيَقُوْلُ اُنْظُرُوْا اِلٰى عِبَادِيْ اَتَوْنِيْ شُعْثًا غُبْرًا ضَاجِّيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَيَقُوْلُ الْمَلاۤئِكَةُ يَا رَبِّ فُلَانٌ كَانَ يُرَهَّقُ وَفُلَانَ وَفُلَانَةُ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا مِنْ يَوْمٍ اَكْثَرُ عَتِيْقًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ ۔
(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۲۴۸۴) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو رب تعالیٰ دنیاوی آسمان کی طرف نزول کرم فرماتا ہے۱؎ تو حجاج کے ذریعے فرشتوں پر فخر کرتا ہے۲؎ فرماتا ہے میرے بندوں کو دیکھو کہ میرے پاس بکھرے بال گردآلود دور دراز کے راستوں سے شور مچاتے آئے ہیں میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔۳؎ فرشتے عرض کرتے ہیں یا رب فلاں مرد اور فلاں عورت تو بدکاری کرتے رہے ہیں۴؎ فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے میں نے انہیں بھی بخش دیا۵؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عرفہ سے زیادہ کوئی دن لوگوں کے آگ سے چھٹکارا پانے کا نہیں۶؎ (شرح سنہ)

(۲۴۸۴)۱؎ اللہ تعالیٰ اترنے چڑھنے آنے جانے سے پاک ہے' ایسے مقام پر اللہ کی رحمت اس کی مغفرت کا اترنا مراد ہوتا ہے' آسمان دنیا سے پہلا آسمان مراد ہے جو زمین سے قریب تر ہے' چونکہ اس آسمان کے فرشتے زمین والوں سے بہت واقف ہوتے ہیں اس لئے رب تعالیٰ کی رحمتیں پہلے اس آسمان پر آتی ہیں پھر زمین پر تاکہ ان فرشتوں کی نگاہ میں خصوصیت سے مسلمانوں کا وقار قائم ہو' اور ان کے لئے دعائے مغفرت کیا کریں۔۲؎ رب کے فخر فرمانے کے معنی ہم پہلے عرض کرچکے ہیں' حجاج سے مراد عرفہ میں ٹھہرے ہوئے حاجی ہیں اور فرشتوں سے مراد عموماً سارے فرشتے ہیں اور خصوصاً پہلے آسمان کے' چونکہ فرشتے انسانوں کے گناہ دیکھتے رہتے ہیں' اس لئے انہیں خصوصیات سے مسلمانوں کی نیکیاں دکھائی جاتی ہیں' یہ رب کی بندہ نوازی ہے کہ ہمارے گناہوں پر فرشتوں کو اس طرح اہتمام سے متوجہ نہیں کیا جاتا مگر نیکیوں پر جو اسی کی توفیق سے ہیں فرشتوں کو متوجہ بھی کیا جاتا ہے اور ثواب بھی' انہیں گواہ بنا کردیا جاتا ہے۔۳؎ سبحان اللہ کیا پیارے کلمات ہیں' بحالت احرام حجاج پراگندہ بال بھی ہوتے ہیں کہ اس حال میں کنگھی کرنا منع ہے اور گردوغبار میں آٹے ہوئے بھی کہ وہ ریگستانی علاقہ ہے' حجاج زیادہ غسل بھی نہیں کرسکتے' دور دراز ملک سے لبیک کا شور کرتے پہنچتے ہیں' اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ کسی برکت والی جگہ جانا رب کے پاس جانا ہے' دیکھو عرفات میں پہنچنے والوں کو فرمایا گیا کہ یہ میرے پاس آئے' کیونکہ عرفات وہ مقام ہے جہاں انبیائے کرام گزرے ہیں لہذا انبیاء واولیاء کے مزارات پر حاضری دینا رب کے پاس ہی جانا ہے۔دوسرے یہ

کہ اللہ کے مقبولوں کو اچھے کام پر گواہ بنالینا چاہیے، ہم نے لوگوں کو کہتے سنا کہ نیکیاں مقبولوں کے سامنے کرو اور گناہ ان سے چھپاؤ، ان سے غیرت کرو۔ ۴ یہ کلام اظہار تعجب کیلئے ہے کہ خدایا ہم نے فلاں حاجی اور فلاں حاجن کو فسق اور بڑے بڑے گناہ گزشتہ زمانہ میں کرتے دیکھا ہے کیا یہ بھی بخش دیئے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ آسمان کے رہنے والے فرشتے بھی ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے: یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (۱۲،۸۲) جانتے ہیں جو کچھ تم کرو (کنزالایمان) تو اگر اللہ کے حبیب گنبد خضرا میں رہتے ہوئے ہمارے ہر عمل سے خبردار ہوں اور ہماری بدکاریوں کی ستاری اور ہماری گنہگاریوں کی شفاعت اور نیک کاریوں کی دعائے قبولیت فرماتے ہوں تو کیا تعجب ہے۔ ۵ کیونکہ یہ اگرچہ برے ہیں مگر اچھی جگہ، اچھوں کی جگہ اور اچھوں کے پاس آ گئے، میں نے انہیں بھی بخش دیا کہ اچھوں کا ساتھی بھی مجرم نہیں رہتا، اور لکڑی کے سنگ لوہا بھی تیر جاتا ہے۔ ۶ چنانچہ حاکم کی روایت میں یوں ہے کہ اے میرے حاجی بندو اگر تمہارے گناہ ریگستانوں کے ذروں، پانی کے قطروں، درختوں کے پتوں کے برابر بھی ہوں جب بھی تمہیں بخش دیا، جاؤ میں نے تمہیں بھی بخشا اور جس کی تم سفارش کرو اس کو بھی بخشا (مرقات) اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ نویں بقرعید کو عام مسلمانوں کی بخشش ہوتی ہے حاجی ہوں یا غیر حاجی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِيْنَهَا يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَكَانُوْا يُسَمُّوْنَ الْحُمْسَ فَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُوْنَ بِعَرَفَةَ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ اَمَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّاْتِيَ عَرَفَاتٍ فَيَقِفَ بِهَا ثُمَّ يُفِيْضَ مِنْهَا فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۸۵) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں قریش اور ان کا طریقہ کرنے والے مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے ۱ اور انہیں حمس (بہادر وغیرہ) کہا جاتا تھا ۲ باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ عرفات پہنچیں وہاں ہی ٹھہریں پھر وہاں سے واپس ہوں ۳ یہ حکم ہے اللہ عزوجل کا کہ تم وہاں سے چلو جہاں سے لوگ چلیں ۴ (مسلم بخاری)

(۲۴۸۵) ۱ یعنی سرداران عرب خواہ قریش یا غیر قریش، حج کے موقع پر اپنی بڑائی اس طرح ظاہر کرتے تھے کہ غریب حاجی تو عرفات پہنچتے تھے اور یہ لوگ مزدلفہ تک آ کر لوٹ جاتے تھے ۲ حمس ح کے پیش سے احمس کی جمع حماسہ سے بنا بمعنی سختی و بہادری، اسی لئے کعبہ کو حمساء کہتے ہیں کہ وہ مضبوط پتھروں سے بنایا گیا، نیز وہ کہتے تھے کہ ہم حرم کے کبوتر ہیں حدود حرم سے آگے نہ بڑھیں گے ۳ کیونکہ حج کی جان اور اس کا رکن اعلیٰ تو حج کا قیام ہی ہے جس سے یہ لوگ تکبر اور فخر کی بناء پر محروم رہے اے محبوب! آپ وہاں ہی قیام کریں، صرف مزدلفہ سے واپس نہ ہوں، معلوم ہوا کہ متکبر انسان کبھی بڑی رحمتوں سے محروم رہتا ہے ۴ یعنی عرفات سے جہاں سے حجاج واپس ہوتے ہیں تا کہ متکبروں کا غرور ٹوٹے۔ خیال رہے کہ قبرستان اور عرفات کا میدان، جماعت نماز کی صفیں وہ مقامات ہیں، جہاں سب چھوٹے بڑے برابر کردیئے جاتے ہیں۔

وَعَنْ عَبَّاسِ بْنِ مِرْدَاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لِاُمَّتِهٖ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِالْمَغْفِرَةِ

(۲۴۸۶) روایت ہے حضرت عباس ابن مرداس سے ۱ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام اپنی امت کے لئے دعائے

فَاُجِيبَ اَنِّي قَدْغَفَرْتُ لَهُمْ مَاخَلاَ الْمَظَالِمِ فَاِنِّي اٰخِذٌ لِلْمَظْلُوْمِ مِنْهُ قَالَ اَىْ رَبِّ اِنْ شِئْتَ اَعْطَيْتَ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَغَفَرْتَ لِلظَّالِمِ فَلَمْ يُجَبْ عَشِيَّتَهُ فَلَمَّا اَصْبَحَ بِالْمُزْدَلِفَةِ اَعَادَالدُّعَآءَ فَاُجِيبَ اِلٰى مَا سَالَ قَالَ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْقَالَ تَبَسَّمَ فَقَالَ لَهُ اَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرَ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اِنَّ هٰذِهٖ لَسَاعَةٌ مَاكُنْتَ تَضْحَكُ فِيْهَا فَمَا الَّذِيْ اَضْحَكَكَ اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ قَالَ اِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ اِبْلِيْسَ لَمَّا عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدِاسْتَجَابَ دُعَائِيْ وَغَفَرَ لِاُمَّتِيْ اَخَذَ التُّرَابَ فَجَعَلَ يَحْثُوْهُ عَلٰى رَاْسِهٖ وَيَدْعُوْ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ فَاَضْحَكَنِيْ مَا رَاَيْتُ مِنْ جَزَعِهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ نَحْوَهٗ ۔

مغفرت کی۲ تو جواب ملا کہ حقوق العباد کے سوا باقی گناہ بخش دیئے مظلوم کا حق تو لوں گا۳ عرض کیا یا رب اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دے دے اور ظالم کو بخش دے۴ اس شام کو تو جواب نہ ملا مگر جب مزدلفہ میں حضور نے صبح کی تو وہ ہی دعا دوبارہ کی تب آپ کا سوال پورا کیا گیا۵ راوی فرماتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یا مسکرائے۶ خدمت عالی میں حضرت ابوبکر و عمر نے عرض کیا ہمارے ماں باپ فدا اس گھڑی حضور ہنسا نہ کرتے تھے اللہ حضور کو خوش وخرم رکھے کیا چیز آپ کو ہنسا رہی ہے۷ فرمایا کہ جب اللہ کے دشمن ابلیس نے دیکھا کہ اللہ تعالٰی نے میری دعا قبول کر لی اور میری امت کو بخش دیا۸ تو مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈالنے لگا اور ہائے وائے پکارنے لگا۹ ہم نے جو اس کی گھبراہٹ دیکھی جس سے ہمیں ہنسی آ گئی ۱۰ (ابن ماجہ) اور بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں اس کی مثل روایت کی ۱۱

(۲۴۸۶)۱ آپ کی کنیت ابوالہیثم ہے قبیلہ بنی سلیم سے ہیں، بڑے پایہ کے شاعر تھے فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام لائے مؤلفۃ القلوب سے تھے، فتح مکہ میں آپ پانچ سو ساتھیوں کے ساتھ شریک تھے زمانہ جاہلیت میں آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اپنے پر شراب حرام کر لی تھی، اور آپ اپنی قوم کے سردار تھے (اشعہ، مرقات) ۲ ظاہر یہ ہے کہ امت سے مراد تاقیامت حجاج ہیں کہ جو حج کو آئے بالکل بخشا جائے، بعض شارحین نے ساری امت مراد لی ہے اور بعض نے صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے والے فرمایا، مگر پہلی بات قوی تر ہے (لمعات، مرقات) ۳ مظالم سے مراد حقوق العباد ہیں خواہ مالی حق ہوں یا جانی، حق العبد وہ ہے جو بندے کے معاف کر دینے سے معاف ہو جائے، اور حق اللہ وہ ہے جسے بندہ معاف نہ کر سکے، لہذا قتل کی سزا حق العبد اور زنا کی سزا حق اللہ، اور چوری کی سزا مقدمہ پہنچنے سے پہلے تو حق العبد ہے، پھر حق اللہ بن جاتی ہے یعنی حق اللہ حج سے معاف نہ ہوگا وہ تو ادا ہی کرنا ہوگا، خیال رہے کہ یہ حج مقبول کی جزا ہے، حج مقبول ہوتا ہی وہ ہے جو نمازیں وغیرہ ادا کر کے کیا جائے، لہذا اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عمر بھر تارک نماز اور شرابی، زانی رہو حج کر آؤ سب معاف ہو گیا، بلکہ پہلے ان جرموں سے صحیح توبہ کرو پھر آئندہ ان کے قریب نہ جاؤ، تو انشاء اللہ گزشتہ کوتاہیوں کی معافی ہو جائے گی۔۴ یعنی مظلوم کو جنت دے کر ظالم سے راضی کرا دے کہ مظلوم ظالم کو معافی دیدے۔ اپنا حق مظلوم معاف کر دے اور اے مولٰی تو اپنا حق معاف فرما دے۔ خیال رہے کہ ہر حق العبد میں حق اللہ بھی داخل ہوتا ہے، ہاں غالب حق العبد ہوتا ہے، قاتل جیسے مقتول کا مجرم ہے ایسے ہی رب کا بھی مجرم، کہ اس نے رب کا قانون توڑا، لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے، قیامت میں مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دینا، یا ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دلوا دینا عدل ہے، مگر مظلوم کو جنت دے کر راضی کر دینا اور ظالم کو معافی کرا دینا، یہ رب تعالٰی کا فضل ہے، یہاں یہ تیسری صورت مراد ہے۔۵ یعنی حقوق العباد کا بھی وعدہ کر لیا گیا، اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا، لہذا اگر مقروض نے ادائے

قرض میں ٹال مٹول کی تھی' پھر ادا کر کے حج کو گیا تو حج کی برکت سے ٹال مٹول کا گناہ معاف ہو گیا اور قرض خواہ لاپتہ ہو گیا تھا یا کسی وجہ سے ابھی قرض ادا نہ کیا تھا کہ حج کر لیا تو بھی اب تک تاخیر کا گناہ معاف ہے لیکن اگر حج کے بعد بھی قرض ادا نہ کیا تو ٹال مٹول کا گناہ اب از سرنو شروع ہو گا' ہاں اگر حج میں مر گیا اور بعد میں ورثاء نے بھی ادا نہ کیا مگر اس حاجی کی نیت ادا کی تھی تو امید ہے کہ معافی ہو جائے' غرضیکہ اس حدیث پر چکڑالویوں کا کوئی اعتراض نہیں' اس قسم کی امید افزا آیات قرآن کریم میں بھی بہت ہیں' نیز حجاج کو اس حدیث کی بناء پر دلیر ہونا جائز نہیں' کیا خبر کس کا حج قبول ہوا اور اس بشارت کا اہل ہو۔ ۶؎ یہ شک کسی نیچے کے راوی کو ہے نہ کہ حضرت عباس کو' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام زندگی شریف میں کبھی ٹھٹھا نہ لگایا' تبسم فرماتے تھے۔ ۷؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ادائے عبادت کے موقع پر تبسم نہ فرماتے تھے بلکہ اکثر گریہ وزاری فرماتے تھے' اللہ تعالٰی حضور کے دندان عالی کو ہمیشہ ہی خوش رکھے' آج مزدلفہ میں سجدہ فرما کر یہ تبسم کیا' معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی بگڑی بنوادی' اس پر خوشی ہے سبحان اللہ کیا نیارا سوال ہے اور کس خوش اسلوبی سے ہے' دعا دے کر کلام کرنا غلاموں کا طریقہ چاہیے۔ ۸؎ معلوم ہوا کہ شیطان جہاں بھی ہو عالم کے ہر حال کی خبر رکھتا ہے اور ہر ہر ظاہر و چھپی باتوں کو سنتا جانتا ہے' ظاہر ہے کہ ابلیس اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو تھا نہیں' نہ آپ کے سجدے کے وقت وہاں کان لگائے ہوئے تھا' وہ مردود اپنی جگہ تھا' مگر یہاں سے خبردار تھا' جب ناری کی یہ کیفیت ہے۔ تو نوری جماعتوں کے علم و فضل اور باخبری کا کیا پوچھنا' رب تعالٰی ابلیس کے متعلق فرماتا ہے: اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (۲۷/۷) بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے (کنز الایمان) ۹؎ ابلیس کی یہ گریہ زاری اپنی نامرادی اور ناکامی پر تھی کہ میں عمر بھر کوشش کر کے بندوں سے گناہ کراؤں گا' مگر ایک حج کر کے وہ گناہوں سے پاک وصاف ہو جائیں گے ۱۰؎ معلوم ہوا کہ بے دینوں کے ایسے غم پر مومنوں کو خوش ہونا چاہیے' کہ یہ خوشی بھی عبادت ہے اور سنت بھی ہے۔ ۱۱؎ یہ حدیث طبرانی' ابویعلٰی' خطیب وغیرہ محدثین نے مختلف اسنادوں' مختلف عبارتوں سے نقل فرمائیں' جن کی تمام اسنادیں ضعیف ہیں' ابن جوزی نے اسے موضوع بتایا' بیہقی نے اس حدیث' کے ماتحت فرمایا کہ کوئی حاجی اس حدیث سے دھوکا نہ کھائے اور اپنے کو بالکل مغفور نہ جانے خدا سے خوف رکھے' بعض علماء نے فرمایا کہ یہ وعدہ مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ رب تعالٰی نے اعلان فرمادیا کہ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (۴/۴۸) اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے (کنز الایمان) (مرقات) امام عسقلانی نے ایک کتاب لکھی ہے قوت الحجاج فی عموم المغفرۃ للحاج جس میں ابن جوزی کے موضوع کہنے کی تردید کی ہے اور فرمایا کہ اگرچہ اس حدیث کی اسنادیں ضعیف ہیں مگر چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث قوی کر دیتی ہیں' بہرحال حاجی رب تعالٰی کے کرم کی امید تو رکھے' مگر مغرور نہ ہو جائے' ذنوب کی معافی کی امید رکھے' اور حقوق فوراً ادا کرے' خواہ حقوق شرعیہ ہوں جیسے قضاء نمازیں یا حقوق عباد جیسے قرض وغیرہ (لمعات' اشعہ' مرقات)

بَابُ الدَّفْعِ مِنْ عَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ باب عرفہ اور مزدلفہ سے روانگی

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

یا تو دفع سے مراد نکلنا ہے نہ کہ نکالنا' یا اپنی سواری کو اژدہام سے نکالنا ہے کہ ان روانگیوں میں ہجوم بہت ہوتا ہے' جہاں سے حاجی بڑی ہوشیاری سے اپنی سواری کو نکالتا ہے' لہذا اسے دفع کہتے ہیں۔

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سُئِلَ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ حِيْنَ دَفَعَ قَالَ كَانَ يَسِيْرُ الْعَنَقَ فَاِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۸۷) روایت ہے حضرت ہشام ابن عروہ سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ اسامہ بن زید سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں جب عرفہ سے روانہ ہوئے تو کس چال سے چلتے رہے فرمایا آپ قدرے تیز چلتے رہے (دلکی) پھر جب کھلا راہ پاتے تو زیادہ تیز چلتے (میدانی) ۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۴۸۷) ۱؎ ہشام بھی تابعی ہیں اور ان کے والد عروہ ابن عوام بھی تابعی ہیں' عروہ ابن زبیر مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء سے ہیں۔ آپ کا کنواں اور باغ بیر عروہ کی فقیر نے زیارت کی ہے۔ اس کا پانی بھی پیا ہے ۲؎ فجوہ کے معنی ہیں کشادگی اور کھلی جگہ' رب تعالٰی فرماتا ہے: وَهُمْ فِىْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ (۱۸:۱۷) حالانکہ وہ اس غار کے کھلے میدان میں ہیں (کنزالایمان) نص اور عنق اونٹ کی رفتاروں کے نام ہیں' نص عنق سے زیادہ تیز ہوتی ہے جیسے گھوڑے کی رفتاروں کے نام دلکی' میدان' سرپٹ وغیرہ ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ عام حالت میں معمولی رفتار پر چلایا' اور اگر کوئی جگہ خالی ملی تو تیز رفتار سے تاکہ حتی الامکان اگلے مقام پر جلد پہنچ کر عبادت کریں یہ بھی سبقت الی الخیرات کی قسم ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ دَفَعَ مَعَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَمِعَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَآءَهٗ زَجْرًا شَدِيْدًا وَّضَرْبًا لِّلْاِبِلِ فَاَشَارَ بِسَوْطِهٖ اِلَيْهِمْ وَقَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَاِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْاِيْضَاعِ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

(۲۴۸۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ عرفہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس ہوئے ۱؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے اونٹوں کو سخت ڈانٹ ڈپٹ اور مارسنی ۲؎ تو انہیں اپنے کوڑے سے اشارہ فرمایا اور حکم دیا کہ اے لوگو! اطمینان اختیار کرو تیز دوڑنے میں خوبی نہیں ۳؎ (بخاری)

(۲۴۸۸) ۱؎ عرفات سے مزدلفہ کی طرف چلے دسویں ذوالحجہ کی شب کو' چونکہ یہ شب بھی نویں تاریخ میں داخل ہے' اس لئے اسے یوم عرفہ فرمایا گیا' بعض لوگوں نے یوم عرفہ سے دھوکا کھایا اور منیٰ سے عرفات کی روانگی سمجھے یہ غلط ہے (مرقات) دسویں ذی الحجہ کی شب میں جو عرفات پہنچ جائے اسے حج مل جاتا ہے ۲؎ کہ حجاج اونٹوں کو دوڑانے کیلئے انہیں ڈانٹ ڈپٹ و مار کر رہے تھے ۳؎ یعنی اس جگہ اونٹ دوڑانا ثواب نہیں بلکہ خطرہ ہے کہ گناہ بن جائے کہ ہجوم زیادہ ہے تیز دوڑانے میں حجاج کے کچل جانے' چوٹ کھا جانے کا خطرہ ہے' بلکہ ثواب تو اطمینان سے ارکان ادا کرنے میں ہے اب بھی حجاج کو چاہیے کہ وہ بھاگ دوڑ سے بچیں۔

وَعَنْهُ اَنَّ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ كَانَ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ اِلَى الْمُزْدَلِفَةِ ثُمَّ اَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ اِلٰى مِنًا فَكِلَاهُمَا قَالَ لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّىْ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۸۹) روایت ہے ان ہی سے کہ حضرت اسامہ بن زید عرفہ سے مزدلفہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف (پیچھے سوار) رہے۔ پھر حضور انور نے مزدلفہ سے منیٰ تک حضرت فضل کو پیچھے بٹھا لیا۱؎ ان دونوں صاحبوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کو کنکر مارنے تک تلبیہ کہتے رہے۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۴۸۹)۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ عرفات سے منیٰ تک دو حضرات کو آگے پیچھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمرکابی کی سعادت میسر ہوئی' عرفات سے مزدلفہ تک حضرت اسامہ ابن زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور انور کے ساتھ حاضر تھے اور مزدلفہ سے منیٰ تک حضرت فضل ابن عباس کو اس کا شرف ملا' چونکہ حضور انور کی ہمرکابی اعلیٰ درجہ کا شرف ہے' نیز اس قرب سے حضور کے اعمال طیبہ بخوبی معلوم ہو سکتے ہیں اس لئے یہ واقعہ بیان فرمایا۲؎ معلوم ہوا کہ حج کا تلبیہ دسویں ذی الحجہ رمی جمرہ عقبہ تک رہتا ہے۔ یہاں پہلا کنکر مارتے ہی تلبیہ ختم ہو جاتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بِاِقَامَةٍ وَّلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا عَلٰى اَثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۴۹۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب و عشاء جمع کرکے پڑھیں۱؎ کہ ان میں سے ہر نماز علیحدہ تکبیر سے ادا کی اور نہ ان کے درمیان نفل پڑھے اور نہ ان میں سے کسی نماز کے پیچھے۲؎ (بخاری)

(۲۴۹۰)۱؎ اس طرح کہ مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی' کہ وہاں آج مغرب کا وقت یہ ہی ہے' اگر کوئی عرفات میں یا راستہ میں نماز مغرب پڑھ بھی لے گا تو نہ ہوگی' کہ اس نے وقت سے پہلے پڑھ لی' خیال رہے کہ عرفات شریف میں تو عصر اپنے وقت سے آگے بڑھتے ہیں کہ ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہے' اس لئے وہاں دونوں نمازوں کے لئے تکبیریں بھی دو ہوں گی' اور جو حاجی جماعت امام کے ساتھ پڑھے گا وہ ہی جمع صلوٰتین کرے گا' مگر مزدلفہ میں نماز مغرب پیچھے ہٹ گئی کہ عشاء کے وقت میں پڑھی گئی تو خواہ باجماعت نماز پڑھے یا علیحدہ اور خواہ امام کے ساتھ جماعت پڑھے یا اپنی جماعت علیحدہ کرے' بہرحال جمع صلوٰتین کرے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عرفات میں دونوں نمازوں کے لئے اذان ایک اور اقامت دو ہوں گی۲؎ یہ مذہب امام زفر کا ہے کہ مزدلفہ میں بھی مغرب و عشاء دو تکبیروں سے پڑھے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے باقی ائمہ فرماتے ہیں کہ یہاں اذان بھی ایک ہوگی اور تکبیر بھی ایک ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جو مسلم شریف نے حضرت سعید ابن جبیر سے اور ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ایک اذان ایک اقامت سے دونوں نمازیں پڑھیں' وہ احادیث مطابق قیاس ہیں اور یہ حدیث بخاری خلاف قیاس لہذا ان روایات کو ترجیح ہے۔ کیونکہ تکبیر لوگوں کو جمع کرنے کے لئے ہوتی ہے لوگ پہلی اذان وتکبیر پر جمع ہو چکے ہیں اور نماز عشاء کا وقت بھی ہے تو ظاہر ہے کہ بغیر عشاء پڑھے نہ متفرق ہوں گے مگر عرفات میں ظہر اپنے وقت میں ہے' اندیشہ ہے کہ لوگ سلام پھیرتے ہی چل دیں اس لئے تکبیر فوراً ہی کہہ دی جائے کہ عصر بھی ابھی ہو رہی ہے جاؤ مت' بہرحال مذہب ائمہ قوی ہے' امام طحاوی نے امام زفر کا مذہب اختیار کیا' ان دونوں نمازوں کے درمیان یا بعد میں نوافل وسنن وغیرہ ہرگز نہ پڑھے کہ یہ ہی سنت ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلٰوةً اِلَّا لِمِيْقَاتِهَا اِلَّا صَلٰوتَيْنِ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ بِجَمْعٍ وَّ صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۹۱) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو[۱] سواء دو نمازوں کے مزدلفہ میں تو مغرب و عشاء[۲] اور اس دن نماز فجر اپنے وقت معہود سے پہلے پڑھ لی[۳] (مسلم بخاری)

(۲۴۹۱)[۱] یہ حدیث امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سفر میں جمع بین الصلوتین نہ کیا یعنی چند نمازیں بیک وقت نہ پڑھیں' وہاں جمع صوری تھا کہ ظہر آخر وقت میں پڑھی اور عصر اول وقت میں' رہا غزوہ خندق میں چند نمازیں یکدم پڑھنا وہ جمع نہ تھا بلکہ قضاء پڑھی گئی تھیں' جمع اور ہے قضاء کچھ اور[۲] یعنی مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو حقیقۃً جمع فرمایا کہ مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی اور دوسری عرفات میں کہ وہاں عصر ظہر کے وقت میں پڑھی' چونکہ وہ جمع صلوٰتین دن میں اور سب کے سامنے ہوا تھا' اسی لئے اس کا علیحدہ نام نہ لیا اور مزدلفہ میں نمازوں کا اجتماع رات میں تھا جس میں سارے حجاج جمع نہ تھے اس لئے صرف اس کا ذکر صراحۃً علیحدہ بھی کر دیا لہٰذا حدیث واضح ہے دو نمازوں سے مراد عرفہ ومزدلفہ کی نمازیں ہیں۔[۳] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر خوب اُجالا میں پڑھتے تھے مگر آج مزدلفہ میں پو پھٹنے کے بعد اندھیرے میں پڑھی' یہ حدیث امام اعظم قدس سرہ کی قوی دلیل ہے کہ ہمیشہ فجر اُجالے میں پڑھی جائے' صرف مزدلفہ میں اندھیرے منہ پڑھے کیونکہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہی نماز فجر پو پھوٹتے ہی پڑھتے ہوتے تو آج وقت معتاد سے پڑھنے کے کیا معنی' کیا وقت سے پہلے پڑھ لی ہرگز نہیں لہٰذا قول احناف قوی ہے' یہاں تمام ائمہ کے ہاں وقت سے مراد وقت معتاد ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَنَامِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِيْ ضَعَفَةِ اَهْلِهٖ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۴۹۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھا جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات ضعیف بال بچوں کے ساتھ آگے بھیج دیا[۱] (مسلم بخاری)

(۲۴۹۲)[۱] ضعفہ جمع ضعیف کی ہے بمعنی کمزور' اس سے مراد چھوٹے بچے اور عورتیں ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں بقر عید کی رات میں اپنے گھر والی بیبیاں اور چھوٹے بچے رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ روانہ کردیئے تاکہ صبح کو بھیڑ بھاڑ میں تکلیف نہ ہو اور یہ حضرات منیٰ میں پہلے پہنچ کر آرام سے خیمہ میں پہنچ جائیں' اب بھی یہ جائز ہے مگر طاقتور لوگوں کو یہ ساری رات مزدلفہ میں گزارنی ہوگی' بعد نماز فجر سورج نکلنے سے کچھ پہلے یہاں سے روانہ ہوں گے' مسلم بخاری میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھاری جسم تھیں وہ بھی نصف رات کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہوگئیں' حضور سے پوچھ کر' یہ عذر کی بنا پر اجازت ہے۔

وَعَنْهُ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَّكَانَ رَدِيْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ فِيْ عَشِيَّةِ عَرَفَةَ وَغَدَاةِ جَمْعٍ لِلنَّاسِ حِيْنَ دَفَعُوْا عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَهُوَ كَافٌّ نَاقَتَهٗ حَتّٰى دَخَلَ مُحَسِّرًا وَّهُوَ مِنًى

(۲۴۹۳) روایت ہے انہی سے وہ حضرت فضل ابن عباس سے راوی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے کہ حضور انور نے عرفہ کی شام اور مزدلفہ کے سویرے جب لوگ روانہ ہوئے تو ان سے فرمایا سکون اختیار کرو حضور خود بھی اپنی اونٹنی کی لگام کھینچے ہوئے تھے[۱]

قَالَ عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ الَّذِىْ يُرْمٰى بِهِ الْجَمْرَةُ وَقَالَ لَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّىْ حَتّٰى رَمَى الْجَمْرَةَ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حتیٰ کہ وادی محسر میں داخل ہو گئے جو منیٰ کا ہی حصہ ہے۲ فرمایا کنکریاں چن لو ٹھیکریوں کی طرح جن سے جمرہ کو مارا جائے۳ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ کی رمی تک تلبیہ کہتے رہے۔(مسلم)

(۲۴۹۳)۱یعنی ان دونوں روانگیوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاج کو اطمینان سے آہستہ چلنے کا حکم دیا' عرفہ سے مزدلفہ آتے وقت اور پھر صبح کو مزدلفہ سے منیٰ آتے وقت اگر یہ اطمینان نہ ہوتو بہت لوگ کچل کر مر جائیں' اب تو بسیں چلتی ہیں مگر وہ بھی دو تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پھر بھی ٹھہرتی ہوئی ۔۲یہ راوی کی تفسیر ہے علماء کے اس کے متعلق مختلف خیال ہیں' بعض کے نزدیک یہ منیٰ میں داخل ہے بعض کے خیال میں مزدلفہ میں' بعض کہتے ہیں کہ یہ ان دونوں کے درمیان برزخ ہے' یہ تیسرا قول ہی قوی ہے اور اس جملے کے معنی یہ ہیں' کہ وہ منیٰ سے قریب ہے (لمعات اشعہ ومرقات) منیٰ جمرہ عقبہ سے وادی محسر تک کے علاقہ کا نام ہے اس طرح یہ دونوں حدود منیٰ سے خارج ہیں (مرقات) ۳خزف چٹکی سے پھینکنے کو کہتے ہیں پھر ٹھیکری کو کہنے لگے کہ وہ چٹکی سے ہی پھینکی جاتی ہے' ان کنکروں کی مقدار باقلا کے دانہ کے برابر چاہیے بہتر یہ ہے کہ وادی محسر سے چنے جائیں' اگر مزدلفہ سے ہی چن لئے گئے تب بھی جائز ہے ستر کنکر لئے جائیں' جو سات دسویں ذی الحجہ کو کام آویں اور ۶۳ گیارہوں' بارہویں' تیرھویں کو' کیونکہ آج صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہوگی' ان تواریخ میں تینوں جمروں کی ہر جمرہ پر سات کنکر' بعض بیوقوف بڑے بڑے پتھر بلکہ جوتے مارتے ہیں اور شیطان کو گالیاں دیتے جاتے ہیں' یہ جہالت ہے۔ خیال رہے کہ یہاں جمرہ سے مراد جنس جمرہ ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَفَاضَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَمْعٍ وَّعَلَيْهِ السَّكِيْنَةُ وَاَمَرَهُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَاَوْضَعَ فِىْ وَادِىْ مُحَسِّرٍ وَّاَمَرَهُمْ اَنْ يَّرْمُوْا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ وَقَالَ لَعَلِّىْ لَا اَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِىْ هٰذَا لَمْ اَجِدْ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِى الصَّحِيْحَيْنِ اِلَّا فِىْ جَامِعِ التِّرْمِذِىِّ مَعَ تَقْدِيْمٍ وَّتَاخِيْرٍ .

(۲۴۹۴) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے یوں روانہ ہوئے کہ آپ پر نہایت سکون و اطمینان تھا۔ اور لوگوں کو بھی سکون کا ہی حکم دیا اور وادی محسر میں سواری کچھ تیز کی۱ اور انہیں حکم دیا کہ ٹھیکریوں کی سی کنکریوں سے رمی کریں اور فرمایا شاید تمہیں اس سال کے بعد نہ دیکھوں گا۲ میں نے یہ حدیث مسلم بخاری میں نہ پائی۔ صرف ترمذی میں پائی۔ وہ بھی کچھ تقدیم وتاخیر سے۳

(۲۴۹۴)۱یعنی مزدلفہ سے منیٰ تک کا بقیہ راستہ تو آہستگی سے طے فرمایا۔ مگر یہ مقام قدرے تیزی سے' اس کی وجہ پہلے بیان کی جا چکی ہے' مگر یہ تیزی بھی ایسی نہ تھی جس سے لوگوں کو تکلیف ہو اسی لئے اوضع فرمایا' ایضاع کے معنی ہیں جانور کو ایڑ ھ لگانا تاکہ وہ قدرے تیز ہو جائے' ۲یعنی یہ ہمارا آخری حج ہے بلکہ مکہ مکرمہ کی حاضری بھی آخری ہے' اور ہماری حیات کا آخری سال ہے' جو کچھ سیکھنا ہے ہم سے جلد سیکھ لو' اے مشتاق آنکھو! دیدار محبوب سیر ہو کر کر لو' پھر ترسو گے' یہ لَعَلَّ یقین کے لئے ہے جیسے قرآن کریم میں جگہ جگہ لَعَلَّ فرمایا گیا' اور دیکھنے سے مراد ان ظاہری آنکھوں سے دیکھنا ہے' ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات بھی عالم کے ذرہ ذرہ کو ملاحظہ فرما رہے ہیں' جس پر بہت دلائل قائم ہیں' دیکھو ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول انہی الفاظ کی بنا پر اس حج کا نام حجۃ الوداع ہوا کہ حضور نے اس میں اپنے وداع

کی خبر دی اور امت کو وداع فرمایا اور ہوا بھی ایسا ہی کہ چند ماہ بعد یعنی بارہویں ربیع الاول کو وفات ہوگئی' خیال رہے کہ ذی الحجہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع ہوا' اور ربیع الاول ۱۱ھ میں وفات تین مہینہ بعد' ۳؎ اس میں مصنف پر دو اعتراض ہیں' ایک یہ کہ مصنف ترمذی کی حدیث فصل اوّل میں لے آئے' یہ ان کے قاعدہ کے خلاف ہے وہ فصل اول میں صرف شیخین کی روایات لاتے ہیں' دوسرے یہ کہ روایت ترمذی کی بھی ترتیب الفاظ بدلی ہوئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَدْفَعُوْنَ مِنْ عَرَفَةَ حِيْنَ تَكُوْنَ الشَّمْسُ كَاَنَّهَا عَمَائِمُ الرِّجَالِ فِيْ وُجُوْهِهِمْ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ وَمِنَ الْمُزْدَلِفَةِ بَعْدَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ حِيْنَ تَكُوْنُ كَاَنَّهَا عَمَآئِمُ الرِّجَالِ فِيْ وُجُوْهِهِمْ وَاِنَّا لَانَدْفَعُ مِنْ عَرَفَةَ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَنَدْفَعُ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ هَدْيُنَا مُخَالِفٌ لِهَدْيِ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ وَالشِّرْكِ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ خَطَبَنَا وَسَاقَهُ نَحْوَهُ ۔)

(۲۴۹۵) روایت ہے حضرت محمد ابن قیس ابن مخرمہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا تو فرمایا کہ جاہلیت والے جب عرفہ سے چلتے تھے۱؎ جبکہ سورج ایسا ہو جاتا تھا جیسے لوگوں کی پگڑیاں ان کے چہروں میں۲؎ غروب سے پہلے اور مزدلفہ سے آفتاب چمکنے کے بعد جب کہ دھوپ ایسی ہوتی جیسے لوگوں کی پگڑیاں ان کے چہروں میں اور ہم عرفہ سے سورج ڈوبنے تک روانہ ہوں گے اور مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے چلیں گے۔ ہمارا طریقہ بت پرستوں اور مشرکوں کے خلاف ہوگا۳؎ (بیہقی) وہاں یہ بھی روایت کی کہ ہم پر حضور نے خطبہ ارشاد کیا پھر اس کی مثل روایت کی۴؎

(۲۴۹۵)۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ عرفات میں دیا' کیونکہ وہاں ارکان حج سکھائے جاتے ہیں' اور ہوسکتا ہے کہ حج سے پہلے کسی جمعہ میں ارشاد فرمایا ہوتا کہ حج کو جانے والے ابھی سے احکام سیکھ لیں' اہل جاہلیت سے مراد قریش کے سواء دیگر کفار ہیں' قریش تو عرفات جاتے ہی نہ تھے' مزدلفہ سے ہی لوٹ جاتے تھے۲؎ یعنی آفتاب ڈوبنے سے کچھ پہلے وہ عرفات سے روانہ ہو جاتے تھے جب سورج کنارہ مغرب میں پہنچ جاتا اور اس کی دھوپ چہروں پر ایسی ہلالی پڑتی تھی جیسے پیشانی پر عمامہ کا حصہ یعنی سروں پر دھوپ نہ رہتی صرف چہروں پر اس طرح رہتی' یا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں پر دھوپ ایسی پڑتی تھی جیسے چہروں پر پگڑی کا کنارہ' عمامہ کی شکل نصف کرہ کی ہے' ایسے ہی پہاڑوں پر دھوپ کی شکل ہو جاتی تھی۔۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عرفات سے سورج ڈوبنے سے پہلے چلتے تھے' اور مزدلفہ سے سورج نکلنے کے بعد اسلام میں اس کے برعکس ہے کہ عرفات سے سورج ڈوبنے کے بعد چلتے ہیں تاکہ وہاں ہی رات کی ایک ساعت بھی گزر جائے۔ اور مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہو جائیں' کیونکہ پو پھٹنے پر دن نکل آتا ہے' رات و دن کا اجتماع عرفہ میں بھی کریں گے اور مزدلفہ میں بھی' مرقات میں ہے کہ اکثر علماء کے ہاں دن چھپے تک عرفہ میں رہنا واجب ہے اور دن نکلتے وقت تک مزدلفہ میں ٹھہرنا سب کے ہاں سخت مکروہ ہے۔۴؎ یہاں مشکوٰۃ شریف میں سفیدی چھوڑی ہوئی ہے' یعنی مؤلف کو یہ حدیث کہیں نہیں ملی' مگر شیخ ابن حجر اور جزری نے فرمایا کہ یہ حدیث بیہقی شعب الایمان میں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ اُغَيْلِمَةَ بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ عَلٰى حُمُرَاتٍ فَجَعَلَ يَلْطَحُ اَفْخَاذَنَا وَيَقُوْلُ اُبَيْنِيَّ لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۴۹۶) روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم بنی عبدالمطلب کے بچوں کو خچروں پر سوار کر کے آگے روانہ کردیا۔حضور انور ہماری رانوں کو ہاتھ لگاتے[۱] اور فرماتے تھے بچو سورج نکلنے سے پہلے جمرہ کو کنکر نہ مارو[۲] (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

(۲۴۹۶)[۱] یلطح لطح سے بنا،اس کے معنی ہتھیلی سے تھپکورنا،اس سے معلوم ہوا کہ خچر پر حج کرنا بلاکراہت جائز ہے۔[۲] یعنی تم اگرچہ رات ہی میں منیٰ پہنچ جاؤ گے مگر جمرہ کی رمی آفتاب نکلنے کے بعد کرنا،امام شافعی کے ہاں آدھی رات کے بعد رمی جائز ہے،اور امام ابوحنیفہ و احمد کے ہاں پوپھٹنے کے بعد رمی جائز ہے،مگر امام صاحب کے ہاں مستحب یہی ہے کہ آفتاب نکلنے کے بعد رمی کی جائے،یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے،اور امام شافعی صاحب کے خلاف۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ اَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاُمِّ سَلَمَةَ لَيْلَةَ النَّحْرِ فَرَمَتِ الْجَمْرَةَ قَبْلَ الْفَجْرِ ثُمَّ مَضَتْ فَاَفَاضَتْ وَكَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْيَوْمَ الَّذِيْ يَكُوْنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا .(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۴۹۷) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو بقرعید کی رات بھیج دیا[۱] انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ کے کنکر مارلئے[۲] پھر وہ چلی گئیں تو طواف زیارت کرلیا[۳] یہ دن وہ تھا جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس قیام فرما ہوتے تھے[۴] (ابوداؤد)

(۲۴۹۷)[۱] یعنی دسویں بقرعید کی شب مزدلفہ سے منیٰ روانہ فرمادیا مع بچوں اور دوسری ازواج کے جیسا کہ پہلے گزر چکا[۲] ظاہر ہے کہ فجر سے مراد نماز فجر ہے نہ کہ وقت فجر یعنی حضرت ام سلمہ نے پوپھٹنے کے بعد پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کی،پھر نماز فجر پڑھی،لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمادیا گیا تھا کہ آفتاب نکلنے سے پہلے رمی نہ کرنا،کہ وہاں بیان استحباب تھا اور یہاں جواز پر عمل ہے،جن بزرگوں نے فرمایا ہے کہ رات میں بھی رمی جائز ہے نصف شب کے بعد،یہ حدیث ان کی دلیل نہیں اور نہ حنفیوں کے خلاف،وقت رمی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے خیال رہے کہ حج کے احکام میں آئندہ راتیں دن میں شمار ہوتی ہیں نہ کہ گزشتہ راتیں،دیکھو نویں تاریخ کے بعد والی شب میں عرفات میں ٹھہر جانے سے حج مل جاتا ہے،لیکن اس سے پہلی رات میں حج نہیں ملتا،ایسے ہی گیارہویں بقرعید کی شب دسویں میں شمار ہوگی کہ اگر اس میں جمرہ عقبہ کی رمی کی گئی تو ہوجائے گی اگرچہ مکروہ ہوگی،مگر دسویں کی شب میں رمی درست ہی نہ ہوگی[۳] طواف زیارت کا وقت دسویں بقرعید کی صبح سے بارہویں کی مغرب تک ہے مگر دسویں کو کرلینا بہت بہتر۔[۴] یعنی حضرت ام سلمہ نے ان کاموں میں جلدی اس لئے کی کہ آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ان کے ہاں تھا تو آپ نے چاہا کہ ان عبادات سے جلد فارغ ہو جائیں تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اچھی طرح کرسکیں کہ وہ تمام عبادات سے افضل ہے دیگر ازواج کی چونکہ باری نہ تھی،اس لئے انہوں نے دن چڑھے اطمینان سے رمی کی۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يُلَبِّى الْمُقِيْمُ اَوِ الْمُعْتَمِرُ حَتّٰى يَسْتَلِمَ الْحَجَرَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ وَرُوِیَ

(۲۴۹۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ مقیم یا عمرہ کرنے والا حجر اسود چومنے تک تلبیہ کہے[۱] (ابوداؤد) ابوداؤد نے

مَوْقُوْفاً عَلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ ۔

فرمایا یہ حضرت ابن عباس سے موقوفاً مروی ہے۔

(۲۴۹۸)۱؎ یہ اور اوی کے شک کی بناپر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے مقیم فرمایا یا معتمر (لمعات) اور ہوسکتا ہے کہ مقیم سے مراد وہ شخص ہو جو مکہ مکرمہ میں ٹھہرا ہوا ہو خواہ وہاں کا باشندہ ہو یا باہر کا آدمی ٹھہر گیا ہو اور معتمر سے مراد وہ ہے جو باہر سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ وارد ہوا' دونوں سے مراد عمرہ کرنے والے ہی ہیں یعنی عمرہ والا کوئی بھی ہو مکہ کا یا باہر کا سنگ اسود چومتے ہی تلبیہ ختم کردے' جیسے کہ حاجی جمرہ عقبہ کی رمی پر تلبیہ ختم کرتا ہے' مرقات میں یہ حدیث اس باب میں تبعًا لائی گئی کہ اس سے حج کے تلبیہ بند کرنے کا حکم اشارۃً معلوم ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُرْوَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ الشَّرِيْدَ يَقُوْلَ اَفَضْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا مَسَّتْ قَدَمَاهُ الْاَرْضَ حَتّٰى اَتٰى جَمْعاً ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۲۴۹۹) روایت ہے حضرت یعقوب ابن عاصم ابن عروہ سے کہ انہوں نے حضرت شرید کو فرماتے سنا۱؎ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات چلا تو آپ کے قدم شریف زمین سے نہ لگے حتی کہ مزدلفہ میں پہنچ گئے۔۲؎ (ابوداؤد)

(۲۴۹۹)۱؎ یعقوب ابن عاصم ابن عروہ ابن مسعود تابعی ہیں ثقفی ہیں اور شرید ابن سوید کا نام مالک ہے یہ زمانہ جاہلیت میں اپنی قوم کا ایک آدمی قتل کرکے مکہ بھاگ آئے تھے۔ اس لئے ان کا لقب شرید ہوگیا (مرقات) ۲؎ یعنی سرکار عرفات سے مزدلفہ تک پیدل چلنے کے لئے کہیں نہ اترے' سواری پر ہی رہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں' کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس راہ میں ایک جگہ پیشاب کیلئے اترے' استنجا فرما کر وضو کیا' عرض کیا گیا' حضور نماز مغرب؟ فرمایا نماز آگے ہے' چونکہ یہاں چلنے کیلئے اترنے کی نفی ہے اور وہاں حاجت کے لئے اترنے کا ثبوت' خیال رہے کہ پیدل حج کا بہت ثواب ہے کہ ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں کا وعدہ ہے' اور سواری پر حج سنت رسول ہے ثواب اس کا زیادہ تقرب اس میں زیادہ' جیسے بعد وتر نفل کھڑے ہو کر پڑھنے کا ثواب زیادہ اور بیٹھ کر پڑھنے کا تقرب زیادہ کہ سرکار یہ نفل بیٹھ کر ہی پڑھتے تھے۔ یہاں پیدل حج سے مراد مکہ مکرمہ سے عرفات جانا آنا ہے نہ کہ گھر سے پیدل جانا۔

وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سَالِمٌ اَنَّ الْحَجَّاجَ بْنَ يُوْسُفَ عَامَ نَزَلَ بِابْنِ الزُّبَيْرِ سَاَلَ عَبْدَاللّٰهِ كَيْفَ نَصْنَعُ فِي الْمَوْقِفِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ سَالِمٌ اِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السُّنَّةَ فَهَجِّرْ بِالصَّلٰوةِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ صَدَقَ اِنَّهُمْ كَانُوْا يَجْمَعُوْنَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي السُّنَّةِ فَقُلْتُ لِسَالِمٍ اَفَعَلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَالِمٌ وَهَلْ يَتَّبِعُوْنَ ذٰلِكَ اِلَّا سُنَّتَهٗ

(۲۵۰۰) روایت ہے حضرت ابن شہاب سے فرماتے ہیں مجھے سالم نے خبر دی کہ جس سال حجاج ابن یوسف نے حضرت ابن زبیر پر حملہ کیا۱؎ تو اس نے حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ ہم عرفہ کے دن قیام گاہ میں کیا کریں سالم نے فرمایا کہ اگر تو سنت پر عمل چاہتا ہے تو عرفہ کے دن نماز ظہر دوپہری میں ہی پڑھ۲؎ اس پر عبداللہ ابن عمر نے فرمایا یہ سچے ہیں صحابہ کرام بطریق سنت ظہر و عصر جمع کرکے پڑھتے۳؎ تھے تو میں نے سالم سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ عمل کیا ہے تو سالم نے فرمایا کہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

ہی کی پیروی کرتے تھے۴؎ (بخاری)

(۲۵۰۰)۱؎ ابن شہاب امام زہری کی کنیت ہے اور سالم عبداللہ ابن عمر کے فرزند ہیں' حجاج ابن یوسف ثقفی مشہور ظالم حاکم گزرا ہے جو عبدالملک ابن مروان کی طرف سے حجاز کا گورنر تھا' اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمی باندھ کر قتل کرائے۔ (مرقات) جو جنگوں میں مارے گئے وہ اس کے علاوہ ہیں' اس نے عبداللہ ابن زبیر پر حملہ کیا تھا جو کہ مکہ مکرمہ اور عراق کے بادشاہ بن چکے تھے انہیں سولی دی' عبدالملک نے اسی سال اسے حکم دیا کہ تو حج پر جا اور عبداللہ ابن عمر کی پیروی کر' ہر کام ان سے پوچھ کر کرنا' کسی کام میں ان کی مخالفت نہ کرنا تب اس نے آپ سے پوچھا۔۲؎ یعنی روزانہ ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھتے ہیں مگر نویں ذی الحجہ عرفات میں دوپہری میں زوال ہوتے ہی پڑھ لو۔۳؎ یعنی عرفہ میں دو کام نئے ہوں گے' ایک ظہر جلدی پڑھنا' دوسرے ظہر کے وقت میں عصر پڑھنا۴؎ یعنی ابن شہاب (امام زہری) نے حضرت سالم سے پوچھا کہ عرفات میں ظہر جلد پڑھنا اور عصر و ظہر ملا کر پڑھنا' صرف صحابہ کا اپنا اجتہادی عمل تھا یا سنت رسول اللہ بھی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ سنت ہے' خیال رہے کہ حضرت سالم اور حضرت عبداللہ ابن عمر کا اس موقع پر صحابہ کا عمل پیش فرمانا اس لئے تھا کہ حجاج ظالم کو انکار کی گنجائش نہ رہے' عمل عام کی مخالفت آسان نہیں ہوتی' سیدنا عبداللہ ابن عمر کو حجاج ہی نے ایک حیلہ سے شہید کرا دیا کہ آپ کے پاؤں شریف میں زہر آلودہ برچھی بہانہ سے چبھوا دی' علیہ ما علیہ (مرقات)

بَابُ رَمْیِ الْجِمَارِ
باب رمی جمروں کی

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

جمار جمرہ کی جمع ہے' عربی میں جمرہ چھوٹے کنکر یا سنگریزے کو کہتے ہیں مگر حج کے موقع پر ان سنگریزوں کو جمرہ کہا جاتا ہے جو دسویں گیارھوں بارہویں بلکہ تیرھویں ذی الحجہ کو تین ستونوں پر مارے جاتے ہیں' پھر خود ان ستونوں کو جمرہ کہا جانے لگا' جنہیں یہ کنکر مارے جاتے ہیں' کیونکہ وہاں ان کنکروں کا اجتماع ہوتا ہے' بعض لغت والے کہتے ہیں کہ اجمار کے معنی ہیں جلدی کرنا' تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جن حجاج کے کنکر قبول ہو جاتے ہیں' وہ غائب کر دیئے جاتے ہیں صرف غیر مقبول کنکر ہی وہاں رہتے ہیں' ورنہ وہاں ہر سال کنکریوں کے پہاڑ لگ جایا کرتے' اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ ان مقامات میں آدم علیہ السلام نے ابلیس کو کنکر مارے تھے جس سے وہ تیزی سے دوڑ گیا تھا یہ انہیں کی نقل ہے' بعض روایات میں ہے کہ یہاں اسمٰعیل علیہ السلام نے شیطان کو کنکر مارے تھے' بہر حال یہ فعل بھی بزرگوں کی نقل ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِیْ عَلٰی رَاحِلَتِهٖ يَوْمَ النَّحْرِ وَ يَقُوْلُ لِتَاْخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَاِنِّیْ لَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِیْ هٰذِهٖ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۰۱) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بقرعید کے دن اپنی سواری پر رمی کرتے دیکھا۱؎ آپ فرماتے تھے اپنے ارکان حج سیکھ لو مجھے خبر نہیں شاید میں اس حج کے بعد حج نہ کروں۲؎ (مسلم)

(۲۵۰۱)۱؎ تمام ائمہ کے ہاں سواری پر رمی کرنا جائز ہے' البتہ افضلیت میں فرق ہے' امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جس رمی کے بعد اور

بھی رمی ہو وہ رمی پیادہ افضل' کیونکہ اس وقت دعا مانگنا سنت ہے' اور دعا میں خشوع خضوع پیادہ ہونے سے زیادہ ہوگا اور جس رمی کے بعد دوسری رمی نہیں وہ سواری پر افضل' کیونکہ اس کے بعد کوئی دعا نہیں' یہ مسئلہ امام ابو یوسف نے اپنے نزع کی حالت میں ابراہیم ابن جراح کے سوال پر بیان فرمایا اور اس پر اسی وقت آپ کا انتقال ہوگیا' طرفین کے ہاں تمام رمی اس حدیث کی وجہ سے سوار ہو کر افضل' امام ابو یوسف نے اس سواری کو تعلیم پر معمول فرمایا' امام شافعی کے ہاں دسویں ذی الحجہ کو اگر منیٰ میں سوار ہو کر پہنچا تو سوار ہو کر رمی افضل' اور اگر پیادہ پہنچا تو رمی پیادہ افضل' گیارہویں کو پیادہ افضل اور تیرھویں کو سوار افضل واللہ اعلم (مرقات' اشعہ ولمعات) خلفاء راشدین کا عمل مختلف رہا ہے۔ بعض نے پیدل رمی کی بعض نے سواری پر۔۲؎ یعنی مجھے خبر ہے کہ میری وفات قریب ہے اگلا حج میری زندگی میں نہ آئے گا' مگر یہ خبر درایت یعنی اٹکل و قیاس سے نہیں بلکہ وحی الٰہی سے ہے' اس لئے لا ادری بھی فرمایا اور لا احج بھی' درایت اٹکل و قیاس کے علم کو کہتے ہیں' اسی لئے خدا کے علم کو درایت نہیں کہا جاتا' ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (۴۲،۵۲) اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے اور نہ احکام شرع کی تفصیل (کنزالایمان) تم اٹکل و قیاس سے کتاب و ایمان کو نہیں جانتے تھے ورنہ نبی کبھی ایمان سے بے خبر نہیں ہوتے' عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا تھا: اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ط

وَعَنْهُ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَى الْجَمْرَةَ بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۰۲) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے جمرہ کو ٹھیکری کے برابر کنکروں سے رمی کیا۱؎ (مسلم)

(۲۵۰۲) ۱؎ اس کی شرح ابھی گزر چکی کہ یہ کنکر باقلا کے دانہ سے لیکر چھوہارے کی گٹھلی یا انگلی کے پورے کے برابر ہوں' اور بہتر یہ ہے کہ اسے کلمہ کی انگلی پر رکھ کر انگوٹھے کے سرے سے پھینکے' مگر اب یہ کثرت ہجوم کی وجہ سے مشکل ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ رَمٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَّاَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۰۳) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن دوپہر کے وقت جمرہ کی رمی کی مگر اس کے بعد سورج ڈھل جانے پر۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۵۰۳) ۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کرلے اور گیارہویں کو زوال کے بعد' فتح القدیر میں ہے کہ ان دو تاریخوں میں زوال سے پہلے رمی کا وقت ہوتا ہی نہیں' ہاں ابوحنیفہ سے ایک غیر مشہور سی روایت ہے کہ ان دو دنوں میں زوال کے بعد رمی افضل ہے اور پہلے بھی جائز' بخاری شریف میں عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ ہم تمام صحابہ سورج ڈھلنے کا انتظار کرتے تھے' ڈھلنے پر رمی کرتے تھے' امام ماوردی نے اس جگہ مسئلہ اجماع بیان فرمایا' تیرھویں ذی الحجہ کو بالاتفاق زوال سے پہلے بھی جائز ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ اِنْتَهٰى اِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَّسَارِهٖ وَمِنًى عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَرَمٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُّكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَمَى الَّذِىْ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۰۴) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ وہ بڑے جمرہ پر پہنچے تو بیت اللہ کو اپنے بائیں اور منیٰ کو اپنے دائیں رکھا اور سات کنکریاں ماریں۱؎ کہ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے پھر فرمایا اسی طرح انہوں نے رمی کی جن پر سورۃ بقرہ اتری۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۵۰۴)۱؎ آپ نے جمرہ عقبہ کی اس رخ پر کھڑے ہوکر رمی کی اور باقی جمروں کو روبقبلہ ہوکر' یہی ہمارے ہاں مستحب ہے جمہور کا یہی قول ہے'ان کا ماخذ یہ حدیث ہے'بعض کے نزدیک ہر جمرہ کی رمی روبقبلہ ہوکر کی جائے' امام شافعی کے ہاں جمرہ عقبہ کی رمی کعبہ کو پشت کرکے کی جائے' یہ حدیث ان سب کے خلاف ہے۔۲؎ ساتھ سے مراد متصل ہے۔لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہر کنکری کے بعد تکبیر کہی' ربّ تعالٰی بلقیس کا قول نقل فرماتا ہے' اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمَانَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۲۷'۴۴) اب سلیمان کے ساتھ اللہ کے حضور گردن رکھتی ہوں جو ربّ سارے جہان کا (کنزالایمان) یہاں بھی معیت سے اتصال مراد ہے' سیدنا عبداللہ ابن عمر ہر کنکر پر یہ پڑھتے تھے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللھم اجعلہ حجا مبرورًا و ذنبًا مغفورا و عملا مشکورا اور فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا چونکہ ارکان حج زیادہ سورۃ بقر میں ہیں' اس لئے سورۂ بقر کا ذکر کیا' ورنہ حضور پر سارا ہی قرآن اترا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِسْتِجْمَارُ تَوٌّ وَرَمْيُ الْجِمَارِ تَوٌّ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ تَوٌّ وَالطَّوَافِ تَوٌّ وَاِذَا اسْتَجْمَرَ اَحَدُ كُمْ فَلْيَسْتَجْمِرْ بِتَوٍّ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۰۵) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجا طاق بار ہے۱؎ جمروں کی رمی طاق بار اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا طاق بار اور طواف طاق بار۲؎ اور جب تم میں سے کوئی ڈھیلے لے تو طاق بار۳؎ (مسلم)

(۲۵۰۵)۱؎ یہ حکم استحبابی ہے یعنی پاخانہ کے استنجاء میں تین ڈھیلے مستحب ہیں' یا میت کے کفن کو دھونی تین بار دینا مستحب ہے' استجمار کے دونوں معنی ہیں (اشعہ)۲؎ جمرہ کی رمی اور صفا مروہ کی دوڑ سات' بار واجب ہے' لیکن طواف کے چار چکر فرض ہیں باقی تین واجب' یہ مذہب احناف ہے' دیگر ائمہ کے ہاں ساتوں فرض۔۳؎ یہ کلام مکرر نہیں' کیونکہ پہلے استجمار سے دھونی مراد ہے یہاں ڈھیلے یا اس کے برعکس۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ عَلٰى نَاقَةٍ صَهْبَآءَ لَيْسَ ضَرْبٌ وَلَا طَرْدٌ وَلَيْسَ قِيْلُ اِلَيْكَ اِلَيْكَ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۵۰۶) روایت ہے حضرت قدامہ ابن عبداللہ ابن عمار سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بقرعید کے دن سرخ اونٹنی پر رمی کرتے دیکھا۲؎ نہ اونٹنی کو مارتھی نہ ہانک اور نہ ہٹو بچو فرمانا۳؎ (شافعی' ترمذی' ابن ماجہ' نسائی' دارمی)

(۲۵۰۶)۱؎ آپ مکہ معظمہ کے باشندے قدیم الاسلام صحابی ہیں' ہجرت نہ کرسکے' حجۃ الوداع میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' قبیلہ بنی کلاب یا بنی عامر سے ہیں۔۲؎ صہباء اصہب کا مؤنث ہے اصہب وہ اونٹ ہے جس کے بالوں کی نوکیں سرخ ہوں جڑیں وغیرہ سفید یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی اونٹنی پر سوار تھے جس کے بال ایسے تھے' غالبًا یہ اونٹنی قصواء تھی (لمعات)۳؎ یعنی جیسے امراء وسلاطین عمومًا لوگوں کو ہٹاتے بچاتے ہوئے اپنی سوری بڑھاتے ہیں' یہ عمل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ تھا' یہ سب ہم کو مساوات سکھانے کے لئے ہے' حج' نماز وہ عبادات ہیں جو شاہ و گدا کو ایک کردیتی ہیں۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ رَمْيُ الْجِمَارِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِاَقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ ۔

(۲۵۰۷) روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا جمروں کی رمی اور صفا مروہ کے درمیان دوڑ ذکر اللہ قائم کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہے[۱] (ترمذی دارمی ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے)

(۲۵۰۷)[۱] یعنی رمی اور سعی کے درمیان جو تکبیریں اور دعائیں ہوتی ہیں وہی ان عبادتوں کا مغز ہیں تو جو شخص یہ کام تو کرے اور ان میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو اس نے عبادت کا قالب تیار کیا مگر اس میں روح نہ پھونکی یا یہ مطلب ہے کہ یہ کام گزشتہ بزرگوں کی یادگاریں ہیں کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے ان مقامات پر شیطان کے کنکر مارے جب اس نے آپ کو قربانی سے روکنے کی کوشش کی اور آدم علیہ السلام نے بھی جمرہ عقبہ کی جگہ شیطان کو کنکر مارے ہیں اسی لئے دسویں بقرعید کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرتے ہیں اور باقی دو یا تین دن میں تینوں جمروں کی تاکہ دونوں بزرگوں کی یادگاریں قائم رہیں ایسے ہی صفا مروہ کے درمیان دوڑ حضرت ہاجرہ کی اس دوڑ کی یادگار ہے جو آپ نے تلاش پانی میں کی جس کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پانی کا چشمہ پیدا ہوا آپ خوشی خوشی آئیں اور اس چشمہ کے آس پاس ریت کی دیوار بنادی اور فرماتی تھیں مَآءُ زَمْ زَمْ اے پانی تھم تھم تو ہر حاجی کو یہ افعال انہی بزرگوں کی نقل میں کرنے چاہئیں کہ اچھوں کی نقل بھی اچھی ہوتی ہے (مرقات واشعہ) ورنہ ان فعلوں کا عبادت ہونا عقل سے وراء ہے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا نَبْنِيْ لَكَ بِنَآءً يُظِلُّكَ بِمِنًى قَالَ لَا مِنًى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۵۰۸) روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم منیٰ میں آپ کے لئے کوئی گھر نہ بنادیں جو آپ پر سایہ کرے[۱] فرمایا نہیں۔ منیٰ اس کی جگہ ہے جو پہلے پہنچ جائے[۲] (ترمذی ابن ماجہ دارمی)

(۲۵۰۸)[۱] یعنی آپ کے لئے یہاں پختہ عمارت بنادیں جو ہمیشہ آپ کے اور آپ کی اولاد کے لئے خاص رہے کسی کو وہاں ٹھہرنے کا حق نہ ہو لہذا اس سے عارضی خیمے ڈال لینا منع نہیں سایہ سے مراد قوی سایہ ہے جس میں دھوپ کا اثر نہ ہو وہ چھت ہی کا ہوتا ہے۔ خیمہ کا سایہ ضعیف ہے[۲] مناخ اناخة کا اسم مفعول ہے بمعنی ظرف اناخة کے معنی ہیں اونٹ بٹھانا یعنی سارا منیٰ زمین موقوفہ ہے جس میں سارے مسلمان شریک ہیں اور برابر کے حقدار اگر یہاں عمارتیں بننا شروع ہوگئیں تو حجاج پر سخت تنگی ہوگی سڑکوں راستوں اور بازار کے عمومی مقامات کا یہی حکم ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین حرم ساری موقوف ہے اس کے کسی حصہ کا کوئی مالک نہیں ہوتا (مرقات) امام صاحب کی دلیل یہ آیت ہے سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ (۲۲،۲۵) کہ اس میں ایک سا حق ہے وہاں کے رہنے والے اور پردیسی کا (کنزالایمان)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقِفُ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ وُقُوْفًا طَوِيْلًا يُكَبِّرُ اللّٰهَ وَيُسَبِّحُهُ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُو اللّٰهَ وَلَا يَقِفُ عِنْدَ

(۲۵۰۹) روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر پہلے دو جمروں کے پاس بہت دراز ٹھہرتے تھے[۱] اللہ کی تکبیر تسبیح اور حمد کرتے رہتے تھے اللہ سے دعا مانگتے رہتے اور جمرہ عقبہ کے پاس

جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

نہ ٹھہرتے۲ (مالک)

(۲۵۰۹)۱یعنی جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کی رمی کے بعد بقدر سورۂ بقرٹھہر کر دعائیں کرتے تھے' اس طرح کہ دونوں جگہ کے قیام سورہ بقر کی تلاوت کے بقدر ہوتے' ان دونوں جگہ میں تمام اماموں کے نزدیک ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگنا سنت ہے' امام مالک کے، ہاں ہاتھ اٹھانا منع' شاید انہیں ہاتھ اٹھانے کی حدیث نہ پہنچی' یہ حدیث بخاری میں ہے'۲یعنی جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد ٹھہر کر دعا نہ مانگتے تھے' ٹھہرنے کی نفی ہے نہ کہ دعا مانگنے کی' جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد نہ دسویں ذی الحجہ کو ٹھہرتے تھے نہ اس کے بعد۔

بَابُ الْهَدْيِ
ہدی کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

هـدی هـديةٌ کی جمع ہے بمعنی پیش کش کی چیز' شریعت میں ہدی وہ جانور ہے جو بیرون حرم سے حرم شریف میں قربانی کے لیے لایا جائے' اونٹ اور گائے کی ہدی بالاتفاق جائز ہے' بھیڑ بکری کی ہدی ہمارے امام صاحب کے ہاں جائز' دیگر اماموں کے ہاں منع' خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں جس جانور کی قربانی جائز ہے اس کی ہدی بھی جائز ہے' ہدی صرف زمین حرم میں ہوسکتی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: ثُـمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (۲۲'۳۳) پھر ان کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک (کنزالایمان) اور قربانی ہر جگہ' رب تعالیٰ فرماتا ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۲'۱۰۸) تو تم اپنے ربّ کے لئے نماز پڑھو اور قربانی دو (کنزالایمان) مسلم بخاری میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج وداع میں سو اونٹ ہدی لے گئے' بعض روایات میں ہے کہ آپ عمرہ حدیبیہ میں ستر اونٹ اور اس کی قضاء میں ساٹھ اونٹ (مرقات واشعہ)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ دَعَا بِنَاقَتِهٖ فَاَشْعَرَهَا فِىْ صَفْحَةِ سَنَامِهَا الْاَيْمَنِ وَسَلَتَ الدَّمَ عَنْهَا وَقَلَّدَهَا نَعْلَيْنِ ثُمَّ رَكِبَ رَاحِلَتَهٗ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهٖ عَلَى الْبَيْدَآءِ اَهَلَّ بِالْحَجِّ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۱۰) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ذی الحلیفہ میں ظہر پڑھی۱ پھر آپ نے اونٹنی منگائی اس کے کوہان کے داہنے حصہ میں نیزہ مارا اور اس سے خون لیپ دیا اور دو جوتوں کا اسے ہار پہنایا۲ پھر اپنی سواری پر سوار ہو گئے پھر جب اونٹنی آپ کو لے کر بیداء میدان میں سیدھی ہوئی تو حج کا تلبیہ پڑھا۳ (مسلم)

(۲۵۱۰)۱حج وداع کے موقع پر اور یہیں سے احرام باندھا' یہ جگہ اہل مدینہ کا میقات ہے' جو مدینہ منورہ سے قریباً تین میل فاصلہ پر ہے' اب اسے بیرعلی کہتے ہیں ۲یہ اونٹنی ہدی کی تھی منجملہ دیگر اونٹنیوں کے' اہل جاہلیت ہدی کے جانور کا کوہان چیر کر اس کا کوہان خون سے رنگ دیتے تھے اور گلے میں جوتا ڈال دیتے تھے تا کہ یہ ہدی کی علامت ہو' کوئی ڈاکو و چور اس پر حملہ نہ کرے' اور اگر یہ جانور راستہ میں تھک کر رہ جائے کہ اسے وہیں ذبح کرنا پڑ جائے تو اس کا گوشت اس علامت کی بنا پر صرف فقراء کھائیں امیر نہ کھائیں' چونکہ اس کام میں کوئی برائی نہ تھی فائدہ ہی تھا' اس لئے اسلام نے اسے باقی رکھا' یہ فصد وختنہ اور زخم پر داغ لگانے کی طرح ہے' ہمارے امام صاحب نے مطلقاً اشعار (کوہان چیرنا) کو منع نہ فرمایا' بلکہ اپنے زمانہ کے اشعار کو منع کیا کہ لوگ اتنا گہرا گھاؤ لگاتے تھے جو ہدی میں سرایت کر جاتا تھا اور مدہ

مکرمہ پہنچتے پہنچتے اس میں کیڑے پڑ جاتے تھے' غرض یہ کہ جسے اشعار کرنا نہ آئے اسے مکروہ ہے (مرقات' لمعات' اشعہ) دیکھو آج عموماً اونٹ کو ذبح کرتے ہیں نحر نہیں کرتے' کیونکہ نحر جانتے نہیں حالانکہ اونٹ میں نحر سنت ہے' خیال رہے کہ اشعار صرف اونٹ اور گائے میں ہوگا بکری میں نہ ہوگا کیونکہ وہ کمزور ہے اس میں صرف ہار ڈالا جائے گا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔۳؎ یعنی احرام کے سارے کام غسل' تبدیلی لباس اور نوافل تو پہلے ادا کر لیئے' مگر بلند آواز سے تلبیہ اب کہا جائے گا' یہاں فقط حج کا ذکر ہے مگر حضرت انس کی روایت میں جو مسلم بخاری میں ہے حج وعمرہ دونوں کا ذکر ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا تھا شاید اس راوی نے لفظ عمرہ سنا نہیں یا اس کا ذکر نہیں کیا کہ حج مقصود ہے اور عمرہ تابع۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَهْدَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً اِلَى الْبَيْتِ غَنَماً فَقَلَّدَهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۱۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف کی طرف بکری ہدی بھیجی جسے ہار پہنا دیا۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۵۱۱)۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ بکری کی ہدی بھی جائز ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے' دوسرے یہ کہ بکری کا اشعار نہ ہوگا بلکہ اسے صرف ہار یعنی رسی میں جوتا ڈال کر پہنایا جائے گا اس پر تمام ائمہ متفق ہیں' تیسرے یہ کہ بکری کی ہدی میں ہار پہنانا سنت ہے' اس میں امام مالک کا اختلاف ہے' خیال رہے کہ یہ بکری قربانی کی نہ تھی' اسی لئے مکہ معظمہ بھیجی گئی' قربانی ہمیشہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہی میں کی ہے' بعض جہلاء نے اس حدیث کی بنا پر کہہ دیا کہ قربانی صرف مکہ مکرمہ میں ہوسکتی ہے اور جگہ نہیں ہوسکتی' نعوذ باللہ

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَائِشَةَ بَقَرَةً يَوْمَ النَّحْرِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۱۲) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی طرف سے بقرعید کے دن ایک گائے قربانی کی۱؎ (مسلم)

(۲۵۱۲)۱؎ غالباً یہ قربانی ہے جو مدینہ منورہ میں کی گئی' گائے میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں مگر ایک کی طرف سے بھی جائز ہے' اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ گائے کی قربانی بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے' دوسرے یہ کہ کسی کا کارمختار اس کی طرف سے قربانی کرسکتا ہے' اذن خصوصی سے بھی اور اذن عمومی سے بھی اس لئے کہ یہاں ام المومنین کی خصوصی اجازت لینے کا ذکر نہیں' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو محض ہندوؤں کو خوش کرنے کیلئے قربانی گائے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خلاف اسلام ہے' مرقات نے فرمایا کہ افضل قربانی اونٹ کی ہے پھر گائے کی۔

وَعَنْهُ قَالَ نَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَآئِهٖ بَقَرَةً فِيْ حَجَّتِهٖ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۱۳) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں اپنی تمام بیویوں کی طرف سے ایک گائے قربانی کی۱؎ (مسلم)

(۲۵۱۳)۱؎ یہ دوسرا واقعہ ہے جو حج میں ہوا' اور یہ قربانی نہیں' کیونکہ مسافر پر قربانی' واجب نہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج میں مسافر تھے بلکہ یہ حج کا دم ہے نحر بمعنی ذبح ہے کیونکہ گائے کو نحر کرنا منع ہے' اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج پاک کی طرف سے ایک

گائے دی ہے تو یہ حضور کی خصوصیات سے ہے' آپ نے تو اپنی ساری امت کے فقراء کی طرف سے ایک بکری بھی قربانی دی ہے' فقراء کروڑوں ہیں' اور اگر یہ گائے کچھ ازواج کی طرف سے تھی' اور کچھ ازواج کو ان سو اونٹوں میں شریک فرمالیا ہو' تو یہ عمومی حکم ہے' امام مالک اس حدیث کی بناء پر فرماتے ہیں کہ ایک گائے تمام گھر والوں کی طرف سے درست ہے اگرچہ سات سے زیادہ ہوں' مگر یہ استدلال کچھ کمزور سا ہے کہ اس میں وہ احتمالات ہیں جو عرض کیے گئے۔

وَعَنْ عَـآئِشَةَ قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَ بُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّـمَ بِيَدَيَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا وَاَشْعَرَهَا وَاَهْدَاهَا فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ اُحِلَّ لَهٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۱۴) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے اپنے ہاتھوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدیوں کے ہار بٹے حضور نے انہیں پہنائے اور ان کا اشعار کیا اور ان کی ہدی بھیجی ۱ اس سے آپ پر کوئی حلال چیز حرام نہ ہوئی ۲ (مسلم بخاری)

(۲۵۱۴) ۱ یہ واقعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج سے ایک سال پہلے کا ہے جب آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو حج کے موقع پر مکہ معظمہ کچھ اعلانات کے لئے امیر حج بنا کر بھیجا' ۲ ام المومنین کو خبر پہنچی تھی کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس ہدی بھیجنے والے کو محرم مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تک مکہ معظمہ میں اس کی ہدی ذبح نہ ہو جائے تب تک یہ تمام ممنوعات احرام سے بچے' ان کے جواب میں آپ یہ فرما رہی ہیں کہ ہدی بھیجنے سے انسان محرم نہیں ہو جاتا' سیدنا عبداللہ ابن عمر' عطاء' مجاہد سعید ابن جبیر کا بھی یہی مذہب تھا' شاید ان بزرگوں کو یہ حدیث پہنچی نہیں۔

وَعَنْهَـا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدِيْ ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ اَبِيْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۱۵) روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں میں نے اپنے پاس کی اون سے ہدیوں کے ہار بٹے پھر حضور انور نے وہ مکہ معظمہ میرے والد کے ساتھ بھیج دیئے ۱ (مسلم بخاری)

(۲۵۱۵) ۱ یہ پہلی حدیث کا ہی بیان ہے' آپ سے جناب مسروق و دیگر تابعین یہ مسئلہ پوچھنے آتے تھے تو آپ مختلف عنوان سے اسے بیان فرماتی تھیں' صحاح' ستہ' بزار' وغیرہ میں مختلف الفاظ سے یہ حدیث منقول ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّـمَ رَاٰى رَجُلًا يَّسُوْقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بَـدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ فِي الثَّانِيَةِ اَوِ الثَّالِثَةِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۱۶) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ہدی کا ایک اونٹ ہانک رہا ہے ۱ فرمایا اس پر سوار ہو جا وہ بولا یہ تو بدنہ ہے' ۲ فرمایا سوار ہو جا وہ پھر بولا یہ بدنہ ہے تو دوسری یا تیسری بار میں فرمایا تجھ پر افسوس ہے ارے سوار ہو جا ۳ (مسلم بخاری)

(۲۵۱۶) ۱ کیونکہ خود اس کے پاس سواری نہیں ہے' پیدل چل رہا ہے' سخت مشقت میں ہے اور ہدی کو ہانکتا ہوا لے جا رہا ہے ۲ یعنی ہدی ہے' ہدی کو بدنہ اس لیے کہتے ہیں کہ مسلمان ایسے جانور کو کھلا پلا کر خوب موٹا کرتے تھے جیسے آج بعض شوقین اپنی قربانی سال بھر تک کھلا پلا کر موٹی کرتے ہیں' بدنہ کے معنی ہیں ڈیل دار جسیم شحیم جانور' اسی لئے بکری کو بدنہ نہیں کہتے' صرف اونٹ یا گائے کو کہتے ہیں' رب تعالٰی فرماتا ہے وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (۲۲:۳۶) یہ قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے ہم نے تمہارے لئے اللہ کی

نشانیوں سے کئے (کنزالایمان) وہاں بھی اونٹ اور گائے ہی مراد ہے۳؎ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ بدنہ یعنی ہدی کے اونٹ پر سوار ہونا واجب ہے کیونکہ یہ امر وجوب کے لیے ہے بعض نے فرمایا مطلقاً جائز ہے' بعض نے فرمایا جائز ہے مگر اس شرط سے' کہ اس سواری سے جانور میں عیب نہ پیدا ہو جائے مگر امام ابوحنیفہ وشافعی رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ مجبوراً وضرورۃً جائز' بلاضرورت منع' جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے یہاں پر وہ شخص مجبور ومعذور تھا جیسا کہ لفظ یسوق سے معلوم ہو رہا ہے (ازمرقات)

وَعَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَبْنَ عَبْدِاللّٰهِ سُئِلَ عَنْ رُکُوْبِ الْهَدْیِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ارْکَبْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَیْهَا حَتّٰی تَجِدَ ظَهْرًا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۱۷) روایت ہے حضرت ابوالزبیر سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر ابن عبداللہ کو سنا کہ ان سے ہدی پر سوار ہونے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس پر احتیاط واعتدال سے سوار ہو جاؤ جب تمہیں اس کی ضرورت پڑے حتیٰ کہ دوسری سواری پالو۲؎ (مسلم)

(۲۵۱۷)۱؎ آپ کا نام محمد ابن مسلم ہے' تابعی ہیں' مکی ہیں' وسیع العلم عالم ہیں' آپ نے صرف حضرت جابر سے احادیث سنی ہیں' ۱۲۵ھ میں وفات پائی' ۲؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے کہ دو شرطوں سے ہدی پر سواری جائز ہے' ایک یہ کہ حاجی اس پر مجبور ہو' دوسرے یہ کہ احتیاط سے سواری کرے اسے دوڑا کر یا مار پیٹ کر ناقص نہ کردے' بعض علماء کے ہاں اگر ناقص کر دیا' تو اس کا بدل نقصان خیرات کرنا پڑے گا' امام اعظم کے ہاں ہدی پر سامان لادنا ضرورۃً بھی جائز نہیں' امام شافعی' مالک واحمد علیہم الرحمۃ کے ہاں جائز ہے (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِسِتَّةَ عَشَرَ بَدَنَةً مَعَ رَجُلٍ وَّاَمَّرَهٗ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ اَصْنَعُ بِمَا اُبْدِعَ عَلَیَّ مِنْهَا قَالَ اِنْحَرْهَا ثُمَّ اصْبَغْ نَعْلَیْهَا فِیْ دَمِهَا ثُمَّ اجْعَلْهَا عَلٰی صَفْحَتِهَا وَلَا تَاْکُلْ مِنْهَا اَنْتَ وَلَا اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ رُفْقَتِكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۱۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ساتھ سولہ ہدی کے اونٹ بھیجے کہ اسی شخص کو ان کا منتظم بنایا۱؎ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ کہ ان میں سے اس کا کیا کروں جو تھک رہے۲؎ فرمایا اسے ذبح کر دو پھر اس کے جوتے اس کے خون میں رنگ دو پھر وہ جوتے اس کے کوہان کے حصہ پر رکھ دو۳؎ اور اس سے نہ تم کھاؤ' نہ تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی کھائے۴؎ (مسلم)

(۲۵۱۸)۱؎ ان صاحب کا نام ناجیہ ابن جندب اسلمی ہے' ان کے ذمہ راستہ کی حفاظت' اور وہاں پہنچ کر ذبح کا انتظام تھا' یہ واقعہ حضور علیہ السلام کے حج سے ایک سال پہلے ہی کا ہے جس میں ابوبکر صدیق امیر الحج تھے اور یہ صاحب امیر ہدی' اس لیے فیہا فرمایا۔۲؎ ابداع کے معنی ہیں تھک کر رہ جانا' اگر اس کے بعد ب آئے تو معنی ہوتے ہیں انسان کا بے سواری رہ جانا' کہ وہ سواری پر تھا سواری چلنے کے قابل نہ رہی' یہ پیدل رہ گیا' اور اگر علٰے آئے تو معنی ہوتے ہیں جانور کا رہ جانا' چونکہ یہ حضرت ہدی پر سوار نہ تھے اس لئے عَلَیَّ فرمایا یعنی اگر کوئی ہدی جانور راستہ میں تھک کر آگے چلنے کے قابل نہ رہے تو اس کا کیا کروں۔۳؎ تاکہ بعد میں آنیوالوں کے لیے علامت ہو کہ یہ ہدی کا جانور ہے تو کوئی امیر نہ کھالے' فقراء کھائیں' ۴؎ خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہدی کا جانور حرم شریف میں پہنچ کر وقت پر ذبح ہو تو اسے ہدی والا بھی کھا سکتا ہے' اور دوسرے امیر وغریب بھی' لیکن اگر راستہ ہی میں ذبح کرنا پڑ جائے' تو ہدی والا بھی نہ کھائے' کوئی امیر بھی نہ کھائے' یہ صدقہ ہے'

صرف فقراء کھائیں' جیسے قربانی کا جانور اگر قربانی کے دنوں میں ذبح ہو تو قربانی والا اور سارے مسلمان امیر و غریب کھائیں' اگر وقت سے پہلے ذبح کرنا پڑ جائے' تو بعض صورتوں میں صرف فقراء کھا سکتے ہیں' قربانی والا اور امراء نہیں کھا سکتے' اور بعض صورتوں میں اس کے احکام جداگانہ ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجیہ ابن جندب اور ان کے ساتھیوں کو کھانے سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ سب حضرات غنی تھے ان میں فقیر کوئی نہ تھا (عرفات)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَّالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۱۹) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ اور سات کی طرف سے گائے ذبح کی ا (مسلم)

(۲۵۱۹) ا یہ حدیث ائمہ کرام کی دلیل ہے کہ اونٹ و گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں جنہوں نے کہا کہ اونٹ میں دس اور گائے میں سات' ان کے خلاف ہے' خیال رہے کہ احناف کے ہاں بدنہ اونٹ و گائے دونوں کو کہتے ہیں' امام شافعی کے ہاں صرف اونٹ کو بظاہر یہ حدیث ان کی دلیل ہے' مگر عربی میں تجرید کر کے لفظ کو بعض معنی میں استعمال کر لیتے ہیں' یہاں ایسا ہی ہے کہ بدنہ سے مراد اس کا ایک فرد یعنی اونٹ لیا اور گائے کا ذکر علیحدہ کیا' جبکہ یہاں ہی لفظ میں تضمین کر کے نحر و ذبح دونوں مراد لئے گئے' ورنہ نحر صرف اونٹ کا ہوتا ہے' گائے کو ذبح ہی کرنا چاہیے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اَتٰى عَلٰى رَجُلٍ قَدْ اَنَاخَ بَدَنَتَهٗ يَنْحَرُهَا قَالَ ابْعَثْهَا قِيَاماً مُّقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۲۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ ایک شخص پر گزرے جس نے ہدی کا اونٹ نحر کرنے کیلئے بٹھایا تھا فرمایا اسے اٹھا کر کھڑا کرو پاؤں باندھ دے یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے ا (مسلم بخاری)

(۲۵۲۰) ا خلاصہ یہ ہے کہ اونٹ کی نحر سنت ہے اور ذبح خلاف اولیٰ' نحر کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے اونٹ کا بایاں پاؤں رسی سے باندھ دیں' پھر سینے سے متصل گردن مین نیزہ ماریں اور اوپر کو کھینچیں تا کہ رگیں و حلقوم طول میں چر جائیں' جب گر جائے تو استعمال کریں لیکن جسے نحر نہ آتا ہو وہ ذبح کرے' رب تعالیٰ فرماتا ہے: فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ (۲۲:۳۶) تو ان پر اللہ کا نام لو ایک پاؤں بندھے تین پاؤں سے کھڑے (کنزالایمان) کے معنی ہیں تین پاؤں پر کھڑا ہوا' اور فرماتا ہے: فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا (۲۲:۳۶) پھر جب ان کی کروٹیں گر جائیں (کنزالایمان) جب اونٹ کی کروٹ زمین پر گرے' معلوم ہوا کہ کھڑا کر کے نحر کرو نحر کے بعد وہ گرے۔ گائے بکری وغیرہ میں ذبح چاہیے ذبح لٹا کر ہوتا ہے رگیں و حلقوم چوڑائی میں کاٹی جاتی ہیں (اشعہ و مرقات)

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ وَاَنْ اَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُوْدِهَا وَاَجِلَّتِهَا وَاَنْ لَّا اُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا قَالَ نَحْنُ نُعْطِيْهِ مِنْ عِنْدِنَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۲۱) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کے قربانی کے اونٹوں کا انتظام کروں ا اور ان کے گوشت کھالیں اور جھولیں خیرات کردوں ۲ اور یہ کہ ان میں سے قصائی کو کچھ نہ دوں فرمایا ہم قصائی کو اپنے پاس سے اجرت دیں گے ۳ (مسلم بخاری)

(۲۵۲۱) ا یہ واقعہ حج وداع کا ہے حضور انور نے سو اونٹ قربان کئے تھے' چھیاسٹھ دست اقدس سے اور چونتیس حضرت علی سے قربانی

کرائے ان اونٹوں کے متعلق یہاں ذکر ہے جو جناب علی سے قربانی کرائے گئے۔۲؎ اب بھی قربانی اور ہدی وغیرہ کا یہی حکم ہے جھول سے مراد وہ جھولیں ہیں جو قربانی کے جانور کیلئے خریدی گئی ہوں یا اس کے ساتھ آئی ہوں اور اگر اپنے پالتو جانوروں کی جھول قربانی کے جانور پر عارضی طور پر ڈال دی تو وہ اپنی ملکیت ہے اپنے کام میں لائے کھال کا خیرات کردینا استحبابی حکم ہے اگر چاہے تو قربانی والا اپنے کام میں لائے جوتا یا ڈول مصلے وغیرہ بنالے لیکن اگر کھال فروخت کردی تو قیمت خیرات ہی کرنی پڑے گی۔۳؎ قال کا فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی ہم قصائی کی مزدوری اپنی گرہ سے ادا کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ قصائی کو اجرت میں قربانی کا گوشت جھول کھال وغیرہ دینا ہرگز جائز نہیں اسے اجرت علیحدہ دو ہاں اجرت کے علاوہ اسلامی رشتہ سے اسے کچھ گوشت دے دو تو حرج نہیں ہمارے پنجاب میں قصائی قربانی کی مزدوری بھی لیتے ہیں اور خود ہی گوشت بھی رکھ لیتے ہیں بعض دفعہ وہ گوشت فروخت کرتے بھی دیکھے گئے یہ سخت ناجائز ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّالَا نَاكُلُ مِنْ لُحُوْمِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلٰثٍ فَرَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوْا وَتَزَوَّدُوْا فَاَكَلْنَا وَتَزَوَّدْنَا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۲۲) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں ہم اپنی قربانیوں کے گوشت تین دن سے زیادہ نہ کھاتے تھے۱؎ پھر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی فرمایا کھاؤ اور توشہ بناؤ پھر ہم نے کھایا بھی بچایا بھی (مسلم بخاری)

(۲۵۲۲)۱؎ یہ حکم شروع اسلام میں تھا جب مسلمانوں میں غریبی زیادہ تھی قربانی کرنے والے امیروں کو حکم تھا کہ تین دن کی بقدر گوشت رکھ لو باقی خیرات کردو کہ زیادہ فقراء گوشت کھاسکیں۔۲؎ اب منیٰ شریف میں عرب لوگ قربانی کے گوشت سکھا کر سال بھر تک کھاتے ہیں بالکل درست ہے کہ وہ ممانعت منسوخ ہوچکی اللہ نے مسلمانوں کو غنی کردیا علت گئی حکم بھی گیا خیال رہے کہ اگر ہدی حرم میں پہنچنے سے پہلے یا قربانی کے وقت سے پہلے مجبوراً ذبح کرنی پڑ جائے تو اس کا حکم یہ نہیں پھر وہاں صدقہ کرنا عبادت ہے ذبح کرنا عبادت نہیں اور جو اپنے وقت اپنی جگہ میں قربانی ہو اس کا ذبح کرنا عبادت ہے کھائے جس کا جی چاہے کہ عبادت ادا ہوچکی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْدٰى عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ فِیْ هَدَايَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَلاً كَانَ لِاَبِیْ جَهْلٍ فِیْ رَاْسِهٖ بُرَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَّفِیْ رِوَايَةٍ مِّنْ ذَهَبٍ يُغِيْظُ بِذٰلِكَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۲۵۲۳) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال ہدی بھیجی۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدیوں میں ابوجہل کا اونٹ بھی تھا۔جس کے سر میں چاندی کی بالی تھی اور ایک روایت میں ہے سونے کی بالی تھی۔جس سے مشرکین کو جلائیں۲؎ (ابوداؤد)

(۲۵۲۳)۱؎ یعنی جس سال حضور انور عمرہ کرنے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور مشرکین مکہ نے مقام حدیبیہ میں آپ کو روک لیا یعنی ۶ھ میں اسی سال آپ اپنے ہمراہ ہدی لے گئے تھے بھیجنے سے مراد خود لے جانا ہے کیونکہ حضور انور نے ہدی کے جانور حدیبیہ میں ہی ذبح کردیئے تھے کہ وہ جگہ حدود حرم میں ہے مکہ معظمہ نہیں بھیجے تھے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اھدی کے معنی کئے جائیں حضور ہدی لے گئے تاکہ یہ دھوکہ نہ پڑے کہ حضور خود تو حدیبیہ میں رہ گئے اور ہدی مکہ معظمہ میں بھیج دی۔۲؎ ابوجہل کا یہ اونٹ جنگ بدر میں بطور غنیمت مسلمانوں کے

ہاتھ لگا تھا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لیا تھا اس سال مکہ معظمہ اسے لے جانا مشرکین کو جلانے کے لیے تھا' اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی کاموں سے مشرکوں کو جلانا بھی عبادت ہے' قربانی گائے میں یہ راز بھی ہے' ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (۴۸،۲۹) تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں (کنزالایمان) شعر۔

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل   یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے

بعض روایات میں ہے کہ تابنے کی بالی اس کے سر میں تھی' ہوسکتا ہے کہ اس کی ناک کان وغیرہ میں مختلف سوراخ ہوں' کسی سوراخ میں سونے کی بالی ہو' کسی میں چاندی کی' کسی میں تانبے کی' روایات متعارض نہیں۔

وَعَنْ نَاجِيَةَ الْخُزَاعِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ كَيْفَ اَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْبُدْنِ قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اغْمِسْ نَعْلَهَا فِيْ دَمِهَا ثُمَّ خَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا فَيَاكُلُوْنَهَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ نَاجِيَةَ الْاَسْلَمِيِّ ۔

(۲۵۲۴) روایت ہے حضرت ناجیہ خزاعی سے[۱] فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس ہدی اونٹ کا میں کیا کروں جو تھک کر رہ جائے فرمایا اسے ذبح کردو۔ پھر اس کی جوتی اس کے خون میں بھگو دو پھر اسے لوگوں میں چھوڑ دو کہ اسے کھالیں[۲] (مالک' ترمذی' ابن ماجہ) ابوداؤد' دارمی نے یہ حدیث ناجیہ اسلمی سے روایت کی[۳]

(۲۵۲۴)[۱] آپ کا نام ذکوان ابن جندب یا ابن عمرو ہے' چونکہ آپ نے قریش کے شر سے نجات حاصل کی تھی' اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام ناجیہ رکھا یعنی بہت نجات پانے والا' امیر معاویہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی' آپ کا لقب صاحب بُدن ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بُدنے لے جانے والا (اکمال' اشعہ) [۲] یعنی جو ہدی حرم شریف تک نہ پہنچ سکے' راستہ میں مرنے لگے تو اسے وہاں ہی ذبح کردو' اور تمہارے ساتھیوں اور دوسرے لوگوں میں جو غریب فقیر ہوں وہ اس کا گوشت کھائیں' اس سے معلوم ہوا کہ ہدی کا جانور صرف حرم شریف میں ذبح ہوسکتا ہے اور جگہ نہیں' اگر اسکی قربانی دوسری جگہ بھی ہو جاتی' تو ہر فقیر و امیر بلکہ خود قربانی والے کو بھی کھانا جائز ہوتا' یہ بھی معلوم ہوا کہ بیمار جانور کا گوشت حلال ہے' حرام یا مکروہ نہیں۔[۳] تقریب میں ہے کہ ناجیہ ابن جندب ابن عمیر اسلمی اور صاحب ہیں' اور ناجیہ ابن حارث خزاعی دوسرے صحابی ہیں' بعض لوگوں نے ان دونوں کو ایک سمجھ لیا' یہ غلط ہے' تہذیب میں ہے' ناجیہ ابن جندب ابن کعب ابن جندب یا ناجیہ ابن کعب ابن عمیر ابن یعمر اسلمی ہیں' مگر امام احمد نے انہیں ناجیہ ابن حارث خزاعی فرمایا' غالبًا صاحب مصابیح نے امام احمد ابن حنبل کی اتباع میں انہیں ناجیہ خزاعی کہا اور صاحب مشکوٰۃ نے جنہوں نے جمہور علماء کی اتباع میں ناجیہ اسلمی فرمایا (مرقات) اشعہ نے فرمایا کہ نسبتوں میں فرق ہے' ذات ایک ہی ہے' کسی نے انہیں اسلمی کہا کسی نے خزاعی۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَاللّٰهِ يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ قَالَ ثَوْرٌ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ قَالَ وَقُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُدْنَاتٌ خَمْسٌ اَوْسِتٌّ مَطْفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيَّتِهِنَّ يَبْدَاُ قَالَ فَلَمَّا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا قَالَ فَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيَّةٍ لَمْ

(۲۵۲۵) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن قرط سے[۱] وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اللہ کے نزدیک بہت عظمت والا دن بقر عید کا دن ہے[۲] پھر قرار کا دن' ثور فرماتے ہیں وہ دوسرا دن ہے[۳] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پانچ چھ اونٹ ذبح کے لیے پیش کئے گئے تو وہ اپنے کو حضور کے آگے کرنے لگے کہ کس سے حضور ذبح شروع کریں[۴] پھر جب وہ کروٹوں کے

اَفْهَمْهَا فَقُلْتُ مَا قَالَ قَالَ قَالَ مَنْ شَآءَ اقْتَطَعَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ بْنِ عَبَّاسٍ وَّجَابِرٍ فِيْ بَابِ الْاُضْحِيَّةِ .

بل گر گئے تو حضور نے آہستہ سے کچھ فرمایا جسے میں سمجھ نہ سکا۔ میں نے پوچھا۵ کہ حضور نے کیا فرمایا تو بتایا کہ یہ فرمایا جو چاہے اسے کاٹ لے۶ (ابوداؤد) اور حضرت ابن عباس و جابر کی حدیث قربانی کے باب میں ذکر کی گئی۔

(۲۵۲۵) ۱؎ ان کا نام زمانہ جاہلیت میں شیطان تھا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا' ۲؎ یعنی قربانی کے دنوں میں سب سے افضل دن دسویں بقرعید ہے یا عشرہ ذی الحجہ میں یہ دن افضل ہے' لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض روایات میں کہ عرفہ کا دن افضل ہے بعض میں ہے کہ ماہ رمضان کا عشرہ افضل ہے' اور ہوسکتا ہے کہ ان میں سے سب ہی افضل ہوں مختلف جہات سے لہٰذا حدیث واضح ہے۔ ۳؎ یعنی بقرعید کی گیارھویں چونکہ دسویں بقرعید کو حجاج مزدلفہ سے منیٰ پہنچتے ہیں اور بارھویں کو منیٰ سے مکہ معظمہ روانہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے انہیں یوم النفر کہا جاتا ہے' اور گیارھویں کو حجاج منیٰ میں ہی ٹھہرے رہتے ہیں' اس لئے اسے یوم القر کہتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ قربانی کے تین دنوں میں افضل دن دسواں پھر گیارھواں پھر بارھواں اور ہفتہ کے دنوں میں جمعہ سال کے ایام میں عرفہ افضل (اشعہ) ۴؎ یعنی ہر اونٹ چاہتا تھا کہ حضور میری قربانی پہلے کریں' اور آپ کے ہاتھ سے ذبح ہونے کا شرف مجھے حاصل ہو' اس لئے ہر ایک اپنی گردن پیش کرتا تھا۔ شعر۔

ہمہ آہوانِ صحرا سرخود نہادہ برکف بامید زانکہ روزے بشکار خواہی آمد

اور شکار شکاری سے بھاگتے ہیں' مگر محبوب ایسے شکاری ہیں کہ شکار اپنی گردنیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں' عشاق تو اپنے دل قربانی کے لئے پیش کرتے ہیں' مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ شعر:۔

اویم طائفی درزیر پا کن شراک از رشتہ جانہائے ما کن

حضور کی یہ محبوبیت آپ کا زندہ جاوید معجزہ ہے' جانور بھی حضور کے ہاتھ سے ذبح ہو جانے کو زندگی سے بہتر جانتے ہیں ۵؎ یعنی جو شخص حضور سے قریب تھا اس سے میں نے پوچھا کیونکہ میں کچھ دور ہونے کی وجہ سے سن نہ سکا تھا ۶؎ معلوم ہوا کہ قربانی کے گوشت کی تملیک بھی جائز ہے اور اباحت بھی بعض علماء نے اس حدیث سے نچھاور' بکھیر اور چھوہارے و پیسے لٹانے پر دلیل پکڑی ہے کہ وہاں عملاً اباحت عامہ ہی ہوتی ہے (اشعہ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَّفِيْ بَيْتِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِيَ قَالَ كُلُوْا وَاَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جُهْدٌ فَاَرَدْتُّ اَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهِمْ .

(۲۵۲۶) روایت ہے سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جو قربانی کرے تو تیسرے کے بعد سویرا اس حال میں نہ ہو کہ اس کے گھر میں قربانی سے کچھ ہو ۱؎ پھر جب اگلا سال ہوا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم پچھلے سال کی طرح اس سال بھی کریں۔ فرمایا خوب کھاؤ کھلاؤ اور بچاؤ (ذخیرہ کرو) کیونکہ پارسال تو لوگوں کو بھوک تھی اس لئے ہم نے چاہا کہ تم

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ان کی مدد کرو۔۲ (مسلم بخاری)

(۲۵۲۶)۱؎ یعنی اپنی قربانی کرنے سے تین دن اس کا گوشت کھا سکتے ہو، چوتھے دن سے پہلے ہدیہ و خیرات کر کے ختم کردو لہذا جس نے بارھویں تاریخ کو قربانی کی ہے وہ چودھویں بلکہ پندرھویں تک اس کا گوشت کھا سکتا ہے شَــیءٌ سے مراد گوشت ہے، کھال و بال اس میں داخل نہیں ۲؎ جہد جیم کے فتح سے بمعنی مشقت اور جیم کے پیش سے بمعنی کوشش کرنا، یہاں دونوں بن سکتے ہیں یعنی وہ حکم منسوخ ہے، اور ایک ضرورت کی بنا پر عارضی طور پر دیا گیا تھا کہ اس وقت مسلمانوں پر غربت زیادہ تھی بہت کم مسلمانوں نے قربانیاں کی تھیں، اگر قربانی والے ہی گوشت کا ذخیرہ کرلیتے تو فقراء کو کیا ملتا، اس سال رب کا فضل ہے قربانیاں عام ہوئی ہیں۔ لہذا خوب کھاؤ خوب بچاؤ، فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضور احکام شرعیہ کے مالک ہیں، آپ کو حرام و حلال فرمادینے کا رب نے اختیار دیا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ (۳:۵۰) اور اس لئے کہ حلال کروں تمہارے لئے کچھ وہ چیزیں جو تم پر حرام تھیں (کنز الایمان) اور فرماتا ہے وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (۹:۲۹) اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے (کنز الایمان) یعنی اے اہل کتاب یہ نبی اس لئے تشریف لائے ہیں تاکہ تم پر بعض حرام کردہ چیزوں کو حلال فرمائیں اور وہ کفار اللہ رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے، اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفٰی میں دیکھیے۔

وَعَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا كُنَّا نَهَيْنَا كُمْ عَنْ لُحُوْمِهَا اَنْ تَاْكُلُوْا فَوْقَ ثَلٰثٍ لِكَيْ تَسَعَكُمْ جَآءَ اللّٰهُ بِالسَّعَةِ فَكُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَاْتَجِرُوْا اَلَا وَاِنَّ هٰذِهِ الْاَيَّامَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَّذِكْرِ اللّٰهِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۵۲۷) روایت ہے حضرت نبیشہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم نے تم لوگوں کو قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع کیا تھا تاکہ تم سب کو فراخی ہو۱؎ اب اللہ نے گنجائش و غنا بخش دی لہذا اب کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور ثواب کماؤ۲؎ یہ کھانے پینے اور ذکر الٰہی کرنے کے دن ہیں ۳؎ (ابوداؤد)

(۲۵۲۷)۱؎ اس طرح کہ تھوڑے گوشت کو امیر فقیر سب مل بانٹ کر کھائیں، یعنی وہ گوشت تم سب میں کچھ نہ کچھ پہنچ جائے ۲؎ یعنی خیرات کر کے ثواب کماؤ یعنی کچھ کھاؤ کچھ بچاؤ کچھ خیرات کرو، کھانے میں اپنا کھانا بھی داخل ہے اور دوست واحباب کا بھی، قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنا بہتر ہیں، ایک اپنے لئے، دوسرا احباب کے لیے تیسرا فقراء کے لئے، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس گوشت کے کھانے، بچانے، لٹانے سب میں ثواب ہے ۳؎ اسی لئے ان دنوں یعنی ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے، کیونکہ سب مسلمان اللہ کے مہمان ہیں۔

بَابُ الْحَلْقِ
سرمنڈانے کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حج وعمرہ سے فارغ ہونے پر مردوں کو سرمنڈانا بھی جائز ہے اور کتروانا بھی مگر منڈانا افضل، لیکن عورتوں کو منڈانا حرام لہذا وہ اپنے بال کی نوکیں کٹوائیں گی چہارم سر کے بال کٹوانا یا منڈوانا ضروری ہے، پورا سر سنت، جیسے کہ مسح سر میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواء حج وعمرہ کے کبھی سر نہ منڈایا، داڑھی منڈانا حرام ہے، جسم کے باقی بالوں میں بہت تفصیل ہے، گنجا شخص

بھی احرام کھولتے وقت سر پر استرہ پھروائے اور جو روزانہ عمرہ کرے وہ بھی ہر دفعہ سر پر استرہ پھرا لیا کرے (از اشعہ)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَقَ رَاْسَهٗ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَاُنَاسٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۲۸) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کچھ صحابہ نے حجۃ الوداع میں سر منڈائے اور بعض نے بال کٹوائے ا(مسلم بخاری)

(۲۵۲۸) ایعنی حجۃ الوداع کے موقع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام نے سر مبارک منڈائے اور بعض صحابہ نے بال کٹوائے عمرہ میں حضور نے بھی بال کٹوائے، جیسا کہ اگلی حدیث میں آ رہا ہے، لہذا سر منڈانا اور کتروانا دونوں جائز ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے: مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ (۴۸، ۲۷) اپنے سروں کے بال منڈاتے یا ترشواتے (کنزالایمان)۔ مگر منڈانا افضل ہے، سارا سر منڈانا یا کتروانا چاہیے، کہ بعض سر منڈانا، کتروانا قزع کہلاتا ہے جو شرعاً مکروہ ہے امام مالک کے ہاں پورا سر منڈانا یا کتروانا فرض ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ لِيْ مُعَاوِيَةُ اِنِّيْ قَصَّرْتُ مِنْ رَّاْسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْمَرْوَةِ بِمِشْقَصٍ ۔(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۲۹) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت معاویہ نے فرمایا کہ میں نے مروہ کے پاس تیر سے ا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹے تھے ۲ (مسلم بخاری)

(۲۵۲۹) امشقص کے حقیقی معنی ہیں لمبا دھار دار تیر، مجازاً قینچی کو بھی کہہ دیتے ہیں، یہاں یا حقیقی معنی میں ہے کیونکہ بڑھے ہوئے بال کسی چیز پر رکھ کر تیر کی نوک سے کاٹ دیتے ہیں، یا مجازی معنی میں ہے یعنی قینچی (مرقات) ۲ محدثین نے اس حدیث کو بہت مشکل فرمایا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں حضور انور نے قران کیا تھا، اور قارن منیٰ میں بال اترواتا ہے نہ کہ مروہ پہاڑ پر، اور جب حضور انور نے عمرہ قضا کیا تھا تو امیر معاویہ اسلام نہ لائے تھے، آپ تو فتح مکہ کے دن ایمان لائے، اس لئے بعض شارحین نے کہا کہ شاید یہ عمرہ جعرانہ میں ہوا ہوگا جب غزوہ حنین سے فارغ ہو کر حضور نے راتوں رات عمرہ کیا تھا، ہم نے اپنی کتاب ''امیر معاویہ پر ایک نظر'' میں ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ عمرہ قضا میں ہوا، اور امیر معاویہ صلح حدیبیہ کے دن ایمان لا چکے تھے مگر ایمان کا اظہار فتح مکہ کے دن کیا، جیسے حضرت عباس ابن عبدالمطلب قدیم الاسلام تھے مگر اظہار فتح مکہ میں کیا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْ وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۳۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا ا اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحم کر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کترانے والوں پر بھی حضور نے فرمایا الٰہی سر منڈانے والوں پر رحم کر لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کترانے والوں پر بھی تو فرمایا کترانے والوں پر ۲ (مسلم بخاری)

(۲۵۳۰) ایہ دعا یا تو منیٰ میں مانگی یا اس دن جس دن صحابہ نے عمرہ کر کے احرام کھولے خیال رہے کہ بعض روایات میں ہے کہ حضور نے حدیبیہ کے دن یہ دعا کی، ہوسکتا ہے کہ دونوں موقع پر کی ہو۔ ۲ اس سے معلوم ہوا کہ احرام کھولتے وقت سر منڈانا افضل ہے کہ حضور انور نے منڈانے والوں کیلئے تین بار دعا کی: وَالْمُقَصِّرِيْنَ میں منڈانے والوں کا بھی ذکر ہے اور کترانے والوں کے لیے ایک بار وہ بھی صحابہ کرام کی عرض پر، رب توفیق دے تو وہاں منڈائے، رب تعالٰی نے بھی پہلے منڈانے والوں کا ذکر فرمایا پھر کترانے والوں کا۔

وَعَنْ يَحْيَى بْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ جَدَّتِهِ اَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ دَعَا لِلْمُحَلِّقِيْنَ ثَلٰثاً وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ مَرَّةً وَاحِدَةً ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۳۱) روایت ہے حضرت یحیٰی ابن حصین سے وہ اپنی دادی سے راوی[۱] انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں سنا کہ آپ نے سرمنڈانے والوں کے لئے تین بار دعا کی اور کترانے والوں کیلئے ایک بار[۲] (مسلم)

(۲۵۳۱)[۱] ان کی دادی صاحبہ کا نام حصین بنت اسحاق ہے۔ یہ بنی احمس سے ہیں' حجۃ الوداع میں حضور کے ہمراہ تھیں' صحابیہ ہیں' مگر یحیٰی ابن حصین تابعی ہیں[۲] یہ حدیث پچھلی حدیث کی شرح ہے کہ وہاں بھی منڈانے والوں کو تین بار دعا دی گئی ہے' دو بار صراحۃً اور ایک بار وَالْمُقَصِّرِيْنَ کے ساتھ کہ واؤ اشتراک کے لئے ہے' چونکہ منڈانے والا بالکل ہی ترک زینت کرتا ہے' اور کترانے والا اپنی زینت باقی رکھتا ہے' لہذا پہلا شخص ہی زیادہ دعا کا مستحق ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى مِنًى فَاَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ اَتٰى مَنْزِلَهُ بِمِنًى وَنَحَرَ نُسُكَهُ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَنَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْاَيْمَنَ فَحَلَقَهُ ثُمَّ دَعَا اَبَاطَلْحَةَ الْاَنْصَارِيَّ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ فَقَالَ احْلِقْ فَحَلَقَهُ فَاَعْطَاهُ اَبَاطَلْحَةَ فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۳۲) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تشریف لائے تو جمرہ پر آئے اسے کنکر مارے پھر اپنے منیٰ کے خیمہ میں تشریف لائے اور قربانی کا جانور ذبح کیا پھر مونڈنے والے کو بلایا[۱] اور اسے اپنی داہنی جانب پیش کی اس نے مونڈ دی[۲] پھر ابوطلحہ انصاری کو بلایا وہ بال انہیں عطا فرمادیئے پھر بائیں جانب حالق کے سامنے کی فرمایا مونڈ دو اس نے مونڈ دی پھر وہ بال ابوطلحہ کو عطا فرماکر فرمایا انہیں لوگوں میں بانٹ دو[۳] (مسلم بخاری)

(۲۵۳۲)[۱] ان مونڈنے والے کا نام معمر ابن عبداللہ قرشی عدوی ہے جو قدیم الاسلام صحابی ہیں' مسند امام احمد میں ہے کہ جب معمر نے داہنے ہاتھ میں استرہ لیا اور مونڈنے لگے' تو حضور نے فرمایا اے معمر اس نعمت کی قدر کرو' انہوں نے عرض کیا کہ مجھ پر اللہ کی بڑی نعمت یہ ہے کہ آج میرا ہاتھ حضور کے سرمبارک پر ہے (اشعہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجی بقرعید کے دن پہلے رمی پھر قربانی پھر حجامت کرے' ہمارے ہاں یہ ترتیب واجب ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن سو قربانیاں کی تھیں' ۶۳ اپنے دست مبارک سے باقی ۳۷ سیدنا علی سے کرائیں۔[۲] اس سے معلوم ہوا کہ حجامت میں دایاں حصہ پہلے' بایاں حصہ بعد میں منڈانا چاہیے' امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ نائی کا دایاں اور بایاں معتبر ہے کہ فاعل وہ ہے' اس صورت میں محلوق کا بایاں پہلے منڈے گا دایاں بعد میں' مگر یہ حدیث سن کر امام صاحب نے اپنے قول سے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ حدیث قیاس پر مقدم ہے اگر نائی پیچھے کھڑا ہوکر حجامت بنائے' تو دونوں کا دایاں بایاں ایک ہی سمت میں ہوگا (مرقات) حجامت کے بعد لب و داڑھی بنوانا' پھر ناخن ترشوانا سنت ہے۔ (مرقات)[۳] اس موقع پر حضور انور نے اپنے ناخن شریف بھی لوگوں میں تقسیم کرائے' یہ بال و ناخن تبرک کے لئے ساروں میں تقسیم کئے گئے ان میں سے بعض حضرات تو یہ تبرکات اپنی قبروں میں لے گئے تاکہ وہاں کی مشکلات آسان ہوں جیسے حضرت امیر معاویہ وعمرو ابن عاص وغیرہم' اور بعض حضرات چھوڑ گئے تاکہ قیامت تک مسلمان انکی زیارت کرتے رہیں' چنانچہ آج تک مختلف جگہ یہ بال شریف موجود ہیں اور ان کی زیارتیں ہورہی ہیں' صحابہ کرام ان بالوں کو پانی میں غوطہ دے کر دواء پیتے تھے' حضرت شیخ نے یہاں ایک شعر لکھا۔ شعر:۔

مرا از زلف تو موئے سند است — فضولی مے کنم بوئے سند است

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ انسان کے بال جدا ہو کر بھی پاک ہیں' دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور کے بعض اجزاء بدن شریف محفوظ رکھے ہیں تیسرے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات خصوصاً حضور کے بال و ناخن شریف سنبھال کر رکھنا' ان کی زیارت کرنا' ان سے شفا حاصل کرنا' ان کے توسل سے دعائیں مانگنا' قبر میں انہیں ساتھ لے جانا سب جائز و بہتر ہے کہ یہ تقسیم انہی مقاصد کے لئے ہوئی تھی' اس کی تحقیق شامی اور ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کیجئے اور انشاء اللہ اس شرح میں بھی اپنے موقع پر اس کا ذکر آئے گا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَيَوْمَ النَّحْرِ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۳۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھنے سے پہلے اور بقرعید کے دن بیت اللہ کے طواف سے پہلے وہ خوشبو ملتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا۔ (مسلم بخاری)

(۲۵۳۳) ام المومنین اس میں ان لوگوں کی تردید فرما رہی ہیں جو کہتے تھے کہ بقرعید کے دن طواف زیارت سے پہلے حاجی کو خوشبو لگانا حلال نہیں' طواف کے بعد حلال ہوگی' فرماتی ہیں کہ میں نے خود حضور انور کے کپڑوں میں طواف زیارت سے پہلے خوشبو ملی ہے معلوم ہوا کہ حاجی کو قربانی یا حلق سے ناقص تحلل حاصل ہو جاتا ہے جس سے بجز بیوی کے تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں اور طواف زیارت سے تحلل تام ہو جاتا ہے جس سے بیوی بھی حلال ہو جاتی ہے' خیال رہے کہ حضور انور نے حج تو صرف ایک ہی کیا مگر عمرہ چار کئے ہیں۔ لہٰذا ام المومنین کا فرمانا کہ خوشبو ملتی تھی مجموعہ کے لحاظ سے ہے' لہٰذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں' علماء فرماتے ہیں کہ بہترین خوشبو مشک و گلاب ہے کہ اس میں مہک اچھی ہوتی ہے مگر رنگت نہیں ہوتی۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَاضَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۳۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن طواف زیارت کیا پھر لوٹ کر نماز ظہر منیٰ میں پڑھی۔ (مسلم)

(۲۵۳۴) یہاں ارشاد ہوا کہ حضور انور نے منیٰ میں ظہر ادا کی' اور حضرت عائشہ و جابر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور انور نے مکہ معظمہ میں ہی ظہر ادا کی تھی' ہوسکتا ہے کہ ظہر تو مکہ معظمہ میں ہی پڑھی ہو' منیٰ میں واپسی پر جماعت ظہر تیار ہو اور بہ نیت نفل یہاں بھی شرکت فرمائی ہو' لہٰذا دونوں روایتیں درست ہوگئیں' یا فرائض ظہر تو مکہ میں پڑھے ہوں اور سنن و نوافل منیٰ میں' بہرحال احادیث میں تعارض نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عَلِيٍّ وَّعَائِشَةَ قَالَا نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَحْلِقَ الْمَرْاَةُ رَاْسَهَا . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۵۳۵) روایت ہے حضرت علی و عائشہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ عورت سر منڈائے۔ (ترمذی)

(۲۵۳۵)۱؎ عورت کو سر منڈانا حج وعمرہ میں بھی حرام ہے،ان کے علاوہ بھی یوں ہی فیشن کیلئے بال کٹوانا حرام ہے،حضور انور نے ان عورتوں پرلعنت فرمائی جو مردوں کی سی شکلیں بنائیں،عورت کو سر منڈانا ایسا حرام ہے جیسا مرد کو داڑھی منڈانا حرام کہ یہ مثلہ یعنی شکل بگاڑنا ہے،ہاں ضرورت ومعذوری میں تو اعضاء کٹوانا بھی درست ہوجاتا ہے ضروریات مستثنیٰ ہیں (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى النِّسَآءِ الْحَلْقُ اِنَّمَا عَلَى النِّسَآءِ التَّقْصِيْرُ . (اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۵۳۶) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورتوں پر سر منڈانا نہیں،عورتوں پر کتروانا ہے۱؎(ابوداؤد،دارمی)

(۲۵۳۶)۱؎ یعنی حج وعمرہ سے فارغ ہوکر مرد تو سر منڈائے یا بال کٹوائے اسے اختیار ہے،اور کٹوانے میں خواہ بالوں کی نوکیں ایک پورا بھر کٹوائے یا مشین چلاکر بالکل کٹوائے،مگر عورت احرام سے فارغ ہونے پر بالوں کی نوکیں ایک پورے بھر کٹوادے۔چہارم سر کے کٹوانا واجب ہے،پورے سر کے کٹوانا بہتر (لمعات ومرقات) لہذا اس سے آج کل کی عورتوں کے فیشنی بال کٹوانا ثابت نہیں ہوتا،یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے۔

بَابٌ

باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

یہاں مصنف نے باب کا ترجمہ وعنوان مقرر نہ فرمایا کیونکہ اس میں ارکان حج میں تقدیم وتاخیر و دیگر چیزیں مذکورہ ہیں لہذا یہ باب المتفرقات ہے ترجمہ مقرر نہ فرمانا اس طرف اشارہ ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْاَلُوْنَهٗ فَجَآءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ فَقَالَ اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَجَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ فَقَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا اُخِّرَ اِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ وَاَتَاهُ اٰخَرُ فَقَالَ اَفَضْتُ اِلَى الْبَيْتِ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ .

(۲۵۳۷) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں لوگوں کے سامنے قیام فرمایا۱؎ لوگ آپ سے مسائل پوچھتے تھے کہ ایک آدمی حاضر ہوا عرض کیا مجھے خبر نہ تھی ذبح سے پہلے سر منڈالیا۲؎ فرمایا اب ذبح کرلو کوئی حرج نہیں پھر دوسرا آیا عرض کیا مجھے مسئلہ معلوم نہ تھا میں نے رمی سے پہلے قربانی کرلی فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں۳؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے متعلق جو آگے پیچھے کردی گئی ہو سوال نہ ہوا،مگر حضور نے یہ ہی فرمایا اب کرلو کوئی حرج نہیں۴؎ (مسلم بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور کی خدمت میں ایک شخص آیا عرض کیا میں نے رمی سے پہلے سر منڈالیا فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں دوسرا آیا عرض کیا میں نے بیت اللہ کا طواف رمی

سے پہلے کرلیا فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں ۵؎

(۲۵۳۷)۱؎ صحیح تر یہ ہے کہ حجۃ کی ح اور الوداع کا واؤ دونوں مفتوح ہیں، حضور انور کسی عام جگہ اپنی ناقہ پر منیٰ میں اس لئے کھڑے رہے کہ لوگ حضور سے حج کے مسائل دریافت کرلیں، معلوم ہوا کہ علماء کو ایسا وقت نکالنا چاہیے کہ لوگ ان سے مل کر مسائل پوچھ سکیں یہ بھی سنت ہے۔۲؎ یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد پہلے قربانی کرتا پھر سر منڈاتا، مگر میں نے غلطی سے اس کے برعکس کرلیا کہ سر تو پہلے منڈالیا اور قربانی بعد میں کی یا تو مشغولیت ارکان کی وجہ سے خیال نہ رہا یا مسئلہ معلوم نہ تھا۔خیال رہے کہ اس وقت مسئلہ معلوم نہ ہونا عذر تھا کہ حج نیا نیا فرض ہوا تھا، اس کے مسائل پورے طور پر شائع نہ ہوئے تھے، اب مسائل سے بے خبری عذر نہیں کہ مسائل شائع ہو چکے، لوگوں پر بقدر ضرورت مسائل سیکھنا فرض ہے، غرضیکہ اب خطا تو عذر ہے جہالت عذر نہیں، جیسا کہ تمام کتب میں مذکور ہے۳؎ یعنی چونکہ تم نے یہ کام خطا یا بے علمی میں کیا لہذا تم پر کوئی گناہ نہیں، حرج بمعنی گناہ ہے۔۴؎ دسویں ذی الحجہ کو حج کے افعال چار ادا ہوتے ہیں اولاً جمرہ عقبہ کی رمی، پھر قربانی، پھر سر منڈانا، پھر طواف زیارت، ان چاروں ارکان میں ترتیب امام شافعی، احمد، اسحاق کے ہاں سنت ہے کہ اس کے بدل جانے سے دم واجب نہیں صرف ثواب میں کمی ہوگی، مگر ابن جبیر، امام مالک و امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنھم کے ہاں ان بعض میں ترتیب واجب ہے کہ بدل جانے سے دم واجب ہے ان بزرگوں کے ہاں لَاحَرَجَ کے معنی ہیں تم پر گناہ نہیں، مگر ان حضرات کے ہاں اس کے معنی ہیں تم پر لغو یہ یا قربانی واجب نہیں، مگر قول امام ابوحنیفہ قوی ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے بھی اس کی مثل روایت فرمائی، مگر وہ ترتیب بدلنے سے قربانی واجب فرماتے ہیں، جب راوی کا مذہب یہ ہے، تو معلوم ہوا کہ ان کے ہاں بھی اس حدیث کے یہ ہی معنی ہیں (مرقات ولمعات)۔۵؎ خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں رمی، ذبح، سر منڈانا ان میں ترتیب قارن اور متمتع پر واجب ہے، صاحبین کے ہاں سنت، یوں ہی قربانی حج کا صرف قربانی کے دنوں میں ہونا امام اعظم کے ہاں واجب ہے، مگر حرم میں ذبح ہونا بالاتفاق واجب کہ حرم کے علاوہ اور جگہ حج کی قربانی ادا نہیں ہوسکتی، مگر حلق وطواف یا رمی وطواف میں ترتیب واجب نہیں، یہ فرق بہت خیال میں رہے، لہذا اگر کوئی طواف پہلے کرے پھر رمی، تو اس پر دم واجب نہ ہوگا، دیکھو اس کی تفصیل کتب فقہ و مرقات میں اسی جگہ، یہ بھی، خیال رہے کہ جیسے نماز کے واجب رہ جانے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے ایسے ہی حج کا واجب رہ جانے سے دم یعنی قربانی واجب ہوتی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى فَيَقُوْلُ لَاحَرَجَ فَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ رَمَيْتُ بَعْدَ مَا اَمْسَيْتُ فَقَالَ لَاحَرَجَ .(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۵۳۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ میں بقرعید کے دن سوالات کئے جاتے تھے حضور یہ ہی فرماتے تھے۱؎ کوئی حرج نہیں ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ میں نے شام کے بعد رمی کی فرمایا کوئی حرج نہیں۲؎ (بخاری)

(۲۵۳۸)۱؎ یعنی دن بھر سوالات و جوابات کا سلسلہ قائم رہا کہ لوگ حضور سے پوچھتے تھے، حضور خندہ پیشانی سے جواب دیتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ حضور نے بہت حج کیے اور ہر حج میں یہ سوال و جواب کے واقعات پیش آئے۲؎ ظاہر یہ ہے کہ شام سے مراد سورج ڈوبنے کے بعد کا وقت ہے صبح کا مقابل، لہذا یہ حدیث احناف کے موافق ہے اور شوافع کے خلاف، کہ ان کے ہاں بقرعید کے دن کی رمی اگر سورج ڈوبے کی جائے تو قربانی واجب ہے، ہمارے ہاں گنہگار ہوگا، قربانی واجب نہ ہوگی، البتہ اگر گیارھویں تاریخ کو یہ رمی کرے تو دم واجب ہے، خیال رہے کہ بقرعید کے دن جمرہ عقبہ کی رمی صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے مکروہ ہے، سورج نکلنے سے زوال سے پہلے تک

سنت، زوال سے سورج چھپنے تک جائز رات میں جائز مگر مکروہ اور کل کو کرنا خلاف واجب ہے جس میں قربانی لازم، گیارھویں بارھویں بقرعید کو جمروں کی رمی زوال کے بعد سے سورج ڈوبے تک سنت ہے اور رات میں مکروہ تیرہ ذی الحجہ تک ان کی قضا کا وقت ہے، تیرھویں کے بعد نہ ادا کا وقت ہے نہ قضا کا، یہ تفصیل یاد رکھنی چاہیے، یہاں حرج نہیں کہ معنی ہیں قربانی واجب نہیں (مرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَفَضْتُ قَبْلَ اَنْ اَحْلِقَ قَالَ احْلِقْ اَوْقَصِّرْ وَلَا حَرَجَ وَجَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۵۳۹) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا بولا یارسول اللہ میں نے سرمنڈانے سے پہلے طواف کرلیا فرمایا کوئی حرج نہیں اب منڈالو یا کترو الو[۱] دوسرا آیا عرض کیا میں نے رمی سے پہلے ذبح کرلیا فرمایا کوئی حرج نہیں رمی کرلو[۲] (ترمذی)

(۲۵۳۹)[۱] یعنی طواف سرمنڈانے کے بعد سنت تھا، لیکن اگر اس کے برعکس ہوگیا، تو خیر، نہ اس میں گناہ ہے نہ قربانی نہ کفارہ نہ کوئی فدیہ، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ [۲] رمی سے پہلے ذبح کرلینے میں مفرد یعنی صرف حج کرنے والے پر نہ گناہ ہے نہ فدیہ نہ کفارہ یا نہ قربانی، ہاں بہتر تھا کہ رمی کے بعد کرتا مگر قران وتمتع والے پر عمداً ایسا کرنے میں گناہ بھی ہے کفارہ بھی اور خطاءً ایسا ہوجانے پر گناہ تو نہیں مگر کفارہ واجب ہے، اس کی تفصیل کتب فقہ میں اور مرقات میں ملاحظہ کیجئے، یہ شخص اگر مفرد تھا تب تو گناہ و کفارہ دونوں کی نفی ہے، اور اگر قارن یا متمتع تھا اور خطاء ایسا کر بیٹھا تھا تو گناہ کی نفی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَاْتُوْنَهٗ فَمَنْ قَآئِلٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَعَيْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ اَوْ اَخَّرْتُ شَيْئًا اَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُوْلُ لَاحَرَجَ اِلَّا عَلٰى رَجُلٍ اِقْتَرَضَ عَرْضَ مُسْلِمٍ وَّهُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِكَ الَّذِیْ حَرَجَ وَهَلَكَ . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۵۴۰) روایت ہے حضرت اسامہ ابن شریک سے[۱] فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں نکلا لوگ آپ کے پاس آتے تھے تو کوئی ملنے والا کہتا یارسول اللہ میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی[۲] یا کوئی رکن پیچھے کردیا[۲] یا آگے کرلیا تو آپ فرماتے تھے کوئی حرج نہیں[۳] ہاں حرج اس شخص پر ہے جو ظلم کرتے ہوئے کسی مسلمان کی آبروریزی کرے یہ وہ شخص ہے جو نقصان میں گیا اور ہلاک ہوگیا[۴] (ابوداؤد)

(۲۵۴۰)[۱] آپ اسامہ ابن شریک ذبیانی، ثعلبی ہیں، کوفہ کے ہیں، صحابی ہیں، ان سے زیادہ ابن علاقہ وغیرہ نے روایات لیں[۲] یعنی احرام باندھ کر جب مکہ معظمہ حاضر ہوا تو طواف قدوم سے پہلے سعی کرلی، پھر طواف قدوم کیا، حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ پہلے طواف قدوم کرتا پھر سعی[۳] حرج کے معنی پہلے عرض کردیئے گئے کہ ان تبدیلیوں سے حج باطل نہ ہوگا یا گناہ نہیں جبکہ سہواً کیا ہو کہ حج میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے غلطیاں ہوجاتی ہیں، اگرچہ بعض صورتوں میں دم یا کفارہ ہوجائے گا[۴] اس جملہ سے معلوم ہوا کہ گزشتہ تمام جگہ حرج سے مراد گناہ تھا نہ

کہ کفارہ وغیرہ ظلم کی قید اس لئے لگائی کہ ضرورۃً یا سزاءً تو مسلمان کی جان بھی لے سکتے ہیں' آخر قصاص' رجم میں جان لی جاتی ہے خلاصہ جواب یہ ہے کہ عبادات کی غلطی کا بدل ہوسکتا ہے' معاملات درست کرو کہ معاملات میں زیادتی' حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے' حاجی کو چاہیے کہ حج کے بعد اپنے معاملات بہت صاف رکھے اور کوئی حرکت ایسی نہ کرے جس سے حج برباد ہوجائے' حج کو سنبھالے رکھنا آسان ہے مگر بچانا مشکل۔

بَابُ خُطْبَةِ يَوْمِ النَّحْرِ وَرَمْيِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ وَالتَّوْدِيْعِ

باب بقرعید کے دن کا خطبہ اور تشریق کے دنوں کی رمی اور رخصتی طواف

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

اس باب میں تین چیزیں بیان ہوں گی' بقرعید کے دن کا خطبہ اور گیارھویں بارھویں کی رمی اور واپسی کے وقت کا طواف وداع' خطبہ خ کے کسرہ سے بمعنی عورت کو پیغام نکاح دینا' خ کے پیش سے عظیم الشان کام یا اعلیٰ مسجع کلام بشرطیکہ نظم میں نہ ہو نثر میں ہو' بقرعید کے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کے بعد والے تین دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں کہ ان دنوں میں اہل عرب قربانی کے گوشت سکھاتے انہیں دھوپ دیتے ہیں' تشریق بمعنی سکھانا' دھوپ دینا' بہتر یہ ہے کہ طواف وداع مکہ معظمہ سے واپسی ہوتے وقت کرلے پہلے نہ کرے' اہل مکہ پر نہ طواف قدوم ہے' نہ طواف وداع' یہ دونوں طواف باہر والوں کے لیے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ قَدِاسْتَدَارَ كَهَيْئَةِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَةُ اِثْنٰی عَشَرَ شَهْرًا مِّنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلٰثٌ مُّتَوَالِيَاتٌ ذُوالْقَعْدَةِ وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمَ وَرَجَبُ مُضَرَالَّذِیْ بَيْنَ جَمَادٰی وَشَعْبَانَ وَقَالَ اَیُّ شَهْرٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهٖ فَقَالَ اَلَيْسَ ذَاالْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ اَیُّ بَلَدٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهٖ فَقَالَ اَلَيْسَ الْبَلْدَةَ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاَیُّ يَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا

(۲۵۴۱) روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ بقرعید کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا[1] فرمایا کہ زمانہ گھوم پھر کر اپنی اسی حالت پر آگیا[2] جس پر اللہ نے اسے آسمان و زمین بنانے کے دن کیا تھا[3] سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں[4] تین تو مسلسل ہیں ذیقعدہ' ذی الحجہ' محرم چوتھا قبیلہ مضر کا ماہ رجب جو دو جمادوں اور شعبان کے درمیان ہے[5] فرمایا یہ کون مہینہ ہے ہم نے عرض کیا اللہ رسول جانیں حضور انور خاموش رہے حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ حضور اس کا اس کے نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے[6] تو فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا یہ کونسا شہر ہے ہم نے عرض کیا اللہ رسول جانیں حضور خاموش رہے حتی کہ ہم سمجھے آپ اس کے نام کے علاوہ کوئی اور نام

اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اسْمِہٖ قَالَ اَلَیْسَ یَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاِنَّ دِمَآئَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْاَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ اَلَافَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَاھَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

ہے ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا اچھا یہ کون دن ہے ہم نے عرض کیا اللہ رسول جانیں حضور خاموش رہے حتی کہ ہم سمجھے کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے (اصلی نام کے سوا) فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہم نے عرض کیا ہاں ۸؎ فرمایا تو تمہارے خون تمہارے مال تمہاری آبروئیں تم میں سے ایک دوسرے پر ایسی حرام ہیں جیسے ہمارے اس دن کی حرمت ہمارے اس شہر اور اس مہینہ میں ۹؎ تم عنقریب اپنے رب سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا ۱۰؎ تو خبردار میرے بعد گمراہ ہو کر نہ لوٹ جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں ۱۱؎ خبردار رہو کیا میں نے تبلیغ کردی سب بولے ہاں فرمایا الٰہی گواہ ہو جا لازم ہے کہ حاضرین غائبوں کو پہنچادیں بہت سے پہنچائے ہوئے سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے ۱۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۵۴۱) ۱؎ یہ خطبہ بمعنی وعظ و نصیحت ہے نہ کہ وہ خطبہ مسنونہ جو حج میں ہوتا ہے کہ وہ گیارھویں بقرعید کو منیٰ میں ہے، یہ خطبہ اس خطبہ کے علاوہ ہے جو نویں کو عرفات میں دیا جاتا ہے، ان خطبوں میں بقیہ ارکان حج کی تعلیم ہوتی ہے، اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ خطبہ حج نہیں ہے، ورنہ اس میں مسائل حج بیان ہوتے، یہ خطبہ بعد نماز ظہر تھا۔ ۲؎ زمانہ مطلقاً وقت کو کہتے ہیں، یہاں بمعنی سال ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہو رہا ہے، سال بھی قمری مراد ہے نہ کہ شمسی ۳؎ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں دو حرکتیں کرتے تھے ایک تو کبھی سال کو تیرہ ماہ کا بنا دینا، دوسرے مہینوں کی تبدیلی، اگر ان کی جنگ کے زمانہ میں ماہ حرم مثلاً رجب آ جاتا اور ابھی جنگ باقی ہوتی تو اسے کوئی اور مہینہ قرار دے لیتے، تاکہ جنگ جاری رکھ سکیں، پھر جنگ ختم ہونے کے بعد کسی اور مہینہ کو رجب مان لیتے، یوں ہی بقرعید میں تبدیلی کر لیتے تھے تاکہ حج جس موقع پر آسان ہو اس پر کر لیں، چنانچہ جس سال جناب آمنہ خاتون حاملہ ہوتی ہیں اسی سال رجب کو بقرعید مان کر حج کیا گیا تھا، اسی لئے روایات میں آتا ہے کہ جناب آمنہ کا حاملہ ہونا ایام منیٰ میں ہوا، جس سال حضور انور نے حج کیا اسی سال حسن اتفاق سے سال بارہ ماہ کا ہوا اور ہر مہینہ اپنے اصل پر منایا گیا، اس فرمان عالی میں یہ ہی ارشاد ہے کہ اس سال ہر مہینہ اس وقت ہوا ہے جس وقت رب نے اسے مقرر کیا تھا مہینے گھومتے پھرتے ہوئے اس سال اپنے صحیح وقت پر گزرے، ہماری اس تقریر سے وہ اعتراض اٹھ گیا کہ جب استقرار حمل شریف ایام حج میں ہوا اور ربیع الاول میں ولادت مبارک ہوئی تو نو ماہ کیسے پورے ہوئے، معلوم ہو گیا کہ وہ ماہ رجب تھا جسے بقرعید بنا کر حج کیا گیا تھا۔ ۴؎ حق یہ ہے کہ السنۃ جملہ مستقلہ ہے اور اثنا عشر بوجہ خبر مبتداء ہونے کے مرفوع ہے، بعض کے خیال میں السنۃ خلق کا مفعول اولیٰ ہے اثنا عشر مفعول دوم، اس فرمان میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۹:۳۶) بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے اللہ کی کتاب میں جب سے اس نے آسمان اور زمین بنائے (کنزالایمان) ۵؎ زمانہ جاہلیت میں یہ چار ماہ بڑی حرمت والے تھے جن میں جنگ حرام تھی، اسلام میں ان مہینوں کی حرمت تو برقرار رکھی کہ ان میں گناہ کو سخت جرم قرار دیا، جیسے بحالت احرام حرم شریف میں گناہ سخت جرم ہے، مگر جنگ کی حرمت کو منسوخ

فرمادیا' چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ طائف شوال میں اورغزوہ حنین ذی قعدہ میں کیا حضورانور کے بعد صحابہ کرام ہرمہینہ میں جہاد کرتے رہے' مضر ایک قبیلہ کے مورث اعلیٰ کا نام ہے جس کے نام سے یہ قبیلہ مضر کہلاتا ہے چونکہ وہ شخص لسی بہت پسند کرتا تھا اور اس کا رنگ بھی لسی کی طرح سفید تھا اس لئے اسے مضر کہتے تھے' مضر کے معنی ہیں مٹھا یا لسی' چونکہ یہ قبیلہ ماہ رجب کا بہت ہی ادب واحترام کرتا تھا' اس لئے رجب اس قبیلہ کی طرف منسوب فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ مکہ معظمہ ۸ھ میں فتح ہوا' اس سال حضور انور نے امیر الحج عتاب ابن اسید کو مقرر کیا اور ۹ھ کے حج کا امیر ابوبکر صدیق کو اور ۱۰ھ میں خود حج فرمایا' تو یقیناً ۹ھ و ۱۰ھ میں بھی ہرمہینہ اپنے موقع پر تھا اور حج صحیح وقت پر ادا ہوا تھا' ورنہ سرکار کبھی غلط وقت پر حج کی اجازت نہ دیتے' لہذا اس جملہ شریف کے یہ معنی نہیں کہ صرف اسی سال ہی سال درست گزرا' بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سال صحیح حج ہوا گزشتہ سالوں کی طرح' اور اب تم مہینے اس حساب سے گزارنا (مرقات و فتح الباری) خیال رہے کہ قبیلہ مضر نے ماہ رجب میں کبھی تبدیلی نہ کی تھی' اس لئے رجب کو انہیں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور انہیں کے رجب سے حساب لگتا تھا۔ ۶؎ یہ صحابہ کرام کا ادب بارگاہ رسالت ہے کہ باوجودیکہ وہ جانتے تھے کہ آج حج ہے' بقرعید کا مہینہ ہے' دسویں ذی الحجہ ہے مگر جواب نہ دیا کیونکہ رب نے فرمایا: لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۴۹،۱) اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو (کنزالایمان) حضور انور کا کچھ خاموش رہنا اہتمام کیلئے تھا کہ جو چیز انتظار کے بعد معلوم ہو وہ یادخوب رہتی ہے' اس جواب سے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ رسول جانیں' معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر رب کے ساتھ کرنا شرک نہیں عین ایمان ہے' اللہ رسول کے ملانے کا نام ایمان ہے الگ کرنے کا نام کفر' رب تعالٰی فرماتا ہے: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا (۴،۱۵۱) یہی ہیں ٹھیک ٹھیک کافر (کنزالایمان) ۷؎ صحابہ کے اس گمان سے معلوم ہورہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نام تبدیل کرنے کا اختیار ہے' اور آپ ہی کا رکھا ہوا نام باقی رہے گا' دیکھو حضور نے ایک صحابی کا نام رکھ دیا ابوہریرہ یعنی بلیوں والے تو ان کے ماں باپ کا رکھا ہوا نام گم ہوگیا۔ ۸؎ بلدہ ہرشہر کو اور نحر ہر ذبح کو کہتے ہیں مگر اب عرف میں بلدہ سے مکہ معظمہ اور نحر سے قربانی مراد ہوتی ہے جیسے بیت لغۃً ہرگھر ہے مگر اب عرف میں مطلقاً بیت کعبہ معظمہ یعنی بیت اللہ کو کہتے ہیں' اسی بنا پر یہ گفتگو ہورہی ہے۔ مکہ معظمہ ہمیشہ سے شہر رہا ہے اور انشاء اللہ شہر رہے گا' جن بزرگوں نے کہا کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کے مسلمان اس کی بڑی مسجد میں نہ سماسکیں یہ غلط ہے ورنہ پھر مکہ معظمہ تو شہر نہ رہے گا کہ حرم شریف میں مکہ والے تو کیا سارے حجاج سما جاتے ہیں اور چھوٹے گاؤں جن کی مسجد چھوٹی سی ہو شہر بن جائے گا۔ ۹؎ عام علماء فرماتے ہیں کہ حدود حرم میں جیسے نیکی ایک کی ایک لاکھ بن جاتی ہے ویسے ہی گناہ بھی ایک کا لاکھ ہے' اس لئے حضور نے ارشاد فرمایا کہ جیسے یہاں کا گناہ دوسرے مقامات کے گناہ سے سخت تر ہے' ایسے ہی مسلمان کے خون' مال' آبرو ظلماً برباد کرنا سخت تر ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ ۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (۲۲،۲۵) اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے (کنزالایمان) محققین علماء فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی کیفیت میں ہے نہ کہ مقدار میں' رب تعالٰی فرماتا ہے: وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا (۶،۱۶۰) اور جو برائی لائے تو اسے بدلہ نہ ملے گا مگر اس کے برابر (کنزالایمان) ۱۰؎ یعنی قیامت میں رب تعالٰی تمہارے ہرچھوٹے بڑے' جانی و مالی اعمال کا حساب فرمائے گا ابھی سے اس حساب کا خیال رکھو' حضرت علی مرتضٰی فرماتے ہیں: حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسِبُوْا۔ حساب دینے سے پہلے اپنا حساب خود لیتے رہو ۱۱؎ یہاں ضلال فرمایا گیا ضال کی جمع' بعض روایات میں کفار ہے یعنی میرے بعد تم لوگ گمراہ یا کفار جیسے ظالم نہ بن جانا کہ بعض مسلمان بعض کو ظلماً قتل کرنے لگیں یہ خطاب صرف صحابہ کرام سے نہیں بلکہ تاقیامت ساری امت سے ہے خیال رہے کہ آخری خلافت

عثمانیہ اورخلافت مرتضویہ میں جوصحابہ کرام میں لڑائیاں ہوئیں وہ غلط فہمی یا خطاء اجتہادی کی بنا پرتھیں نہ کہ نفسانیت وظلم سے' جیسے حضرت خالد نے خودحضور انور کے زمانہ میں ایک قوم کوجنہوں نے صبانا کہا تھا کافرسمجھ کرقتل کر دیا اورحضور انور نے حضرت خالد کو نہ فاسق قرار دیا نہ ظالم یا کافر بلکہ انہیں توبہ کا بھی حکم نہ دیا' یہاں ظالم قاتل کوکافر یا گمراہ فرمانا عمل کے لحاظ سے ہے نہ کہ عقیدے کے اعتبار سے' یعنی یہ قتل و خوں ریزی کفار کا طریقہ ہے' جیسے قرآن کریم فرماتا ہے: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (۳۰:۳۱) اورنماز قائم رکھواور مشرکوں سے نہ ہو (کنزالایمان) تم لوگ نماز قائم کرومشرکوں سے نہ ہو جاؤ' حالانکہ نماز نہ پڑھنا شرک نہیں' لہٰذا اس حدیث سے روافض یہ نہیں کہہ سکتے کہ صحابہ حضور کے بعد آپس کی جنگوں کی وجہ سے کافر ہو گئے۔۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تین چیزیں فرمائیں' اپنی تبلیغ پرتمام کوگواہ بنایا' اب بھی حجاج روضہ اقدس پرعرض کرتے ہیں یا رسول اللہ آپ نے پوری تبلیغ فرمادی' یہ عرض اس سوال کا جواب ہے کہ دوسرے تمام صحابہ کواحادیث کی تبلیغ کا حکم دیا' علماء کو چاہیے کہ دین چھپائیں نہیں' یہ حضور کی امانت ہے' امت کے حوالہ کر دیں' تیسرے یہ کہ رحمت الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا' چمن اسلام میں پھول کھلتے رہیں گے' میرے بعد' بعض علماء آج کل کے بعض صحابہ سے زیادہ ذہین ونکتہ رس ہوں گے

ربّ نے اپنے حبیب کی اس بات کوکیسا سچا کیا سبحان اللہ چاروں امام مجتہدین دیگر فقہاء صوفیاء بعد میں پیدا ہوئے جنہوں نے ان ہی احادیث سے قیمتی موتی نکالے دین کوواضح کر دیا۔

وَعَنْ وَبَرَةَ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عُمَرَ مَتٰى اَرْمِی الْجِمَارَ قَالَ اِذَا رَمٰى اِمَامُكَ فَارْمِهٖ فَاَعَدْتُّ عَلَیْهِ الْمَسْئَلَةَ فَقَالَ كُنَّا نَتَحَیَّنُ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَیْنَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۵۴۲) روایت ہے حضرت وبرہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا۱؎ کہ میں جمروں کی رمی کب کروں فرمایا جب تمہارا امام رمی کرے تو تم بھی کرو۲؎ میں نے پھر یہی سوال کیا تو فرمایا ہم وقت کے منتظر رہتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کر لیتے تھے۳؎ (بخاری)

(۲۵۴۲)۱؎ وبرہ ابن عبدالرحمٰن تابعی ہیں حضرت ابن عمرو ابن جبیر سے روایات کرتے ہیں آپ کی کنیت ابوخزیمہ حارثی ہے۔۲؎ یعنی تم میں جب بڑے علماء رمی کریں تم بھی کرو' ہرمسئلہ پوچھنے کی ضرورت نہیں' علماء کی پیروی کرنا چاہیے عالم کی پیروی کرنے والا رب سے سالم ہوکر ملے گا' یہاں یوم النحر کے بعد کی رمی کے متعلق سوال تھا جیسا کہ جواب سے معلوم ہورہا ہے' پتہ لگا کہ ہر بات عالم سے پوچھنا ہی نہ چاہیے' بلکہ ان کو دیکھ کربھی مسائل حل کر لینا چاہئیں' یہاں عالم باعمل کا ذکر ہے۔۳؎ یعنی ہم دسویں بقرعید کے بعد کی رمی بعد نماز ظہر کیا کرتے تھے' یہاں بھی آپ نے صحابہ کا عمل ہی بتایا یعنی مسئلہ عمل علماء سے ثابت کیا' رمی کے اوقات کا ذکر تفصیل وار پہلے ہو چکا ہے۔

وَعَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ یَرْمِیْ جَمْرَةَ الدُّنْیَا بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ یُكَبِّرُ عَلٰى اِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ یَتَقَدَّمُ حَتّٰى یُسْهِلَ فَیَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ طَوِیْلًا وَّیَدْعُوْا وَیَرْفَعُ یَدَیْهِ ثُمَّ یَرْمِی الْوُسْطٰى بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ یُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمٰى بِحَصَاةٍ ثُمَّ یَاْخُذُ بِذَاتِ

(۲۵۴۳) روایت ہے حضرت سالم سے وہ حضرت ابن عمر سے راوی کہ وہ قریبی جمرہ کی۱؎ سات کنکروں سے رمی کرتے تھے ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے۲؎ پھر آگے بڑھ جاتے حتیٰ کہ نرم زمین میں آ جاتے پھر روبقبلہ دیر تک کھڑے رہتے ہاتھ اٹھائے دعا مانگتے۳؎ پھر درمیانی جمرہ کی سات کنکریوں سے رمی کرتے۴؎ جب بھی کنکری پھینکتے تو تکبیر

الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُوْا وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلاً ثُمَّ يَرْمِيْ جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ وَّلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْلُ هٰكَذَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

کہتے پھر بائیں طرف ہٹ جاتے نرم زمین میں پہنچ جاتے روبقبلہ کھڑے ہوتے پھر ہاتھ اٹھائے دعا کرتے رہتے دیر تک کھڑے رہتے پھر بطن وادی سے پیچھے والے جمرہ کو سات کنکریاں مارتے[۵] کہ ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے مگر اس کے پاس کھڑے نہ ہوتے تھے[۶] پھر واپس ہو جاتے حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ عمل کرتے دیکھا[۷] (بخاری)

(۲۵۴۳)[۱] اس ستون کا نام جمرہ اولیٰ بھی ہے اور جمرہ دنیا بھی کیونکہ مسجد خیف سے قریب ہے' اسی کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں قیام فرمایا تھا[۲] اس جمرہ کی رمی گیارھویں تیرھویں بقرعید کو ہوتی ہے' دسویں کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہے' ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہنا چاہیے نہ کہ بعد علی اثر سے یہ ہی مراد ہے' کنکری پھینکنے کی ابتداء اللہ پر اور انتہاء اکبر ہوتی ہے' لہٰذا علی اثر فرمانا درست ہے' صرف اللہ اکبر کہنا کافی ہے' بعض حجاج بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہیں' بعض لوگ کچھ دعا بھی پڑھتے ہیں اس میں حرج نہیں (مرقات و فتح القدیر)[۳] یعنی زمین کے سخت حصہ پر کھڑے ہو کر تو رمی کرتے پھر بعد رمی وہاں سے ہٹ جاتے' تاکہ دوسرے رمی والوں کے لیے جگہ خالی ہو جائے' اور نرم حصہ میں آکر روبقبلہ ہو کر دیر تک دعائیں مانگتے رہتے' اب یہ ہی سنت ہے' سورہ بقرہ تلاوت کرنے کی بقدر کھڑے رہ کر دعائیں کرتے رہتے' اب لوگ مختصر ٹھہرتے ہیں[۴] رمی میں جمروں کی ترتیب احناف کے ہاں سنت ہے شوافع کے ہاں واجب' اور لگاتار رمی کرنا ہر جمرہ کی رمی دعا کے بعد فوراً دوسرے کی رمی کرنا احناف کے ہاں سنت ہے امام مالک کے ہاں واجب' اس لئے حجاج کو چاہیے کہ ترتیب وار اور لگاتار رمی کریں جیسے اعضاء وضو کا دھونا ترتیب وار اور لگاتار چاہیے۔[۵] جمرہ عقبہ کے سامنے کنارہ راہ پر نشیبی زمین ہے اور اس کے مقابل بلند زمین' سنت یہ ہے کہ نشیبی زمین سے رمی کرے تاکہ اوپر والی زمین پر کھڑے ہوئے آدمی کو کنکر نہ لگے' اوپر کی طرف سے رمی کرنے میں نیچے والوں کو لگ جانے سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے' مگر یہ سنت ہے' اگر کوئی بلندی کی طرف سے رمی کرے تو بھی جائز ہے' بعض صحابہ نے یہ کیا تو دوسرے حضرات نے اس پر نہ اعتراض کیا نہ اعادہ کا حکم دیا' خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نشیبی زمین سے رمی کی' مگر بلندی کی طرف سے رمی کی ممانعت نہ فرمائی' لہٰذا حق یہ ہے کہ یہ سنت ہے اور وہ جائز ہے (مرقات) اس نشیبی زمین کا نام بطن وادی ہے۔[۶] جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد وہاں نہ ٹھہرنا اور فوراً اپنی منزل وغیرہ پر آجانا سنت ہے اس لئے کہ یہ جگہ برسرراہ ہے' یہاں کھڑا ہونا اور لوگوں کی تکلیف کا باعث ہے یا اس لئے کہ اب رمی کی عبادت ختم ہو چکی دوران عبادت کی دعا کافی ہوگئی یا اس لئے کہ حاجی پر رحمت الٰہی کا نزول ہو چکا' اب ٹھہرنے کی مشقت برداشت کرنا ضروری نہیں' بہرحال سنت یہ ہی ہے کہ اس رمی پر نہ ٹھہرے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ (مرقات)[۷] یعنی یہ مذکورہ عمل سنت رسول اللہ بھی ہے اور سنت صحابہ بھی۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اسْتَاْذَنَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّبِيْتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ اَجْلِ سُقَايَتِهٖ فَاَذِنَ لَهٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۴۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ کی راتوں میں مکہ معظمہ رہنے کی اجازت مانگی[۱] زمزم پلانے کی وجہ سے[۲] تو حضور نے انہیں اجازت دے دی[۳] (مسلم بخاری)

(۲۵۴۴) ۱؎ یعنی عرض یہ کیا کہ میں گیارھویں بارھویں تیرھویں ذی الحجہ کو دن میں منیٰ آ کر جمروں کی رمی کر جایا کروں گا باقی اوقات مکہ معظمہ میں ہی رہوں گا، اس کی وجہ آگے آ رہی ہے ۲؎ یعنی چونکہ میرے ذمہ کنوئیں سے آب زمزم نکالنے اور لوگوں کو پلانے کی خدمت ہے، لوگ ہر وقت خصوصاً طوافوں کے بعد اور خصوصاً ان دنوں میں طواف زیارت کے بعد زمزم پیتے ہیں اگر میں منیٰ میں رہوں تو یہ خدمت بخوبی انجام نہیں پاسکتی، خیال رہے کہ یہ زمزم نکالنے اور پلانے کی خدمت قصے ابن کلاب کو ملی تھی، پھر ان کے بیٹے عبد مناف کو، پھر ان کے بیٹے ہاشم کو، پھر ان کے بیٹے عبدالمطلب کو ملی، پھر ان کے فرزند عباس کو منتقل ہوئی، ان سے عبداللہ ابن عباس کو، ان سے ان کے فرزند علی ابن عبداللہ کو ملی اور اب تک یہ خدمت آل عباس ہی کے قبضے میں ہے جیسے کہ کعبہ معظمہ کی کلید برداری طلحہ ابن عبداللہ شیبی کی اولاد کے قبضے میں ہے وہاں کی خدمات تقسیم ہوچکی ہیں جو وراثۃً منتقل ہوتی ہیں۔ ۳؎ خیال رہے کہ منیٰ کے زمانہ میں راتیں منیٰ میں گزارنا ہمارے ہاں سنت ہے، امام شافعی کے ہاں اکثر رات وہاں رہنا واجب، مگر ان دونوں اماموں کے ہاں سخت مجبوری یا معذوری میں یہ حکم اٹھ جاتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءِ اِلَى السِّقَايَةِ فَاسْتَسْقٰى فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا فَضْلُ اذْهَبْ اِلٰى اُمِّكَ فَاْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَابٍ مِّنْ عِنْدِهَا فَقَالَ اسْقِنِىْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُمْ يَجْعَلُوْنَ اَيْدِيَهُمْ فِيْهِ قَالَ اسْقِنِىْ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ اَتٰى زَمْزَمَ وَهُمْ يُسْقُوْنَ وَيَعْمَلُوْنَ فِيْهَا فَقَالَ اعْمَلُوْا فَاِنَّكُمْ عَلٰى عَمَلٍ صَالِحٍ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا اَنْ تُغْلَبُوْا لَنَزَلْتُ حَتّٰى اَضَعَ الْحَبْلَ عَلٰى هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلٰى عَاتِقِهٖ . (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

(۲۵۴۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمزم کے سقایہ (مٹی) پر تشریف لائے پانی مانگا ۱؎ تو حضرت عباس نے فرمایا اے فضل اپنی والدہ کے پاس جاؤ ان کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی لے آؤ ۲؎ حضور انور نے فرمایا مجھے پانی پلاؤ ۳؎ عرض کیا یا رسول اللہ اس میں لوگ ہاتھ ڈالتے ہیں فرمایا ہم کو پانی پلاؤ چنانچہ حضور نے اس ہی سے پیا ۴؎ پھر چاہ زمزم پر تشریف لائے جبکہ وہ پانی بھر رہے تھے اور اس میں کام کاج کررہے تھے تو فرمایا کئے جاؤ تم لوگ اچھے کام میں لگے ہوئے ہو ۵؎ پھر فرمایا اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مغلوب ہو جاؤ گے تو ہم خود اترتے حتی کہ رسی اس پر رکھتے اور اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا ۶؎ (بخاری)

(۲۵۴۵) ۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ خود چاہ زمزم پر جانا اور پانی بھرنے والوں سے مانگ کر زمزم پینا بھی سنت ہے جیسے کہ گھر میں منگا کر پینا سنت ہے، دوسرے یہ کہ پانی وغیرہ مانگنا ممنوع نہیں اور یہ ان سوالات سے نہیں جن میں ذلت ہے اور جن سے شریعت میں ممانعت ہے سوال ذلت اور ہے سوال خدمت کچھ اور، غالبًا یہ واقعہ دسویں بقر عید کا ہے، جب حضور انور منیٰ سے طواف فرمانے مکہ معظمہ تشریف لائے اور طواف کے بعد منیٰ واپس ہو گئے، اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ طواف زیارت کے بعد زمزم پینا سنت ہے ۲؎ یعنی اے فرزند فضل ہم نے تم لوگوں کے لئے زمزم اپنے گھر بھیج دیا ہے۔ جس میں لوگوں کے ہاتھ نہیں پڑے ہیں کسی کے استعمال میں نہیں آیا ہے، حضور انور کے لئے اس میں سے پانی لاؤ، معلوم ہوا کہ زمزم شریف گھروں میں بھیجنا بھی سنت ہے جیسا کہ اب بھی وہاں رواج ہے کہ حجاج کے ٹھکانوں پر معلم لوگ روزانہ زمزم بھجواتے ہیں، اس کی اصل یہ حدیث ہے ۳؎ یعنی اسی سقایہ سے پلاؤ جہاں سے عام حجاج پی رہے ہیں تاکہ یہاں ہر بڑے چھوٹے کی برابری کا ظہور ہو ۴؎ دار قطنی نے اپنے افراد میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے مرفوعًا روایت فرمایا کہ تواضع وانکسار سے یہ ہے کہ انسان مسلمان بھائی کا جھوٹا پانی پیئے، بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے وضو سے بچا

پانی پینا پسند فرماتے تھے' غرضیکہ عموماً اور حج میں خصوصاً اپنے کو بڑائی وفخر سے بچائے۔۵؎ کیونکہ زمزم شریف کنوئیں سے نکالنا بھی عبادت ہے اور پلانا بھی عبادت' خیال رہے کہ حضرت عباس زمزم کے منتظم تھے' ان کے ماتحت بہت سے لوگ پانی نکالتے اور پلاتے تھے' انتظام ان ہی کا تھا۔۶؎ یعنی اگر ہم لوگوں کے سامنے زمزم بھرنا شروع کر دیں' تو لوگ اس عمل کو سنت سمجھ کر اسی کام کے لئے دوڑ پڑیں گے' پھر ڈول رسی تمہارے ہاتھ نہ آئے گا' اس لئے ہم یہ نہیں کرتے ورنہ دل چاہتا ہے کہ ہم بھی ڈول بھریں' بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے ڈول بھرا اور ڈول سے ہی زمزم پیا' پھر کچھ پانی ڈول میں ڈالا' وہ ڈول کنوئیں میں ڈال دیا' یہ دوسرے موقع پر ہے' لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں (مرقات) علماء فرماتے ہیں کہ چاہ زمزم پر چڑھ کر اس میں جھانکنا نفاق کو دور کرتا ہے' اور خود ڈول بھرنا بہت بہتر ہے اگر میسر ہو اس کی اصل بھی موجود ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ ثُمَّ رَكِبَ اِلَى الْبَيْتِ فَطَافَ بِهٖ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۵۴۶) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام محصب میں ظہر وعصر مغرب اور عشاء پڑھی پھر کچھ سوئے۱؎ پھر بیت اللہ کی طرف سوار ہو گئے تو اس کا طواف کیا۲؎ (بخاری)

(۲۵۴۶)۱؎ محصب عربی میں کنکریلی زمین کو کہتے ہیں' اب ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے منیٰ جاتے راستہ میں آتی ہے جنت معلیٰ یعنی مکہ معظمہ کے قبرستان سے متصل ہے اسے بطح' بطحا اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں' یہ واقعہ تیرھویں ذی الحجہ کا ہے' جب سرکار عالی منیٰ سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ واپس ہو رہے تھے' طواف زیارت تو حضور انور دسویں ذی الحجہ کو ہی کر چکے تھے مکہ معظمہ پہنچنے کی جلدی نہ تھی' اگر ربّ نصیب کرے تو اب بھی محصب میں ٹھہرے۔۲؎ یہ طواف وداع تھا جو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانگی کے وقت کیا گیا' حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ محصب میں یہ قیام ارادۃً نہ تھا اتفاقاً تھا (بخاری) حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ مجھے حضور انور نے محصب میں خیمہ لگانے کا حکم نہ دیا تھا میں نے خود ہی اپنے طور وہاں خیمہ لگا دیا اور سرکار نے وہاں قیام فرمایا (مسلم) حضرت اسامہ ابن زید فرماتے ہیں کہ حضور انور نے مجھ سے منیٰ میں فرمایا تھا کہ ہم کل خیف بنی کنانہ میں اتریں گے جہاں قریش نے مسلمانوں کے بائیکاٹ پر حلف اٹھایا تھا خلفائے راشدین بھی حج کے موقع پر اس تاریخ میں یہاں قیام فرماتے تھے' مقصد تھا ربّ کی نعمت کا شکر کرنا کہ کل ہمارے بائیکاٹ پر یہاں حلف اٹھائے جاتے تھے اور آج ہم کو اللہ نے یہاں آزادی بخشی ہے' ان روایات سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محصب میں ٹھہرنا سنت ہے مگر واجب نہیں' میسر ہو تو بہت اچھا (مرقات ولمعات وغیرہ)

وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ ابْنِ رُفَيْعٍ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قُلْتُ اَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ عَقَلْتَهٗ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ قَالَ بِمِنًى قَالَ فَاَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ قَالَ بِالْاَبْطَحِ ثُمَّ قَالَ اِفْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ اُمَرَآؤُكَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۴۷) روایت ہے حضرت عبدالعزیز ابن رفیع سے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک سے پوچھا میں نے کہا مجھے وہ چیز بتائیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھی یاد کی ہو حضور انور نے آٹھویں بقرعید کو ظہر کہاں پڑھی۱؎ فرمایا منیٰ میں۲؎ عرض کیا پھر واپسی کے دن عصر کہاں پڑھی فرمایا مقام ابطح میں۳؎ پھر فرمایا جیسا تمہارے امیر کریں ویسا تم بھی کرو۴؎ (مسلم، بخاری)

(۲۵۴۷)؎ یعنی حضور نے آٹھویں بقرعید کو فجر تو مکہ معظمہ میں پڑھی' فرمایئے ظہر کہاں پڑھی ؎۲ معلوم ہوا کہ آٹھویں بقرعید کو بعد نماز فجر مکہ معظمہ سے منیٰ روانہ ہو جانا سنت ہے' ظہر منیٰ میں پڑھی ؎۳ واپسی کے دن دو ہیں نفر اول یہ دسویں بقرعید کو ہے' جب منیٰ سے مکہ معظمہ طواف کرنے آتے ہیں' اور نفر دوم تیرھویں بقرعید کو جب منیٰ کے افعال سے فارغ ہو کر لوٹتے ہیں' یہاں نفر دوم کے متعلق سوال ہے' جب معلوم ہو رہا ہے کہ حضور انور نے آج عصر محصب یعنی ابطح میں پڑھی' اور گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر یہاں پڑھی' ہو سکتا ہے کہ آج تیرھویں کو بعد زوال رمی کی ہو اور عصر کے قریب یہاں پہنچ کر ظہر و عصر یہاں ہی پڑھی ہو ؎۴ یعنی اب جو امیر حج کرے تم بھی کرو' اگر وہ محصب میں ٹھہرے' تم بھی ٹھہرو' اگر نہ ٹھہرے تم بھی نہ ٹھہرو کہ ان کی مخالفت میں خطرہ ہے' یہاں ٹھہرنا واجب نہیں تاکہ ضرور کیا جائے (مرقات)

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نُزُوْلُ الْاَبْطَحِ لَيْسَ بِسُنَّةٍ اِنَّمَا نَزَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهُ كَانَ اَسْمَحَ لِخُرُوْجِهِ اِذَا خَرَجَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۴۸) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ مقام ابطح میں اترنا سنت نہیں ؎۱ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے اترے تھے کہ آپ کی روانگی کیلئے آسان تر تھا ؎۲ (مسلم بخاری)

(۲۵۴۸)؎ یعنی سنت مؤکدہ نہیں یا حج کی سنت نہیں' جس کے چھوٹ جانے سے حج ناقص ہو جائے' یا سنت ہدیٰ نہیں بلکہ سنت زائدہ ہے' خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام جو امت کے لئے لائق عمل ہو سنت ہے۔ اگر چہ حضور انور نے ایک بار ہی کیا ہو' اور اگر چہ عادت کریمہ کے طور پر ہی ہو' وہاں جو خلاف اولیٰ کام بیان جواز کیلئے کئے ہیں یا تعلیماً کئے وہ اس سے خارج ہیں' سنت کی پوری بحث مع اقسام کے ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کیجئے' ؎۲ یعنی منیٰ سے واپسی پر وادی محصب میں جسے ابطح بھی کہتے ہیں اترنا وہاں قیام یا آرام کرنا سنت حج نہیں' حضور انور نے اس لئے وہاں قیام فرمایا کہ اس قیام میں اپنا سامان وہاں ہی چھوڑ دیا اور مکہ معظمہ جا کر طواف وداع کیا' پھر اسی راستے سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے' راستہ میں یہاں سے اپنا سامان لے لیا' اس شرح کی بنا پر حدیث بالکل واضح ہے' اس میں کوئی ایچ پیچ نہیں' خیال رہے کہ حضرات خلفائے راشدین و ابن عمر وغیرھم رضی اللہ عنہم اس قیام ابطح کو سنت حج فرماتے تھے ان کے نزدیک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادۃً یہاں قیام فرمایا تھا تاکہ مشرکین کا ردعمل ہو اور خدا کا شکر کریں کہ کل تک یہاں اسلام کے خلاف بائیکاٹ کی کمیٹیاں ہوتی تھیں اور آج ہم آزادانہ یہاں نمازیں پڑھ رہے ہیں' جیسے طواف میں رمل' اور حضرت عائشہ صدیقہ' ابن عباس' ابورافع وغیرھم رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ سنت حج نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً یہاں قیام فرمایا تھا' یہ ہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے' مگر وہاں قیام اگر نصیب ہو تو بہتر ہے' کہ اگر چہ یہ سنت حج نہیں مطلقاً سنت تو ہے (لمعات واشعہ)

وَعَنْهَا قَالَتْ اَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيْمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ فَقَضَيْتُ عُمْرَتِيْ وَانْتَظَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ فَاَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيْلِ فَخَرَجَ فَمَرَّ بِالْبَيْتِ فَطَافَ بِهٖ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ هٰذَا الْحَدِيْثُ مَا وَجَدْتُّهٗ بِرِوَايَةِ الشَّيْخَيْنِ بَلْ بِرِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ مَعَ اخْتِلَافٍ يَسِيْرٍ فِيْ اٰخِرِهٖ

(۲۵۴۹) روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میں نے مقام تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھا پھر میں مکہ معظمہ آئی اور عمرہ پورا کیا ؎۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ابطح میں میرا انتظار فرمایا حتی کہ میں فارغ ہو گئی ؎۲ پھر لوگوں کو کوچ کا حکم دیا پھر آپ وہاں سے آئے تو بیت اللہ شریف پر گزرے فجر سے پہلے اس کا طواف کیا ؎۳ پھر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے میں نے یہ حدیث مسلم بخاری کی روایت سے نہ پائی بلکہ آخر میں تھوڑے اختلاف کے ساتھ ابوداؤد کی روایت سے پائی ؎۴

(۲۵۴۹)۱؎ ام المومنین کا یہ عمرہ وہ ہے جو حج سے پہلے رہ گیا تھا کہ عمرہ کا احرام تھا مگر بوجہ ماہواری عارضہ کے ادا نہ ہو سکا' اب بعد میں کیا گیا' چونکہ عمرہ کا احرام حرم سے باہر بندھتا ہے اس لئے آپ مقام تنعیم گئیں جو حدود حرم سے باہر مکہ معظمہ سے تین میل دور جگہ ہے' اب یہاں مسجد عائشہ ہے' عام حجاج عمرہ کا احرام باندھنے وہاں جاتے ہیں ۲؎ ام المومنین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے محصب میں قیام فرمانے کی یہ دوسری وجہ بیان فرمارہی ہیں' کہ یہاں حضور انور نے میرے عمرہ کے انتظار میں قیام فرمایا تھا مقصد وہ ہی ہے کہ یہ قیام سنت حج نہیں ۳؎ یہ طواف وداع تھا جس کو مکہ معظمہ سے چلتے وقت حجاج ادا کرتے ہیں' نہ اس میں رمل ہے نہ اس کے بعد سعی' یہ طواف کرکے وہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں غالبًا حضور انور نے یہ طواف تو نماز فجر سے پہلے کیا ہوگا مگر وہاں سے روانگی بعد فجر اشراق و سنت' طواف ادا کرکے کی ہوگی (مرقات) اور ہوسکتا ہے کہ صرف طواف کرکے روانہ ہو گئے ہوں اور کچھ راستہ طے کرکے فجر پڑھی ہو وہاں ہی نفل طواف ادا کئے ہوں' طواف کے نفل ہر جگہ درست ہیں ۴؎ اس جملہ میں صاحب مصابیح پر دو اعتراض ہیں' ایک یہ کہ فصل اول میں وہ مسلم بخاری کے علاوہ حدیث لائے' دوسرے یہ کہ حدیث ابوداؤد میں تو ہے مگر اس کے الفاظ بعینہٖ یہ نہیں ان میں کچھ فرق ہے' مصنف یہاں مسلم بخاری کی روایت لاتے یا ابوداؤد کی روایت بعینہٖ ان ہی الفاظ سے لاتے جن میں وہاں موجود ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُوْنَ فِيْ كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْفِرَنَّ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ اِلَّا اَنَّهٗ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۵۰) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ لوگ ہر طرف چل دیتے تھے ۱؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی واپس نہ ہو حتی کہ اس کا آخری کام بیت اللہ سے ہو ۲؎ مگر حائضہ سے یہ حکم ہلکا کردیا گیا ۳؎ (مسلم بخاری)

(۲۵۵۰)۱؎ یعنی پہلے حجاج رخصت کے وقت طواف وداع نہ کرتے تھے یوں ہی چلے جاتے تھے من کل وجہ کے معنی ہیں ہر طرف سے' ہر محلّہ سے روانہ ہوجاتے تھے' یہ گویا بے قاعدگی سی تھی ۲؎ یعنی بیت اللہ کا طواف کرکے مکہ معظمہ سے روانہ ہو' تاکہ تمہاری آمد طواف سے ہو اور روانگی بھی طواف سے' یہی حال مدینہ منورہ کا ہے کہ حجاج پہنچتے ہی سلام عرض کرتے ہیں اور چلتے وقت سلام وداع کرکے چلتے ہیں' اس وقت جو دل کی کیفیت ہوتی ہے بیان نہیں ہوسکتی شعر:۔

بدن سے جاں نکلتی ہے آہ سینہ سے ترے فدائی نکلتے ہیں جب مدینہ سے

۳؎ یعنی حائضہ و نفساء عورت طواف وداع کے لئے حیض بند ہونے کا انتظار نہ کرے بلکہ یوں ہی چلی جائے' ورنہ بہت دشواری ہوگی۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَاضَتْ صَفِيَّةُ لَيْلَةَ النَّفْرِ فَقَالَتْ مَا اُرَانِيْ اِلَّا حَابِسَتَكُمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقْرٰى حَلْقٰى اَطَافَتْ يَوْمَ النَّحْرِ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَانْفِرِيْ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۵۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ واپسی کے دن حائضہ ہوگئیں ۱؎ تو بولیں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں تم کو روک ہی لوں گی ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اری بانجھ منڈی کیا تم نے بقر عید کے دن طواف کرلیا تھا عرض کیا ہاں فرمایا تو چلو ۳؎ (مسلم بخاری)

(۲۵۵۱)۱؎ حضرت صفیہ بنت حیی ابن اخطب' ان کے والد یہودی تھے' خیبر کے باشندے بنی اسرائیل تھے' حضرت ہارون کی اولاد سے' آپ جنگ خیبر میں گرفتار ہوکر آئیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمالیا' آپ ام المومنین ہیں ۲؎

اس طرح کہ میں عارضہ میں مبتلا ہوگئی ہوں اور طواف وداع نہ کرسکوں گی' طواف کے لیے ایام گزرنے کا مجھے انتظار کرنا پڑے گا' اور آپ حضرات میری وجہ سے ٹھہریں گے۔ ۳؎ بانجھ منڈی فرمانا غضب کے لیے نہیں بلکہ محبت کے اظہار کیلئے ہے جیسے بچوں کو ارے پاگل' ارے بے وقوف یا پنجابی اُڈ جانیئے وغیرہ کہہ دیتے ہیں' ورنہ حضرت صفیہ کا اس میں قصور کیا تھا جو ان پر غصہ آتا' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ کو طواف زیارت معاف نہیں اس کیلئے اسے ٹھہرنا پڑے گا' طواف وداع معاف ہے۔ مسئلہ:۔ مکہ والوں پر یا جس نے مکہ معظمہ میں مستقل رہائش کا ارادہ کیا تھا' مگر اب روانہ ہورہا ہے' اس پر' جو حج کا احرام باندھ کر حج نہ کرسکا' عمرہ کرکے کھل گیا' اس پر طواف وداع واجب نہیں یوں ہی صرف عمرہ کرنے والے پر واجب نہیں' بہتر یہ ہے کہ طواف کے بعد پھر زیادہ دیر مکہ معظمہ میں نہ ٹھہرے' اور اگر دن میں طواف وداع کیا تھا رات تک وہاں ٹھہرنا پڑ گیا' تو بہتر یہ ہے کہ دوبارہ طواف کرے' یہ ہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔ (مرقات وغیرہ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَمْرِ وبْنِ الْاَحْوَصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَیُّ يَوْمٍ هٰذَا قَالُوْ يَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ قَالَ فَاِنَّ دِمَائَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ عَلٰى نَفْسِهٖ اَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ عَلٰى وَلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهٖ اَلَا وَاِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ اَيِسَ اَنْ يُّعْبَدَ فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اَبَدًا وَّلٰكِنْ سَتَكُوْنُ لَهٗ طَاعَةٌ فِيْمَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضٰى بِهٖ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَهٗ)

(۲۵۵۲) روایت ہے حضرت عمرو ابن احوص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں فرماتے سنا یہ کون دن ہے صحابہ نے عرض کیا حج اکبر کا دن ۱؎ فرمایا تمہارے خون تمہارے مال تمہاری آبروئیں آپس میں ایک دوسرے پر ایسے حرام ہیں جیسے اس شہر میں اس دن کی حرمت ۲؎ خبردار کوئی مجرم اپنی جان پر ظلم نہ کرے ۳؎ خبردار کوئی مجرم اپنی اولاد پر ظلم نہ کرے اور نہ کوئی فرزند اپنے باپ پر ۴؎ خبردار شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا کہ تمہارے اس شہر میں کوئی اسے پوجے ۵؎ مگر جن گناہوں کو تم معمولی سمجھتے ہو ان میں اس کی اطاعت ہو جایا کرے گی جس سے وہ راضی ہوتا رہے گا ۶؎ (ابن ماجہ ترمذی' اور ترمذی نے اسے صحیح کہا)

(۲۵۵۲) ۱؎ ظاہر یہ ہے کہ بعض صحابہ نے یہ جواب دیا' اور بعض نے عرض کیا' اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ یا یہ کوئی دوسرا واقعہ ہے' لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ صحابہ نے اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ کہا' حج اکبر کے بہت سے معانی ہیں (۱) بقرعید کا دن حج اکبر ہے' کیونکہ اکثر ارکان حج اسی دن میں ہوتے ہیں' ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ (۹:۳) اور منادی پکار دیتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن (کنزالایمان) یہ اعلان بقرعید کے دن منیٰ میں ہوا تھا (۲) یا نویں عید کا دن حج اکبر کا دن ہے کہ اسی دن قیام عرفات ہے جو حج کا رکن اعلیٰ ہے (۳) یا صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج حج اکبر تھا کہ رسول اکبر نے حج فرمایا تھا' اور حسن اتفاق سے اس دن یہود' نصاریٰ' مجوسی وغیرہ کی چھ عیدیں جمع ہوگئی تھیں (۴) یا جب نویں بقرعید جمعہ کو واقع ہو کہ اس کا ثواب ستر حج کے برابر ہے یہ زیادہ مشہور ہے' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج بھی جمعہ ہی کا ہوا تھا (۵) یا ہر حج حج اکبر ہے اور عمرہ حج اصغر غرضیکہ اس کے بہت معانی ہیں' (مرقات' لمعات' اشعہ) ۲؎ یعنی جیسے مکہ معظمہ میں ان حج کی تاریخوں میں احرام کی

حالت میں گناہ کرنا حرام' کہ اس گناہ میں حرم شریف' مبارک تاریخ اور احرام کی بے حرمتی تین جرم اور شامل ہو جاتے ہیں' ایسے ہی کسی مسلمان بھائی کا ناحق خون کرنا' مال مارنا' بے آبروئی کرنا بہت سے جرموں کا مجموعہ ہے کہ اس میں اس مظلوم بندہ کی حق تلفی بھی رب تعالیٰ کی قانون شکنی اور میری مخالفت ہے' مجھے اپنی امت بہت عزیز ہے' اسے ستانے والا مجھے کب پیارا ہوسکتا ہے۔۳؎ یعنی خودکشی نہ کرے' کہ یہ اپنی جان پر ظلم و زیادتی ہے' یا دوسرے مسلمان پر ظلم نہ کرے کہ یہ درحقیقت اپنے پر ظلم ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط (۲۹:۴) اپنی جانیں قتل نہ کرو (کنزالایمان) یعنی اپنے کو قتل نہ کرو یعنی بعض بعض کو قتل نہ کرے' لایجنی صیغہ تو نفی کا ہے' مگر بمعنی نہی ہے' جیسے لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۵۶:۷۹) اسے نہ چھوئیں مگر باوضو (کنزالایمان) یا جیسے رحمه الله یاغفر له کی سب خبریں بمعنی انشاء ہیں۔۴؎ یہ جملہ یا تو نہی ہے' تو معنی یہ ہیں کہ ماں باپ اولاد پر ظلم نہ کریں کہ ان کا حق نہ دیں' انہیں تعلیم وغیرہ سے محروم رکھیں' اور اولاد ماں باپ پر ظلم نہ کرے کہ ان کا ادائے حق خدمت نہ کرے' یا بمعنی نفی یعنی ماں باپ کے جرم میں اولاد گرفتار نہ ہوگی اور اولاد کے جرم میں ماں باپ کو پکڑ نہ ہوگی' اپنی کرنی' اپنی بھرنی' لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (۶:۱۶۴) اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی (کنزالایمان) اہل جاہلیت باپ کا بدلہ اولاد سے اور اولاد کا بدلہ ماں باپ سے لیتے تھے' اسی سے ممانعت ہے۔۵؎ شیطان کو پوجنے سے مراد بت پرستی ہے' اور اس میں غیبی خبر ہے انشاء اللہ مکہ معظمہ میں تاقیامت شرک و بت پرستی نہ ہوگی' مرقات نے فرمایا کہ علانیہ نہ ہوگی' کوئی خفیۃً وہاں جا کر چھپ کر بت پرستی کرے تو اس کی بدنصیبی ہے' غرضیکہ یہ جگہ شرک سے محفوظ ہے۔۶؎ یعنی مکہ معظمہ میں مسلمان گناہ' لڑائی' چوری' غیبت' جھوٹ وغیرہ کرلیا کریں گے' اور شیطان اس پر خوش ہو جایا کرے گا میں ان سے کفر تو نہ کرا سکا' یہ غنیمت ہے' یا سارے مسلمانوں سے روئے سخن ہے کہ مومن کے گناہوں سے شیطان راضی ہے' اور کافر کے کفر سے راضی' اسی لئے جھوٹ' خیانت' دوسرے گناہ مسلمانوں میں زیادہ ہیں' دوسری قوموں میں کم' کہ شیطان کفار سے جب کفر کرا لیتا ہے' تو پھر دوسرے گناہ کرانے کی کوشش نہیں کرتا' مگر جب مسلمانوں سے کفر نہیں کرا سکتا' تو ان سے دوسرے گناہ کرانے کی بہت کوشش کرتا ہے' ہمیشہ چور بھرے گھر میں جاتا ہے' جس میں ہو ہی کچھ نہیں وہاں چور لے گا کیا' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں وسوسہ نہ آئیں' وہ یہود و عیسائیوں کی سی نماز ہے (مرقات) مگر وسوسہ آنا اور ہے لانا کچھ اور مقصد یہ ہے کہ مسلمان وسوسوں کے باعث نماز سے بددل نہ ہو جائیں' لہٰذا حضرت علی کے فرمان پر کوئی اعتراض نہیں' کھانے پر مکھیاں آتی ہیں' مکھیاں اڑائے جاؤ اور کھانا کھائے جاؤ۔

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو نِ الْمُزَنِيِّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِمِنًى حِيْنَ ارْتَفَعَ الضُّحٰى عَلٰى بَغْلَةٍ شَهْبَآءَ وَعَلِيٌّ يُعَبِّرُ عَنْهُ وَالنَّاسُ بَيْنَ قَائِمٍ وَّقَاعِدٍ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۵۵۳) روایت ہے حضرت رافع ابن عمرو مزنی سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ منیٰ میں اپنے چتکبرے خچر پر خطبہ پڑھ رہے تھے جب کہ دن چڑھ چکا تھا۱؎ اور جناب علی اس کی تفسیر و تعبیر کر رہے تھے لوگ کچھ بیٹھے تھے کچھ کھڑے تھے۲؎ (ابوداؤد)

(۲۵۵۳)۱؎ غالبًا یہ وعظ دسویں بقرعید کو فرمایا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی تو اونٹنی پر کی اور وعظ خچر پر۔۲؎ یعنی کچھ فاصلہ پر جہاں تک حضور انور کی آواز پہنچ رہی تھی' وہاں جناب علی کھڑے ہو کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام لوگوں تک پہنچا رہے تھے' مرقات نے یہاں فرمایا کہ اس حج میں ایک لاکھ تیس ہزار مسلمان شریک تھے' مگر صواعق محرقہ وغیرہ میں ہے کہ صحابہ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے'

حج میں ایک لاکھ سے زیادہ نے شرکت کی' یہ ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے' صحابہ کی تعداد انبیاء کرام کی تعداد کے برابر ہے خیال رہے کہ حج میں تین خطبے سنت ہیں' آٹھویں بقرعید کو مکہ معظمہ میں' نویں کو عرفات میں دسویں کو منیٰ میں (اشعہ)

وَعَنْ عَآئِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَّرَ طَوَافِ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ اِلَى اللَّيْلِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۵۵۴) روایت ہے حضرت عائشہ اور ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن طواف زیارت رات تک مؤخر فرمایا[۱] (ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ)

(۲۵۵۴)[۱] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں تاریخ کو طواف زیارت کی رات تک اجازت دی' کہ جو آج طواف کرنا چاہے وہ رات تک کرلے' وہ رات میں جا کر نہ کرے' اس کا مطلب نہ تو یہ ہے کہ حضور نے آج رات میں طواف کیا' حضور انور نے ظہر سے پہلے طواف کیا اور ظہر مکہ معظمہ بلکہ منیٰ میں واپس آ کر ادا کی' نہ یہ مطلب ہے کہ صرف آج رات طواف کا وقت ہے' اس کا وقت احناف کے ہاں دسویں کی فجر سے بارھویں کے غروب آفتاب سے پہلے تک ہے زیادہ تاخیر سے دم واجب ہے' شوافع کے ہاں دسویں کی آدھی رات سے جب تک چاہے (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْمُلْ فِي السَّبْعِ الَّذِيْ اَفَاضَ فِيْهِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۵۵۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کے سات چکروں میں رمل نہ کیا[۱] (ابوداؤد' ابن ماجہ)

(۲۵۵۵)[۱] رمل نہ تو طواف زیارت میں ہے نہ طواف وداع میں' صرف طواف قدوم میں ہے' رمل کے معنی پہلے عرض کئے جاچکے ہیں کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں سینہ تان کر اکڑتے ہوئے چلنا رمل کہلاتا ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَمٰى اَحَدُكُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا النِّسَآءَ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ) وَقَالَ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ وَفِيْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَالنَّسَآئِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ فَقَدْ حَلَّ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا النِّسَآءَ.

(۲۵۵۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی جمرہ عقبہ کی رمی کرے تو اس کے لیے بیوی کے سوا ہر چیز حلال ہوگئی[۱] (شرح سنہ) اور فرمایا کہ اس کی اسناد ضعیف ہے اور احمد و نسائی کی روایت میں حضرت ابن عباس سے یوں ہے کہ خود ان ہی نے فرمایا کہ جب جمرہ کی رمی کرے تو عورتوں کے سوا سب حلال ہے[۲]

(۲۵۵۶)[۱] یعنی جب حاجی دسویں بقرعید کو جمرہ عقبہ کی رمی کرچکے' تو جو چیزیں احرام سے حرام ہوچکی تھیں وہ تمام حلال ہوگئیں' ہاں ابھی بیوی سے صحبت حلال نہ ہوئی' یہ تو طواف زیارت سے حلال ہوگی' امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہاں نساء سے مراد اپنی بیوی سے صحبت ہے' امام شافعی کے ہاں اس سے مراد عورت سے نکاح کرنا ہے' کیونکہ ان کے ہاں احرام میں نکاح کرنا بھی حرام ہے' طواف زیارت کے بعد حلال ہوتا ہے' بعض شارحین نے فرمایا کہ جمرہ عقبہ کی رمی سے مراد رمی مع ملحقات ہے' یعنی سر منڈانا و قربانی کرنا کہ ان تین کاموں سے ہر چیز حلال ہوتی ہے' اور یہ دونوں چیزیں رمی کی ملحقات سے ہیں لہٰذا رمی کے بعد سر منڈانے اور قربانی سے پہلے سلے کپڑے اور خوشبو استعمال نہیں کرسکتا[۲] یعنی احمد و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عباس کا خود اپنا قول نقل کیا' مرفوع حدیث نقل نہ کی' مگر اس قسم کی موقوف

حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے خیال رہے کہ احرام سے فارغ ہونے پر حجامت ہمارے ہاں واجب ہے' امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ہاں سنت' ہماری دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ (۲۲،۲۹) پھر اپنا میل کچیل اُتاریں (کنزالایمان) اس سے مراد حجامت ہے' اور رب تعالیٰ کا یہ فرمان: اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ (۴۸،۲۷) اپنے سروں کے بال منڈاتے یا ترشواتے (کنزالایمان) مگر چونکہ یہ استدلال ظنی ہے اس لئے اس سے وجوب ثابت ہے نہ کہ فرضیت۔

وَعَنْهَا قَالَتْ اَفَاضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اٰخِرِيَوْمِهٖ حِيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى مِنًا فَمَكَثَ بِهَا لَيَالِيَ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ يَرْمِي الْجَمْرَةَ اِذَازَالَتِ الشَّمْسُ كُلَّ جَمْرَةٍ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَّيَقِفُ عِنْدَالْاُوْلٰى وَالثَّانِيَةِ فَيُسْطِيْلُ الْقِيَامَ وَيَتَضَرَّعُ وَيَرْمِي الثَّالِثَةَ فَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا .(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۵۵۷) روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کے آخری حصہ میں جب کہ ظہر پڑھ چکے تو طواف زیارت کیا پھر منیٰ لوٹ آئے[1] پھر تشریق کے زمانہ میں وہاں ہی قیام فرمایا کہ سورج ڈھل جانے پر جمرہ کی رمی کرتے تھے[2] ہر جمرہ کی سات کنکریوں سے ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے پہلے[3] اور دوسرے جمروں کے پاس کچھ ٹھہرتے تھے تو دراز قیام کرتے تھے عاجزی زاری کرتے تھے اور تیسرے جمرہ کی رمی کرتے تو وہاں نہ ٹھہرتے[4] (ابوداؤد)

(۲۵۵۷)[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت نماز پڑھ کر کیا' بلکہ یہ کہ ظہر منیٰ میں پڑھی' پھر مکہ معظمہ تشریف لے گئے' مگر پہلے گزر چکا کہ حضور انور نے نماز ظہر سے پہلے طواف کیا' پھر بعد نماز ظہر اپنی ازواج مطہرات کو طواف کرانے لے گئے' دسویں بقرعید کو دوبارہ مکہ معظمہ تشریف لائے' ان گزشتہ احادیث میں اپنے طواف کرنے کا ذکر ہے اور یہاں ازواج پاک کو طواف کرانے کا تذکرہ یا ازواج پاک کو یہ طواف گیارھویں کو کرایا' یہاں اسی کا ذکر ہے' بہرحال یہ حدیث واجب التاویل ہے (مرقات وغیرہ) [2] پہلے بتایا جاچکا ہے کہ دسویں بقرعید کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہوگی اور زوال سے پہلے' پھر باقی گیارھویں بارھویں کو تینوں جمروں کی رمی ہوگی' مگر زوال کے بعد آج کل حجاج بارھویں کو زوال سے پہلے ہی جمروں کی رمی کر کے مکہ معظمہ روانہ ہو جاتے ہیں' یہ سخت برا ہے خلاف سنت ہے' جب حج کرنے اتنی دور سے اتنا خرچ کر کے آئے ہو تو اچھی طرح کرو کوشش کرو کہ دسویں کو طواف زیارت کرلو تاکہ آج بارھویں کو بھاگنا نہ پڑے [3] صرف اللہ اکبر یا بسم اللہ اللہ اکبر اس کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے [4] یہ ہی سنت ہے کہ آخری جمرہ کی رمی کے بعد وہاں نہ ٹھہرے پہلے دو جمروں کی رمی کے بعد ٹھہرے اور وہاں دعائیں مانگے اس کی حکمتیں پہلے عرض ہو چکی ہیں۔

وَعَنْ اَبِي الْبَدَّاحِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرِعَاءِ الْاِبِلِ فِي الْبَيْتُوْتَةِ اَنْ يَّرْمُوْا يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ يَجْمَعُوْا رَمْيَ يَوْمَيْنِ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ فَيَرْمُوْهُ فِيْ اَحَدِهِمَا (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ)

(۲۵۵۸) روایت ہے حضرت ابوالبداح ابن عاصم ابن عدی سے[1] وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو شب گزاری کی اجازت دی[2] کہ بقرعید کے دن رمی کرلیں پھر بقرعید کے بعد دو دن کی رمی جمع کرلیں اس طرح کہ ان دونوں میں سے ایک ہی رمی کریں[3]

(مالک' ترمذی' نسائی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲۵۵۸)[1] مرقات نے فرمایا کہ ابن عاصم' ابوالبداح کا بدل ہے اور ان کی کنیت ابوعمرو ہے' ابوالبداح لقب ہے' آپ اپنے لقب

میں مشہور ہوگئے ہیں' بعض کے خیال میں آپ تابعی ہیں' مگر حق یہ ہے کہ صحابی ہیں جیسا ابن عبدالبر نے فرمایا۔۲؎ کہ منیٰ کے زمانہ میں راتیں اپنے گھر گزاریں' منیٰ میں رات گزارنا ان پر لازم نہیں۔۳؎ اس کی صورت یہ ہے کہ بقرعید کے دن جمرہ عقبہ کی رمی کرلیں' گھر چلے جائیں گیارھویں کو نہ آئیں' بارھویں کو دونوں دنوں یعنی گیارھویں بارھویں کی رمی کرلیں' امام شافعی و مالک بلکہ امام اعظم کے ہاں بھی تقدیم جائز نہیں بلکہ تاخیر جائز ہے یعنی گیارھویں کو دونوں دن کی رمی نہ کریں بلکہ بارھویں کو کریں۔

بَابُ مَا يَجْتَنِبُهُ الْمُحْرِمُ — باب جن چیزوں سے محرم بچے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۱؎ یعنی بحالت احرام محرم کون کام کرسکتا ہے اور کون کام نہیں کرسکتا نہ کرسکنے میں تمام ممنوعات داخل ہیں' خواہ ان سے قربانی واجب یا صدقہ یعنی آدھا صاع (سوا دو سیر) گندم یا ایک صاع (ساڑھے چار سیر جو) یا کچھ واجب نہ ہو' مگر اس کا کرنا اچھا' اس باب میں یہ تمام چیزیں مذکور ہیں اور ان کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم ہوسکتی ہے' حج میں ترک واجب سے قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلاً سَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَايَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَآئِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلٰتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَايَجِدُ نَعْلَيْنِ فَيَلْبَسْ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهٗ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ وَّلَا تَنْتَقِبُ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ۔

(۲۵۵۹) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ محرم کون سے کپڑے پہنے۱؎ تو فرمایا کہ نہ قمیص پہنو نہ پگڑیاں' نہ پائجامے اور نہ ہی ٹوپیاں۲؎ نہ موزے بجز اس کے جو جوتے نہ پائے تو وہ موزے پہن لے اور انہیں ٹخنوں کے نیچے کاٹ لے۳؎ اور نہ وہ کپڑے پہنو جنہیں زعفران لگا ہو نہ وہ جنہیں ورس لگا ہو۴؎ (مسلم بخاری) اور ایک روایت میں بخاری نے زیادہ کیا کہ محرمہ عورت منہ پر نقاب نہ ڈالے اور نہ دستانے پہنے۵؎

(۲۵۵۹) ۱؎ سائل کو سوال کرنا نہ آیا' پوچھنے والی بات یہ تھی کہ کون سے کپڑے نہ پہنے' اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پہننے والے کپڑے بتائے جواب حکیمانہ دیا۔۲؎ چونکہ روئے سخن مرد حجاج کی طرف ہے اس لئے پگڑی وٹوپی کا بھی ذکر فرمایا' مطلب یہ ہے کہ مرد حاجی سلا کپڑا نہ پہنے اور نہ سر ڈھکے ان دونوں حکموں سے عورتیں علیحدہ ہیں پہننے سے مراد عادت کے مطابق پہننا ہے' پائجاموں میں پاؤں ڈال کر اور قمیص کی آستینوں میں ہاتھ ڈال کر' اگر کوئی محرم تہبند کی طرح پائجامہ لپیٹ لے اور چادر کی طرح قمیص اوڑھ لے' تو جائز ہے کہ یہ لبس یعنی پہننا نہیں' برنس ایک خاص قسم کی لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں جو پہلے مروج تھی مگر یہاں مطلقاً سر ڈھکنے والی چیز مراد ہے لہذا محرم سر پر کپڑا' چادر' دوپٹہ بھی نہیں ڈال سکتا۔ جب وہ سر سے متصل ہو' ہاں چھتری لگانا' خیمہ میں بیٹھنا درست ہے کہ چھتری اور خیمہ کی چھت سر سے علیحدہ رہتی ہے۔۳؎ احناف کے ہاں یہاں کعبین سے مراد درمیان قدم پر ابھری ہوئی سخت ہڈی ہے' اس کا کھلا رہنا ضروری ہے اور ڈھانپنا منع' شوافع کے ہاں وہ ہی عرفی ٹخنے یعنی قدم کے آس پاس کی دو ہڈیاں مراد ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ محرم کو بحالت احرام موزہ پہننا درست ہے۔

نہ ایسا جوتا یا بوٹ' جس سے وسط قدم کی ہڈی ڈھک جائے' خفین چمڑہ کے موزے کو کہتے ہیں سوتی یا اونی موزے کو جرابیں کہا جاتا ہے وہ ممنوع نہیں' مطلب یہ ہے کہ اگر حاجی کے پاس جوتے نہ ہوں' تو چمڑے کے موزے کو کاٹ کر جوتے کی طرح بنالے پھر پہن لے۴ چونکہ پہلا حکم صرف مردوں کو تھا اور یہ حکم مرد و زن سب کو' اسی لئے لا تلبسوا مکرر ارشاد ہوا' اور ورس عرب کی ایک مشہور گھاس ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں' اس کا رنگ بھی زعفران کی طرح پیلا ہوتا ہے' یعنی کوئی محرم مرد یا عورت' زعفران یا ورس میں رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے' یہاں پہننے سے مراد استعمال کرنا ہے اس رنگ کی چادر' تہبند بھی استعمال نہیں کرسکتا۔۵ اس سے معلوم ہوا کہ محرم عورت سر پر کپڑا ڈال سکتی ہے مگر منہ پر نقاب نہیں ڈال سکتی جبکہ نقاب منہ سے متصل ہو' اگر منہ سے دور رہے تو جائز ہے ایسے ہی اگر پنکھا وغیرہ آڑ کر کے منہ چھپالے تو بھی کوئی حرج نہیں' جیسے مرد کے سر کیلئے چھتری یا جبہ۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُوْلُ اِذَالَمْ يَجِدِ الْمُحْرِمُ نَعْلَيْنِ لَبِسَ خُفَّيْنِ وَاِذَالَمْ يَجِدْ اِذَارًا لَبِسَ سَرَاوِيْلَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۶۰) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب محرم جوتے نہ پائے تو موزے پہن لے اور جب تہبند نہ پائے تو پائجامہ پہن لے۱ (مسلم بخاری)

(۲۵۶۰)۱ اس کا مطلب احناف کے یہاں یہ ہے کہ جس محرم کے پاس جوتا نہ ہو وہ موزے کاٹ کر پہنے' جیسا کہ پہلے گزر گیا' مگر صدقہ پھر بھی دینا ہوگا' اور اگر تہبند نہ ہو تو پائجامہ چادر کی طرح لپیٹ لے' اس میں فدیہ نہیں' اگر پائجامہ عادت کے مطابق پہنا تو دم یعنی قربانی دینا ہوگی' دوسرے اماموں کے ہاں اس کے اور معانی ہیں' امام شافعی کے ہاں موزے کاٹ کر پہننے میں فدیہ بھی نہیں۔

وَعَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعِرَّانَةِ اِذْجَآءَهٗ رَجُلٌ اَعْرَابِيٌّ عَلَيْهِ جُبَّةٌ وَهُوَ مُتَضَمِّخٌ بِالْخَلُوْقِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اَحْرَمْتُ بِالْعُمْرَةِ وَهٰذِهٖ عَلَيَّ فَقَالَ اَمَّا الطِّيْبُ الَّذِىْ بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَّاَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ اصْنَعْ فِىْ عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِىْ حَجِّكَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۶۱) روایت ہے حضرت یعلی ابن امیہ سے۱ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام جعرانہ میں تھے۲ کہ آپ کے پاس ایک بدوی حاضر ہوئے جن پر قبا تھی اور وہ خلوق خوشبو میں لتھڑے ہوئے تھے۳ تو بولے یا رسول اللہ میں نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اور مجھ پر یہ ہے فرمایا اپنی خوشبو تو تین بار دھوڈالو۴ رہا جبہ تو اسے اتار ڈالو پھر عمرہ میں وہ ہی کرو جو حج میں کرتے ہو۵ (مسلم بخاری)

(۲۵۶۱)۱ آپ صحابی ہیں فتح مکہ کے دن ایمان لائے' غزوہ حنین و طائف میں حاضر ہوئے' تمیمی ہیں حنظلی ہیں' جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' اسی میں شہید ہوئے' ۲ یہ جگہ حرم شریف سے خارج ہے' طائف کے راستہ پر ہے' آج کل اس کا نام سہل ہے فقیر وہاں دوبار حاضر ہوا ہے' بعض ائمہ کے ہاں عمرہ کا احرام جعرانہ سے باندھنا افضل ہے' ہمارے امام اعظم کے ہاں تنعیم سے باندھنا بہتر' کہ جعرانہ سے احرام کا عمل حضور نے فرمایا تھا' اور تنعیم سے احرام باندھنے کا حضرت عائشہ صدیقہ کو حکم دیا' اور حکم عمل سے اعلیٰ ہوتا ہے' اب تنعیم والے عمرہ کو چھوٹا عمرہ کہتے ہیں' اور جعرانہ والے کو بڑا عمرہ ۳ خلوق عرب کی مشہور خوشبو ہے جس میں زعفران ہوتا ہے' بہت مہکتی ہے اور رنگت بھی رکھتی ہے۴ چونکہ اس خوشبو میں زعفران ہوتا ہے رنگ دیتی ہے اس لئے مرد کو بہرحال ممنوع ہے' اسی لئے اس

کے دھوڈالنے کا حکم دیا' ورنہ محرم اگر احرام سے پہلے خوشبو لگائے پھر احرام باندھے وہ خوشبو باقی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا جن لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر احرام سے پہلے والی خوشبو کو بھی منع کیا۔ انہوں نے غلطی کی۔ ۵؎ یعنی جن چیزوں سے حج میں بچتے ہو' ان سے ہی عمرہ میں بچو' یا جیسے طواف و سعی حج میں کرتے ہو عمرے میں بھی کرو' یہ مطلب نہیں کہ عمرہ میں حج کے سارے ارکان ادا کرو' خیال رہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اگر بھول کر بھی اس قسم کی غلطی کرے تو اس پر فدیہ ہے' دیگر ائمہ کے ہاں بھول میں فدیہ نہیں' یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ کا حکم نہ دیا' مگر ظاہر ہے کہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس کی دلیل نہیں' عدم ثبوت اور ہے' ثبوت عدم کچھ اور۔

وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۶۲) روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم نہ نکاح کرے نہ کرائے اور نہ نکاح کا پیغام دے ۱؎ (مسلم)

(۲۵۶۲) ۱؎ یہ حدیث امام شافعی و دیگر اماموں کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ بحالت احرام نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے' ہمارے امام اعظم کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے یا لَا يَنْكِحُ نفی مضارع کا صیغہ ہے' یعنی بحالت احرام محرم اپنے ارکان ادا کرنے میں مشغول رہتا ہے اور دنیاوی کاموں میں پھنستا نہیں' یہاں کاموں کیلئے نہیں آیا ہے' ان کاموں کے لیے اور وقت ہیں اس لئے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے بحالت احرام نکاح کیا ہے' جیسا کہ اگلی حدیث میں ہے' بہرحال یہ کراہت تنزیہی ہے' ان کے ہاں محرم کو نکاح کرنا حرام ہے' نکاح کی وکالت یا پیغام کو وہ بھی حرام نہیں فرماتے' لہٰذا مذہب حنفی قوی ہے' اور یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۶۳) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی میمونہ سے بحالت احرام نکاح کیا ۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۵۶۳) ۱؎ یہ نکاح عمرہ قضا میں ہوا' بمقام سرف جو مکہ معظمہ سے قریباً چھ میل فاصلہ پر ہے وادی فاطمہ کے قریب' خیال رہے کہ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ ہیں' ان کی سگی بہن لبابہ کبریٰ ام الفضل حضرت عباس کے نکاح میں ہیں' اور اخیافی بہن اسماء بنت عمیس حضرت جعفر کے نکاح میں' اور دوسری اخیافی بہن سلمٰی بنت عمیس جناب حمزہ کے نکاح میں ہیں' لہٰذا حضرت میمونہ ابن عباس کی سگی خالہ ہیں' حضرت میمونہ کے اس نکاح میں حضرت عباس وکیل میمونہ تھے انہوں نے حضور انور سے آپ کا نکاح کیا واپسی میں اسی مقام پر زفاف ہوا اور اسی جگہ حضرت میمونہ کی وفات و قبر ہوئی لوگ زیارت کرتے ہیں (مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ اس نکاح کا حال جس قدر حضرت ابن عباس کو معلوم ہوسکتا ہے دوسرے کو نہیں' کہ یہ خود ان کی خالہ کا معاملہ ہے اور آپ کے والد ماجد اس نکاح میں وکیل ہیں' یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ محرم بحالت احرام نکاح کرسکتا ہے' یہ عمل بیان جواز کیلئے ہے اور گزشتہ بیان استحباب کیلئے' لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَصَمِّ ابْنِ اُخْتِ مَيْمُوْنَةَ عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَالْاَكْثَرُوْنَ عَلٰى اَنَّهٗ

(۲۵۶۴) روایت ہے حضرت یزید ابن الاصم سے جو حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں ۱؎ وہ جناب میمونہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے بحالت حلال نکاح کیا ۲؎ (مسلم) حضرت شیخ امام محی السنہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اس پر ہیں کہ حضور انور نے ان سے

تَزَوَّجَهَا حَلَالًا وَظَهَرَ اَمْرُ تَزْوِيْجِهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ ثُمَّ بَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ بِسَرِفَ فِىْ طَرِيْقِ مَكَّةَ ۔

نکاح تو بحالت حلال کیا مگر بحالت احرام نکاح کا حال کھلا پھر مکہ معظمہ کے راستہ میں مقام سرف میں آپ سے زفاف حلال ہوکر کیا۳

(۲۵۶۴)۱یزید ابن اصم بھی حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں اور حضرت ابن عباس بھی' مگر یزید ابن اصم تابعی اور ابن عباس فقیہ صحابی ہیں' لہٰذا یزید ابن اصم سن کر فرما رہے ہیں' اور حضرت ابن عباس وہ نکاح دیکھ کر کیونکہ وہ خود اس نکاح میں موجود تھے' ان کے والد حضرت عباس وکیل نکاح تھے' یہ نہیں خبر کہ یزید ابن اصم نے یہ واقعہ کس کس سے سنا' خود حضرت میمونہ سے یا کسی اور سے' انہوں نے حضرت میمونہ سے یہاں عن میمونہ ہے سمعت میمونۃ نہیں ہے۔۲تزوج سے مراد تیاری نکاح ہے' اور حلال سے مراد احرام سے پہلے کا حل ہے' یعنی احرام باندھنے سے پہلے بحالت حل تیاری نکاح فرمائی' اور احرام کے بعد نکاح کیا' رب تعالٰی فرماتا ہے: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (۱۶'۹۸) تو جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (۶'۵) تو جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ (کنزالایمان) یعنی جب تم قرآن پڑھنا چاہو تو اعوذ باللہ پڑھو' اور جب تم نماز پڑھنا چاہو تو وضو کرو' یوں ہی تزوج کے معنی ہیں نکاح کرنا چاہا' تیاری نکاح' نکاح سے پہلے ہوتی ہے' لہٰذا یہ حدیث گزشتہ حدیث ابن عباس کے خلاف نہیں' اور اگر خلاف بھی ہو تب بھی حدیث ابن عباس کو ترجیح ہے' جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا۳یہاں اکثرون سے مراد شوافع علماء ہیں' انہوں نے یہ تاویل کی ہے' مگر یہ تاویل بالکل خلاف ظاہر ہے' کیونکہ اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے کہ نکاح احرام میں کیا ہو' اور ظہور نکاح حلال ہونے کی حالت میں ہوا' نیز تزوج کو ظہور نکاح کے معنی میں لینا بہت ہی بعید ہے' غرضیکہ مذہب احناف بہت قوی ہے' امام زہری نے جب یزید ابن اصم کی حدیث عمرو ابن دینار پر پیش کی تو عمرو نے فرمایا کہ یزید جو دیہات کے باشندے تھے حضرت ابن عباس کے برابر کیسے ہوسکتے ہیں۔ حدیث ابن عباس کو صحاح ستہ نے روایت کیا اور حدیث یزید کو مسلم نے' ابورافع کی حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح بحالت حلال کیا' اور میں ہی اس نکاح میں پیغام رساں تھا' یہ حدیث درجہ صحت کو نہ پہنچی اسے ابن حبان نے نقل کیا' اور ترمذی نے اسے صحیح نہ کہا' اور اگر صحیح بھی ہو تو مطلب وہ ہی ہے کہ تیاری نکاح بحالت احرام تھی' پیغام رسانی ارادہ نکاح میں ہوتی ہے نہ کہ عین نکاح کے وقت' اس وقت تو وکالت ہوتی ہے' جو حضرت عباس نے کی' حضرت ابن عباس کی جو روایت ہے کہ آپ نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا وہ بالکل سن کر ہے جسے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہیے' اور اگر یہ روایات متعارض مان لی جائیں' تو دونوں قسم کی حدیثیں ناقابل عمل ہوں گی اور قیاس پر عمل ہوگا جیسا کہ تعارض کا حکم ہے' قیاس چاہتا ہے کہ نکاح محرم درست ہو کیونکہ نکاح دوسرے عقود' بیع' اجارہ وغیرہ کی طرح ایک عقد ہے' جب محرم بیع اجارہ کرسکتا ہے تو نکاح بھی کرسکتا ہے۔ نیز اصل اشیاء اباحت ہے اور حرمت عارضی' حدیث ابن عباس نکاح محرم کی اباحت ثابت کر رہی ہے' لہٰذا اسی کو ترجیح ہے کہ اباحت اصلیہ اس کی مرجح ہے' نیز حدیث ابن عباس مثبت ہے' یہ احادیث نافی' اور مثبت کو ترجیح ہوتی ہے (از مرقات مع الزیادۃ)

وَعَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْسِلُ رَاْسَهٗ وَهُوَ مُحْرِمٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۶۵) روایت ہے حضرت ابوایوب سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت احرام اپنا سر مبارک دھو لیتے تھے۱(مسلم بخاری)

(۲۵۶۵)۱احرام کی حالت میں سر محض پانی سے دھونا جائز ہے جبکہ بال نہ ٹوٹے' خطمی سے دھونے میں قربانی واجب ہے (حنفی' مالکی) اشنان یا خوشبودار چیز سے دھونے میں صدقہ واجب ہے' بیری' صابون سے دھونا جائز ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ احْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۶۶) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام پچھنے لگوائے[۱] (مسلم بخاری)

(۲۵۶۶)[۱] محرم کو پچھنے لگوانے بھی جائز ہیں جبکہ بال نہ ٹوٹے' کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ محرم کو اپنا سر یا بدن کھجلانا کیسا؟ تو آپ نے فرمایا جائز ہے مگر بال نہ ٹوٹنے پائے (مرقات)

وَعَنْ عُثْمَانَ حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ اِذَا اشْتَكٰى عَيْنَيْهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ ضَمَّدَهَا بِالصَّبِرِ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۶۷) روایت ہے حضرت عثمان سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں حدیث نقل کی جس کی آنکھیں دکھتی ہوں اور وہ محرم ہو کہ ایلوے سے لیپ کرے[۱] (مسلم)

(۲۵۶۷)[۱] چونکہ ایلوے میں کوئی خاص خوشبو یا مہک نہیں' اس لیے دواءً اس کا استعمال جائز ہے' مگر خوشبودار سرمہ یا دوا لگانا ممنوع ہے جس سے صدقہ واجب ہوگا' مہندی لگانا محرم کو منع ہے کہ اس میں خوشبو ہے۔

وَعَنْ اُمِّ الْحُصَيْنِ قَالَتْ رَاَيْتُ اُسَامَةَ وَبِلَالًا وَاَحَدُ هُمَا اٰخِذٌ بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ رَافِعٌ ثَوْبَهٗ يَسْتُرُهٗ مِنَ الْحَرِّ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۶۸) روایت ہے حضرت ام الحصین سے فرماتی ہیں میں نے حضرت اسامہ و بلال کو دیکھا کہ ان میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور دوسرے صاحب اپنا کپڑا تانے ہوئے تھے[۱] آپ کو گرمی سے بچاتے تھے حتی کہ آپ نے جمرہ عقبہ کی رمی کرلی[۲] (مسلم)

(۲۵۶۸)[۱] حضرت بلال تو اونٹنی کی مہار پکڑے تھے اور حضرت اسامہ سرانور پر سایہ کئے ہوئے تھے' اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ اپنے خدام سے خدمت لینا جائز ہے' خواہ خدام تنخواہ دار نوکر ہوں' یا اپنے شاگرد' مرید' معتقد' دوسرے یہ کہ محرم بحالت احرام چھتری خیمہ' چادر کا سایہ لے سکتا ہے بشرطیکہ یہ چیزیں اس کے سر سے علیحدہ رہیں' روافض کے ہاں چھتری وغیرہ سے سایہ لینا بھی محرم کو درست نہیں[۲] اس میں یہ تصریح نہیں کہ یہ رمی دسویں بقرعید کی تھی' ممکن ہے کہ بعد والے دنوں کی ہو (مرقات)

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّبِهٖ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَّةِ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَهُوَ يُوْقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ وَّالْقَمْلُ تَتَهَافَتُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَقَالَ اَيُوْذِيْكَ هَوَ آمُّكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاحْلِقْ رَاْسَكَ وَاَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ وَالْفَرَقُ ثَلٰثَةُ اَصْعٍ اَوْ صُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اَوِ انْسُكْ نَسِيْكَةً . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۶۹) روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے[۱] کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گزرے جب کہ وہ مقام حدیبیہ میں تھے مکہ معظمہ داخل ہونے سے پہلے[۲] وہ محرم تھے اور ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور جوئیں ان کے چہرے پر گر رہی تھیں[۳] تو فرمایا کیا تمہیں جوئیں دکھ دے رہی ہیں۔ عرض کیا ہاں فرمایا تو اپنا سر منڈا دو اور ایک فرق (تین صاع)[۴] دانے مسکینوں میں بانٹ دو[۵] فرق تین صاع کا ہوتا ہے یا تین دن کے روزے رکھ لو یا قربانی دے دو[۶] (مسلم بخاری)

(۲۵۶۹)[۱] آپ صحابی ہیں' بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے' زمانہ جاہلیت میں عبادہ ابن صامت سے دوستی تھی آپ کا ایک بت تھا جس

کی پرستش کرتے تھے ایک دن حضرت عبادہ نے ان کی غیر موجودگی میں بت توڑ دیا' آپ نے آ کر بت کو ٹوٹا ہوا اور حضرت عبادہ کو وہاں بیٹھا ہوا پایا' تو حضرت عبادہ پر غصہ آیا مگر فوراً دل سے آواز آئی' کہ اے کعب اگر بت کچھ کر سکتے ہوتے' تو اپنے کو عبادہ سے کیوں نہ بچاتے' یہ خیال آتے ہی اسلام قبول کرلیا (اشعہ) کوفہ میں قیام رہا' مدینہ منورہ میں وفات پائی' پچھتر سال عمر پائی' ۵۱ھ میں انتقال ہوا (اکمال) ۲؎ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے سال کا ہے' ابھی کفار مکہ سے صلح کی گفتگو شروع نہ ہوئی تھی' مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی قوی امید تھی ۳؎ یعنی سر میں جوئیں بہت ہوگئی تھیں مگر احرام کی وجہ سے نہ مار سکتے تھے' نہ سر خطمی وغیرہ سے دھو سکتے تھے' حتی کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ چہرے پر جوئیں رینگنے لگیں ۔ ۴؎ فرق عرب کے ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں سولہ رطل یا بارہ مد یا تین صاع گندم سماتے ہیں' راء کے سکون سے بھی ہے اور فتح سے بھی' ۵؎ لہذا ہر مسکین کو آدھا صاع ملے گا' دانہ سے مراد گندم ہے' ہمارا یہ ہی مذہب ہے کہ محرم پر سر منڈانے کی صورت میں تین صاع گندم چھ مسکینوں میں تقسیم کرنا لازم ہے (مرقات) ۶؎ یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُ وْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (۲:۱۹۶) اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے پھر جو تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہے تو بدلہ دے روزے یا خیرات یا قربانی (کنزالایمان) یعنی قربانی اپنے ٹھکانے پر پہنچنے سے پہلے سر نہ منڈاؤ' جو تم میں بیمار یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو اس پر فدیہ لازم ہے روزے یا صدقہ یا قربانی' حدیث شریف نے بتایا کہ روزے تین واجب ہوں گے' اور اگر صدقہ دے تو تین صاع مسکینوں کو دے گا ہر مسکین کو نصف صاع' غرضیکہ ضرورۃً سر منڈانے کا محرم پر کفارہ ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى النِّسَآءَ فِیْ اِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ وَمَامَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَلْتَلْبَسْ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا اَحَبَّتْ مِنْ اَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرٍ اَوْخَزٍّ اَوْحُلِيٍّ اَوْسَرَاوِيْلَ اَوْ قَمِيْصٍ اَوْ خُفٍّ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۵۷۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ عورتوں کو بحالت احرام دستانوں اور نقاب سے اور ان کپڑوں سے جنہیں ورس یا زعفران لگا ہو منع فرماتے تھے ۱؎ ہاں احرام کے بعد جو رنگ برنگے کپڑے سرخ یا ریشمی یا زیور یا پائجامہ یا کرتہ یا موزہ چاہے پہنے ۲؎ (ابوداؤد)

(۲۵۷۰) ۱؎ یعنی عورت کو بحالت احرام تین چیزیں منع ہیں' دستانہ پہننا' چہرے پر نقاب اس طرح ڈالنا کہ کپڑا منہ کو لگے' بدن یا کپڑے پر خوشبو ملنا ۲؎ بعد ذلك کے معنی اشعۃ اللمعات میں تو یہ کیے کہ احرام کے بعد جو چاہے پہنے' کہ مانع جاتا رہا' مگر مرقات میں بعد کے معنی کیے سواء' ذالك سے اشارہ کیا گزشتہ تین چیزوں کی طرف' اور معنی یہ کئے' کہ ان تین لباسوں کے علاوہ محرمہ عورت بحالت احرام جو چاہے لباس پہنے' مطلب یہ ہے کہ عورت پر مردوں کی سی پابندی نہیں' سر نہ ڈھکے یا سلے کپڑے نہ پہنے وغیرہ بلکہ اسے سر ڈھکنا' سلے کپڑے پہننا سب جائز ہے' بلکہ اگر نقاب چہرے سے الگ رہے تو وہ بھی جائز ہے' مرقات کے یہ دوسرے معنی زیادہ قوی معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم ۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٌ فَإِذَا جَازُوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَلِابْنِ مَاجَةَ مَعْنَاهُ)

(۲۵۷۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ہم پر قافلے گزرتے تھے جب کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوئے تھے جب قافلے ہم پر گزرتے۱ تو ہم میں سے ہر ایک اپنے سر سے چہرے پر چادر ڈال لیتی۲ آگے بڑھ جاتے، تو ہم منہ کھول لیتے تھے۳ (ابوداؤد) ابن ماجہ کی روایت میں اس کے معنی ہیں

(۲۵۷۱)۱یعنی ویسے تو ہم اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنے چہرے کھلے رکھتے تھے مگر جب قافلے پر ہم گزرتے، تو ان میں مرد بھی ہوتے تھے ان سے ہم پردہ کرنے کی کوشش کرتے تھے لہٰذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ وہ حضرات اپنے مدینہ والے مردوں سے پردہ نہ کرتی تھیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا، پردہ ہر اس مرد سے واجب ہے جس سے نکاح درست ہو خواہ مدینہ کا ہو یا باہر کا۲ مگر اس طرح کہ چادر کا یہ حصہ چہرے سے مس نہ کرے، اس سے علیحدہ رہے کہ اس میں پردہ بھی ہو گیا، نقاب چہرے سے مس بھی نہ ہو لہٰذا یہ حدیث گزشتہ نقاب کی ممانعت کی حدیث کے خلاف نہیں۔۳ کیونکہ اب کوئی نامحرم مرد نہ رہتا تھا جس سے پردہ ہو لہٰذا یہ حدیث گزشتہ نقاب کی ممانعت کی حدیث کے خلاف نہیں، خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (۳۳،۶) اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں (کنزالایمان) مگر پردہ حجاب ان پر بھی فرض ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (۳۳،۵۳) اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر مانگو (کنزالایمان) اب موجودہ زمانہ کی بے پردہ عورتوں کو اس حدیث سے عبرت لینا چاہیے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَدَّهِنُ بِالزَّيْتِ وَهُوَ مُحْرِمٌ غَيْرَ الْمُقَتَّتِ يَعْنِي غَيْرَ الْمُطَيَّبِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۵۷۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت احرام روغن زیتون لگا لیتے تھے جو کسی خوشبو سے مہکایا نہ جاتا تھا۱ (ترمذی)

(۲۵۷۲)۱مقیت تقتیت سے بنا بمعنی روغن کو خوشبو سے مہکانا، یا تو خوشبو کے ساتھ پکا کر یا تلوں وغیرہ کو پھولوں میں بسا کر، یا تیل میں پھول ڈال کر، یہ سب تقتیت کی صورتیں ہیں، خیال رہے کہ خوشبودار تیل عضو کامل پر لگانے سے محرم پر بالاتفاق قربانی واجب ہے، مگر خالص تل یا زیتون کے تیل لگانے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسے خوشبو مانتے ہیں، کہ اس کے لگانے سے امام صاحب کے ہاں قربانی اور صاحبین کے ہاں صدقہ واجب ہے، مگر جبکہ خوشبو کے لیے ملا جائے، اگر دواءً استعمال یا اس کی مالش کی جائے تو ہمارے یہاں بھی کچھ واجب نہیں، دیگر ائمہ کے ہاں ان تیلوں سے کچھ واجب نہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ کے یہاں اس حدیث میں دواءً تیل لگانا مراد ہے دوسرے اماموں کے ہاں خوشبو کے لیے لگانا مراد لہٰذا یہ حدیث امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ وَجَدَ الْقُرَّ فَقَالَ اَلْقِ عَلَيَّ ثَوْبًا يَا نَافِعُ فَاَلْقَيْتُ عَلَيْهِ بُرْنُسًا فَقَالَ تُلْقِيْ عَلَيَّ

(۲۵۷۳) روایت ہے حضرت نافع سے کہ حضرت ابن عمر نے سردی محسوس کی تو فرمایا اے نافع مجھ پر کپڑا ڈال دو تو میں نے آپ پر

هٰذَا وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّلْبَسَهُ الْمُحْرِمُ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

ایک برنس ڈال دی۲ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم مجھ پہ ڈالتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو اس کے پہننے سے منع فرمایا۳ (ابوداؤد)

(۲۵۷۳)۱؎ حضرت ابن عمر محرم تھے، موسم سرد تھا یا اتفاقاً سردی ہوگئی، جیسے کبھی جون جولائی میں بھی بارش یا اولے پڑ جانے سے عارضی سردی ہوجاتی ہے۔ ۲؎ برنس لمبی ٹوپی کو بھی کہتے ہیں اور لمبی چادر کو بھی جو سر بھی ڈھانپ لے یہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی میں نے ان پر وہ لمبی چادر ڈال دی جس سے ان کا سر بھی ڈھک گیا، برنس میں ایسی سلائی ہوتی ہے جس میں سر ڈھکنے کا حصہ بن جاتا ہے، خیال رہے کہ محرم کو سلا کپڑا پہننا منع ہے حتی کہ اس کا اپنے پر ڈالنا، پہننا یہ ہے کہ سلائی کے ذریعہ کپڑا جسم پر رکے، ڈالنا یہ ہے کہ کسی اور ذریعہ سے اسے روکا جائے، حضرت ابن عمر نے یا تو اس لئے منع فرمایا کہ آپ کا سر ڈھک گیا تھا اور محرم کو سر ڈھانپنا منع ہے، یا آپ نے سلا کپڑا اڈالنا بھی مکروہ سمجھا، فتح القدیر میں فرمایا کہ سلا کپڑا اس طرح اپنے پر ڈالنا کہ پہننے کے مشابہ ہوجائے مکروہ ہے (مرقات)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِلَحْيِيْ جَمَلٍ مِّنْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فِيْ وَسْطِ رَاْسِهٖ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۷۴) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام اپنے سر کے وسط میں مکہ معظمہ کے راستہ میں لحی جمل میں پچھنے لگوائے۱ (مسلم بخاری)

(۲۵۷۴)۱؎ ظاہر ہے کہ وسط پر بال ہوتے ہیں وہ دور کئے بغیر وہاں فصد نہیں ہوسکتی، اور بال اکھیڑنا، مونڈنا بحالت احرام جرم ہے، اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورۃً یہاں کے بال علیحدہ کرکے فصد کھلوائی ہوگی اور بعد میں فدیہ بھی ادا کردیا ہوگا، یہاں فدیہ کا ذکر نہیں ہے، سر منڈانے پر فدیہ واجب ہونا آیت قرآنی سے ثابت ہے، ہماری اس توجیہ کی بنا پر نہ تو حدیث قرآنی آیت کے خلاف ہے اور نہ ان احادیث کے جن میں حاجی کو فصد لینے یا بال منڈانے سے منع فرمایا گیا ہے، کہ یہ عمل ضرورۃً تھا اور وہ فرمان بلاضرورت کی صورت میں ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ مِنْ وَجَعٍ كَانَ بِهٖ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ)

(۲۵۷۵) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں۱ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام ایک درد کی وجہ سے جو آپ کو تھا قدم کی پشت پر پچھنے لگوائے۲ (ابوداؤد نسائی)

(۲۵۷۵)۱؎ چونکہ درمیان قدم پر بال ہوتے ہی نہیں، لہذا وہاں فصد کی صورت میں بال دور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا اس حدیث میں کسی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں خصوصاً جبکہ یہ فصد عذر کی بنا پر تھی، عذر میں تو بال مونڈ کر فصد لینا بھی جائز ہے، اگرچہ فدیہ واجب ہوگا (لمعات واشعہ وغیرہ)

وَعَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ حَلَالٌ وَبَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ وَكُنْتُ اَنَا الرَّسُوْلُ بَيْنَهُمَا

(۲۵۷۶) روایت ہے حضرت ابورافع سے۱ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے حلال ہونے کی صورت میں نکاح کیا، اور حلال ہی ہونے کی حالت میں ان سے زفاف فرمایا

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ) میں ہی دونوں کے درمیان پیغام رساں تھا۔(احمد' ترمذی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

(۲۵۷۶)۱آپ کا نام مصعب یا ابراہیم ہے' کنیت ابورافع' آپ پہلے حضرت عباس کے غلام تھے' کسی قبطی نے آپ کو عطیہ دیا تھا' حضرت عباس نے بطور نذر حضور کو ان کا مالک بنادیا' بدر سے کچھ پہلے ایمان لائے مگر بدر میں حاضر نہ ہو سکے جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس کے ایمان لانے کی خبر دی' تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر انہیں آزاد کر دیا' اکمال میں ہے کہ آپ کا انتقال شہادت حضرت عثمان سے کچھ پہلے ہوا ہے' مگر بعض مورخین فرماتے ہیں کہ آپ کا انتقال خلافت مرتضوی میں ہوا (اشعہ واکمال) مگر آپ آزاد ہونے کے بعد بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہے۔۲اس کی تحقیق ابھی کچھ پہلے حضرت ابن عباس کی حدیث کے ماتحت ہو چکی کہ مسلم بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ حضور نے یہ نکاح بحالت احرام کیا لہٰذا اس حدیث ابورافع میں تزوج کے معنی ہیں تیاری نکاح فرمائی اور ظاہر بھی یہی ہے' کیونکہ رسالت و پیغام رسانی نکاح کے وقت نہیں بلکہ نکاح سے پہلے ہوتی ہے اَنَا الرَّسُوْلُ سے معلوم ہو رہا ہے کہ نکاح سے پہلے کا واقعہ ہے' وکیل نکاح حضرت عباس تھے' ان کے فرزند فرماتے ہیں کہ نکاح بحالت احرام ہوا' لہٰذا حق یہی ہے کہ نکاح احرام میں ہوا ہے اور محرم کو نکاح کرنا جائز ہے صحبت حرام۔۳یعنی یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ حسن ہے' اور حدیث ابن عباس جس میں نکاح بحالت احرام ثابت ہے صحیح ہے' مسلم بخاری کی روایت ہے' لہٰذا وہ اس پر راجح ہے۔

بَابُ الْمُحْرِمُ يَجْتَنِبُ الصَّيْدَ باب محرم شکار سے بچے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

اگر باب کو تنوین پڑھی جائے' تو یہ ہذا پوشیدہ کی خبر ہے اور المحرم مبتدا یجتنب خبر' اور اگر باب کو تنوین نہ پڑھی جائے تو المحرم بوجہ مضاف الیہ ہونے کے مجرور ہوگا' اور یجتنب اس کا حال' صید کے معنی ہیں شکار کرنا یا شکار کھانا یعنی محرم شکار کرنے سے بچے یا شکار کھانے سے بچے' خیال رہے کہ محرم کو دریائی شکار مطلقاً حلال ہے جانور حلال ہو یا حرام دریا حرم کا ہو یا بیرون حرم کا' رہا خشکی کا شکار' اس میں تفصیل ہے درندے وشکاری جانور کا شکار حلال ہے' جیسے سانپ' شیر' بھیڑیا وغیرہ' دیگر حرام جانور جو بذاتِ خود موذی تو نہیں مگر کبھی حملہ کر دیتے ہیں' تو حملہ کرنے کی صورت میں ان کا شکار حلال ہے ورنہ نہیں' حلال جانور کا نہ خود شکار کرے نہ شکاری کی امداد کرے' نہ اس کی طرف اشارہ کرے' اگر کرے گا تو اس کی قیمت دینا ہوگی رہا شکار کھانا' اس میں بہت تفصیل اور ائمہ کا بہت اختلاف ہے' مذہب امام اعظم یہ ہے کہ محرم کا کیا ہوا شکار حرام' خواہ خود ہی شکار کرے یا دوسرا محرم یا اس محرم کی امداد یا اشارہ سے حلال شکار کرے' رہا حلال شکار وہ محرم کھا سکتا ہے' خواہ اس نے اپنے لئے کیا ہو یا محرم کیلئے' جیسا کہ حدیث ابوقتادہ میں آئے گا رب تعالیٰ فرماتا ہے: اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (۹۶،۵) حلال ہے تمہارے لئے دریا کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدے کو (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا (۹۶،۵) اور تم پر حرام ہے خشکی کا شکار جب تک تم احرام میں ہو (کنزالایمان) خیال رہے کہ شکار وہ جانور ہے جو خلقت کے لحاظ سے وحشی ہوا' اس کی پیدائش و پرورش جنگل میں ہو (از مرقات واشعہ)

عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جُثَّامَةَ اَنَّهٗ اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا وَحْشِيًّا وَّهُوَ بِالْاَبْوَاءِ اَوْ بِوَدَّانَ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَاٰى مَا فِيْ وَجْهِهٖ قَالَ اِنَّا لَمْ نَرُدَّهٗ عَلَيْكَ اِلَّا اَنَّا حُرُمٌ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۷۷) روایت ہے حضرت صعب ابن جثامہ سے[۱] کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گورخر پیش کیا[۲] جبکہ حضور انور مقام ابوا یا ودان میں تھے[۳] تو آپ نے وہ واپس فرمایا پھر جب حضور نے ان کے چہرے کی حالت دیکھی تو فرمایا کہ ہم نے صرف اس لئے واپس کیا کہ ہم محرم ہیں[۴] (مسلم بخاری)

(۲۵۷۷)[۱] آپ صحابی ہیں حضرت ابن عباس آپ سے احادیث لیتے ہیں' خلافت صدیقی میں وفات ہوئی (اشعہ' اکمال) [۲] بعض روایات میں ہے کہ زندہ جانور پیش کیا تھا اور بعض میں ہے کہ ذبح کر کے اس کا کوئی عضو پاؤں سرین وغیرہ ہوسکتا ہے کہ پہلے زندہ گورخر پیش کیا ہو' بعد میں ذبح کر کے اس کا کوئی عضو' لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں' حمار وحشی کا فارسی میں نام گورخر ہے اردو میں بھی یہی ہے' [۳] ابواء مدینہ منورہ سے دس میل فاصلہ پر مکہ معظمہ کے شرقی قدیمی راستہ پر ہے اور ودان آٹھ میل فاصلہ پر' ابواء کے مقام پر حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کا مزار مقدس ہے' اللہ تعالیٰ کبھی مجھے وہاں کی حاضری نصیب کرے تو ان کی تربت اطہر کی مٹی کا سرمہ لگاؤں' حضرت صعب مقام ابواء کے رہنے والے تھے' [۴] یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا شکار واپس کیا تو انہیں رنج ہوا' جس کا اثر ان کے چہرے پر محسوس ہوا تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی اس ارشاد عالی سے فرمادی' اگر زندہ شکار کو واپس فرمایا ہے تب تو حدیث بالکل ظاہر ہے کہ محرم کو زندہ شکار نہ پکڑنا درست ہے' نہ پکڑا ہوا رکھنا نہ ذبح کرنا درست' اور اگر اس کا گوشت واپس فرمایا ہے' تو اس کی وجہ شوافع کے ہاں تو یہ ہے کہ حضرت صعب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شکار کیا تھا' احناف کے ہاں اس لئے رد فرمایا کہ اس شکار میں کسی نے کوئی مدد کی تھی' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ تھا' یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب ابواء پہنچے تو حضرت صعب نے حضور کی میزبانی اس طرح کی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔

وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَخَلَّفَ مَعَ بَعْضِ اَصْحَابِهٖ وَهُمْ مُّحْرِمُوْنَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ فَرَاَوْا حِمَارًا وَحْشِيًّا قَبْلَ اَنْ يَّرَاهُ فَلَمَّا رَاَوْهُ تَرَكُوْهُ حَتّٰى رَاٰهُ اَبُوْ قَتَادَةَ فَرَكِبَ فَرَسًا لَّهٗ فَسَاَلَهُمْ اَنْ يُّنَاوِلُوْهُ سَوْطَهٗ فَاَبَوْا فَتَنَاوَلَهٗ فَحَمَلَ عَلَيْهِ فَعَقَرَهٗ ثُمَّ اَكَلَ فَاَكَلُوْا فَنَدِمُوْا فَلَمَّا اَدْرَكُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلُوْهُ قَالَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ قَالُوْا مَعَنَا رِجْلُهٗ فَاَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَكَلَهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا فَلَمَّا اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمِنْكُمْ اَحَدٌ اَمَرَهٗ اَنْ يَّحْمِلَ

(۲۵۷۸) روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے[۱] تو اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے تھے وہ ساتھی تو محرم تھے یہ محرم نہ تھے انہوں نے حضرت ابوقتادہ کی نظر پڑنے سے پہلے ایک گورخر دیکھا۔ دیکھا تو چھوڑ دیا[۲] حتیٰ کہ اسے ابوقتادہ نے دیکھ لیا تو آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوگئے ساتھیوں سے کہا کہ ان کا کوڑا اٹھا دیں انہوں نے انکار کیا[۳] آپ نے خود اٹھالیا شکار پر حملہ کیا اس کے پاؤں کاٹ دیئے پھر ابوقتادہ نے کھایا اور ساتھیوں نے بھی پھر اس پر نادم ہوئے[۴] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ سے مسئلہ پوچھا حضور نے فرمایا تمہارے پاس اس کا کچھ ٹکڑا ہے بولے ہمارے ساتھ اس کا پاؤں ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پاؤں لیا اور کھایا[۵] (مسلم

عَلَيْهَا اَوْ اَشَارَ اِلَيْهَا قَالُوْا لاَ قَالَ فَكُلُوْا مَابَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا ۔

بخاری) ان دونوں کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے انہیں حملہ کرنے کو کہا تھا اس طرف اشارہ کیا تھا بولے نہیں فرمایا تو بقیہ گوشت بھی کھالو[۶]

(۲۵۷۸)[۱] یہ واقعہ ۶ ہجری صلح حدیبیہ کا ہے' چونکہ تمام حضرات عمرہ کیلئے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے اس لئے انہوں نے احرام باندھ لیا تھا' اور حضرت ابوقتادہ مکہ معظمہ جانے کا ارادہ نہ رکھتے تھے' کچھ دور ساتھ ساتھ گئے تھے اس لئے آپ نے احرام نہ باندھا' لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ابوقتادہ بغیر احرام میقات سے آگے کیوں بڑھ گئے' اہل مدینہ کا میقات تو ذوالحلیفہ ہے۔[۲] ترکوہ میں ہ ضمیر یا تو ابوقتادہ کی طرف ہے یا شکار کی طرف یعنی محرم صحابہ نے حضرت ابوقتادہ کو شکار کی رہبری سے چھوڑ دیا' انہیں بتایا نہیں یا اس شکار کو چھوڑ دیا کہ نہ اس کی طرف اشارہ کیا نہ حملہ[۳] بعض روایات میں بجائے سَوْطَهٗ کے رُمْحَهٗ یعنی اپنا نیزہ بھالا مانگا' ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی مانگے ہوں یعنی جلدی میں بغیر کوڑا و نیزہ گھوڑے پر سوار ہو گئے تھے' پھر خیال آیا تو مانگا' محرم صحابہ نے اٹھا کر دینے سے اس لئے انکار کیا کہ یہ شکار پر مدد ہے جو محرم کو حرام ہے[۴] یعنی محرم صحابہ شکار کا گوشت کھانے پر نادم ہوئے' ان کا خیال تھا کہ محرم کو شکار کا گوشت کھانا مطلقاً حرام ہے کسی طرح حلال نہیں' پہلے خیال نہ آیا' کھالیا' پھر خیال آیا تو پوچھتا ئے[۵] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عملی جواب دیا' کہ اس کا کھانا حلال ہے' کیونکہ اس شکار میں کسی محرم کی مدد اور تعاون شامل نہیں' جواب قولی بھی ہوتا ہے عملی بھی' مگر عملی جواب قوی تر ہے (مرقات)[۶] اس سے معلوم ہوا کہ اگر غیر محرم شکار کرے اور محرم کسی قسم کی اس میں مدد نہ دے تو محرم اس کا گوشت کھا سکتا ہے خواہ اس نے صرف اپنے لئے شکار کیا ہو یا محرم کے لئے بھی' کیونکہ حضرت ابوقتادہ نے اتنا بڑا گورخر صرف اپنے لئے تو مارا نہ تھا' سب کو کھلانے کی نیت تھی' لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل قوی ہے دلالۃ و اشارۃ میں فرق یہ ہے کہ دلالت یعنی رہبری تو زبان سے بتانا ہے اور اشارہ ہاتھ سے' بعض نے فرمایا کہ غائب چیز کا بتانا دلالت ہے اور حاضر چیز کو دکھانا اشارہ (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ لَّا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُنَّ فِي الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ الْفَارَةُ وَالْغُرَابُ وَالْحِدَاَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ ۔(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۷۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا پانچ جانور وہ ہیں[۱] جنہیں احرام میں قتل کرنے والے پر گناہ نہیں' چوہا' کوا' چیل' بچھو اور دیوانہ کتا[۲] (مسلم بخاری)

(۲۵۷۹)[۱] یہ پانچ جانور موذی ہیں یعنی اپنے نفع کے بغیر دوسرے کا نقصان کر دینے والے' ان کا قتل' ہر جگہ اور ہر حال میں درست ہے' موذی کی یہ تعریف خیال میں رہے'[۲] یعنی یہ پانچ جانور چونکہ موذی ہیں کہ ابتداءً لوگوں کو ستاتے ہیں اور بغیر اپنے نفع کے لوگوں کا نقصان کر دیتے ہیں' لہذا انہیں ہر جگہ حل و حرم اور ہر حالت حلال و احرام میں قتل کر سکتے ہو حِدَاءَۃٌ بروزن عِنَبَۃٌ اس کے معنی ہیں چیل' اسی سے حُدَیَّۃٌ تصغیر بن جاتی ہے' دیوانہ کتا فرمانے سے معلوم ہوا کہ شکاری یا آوارہ یا پالتو کتا مارنا درست نہیں کہ یہ موذی نہیں (مرقات) خیال رہے کہ ان پانچ کا ذکر حصر کے لئے نہیں' لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں زیادہ جانوروں کا ذکر ہے' چنانچہ سانپ' درندہ شکاری موذی جانور جیسے شیر' بھیڑیا وغیرہ بھی حل و حرم میں احرام و احلال میں قتل کئے جائیں گے' بعض علماء نے شیر وغیرہ میں حملہ کی قید لگائی'

کہ اگر یہ حملہ کریں تو دفاعی طور پر انہیں مارا جاسکتا ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ الْحَيَّةُ وَالْغُرَابُ الْاَبْقَعُ وَالْفَارَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ وَالْحُدَيَّا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۸۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا پانچ جانور موذی ہیں حل وحرم میں قتل کئے جائیں ۱؎ سانپ، چتکبرا کوا، چوہا، دیوانہ کتا، اور چیل ۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۵۸۰) ۱؎ موذی کے معنی ابھی عرض کیے جاچکے ہیں کہ اپنے فائدہ کے بغیر انسان کا نقصان کر دینے والا جانور، لہذا جوں، کھٹمل وغیرہ اگرچہ تکلیف دہ ہیں مگر شرعی موذی نہیں کہ وہ اپنا پیٹ بھرنے کو ہمیں کاٹتے ہیں ۲؎ چتکبرا کوا جنگلی کوے کو کہتے ہیں، جس کی پیٹھ و پیٹ سفید، باقی جسم سیاہ ہوتا ہے، چتکبرا کتا بھی ہوتا ہے آدمی بھی چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں ایک چتکبرے کتے کو دیکھتا ہوں جو کہ میرے اہل بیت کا خون کررہا ہے چنانچہ شمر مردود حضرت حسین علیہ السلام کا قاتل کوڑھی تھا، جسم پر سفید داغ والا (اشعہ) حق یہ ہے کہ پانچ میں حصر نہیں، اور جانور بھی موذی ہیں جن کا قتل حرم واحرام میں درست ہے (لمعات)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَحْمُ الصَّيْدِ لَكُمْ فِي الْاِحْرَامِ حَلَالٌ مَالَمْ تَصِيْدُوْهُ اَوْ يُصَادَلَكُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

(۲۵۸۱) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لیے شکاری گوشت حلال ہے جب تک کہ تم نے اسے شکار نہ کیا ہو یا تمہارے لئے شکار نہ کیا گیا ہو ۱؎ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

(۲۵۸۱) ۱؎ محرم کے شکار کی دوصورتیں ہیں، ایک یہ کہ محرم بذات خود شکار کو قتل کرے یہ جانور تو تمام مسلمانوں کیلئے حرام ہے کہ محرم کا شکار کسی کو حلال نہیں، دوسرے یہ کہ محرم حلال کو شکار بتائے یا مدد کرے یہ شکار حلال تو کھا سکتا ہے، محرم نہیں کھا سکتا، مگر ان دونوں صورتوں میں محرم پر شکار کی قیمت خیرات کرنی ہوگی تصیدوہ میں دونوں صورتیں داخل ہیں ۲؎ یہ مذہب شافعی ہے کہ اگر محرم کیلئے کوئی حلال شکار کرے تو محرم کو اس کا کھانا حرام ہے، ہمارے ہاں حلال ہے، ہماری دلیل حضرت ابوقتادہ کی گزشتہ حدیث ہے، اس حدیث کی توجیہ ہمارے ہاں یہ ہے حلال زندہ شکار محرم کے لیے پکڑے اور پیش کرے یا اس میں کسی محرم کی مدد شامل ہو، تاکہ یہ حدیث حضرت ابوقتادہ کی حدیث کے خلاف نہ ہو، ہاں اگر محرم کے حکم سے حلال نے شکار کیا تو بھی محرم کو حرام ہے یصادلکم کی یہ تین توجیہیں ہوئیں (لمعات)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَرَادُ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

(۲۵۸۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ٹڈی دریائی شکار سے ہے ۱؎ (ابوداؤد، ترمذی) ۲؎

(۲۵۸۲) ۱؎ بعض علماء نے اس حدیث سے ثابت کیا کہ ٹڈی کا شکار محرم کرسکتا ہے کہ یہ دریائی شکار ہے، رب تعالٰی نے فرمایا: اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ (۵:۹۶) حلال ہے تمہارے لئے دریا کا شکار (کنزالایمان) ہمارے امام اعظم کے ہاں ٹڈی خشکی کا شکار ہے کہ یہ خشکی میں

ہی انڈے بچے دیتی ہے اور خشکی ہی میں جیتی پلتی ہے اور خشکی کے ہی پتے وغیرہ کھاتی ہے' اس حدیث کے متعلق احناف کہتے ہیں کہ ٹڈی دو قسم کی ہے بحری و بری بحری ٹڈی مچھلی کے ناک سے کیڑوں کی طرح نکلتی ہے' یہاں اسی کا ذکر ہے اور اگر یہ ٹڈی معروفہ ہی مراد ہو' تو مطلب یہ ہے کہ یہ بھی دریائی شکار یعنی مچھلی کی طرح بغیر ذبح حلال ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمرۃ خیر من جرادۃ یعنی اگر محرم ٹڈی کا شکار کرے تو ایک کھجور خیرات کرے' حضرت کعب نے فرمایا تھا کہ ٹڈی کے شکار پر محرم ایک درہم خیرات کرے' اس کے جواب میں حضرت عمر نے یہ فرمایا' اگر اس کے شکار پر قیمت واجب نہ ہوتی' تو یہ حضرات اس کی قیمت کے تخمینے کیوں لگاتے (مرقات ولمعات) ۲؎ تمام محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث اسناداً ضعیف ہے (مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقْتُلُ الْمُحْرِمُ السَّبُعَ الْعَادِیَ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

(۲۵۸۳) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا محرم حملہ کرنے والے زندہ کو قتل کرسکتا ہے ۱؎ (ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ)

(۲۵۸۳) ۱؎ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ جب درندہ محرم پر حملہ کرے تو محرم اسے قتل کرسکتا ہے ورنہ نہیں' دوسرے یہ کہ حملہ کرنے والے درندوں کا قتل محرم کو جائز ہے' یعنی درندے چونکہ حملہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں' لہذا ان کا قتل محرم کو بھی درست ہے۔

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عَمَّارٍ قَالَ سَاَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰہِ عَنِ الضَّبُعِ اَصَیْدٌ ھِیَ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ اَیُؤْکَلُ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ سَمِعْتَہٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَالشَّافِعِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ)

(۲۵۸۴) روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن ابی عمار سے فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر ابن عبداللہ سے بجو کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ شکار ہے فرمایا ہاں ۱؎ میں نے کہا کیا اسے کھایا جاسکتا ہے فرمایا ہاں میں نے کہا کہ یہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے فرمایا ہاں ۲؎ (ترمذی' نسائی' شافعی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲۵۸۴) ۱؎ یہ حدیث امام شافعی و امام احمد کی دلیل ہے' امام اعظم و مالک کے ہاں حرام' ان کی دلیل آگے آرہی ہے' نیز صحیح حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کیل والے جانور سے منع فرمایا' اور بجو کیل دار جانور ہے' لہذا حرام ہے اور یہ حدیث منسوخ ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّبُعِ قَالَ ھُوَ صَیْدٌ وَّیَجْعَلُ فِیْہِ کَبْشًا اِذَا اَصَابَہُ الْمُحْرِمُ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوُدَ وَابْنِ مَاجَۃَ وَالدَّرِمِیُّ)

(۲۵۸۵) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے متعلق پوچھا فرمایا وہ شکار ہے ۱؎ اور جب محرم اسے شکار کرے تو اس کے عوض بھیڑ دیدے ۲؎ (ابوداؤد' ابن ماجہ' دارمی)

(۲۵۸۵) ۱؎ خیال رہے کہ لفظ ضبع مونث ہے' لہذا ھو ضمیر کا مذکر لانا یا تو اس لئے ہے کہ اس کی خبر یہاں صید مذکر ہے یا ضبع سے مراد بجو کی جنس ہے' حضرت جابر کے سوال کا منشاء یہ ہے کہ بجو کے قتل میں محرم پر جزیہ یا کفارہ ہے یا نہیں' اگر یہ موذی جانوروں سے ہے تب تو اس کا قتل محرم کو جائز ہے اور کفارہ وغیرہ بھی اس میں کچھ نہیں' اگر شکاری جانوروں سے ہے تو محرم کو اس کا قتل کرنا بھی حرام ہوگا اور اس کی قیمت بھی دینا ہوگی' فرمایا یہ موذی نہیں بلکہ شکار ہے ۲؎ یعنی محرم کے اسے شکار کرلینے پر اس کے عوض ایک بھیڑ خیرات کرنی ہوگی' امام شافعی

کے ہاں حلال شکار پر جزا واجب ہوتی ہے حرام شکار پر نہیں، ہمارے امام اعظم کے ہاں مطلقاً شکار پر جزا واجب ہے جانور حرام ہو یا حلال، لہٰذا ہمارے اصول پر اس حدیث سے بجو کی حلت ثابت نہ ہو گی۔

وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ جَزِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ الضَّبُعِ قَالَ اَوَيَاكُلُ الضَّبُعَ اَحَدٌ وَسَاَلْتُهُ عَنْ اَكْلِ الذِّئْبِ قَالَ اَوَيَاكُلُ الذِّئْبَ اَحَدٌ فِيْهِ خَيْرٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ)

(۲۵۸۶) روایت ہے حضرت خزیمہ ابن جزی سے[۱] فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کھانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا کوئی بجو بھی کھاتا ہے[۲] اور آپ سے بھیڑیا کھانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ جس میں بھلائی ہو وہ بھیڑیا کھا سکتا ہے[۳] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں[۴]

(۲۵۸۶)[۱] خزیمہ خ کے پیش ز کے زبر (فتح) سے ہے اور جزی جیم کے زبر ز کے زیر) (کسرہ) سے آپ صحابی ہیں[۲] یعنی کیا کوئی مسلمان بجو کھائے گا حالانکہ یہ کیل والا جانور ہے اور کیل والے جانور حرام ہیں۔ یہ حدیث امام ابوحنیفہ و امام مالک رضی اللہ عنھما کی دلیل ہے کہ بجو کھانا منع ہے، خواجہ حسن بصری، سعید ابن مسیب اور سفیان ثوری کا بھی یہ ہی مذہب ہے کہ بجو حرام ہے دیکھو مرقات شرح مشکوٰۃ[۳] بھلائی سے مراد ایمان ہے یعنی مومن بجو بھیڑیا وغیرہ جانور کبھی نہیں کھا سکتا، مومن کو اس سے طبعًا نفرت ہونی چاہیے[۴] یعنی یہ حدیث امام ترمذی کو غیر قوی ہو کر ملی، مگر جب امام اعظم نے اس حدیث سے یہ مسئلہ استنباط کیا تو اس وقت بالکل صحیح، درست و قوی تھی، جس راوی کی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہ رہی، وہ اس کی اسناد میں اس وقت شامل تھا ہی نہیں، امام ترمذی کے زمانہ کا ضعف پہلے والوں کو مضر کیوں ہو گا، (۲) حدیث سے خواجہ حسن بصری، سفیان ثوری نے بھی استدلال فرمایا (۳) اور اس کی تقویت ابن ماجہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ (۴) اور جب حلت و حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے، لہٰذا یہ ہی راجح ہے کہ بجو حرام ہے۔ (مرقات) لطیفہ:۔ مذہب حنفی کی قوت کی دلیل یہ ہے کہ جو جانور حنفی حرام کہتے ہیں دوسرے امام حلال، انہیں کھاتا کوئی نہیں، دیکھو گھوڑا، گوہ، بجو وغیرہ کو دوسرے ائمہ نے حلال تو کہا، مگر اس کے گوشت آج تک نہ کہیں مارکیٹ میں فروخت ہوتے دیکھے، نہ کسی کو کھاتے دیکھا صرف کتابوں میں ہی حلت مذکور ہے، (۵) خیال رہے کہ ترمذی نے بھی اس حدیث کو ضعیف نہ کہا بلکہ لیس بقوی فرمایا، اس میں حدیث حسن بھی شامل ہے، نیز (۶) ترمذی نے اس حدیث پر جرح مجہول کی، اور جرح مجہول احناف کے ہاں قبول نہیں، ان چھ وجھوں سے یہ حدیث قابل عمل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَنَحْنُ حُرُمٌ فَاُهْدِيَ لَهُ طَيْرٌ وَطَلْحَةُ رَاقِدٌ فَمِنَّا مَنْ اَكَلَ وَمِنَّا مَنْ تَوَرَّعَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ طَلْحَةُ وَافَقَ مَنْ اَكَلَهُ قَالَ فَاَكَلْنَاهُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۸۷) روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عثمان تیمی سے[۱] فرماتے ہیں ہم طلحہ ابن عبیداللہ کے ساتھ تھے اور ہم احرام باندھے تھے تو ان کے لیے پرندے لائے گئے اور حضرت طلحہ سو رہے تھے تو ہم میں سے بعض نے وہ کھالئے اور بعض نے احتیاط برتی[۲] پھر جب طلحہ جاگے تو آپ نے کھانے والوں کی موافقت کی کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پرندے کھائے[۳] (مسلم)

(۲۵۸۷)۱؎ عبدالرحمٰن ابن عثمان ابن عبید اللہ صحابی ہیں، حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کے بھتیجے ہیں، بیعت الرضوان کے بعد ایمان لائے، حضرت عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ شہید کیئے گئے (اشعہ) ۲؎ یعنی چڑیوں کا بھنا ہوا گوشت لایا تو گیا تھا حضرت طلحہ کے لیئے، مگر وہ سو رہے تھے ان کے بعض ساتھیوں نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ انہیں حلال نے شکار کیا ہے نہ کہ محرم نے لہٰذا ہمارے لیئے ان کا کھانا درست ہے اور یہ بھی خیال کیا کہ حضرت طلحہ ہمارے کھا لینے پر ناراض نہ ہوں گے کھائے، لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں، کہ جب یہ چڑیاں حضرت طلحہ کے لیے لائی گئی تھیں، تو دوسروں نے کیوں کھائیں، کیونکہ یہ کھانے والے ان کے بے تکلف دوست تھے۔ ۳؎ غالبًا فاکلنا کی ف تعلیلیہ ہے، یعنی آپ نے فرمایا کہ یہ گوشت ہمارے لئے حلال ہے، کیونکہ ہم نے اس قسم کے ہدایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھائے ہیں، اس سے بھی مذہب حنفی ثابت ہوتا ہے کہ جس شکار میں محرم نے مدد نہ دی ہو محرموں کو اس کا کھانا حلال ہے۔

بَابُ الْاِحْصَارِ وَفَوْتِ الْحَجِّ روکے اور حج چھوٹ جانے کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

۱؎ احصار حصر سے بنا بمعنی روکنا و باز رکھنا، رب تعالیٰ فرماتا ہے: اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ (۲،۲۷۳) جو راہ خدا میں روکے گئے (کنزالایمان) شریعت میں احصار یہ ہے کہ انسان بعد احرام حج کرنے پر قادر نہ ہو، مسئلہ احصار میں تین قسم کا اختلاف ہے، ایک یہ ہے کہ ہمارے امام اعظم کے ہاں دشمن، مرض، خرچہ ہلاک ہو جانے، راستہ میں عورت محرمہ کے محرم مر جانے سے احصار ہو جاتا ہے، دیگر اماموں کے ہاں احصار صرف دشمن کافر سے ہوگا اور کسی وجہ سے نہیں، دوسرے یہ کہ ہمارے مذہب میں احصار کی قربانی حرم شریف میں ہی بھیجی جائے گی کہ وہاں ذبح ہو، دیگر ائمہ کے ہاں جہاں احصار ہو وہاں ہی ذبح کر دی جائے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی حدیبیہ میں ہی کر دی تھی، ہم کہتے ہیں کہ وہ مجبوراً ہوا کہ وہاں سے حرم تک قربانی لے جانے والا کوئی نہ تھا، سب ہی روک دیئے گئے تھے، ایسی مجبوری میں ہم بھی کہتے ہیں حل میں قربانی کر دے (اشعہ) یا حدیبیہ کا بعض حصہ حرم میں داخل ہے، یہ قربانیاں داخل حرم والے حصہ میں ہوئیں، تیسرے یہ کہ ہمارے ہاں محصر پر قضا واجب ہے، امام شافعی کے ہاں نہیں، مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ قضا ہماری تائید کرتا ہے حج کا فوت قیام عرفات رہ جانے سے ہوتا ہے، قیام عرفات کا وقت نویں بقرعید کے زوال سے دسویں کی پو پھٹنے تک ہے اگرچہ ایک ساعت ہی وہاں ٹھہر جائے، حتی کہ تنگی کے وقت اس وقوف کے لیے نماز عشاء قضا کر دے (اشعہ مرقات)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدْ اُحْصِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَقَ رَاْسَهٗ وَجَامَعَ نِسَآءَهٗ وَنَحَرَ هَدْيَهٗ حَتّٰى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلاً ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۵۸۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روک دیئے گئے تھے تو آپ نے سر شریف منڈا دیا تھا اور اپنی بیویوں سے صحبت فرمائی اپنی ہدی قربان کر دی حتی کہ اگلے سال عمرہ کیا۱؎ (بخاری)

(۲۵۸۸)۱؎ یعنی ۶ ھ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا، حدیبیہ کے میدان میں کفار مکہ نے آپ کو عمرہ سے روک دیا، تب آپ اس میدان میں حلال ہو گئے اور وہاں ہی قربانی احصار دے دی، سال آئندہ ۷ھ میں آپ نے اس فوت شدہ عمرہ کی قضا کی،

اس قضا سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادت شروع کر دینے سے واجب ہو جاتی ہے کہ اس کی قضا ہوتی ہے شوافع کہتے ہیں کہ یہ دوسرا عمرہ نفلی تھا اس لئے سب نے ادا کیا' سال حدیبیہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہ تھے' قضا میں سات سو بھی نہ تھے' اگر قضا واجب ہوتی تو سب کرتے ہم کہتے ہیں کہ سب نے قضا کی' بعض نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض نے بعد میں (مرقات) اگر یہ دوسرا عمرہ نفلی ہوتا تو اسے عمرہ قضا نہ کہا جاتا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُوْنَ الْبَيْتِ فَنَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدَايَاهُ وَحَلَقَ وَقَصَّرَ اَصْحَابُهٗ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۵۸۹) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے ۱؎ تو کفار قریش بیت اللہ شریف سے آڑے آ گئے ۲؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدیاں قربانی کر دیں اور آپ نے سر منڈا دیا اور صحابہ نے بال کٹوا دیئے ۳؎ (بخاری)

(۲۵۸۹) ۱؎ عمرہ کرنے ۶ ھ میں چودہ سو صحابہ ۲؎ یعنی ہم کو انہوں نے بیت اللہ تک نہ پہنچنے دیا' اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ عمرہ کا فوت بیت اللہ کے طواف سے روکنے سے ہوتا ہے' مگر حج کا فوت عرفات سے روکے جانے پر ہو جاتا ہے ۳؎ یعنی بعض صحابہ نے بال منڈوائے اور بعض نے کتروائے' ہمارے امام صاحب کے ہاں محصر پر یہ منڈانا کتروانا واجب نہیں' بعض کے ہاں واجب ہے' لیکن نہ منڈانے پر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں (طحاوی' مرقات)

وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ اَنْ يَّحْلِقَ وَاَمَرَ اَصْحٰبَهٗ بِذٰلِكَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۵۹۰) روایت ہے حضرت مسور ابن مخرمہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے سے پہلے ذبح فرمایا اور اپنے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا ہے ۱؎ (بخاری)

(۲۵۹۰) ۱؎ یہ واقعہ بھی حدیبیہ کا ہے کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد صلح مدینہ منورہ واپسی کا ارادہ فرمالیا' تو ہدی وہاں ہی قربانی فرما دی اور سر منڈا دیا' امام اعظم قدس سرہ کے ہاں محصر پر منڈانا یا کتروانا نہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل و حکم شریف اس لئے تھا کہ لوگوں پر آپ کا مصمم ارادہ ظاہر ہو جائے کہ اب عمرہ کرنے کا ارادہ بالکل ہی ترک فرما دیا ہے اور واپسی کا ارادہ ہو چکا' اور جو کام ضرورۃً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے وہ سنت نہیں کہلاتے' امام صاحب فرماتے ہیں کہ سر منڈانے یا کتروانے کا عبادت ہونا خاص جگہ اور خاص وقت میں ہے یعنی عمرہ یا حج کے ارکان ادا کر چکنے کے بعد رب تعالیٰ فرماتا ہے: لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ (۴۸'۲۷) بے شک تم ضرور مسجد الحرام میں داخل ہو گے اگر اللہ چاہے امن امان سے اپنے سروں کے بال منڈاتے یا ترشواتے بے خوف (کنزالایمان) معلوم ہوا کہ بیت اللہ میں داخل ہو کر عمرہ کرنے' حلق و قصر عبادت ہے' صاحبین کے ہاں محصر پر سر منڈانا ہے' مگر نہ کرنے پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم نہیں' تفصیل کتب فقہ میں ہے (اشعہ)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ اَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ حُبِسَ اَحَدُكُمْ عَنِ الْحَجِّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ

(۲۵۹۱) روایت ہے ابن عمر سے آپ نے فرمایا کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کافی نہیں اگر تم میں سے کوئی حج سے روک دیا جائے ۱؎ تو بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کرے پھر ہر چیز سے

كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى يَحُجَّ عَاماً قَابِلاً فَيُهْدِيَ اَوْيَصُوْمَ اِنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْياً ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حلال ہو جائے حتیٰ کہ سال آئندہ حج کرے۲ تو ہدی لائے یا اگر ہدی میسر نہ ہو تو روزے رکھ لے۳ (بخاری)

(۲۵۹۱)۱یہاں سنت سے مراد قولی سنت ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی نہ کہ عملی سنت' کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احرام عمرہ میں روکے گئے تھے نہ کہ احرام حج میں' حج روک دیئے جانے کے معنی یہاں یہ ہیں کہ محرم مکہ معظمہ حج ہو چکنے کے بعد پہنچے یا کوئی دشمن یا بیماری اسے مکہ معظمہ سے عرفات نہ جانے دے' تو وہ محرم حج اب عمرہ کر کے احرام کھول دے' اور اگر محرم مکہ معظمہ پہنچ ہی نہ سکا اس کے احکام دوسرے ہیں۲ یعنی گزشتہ سال والے رہے ہوئے حج کی قضا کرے' وہ حج خواہ فرض تھا یا نفلی' یوں ہی اگر محرم حج کو فاسد کر دے تب بھی قضا واجب ہے اگرچہ حج نفل ہو' اس سے معلوم ہوا کہ ہر نفلی عبادت شروع کر دینے سے فرضی ہو جاتی ہے' امام شافعی حج میں تو اس کے قائل ہیں مگر دیگر عبادات میں قائل نہیں ان کے ہاں نفلی نماز و روزہ شروع کر دینے کے بعد بھی نفلی ہی رہتے ہیں کہ توڑ دینے پر قضاء نہیں ۳ شاید کوئی ان احکام کا منکر تھا' اس لئے حضرت ابن عمر نے یہ حکم بیان فرمایا مع دلیل کے' خیال رہے کہ مفرد کا حج رہ جانے میں صرف حج کی قضا واجب ہو گی قضا کے وقت نہ عمرہ واجب ہو گا نہ ہدی' امام شافعی کے ہاں قربانی واجب ہو گی' اگر قارن کا حج رہ گیا تو وہ عمرہ تو ادا کرے پھر فوت شدہ حج کیلئے عمرہ کرے' اس سے قران کی قربانی معاف ہو گئی' اگر متمتع کا حج رہ گیا تو تمتع جاتا رہا (مرقات و کتب فقہ)

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ لَهَا لَعَلَّكِ اَرَدْتِّ الْحَجَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا اَجِدُنِيْ اِلَّا وَجِعَةً فَقَالَ لَهَا حُجِّيْ وَاشْتَرِطِيْ وَقُوْلِي اللّٰهُمَّ مَحِلِّيْ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۹۲) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضباعہ بنت زبیر کے پاس تشریف لے گئے۱ تو ان سے فرمایا شاید تم حج کا ارادہ رکھتی ہو۲ وہ بولیں اللہ کی قسم میں تو اپنے کو بیمار پاتی ہوں۳ حضور نے ان سے فرمایا حج کو چلو اور یوں کہہ لو کہ الٰہی میرے کھلنے کی جگہ وہ ہی ہے جہاں تو مجھے روک دے۴ (مسلم بخاری)

(۲۵۹۲)۱ضباعہ' زبیر ابن عبدالمطلب کی بیٹی ہیں' یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن' زبیر اسلام نہ لائے تھے' ضباعہ صحابیہ ہیں' مہاجرات سے ہیں حضرت مقداد کی زوجہ ہیں (اشعہ و مرقات) ۲ یعنی ہم نے سنا ہے کہ حجۃ الوداع میں ہمارے ساتھ تم بھی حج کو چلنا چاہتی ہو' یہ واقعہ حجۃ الوداع کی تیاری کے وقت کا ہے' معلوم ہوا کہ حاجی دوسرے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ حج کو چلنے کی رغبت دے' ۳ یعنی ابھی بیماری سے اٹھی ہوں' کمزور ہوں' اندیشہ ہے کہ سفر سے پھر مرض عود کر آئے' اور میں احرام کے بعد حج پورا نہ کر سکوں' ۴ یعنی احرام باندھتے وقت یہ کہہ لینا کہ خدایا اگر میں بعد احرام ادائے حج سے قاصر رہوں' بیمار ہو جاؤں' تو جہاں بیمار ہوں گی وہاں ہی احرام کھول دوں گی' اس سے معلوم ہوا کہ احصار مرض سے بھی ہو جاتا ہے' لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے' کہ احصار دشمن ہی سے نہیں ہوتا مرض سے بھی ہوتا ہے' خیال رہے کہ زبان سے یہ شرط لگا لینا استحباباً ہے' اگر شرط نہ بھی لگائی ہو تب بھی بیمار محرم احرام کھول سکتا ہے' بعض نے فرمایا کہ اس شرط لگانے کا فائدہ یہ ہو گا کہ بیمار فوراً حج سے کھل سکتا ہے' اگر بغیر شرط لگائے ایسا حادثہ پیش آیا دوسرے حجاج کے ہاتھ ہدی بھیجے گا اور ہدی حرم شریف میں ذبح ہو چکنے کے بعد احرام کھولے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَصْحَابَهٗ اَنْ يُّبْدِلُوا الْهَدْيَ الَّذِيْ نَحَرُوْا عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ فِيْ عُمْرَةِ الْقَضَآءِ رَوَاهُ .

(۲۵۹۳) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ انہوں نے حدیبیہ کے سال جو قربانیاں دی تھیں عمرہ قضا میں ان کے عوض اور دیں[۱][۲]

(۲۵۹۳)[۱] یعنی جو قربانی تم گزشتہ سال دے چکے ہو وہ تو قبول ہوگئی' اب دوبارہ قضا عمرہ میں پھر قربانی دو' اگر گزشتہ قربانی حل میں واقع ہوئی تھی' تب تو وہ درست ہی نہ ہوئی تھی' اب دینا ضروری ہے اور اگر حرم کے حدود میں واقع ہوئی تھی' تو اب دوبارہ دینے کا حکم استحبابی ہے (مرقات واشعہ) [۲] اس جگہ مشکوٰۃ شریف میں جگہ چھوٹی ہوئی ہے' مگر یہ روایت ابوداؤد میں ہے' چونکہ اس کی اسناد میں محمد ابن اسحاق ہے' اس لئے حدیث اس اسناد میں ضعیف ہے واللہ اعلم۔

وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كُسِرَ اَوْعَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَزَادَ اَبُوْدَاوُدَ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى اَوْ مَرِضَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَفِي الْمَصَابِيْحِ ضَعِيْفٌ .

(۲۵۹۴) روایت ہے حضرت حجاج ابن عمرو انصاری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا پاؤں ٹوٹ جائے یا لنگڑا ہوجائے تو وہ احرام کھول دے اور اس پر سال آئندہ حج ہے[۱] (ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' دارمی) اور ابوداؤد نے یہ زیادہ کیا کہ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ یا وہ بیمار ہوجائے[۲] ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے اور مصابیح میں ہے کہ ضعیف ہے[۳]

(۲۵۹۴)[۱] یعنی جس نے احرام حج باندھ لیا ہو' پھر اس کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ جائے یا ہڈی تو نہ ٹوٹے' لنگ پیدا ہوجائے جس سے وہ آگے سفر اور ارکان حج ادا نہ کرسکے تو وہ اپنا احرام کھول دے اور وہاں سے لوٹ جائے یا ٹھہر جائے' ہدی مکہ معظّمہ بھیج دے' اور تاریخ ذبح پر احرام کھول دے' سال آئندہ قضاء کرے' اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے' ایک یہ کہ احصار صرف دشمن ہی سے نہیں ہوتا بلکہ بیماری وغیرہ سے بھی ہوجاتا ہے' دوسرے یہ کہ نفلی عبادت شروع کردینے سے فرض ہوجاتی ہے' کہ اگر پوری نہ ہوسکے تو اس کی قضا لازم ہے' کیونکہ یہاں حج مطلق فرمایا گیا' فرضی ہو یا نفلی' لہٰذا یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے' بعض نے فرمایا کہ اگر شرط سے احرام باندھا ہے تب مرض سے احصار ہوسکے گا ورنہ نہیں' مگر یہ بھی صحیح نہیں' اس حدیث پاک میں شرط کا ذکر نہیں' نص مطلق کا اطلاق باقی رکھنا چاہیئے' [۲] بیماری سے وہ بیماری مراد ہے جو سفر یا ادائے حج سے روک دے' مطلقاً بیماری نہیں' جیسا کہ ظاہر ہے [۳] یعنی یہ حدیث چند اسنادوں سے مروی ہے' ترمذی والی اسناد میں تو حسن ہے اور امام بغوی یعنی صاحب مصابیح کی اسناد میں ضعیف' مگر اس اسناد کا ضعف دوسری اسناد کے حسن کو مضر نہیں ہوسکتا' فتح القدیر میں ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس و ابوہریرہ پر پیش کی گئی تو ان دونوں نے فرمایا کہ حجاج سچے ہیں' طحاوی میں ہے کہ حضرت علقمہ فرماتے ہیں ہمارے اس ساتھی کو سانپ نے کاٹ لیا وہ عمرہ کا محرم تھا ہم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہدی بھیج دے اور صحت ہوجانے کے بعد عمرہ ادا کرے فی الحال کھل جائے (مرقات وغیرہ)

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمُرَ الدِّيْلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ

(۲۵۹۵) روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر دیلمی سے[۱] فرماتے

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ اَدْرَكَ عَرَفَةَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ اَيَّامُ مِنًا ثَلٰثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حج عرفہ ہے جو مزدلفہ کی شب فجر طلوع ہونے سے پہلے عرفہ کا قیام پالے اس نے حج پالیا۲ منیٰ کے دن تین ہیں۳ تو جو دو دن میں جلدی کرے تو اس پر گناہ نہیں اور جو دیر سے لوٹے تو اس پر گناہ نہیں۴ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

(۲۵۹۵)۱یعمر، ی کے فتح، ع کے جزم، میم کے فتح سے ہے، دیل، د کے کسرہ، ی کے سکون سے، آپ صحابی ہیں، کوفہ میں رہے، خراسان میں وفات پائی۔ ۲یعنی حج کا رکن اعلیٰ جس پر حج پانے نہ پانے کا مدار ہے۔ وہ قیام عرفات ہے، اس کے وقت میں اتنی گنجائش کر دی گئی ہے کہ اگلی رات بھی نویں تاریخ میں شامل کر دی گئی، لہذا جو حاجی دسویں کی فجر سے پہلے پہلے اگر ایک ساعت کیلئے بھی عرفات پہنچ جائے اسے حج مل جائے گا، بعض علماء نے فرمایا کہ جمعہ کا بھی یہ ہی حال ہے کہ ہفتہ کی رات بھی اس میں شمار ہے کہ اس شب میں مر جانے والا جمعہ کا ہی میت ہوگا۔ ۳گیارھویں بارھویں بقرعید جنہیں ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ ۴یعنی جو بارھویں بقرعید کو رمی کرکے لوٹ جائے وہ بھی گنہگار نہیں، اور جو تیرھویں کی رمی کیلئے ٹھہر جائے وہ بھی گنہگار نہیں بلکہ ثواب پائے گا، کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہی عمل ہوا تیرھویں کی رمی زوال سے پہلے بھی ہوسکتی ہے، گیارھویں بارھویں تیرھویں کی رمی بعد زوال ہے، بعض کفار عرب دو دن ٹھہرنے کو برا کہتے تھے بعض تین دن کو برا سمجھتے تھے، ربّ تعالٰی نے دونوں کی تردید قرآن میں فرمادی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل شریف سے استحباب ثابت فرمایا۔

بَابُ حَرَمِ مَكَّةَ حَرَسَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى

باب مکہ معظّمہ کا حرم اللہ اس کی حفاظت فرمائے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

مکہ معظمہ اور اس کے آس پاس کی وہ زمین جہاں شکار وغیرہ کرنا حرام ہے حرم شریف کہلاتا ہے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ میں سنگ اسود نصب فرمایا تو یہ بہت چمکدار تھا، جہاں تک اس کی روشنی پہنچی، وہاں تک حدود حرم مقرر ہوئے، ان حدود پر مینارہ قائم کر دیئے گئے ہیں سوائے جدہ اور جعرانہ کی جانب کے کہ اس طرف مینارہ نہیں، یہ علامات حرم سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے قائم فرمائے، پھر اسماعیل علیہ السلام نے، پھر عدنان ابن اوس نے، پھر قریش نے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال پھر حضرت عمر نے، پھر حضرت عثمان نے، پھر حضرت امیر معاویہ نے اب تک امیر معاویہ کے قائم کردہ نشان موجود ہیں، یہ حدود ہر طرف یکساں نہیں، قریب تر حد مقام تنعیم ہے، جہاں سے عمرہ کے احرام باندھے جاتے ہیں وہاں ہی مسجد حضرت عائشہ ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَاهِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ وَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهٗ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهٗ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقْطَتَهٗ اِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا الْاِذْخَرَ فَاِنَّهٗ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخَرَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يَلْتَقِطُ سَاقِطَتَهَا اِلَّا مُنْشِدٌ۔

(۲۵۹۶) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب ہجرت نہ رہی ۱؎ لیکن جہاد اور نیت ہے ۲؎ اور جب جہاد کیلئے بلائے جاؤ تو نکل پڑو ۳؎ اور فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ نے اس دن ہی حرم بنا دیا جس دن آسمان و زمین پیدا کئے لہذا یہ قیامت تک اللہ کے حرم فرمانے سے حرام ہے ۴؎ اور مجھ سے پہلے کسی کیلئے اس شہر میں جنگ جائز نہ ہوئی ۵؎ اور مجھے بھی ایک گھڑی دن کی حلال ہوئی چنانچہ اب وہ تا قیامت اللہ کے حرام کئے سے حرام ہے کہ نہ یہاں کے کانٹے توڑے جائیں ۶؎ اور نہ یہاں کا شکار بھڑکایا جائے ۷؎ اور نہ یہاں کی گری چیز اٹھائی جائے ہاں جو اس کا اعلان کرے وہ اٹھائے ۸؎ اور نہ یہاں کی خشک گھاس کاٹی جائے ۹؎ حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ اذخر کے سواء کہ وہ لوہاروں اور یہاں کے گھروں میں کام آتی ہے ۱۰؎ فرمایا سوائے اذخر کے ۱۱؎ (مسلم بخاری) اور حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ وہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں اور سوا تلاش کرنے والے کے کہ وہاں کی گری چیز کوئی نہ اٹھائے ۱۲؎

(۲۵۹۶) ۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ معظمہ سے مدینہ پاک کی طرف ہجرت فرما جانے کے بعد مکہ کے مسلمانوں پر ہجرت فرض تھی اور مکہ معظمہ میں بلاعذر رہنا حرام تھا کہ وہ جگہ دارالحرب ہوگئی تھی، فتح مکہ سے وہ جگہ دارالاسلام بن گئی اور اب اس ہجرت کی فرضیت ختم ہو گئی یہاں یہ ہی ارشاد ہے یعنی مکہ معظمہ سے ہجرت کر جانا اب فرض نہ رہا لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ہجرت قیامت تک ہے وہاں دوسرے دارالحرب سے ہجرتیں مراد ہیں ہوسکتا ہے کہ خبر غیبی ہے کہ اب مکہ معظمہ تا قیامت کبھی دارالحرب نہ بنے گا اور نہ یہاں سے ہجرت فرض ہوگی، الحمد اللہ ایسا ہی ہوا۔ ۲؎ یعنی اب جسے جہاد میسر ہو وہ جہاد کرے اور جو جہاد نہ پائے وہ نیت کرے کہ جب مجھے خدا موقع دے گا جہاد کروں گا کہ نیت جہاد بھی ثواب ہے۔ ۳؎ اگر جہاد اس وقت فرض کفایہ ہو تو بقدر ضرورت لوگ نکلیں، اور اگر فرض عین ہو گیا تو ہر مرد و زن نکلے، یہ کلمہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ ۴؎ یعنی اس شہر پاک کا حرم شریف ہونا صرف اسلام میں نہیں ہے بلکہ بڑا پرانا مسئلہ ہے ہر دین میں یہ جگہ محترم تھی وہ جو باب حرم مدینہ میں آرہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کو حرم بنایا، وہاں یہ مطلب ہے کہ اس کے حرم ہونے کا اعلان ابراہیم علیہ السلام نے کیا، کیونکہ طوفان نوحی میں جب بیت المعمور آسمان پر اٹھالیا تو لوگ یہاں کی حرمت وغیرہ بھول گئے، حضرت خلیل نے پھر اس کا اعلان فرمایا لہذا احادیث میں تعارض نہیں (اشعہ) اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فرما کر بتایا کہ یہ حرمت کبھی منسوخ نہ ہوگی کہ جیسے ازلی ہے ویسے ہی ابدی بھی ہے ۵؎ اس فرمان عالی میں اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جو فتح مکہ کے دن حضرت خالد ابن ولید سے صادر ہوا کہ ستر کفار آپ کے ہاتھوں قتل ہو گئے اس قتل پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عتاب بھی نہ فرمایا اس کی یہاں بیان ہوئی کہ اس دن ہمارے لیے ایک ساعت کے لئے قتال بھی حلال ہوگیا اور بغیر احرام مکہ معظمہ میں داخلہ بھی جائز ہوا چنانچہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سیاہ عمامہ باندھے ہوئے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے یعنی بغیر احرام ورنہ سر مبارک کھلا ہوتا' خیال رہے کہ فتح مکہ مذہب احناف میں غلبہ سے ہوئی' اور امام شافعی کے ہاں صلح سے' اسی لئے ان کے ہاں مکہ معظمہ کے مکانات وزمین کی بیع درست اور کرایہ جائز ہے' کہ تمام مقامات کفار کے اپنے رہے جیسا کہ صلح میں ہوتا ہے ہمارے امام صاحب کے ہاں وہاں کی زمین وغیرہ کی بیع و کرایہ درست نہیں کیونکہ ان تمام کے حضور انور مالک ہو گئے تھے' کیونکہ فاتح بادشاہ مفتوح علاقہ کا مالک ہو جاتا ہے' حضور انور نے مالک ہو کر وقف فرما دیا' وقف کی نہ بیع ہوتی ہے نہ اجارہ' قول امام اعظم بہت ہی قوی ہے' یہ حدیث ان کی دلیل ہے کہ مجھے اس دن قتال درست ہو گیا' صلح میں قتال کیسا' نیز رب تعالٰی نے اسے فتح فرمایا:اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ (۱۱۰'۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آئے (کنزالایمان) اور فتح جنگ سے ہی ہوا کرتی ہے (اشعہ مع زیادت) ۶؎ یعنی حرم کے خودرو درخت تو کیا کانٹے توڑنا بھی جائز نہیں' اذخر و کماۃ کے سواء وہاں کی سبز گھاس کاٹنا یا اس پر جانور چرانا بھی ہمارے ہاں ممنوع ہے' امام یوسف وشوافع و مالک کے ہاں چرانا درست ہے امام احمد ہمارے ساتھ ہیں مذہب احناف قوی ہے' یہ حدیث ہماری دلیل ہے حتیٰ کہ ایذاء دینے والا کانٹا بھی ہمارے ہاں نہ کاٹا جائے' خلافا للشافعی ۷؎ یعنی حرم کا شکار مارنا تو کیا اسے اس کی جگہ سے ہٹانا بھڑکانا بھی منع ہے' اور اگر بھڑکانے سے وہ ضائع ہو جائے تو اس کی قیمت واجب ہو گی (اشعہ) ۸؎ اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ دیگر مقامات کی ملی ہوئی چیز کا کچھ عرصہ تک اعلان کیا جاتا ہے۔ پھر مالک نہ ملنے پر یا خیرات کر دی جاتی ہے یا پانے والا اگر فقیر ہو تو خود مالک ہو جاتا ہے' مگر حرم شریف کی ملی ہوئی چیز کا اعلان ہی کرنا ہو گا۔ پانے والا نہ کبھی اسے خیرات کرے نہ خود مالک ہو' یہی مذہب شافعی ہے' بعض احناف بھی اس طرف مائل ہیں' جیسا کہ لمعات وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے' مگر مذہب امام ابوحنیفہ یہ ہے کہ حرم کی گی چیز بھی دیگر مقامات کی طرح ہے مگر یہاں اعلان زیادہ کیا جائے گا' ان کی دلیل وہ حدیثیں ہیں جو لقطہ کے بیان میں آئیں گی' اس فرمان عالی کا منشاء یہ ہے کہ صرف زمانہ حج میں ہی اعلان نہ کرے بلکہ بعد میں بھی اعلان کرتا رہے ۹؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ خلا تر گھاس کو کہتے ہیں اور حشیش خشک کو' اور بعض کے ہاں اس کے برعکس ہے مقصد یہ ہے کہ حرم شریف کی نہ تر گھاس کاٹی جائے نہ خشک کیونکہ خشک گھاس کانٹے کے حکم میں ہے۔ ۱۰؎ اذخر ایک لمبی گھاس ہوتی ہے جو عرب میں بجائے لکڑی اور کوئلے کے بھٹوں میں بھی استعمال کی جاتی ہے' اور گھر وقبر کی چھتوں میں بھی' جیسے ہمارے ہاں گاؤں میں سینٹے وسرکرے ۱۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی نے احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے کہ اپنے اختیار سے آپ باذن پروردگار حرام وحلال کر سکتے ہیں' بلکہ خود ہی فرما دیا اِلَّا الْاِذْخَرَ اگر حضرت عباس حضور سے یہ نہ کہلوا لیتے تو اذخر بھی حرام ہی رہتی (اشعہ) ۱۲؎ اکثر شوافع کے ہاں حرمین شریفین کی مٹی یا پتھر باہر لے جانا بھی منع ہے اور باہر کی مٹی وہاں پہنچانا خلاف اولیٰ' ہاں آب زمزم تبرک کیلئے اور مدینہ پاک کی کھجوریں باہر لے جانا سنت ہے' چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل ابن عمرو سے حدیبیہ کے سال آب زمزم دو مشکیزے مدینہ طیبہ منگوایا' اور حج کے موقع پر خود سرکار آب زمزم مشکیزوں و برتنوں میں لے گئے اور عرصہ تک وہ پانی بیماروں کو دواءً پلاتے رہے اور حضرت عائشہ صدیقہ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار آب زمزم باہر بھیجا (مرقات) مدینہ پاک سے خاک شفا لانا اور اسے دواءً استعمال کرنا سنت مسلمین ہے' اس کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا تربة ارضنا یشفی سقیما ہماری زمین مدینہ کی مٹی بیماروں کو شفا دیتی ہے بلکہ وہاں کا گرد وغبار اپنے منہ اور سینہ پر لے' کہ یہ برص و جذام کیلئے بہت مفید ہے' مسجد نبوی خصوصاً روضہ مطہرہ کا غبار مومنوں کی آنکھوں کا سرمہ ہے اور عشاق کے زخمی دلوں کا مرہم

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَايَحِلُّ لِاَحَدِكُمْ اَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۹۷) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے کسی کو یہ حلال نہیں کہ مکہ معظمہ میں ہتھیار اٹھائے پھرے۱؎ (مسلم)

(۲۵۹۷)۱؎ مکہ معظمہ میں کھلے ہتھیار اٹھائے پھرنا تا کہ مسلمان مرعوب ہوں حرام ہے' غلاف میں ڈھکے ہتھیار اٹھانا اپنی حفاظت وغیرہ کیلئے درست ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ قضا میں ہتھیار لے کر وہاں داخل ہوئے مگر غلاف میں' یہ عمل اس حدیث کی تفسیر ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَاْسِهِ الْمِغْفَرُ فَلَمَّا نَزَعَهُ جَآءَ رَجُلٌ وَقَالَ اِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلْهُ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۵۹۸) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ معظمہ میں اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے سر پر خود تھا۱؎ پھر جب خود اتارا تو ایک شخص آیا اور بولا کہ ابن خطل کعبہ شریف کے پردوں سے لٹکا ہوا ہے۔فرمایا اسے قتل کردو۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۵۹۸)۱؎ یعنی آپ بغیر احرام مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ورنہ سر مبارک کھلا ہوتا' آج چونکہ زمین حرم حضور انور کیلئے حلال ہوگئی تھی کہ وہاں قتال حلال ہوگیا تھا اس لئے آج بغیر احرام داخلہ بھی حضور انور کا درست ہوگیا لہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں' کہ کسی نیت سے مکہ معظمہ جائے احرام وعمرہ ضروری ہے' اور نہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کہ جو کسی اور کام کے لیے مکہ معظمہ جائے' وہ بغیر احرام جاسکتا ہے'۲؎ یہ خبر دینے والے فضل ابن عبید یعنی ابو برزہ اسلمی تھے' ابن خطل کا نام عبداللہ اور لقب غالب تھا یہ پہلے مسلمان ہوا پھر اپنے ایک خادم مسلمان کو قتل کر کے مرتد ہو کر مکہ معظمہ بھاگ آیا تھا' آج ڈر کے مارے غلاف کعبہ میں چھپ گیا' چونکہ آج زمین حرم میں قتال جائز تھا اس لئے اسے قصاصاً یا مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کردیا گیا' یا تو حرم شریف میں یا وہاں سے باہر نکال کر' ورنہ باہر کا مجرم اگر حرم میں آجائے تو اسے قتل نہیں کیا جاتا' ربّ تعالٰی فرماتا ہے: مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (۳'۹۷) جو اس میں آئے امان میں ہو (کنزالایمان) بعض امام حرم شریف میں حدود قصاص جائز مانتے ہیں' اس حدیث کی بنا پر' مگر یہ استدلال ضعیف ہے' ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میقات سے آگے بغیر احرام نہ بڑھو نیز فرماتے ہیں کہ میرے لیے ایک ساعت کے واسطے یہ حرم کی زمین حلال کردی گئی تھی اب پھر اس کی حرمت لوٹ آئی۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَآءُ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۵۹۹) روایت ہے جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ معظمہ میں اس طرح تشریف لائے کہ بغیر احرام کے تھے اور آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۱؎ (مسلم)

(۲۵۹۹)۱؎ یا تو حدود حرم میں داخلہ کے وقت حضور انور نے خود بھی پہنا ہوا تھا یعنی لوہے کی ٹوپی اور عمامہ شریف بھی' یا حدود حرم شریف میں داخلہ کے وقت تو خود پہنے تھے اور بیت اللہ شریف میں یعنی مسجد حرام میں داخلہ کے وقت خود اتار دیا تھا اور عمامہ پہن لیا تھا' لہٰذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں' خیال رہے کہ لباس سفید افضل ہے مگر عمامہ سیاہ بھی جائز ہے خصوصاً خطبہ کے وقت' سارے کپڑے کالے پہننا' خصوصاً محرم میں روافض سے تشبیہ ہے (از مرقات مع زیارت)

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۲۶۰۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَغْزُوْا جَیْشُ نِ الْکَعْبَۃَ فَاِذَا کَانُوْا بِبَیْدَآءَ مِنَ الْاَرْضِ یُخْسَفُ بِاَوَّلِھِمْ وَاٰخِرِھِمْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ کَیْفَ یُخْسَفُ بِاَوَّلِھِمْ وَاٰخِرِ ھِمْ فِیْھِمْ اَسْوَاقُھُمْ وَمَنْ لَیْسَ مِنْھُمْ قَالَ یُخْسَفُ بِاَوَّلِھِمْ وَاٰخِرِھِمْ ثُمَّ یُبْعَثُوْنَ عَلٰی نِیَّاتِھِمْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک لشکر کعبہ معظمہ پر حملہ کرے گا تو جب میدانی زمین میں ہوں گے تو ان کے اگلے پچھلے سب کو دھنسا دیا جائے گا[۱] میں نے عرض کی یا رسول اللہ ان کے اگلے پچھلوں کو کیسے دھنسا دیا جائے گا ان میں سوداگر بھی ہوں گے اور وہ بھی جو اس لشکر سے نہیں[۲] فرمایا کہ دھنسایا تو سارے اگلے پچھلوں کو جائے گا پھر اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے[۳] (مسلم بخاری)

(۲۶۰۰)[۱] یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا کہ ایک بڑا لشکر بربادی خانہ کعبہ کے لیے مکہ معظمہ پر حملہ کرے گا اور دھنسا دیا جائے گا بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ واقعہ ہو چکا' مہدی موعود شاہ سفیان شاہ مصر کے زمانہ میں' مگر حق پہلی بات ہے[۲] اسواق یا تو سوقہ کی جمع ہے بمعنی رعایا اور کام کاج والے یا سوق کی جمع ہے بمعنی بازار میں رہنے والے سوداگر' سوال کا منشاء یہ ہے کہ مجرم تو ان میں سے بعض ہیں سزا ملی سب کو' کیونکہ اس لشکر میں تجارتی کاروبار کرنے والے سپاہیوں کے خدمت گار اور کھانا وغیرہ پکانے والے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو جبراً لائے گئے' ان کی نیت حملے کی نہ تھی' [۳] یعنی چونکہ ان لوگوں نے بھی اس لشکر کی تعداد بڑھائی' ان کی اس جرم پر امداد کی اور مجرموں کے ساتھ رہے اس لئے یہ بھی سزا کے مستحق ہو گئے' رب تعالٰی نے فرمایا ہے: وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَاصَّۃً (۸:۲۵) اور اس فتنے سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں سے خاص ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا (کنزالایمان) معلوم ہوا کہ بروں کی امداد کرنا بھی برا' ہاں پھر قیامت میں یہ فرق ہو جائے گا کہ ان میں سے مومن مومنوں کے زمرے میں اٹھیں گے اور کافر کافروں کے ساتھ۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُخَرِّبُ الْکَعْبَۃَ ذُوالسُّوَیْقَتَیْنِ مِنَ الْحَبَشَۃِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

(۲۶۰۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو حبشہ کا دو چھوٹی پنڈلیوں والا ڈھائے گا[۱] (مسلم بخاری)

(۲۶۰۱)[۱] سویق ساق کی تصغیر ہے جس کے معنی ہیں چھوٹی پنڈلی' پتلی پنڈلی یا کمزور پنڈلی یعنی بہت پست قد دبلا پتلا کمزور شخص حبشہ کے لشکر میں ہوگا جو مکہ معظمہ پر غالب آنے کے بعد کعبہ معظمہ ڈھا دے گا' یہ واقعہ قیامت کے قریب ہوگا جس کے بعد دنیا برباد ہو جائے گی اور قیامت آ جائے گی' کیونکہ دنیا کی آبادی کعبہ معظمہ سے وابستہ ہے جب تک یہ ہے دنیا قائم ہے یہ گرا اور برباد ہوا کہ دنیا گئی' ان دو واقعات میں رب کی قدرت کا اظہار ہے کہ وہ بڑا لشکر جس کا ذکر پہلے گزرا کعبہ کو تباہ نہ کر سکے گا خود تباہ ہو جائے گا' مگر یہ کمزور دبلا آدمی کعبہ کو برباد کر دے گا (اشعہ)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَاَنِّیْ بِہٖ اَسْوَدَ اَفْحَجَ یَقْلَعُھَا حَجَرًا حَجَرًا (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۶۰۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ کالا چوڑی ٹانگوں والا ہے کعبہ کے پتھر پتھر اکھیڑ رہا ہے[۱] (بخاری)

(۲۶۰۲)[۱] بہ کا متعلق فعل پوشیدہ ہے متلبسٌ یا متصلٌ اسود' بہ کی ضمیر کا حال ہے افحج وہ ناقص الخلقت انسان جس کی ٹانگیں چلنے میں چوڑی رہیں جیسے دودھ نکالتے وقت گائے بکری کی ٹانگیں' یعنی گویا وہ میرے پاس ہے اور میں اس کی حرکت دیکھ رہا ہوں

کہ وہ کعبہ ڈھا رہا ہے اور اس کا ایک ایک پتھر گرا رہا ہے' اس کے گرانے کو' پتھروں کے گرنے کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں' اور پتھر گرنے کی آواز کانوں سے سن رہا ہوں' (از اشعہ) معلوم ہوا کہ نگاہ نبی ہمارے خواب وخیال سے زیادہ قوی ہے کہ اگلے پچھلے واقعات ملاحظہ فرمالیتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ یَعْلَی بْنِ اُمَیَّةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ احْتِکَارُ الطَّعَامِ فِی الْحَرَمِ اِلْحَادٌ فِیْهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۶۰۳) روایت ہے حضرت یعلی ابن امیہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرم شریف میں غلہ بند رکھنا یہاں بے دینی کرنے کی طرح ہے!(ابوداؤد)

(۲۶۰۳)۱؎ احتکار کے معنی ہیں بوقت ضرورت انسان یا جانوروں کی خوراک کو روکنا تاکہ زیادہ قحط پڑنے پر فروخت کیا جائے' یہ حرکت ہر جگہ ہی جرم ہے کہ اس میں اللہ کی مخلوق کی ایذاء رسانی ہے' مگر مکہ معظمہ میں ایسی حرکت بہت ہی سخت جرم ہے' وہاں احتکار کرنے والا ابوجہل وغیرہ کفار کی طرح ہے' جنہوں نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کرکے انہیں ستایا اور روزی ان پر تنگ کی' مکہ معظمہ کا غلہ روکنا ایسا سخت جرم ہے جیسے وہاں رہ کر بے دینی کرنا' ربّ تعالٰی فرماتا ہے:وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (۲۲:۲۵) اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے (کنزالایمان) اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ جیسے مکہ معظمہ میں نیکیوں کا ثواب بہت زیادہ ہے ایسے ہی وہاں گناہ کرنے کا عذاب بھی بہت سخت ہے' سیدنا عبداللہ ابن عباس مکہ معظمہ نہ رہے بلکہ وہاں سے کچھ فاصلے پر طائف شریف میں رہے' وہاں ہی آپ کا مزار پرانوار ہے' فقیر نے زیارت کی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِمَکَّةَ مَا اَطْیَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَّاَحَبَّكِ اِلَیَّ وَلَوْ لَا اِنَّ قَوْمِیْ اَخْرَجُوْنِیْ مِنْكِ مَا سَکَنْتُ غَیْرَكِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔

(۲۶۰۴) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے فرمایا!تو کیسا پاکیزہ شہر ہے' اور تو مجھے کیسا پیارا ہے اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور بستی میں نہ رہتا۲؎(ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن بھی ہے صحیح بھی غریب بھی۔

(۲۶۰۴)۱؎ غالبًا یہ فرمان عالی ہجرت کی رات ہے جب حضور انور حضرت صدیق کو ہمراہ لے کر جانب مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور مکہ معظمہ سے باہر پہنچے تو حسرت بھری نگاہوں سے بستی مکہ معظمہ پر نگاہ کی اور یہ فرمایا' مرقات نے کہا کہ یہ کلام فتح مکہ کے دن وہاں سے واپسی کے وقت ہے' مگر پہلی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔۲؎ جمہور علماء کے نزدیک مکہ معظمہ شہر مدینہ منورہ سے افضل اور حضور کو زیادہ پیارا ہے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے' امام مالک کے ہاں مدینہ منور مکہ مکرمہ سے افضل ہے' وہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں پہلی حالت کا ذکر ہے' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ زیادہ پیارا ہوگیا' جیسا کہ اگلے باب میں آرہا ہے' فتویٰ یہی ہے کہ مکہ معظمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے' مگر عشاق کی نگاہ میں مدینہ منورہ افضل' کیونکہ وہ محبوب کی آرام گاہ ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ حَمْرَآءَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفاً عَلَى الْحَزْوَرَةِ فَقَالَ وَاللّٰهِ اِنَّكِ لَخَيْرُ اَرْضِ اللّٰهِ وَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ وَلَوْ لَا اَنِّيْ اُخْرِجْتُ مِنْكِ مَاخَرَجْتُ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۶۰۵) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عدی ابن حمراء سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام حزورہ پر کھڑے ہوئے دیکھا[1] حضور فرماتے تھے اللہ کی قسم تو اللہ کی ساری زمین میں بہترین زمین ہے اور اللہ کی تمام زمین میں خدا کو زیادہ پیاری ہے[2] اگر میں تجھ سے نکالا نہ جاتا تو کبھی نہ نکلتا[3] (ترمذی، ابن ماجہ)[4]

(۲۶۰۵)[1] حَزْوَرَہ بروزن قسورہ، ح کے فتح سے اور ز کے جزم سے، اس کے معنی ہیں چھوٹا ٹیلہ، چونکہ یہاں کبھی ٹیلہ تھا، اس لئے اس جگہ کا نام حزورہ ہوگیا، بعض نے فرمایا کہ قبیلہ جرہم کے بعد وکیع ابن سلمہ ابن زبیر ابن ایاد کعبہ معظمہ کا متولی ہوا اس نے یہاں ایک عمارت بنائی، جس میں اپنی لونڈی حزور کو ٹھہرایا اس کے نام سے یہ جگہ حزورہ کہلائی، پھر یہاں مکہ معظمہ کا بازار رہا، اب وہاں مسجد حرام کا ایک دروازہ ہے جسے باب الوداع کہتے ہیں [2] علماء فرماتے ہیں کہ حاجی طواف وداع کر کے جب چلے تو کعبہ معظمہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھے اور کچھ کلمات وداعیہ بھی منہ سے نکالے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات حج وداع میں کعبہ معظمہ سے رخصت ہوتے وقت فرمائے اور باب الوداع سے نکلے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف سے روانہ ہوئے تھے، بلکہ اس وقت الٹے پاؤں کعبہ معظمہ کو دیکھتا ہوا، روتا ہوا چلے کہ اگرچہ یہ عمل بدعت ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور سیدنا ابن مسعود مرفوعًا فرماتے ہیں کہ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ شئے اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے (مرقات) [3] یہ حدیث بھی جمہور علماء کی دلیل ہے کہ مکہ معظمہ کی بستی مدینہ منورہ سے افضل ہے اور حضور انور کو بڑی پیاری ہے، کیونکہ یہ فرمان ہجرت کے بہت عرصہ بعد ہے، خیال رہے کہ افضلیت میں یہ اختلاف بستیوں کے متعلق ہے، حضور کی قبر انور کا وہ حصہ جو جسم اطہر سے متصل ہے وہ مکہ معظمہ، کعبہ معظمہ بلکہ عرش معلی سے بھی افضل ہے (مرقات) شیخ نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی عمرہ قضاء میں ہے، جبکہ تین دن کے بعد کفار مکہ نے آپ سے مکہ معظمہ خالی کر دینے کیلئے کہا بعض نے فرمایا کہ یہ بھی ہجرت کی شب تھا، مگر یہ ضعیف ہے کہ اس وقت عبداللہ ابن عدی نے حضور کو کیونکر دیکھ لیا، بعض نے فرمایا کہ فتح مکہ کے دن ہے، مگر یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اس وقت اخراج نہ تھا واللہ اعلم (اشعہ) [4] یہ حدیث بہت کتابوں میں بہت اسنادوں سے مروی ہے، صحیح ہے اور بہت قوی ہے، طبرانی میں بسند ضعیف ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ مکہ سے افضل ہے بعض علماء نے فرمایا کہ حضور کی حیات شریفہ میں مدینہ منورہ بعد ہجرت افضل تھا، بعد وفات مکہ مکرمہ افضل (مرقاۃ) مسئلہ:۔ مکہ مکرمہ کی ایک نیکی ایک لاکھ ہے اور ایک گناہ بھی ایک لاکھ ہے، مدینہ منورہ کی ایک نیکی پچاس ہزار ہے مگر ایک گناہ ایک ہی ہے، اس کی بھی شفاعت سے بخشش کی امید ہے، اسی لئے امام ابوحنیفہ و امام مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بیرونی آدمیوں کو مکہ معظمہ رہنے سے وہاں سے وطن لوٹ آنا افضل وہاں جاتا آتا رہنا بہتر، دیکھو حضرت ابن عباس نے بجائے مکہ معظمہ کے طائف کو اپنا قیام گاہ قرار دیا، حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ارادہ گناہ پر کہیں پکڑ نہیں سوائے مکہ مکرمہ کے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ (۲۲،۲۵) اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے (کنز الایمان) ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ جو مکہ مکرمہ کا رمضان پائے پھر وہاں کے روزہ اور تراویح کی پابندی کرے تو ایک لاکھ رمضانوں کا ثواب پائے گا، اور ہر دن و ہر رات ایک ایک غلام آزاد کرنے اور ایک ایک غازی کو میدان جنگ میں بھیجنے کا ثواب پائے گا، مدینہ منورہ میں رہنا اور مرنا بھی بہت برکت کا باعث ہے بشرطیکہ وہاں کا احترام کر سکے (مرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ شُرَیْحِ نِ الْعَدَوِیِّ اَنَّهٗ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِیْدٍ وَّهُوَ یَبْعَثُ الْبُعُوْثَ اِلٰی مَکَّةَ ائْذَنْ لِیْ اَیُّهَا الْاَمِیْرُ اُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ یَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ اُذُنَایَ وَوَعَاهُ قَلْبِیْ وَاَبْصَرَتْهُ عَیْنَایَ حِیْنَ تَكَلَّمَ بِهٖ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَکَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ یُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا یَحِلُّ لِاَمْرِءٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَّلَا یَعْضُدَ بِهَا شَجَرَةً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْهَا فَقُوْلُوْا لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ وَلَمْ یَاْذَنْ لَكُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ لِیْ فِیْهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَّقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْیَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِیْلَ لِاَبِیْ شُرَیْحٍ مَاقَالَ لَكَ عَمْرٌو قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنْكَ یَا اَبَا شُرَیْحٍ اِنَّ الْحَرَمَ لَا یُعِیْذُ عَاصِیًا وَّلَا فَارًّا بِدَمٍ وَّلَا فَارًّا بِخُرْبَةٍ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِی الْبُخَارِیِّ الْخُرْبَةُ الْخِیَانَتُه)

(۲۶۰۶) روایت ہے حضرت ابوشریح عدوی سے انہوں نے عمرو ابن سعید سے فرمایا[1] جبکہ وہ مکہ معظمہ پر لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر مجھے اجازت دے کہ میں تجھے وہ فرمان پاک سناؤں جسے کل فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا[2] جسے میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے محفوظ کیا اور حضور کو میری آنکھوں نے کلام کرتے وقت دیکھا[3] آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا کہ مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے کسی انسان نے نہ بنایا[4] تو کسی بھی اس شخص کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ وہاں خون بہائے اور نہ وہاں کا درخت کاٹے[5] اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد سے اجازت سمجھے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دے دی تھی اور تم کو نہ دی[6] رب نے مجھے دن کی ایک گھڑی اجازت دی تھی اب آج اس کی حرمت کل کی طرح ہی لوٹ آئی[7] حاضرین غائبین کو پہنچا دیں۔ ابوشریح سے کہا گیا کہ پھر تم سے عمرو نے کیا کہا' فرمایا وہ بولا اے ابوشریح میں تم سے یہ زیادہ جانتا ہوں کہ حرم شریف نہ تو مجرم کو پناہ دے سکتا ہے[8] نہ خون کر کے بھاگے ہوئے کو[9] نہ فساد کر کے بھاگے کو[10] (مسلم بخاری) اور بخاری میں ہے کہ خربہ خیانت ہے۔

(۲۶۰۶)[1] آپ کا نام خویلد ابن عمرو کعبی عدوی خزاعی ہے کنیت ابوشریح' صحابی ہیں' فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے' ۶۸ ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی' اپنی کنیت میں مشہور ہوئے (اکمال) اور عمرو ابن سعید ابن عاص اموی قرشی اپنے چچازاد بھائی عبدالملک ابن مروان کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا' پھر اسے عبدالملک نے سیدنا عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے پر مقرر کیا' حضرت ابن زبیر مکہ معظمہ وعراق وغیرہ کے سلطان برحق تھے (اشعہ ومرقاۃ) جب عمرو نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کرنے کے لیے لشکر تیار کیا' حضرت ابوشریح نے اسے عظمت مکہ معظمہ کی طرف متوجہ فرمایا۔[2] غد سے مراد یا تو فتح مکہ سے دوسرا دن ہے یعنی فتح کی کل یا مطلب یہ ہے کہ یہ کل کی بات ہے ابھی اسے کچھ عرصہ نہ گزرا تو نے ابھی سے اس پر عمل چھوڑ دیا تو آئندہ کیا بنے گا۔[3] یعنی یہ واقعہ اور یہ حدیث میں کسی سے سنی سنائی نہیں کہہ رہا ہوں' بلکہ اسے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے' اور دور سے نہیں سنا بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں بہت قریب تھا' اور

بغیر سمجھے نہیں سنا بلکہ سمجھ کر سنا' لہٰذا اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے حدیث بالکل صحیح ہے' ۴؎ یعنی مکہ معظمہ کو حرم بنانے والا خود رب تعالٰی ہے' کسی شخص نے اپنی رائے سے اسے حرم نہیں بنایا ہے تاکہ دوسرے آدمی کی رائے سے اس کی حرمت جاتی رہے' لہٰذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں' کہ وہاں یہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم ہونے کی دعاء کی رب نے اسے حرم بنا دیا وہاں اسناد مجازی ہے یہاں حقیقی' ۵؎ اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ساری ایمانیات کا معتقد ہو دو کناروں کا ذکر فرمایا۔تمام عقائد مراد لئے گئے' درخت سے مراد خودرو درخت ہیں اپنے بوئے ہوئے درخت حرم شریف میں کاٹے جاسکتے ہیں۔خون بہانے سے مراد اس کا خون بہانا ہے جو شرعاً واجب القتل ہو اور حرم شریف میں پناہ لے لے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا' ورنہ حرم شریف میں جانور ذبح ہوتے ہیں' وہاں کے مجرم کو قتل کیا جاسکتا ہے محفوظ الدم شخص کا خون بہانا غیر حرم میں بھی حرام ہے لہٰذا حدیث واضح ہے۔ ۶؎ یعنی فتح مکہ کے دن ہمارا مکہ معظمہ پر حملہ کرنا اور حملہ کے دوران میں حضرت خالد بن ولید کی تلوار سے ستر انسانوں کا حرم شریف میں خون ہو جانا یہ ہماری خصوصیات سے ہے' اور خصوصیات میں پیروی نہیں ہوتی' نہ وہ افعال و اعمال سنت کہلاتے ہیں' ہمارے واسطے وہ قتال وقتی طور پر حلال تھا تمہارے لئے دائمی حرام ۷؎ کل سے مراد سارا گزشتہ زمانہ ہے یعنی جیسے حرم محترم کی حرمت کل تھی ایسے ہی آج ہے اور تاقیامت رہے گی۔ ۸؎ اس کا مقصد یہ تھا کہ عبدالملک خلیفہ برحق ہے اور حضرت عبداللہ ابن زبیر اس کے باغی ہیں' مکہ معظمہ میں باغیوں کی سرکوبی کرنا جائز ہے میں اس فعل پر مجرم نہیں ۹؎ یعنی جو حرم کے باہر خون کرے اور حرم میں پناہ لے لے اسے امن نہیں ہے بلکہ اس پر روزی تنگ کی جائے تاکہ وہ نکلے اور باہر ہونے پر قتل کر دیا جائے' اور اگر اس مردود کا مقصد یہ ہے کہ باہر حرم کا مجرم حرم میں قتل کیا جائے گا تو غلط ہے' وہ عمرو ابن سعید ظالم وفاسق بھی تھا اور نرا جاہل بھی لہٰذا یہ جملہ شوافع کی دلیل نہیں' جہلاء کے اقوال سے دلیل کیسی (مرقات) ۱۰؎ خربہ خ کے پیش ر کے جزم سے' اس کے لغوی معنی ہیں اونٹ کی چوری' اب اصطلاح میں مطلقاً فساد کو کہتے ہیں' اس کی مراد فساد سے' جانی مالی ملکی فساد ہے۔

وَعَنْ عَيَّاشِ بْنِ اَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُوْمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ بِخَيْرٍ مَاعَظَّمُوْا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِيْمِهَا فَاِذَا ضَيَّعُوْا ذٰلِكَ هَلَكُوْا ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۶۰۷) روایت ہے حضرت عیاش ابن ابوربیعہ مخزومی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امت بھلائی پر رہے گی۔ جب تک اس حرمت کا بحق تعظیم احترام کریں جب اسے برباد کریں گے ہلاک ہو جائیں گے ۲؎ (ابن ماجہ)

(۲۶۰۷) ۱؎ آپ ابوجہل کے اخیافی بھائی ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کرتے ہی ایمان لائے' حضرت عمر کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے' پھر حضرت عمر کے ساتھ مدینہ ہجرت کر کے آئے ابوجہل اور حارث ابن ہشام نے دھوکہ سے انہیں مکہ معظمہ بلایا کہ تیری ماں تیرے لئے بیقرار ہے اور وہاں آپ کو قید کر دیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ میں آپ کی رہائی کی دعا کی کہ الٰہی عیاش ابن ربیعہ کو نجات دے' آپ عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے (اکمال) ۲؎ تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ جس بادشاہ نے کعبہ معظمہ یا حرم شریف کی بے حرمتی کی' ہلاک و برباد ہو گیا' یزید پلید کے زمانہ میں جب حرم شریف کی بے حرمتی ہوئی یزید ہلاک ہوا' اس کی سلطنت ختم ہو گئی۔

بَابُ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ حَرَسَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى

باب مدینہ منورہ کا حرم اللہ اسے محفوظ رکھے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حدود مدینہ منورہ کا ادب و احترام مکہ معظمہ کی حدود کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ مگر اختلافات اس میں کہ حرم مدینہ میں شکار کرنا حلال ہے یا حرام' اگر حرام ہے تو اس کی جزا یعنی فدیہ یا کفارہ واجب ہے یا نہیں' ہمارے امام اعظم کے ہاں وہاں شکار بھی حلال ہے اور درخت وغیرہ کا کاٹنا بھی درست' کیونکہ ان چیزوں کی حالت تو قرآن کریم کی صریحی آیات سے ثابت ہے مگر حدود مدینہ میں ان کی حرمت کی نہ کوئی آیت ہے نہ حدیث قطعی بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت انس کے بھائی ابوعمیر نے مدینہ منورہ میں ایک چڑیا پالی تھی جو پنجرے میں رکھی تھی اگر مدینہ منورہ میں شکار حرام ہوتا تو چڑیا کو پنجرے میں بند کرنا بھی حرام ہوتا' حرم مکہ میں شکار حرام ہونا اور کر لینے پر جزاء واجب ہونا قرآن کریم سے بھی ثابت ہے اور احادیث قطعیہ سے بھی' بعض ائمہ کے ہاں حرم مدینہ میں شکار حرام تو ہے مگر اس کی جزا واجب نہیں' بعض کے ہاں جزاء بھی واجب ہے بعض کے نزدیک وہاں پرندوں کا شکار حلال ہے' چرندوں کا حرام' بہرحال مسئلہ اختلافی ہے اور اس بارے میں مذہب حنفی بہت قوی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْقُراٰنَ وَمَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مَابَيْنَ عَيْرٍ اِلٰى ثَوْرٍ فَمَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا اَوْ اٰوٰى مُحْدِثاً فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ يَسْعٰى بِهَا اَدْنَاهُمْ فَمَنْ اَخْفَرَ مُسْلِماً فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّ لَا عَدْلٌ وَمَنْ وَّالٰى قَوْماً بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّ لَاعَدْلٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوْتَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ

(۲۶۰۸) روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوائے قرآن کے اور اس کے جو اس کتاب میں ہے کچھ اور نہ لکھا[1] فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مدینہ منورہ عیر سے ثور تک کے درمیان حرم ہے[2] تو جو اس میں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے[3] اس کے نہ فرائض قبول ہوں نہ نفل[4] مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے۔ کہ ان کا ادنیٰ آدمی بھی کوشش کرسکتا ہے[5] جو کسی مسلمان کی عہد شکنی کرے اس پر اللہ' فرشتوں' اور سارے انسانوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول نہ نفل[6] جو اپنے کو اپنے دوستوں کی بغیر اجازت کسی قوم سے عقد دوستی باندھے اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول ہوں نہ نفل[7] (مسلم بخاری) انہی کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ جو اپنے کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے[8] یا اپنے

وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ ۔ غیر مولاؤں سے ولاء کرے تو اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول ہوں اور نہ نفل۹

(۲۶۰۸)۱؎حضرت علی کے زمانہ خلافت میں رفض اور خروج کی جڑیں قائم ہوئیں چھپے منافق ان گروہوں کی شکل میں نمودار ہوئے روافض نے مشہور کیا کہ حضرت علی کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی وصیت نامہ اور خلافت نامہ ہے جس میں لکھا ہے کہ آپ اسلام کے خلیفہ اول ہیں۔لہذا گزشتہ خلافتیں باطل تھیں اور یہ کہ آپ کے پاس کوئی خاص چھپا ہوا قرآن ہے اور وہی اصل ہے اس لیے بعض لوگ آپ سے اس کے متعلق سوال کرتے تھے اور جناب علی مرتضٰی یہ جواب دیتے تھے بعض روافض کو آپ نے زندہ جلوا دیا جیسا کہ مشکوۃ کتاب الحدود میں آئے گا مگر یہ دبی چنگاری سلگتی ہی رہی صحیفہ ایک کاغذ تھا جس میں کچھ شرعی احکام لکھے ہوئے تھے جو جناب علی کی تلوار کے پرتلہ میں رہتا تھا جو آپ لوگوں کو دکھایا بھی کرتے تھے اور سناتے بھی تھے وہی واقعہ یہاں بیان ہو رہا ہے آپ فرما رہے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی اور قرآن نہیں یہی قرآن ہے اور حضور انور کی کوئی خاص وصیت یا تحریر نہیں صرف یہ ورق ہے جس میں کچھ احکام لکھے ہوئے ہیں۲؎عیر وثور کے متعلق شارحین کے بہت اقوال ہیں حضرت شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ یہ دونوں پہاڑ ہیں جو مدینہ منورہ کے کناروں پر واقع ہیں بعض نے فرمایا کہ یہ دونوں پہاڑ مکہ معظمہ میں ہیں ثور پہاڑ وہ ہے جس کے غار میں ہجرت کی رات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع صدیق اکبر چھپے تھے اس لیے اسے غار ثور کہتے ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جتنا فاصلہ مکہ کے دو پہاڑوں عیر وثور کے درمیان ہے اتنا فاصلہ مدینہ منورہ کا حرم ہے بعض نے فرمایا کہ عیر تو مدینہ منورہ میں ہے اور ثور مکہ معظمہ میں بعض کے خیال میں ہے کہ عیر وثور پہاڑ نہیں بلکہ اطراف مدینہ کے دو میدانوں کا نام ہے جنہیں حرتین کہتے ہیں بعض روایات میں عیر واحد ہے راوی نے غلطی سے بجائے احد کے ثور کہا بہر حال مدینہ منورہ کے حدود مراد ہیں۳؎یہ فرمان امام اعظم کی قوی دلیل ہیں کہ حدود مدینہ میں شکار حرام نہیں بلکہ یہ چیزیں حرام ہیں جو حضرت علی نے بیان فرمائیں یعنی یہاں بدعتیں ایجاد کرنا بدعتیوں کو مدینہ میں جگہ دینا سخت گناہ ہے کہ اس میں مدینہ منورہ کی بے حرمتی بھی ہے اور دین میں فساد بھی خیال رہے کہ بدعت و بدعتی سے عقیدہ کی بدعتیں و بدعتی مراد ہیں جیسے رفض وخوارج وہابیت وغیرہ نہ کہ عملی بدعتیں کہ وہ تو کبھی فرض واجب بھی ہوتی ہیں جیسے کتب حدیث کا جمع کرنا یا قرآن کریم کے تیس پارے اور علم فقہ وغیرہ اگرچہ ہر جگہ ہی بدعتیں بری ہیں مگر مدینہ پاک میں زیادہ بری۴؎صرف سے مراد فرائض ہیں یا شفاعت یا توبہ اور عدل سے مراد نوافل ہیں یا فدیہ گناہ کہ صرف کے معنی ہیں پھیرنا فرائض کی ادا یا شفاعت یا توبہ سے عذاب الٰہی پھر جاتا ہے لوٹ جاتا ہے عدل کے معنی ہیں برابری نفل کبھی فرض کی کمی پوری کرکے کامل فرض کے برابر کر دیتے ہیں یا فدیہ اصل فوت شدہ کے برابر ہوتا ہے۔۵؎یعنی اگر معمولی درجے کا مسلمان کسی کافر کو امان یا ذمہ یا پناہ دیدے تو تمام مسلمانوں پر اس کا پورا کرنا لازم ہے اسے توڑنا حرام ہے اور باعث مذمت سارے مسلمان ایک جسم کے اعضاء کی طرح ہیں کہ روح سب کی ایک ہے کوشش کرنے سے مراد والی یا متولی یا ذمہ دار ہوتا ہے۶؎یعنی جو مسلمان دوسرے مسلمان کے ذمہ یا اس کی دی ہوئی امان توڑے یا اس کے کیے ہوئے وعدوں کے خلاف کرے اس پر لعنت ہے۷؎ولاء دو قسم کی ہے ولاء موالات اور ولاء عتاقہ۔ ولاء موالات قوموں کے معاہدے کو کہتے ہیں کہ چند قومیں کسی معاہدے میں شریک ہو کر ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن جائیں ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے ساتھیوں سے مشورہ کیے کسی اور قوم سے معاہدہ نہ کرے کہ اس میں عہد شکنی ہے جو حرام ہے یا یہ مطلب ہے کہ آزاد کردہ غلام اپنے آزاد کرنے والے مولیٰ کا عتاقہ ہے کہ اسے اس غلام کی میراث کا حق پہنچتا ہے یہ غلام دوسرے کو اپنا

مولیٰ نہ بتائے جس کا معتق ہے اسی کا رہے یا یہ مطلب ہے کہ کوئی مسلمان بھائی' بھائی مسلمان کو ستانے کیلئے کافر سے دوستی نہ کرے ورنہ لعنت کا مستحق ہوگا غرضیکہ اس جملہ کی تین شرحیں ہیں' اس کلام سے معلوم ہوا کہ علم لکھ لینا سنت صحابہ ہے' یہ بھی معلوم ہوا کہ روافض کا یہ قول غلط محض ہے کہ حضور انور نے اہل بیت کو خلافت کی وصیت کی یا کوئی خاص قرآن دیا یا انہیں قرآن کے ایسے خاص اسرار لکھائے جو دوسروں سے چھپائے' نعوذ باللہ' ۸؎ اس طرح کہ غیر باپ کو اپنا باپ بتائے کہ فلاں کا بیٹا ہوں یا اپنے کو غیر قوم کی طرف نسبت کرے' سید نہ ہو مگر کہے کہ میں سید ہوں' اس میں ماں کو گالی دینا ہے اور سخت لعنت و عذاب کا استحقاق ۹؎ اس فرمان عالی سے آج کل کے وہ لوگ عبرت پکڑیں جنہیں سید یا شیخ یا پٹھان بننے کا شوق ہے' اسی بیماری میں بہت مسلمان گرفتار ہیں' ربّ تعالیٰ اس مرض سے شفا بخشے۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ اُحَرِّمُ مَابَيْنَ لَابَتَىِ الْمَدِيْنَةِ اَنْ يُّقْطَعَ عِضَاهُهَا اَوْيُقْتَلَ صَيْدُهَا وَقَالَ الْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْيَعْلَمُوْنَ لَا يَدَعُهَا اَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰهُ فِيْهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَلَا يَثْبُتُ اَحَدٌ لَا وَائِهَا وَجُهْدِهَا اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعاً اَوْشَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۰۹) روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں مدینہ کے دو کناروں کے درمیان یہاں سے کانٹے کاٹنا یا یہاں کا شکار قتل کرنا حرام کرتا ہوں ۱؎ فرمایا مدینہ مسلمانوں کے لئے بہتر ہے اگر وہ جانتے ہوتے ۲؎ ایسا کوئی نہیں جو مدینہ سے رغبتی کرتے ہوئے اسے چھوڑے مگر اللہ اس مدینہ میں اس کو اچھا رہنے والا بسائے گا ۳؎ اور کوئی شخص مدینہ کی سختی اور بھوک پر صبر نہ کرے گا مگر میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا ۴؎ (مسلم)

(۲۶۰۹) ۱؎ یہ حدیث ان محدثین و فقہاء کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ حرم مدینہ کی حدود میں شکار کرنا خودرو درخت کاٹنا حرام تو ہے مگر اس کی جزاء واجب نہیں ہم عرض کر چکے ہیں کہ شکار کی حلت قرآنی آیات سے ثابت ہے لہٰذا اس کی حرمت اس جیسی ظنی حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ دوسری احادیث اس کے خلاف ہیں۔ لابہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں' مدینہ منورہ کے آس پاس کی زمین پتھریلی ہے' عضاۃ درخت خاردار کو ۲؎ یعنی اگر شام وغیرہ سرسبز ملکوں میں دنیاوی آرام زیادہ ہیں مگر جس مسلمان کو مدینہ پاک میں رہنا سہنا نصیب ہو جائے تو اس کی خوش نصیبی ہے وہ اسے تمام سرسبز ملکوں سے بہتر جانے ۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ ہمیشہ آباد رہے گا کبھی ویران نہ ہوگا' اگر کوئی قوم یا جماعت اسے چھوڑ بھی جائے تو دوسری قوم اسے آباد کرے گی' یہاں رہنے والے بہت ہیں جو یہاں آباد ہونے کی آرزو کرتے ہیں' یہ خبر بالکل برحق ہے جس کا ثبوت مشاہدہ سے ہورہا ہے کتنے کنبے اور کتنی قومیں ہیں جو وہاں آباد ہوگئیں اور کتنے سینے ہیں جن میں وہاں کی تڑپ ہے' ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ لا ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (۴۷،۳۸) اور اگر تم منہ پھیرو تو وہ تمہارے سوا اور لوگ بدل لے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے (کنزالایمان) حق یہ ہے کہ یہ قانون قیامت تک کے لیے ہے۔ ۴؎ لاواء اور جہد یا ہم معنی ہیں یا قریب المعنی یعنی جو مدینہ منورہ کی غربت و بے کسی کی زندگی یہاں کی تکالیف و قحط و بھوک پر صبر کرکے حضور کے قدموں میں پڑا رہے گا انشاء اللہ اس کا خاتمہ بخیر ہوگا اور حضور انور اس کے گناہوں کی شفاعت نیکیوں کی گواہی ادا فرمائیں گے یا حضور انور اپنے زمانہ میں مرنے والوں کی گواہی اور بعد میں وہاں مرنے والوں کی شفاعت کریں گے اگرچہ حضور اپنے ہر امتی کے گواہ بھی ہیں اور شفیع بھی' مگر مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت بھی خصوصی ہوگی اور گواہی بھی خصوصی' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان حرمین طیبین خصوصاً مدینہ منورہ میں رہنے مرنے کو ربّ تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت جانے' اگر یہ مٹی وہاں کی پاک مٹی سے مل جائے تو اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے شعر:-

پس مُردن مری مٹی ٹھکانے خوب لگ جاتی　　میسر گر مجھے دو گز مدینہ کی زمیں ہوتی

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَصْبِرُ عَلٰى لَاوَآءِ الْمَدِيْنَةِ وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِیْ اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۱۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا کوئی امتی مدینہ کی سختیوں اور تکلیف پر صبر نہ کرے گا مگر میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا[1] (مسلم)

(۲۶۱۰)[1] شفاعت خصوصی، حق یہ ہے کہ یہ وعدہ ساری امت کیلئے ہے کہ مدینہ میں مرنے والے حضور انور کی اس شفاعت کے مستحق ہیں شعر:۔

طیبہ میں مر کے سیدھے چلے جاؤ آنکھیں بند　　سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

خیال رہے کہ حضور انور کی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں رہنا بہتر تھا اور ہجرت کے بعد فتح مکہ سے پہلے مکہ معظمہ میں رہنا مسلمان کو منع ہوگیا ہجرت واجب ہوگئی اور فتح مکہ کے بعد وہاں رہنا تو جائز ہوا، مگر مدینہ منورہ میں رہنا افضل قرار پایا کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب ہے، اسی لیے زیادہ تر فضائل مدینہ پاک میں رہنے کے آئے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا رَاَوْا اَوَّلَ الثَّمَرَةِ جَآءُوْا بِهٖ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ ثَمَرِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنِّیْ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنَّهٗ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاَنَا اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهٖ مَعَهٗ ثُمَّ قَالَ يَدْعُوْا اَصْغَرَ وَلِيْدٍ لَهٗ فَيُعْطِيْهِ ذٰلِكَ الثَّمَرَ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۱۱) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ لوگ جب پہلا پھل دیکھتے تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے تھے[1] جب حضور اسے لیتے تو فرماتے الٰہی ہمارے پھلوں میں ہمارے لیے برکت دے ہمارے مدینہ میں برکت دے[2] ہمارے صاع میں ہمارے مد میں ہمارے واسطے برکت دے[3] الٰہی ابراہیم تیرے بندے تیرے خلیل تیرے نبی ہیں اور میں تیرا بندہ تیرا نبی ہوں[4] انہوں نے مکہ کیلئے دعا کی[5] اور میں مدینہ کے لیے ویسی ہی دعا کرتا ہوں جیسی انہوں نے مکہ کیلئے دعا کی اور اتنی ہی اس کے ساتھ اور[6] فرمایا پھر کسی چھوٹے بچے کو بلاتے اسے یہ پھل عطا فرمادیتے[7] (مسلم)

(۲۶۱۱)[1] یعنی باغ والے اپنے باغ کا پہلا پھل، یوں ہی مدینہ والے جب بازار میں نیا پھل دیکھتے تو حضور انور کی خدمت میں هدیةً لاتے تاکہ باغ میں اور گھروں میں برکت رہے بعض لوگ پہلے پھل پر فاتحہ دے کر بچوں میں تقسیم کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے، فاتحہ میں ثواب کا نذرانہ ہے، اگر ہم کو وہ میسر نہ ہوا تو ہدیہ ثواب ہی کریں[2] یعنی مدینہ کی آبادی میں بھی برکت دے اور یہاں کے پھل فروٹ میں بھی حضور کی دعائیں قبول ہوئیں، چنانچہ زمانہ فاروقی میں مدینہ میں چالیس ہزار سوار فوجی تھے، پیادے اور ان کے علاوہ دوسری آبادی ان کے سواء اور وہاں کے پھلوں کی برکت تو مشہور ہی ہے (مرقات)[3] صاع و مد سے مراد ان پیمانوں میں نپنے والے دانہ ہیں جیسے گندم جو وغیرہ پھلوں کی برکت کی دعا پہلے گزر گئی، اور غلہ کی برکت کی دعا یہ ہے، ہمارے لئے فرما کر یہ بتایا کہ یہ برکتیں مسلمانوں کے لیے ہوں[4] حضور انور نے حضرت ابرہیم کے خلیل ہونے کا تو ذکر فرمایا مگر اپنے حبیب ہونے کا ذکر نہ فرمایا تواضع و انکسار کے لیے خلیل وہ جو رب کی مانے، حبیب وہ کہ ربّ اس کی مانے، خلیل بیرونی دوست، حبیب اندرونی دوست، دوستوں سے ملاقات پردہ کے باہر ہوتی ہے، حبیب سے

ملاقات پردہ کے اندر

تم تو مغز اور پوست، اور ہیں باہر کے دوست | تم ہو درون سرا تم پہ کروڑوں درود

نبی و رسول کبھی ہم معنی ہوتے ہیں اور کبھی نبی رسول سے عام، نبوت میں رب تعالٰی سے فیض لیتا ہے اور رسالت میں دوسروں کو فیض دیتا ہے، حق یہ ہے نبوت سے رسالت افضل ہے، رسول تین سو تیرہ ہیں، نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش، نبی کی ولایت ان کی نبوت سے بعض کے نزدیک افضل ہے بعض کے ہاں برعکس (مرقات) ۵؎ جناب خلیل نے مکہ معظمہ کے لیے دعا کی تھی فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ (۱۴، ۳۷) تو تُو لوگوں کے کچھ دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شائد وہ احسان مانیں (کنزالایمان) خدایا لوگوں کے دل مکہ معظمہ کی طرف مائل فرما دے اور یہاں کے باشندوں کو پھل دے تا کہ وہ شکر ادا کریں ۶؎ اور سے مراد دوگنی نہیں بلکہ کئی گنی، یعنی مدینہ کی طرف لوگوں کے دل خوب مائل کر دے اور یہاں بہت پھل فروٹ پیدا فرما، برکتیں دے، اس دعا شریف کا اثر آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ مکہ معظمہ سے زیادہ مدینہ پاک کی طرف لوگوں کا میلان قلبی ہے، مدینہ کی تعریف میں ہزارہا قصیدے لکھے گئے، وہاں کا سا پانی، کھانا، پھل اور جگہ دیکھے نہ گئے ۷؎ اس حدیث سے پہلے پھل پر پھل سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بچوں میں تقسیم کرنا سب کچھ ثابت ہے کہ حضور انور پھل سامنے رکھ کر یا ہاتھ میں لے کر یہ دعا پڑھتے تھے، فاتحہ میں کھانا، پھل سامنے ہوتے ہیں، ایصال ثواب اور دعائیہ کلمات کہے جاتے ہیں، حضور انور نے بچہ کو یہ پھل دیئے، اب بھی بچوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَامًا وَّ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَةَ حَرَامًا مَابَیْنَ مَازَمَیْهَا اَنْ لَّا یُهْرَاقَ فِیْهَا دَمٌ وَلَا یُحْمَلَ فِیْهَا سِلَاحٌ لِقِتَالٍ وَّلَا تُخْبَطُ فِیْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا لِعَلَفٍ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۱۲) روایت ہے حضرت ابوسعید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، آپ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا ۱؎ اس کیلئے احرام بنایا ۲؎ اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں ۳؎ اس کے گوشوں کے درمیان کو ۴؎ کہ اس میں نہ خون بہایا جائے نہ اس میں جنگ کے لیے ہتھیار اٹھایا جائے ۵؎ نہ بجز چارے کے یہاں کا درخت کاٹا جائے ۶؎ (مسلم)

(۲۶۱۲) ۱؎ اس طرح کہ آپ نے مکہ معظمہ کو حرم بنانے کی رب سے دعا کی، اور رب نے آپ کی دعاء سے حرم بنایا، چونکہ آپ کی دعا حرم بننے کا سبب ہوئی، اس لیے گویا انہوں نے ہی حرم بنایا، لہٰذا یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا، کہ اللہ تعالٰی نے خود ہی اسے حرم بنایا جبکہ آسمان و زمین پیدا فرمائے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے اس کے وہ احکام جاری ہوئے جو آج بھی باقی ہیں یعنی یہاں کے شکار کر لینے پر قیمت کا فدیہ واجب ہونا، باقی اس بقعہ پاک کا احترام وہ تو ابتداء خلق سے ہو رہا ہے، اس لیے اس کے حرم بنانے کی نسبت حضرت خلیل کی طرف درست ہے، ۲؎ یعنی مکہ معظمہ میں احرام باندھ کر آنا، بغیر احرام داخلہ منع ہونا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے آپ کی دعا سے ہوا، اس جملہ نے حرم بنانے کے معنی واضح کر دیئے ۳؎ یعنی اس زمین مدینہ کو تا قیامت محترم و معظم قرار دیتا ہوں، حضرت خلیل اور حبیب کے حرم بنانے میں بہت طرح فرق ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جناب خلیل نے اس زمین مکہ کو حرم بنایا جو بعض وجوہ سے پہلے بھی حرم تھی، اور لوگوں سے جو عظمت اس کی گم ہوگئی تھی وہ ظاہر فرمائی، مگر حضور انور نے اس زمین مدینہ کو حرم بنایا جو پہلے سے معظم نہ تھی بلکہ لوگ اس سے گھبراتے تھے کہ یہ جگہ وباؤں کی تھی حتی کہ اس کا نام بھی یثرب تھا یعنی بلاؤں کا گھر ۴؎ مازم

دو پہاڑوں کے درمیانی تنگ راستہ کو کہتے ہیں جو کہیں بالکل مل جائے اور کہیں وسیع ہو جائے' اس سے مراد اطراف مدینہ ہیں (مرقات) ۵؎ **لا یحمل** الخ خون نہ بہانے کی تفسیر ہے یعنی مدینہ کی حدود میں مسلمان لڑیں بھڑیں نہیں جس سے خون خرابہ ہو کہ اگرچہ یہ حرکت ہر جگہ ہی بری ہے مگر مدینہ میں زیادہ بری' کسی امام کے ہاں اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر مستحق قتل مجرم زمین مدینہ میں پناہ لے لے تو اس سے قصاص نہ لیا جائے' یہ صرف مکہ معظمہ کی شان ہے کہ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا یہ جملہ امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کہ حرم مدینہ میں درخت کاٹنا درست ہے کہ یہاں چارے کے لیے کاٹنے کی اجازت دی' اگر درخت کاٹنا حرام ہوتے تو چارے کے لیے بھی نہ کاٹے جاتے جیسا کہ مکہ معظمہ کے حرم میں ہے' رہا وہاں کے شکار کا حرام ہونا تو چڑیوں و دیگر پرندوں کے شکار کے جواز پر قریباً سب ہی کا اتفاق ہے' چرندے کے شکار کو اکثر و جمہور صحابہ درست مانتے ہیں' بعض نے منع فرمایا' مگر اس شکار کی بھی قیمت خیرات کرنا کسی کے ہاں واجب نہیں اور نہ کسی حدیث سے اس کا وجوب ثابت ہے' غرضیکہ حرم مکہ بمعنی تحریم ہے اور حرم مدینہ بمعنی احترام' مدینہ منورہ کا احترام مکہ معظمہ سے بھی زیادہ ہے' خیال رہے کہ حرم مدینہ کو حرم مکہ سے تشبیہ دینا بعض وجوہ یعنی احترام و تعظیم کے لحاظ سے ہے نہ کہ تمام وجوہ سے جیسے ربّ تعالیٰ کا فرمان: اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (۳:۵۹) عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے (کنزالایمان) کا مقصد یہ ہے ۶؎ چونکہ مدینہ منورہ دار الہجرۃ ہے یہاں لوگ کثرت سے حاضر ہوں گے لہٰذا یہاں سے درخت وغیرہ نہ کاٹو' تاکہ یہاں کی زینت نہ جاتی رہے' آج دیگر سرکاری جگہ پر پھول توڑنا درخت کاٹنا منع ہوتا ہے' کیوں؟ بقاء زینت کے لیے یہ حکم بھی ایسے ہی ہے' کہ چارے کے لیے کاٹ لو' بلاضرورت نہ کاٹو۔

وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ سَعْدًا رَكِبَ اِلٰى قَصْرِهٖ بِالْعَقِيْقِ فَوَجَدَ عَبْدًا يَقْطَعُ شَجَرًا اَوْ يَخْبِطُهٗ فَسَلَبَهٗ فَلَمَّا رَجَعَ سَعْدٌ جَآءَهٗ اَهْلُ الْعَبْدِ فَكَلَّمُوْهُ اَنْ يَرُدَّ عَلٰى غُلَامِهِمْ اَوْعَلَيْهِمْ مَّا اَخَذَ مِنْ غُلَامِهِمْ فَقَالَ مَعَاذَاللّٰهِ اَنْ اَرُدَّشَيْئًا نَفَّلَنِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبٰى اَنْ يَرُدَّ عَلَيْهِمْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۱۳) روایت ہے حضرت عامر ابن سعد سے کہ جناب سعد اپنے ڈیرے کی طرف سوار ہوئے جو عقیق میں تھا تو ایک غلام کو درخت کاٹتے یا پتے جھاڑتے دیکھا ۱؎ تو اس کے کپڑے چھین لیے جب حضرت سعد لوٹے تو ان کے پاس غلام والے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ان کے غلام کو یا ان کو وہ سامان واپس کر دیں جو ان کے غلام سے لیا ہے ۲؎ تو آپ نے فرمایا معاذ اللہ کہ میں وہ چیز واپس کروں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمۃً عطا فرمائی ہے اور واپس کرنے سے انکار کر دیا ۳؎ (مسلم)

(۲۶۱۳) ۱؎ عقیق مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے ذوالحلیفہ کے راستہ میں چونکہ یہ جگہ حرم مدینہ میں داخل ہے اس لیے یہ واقعہ درپیش ہوا' شک راوی کو ہے کہ یہ غلام اپنے جانوروں کیلئے یا تو خود رو چھوٹے درخت کاٹ رہا تھا یا کسی بڑے جنگلی درخت کے پتے جھاڑ رہا تھا ۲؎ معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا مذہب یہ ہی ہے کہ حرم مدینہ کے درخت کاٹنے یا پتے جھاڑنے پر ضمان نہیں ہے' حضرت سعد ابن ابی وقاص نے جو اس غلام کے کپڑے اور سامان چھین لیا ہے وہ یا تو سیاسۃً ہے یا انہوں نے اس حدیث کا مطلب سمجھا نہیں جس میں سامان چھین لینے کا حکم ہے' ورنہ یہ حضرات حضرت سعد ابن ابی وقاص سے سامان واپس نہ مانگتے' بلکہ ان کی تائید کرتے کہ احکام شرعیہ پر عمل ضروری ہے' اس کے خلاف کا مشورہ دینا گناہ ہے' یہ واپسی کا مطالبہ قبل غور ہے۔ ۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم

کسی کو حرم مدینہ کے درخت یا پتے کاٹتے دیکھو تو بطور غنیمت سامان چھین لو اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس سامان کی قیمت دے دوں، مگر سامان نہ دوں گا' یہ حدیث تمام ائمہ کے ہاں واجب التاویل ہے کسی کا اس پر عمل نہیں' کیونکہ یہ کوئی نہیں کہتا کہ درخت کاٹنے والے کا سامان کپڑے وغیرہ چھین لو' حرم مکہ میں بھی شکار یا درخت کی قیمت خیرات کرنا ہوتی ہے کوئی شکاری کا سامان چھین نہیں سکتا' لہٰذا یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ سرکار عالی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اس کے کپڑے چھین لو تشدیداً ہے جیسے فرمایا گیا کہ جو نمازی کے آگے سے گزرنے لگے اس سے جنگ کرو یا نوحہ کرنے والی عورتوں کے منہ میں خاک ڈال دو یا جو کسی کی تعریف اس کے سامنے کرے تو اس کے منہ میں خاک جھونک دو' یہ احادیث اپنے ظاہری معنی پر نہیں' ایسے ہی یہاں سامان چھیننے کے ظاہری معنی مراد نہیں' بلکہ مراد ہے سختی سے منع کر دینا' حضرت سعد کا یہ اجتہادی حکم ہے کافر حربی کا مال غنیمت ہوتا ہے ذمی کافر کا مال بھی غنیمت نہیں ہوتا چہ جائیکہ مسلمان کا' خیال رہے کہ امام مالک وشافعی کے ہاں مدینے کے شکار اور درخت کاٹنا حرام تو ہیں' مگر ان کی جزاء واجب نہیں' بعض ائمہ کے ہاں جزاء یعنی قیمت خیرات کرنا واجب ہے' ہمارے ہاں نہ جزاء ہے نہ یہ کام حرام' مکروہ ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا' حضرت ابن مسعود' ابن عمر' عائشہ صدیقہ کا یہی مذہب ہے' خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت وہاں کی کھجوریں وغیرہ کاٹ دیں' مشرکین کی قبریں اکھیڑ دیں اور وہاں مسجد بنا دی' حضرت ابن مسعود' اور ابن زبالہ نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسلمہ سے فرمایا تھا کہ اگر تم عقیق میں شکار کھیلو تو ہم تمہاری امداد کریں' جیسا کہ ابن ابی شیبہ' طبرانی' منذری نے باسناد حسن روایت کی' نیز طبرانی میں حضرت انس سے مرفوعاً منقول ہے کہ حضور انور نے فرمایا جب تم احد پہاڑ پر جاؤ تو وہاں کے درخت یا کچھ گھاس کھالو اور کھانا بغیر اکھیڑے یا کاٹے ناممکن ہے (دیکھو مرقات وغیرہ)

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وُعِكَ اَبُوْبَكْرٍ وَّبِلَالٌ فَجِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ وَصِحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۶۱۴) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر و بلال کو بخار آ گیا[۱] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی میں نے حضور انور کو یہ خبر دی تو فرمایا الٰہی مدینہ ہمیں ایسا پیارا کر دے جیسے مکہ پیارا تھا یا اس سے بھی زیادہ اور اسے صحت بخش بنا دے اور اس کے صاع و مد میں ہمیں برکت دے اور یہاں کے بخار کو منتقل کر کے جحفہ میں بھیج دے[۲] (مسلم بخاری)

(۲۶۱۴)[۱] اور یہ دونوں حضرات بخار کی شدت میں مکہ معظمہ کو بہت یاد کرتے تھے چنانچہ حضرت بلال یہ شعر پڑھا کرتے تھے شعر:۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ — بواد و عندی اذخر و جلیل

وھل ارد ن یوما میاہ مجنۃ — وھل تبد ون بی شامۃ والطفیل

غرضیکہ مکہ کی آب و ہوا اور شیریں پانی حتیٰ کہ وہاں کے گھاس و پہاڑ بھی یاد ہوتے تھے[۲] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمام دعائیں قبول ہوئیں' چنانچہ آج بھی ہر مسلمان کو بمقابلہ مکہ مکرمہ کے مدینہ منورہ زیادہ پیارا ہے' اور مدینہ پاک کی آب و ہوا بہت ہی صحت بخش ہے حتیٰ کہ وہاں کی خاک خاک شفا کہلاتی ہے' وہاں کی روزی میں بڑی برکت ہے' جحفہ حرمین طیبین کے درمیان چھوٹی سی بستی ہے' جہاں اگر

زمانہ میں یہود آباد تھے اب بھی وہاں کی آب وہوا نرا بخار ہے کہ اگر پرندہ وہاں سے گزر جائے تو بیمار پڑ جاتا ہے (لمعات) یہ حدیث امام مالک کی دلیل ہے کہ مدینہ منورہ افضل ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِیْ رُؤْیَا النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَدِیْنَةِ رَاَیْتُ امْرَاَةً سَوْدَآءَ ثَآئِرَةَ الرَّاْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِیْنَةِ حَتّٰی نَزَلَتْ مَهْیَعَةَ فَتَاَوَّلْتُهَا اَنَّ وَبَآءَ الْمَدِیْنَةِ نُقِلَ اِلٰی مَهْیَعَةَ وَهِیَ الْجُحْفَةُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۶۱۵) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب کے متعلق جو مدینہ کے بارے میں دیکھی [۱] فرمایا میں نے ایک کالی بال بکھیرے عورت دیکھی کہ مدینہ سے نکلی حتی کہ مہیعہ اتر گئی [۲] ہم نے اس کی تعبیر یہ کی کہ مدینہ منورہ کی وباء مہیعہ کی طرف منتقل ہوگئی مہیعہ جحفہ کا نام ہے [۳] (بخاری)

(۲۶۱۵) [۱] یعنی حضرت ابن عمر نے حضور کی خواب کا ایک بڑا واقعہ بیان کیا جس میں الفاظ یہ بھی ہیں جو یہاں منقول ہیں [۲] مہیعہ کے معنی ہیں وسیع زمین یا فراخ بستی جب سیلابوں نے اس بستی کو برباد کردیا تو اس کا نام جحفہ ہوگیا یعنی کٹی ہوئی زمین (مرقات) غالبًا یہ خواب اس دعا شریف کے بعد دیکھی ہوگی جو پہلے گزری [۳] یہاں وباء سے مراد طاعون ہیضہ وغیرہ وبائی بیماریاں نہیں بلکہ خرابی آب وہوا کی بنا پر عام بیماریاں مراد ہیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جہاں وباء ہو وہاں جانا منع ہے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کیوں تشریف لائے؟ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اب جحفہ کا یہ حال ہے کہ وہاں ایک مقام غدیر خمہ ہے وہاں کوئی شخص بلوغ تک زندہ نہیں رہتا اس سے پہلے ہی بیماریوں کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے لہذا اب وہ جگہ ویران ہے اس سے معلوم ہوا کہ جیسے کفار کی بستیوں پر بمباری و تیراندازی کر سکتے ہیں ایسے ہی وہاں کے لیے بیماری کی بددعا بھی کر سکتے ہیں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور نے اپنے مدینہ کی وباء دوسروں پر کیوں منتقل فرمادی۔

وَعَنْ سُفْیَانَ بْنِ اَبِیْ زُهَیْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یُفْتَحُ الْیَمَنُ فَیَاْتِیْ قَوْمٌ یُبِسُّوْنَ فَیَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِیْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ وَیُفْتَحُ الشَّامُ فَیَاْتِیْ قَوْمٌ یُبِسُّوْنَ فَیَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِیْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ وَیُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَیَاْتِیْ قَوْمٌ یُبِسُّوْنَ فَیَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِیْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۶۱۶) روایت ہے حضرت سفیان ابن ابی زہیر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب یمن فتح ہوگا تو ایک قوم دوڑتی ہوئی خوشی خوشی آئے گی [۱] اور اپنے بال بچوں اور اپنے خدام کو وہاں لے جائے گی حالانکہ اگر وہ سمجھتے تو مدینہ ان کے لئے بہتر تھا [۲] اور شام فتح ہوگا تو ایک قوم خوشی خوشی دوڑتی آئے گی تو گھر والوں اور خدام کو وہاں لے جائے گی حالانکہ ان کے لیے مدینہ اچھا تھا اگر وہ جانتے اور عراق فتح ہوگا [۳] تو ایک قوم خوشی خوشی دوڑتی آئے گی اور اپنے بال بچوں اور خادمیوں کو لے جائے گی حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر تھا اگر جانتے [۴] (مسلم بخاری)

(۲۶۱۶) [۱] یبسون بَسٌّ سے بنا بمعنی نرم رفتار رب تعالٰی فرماتا ہے وبست الجبال بسا یعنی فتح یمن کے بعد بعض مدینہ والے وہاں جا کر وہاں کے عیش و آرام دیکھیں گے تو خراماں خراماں خوشی خوشی مدینہ آئیں گے اور اپنے بال بچوں کو یمن لے جائیں گے مدینہ

منورہ کی رہائش چھوڑ کر یمن کی بودوباش اختیار کرلیں گے بعض شارحین نے اس جملہ کے یہ معنی کیے کہ فتح یمن کے بعد بعض یمنی لوگ اپنے بال بچے مدینہ منورہ لے آئیں گے اور مدینہ کی بودباش اختیار کرلیں گے مگر یہ معنی بعید ہیں اگلا مضمون اس کے موافق نہیں الا بالتاویل البعید (ازمرقات)۲؎ ظاہر یہ ہے کہ لَوْ تمنا کا ہے یعنی کاش یہ چلے جانے والے لوگ یہ جان لیتے کہ دوسرے شہروں سے مدینہ منورہ ان کے لیے بہتر ہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب ہے، مسجد نبوی شریف میں نماز میسر ہے، یہ سرزمین جائے نزول وحی ہے، یہاں دین و دنیا کی بھلائیاں ہیں خیال رہے کہ عراق عہد صدیقی میں فتح ہوا اور شام خلافت فاروقی میں لہٰذا یہاں ذکر کی ترتیب واقعہ کی ترتیب کے موافق نہیں ہے۔۳؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یمن، شام، عراق غرضیکہ تمام ملکوں سے مدینہ منورہ بہتر اور افضل ہے اگرچہ شام میں ہزارہا انبیاء کرام کے مزارات ہیں، وہاں بیت المقدس ہے اور مدینہ منورہ میں صرف حضور انور آرام فرما ہیں مگر مدینہ ہی افضل ہے کہ سارے تارے شام میں ہیں اور سورج مدینہ میں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ تمام جگہ سے بہتر مدینہ ہے، اس میں مکہ معظمہ بھی داخل ہے، اسی بنا پر وہ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ افضل ہے (مرقات) خیال رہے کہ تمام اماموں کے یہاں مدینے میں رہنا افضل ہے مکہ میں رہنے سے بھی، کسی حدیث میں مکہ معظمہ کے رہنے پر اتنا زور نہیں دیا گیا جتنا مدینہ پاک میں رہنے پر دیا گیا ہے، مکہ معظمہ کا افضل ہونا اور ہے اور وہاں رہنے سہنے کا افضل ہونا کچھ اور ہم اس کے متعلق پہلے عرض کرچکے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے طائف شریف کا قیام اختیار فرمایا شعر:۔

میرا دل زار مدینہ میں ہے، میں ہوں یہاں یار مدینہ میں
خلد کا مختار مدینہ میں ہے، دید کا بازار مدینہ میں ہے

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِقَرْیَةٍ تَاْكُلُ الْقُرٰى یَقُوْلُوْنَ یَثْرِبُ وَهِیَ الْمَدِیْنَةُ تَنْفِی النَّاسَ كَمَا یَنْفِی الْكِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۶۱۷) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسی بستی کا حکم دیا گیا جو تمام بستیوں کو کھا جائے گی۱؎ لوگ اسے یثرب کہیں گے حالانکہ وہ مدینہ ہے۲؎ لوگوں کو ایسے صاف کردے گی جیسے بھٹی لوہے کے میل کو۳؎ (مسلم بخاری)

(۲۶۱۷)۱؎ غالبًا یہ ارشاد گرامی ہجرت سے پہلے ہوا کہ مجھے ہجرت کرکے وہاں جانے کا حکم دیا ہے، ہوسکتا ہے کہ بعد ہجرت کا یہ فرمان ہو یعنی مجھے رب تعالٰی نے اس مدینہ کی بستی میں رہنے کا حکم دیا ہے، کھا جانے کے معنی یہ ہیں کہ یہاں کے لوگ تمام ملکوں کو فتح کریں گے اور ان کے مال وخزانے مدینہ میں پہنچ جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شام فارس اور روم کے خزانے مدینہ پہنچے یا یہاں کے باشندے پہلے بھی دوسروں پر غالب آتے رہے ہیں چنانچہ پہلے مدینہ منورہ میں قوم عمالقہ رہی تو وہ بہت ملکوں پر غالب آگئی، پھر یہاں یہود آباد ہوئے، تو وہ عمالقہ پر غالب آئے، پھر مہاجرین مومن یہاں رہے وہ تمام روئے زمین پر غالب آگئے۲؎ مدینہ منورہ کے نام سو سے بھی زیادہ ہیں، طیبہ، طابہ، بطحا، مدینہ، ابطح وغیرہ، ہجرت سے پہلے لوگ اسے یثرب کہتے یا تو اس لئے کہ یہاں قوم عمالقہ کا جو پہلا آدمی آیا اس کا نام یثرب تھا یا یہ لفظ ثرب سے مشتق ہے بمعنی سرزنش، سزا، مصیبت، وبلا رب تعالٰی فرماتا ہے لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ (۱۲:۹۲) آج تم پر کچھ ملامت نہیں (کنزالایمان) اب اسے یثرب کہنا سخت منع ہے، قرآن کریم میں جو اسے یثرب کہا گیا ہے یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا (۱۳:۳۳) اے مدینہ والو! یہاں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں (کنزالایمان) وہ قول منافقین ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ جو مدینہ منورہ کو یثرب کہے وہ توبہ کرے، بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا کہ جو ایک بار اسے یثرب کہے وہ بطور کفارہ دس بار اسے مدینہ کہے مدینہ کے معنی ہیں،

اجتماع کی جگہ،مدن سے مشتق ہے بمعنی اجتماع اسی سے ہے تمدن و مدنیت،شہر کو مدینہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہاں ہر قسم کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے،کسی شاعر نے مدینہ کے عجیب معنی یہ بیان کئے:

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں   مدنے شق کرلیا ہے دین کو آغوش میں

۳؎ یہ زمین مدینہ کی تاثیر ہے کہ اس نے وہاں سے مشرکین و کفار کو یا تو مومن بنا دیا اور یا وہاں سے نکال دیا،چنانچہ اوس وخزرج تو مومن ہوگئے نبی قریظہ ہلاک اور نبی نضیر وہاں سے جلاوطن کردیئے گئے،صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خبیث وہاں مرکر دفن بھی ہو جائے،تو فرشتے وہاں سے اس کی نعش کسی دوسری جگہ منتقل کردیتے ہیں،اور اگر کوئی وہاں کا عاشق دوسری جگہ دفن ہو جائے تو اس کی نعش مدینہ منورہ پہنچا دیتے ہیں،غرضیکہ زمین مدینہ بھی بھٹی ہے۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ سَمّٰى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۱۸) روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۱؎ (مسلم)

(۲۶۱۸) ۱؎ یعنی لوح محفوظ میں مدینہ منورہ کا نام طابہ،طیبہ ہے،یا رب تعالٰی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اس کا نام طابہ رکھیں اس کے معنی ہیں پاک وصاف اور خوشبودار جگہ،اسے ربّ تعالٰی نے کفر وشرک سے پاک کیا،یہاں کے باشندوں کو بد خلقی وغیرہ سے صاف فرمایا جیسا کہ آج بھی مشاہدہ ہے کہ مدینہ منورہ کے باشندے اخلاق و عادات اور نرمی طبیعت میں بہت اعلیٰ ہیں،نیز زمین مدینہ بلکہ درو دیوار میں ایک خاص مہک ہے وہاں کے خس خاشاک اگرچہ گلی کوچوں میں جمع رہیں مگر بدبو نہیں دیتے،وہاں کی مٹی میں قدرتی خوشبو ہے مگر محسوس اسے ہو جس کے دماغ میں کفر ونفاق کا نزلہ زکام نہ ہو۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ اَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَصَابَ الْاَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَقِلْنِىْ بَيْعَتِىْ فَاَبٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَآءَهٗ فَقَالَ اَقِلْنِىْ بَيْعَتِىْ فَاَبٰى ثُمَّ جَآءَهٗ فَقَالَ اَقِلْنِىْ بَيْعَتِىْ فَاَبٰى فَخَرَجَ الْاَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ تَنْفِىْ خَبَثَهَا وَتَنْصَعُ طَيِّبَهَا . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۶۱۹) روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۱؎ پھر اسے مدینہ منورہ میں بخار آ گیا۲؎ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا یا محمد میری بیعت فسخ فرما دیجئے۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا۳؎ وہ پھر حاضر ہوا بولا میری بیعت فسخ کردیجئے۴؎ حضور نے انکار کیا وہ پھر آیا بولا میری بیعت فسخ فرما دیجئے حضور نے انکار کیا وہ بدوی آخر چلا گیا۵؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو لوہے کے میل کو دور کردیتی ہے اور اچھے کو خالص کرلیتی ہے۶؎ (مسلم بخاری)

(۲۶۱۹) ۱؎ یعنی ایک دیہاتی آدمی ایمان لایا،پھر اس نے ہجرت پر حضور انور سے بیعت کی کہ میں اپنے وطن میں جو دارالکفر ہے قیام نہ رکھوں گا بلکہ مدینہ منورہ آپ کے قدموں میں آن بسوں گا۲؎ وہ بے وقوف سمجھا کہ مدینہ کی آب و ہوا مجھے موافق نہیں اور یہ بیعت مجھے راس نہ آئی جس سے میں بیمار ہوگیا،اس لئے اس نے اگلا کلام عرض کیا۳؎ اور مجھے اجازت دیجئے کہ اسلام سے پھر جاؤں یا اپنی ہجرت توڑ

کر اپنے وطن چلا جاؤں ۴؎ کیونکہ پہلی صورت میں تو فسخ بیعت سے اسے ارتداد کی اجازت دینا لازم ہوگا' اور دوسری صورت میں مہاجر کو ہجرت ختم کر دینے کی اجازت ہوگی' پہلی جز کفر ہے دوسری جز حرام' فتح مکہ کے بعد بھی حضور انور نے کسی مہاجر کو مکہ معظمہ بسنے کی اجازت تو کیا وہاں تین دن سے زیادہ بلا ضرورت رہنے کی اجازت نہ دی ۴؎ وہ سمجھا یہ تھا' کہ جیسے بیع' نکاح' بعض صورتوں میں فسخ ہو جاتے ہیں' ایسے ہی بیعت اسلام یا بیعت ہجرت بھی فسخ ہوسکتی ہے' اس لیے بار بار یہ کہتا رہا' ظاہر یہ ہے کہ وہ مرتد ہونا نہ چاہتا تھا بلکہ ہجرت چھوڑنا چاہتا تھا ورنہ واجب القتل ہوتا کہ کفر وارتداد کا ارادہ کر لینا بھی کفر ہے ۵؎ یعنی بغیر اجازت ہی مدینہ منورہ سے نکل گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحال اس کا ارادہ ترک اسلام نہ تھا ترک ہجرت تھا اس کی وہ اجازت مانگتا تھا ۶؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زمین مدینہ میں کھوٹوں کو نکالنے' کھروں کو چھانٹ لینے کی تاثیر اول ہی سے ہے اور آخر تک رہے گی' صرف قریب قیامت میں نہ ہوگی' جو منافقین یا یہود وہاں ہی مر کر وہاں ہی دفن ہو گئے ان کی نعشیں وہاں سے نکال دی گئیں' غرضیکہ زمین مدینہ کسی خبیث کو اس کی زندگی میں ہی نکال دیتی ہے کسی کو بعد موت' لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں' ہاں قریب قیامت اس چھانٹ کا خصوصی اثر نمودار ہوگا جسے ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا' لہٰذا یہ حدیث اگلی آنے والی حدیث کے خلاف نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَنْفِیَ الْمَدِیْنَةُ شِرَارَهَا كَمَا یَنْفِی الْكِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۲۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ مدینہ منورہ برے لوگوں کو یوں نکال دے گا جیسے بھٹی لوہے کا میل نکال دیتی ہے ۱؎ (مسلم)

(۲۶۲۰) ۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ظہور دجال کے زمانہ کا واقعہ ہے' دجال تو مدینہ منورہ میں نہ داخل ہو سکے گا مگر مدینہ پاک میں زلزلہ سا ہوگا جس سے منافقین یہاں سے بھاگ جائیں گے اور دجال کے جال میں پھنس جائیں گے۔ مخلصین نہ نکلیں گے' یہ ہوگی مدینہ پاک کی چھانٹ' ہوسکتا ہے کہ اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہی مراد ہو' کیونکہ حضور کی تشریف آوری بھی علامت قیامت ہے' یعنی چونکہ اب قیامت قریب آ گئی اس لئے مدینہ منورہ' کی یہ تاثیر ظاہر ہونے لگی (مرقات) مگر پہلے معنی زیادہ واضح ہیں' شرار سے مراد منافقین اور مدینہ کے غیر مناسب لوگ ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَنْقَابِ الْمَدِیْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا یَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۶۲۱) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مدینہ منورہ کے راستوں پر فرشتے ہیں یہاں نہ طاعون آ سکتی ہے اور نہ دجال ۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۶۲۱) ۱؎ انقاب نقب کی جمع' پہاڑ کے درہ یا دو پہاڑوں کے درمیان کے راستہ کو نقب کہتے ہیں' یہاں مطلقاً راستہ مراد ہے' مدینہ منورہ پر فرشتوں کا یہ پہرہ دائمی ہے کہ اس کے تمام راستوں پر ایسے فرشتے پہرہ دے رہے ہیں جن کی وجہ وہ جنات مدینہ پاک میں نہیں آ سکتے جن کے اثر سے طاعون پھیلتی ہے' آج تک وہاں طاعون نہ پھیلی اور نہ انشاء اللہ پھیلے گی' دجال بھی وہاں نہ پہنچ سکے گا' پیداوار والے ممالک میں قحط پڑتے رہتے ہیں' لوگ بھوک سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں' مگر آج تک حرمین شریفین میں قحط نہیں سنا گیا نہ لوگ وہاں بھوک سے ہلاک ہوئے' اگرچہ وہاں پیداوار کوئی نہیں یہ کھلا معجزہ ہے' خیال رہے کہ شہر مدینہ کی حفاظت پر اور قسم کے فرشتے مامور ہیں اور روضہ اطہر پر

سلام عرض کرنے کیلئے ستر ہزار دوسرے فرشتے مامور ہیں جن کی دن رات تبدیلیاں ہوتی ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ اِلَّا سَيَطَاهُ الدَّجَّالُ اِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةَ لَيْسَ نَقْبٌ مِّنْ اَنْقَابِهَا اِلَّا عَلَيْهِ الْمَلآئِكَةُ صَآفِّيْنَ يَحْرُسُوْنَهَا فَيَنْزِلُ السَّبخَةَ فَتَرْجُفُ الْمَدِيْنَةُ بِاَهْلِهَا ثَلٰثَ رَجَفَاتٍ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَّمُنَافِقٍ ۔(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۶۲۲) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی شہر نہیں جسے دجال روند نہ ڈالے سوائے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے ا اس کے راستوں میں سے ایسا کوئی راستہ نہیں جس میں صف بستہ فرشتے نہ ہوں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں ۲ چنانچہ وہ زمین شور میں اترے گا پھر مدینہ اپنے باشندوں پر تین بار کانپے گا ۳ تو دجال کی طرف ہر کافر و منافق نکل جائے گا ۴ (مسلم بخاری)

(۲۶۲۲) ا یعنی دجال تمام دنیا کے سارے شہروں، گاؤں میں پہنچ کر فساد پھیلا دے گا، مگر حرمین طیبین میں داخل نہ ہو سکے گا اور یہاں پہنچ کر فساد نہ پھیلا سکے گا، صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جسم پاک مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مدینہ منورہ دجال سے محفوظ ہے، تو جس دل پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم ہو جائے، وہ بھی یقیناً شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ۲ دجال مدینہ منورہ میں داخل ہونا چاہے گا، مگر ان فرشتوں کو دیکھ کر آگے نہ بڑھ سکے گا، جیسے شیطان فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے ایسے ہی وہ بھی دیکھ لے گا ۳ سبخة شورستان یعنی کھاری زمین کو کہتے ہیں، اور مدینہ منورہ سے قریب ایک جگہ کا نام بھی ہے باھلھا میں ب یا سببیہ ہے یا صلہ کی پہلی صورت میں اہل سے مراد وہاں کے منافق و کافر باشندے ہیں، دوسری صورت میں سارے اہل مدینہ مراد ہیں، یعنی زمین مدینہ وہاں کے بے دین باشندوں کی وجہ سے یا تمام باشندوں پر تین بار کانپے گی یعنی زلزلہ آئے گا، تاکہ بے دین نکل کر دجال کے پاس پہنچ جائیں اور مخلصین یہیں رہ جائیں، مخلصین کسی مصیبت میں بھی مدینہ پاک نہیں چھوڑتے، یہ زلزلے کھروں کھوٹوں میں چھانٹ کے لیے ہوں گے ان سے وہاں کے مکانات نہ گریں گے صرف انسانوں کو جھٹکے محسوس ہوں گے اسی لیے باھلھا فرمایا ۴ معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مدینہ طیبہ میں کفار ہوں گے چھپے یا کھلے یا وہ لوگ جو اسلام کا دعویٰ کریں گے مگر ہوں گے کافر، مشرک نہ ہوں گے لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ جزیرہ عرب میں شیطان کی عبادت نہیں ہو سکتی۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكِيْدُ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَآءِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۶۲۳) روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شخص مدینہ والوں سے فریب نہ کرے گا مگر وہ ایسے گھل جائے گا جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے ا (مسلم بخاری)

(۲۶۲۳) ا یہ بالکل صحیح اور مجرب ہے کہ جس نے اہل مدینہ کو ستایا چین نہ پایا، یزید پلید واقعہ حرہ کے بعد دق اور سل میں مبتلا ہو کر مر گیا، حجاج ابن یوسف برے حال سے ہلاک ہوا۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَنَظَرَ اِلٰى جُدُرَاتِ الْمَدِيْنَةِ اَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ وَاِنْ كَانَ عَلٰى دَآبَّةٍ حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۶۲۴) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے آتے اور مدینہ پاک کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی سواری کو تیز فرما دیتے اگر گھوڑے پر ہوتے تو اسے ایڑھ لگاتے اس کی محبت کی وجہ سے ا (بخاری)

(۲۶۲۴) ا یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ پاک اتنا پیارا تھا کہ ہر سفر سے واپسی میں یوں تو معمولی رفتار پر جانور چلاتے تھے

مگر مدینہ پاک کو دیکھتے ہی وہاں جلد پہنچ جانے کے لیے سواری تیز فرما دیتے تھے' اسی محبت کا اثر ہے کہ مسلمان مدینہ پر دل جان سے فدا ہیں' کیونکہ یہ محبوب کا محبوب ہے' اس مقدس شہر کی سینکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور نظم ونثر میں ہزار ہا اس کی منقبتیں۔

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ لَهٗ اُحُدٌ فَقَالَ هٰذَا جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ حَرَّمَ مَکَّةَ وَاِنِّیْ اُحَرِّمُ مَابَیْنَ لَابَتَیْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۶۲۵) روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے احد چمکا۱ تو فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۲ یقیناً ابراہیم نے مکہ معظمہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کے گوشوں کے درمیان کو حرم بناتا ہوں۳ (بخاری مسلم)

(۲۶۲۵)۱ ایا تو سرکار عالی سفر سے لوٹ رہے تھے کہ احد نمودار ہوا یا مدینہ منورہ ہی میں ایک بار احد پر نظر پڑی اور یہ فرمایا' احد شریف مدینہ پاک سے بجانب مشرق تقریباً تین میل دور ایک پہاڑ ہے' مدینہ منورہ خصوصاً جنت البقیع سے صاف نظر آتا ہے' وہاں شہداء احد خصوصاً سید الشہداء امیر حمزہ کے مزارات ہیں' زائرین جوق درجوق اس پہاڑ کی زیارت کرتے ہیں' میں نے حجاج کو اس پہاڑ سے لپٹ کر روتے اور وہاں کے پتھروں کو چومتے دیکھا ہے' ہر مومن کے دل میں قدرتی طور پر اس کی محبت ہے۔۲ بعض ظاہر بین شارحین نے کہا ہے کہ اس سے احد کے باشندوں کی محبت مراد ہے' مگر حق یہ ہے کہ خود پہاڑ ہی حضور سے محبت کرتا ہے' لکڑیوں پتھروں میں احساس بھی ہے اور محبت وعداوت کا مادہ بھی' حضور کے فراق میں اونٹ بھی روئے' اور لکڑیوں نے بھی گریہ وزاری وفریاد کی ہے (لمعات' مرقات' محی السنہ) لہٰذا حق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ سے اس علاقہ سے' وہاں کے پتھروں سے محبت فرماتے ہیں' اور یہ تمام چیزیں بعینہٖ حضور سے محبت کرتی ہیں' احادیث سے ثابت ہے کہ حضور انور احد پر چڑھے تو احد کو وجد آ گیا اور وہ جھومنے لگا۔۳ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے حدود مکہ معظمہ کو اپنی دعا سے حرم بنایا' اس کی حرمت کو ظاہر فرمایا' ورنہ وہ حرم تو خدا تعالیٰ کے حکم سے ہے اور پہلے سے ہی ہے' اور میں حدود مدینہ کو اپنے اختیار خداداد سے حرم بناتا ہوں اس سے پہلے مدینہ حرم نہ تھا نہ اس کی حرمت قرآن پاک میں مذکور ہے' مدینہ کو حرم بنانے کے معنی وہ ہی ہیں جو پہلے عرض کئے گئے کہ اس مقدس مقام کی تعظیم وتوقیر واجب ہے' اسے اجاڑنے ویران کرنے کی کوشش کرنا حرام ہے' یہاں شکار وغیرہ مکروہ ہے۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۶۲۶) روایت ہے حضرت سہل بن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔۱ (بخاری)

(۲۶۲۶)۱ اس حدیث سے چند ایمان افروز مسائل ثابت ہوئے ایک یہ کہ تمام حسین صرف انسانوں کے محبوب ہوئے' حضور انور انسان' جن' لکڑی' پتھر' جانوروں کے بھی محبوب ہیں یعنی خدائی کے محبوب ہیں کیونکہ خدا کے محبوب ہیں' دوسرے یہ کہ دوسرے محبوبوں کو ہزاروں نے دیکھا مگر عاشق ایک دو ہوں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ آج ان کو دیکھنے والا کوئی نہیں اور عاشق کروڑوں ہیں شعر:۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں ۔۔۔ سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

تیسرے یہ کہ حضور انور کو پتھر کے دل کا حال معلوم ہے کہ کس پتھر کے دل میں ہم سے کتنی محبت ہے' تو ہمارے دلوں کا ایمان' عرفان' محبت وعداوت وغیرہ بھی یقیناً معلوم ہے' یہ ہے علم غیب رسول' چوتھے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا عشق ومحبت جتانے' ظاہر کرنے کی

ضرورت نہیں، انہیں ہمارے حالات خود ہی معلوم ہیں، احد نے منہ سے نہ کہا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں یا آپ کا چاہنے والا ہوں، پانچویں یہ کہ جس انسان کے دل میں حضور کی محبت نہ ہو وہ پتھر سے بھی سخت ہے، اللہ تعالیٰ حضور کی محبت نصیب کرے، چھٹے یہ کہ حضور کی محبت ان کی محبوبیت کا ذریعہ ہے جو چاہتا ہے کہ حضور اس سے محبت کریں، تو اسے چاہیے کہ حضور انور سے محبت کرے، دیکھو یہاں فرمایا کہ ہم بھی احد سے محبت کرتے ہیں، ساتویں یہ کہ جو حضور انور کے محبوب ہو گئے، ان کے آستانے مرجع خلائق ہو گئے، دیکھو حضرت خواجہ اجمیری، حضور غوث پاک، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہم کے آستانوں کی رونقیں یہ اسی محبوبیت کی جلوہ گری ہے، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں شعر:۔

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی　　ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ رَاَیْتُ سَعْدَبْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَخَذَ رَجُلًا یَصِیْدُ فِیْ حَرَمِ الْمَدِیْنَةِ الَّذِیْ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَبَهٗ ثِیَابَهٗ فَجَآءَ مَوَالِیْهِ فَكَلَّمُوْهُ فِیْهِ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ هٰذَا الْحَرَمَ وَقَالَ مَنْ اَخَذَ اَحَدًا یَصِیْدُ فِیْهِ فَلْیَسْلُبْهُ فَلَا رَدُّ عَلَیْكُمْ طُعْمَةً اَطْعَمَنِیْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ اِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُ اِلَیْكُمْ ثَمَنَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۶۲۷) روایت ہے حضرت سلیمان ابن ابی عبداللہ سے فرماتے ہیں میں نے سعد ابن ابی وقاص کو دیکھا کہ آپ نے اس شخص کو پکڑ لیا جو حرم مدینہ میں شکار کر رہا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم بنایا ہے[۱] تو آپ نے اس کے کپڑے اتار لیے پھر اس کے مالک آپ کے پاس آئے اور اس بارے میں آپ سے کلام کیا آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرم کو حرم قرار دیا اور فرمایا کہ جو یہاں کسی کو شکار کرتے ہوئے پکڑے تو اس کے کپڑے چھین لے لہٰذا وہ مال میں تم کو واپس نہ دوں گا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا لیکن اگر تم چاہو تو تمہیں اس کی قیمت دے دوں[۲] (ابوداؤد)

(۲۶۲۷) [۱] یعنی مدینہ منورہ کے حدود جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مدینہ قرار دیا، جس کی حرمت واحترام واجب ہے، اس کی حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت علی نے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور حضرت حسین کربلا چلے گئے تا کہ ہماری وجہ سے حرم مدینہ میں خون خرابہ نہ ہو، حضرت عثمان نے مصر والوں کا نہ خود مقابلہ کیا نہ اپنے کسی غلام کو مقابلہ کی اجازت دی بلکہ صبر سے جام شہادت پی لیا، یہ اس حرمت کا لحاظ تھا[۲] اس کی نہایت نفیس تحقیق ابھی کچھ پہلے اس جیسی حدیث کی شرح میں گزر گئی، کہ یہ حدیث ہی بتا رہی ہے، کہ حرم مدینہ کے شکار کا حکم مکہ معظمہ کے شکار کی طرح نہیں، کہ مکہ کے شکار کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوتی ہے، نہ کہ شکاری کے کپڑے چھین لینا اور چھین کر خود آپ مالک بن جانا، حضرت سعد نے یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول کی، یہ ان کا اجتہاد ہے، ورنہ کسی صحابی، کسی امام کا مذہب یہ نہیں کہ جو کسی کو حدود مدینہ میں شکار کرتے دیکھے، وہ اس کے کپڑے چھین کر خود اپنے استعمال میں لائے، ہم اس چھیننے کے معنی پہلے عرض کر چکے ہیں، خیال رہے کہ اسلام میں کسی جرم پر مالی جرمانہ کرنا حرام ہے کہ مجرم سے کچھ پیسے لے کر اپنے خرچ میں لاؤ، پھر آپ کا یہ فرمانا کہ میں اس کی قیمت واپس دے سکتا ہوں، یہ اور بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ حرم مدینہ کے شکار کے احکام مکہ معظمہ کے شکار کے سے نہیں، کہ وہاں کا شکاری فقراء کو صدقہ دے کر صدقہ کی قیمت ان سے نہیں لے سکتا۔

وَعَنْ صَالِحٍ مَوْلًى لِسَعْدٍ اَنَّ سَعْداً وَجَدَ عَبِيْدًا مِنْ عَبِيْدِ الْمَدِيْنَةِ يَقْطَعُوْنَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ فَاَخَذَ مَتَاعَهُمْ وَقَالَ يَعْنِيْ لِمَوَالِيْهِمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى اَنْ يُّقْطَعَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ شَيْءٌ وَقَالَ مَنْ قَطَعَ مِنْهُ شَيْئاً فَلِمَنْ اَخَذَهٗ سَلَبُهٗ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۶۲۸) روایت ہے حضرت صالح سے جو سعد کے غلام ہیں[۱] کہ حضرت سعد نے مدینہ کے غلاموں کو مدینہ منورہ کے درخت کاٹتے دیکھا تو آپ نے ان سب کا سامان چھین لیا[۲] اور ان کے مولاؤں سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا[۳] کہ آپ مدینہ منورہ کے کسی درخت کے کاٹنے سے منع فرماتے تھے اور حضور نے فرمایا جو ان میں سے کچھ بھی کاٹے تو پکڑنے والے کے لیے ہے اس کا سامان[۴] (ابوداؤد)

(۲۶۲۸)[۱] یہاں مولف یا کاتب سے غلطی ہوئی ہے اصل عبارت یوں ہے **عن صالح عن مولی سعد** عن رہ گیا یعنی صالح نے حضرت سعد کے غلام سے روایت کی صالح خود حضرت سعد کے غلام نہیں بلکہ تو امہ کے غلام ہیں، صالح خود تو ثقہ ہیں، مگر سعد کے اس غلام کا پتہ نہیں، جو ان کا شیخ ہے کہ وہ کیسا ہے لہٰذا یہ حدیث مجہول ہے (مرقات) اسماء الرجال کی کتب سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت سعد کا کوئی غلام صالح نامی تھا' لہٰذا یہ حدیث اصل سے ہی مجروح ہے[۲] یعنی درخت کاٹنے والے کے صرف کپڑے نہ چھینے بلکہ کلہاڑی، رسی اور اگر بکریاں وغیرہ ساتھ تھیں تو وہ بھی' لطف یہ ہے کہ غلام کا مال دراصل مالک کا ہوتا ہے تو لازم یہ آیا کہ جرم تو کیا ہوگا غلام نے اور جرمانہ ہوا اس کے مالک پر' اسی کا سارا مال ضبط ہوا' [۳] اس غلام کے مولاؤں نے آپ سے اپنے مال کا مطالبہ کیا ہوگا کہ یہ واپس فرمادیں' تب یہ فرمایا [۴] یعنی جیسے جہاد میں جو غازی کسی کافر کو قتل کرے تو مقتول کا سامان اس غازی کا ہوگا' ایسے ہی حرم مدینہ کا جو شخص درخت کاٹے' تو اس کا سامان پکڑنے والے کا ہوگا' اس کا مطلب پہلے عرض کیا جاچکا ہے' اگر حدیث ظاہری معنی پر بھی ہو تب بھی یہ سامان خود اس شکاری غلام کا نہ تھا بلکہ ان کے آقاؤں کا تھا وہ مجرم نہ تھے۔

وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ صَيْدَ وَجٍّ وَعِضَاهَهٗ حُرُمٌ مُحَرَّمٌ لِلّٰهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ وَجٌّ ذَكَرُوْا اَنَّهَا مِنْ نَاحِيَةِ الطَّائِفِ وَقَالَ الْخَطَابِيُّ اَنَّهٗ بَدَلَ اَنَّهَا ۔

(۲۶۲۹) روایت ہے حضرت زبیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقام وج کا شکار اور وہاں کے درخت حرام ہیں[۱] جنہیں اللہ نے حرام کیا (ابوداؤد) اور محی السنہ نے فرمایا کہ وج کے متعلق لوگ کہتے ہیں وہ طائف کے اطراف سے ہے اور خطابی نے بجائے انها کے انهٗ فرمایا[۲]

(۲۶۲۹)[۱] وج واؤ کے فتح' جیم کے شد سے' وادی حنین سے آگے طائف سے قریب ایک وادی کا نام ہے جہاں کوئی آبادی نہیں ہے عضاہ خاردار درختوں کو کہتے ہیں' اس مقام کی حرمت کسی خاص وقت میں ہوگی جو بعد میں منسوخ ہوگئی' یہ جگہ حرم مدینہ سے بہت دور ہے' نہ مکہ معظمہ کے حرم میں داخل ہے نہ مدینہ منورہ کے حرم میں' طائف مکہ معظمہ سے ستر میل فاصلہ پر ہے' اور وادی وج وہاں سے قریب ہے' تو اسے مدینہ پاک سے تو کوئی قرب ہے ہی نہیں [۲] یعنی خطابی کی روایت میں بجائے مونث ضمیر کے مذکر ضمیر ہے' مگر اس میں فرق نہیں پڑتا' ایک جگہ کو موضع کے معنی میں مذکر کہہ سکتے ہیں اور بقعہ کے معنی سے مونث مقامات کے ناموں میں یہ وسعت ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۲۶۳۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَاِنِّىْ اَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ اِسْنَاداً ۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مدینہ میں مر سکے وہ وہاں ہی مرے کیونکہ میں مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا (احمد' ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا۔ یہ حدیث اسناد سے حسن بھی ہے' صحیح بھی ہے اور غریب بھی۲

(۲۶۳۰) ۱ظاہر یہ ہے کہ بشارت اور ہدایت سارے مسلمانوں کو ہے نہ کہ صرف مہاجرین کو یعنی جس مسلمان کی نیت مدینہ پاک میں مرنے کی ہو وہ کوشش بھی وہاں ہی مرنے کی کرے کہ خدا نصیب کرے تو وہاں ہی قیام کرے خصوصاً بڑھاپے میں اور بلاضرورت مدینہ پاک سے باہر نہ جائے کہ موت و دفن وہاں کا ہی نصیب ہو' حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا کرتے تھے کہ مولیٰ مجھے اپنے محبوب کے شہر میں شہادت کی موت دے۔ آپ کی دعا ایسی قبول ہوئی کہ سبحان اللہ' فجر کی نماز مسجد نبوی' محراب النبی' مصلّٰی نبی اور وہاں شہادت' میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ تیس چالیس سال سے مدینہ منورہ میں ہیں' حدود مدینہ بلکہ شہر مدینہ سے بھی باہر نہیں جاتے' اسی خطرہ سے کہ موت باہر نہ آ جائے' حضرت امام مالک کا بھی یہ ہی دستور رہا۔ یہاں شفاعت سے مراد خصوصی شفاعت ہے' گنہگاروں کے سارے گناہ بخشوانے کی شفاعت اور نیک کاروں کے بہت درجے بلند کرنے کی شفاعت' ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری ہی امت کی شفاعت فرمائیں گے' خیال رہے کہ مدینہ پاک میں رہنا بھی افضل' وہاں مرنا بھی اعلیٰ اور وہاں دفن ہونا بھی بہتر' بعض صحابہ بعد موت مدینہ میں لا کر دفن کیے گئے۔ اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مدینہ پاک میں مرنے دفن ہونے کی کوشش کرے وہ انشاء اللہ ایمان پر مرے گا' کیونکہ اس کے لیے شفاعت خاص کا وعدہ ہے' اور شفاعت صرف مومن کی ہو سکتی ہے (از مرقات) ۲یعنی یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے بعض اسنادوں میں صحیح ہے بعض میں حسن بعض میں غریب' علماء فرماتے ہیں کہ بمقابلہ حجوں کے بقیع میں دفن ہونا افضل ہے کہ یہ قبرستان روضہ اطہر سے قریب ہے' اس میں بہت صحابہ کے مزارات ہیں' جتنا ان سے قرب ہو اتنا ہی اچھا (مرقات)

یہ فقیر گنہگار شرمسار احمد یار بارگاہ الٰہی میں دعا کرتا ہے کہ صدقہ اپنے محبوب اکبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھے ربّ تعالیٰ مدینہ پاک کا قیام' وہاں کی مسجد نبوی شریف کا اعتکاف' وہاں کی موت' وہاں کا دفن نصیب کرے' اگر وہاں دفن میسر ہو جائے تو میری مٹی عزیز ہو جائے' آمین یارب العلمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد واٰلہٖ واصحٰبہٖ وسلم شعر:۔

در کو تکتے تکتے ہو جاؤں ہلاک   وہاں کی خاک پاک سے مل جائے خاک

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰخِرُ قَرْيَةٍ مِّنْ قُرَى الْاِسْلَامِ خَرَاباً الْمَدِيْنَةُ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ ۔

(۲۶۳۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسلام کی بستیوں میں سے آخری بستی جو ویران ہو گی وہ مدینہ پاک ہے۱ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

(۲۶۳۱) ۱اس حدیث میں دو باتیں فرمائی گئیں' ایک یہ کہ قریب قیامت بڑی بڑی بستیاں ویران ہو جائیں گی' مگر مدینہ منورہ آباد رہے گا۔ یہ بالکل قیامت سے متصل ویران ہو گا۔ دوسرے یہ کہ عالم کی آبادی مدینہ پاک کی آبادی سے وابستہ ہے جب یہ اجڑ گیا' دنیا اجڑ جائے گی قیامت آ جائے گی (اشعہ' مرقاۃ) خیال رہے کہ یہاں قریہ بمعنی بستی ہے جو شہر و گاؤں سب کو شامل ہے بمعنی گاؤں نہیں' عربی میں گاؤں کو قریہ' قصبہ کو بلد' اس سے بڑی بستی کو مدینہ' اس سے بڑی کو مصر کہتے ہیں' بعض نے بلد اور مدینہ کو یکساں کہا ہے' مگر کبھی قریہ بمعنی مطلقًا

بستی بھی آ جاتا ہے چھوٹی ہو یا بڑی (اشعہ)

وَعَنْ جَرِيْرَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَيَّ هٰٓؤُلَآءِ الثَّلٰثَةِ نَزَلْتَ فَهِيَ دَارُ هِجْرَتِكَ الْمَدِيْنَةِ اَوِ الْبَحْرَيْنِ اَوْ قِنِّسْرِيْنَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۶۳۲) روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے وحی فرمائی ان تینوں بستیوں میں سے جہاں۱ بھی آپ قیام فرمائیں وہ ہی آپ کا مقام ہجرت ہے مدینہ منورہ بحرین یا قنسرین۲ (ترمذی)

(۲۶۳۲) ۱ لفظ ای ھولاء فعل پوشیدہ سے منسوب ہے جس کی تفسیر آگے نزلت کر رہا ہے اوحی سے مراد وحی خفی ہے جو قرآن شریف میں موجود نہیں۔ ۲ حق یہ ہے کہ پہلے رب تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ ان تین شہروں میں سے جہاں چاہیں ہجرت فرماویں، پھر مدینہ پاک کو معین فرما دیا، لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ مجھے خواب میں مدینہ دکھایا گیا اور فرمایا گیا کہ آپ کا دارالہجرت یہ ہے، مدینہ پاک حجاز کا شہر ہے، بحرین ایک شہر کا نام بھی ہے اور علاقہ کا بھی جو عمان کے قریب ہے، قنسرین شام کا ایک مشہور شہر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ رُعْبُ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۶۳۳) روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے۱ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی۔ فرماتے ہیں مدینہ میں مسیح دجال کا رعب نہ آ سکے اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازہ پر دو فرشتے۲ (بخاری)

(۲۶۳۳) ۱ آپ کا نام نفیع ابن حارث ابن کلاہ ثقفی ہے طائف کے رہنے والے تھے، جب حضور انور نے طائف کا محاصرہ کیا تو آپ نے اپنے کو طائف کے قلعہ سے ایک بیرونی کنویں کی چرخی پر ڈال دیا، اور اس طرح وہاں سے نکل کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے، اسلام لے آئے، آپ کا نام ابوبکرہ یعنی چرخی والے، بکرہ چرخی کو کہتے ہیں، بعد میں بصرہ میں مقیم رہے ۹۴ھ میں وہاں ہی وفات پائی اور وہاں ہی دفن ہوئے (اشعہ واکمال) ۲ یعنی ان فرشتوں کی وجہ سے جو حفاظت مدینہ پر مامور ہوں گے، نہ تو مدینہ پاک میں دجال ہی آ سکے گا اور نہ اس کا اثر وہیبت یہاں پہنچ سکے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی ہیبت ہر جگہ پہنچ جاوے گی کہ بعض لوگ اس کی ہیبت سے اسے مان لیں گے مدینہ طیبہ اس سے بھی محفوظ رہے گا، مقبول بندوں کے اثر سے دل میں قوت ہوتی ہے، بلکہ ان کی برکت سے شہروں میں امن وامان رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مدینہ منورہ کی حفاظت کیلئے فرشتے مامور ہوئے، اور فرشتوں کی برکت سے مدینہ کی زمین دجال تو کیا اس کے اثر سے بھی محفوظ رہی۔

وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَاجَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۶۳۴) روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا الٰہی جو برکتیں تو نے مکہ مکرمہ میں دی ہیں اس سے دوگنی برکتیں مدینہ منورہ میں دے۱ (مسلم بخاری)

(۲۶۳۴)؎ بعض علماء نے برکت سے ظاہری و باطنی برکت مراد لی ہے یعنی مدینہ کی عبادات اور یہاں کے رزقوں میں برکت مکہ معظمہ سے دوگنی دے کہ یہاں کی عبادات کا ثواب مکہ معظمہ کی عبادات سے دوگنا ہو اور یہاں کے غلے ومیوے میں برکتیں مکہ معظمہ سے دوگنی ہوں۔اس بنا پر انہوں نے مدینہ منورہ کو مکہ معظمہ سے افضل مانا' اور یہاں کی عبادات کا ثواب مکہ معظمہ کی عبادات سے زیادہ قرار دیا۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں رزق کی برکتیں مراد ہیں یعنی حسی برکتیں' وہ فرماتے ہیں کہ ثواب کی برکتیں مکہ معظمہ میں دوگنی ہیں اور روزی کی برکتیں مدینہ پاک میں دوگنا لہذا حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے اور مدینہ منورہ میں ۵۰ ہزار مدینہ پاک کی رزق کی برکتیں تو آج بھی آنکھوں دیکھی جارہی ہیں' کہ وہاں پھل فروٹ میسر ہوتے ہیں اور وہاں کی آب وہوا ایسی پیاری ہے کہ مکہ مکرمہ کی نہیں' فیصلہ عشق یہ ہے کہ مکہ معظمہ کی عبادت کا ثواب زیادہ اور مدینہ پاک کی عبادات کا قرب زیادہ' درجہ اعلیٰ' لہذا برکت قرب ودرجہ مدینہ پاک میں دوگنا ہے برکت ثواب مکہ معظمہ میں دوگنا' دونوں حدیثیں درست وصحیح ہیں۔

وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ اٰلِ الْخَطَّابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَارَنِيْ مُتَعَمِّدًا كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَكَنَ الْمَدِيْنَةَ وَصَبَرَ عَلٰى بَلَآئِهَا كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا اَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ مَاتَ فِيْ اَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(۲۶۳۵) روایت ہے اولاد خطابؓ کے ایک مرد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی۔حضور نے فرمایا جو قصداً میری زیارت کرے وہ قیامت کے دن میری امان میں ہوگا؎ اور جو مدینہ منورہ میں رہے اور یہاں کی تکالیف پر صبر کرے میں قیامت کے دن اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا؎۲ اور جو دونوں حرم سے کسی حرم میں جائے وہ قیامت کے دن امن والوں سے ہوگا؎۳

(۲۶۳۵)؎ اس جملہ کے علماء نے اور معنی کیے ہیں عشاق نے کچھ اور علماء فرماتے ہیں کہ جو مدینہ منورہ صرف روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے جائے' نام نمود یا کوئی تجارتی کاروبار دنیاوی کام مقصود نہ ہو وہ قیامت میں حضور کا پڑوسی اور حضور کی امان میں ہو گا۔مسجد نبوی کی زیارت بقیع اور مسجد قبا کی حاضری اسی کے تابع ہو' اصل مقصود حاضری بارگاہ عالی ہو' جیسے نفل نماز میں اصل مقصود رضاء الٰہی ہے' مگر کبھی قضاء حاجات اداء شکر' تحیۃ الوضو وغیرہ بھی اس سے ادا ہو جاتے ہیں مگر تبعاً لیکن عشاق کہتے ہیں کہ مدینہ پاک کی حاضری میں مسجد نبوی شریف جنت البقیع وغیرہ کی حاضری کی بھی نیت نہ کرے' بلکہ بعض عشاق تو حج کے سفر میں مدینہ پاک حاضر نہ ہوئے بلکہ مدینہ کے لیے علیحدہ مستقل علیحدہ سفر کیا اور اس حدیث کو بالکل ظاہری معنی پر محمول فرمایا' مدینہ پاک کی حاضری صرف زیارت کے لیے ہو اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ وہاں کی حاضری صرف مسجد نبوی کی نماز کی نیت سے ہو' زیارت کی نیت نہ ہو' معاذ اللہ' مسجدیں تو دنیا میں ہزار ہا ہیں اس مسجد کی عظمت زیادہ کیوں ہے؟ صرف حضور کے دم قدم سے' اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں حضور کی امان ہی کام آئے گی' اس سے وہ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ خدا کے سواء کسی کی امان نہیں (از مرقات ولمعات واشعہ) ؎۲ یعنی تا قیامت اور خصوصاً میری حیات شریف کے زمانہ میں جو مدینہ پاک کی ظاہر تکالیف پر صبر کر جائے' اسے کل قیامت میں میری خاص شفاعت میسر ہوگی جو دوسروں کو نصیب نہ ہوگی۔؎۳ یعنی مکہ معظمہ مدینہ منورہ میں مرنے والا قیامت کی بڑی گھبراہٹ جسے فزع اکبر کہتے ہیں' اس سے محفوظ رہے گا' مگر یہ فوائد مسلمانوں کے لیے ہیں' لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ ابوجہل وغیرہ کفار بھی وہاں ہی مرے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ

(۲۶۳۶) روایت ہے حضرت ابن عمر سے مرفوعاً کہ جو میری وفات

مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ ۔ (رَوَاهُمَا الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

کے بعد حج کرے پھر میری قبر کی زیارت کرے[۱] وہ اسی طرح ہوگا جو میری زندگی میں میری زیارت کرے[۲] (بیہقی شعب الایمان)

(۲۶۳۶)[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج پہلے کرے، مدینہ پاک بعد میں حاضر ہو، علماء کرام نے فرمایا کہ حج فرض میں پہلے حج کرنا افضل ہے، اور حج نفل سے پہلے زیارت مدینہ طیبہ بہتر، تاکہ مدینہ پاک سے حج کیلئے رخصت ہو نہ کہ گھر جانے کے لیے یہ تفصیل بہت اعلیٰ ہے، بعض عشاق حج نفل میں زیارت کی نیت سے گھر سے چلتے ہیں راستہ میں مکہ مکرمہ پڑتا ہے تو حج بھی کر لیتے ہیں شعر:۔

کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے
کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلی کا ایک ظل روشن انہیں کے نور سے پتلی حجر کی ہے

[۲] یہ اس لیے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں بحیات حقیقی دنیاوی زندہ وحیات ہیں کہ آپ سے ہر طرح کی مدد ونصرت حاصل کی جاتی ہے (مرقات ولمعات واشعہ) شہداء کی حیات معنوی ہے حضور انور کی حیات حقیقی دنیاوی ہے کہ رزق بھی ملتا ہے (اشعہ) ہم حیات النبی کی بحث باب الجمعہ میں کر چکے ہیں۔

وَعَنْ یَحْیَی ابْنِ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ جَالِسًا وَّقَبْرٌ یُّحْفَرُ بِالْمَدِیْنَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِی الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَمَا قُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ اِنِّیْ لَمْ اُرِدْ هٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُّ الْقَتْلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَامِثْلَ الْقَتْلِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَاعَلَی الْاَرْضِ بُقْعَةٌ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ یَّکُوْنَ قَبْرِیْ بِهَا مِنْهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلاً ۔

(۲۶۳۷) روایت ہے حضرت یحییٰ ابن سعید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور مدینہ منورہ میں ایک قبر کھودی جا رہی تھی۔[۱] تو ایک شخص قبر میں جھانک کر بولا کہ یہ مومن کا بڑا برا ٹھکانا ہے[۲] تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ غلط کہا[۳] وہ صاحب بولے میری یہ نیت نہ تھی اللہ کی راہ میں شہادت میری مراد تھی[۴] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہاں کا دفن) شہادت فی سبیل اللہ کے برابر بھی نہیں[۵] زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں مجھے اپنی قبر کا ہونا اس جگہ سے زیادہ پیارا ہو تین بار فرمایا[۶] (مالک) مرسلاً[۷]

(۲۶۳۷)[۱] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کے جنازہ میں تشریف لے گئے، قبر میں دیر تھی، سرکار عالی اور بندگان خاص اس قبر کے ارد گرد تشریف فرما تھے زہے نصیب اس مرنے والے کے۔شعر:۔

نسخہ کونین را دیباچہ اوست جملہ عالم بندگان خواجہ اوست

[۲] یعنی مومن پر جس قدر تکالیف آتی ہیں ان سب میں قبر کی وحشت زیادہ سخت ہے، جس سے دل کانپتا ہے۔[۳] کیونکہ مومن کی قبر خصوصاً جبکہ زمین مدینہ میں ہو جنت کی کیاری ہے۔مومن کو وہاں دہشت، وحشت کیسی؟ بلکہ وہ تو یار سے ملنے کی جگہ ہے۔[۴] یعنی میرا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ شخص میدان جنگ میں شہید ہوتا اور اسے دفن بھی میسر نہ ہوتا تو اس کو بستر پر مرنے اور دفن ہونے سے بہتر ہوتا، بستر کی موت و دفن شہادت کی موت اور بے گوری و بے کفنی سے بری ہے مطلقاً قبر کو برا نہ کہا ہے بلکہ شہادت کے مقابلہ میں۔[۵] یعنی مدینہ پاک میں مرنا یہاں دفن ہونا، دوسری جگہ شہید ہونے اور نعش پامال ہونے سے بھی افضل ہے، جب مدینہ کی موت دوسری جگہ کی شہادت سے افضل ہے تو

انشاءاللہ مدینہ پاک کی زندگی دوسری جگہ کی بعض عبادات سے یقیناً بہتر ہے کہ وہاں رہنا بھی عبادت ہے مگر ایمان کے ساتھ' اس صورت میں یہ کلام عالی اس کے کلام کی تردید ہے' یہ احتمال بھی ہے کہ اس کے کلام کی تائید ہو یعنی ہاں شہادت فی سبیل اللہ مدینہ کی موت و دفن سے افضل ہے' اگر کسی کو شہادت میسر نہ ہو تو مدینہ میں مرنے کی کوشش کرے (اشعہ) مگر یہ معنی کچھ بعید سے ہیں' پہلے معنی قوی تر۔ ۶؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آخری جملہ تین بار فرمایا کہ مجھے زمین مدینہ میں دفن ہونا اس قدر پیارا ہے کہ اور جگہ کی شہادت بھی اتنی پیاری نہیں' میں یہاں کا دفن بہت ہی پسند کرتا ہوں' بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر چند مسائل فرمائے ایک یہ کہ مدینہ منورہ مکہ معظمہ سے افضل ہے' دوسرے یہ کہ مدینہ منورہ کی موت مکہ معظمہ کی موت سے بہتر ہے (اس پر تو تمام امت کا اجماع ہے) تیسرے یہ کہ مدینہ منورہ میں حضر کی موت دوسری جگہ سفر و غربت کی موت سے اعلیٰ ہے' بعض روایات سے شہادت اور غربت کی موت کی افضلیت ثابت ہے وہ افضلیت جزوی ہوگی اور یہ افضلیت کلیہ ہے لہٰذا ان میں تعارض نہیں اور اگر مدینہ منورہ میں شہادت اور غربت کی موت نصیب ہو جائے تو پوچھنا ہی کیا' جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی' اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا الْمَوْتَ فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِكَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (مرقات) ۷؎ کیونکہ یحییٰ ابن سعید تابعین میں سے ہیں جنہوں نے انس ابن مالک' سائب ابن یزید اور بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات و روایات کیں' اور ان سے ہشام ابن عروہ' مالک ابن انس' شعبہ' ثوری' ابن عینیہ' ابن مبارک وغیرہ بزرگوں نے روایات کیں' تابعی اگر صحابی کا ذکر نہ فرمائیں' تو حدیث مرسل ہوتی ہے' لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے' اور ثقہ تابعی کا ارسال قبول ہے جیسے امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے' خیال رہے کہ یہ یحییٰ ابن سعید انصاری ہیں اور یحییٰ ابن سعید قطان دوسرے بزرگ ہیں' جو ائمہ محدثین سے ہیں وہ یہاں مراد نہیں (مرقات واشعہ)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِوَادِی الْعَقِیْقِ یَقُوْلُ اَتَانِیَ اللَّیْلَةَ اٰتٍ مِّنْ رَّبِّیْ فَقَالَ صَلِّ فِیْ هٰذَا الْوَادِ الْمُبَارَكِ وَقُلْ عُمْرَةٌ فِیْ حَجَّةٍ وَّفِیْ رِوَایَةٍ وَّقُلْ عُمْرَةٌ وَحَجَّةٌ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۶۳۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت عمر ابن خطاب نے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جبکہ آپ عقیق کے میدان میں تھے ۱؎ کہ میرے' پاس میرے رب کی طرف سے کوئی آنیوالا آیا اس نے کہا کہ آپ اس مبارک جنگل میں نماز پڑھیں اور فرمائیں عمرہ حج میں ۲؎ ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایئے عمرہ اور حج (بخاری)

(۲۶۳۸) ۱؎ وادی عقیق مدینہ منورہ کے قریب ذوالحلیفہ سے متصل ایک میدان ہے بہت متبرک' یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے اور وادی عقیق ذات عرق کے پاس ایک جنگل کا بھی نام ہے وہ یہاں مراد نہیں ۲؎ اگر یہ واقعہ سفر حج کا ہے تو نماز سے مراد کوئی اور نفل نماز ہے نہ کہ احرام کی نماز' کیونکہ حضور انور نے وادی عقیق سے احرام نہ باندھا تھا بلکہ ذوالحلیفہ سے اور قل الخ سے تلبیہ فرمانا ہے یعنی آپ اس جنگل میں نفل نماز بھی پڑھیں اور تلبیہ بھی کہیں جس میں یہ الفاظ ہوں کہ یہ عمرہ مع حج کے ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمتع اور افراد سے قران افضل ہے' اور اگر کسی اور سفر کا واقعہ ہے' تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ یہاں نماز پڑھیں اور لوگوں سے فرمادیں کہ یہاں کی نماز حج وعمرہ کے برابر ثواب رکھتی ہے جب بھی قران کی افضلیت ثابت ہے

کِتَابُ الْبُیُوْعِ تجارتوں کا بیان

بَابُ الْکَسَبِ وَطَلَبِ الْحَلَالِ باب کمائی کرنا اور حلال روزی تلاش کرنا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

بیوع بیع کی جمع ہے بیع بوع یا باع سے بنا بمعنی ہاتھ لمبے کرنا چونکہ تجارت میں خریدار اور بیوپاری ہاتھ بڑھا کر ایک دوسرے کا مال لیتے ہیں اس لیے اسے بیع کہا جاتا ہے' شریعت میں مال کا مال سے تبادلہ کرنا بیع کہلاتا ہے' کبھی پورے عقد کو بیع کہتے ہیں کبھی فقط بیچنے کو کبھی اس کے نتیجہ یعنی ملکیت کو بیع کہا جاتا ہے' یہاں پورے عقد کے معنی میں ہے کیونکہ بیع کی بہت اقسام ہیں' بیع مطلق' بیع صرف' بیع مقابضہ' بیع مسلم' تولیہ' مراتبہ' وضیعہ وغیرہ اس لیے بیوع جمع فرمایا' خیال رہے کہ شرعی احکام چندقسم کے ہیں خالص حقوق اللہ' خالص حقوق العباد' عقوبات' کفارات وغیرہ' مصنف نے خالص حقوق اللہ یعنی عبادات کا ذکر پہلے کیا' اب خالص حق العبد یعنی تجارتوں کا ذکر کیا' چونکہ تجارت کے فضائل براہ راست حدیث میں وارد نہیں ہوئے تھے' اس لیے باب الکسب منعقد کر کے اس کے فضائل بیان کر دیئے۔

کسب کے معنی ڈھونڈنا اور تلاش میں دوڑنا ہے' یہاں مراد مال کمانا ہے' حلال سے مراد حرام کا مقابل ہے۔

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ مَعْدِیْکَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِّنْ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدَیْهِ وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدَیْهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۶۳۹) روایت ہے حضرت مقداد ابن معد یکرب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا اس سے اچھا نہ کھایا کہ انسان ہاتھوں کی کمائی سے کھائے[1] اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کے عمل سے کھاتے تھے[2] (بخاری)

(۲۶۳۹)[1] ہاتھوں سے مراد پوری ذات ہے' ہاتھ سے کمائے یا پاؤں سے یا آنکھ یا زبان سے غرضیکہ اپنی قوت سے حلال روزی کمائے' ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (۴۲:۳۰) وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا (کنزالایمان) وہاں بھی ایدی یعنی ہاتھوں سے ذات ہی مراد ہے' مقصد یہ ہے کہ دوسروں کی کمائی پر اپنا گزارا نہ کرے خود محنت کرے۔[2] یعنی باوجودیکہ آپ بادشاہ تھے مگر آپ نے کبھی خزانہ سے اپنے پر خرچ نہ کیا بلکہ روزانہ ایک زرہ بناتے تھے جسے چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے' دو ہزار اپنے بال بچوں پر خرچ فرماتے تھے اور چار ہزار فقراء بنی اسرائیل پر خیرات کرتے تھے (مرقات) علماء فرماتے ہیں کہ بقدر ضرورت کمائی فرض ہے اور زیادہ مباح اور فخر و زیادتی مال کے لیے کمائی مکروہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَّا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَّاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ یٰۤاَیُّهَا

(۲۶۴۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ طیب ہے اور طیب ہی کو قبول فرماتا ہے[1] اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس چیز کا حکم دیا جس

الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً وَقَالَ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَارَزَقْنٰكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّيَدَيْهِ اِلَى السَّمَآءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انبیائے کرام کو حکم دیا۲ فرمایا اے نبیو! طیب اور لذیذ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو۳ اور ربّ تعالٰی نے فرمایا اے ایمان والو ہماری دی ہوئی طیب ولذیذ روزی کھاؤ۴ پھر ذکر فرمایا کہ آدمی پراگندہ گرد آلود بال لمبے لمبے سفر کرتا ہے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہتا ہے اے ربّ اے ربّ اور اس کا کھانا حرام اور پینا حرام لباس حرام اور حرام کی ہی غذا پاتا ہے۔۵ تو ان وجوہ سے دعا کیسے قبول ہو۶ (مسلم)

(۲۶۴۰) ۱ یعنی ربّ تعالٰی بے عیب ہے' اور بے عیب صدقات اور نقصانات سے خالی عبادات کو قبول فرماتا ہے۲ یعنی کسب حلال و طلب معاش ایسا مبارک مشغلہ ہے جس میں ربّ تعالٰی نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور عوام کو جمع فرما دیا ہے۔ لہٰذا یہ فرض خداوندی بھی ہے سنتِ مصطفوی بھی اور سنت انبیاء بھی' اس لیے کسب حلال سنت سمجھ کر کرنا چاہیے' اس میں دنیا کی عزت بھی ہے آخرت کی سرخروئی بھی۔۳ یا تو میثاق کے دن ربّ تعالٰی نے نبیوں سے یہ خطاب بیک وقت فرمایا تھا یا ہر نبی سے' ان کے زمانہ میں یہ خطاب ہوا جو قرآن کریم میں نقل فرمایا گیا اور حضور انور کو سنایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ رہبانیت اور ترک دنیا نہ اسلام میں ہے نہ پہلے کسی نبی کے دین میں تھی' چنانچہ انبیائے کرام نے مختلف پیشے اختیار کئے' کسی نے چندوں یا سوال پر زندگی نہ گزاری سوائے مرزا قادیانی کے' آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اولاً کپڑا سازی پھر کھیتی باڑی کرتے تھے' نوح علیہ السلام لکڑی کا پیشہ' ادریس علیہ السلام درزی گری' ھود و صالح علیہما السلام تجارت' ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے' شعیب علیہ السلام جانور پالتے تھے' لوط علیہ السلام کھیتی باڑی' موسیٰ علیہ السلام نے بکریاں چرانا' داؤد علیہ السلام زرہ بناتے' سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے ملک کے مالک ہو کر پنکھے اور زنبیلیں بنا کر گزارہ کرتے تھے' عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ سیاحی کرتے تھے' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً تجارت پھر جہاد کئے (اسلامی زندگی) ۴ طیب خبیث کی ضد ہے' حلال' پاک' لطیف' پسندیدہ' شرعی چیز طیب ہے' اللہ تعالٰی طیب ہے کہ خبیث چیزیں ناپسند کرتا ہے تمام صفات غیر کمالیہ سے بری و پاک ہے' مسلمانوں کو حکم دیا کہ ظاہری و باطنی نجاست سے دور رہیں نیک اعمال کریں' چیزیں انسان کے لیے ہیں اور انسان رحمان کے لیے' ۵ یعنی بچپن سے ہی حرام میں پلا اور جوان ہو کر حرام کمائی ہی کی' جس سے غذا' لباس حرام کا رہا۔۶ یہاں روئے سخن یا حرام خور حاجی یا غازی کی طرف ہے یعنی حرام کمائی سے حج یا غزوہ کرنے گیا' پراگندہ بال' پریشان حال رہا' کعبہ معظمہ یا میدان جہاد میں دعائیں مانگیں مگر قبول نہ ہوئیں کہ روزی حرام تھی جب ایسے حاجی و غازی کی دعا بھی قبول نہیں تو دوسروں کا کیا کہنا صوفیاء فرماتے ہیں' کہ دعاء کے دو بازو یعنی پر ہیں اکل حلال' صدق مقال' اگر ان سے دعا خالی ہو تو قبول نہیں ہوتی' تقویٰ کی پہلی سیڑھی حلال روزی ہے' حرام سے بچنا عوام کا تقویٰ ہے' شبہات سے بچنا خواص کا تقویٰ' ذریعہ معصیت سے بچنا صدیقین کا تقویٰ' اللہ نصیب کرے' جو محرمات میں پھنس جائے اور لاچار ہو جائے تو ادھون پر کفایت کرے' چنانچہ بحالت اضطرار اگر مردار بکری بھی ہو گدھا بھی' تو بکری کھا کر جان بچائے' اور اگر کتا و سور ہی میسر ہو' اور بھوک سے جان نکل رہی ہو تو کتے سے جان بچالے' اور سور کو ہاتھ نہ لگائے (مرقات)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَااَخَذَ مِنْهُ

(۲۶۴۱) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں میں ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان پروا نہ

اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) کرے گا کہاں سے لیا حلال سے یا حرام ۱؎ (بخاری)

(۲۶۴۱) ۱؎ یعنی آخر زمانہ میں لوگ دین سے بے پرواہو جائیں گے، پیٹ کی فکر میں ہر طرح پھنس جائیں گے، آمدنی بڑھانے مال جمع کرنے کی فکر کریں گے، ہر حرام و حلال لینے پر دلیر ہو جائیں گے جیسا کہ آجکل عام حال ہے، صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایسا بے پروا آدمی کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر چیز منہ میں ڈالتا ہے مگر یہ بغیر تحقیق بلا سوچے سمجھے ہی چیز کھالیتا ہے۔

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بُشَيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَّالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَّبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَّا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَءَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَّقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۶۴۲) روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ تشبیہ کی چیزیں ہیں جنہیں بہت لوگ نہیں جانتے ۲؎ تو جو شبہات سے بچے گا وہ اپنا دین اور اپنی آبرو بچالے گا اور جو شبہات میں پڑے گا وہ حرام میں واقع ہو جائے گا ۳؎ جیسے جو چرواہا شاہی چراگاہ کے آس پاس چرائے تو قریب ہے کہ اس میں جانور چرلیں ۴؎ آگاہ رہو کہ ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی مقرر کردہ چراگاہ اس کے محرمات ہیں آگاہ رہو کہ جسم میں ایک پارہ گوشت ہے جب وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے۔ خبردار وہ دل ہے ۵؎ (مسلم، بخاری)

(۲۶۴۲) ۱؎ بُشَیر بروزن زُبَیر ہے آپ بہت خوردسال صحابی ہیں ہجرت سے چودہ ماہ بعد پیدا ہوئے، آپ انصار میں پہلے بچہ ہیں جو پیدا ہوئے، جیسے مہاجرین میں اول حضرت عبداللہ ابن زبیر پہلے بچے ہیں، حضور کی وفات کے وقت آٹھ سال سات ماہ کے تھے، کوفہ میں قیام رہا امیر معاویہ کی طرف سے عراق کے حاکم تھے، جب حضرت امام حسین نے مسلم ابن عقیل کو کوفہ بھیجا، تو آپ اس وقت یزید ابن معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم تھے، آپ نے حضرت مسلم سے کوئی تعرض نہ کیا، اس لیے یزید نے آپ کو معزول کر دیا اور عبیداللہ ابن زیاد کو مقرر کیا، جب سرمبارک امام حسین کو کوفہ سے شام بھیجا گیا، اس وقت اہل بیت پر یہ ہی نعمان مقرر تھے، آپ نے راہ میں اہل بیت کی بہت خدمات انجام دیں، اور اہل بیت اطہار نے آپ کو بہت دعائیں دیں، رضی اللہ عنہ (اشعہ) ۲؎ یہ حدیث اصل اصول دین ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ چیزیں تین قسم کی ہیں، بالکل حلال جن کی حلت منصوص ہے، بالکل حرام جن کی حرمت منصوص ہے جیسے محرمات وفواحش، اور مشتبہات، جن میں حلت و حرمت کے دلائل متعارض ہیں یا حلت و حرمت کی دلیل نہیں، اصل حلال پر عمل کرو، اصل حرام سے ضرور بچو اور مشتبہات سے احتیاطاً پرہیز کرو کہ شاید حرام ہوں، مگر جن میں حلت کی اصل موجود ہو وہ مشتبہ نہیں، انہیں حرام سمجھنا محض باطل وہم ہے لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ میلاد شریف، عرس بزرگان کو بعض علماء حرام بھی کہتے ہیں، لہذا یہ مشتبہات سے ہے۔ (مرقات) ۳؎ یعنی جو شخص مشتبہات سے پرہیز نہ کرے گا وہ آخر کار محرمات میں بھی پھنس جائے گا اس لئے مشتبہات سے بچو ۴؎ شاہی چراگاہ میں جانور چرانا سخت جرم ہوتا ہے، ہوشیار چرواہے شاہی چراگاہ سے دور ہی رہتے ہیں، تاکہ کوئی جانور بے قابو ہو کر اس چراگاہ میں نہ گھس جائے اور ہم مجرم ہو جائیں مگر بے احتیاط چرواہے وہاں قریب پہنچ جاتے ہیں اور آخر کار ان کا جانور وہاں گھس جاتا ہے، اور یہ مجرم ہو کر پکڑے جاتے ہیں، ایسے ہی

مشتبہات میں واقع ہونے والا کبھی حرام میں بھی گرفتار ہو جائے گا تم چرواہے ہو' نفس بے سمجھ جانور' محرمات شرعیہ شاہی چراگاہ ہے' مشتبہات اس چراگاہ کے متصل زمین۔۵؎ یعنی دل بادشاہ ہے جسم اس کی رعایا جیسے بادشاہ کے درست ہو جانے سے تمام ملک ٹھیک ہو جاتا ہے ایسے ہی دل سنبھل جانے سے تمام جسم ٹھیک ہو جاتا ہے' دل ارادہ کرتا ہے جسم اس پر عمل کی کوشش' کہ دل میں برے ارادے نہ پیدا ہوں' اس لیے صوفیاء کرام دل کی اصلاح پر بہت زور دیتے ہیں' صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کو اپنی منزلوں میں رکھو اس کی منزلیں فرض' واجب' سنت' مستحب' آداب' مباح ہیں' ان حدود میں رہا تو خیر ہے' اگلی منزلیں خطرناک ہیں' ادھر نہ جانے دو' اگلی منزلیں' مکروہ تنزیہی' مکروہ تحریمی حرام وکفر ہیں' مکروہ تنزیہی سے بچاؤ تاکہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرے (اشعہ)

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيْثٌ وَّمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيْثٌ وَكَسَبُ الْحَجَّامِ خَبِيْثٌ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۴۳) روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کتے کی قیمت خبیث ہے اور زانیہ کی خرچی حرام اور فصد لینے والے کی اجرت خسیس ہے۲؎ (مسلم)

(۲۶۴۳)۱؎ آپ مشہور انصاری صحابی ہیں' غزوہ بدر میں صغرسنی کے باعث شریک نہ ہو سکے' باقی احد وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے' غزوہ احد میں تیر سے زخمی ہوئے تو حضور انور نے فرمایا کہ میں قیامت میں تمہارے زخم وایمان کا گواہ ہوں' یہ ہی زخم عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں پھر ہرا ہو گیا' اور اس زخم سے ۷۴ھ میں چھیاسی سال کی عمر میں وفات مدینہ منورہ میں پائی' آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۲؎ خبیث طیب کا مقابل ہے' طیب کے دو معنی ہیں حلال اور نفیس' لہٰذا اس کے مقابل خبیث کے بھی دو معنی ہیں حرام اور خسیس' رنڈی کے زنا کی اجرت بالاتفاق حرام ہے' اور فصد لینے والی کی اجرت بالاتفاق ناپسند یا مکروہ ہے' کتے کی قیمت میں اختلاف ہے' امام شافعی کے ہاں حرام ہے ہمارے ہاں حلال مگر ناپسندیدہ' لہٰذا لفظ خبیث یہاں بطریق عموم مشترک دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فصد لے کر اس کی اجرت عطا فرمائی اور یہاں اسے خبیث فرمایا بمعنی ناپسندیدہ' وہ عمل بیان جواز کیلئے تھا یہ فرمان کراہت کے لیے' لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

وَعَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدِ نِ الْاَ نْصَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۶۴۴) روایت ہے حضرت ابومسعود انصاری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت۱؎ زانیہ کی خرچی اور نجومی کی مٹھائی سے منع فرمایا۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۶۴۴)۱؎ امام ابوحنیفہ کے ہاں یہ ممانعت یا تو تنزیہی ہے یا اس وقت کی ہے جب کتا پالنا اسلام میں مطلقاً ممنوع تھا' جب شکار و حفاظت کے لیے اس کی اجازت ہوگئی تو یہ ممانعت بھی منسوخ ہوگئی' امام شافعی و دیگر ائمہ کے ہاں اب بھی کراہت تحریمی باقی ہے' دیوانہ کتے کی قیمت ہمارے ہاں بھی ممنوع ہے کہ وہ قابل نفع مال نہیں جیسے گندا انڈا مال نہیں'۲؎ مہر بغی سے مراد زانیہ کی اجرت زنا ہے' اور کاہن کی مٹھائی سے مراد اس کے فال کھولنے' غیبی باتیں بتانے یا ہاتھ دیکھ کر تقدیر بتانے کی اجرت ہے' چونکہ یہ اجرت بغیر محنت حاصل ہو جاتی ہے اس لیے اسے مٹھائی فرمایا' یہ دونوں اجرتیں بالاتفاق حرام ہیں کہ یہ دونوں کام حرام لہٰذا ان کی اجرت بھی حرام۔

وَعَنْ اَبِىْ جُحَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ وَثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسَبَ الْبَغِيِّ

(۲۶۴۵) روایت ہے حضرت ابوجحیفہ سے۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کی قیمت کتے کی قیمت اور زانیہ کی کمائی سے منع فرمایا۲؎

وَلَعَنَ اٰكِلَ الرِّبٰو وَمُوْكِلَهٗ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْمُصَوِّرَ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

اور سود کھانے والے اور کھلانے والے [۳] اور گودنے والی اور گدوانے والی [۴] اور فوٹو لینے والے پر لعنت فرمائی [۵] (بخاری)

(۲۶۴۵) [۱] آپ کم عمر صحابہ سے ہیں حضور انور کی وفات کے وقت نابالغ تھے' لیکن حضور انور سے کلام مبارک سنا ہے کوفہ میں مقیم رہے [۲] خون کی قیمت سے مراد یا تو خون نکالنے کی اجرت ہے یعنی فصد کھولنا یا خود خون کی قیمت ہے' خون نجس ہے کسی کا ہو' انسان کا یا جانور کا اس کی قیمت حرام ہے' خون کی بیع ہی حرام ہے کہ خون نجس ہے' آج کل جو آدمیوں کا خون خریدا جاتا ہے یا دوسرے آدمی میں داخل کیا جاتا ہے سب حرام ہے' کہ انسان کے اجزاء کی فروخت اور دوسرے کا استعمال کرنا ممنوع ہے' ہاں اگر طبیب حاذق کہے کہ اس بیمار کی شفا خون داخل کرنے کے سواء اور کسی چیز سے نہیں' تو ایسا ہی جائز ہوگا کہ جیسا کان کے درد میں کبھی عورت کا دودھ کان میں ٹپکانا درست ہوتا ہے جیسا کہ علامہ شامی وغیرہ نے فرمایا [۳] سود لینا دینا دونوں حرام ہیں اور باعث لعنت' اگرچہ سود لینا زیادہ جرم ہے کہ اس میں گناہ بھی ہے اور مقروض پر بلکہ اس کے بچوں پر ظلم بھی' کو حق اللہ' حق العباد دونوں اس میں جمع ہیں [۴] گودنے گدوانے سے مراد سوئی کے ذریعہ نیل یا سرمہ جسم میں لگا کر نقش و نگار کرانا یا اپنا نام لکھوانا' یہ دونوں کام ممنوع ہیں طریقہ مشرکین ہیں' اور طریقہ کفار و فجار [۵] جاندار کا فوٹو لینا حرام ہے خواہ قلم سے ہو یا کیمرہ سے' فوٹو لینے والے پر لعنت فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ کھچوانے والے پر لعنت نہیں فرمائی' اگر کسی کا بے خبری میں فوٹو لے لیا گیا تو ظاہر ہے کہ وہ بے قصور ہے' اور اگر عمداً کھنچوایا تو ممنوع ہے کہ یہ جرم پر امداد ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَاِنَّهٗ تُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَيُدَّهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُوْمَهَا اَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَاَكَلُوْا ثَمَنَهٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۶۴۶) روایت ہے حضرت جابر سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح کے سال جب آپ مکہ معظمہ میں تھے فرماتے سنا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب مردار' سور' اور بتوں کی تجارت کو حرام کیا [۱] عرض کیا گیا یارسول اللہ مردار کی چربیوں کے متعلق تو فرمایئے' ان سے تو کشتیاں ملی جاتی ہیں ان کی کھالیں روغنی جاتی ہیں لوگ ان سے چراغ جلاتے ہیں [۲] تو فرمایا نہیں وہ حرام ہے [۳] پھر اس موقع پر فرمایا یہود کو خدا غارت کرے جب اللہ نے مردار کی چربی حرام کی تو انہوں نے اسے پگھلایا پھر اسے بیچا اور اس کی قیمت کھائی [۴] (مسلم' بخاری)

(۲۶۴۶) [۱] یعنی نشہ آور چیز خواہ شراب انگوری ہو یا کھجور وغیرہ کی یا تاڑی یا کوئی اور چیز مطلقاً حرام ہے' نشہ دے یا نہ دے اس پر فتویٰ ہے' ان سب کی تجارت بھی حرام ہے' خشک نشہ آور چیزیں جیسے بھنگ' افیون وغیرہ کا استعمال نشہ کے لیے حرام ہے' اور دواؤں میں جبکہ یہ نشہ نہ دیں تو حلال' لہذا ان کی بیع حلال ہے کہ ان سے انتفاع حلال بھی ہے' مردار سے مراد وہ مرا ہوا جانور ہے جو بغیر ذبح کھایا نہیں جاتا لہذا مری مچھلی کی تجارت درست ہے' بتوں کی تجارت خواہ فوٹو کی شکل میں ہوں یا مجسم حرام ہے' جیسے ہنومان' بھوانی' رامچند روغیرہ کے مجسمے یا فوٹو ان کی تجارت حرام ہے' بچوں کے کھلونے' گڑیاں وغیرہ کی تجارت حرام نہیں کہ یہ بت نہیں [۲] سائل کا مقصد یہ تھا کہ اگر مردار کی چربی کی تجارت یا اس کا استعمال بند کردیا گیا تو بہت سے ضروری کام بند ہوجائیں گے لہذا اس کی اجازت دی جائے [۳] یعنی مردار کی چربی کا استعمال حرام ہے (حنفی) یا اس کی تجارت حرام ہے (شافعی) احناف کے ہاں مردار کی چربی صابن چراغ یا چمڑوں میں استعمال کرنا حرام ہے۔

نجس تیل فروخت بھی کر سکتے ہیں اور ان مقامات میں استعمال بھی کر سکتے ہیں' کافر کی نعش بیچنا حرام ہے' چنانچہ نوفل مخزومی جو غزوہ خندق میں مارا گیا تھا کفار نے دس ہزار درہم اس کی نعش کی قیمت پیش کی حضور نے انکار فرمادیا' یوں ہی نجس شہد نجس دودھ نجس کھانا جانور کو کھلا دینا جائز ہے' مگر مردار کی چربی ان میں سے کسی جگہ خرچ نہیں کر سکتے (مرقات واشعہ) نجس تیل کا چراغ مسجد میں جلانا منع ہے (لمعات واشعہ) ۴؎ مشکوۃ کے عام نسخوں میں شحومھا واحد مونث کی ضمیر سے ہے اس کا مرجع میت ہے بعض نسخوں میں شحومھما ہے تثنیہ کی ضمیر سے اس کا مرجع گائے بکری ہیں کہ ان کی چربیاں یہود پر حرام تھیں' رب تعالٰی فرماتا ہے: وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ (۱۴۶:۶) یعنی یہود پر مردار کی یا گائے بکری کی چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کیا اور قیمت استعمال کی' بولے کہ ہم نے شحم نہیں کھائی بلکہ پگھلی چربی کی قیمت کھائی ہے' معلوم ہوا کہ حرام کا حیلہ کرنا بھی حرام ہے' ہاں حرام سے بچنے کیلئے حیلہ کرنا اچھا ہے۔ (لمعات' مرقات' اشعہ) مسلمان ضرورت پر حرام سے بچنے کا حیلہ کرتے ہیں۔

وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدُ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَجَمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۶۴۷) روایت ہے حضرت عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کو خدا غارت کرے ۱؎ ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلایا پھر بیچا ۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۶۴۷) ۱؎ یہ کلمہ بدعا کے لیے ہے یا اظہار غضب کے لیے' اس میں مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ تم نے مردار کی چربی اس طرح استعمال کی' تو تم بھی میری بددعا کے مستحق ہو گے اس سے سخت پرہیز کرو ۲؎ یہود کچی چربی کو شحم اور پگھلی ہوئی کو ودک کہتے تھے' انہوں نے کہا کہ ہم پر شحم حرام ہے ودک حرام نہیں' پھر ہم ودک بھی نہیں' استعمال کرتے بلکہ اس کی قیمت کام میں لاتے ہیں' خیال رہے کہ مردار کی کھال پکا کر کام آسکتی ہیں' مگر چربی پگھلا کر بھی نہیں آسکتی' اس حدیث میں چربی کا یہ ہی حکم بتانا مقصود ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۴۸) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ۱؎ (مسلم)

(۲۶۴۸) ۱؎ یا تو کتے بلی سے مراد غیر نافع کتے بلی ہیں جیسے دیوانہ کتا' وحشی بلی کہ اگر اسے باندھ کر رکھو تو چوہوں کا شکار نہ کر سکے اور اگر کھول دو تو بھاگ جائے اور یا مطلقًا کتا بلی مراد ہے' اور نہی کراہت تنزیہی کیلئے ہے یعنی ان کا فروخت کرنا غیر مناسب ہے' یہ جانور تو یوں ہی بطور ہبہ دے دینا چاہئیں۔ یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ کتے کی بیع جائز ہے' کیونکہ بلی کی بیع تمام ائمہ کے ہاں درست ہے اور یہاں ممانعت میں کتے بلی دونوں کو ملا دیا گیا ہے' معلوم ہوا کہ کتے کی بیع بھی بلی کی طرح جائز' مگر غیر مناسب ہے' یہ حدیث صحیح ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ حَجَمَ اَبُوْ طَيْبَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَلَهُ بِصَاعٍ مِّنْ تَمْرٍ وَّاَمَرَ اَهْلَهُ اَنْ يُّخَفِّفُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۶۴۹) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ابوطیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصد لی تو حضور نے اس کے لیے ایک صاع کھجوروں کا حکم دیا ۱؎ اور اس کے مالکوں کو حکم دیا تو انہوں نے اس کے وظیفہ آمد سے کمی کردی ۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۶۴۹) ۱؎ ابوطیبہ کا نام نافع یا دینار ہے' لقب میسرۃ' یہ بنی بیاضہ کے غلام تھے' ان کے مولٰی کا نام محیصہ ابن مسعود انصاری ہے' یہ فصد لینے کے فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فصد کی اجرت جائز ہے' جہاں جہاں ممانعت آئی ہے وہاں تنزیہی

کراہت مراد ہے وہ فرمان عالی کراہت کے بیان کے لیے ہے اور یہ عمل شریف بیان جواز کے لیے لہٰذا احادیث متعارض نہیں ۲؎ خراج سے غلام کی آمدنی مراد ہے مولیٰ اپنے غلام کو کاروبار کی اجازت دے دیتا تھا اور کہتا تھا کہ تو مجھے روزانہ اتنے پیسے دے دیا کر باقی کمائی تیری جیسے آج بعض لوگ تانگے گاڑیاں ٹھیکے پر دے دیا کرتے ہیں اسے خراج کہتے تھے اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دوا و علاج جائز ہے دوسرے یہ کہ معالج و طبیب کو اجرت دینا جائز ہے تیسرے یہ کہ خراج کم کرنے کی سفارش کرنا جائز ہے چوتھے یہ کہ فصد لینا جائز ہے پانچویں یہ کہ فصد کی اجرت جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَـآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَطْیَـبَ مَـا اَكَـلْتُمْ مِّنْ كَسْبِكُمْ وَاِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَآئِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِیِّ اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهٖ وَاِنَّ وَلَدَهٗ مِنْ كَسْبِهٖ ۔

(۲۶۵۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پاکیزہ غذا جو تم کھاؤ وہ تمہاری اپنی کمائی اور تمہاری اولاد تمہاری اپنی کمائی ہے ۱؎ (ترمذی نسائی ابن ماجہ) اور ابوداؤد و دارمی کی ایک روایت میں یوں ہے۔ کہ پاکیزہ تریں غذا جو انسان کھائے وہ اپنی کمائی کی ہے اور اس کا بیٹا اس کی کمائی سے ہے ۲؎

(۲۶۵۰) ۱؎ یعنی اپنے کو بیکار نہ رکھو بلکہ روزی کماؤ اور کما کر کھاؤ اور اولاد کی کمائی بھی تمہاری اپنی کمائی ہی ہے کہ بالواسطہ وہ گویا تم ہی نے کمایا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اولاد پر والدین کا خرچہ بوقت ضرورت واجب ہے اور اگر انہیں حاجت نہ ہو تو مستحب ہے اور وجوب کی حالت میں ماں باپ اولاد کی اجازت کے بغیر اس کا کھانا کھا پی سکتے ہیں مگر غائب اولاد کی چیز اپنے نفقہ میں فروخت نہیں کر سکتے الا باذن حاکم اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔ ۲؎ اگرچہ ولد مطلق اولاد کو کہتے ہیں لڑکی ہو یا لڑکا مگر ایسے مقامات پر عموماً لڑکا مراد ہوتا ہے کیونکہ لڑکیاں کمائی کم کرتی ہیں خود ان کا اپنا خرچ خاوند پر ہوتا ہے لیکن اگر لڑکی امیر ہو اور باپ فقیر تو لڑکی پر بھی اپنے مال سے باپ کا خرچ لازم ہے۔ خیال رہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ سے آئی ہے ایک روایت میں ہے اذهب انت و مالك لابيك یعنی تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے دوسری روایت میں ہے انت و مالك لابيك غرضکہ باپ کو اولاد کا مال خرچ کرنے کا شرعاً بھی حق ہے اور قانوناً بھی اس سے اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ اگر اولاد کی کمائی خالص حرام ہے تو باپ نہ کھائے کہ اپنی حرام کمائی کھانا بھی حرام ہے تو اولاد کی حرام کمائی کیسے حلال ہوگی اسی لئے اسے کسب فرمایا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَكْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَیَتَصَدَّقُ مِنْهُ فَیُقْبَلُ مِنْهُ وَلَا یُنْفِقُ مِنْهُ فَیُبَارَكُ لَهٗ فِیْهِ وَلَا یَتْرُكُهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ اِلَّا كَانَ زَادَهٗ اِلَی النَّارِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَمْحُوا السَّیِّئَ بِالسَّیِّئِ وَلٰكِنْ یَمْحُوا السَّیِّئَ بِالْحَسَنِ اِنَّ الْخَبِیْثَ لَا یَمْحُوا

(۲۶۵۱) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی بندہ حرام مال کمائے پھر اس سے خیرات کرے تو وہ قبول ہو جائے ۱؎ اور نہ یہ کہ اس سے خرچ کرے تو اس میں اسے برکت ہو ۲؎ اور اس حرام کو اپنے پس ماندگان کے لئے نہ چھوڑے مگر یہ اس کا آگ کا توشہ ہوگا ۳؎ اللہ تعالیٰ برائی سے برائی نہیں مٹاتا لیکن بھلائی سے برائی مٹاتا ہے ۴؎

الْخَبِيْثَ (رَوَاهُ اَحْمَدُ) وَكَذَافِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ ۔ یقیناً پلید پلید کومٹا تانہیں۵(احمد) شرح سنہ میں بھی یوں ہی ہے۔

(۲۶۵۱)۱خلاصہ یہ ہے کہ حرام مال کا صدقہ قبول نہیں' ربّ کی بارگاہ میں حلال مال پیش کرو' خیال رہے کہ حرام مال وہ ہے جوحرام ذریعہ سے حاصل کیا جائے' سود' چوری' زنا' شراب' گانا' ناچنا وغیرہ۲یعنی حرام کمائی میں خود بھی برکت نہیں' حلال میں برکت ہے کتیا سال میں دس بارہ بچے دیتی ہے اور ایک بھی ذبح نہیں ہوتا' اور بکری سال میں ایک دو بچے دیتی ہے' اور روزانہ ہزاروں ذبح ہوتے ہیں' مگر گلے بکریوں کے نکلتے ہیں نہ کہ کتوں کے کیونکہ کتا حرام ہے بکری حلال' اور حلال میں برکت ہے حرام میں بے برکتی۳یعنی جب تک اس کے وارثین اس کا حرام مال کھائیں گے یا برتیں گے اسے دوزخ میں عذاب ہوتا رہے گا کیونکہ یہ حرام کا سبب بنا' معلوم ہوا کہ جیسے بعض صدقے جاریہ ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بعض حرام بھی گناہ جاری ہو جاتے ہیں' یہ خیال رہے کہ سود و چوری کا پیسہ تو ملک بنتا ہی نہیں' نہ اس کی میراث جاری ہو' بلکہ حق والے پر واپس کر دینا لازم ہے' اور اگر اس کا پتہ نہ لگے تو اس کے نام پر خیرات کر دیا جائے' یہاں ان حرام مالوں کا ذکر ہے جو حرام ذریعوں سے اپنے ملک میں آئیں' جیسے گا کر بجا کر پیسہ کمانا' لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حرام مال کی میراث کیسی'۴ سبحان اللہ کیسا نفیس قاعدہ بیان فرمایا کہ وہ جو قرآن شریف میں ہے: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱'۱۱۴) بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں (کنزالایمان) اور صدقہ کرنا بھلائی ہے' اس صدقے سے حرام کمائی کا گناہ کیوں نہ مٹا' ارشاد فرمایا کہ حرام مال سے صدقہ کرنا بھلائی نہیں بلکہ برائی ہے' اور برائی سے برائی نہیں مٹتی' پاک پانی' گندے کپڑے کو پاک کرسکتا ہے نہ کہ ناپاک پانی ایسے ہی طیب و حلال صدقہ گناہ مٹائے گا' نہ کہ حرام کا صدقہ'۵خبیث کے معانی پہلے بیان کیے گئے' یہاں یا گندگی کے معنی میں ہے یا حرام کے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ ۔

(۲۶۵۲) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت جنت میں نہ جائے گا جو حرام سے اگا ہو۱اور جو گوشت حرام سے اگے اس سے آگ بہت قریب ہے۔۲ (احمد' دارمی' بیہقی شعب الایمان)

(۲۶۵۲)۱یعنی اولاً نہ جائے گا بلکہ سزا پانے کے بعد یا جنت کے درجہ عالیہ میں نہ جائے گا بلکہ ادنیٰ درجہ میں گوشت سے مراد خود گوشت والا ہے' اور اگنے سے مراد پرورش پانا ہے' یعنی جو شخص حرام کھا کر پلا' وہ جنت میں کیسے جائے' طیب جگہ طیب لوگوں کے لیے ہے۲ یعنی حرام خود دوزخ کی آگ کا مستحق ہے کہ مرے اور آگ میں پہنچے' کیونکہ: اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ (۲۴'۲۶) گندیاں گندوں کے لئے (کنزالایمان) اگر یہ شخص توبہ کرے یا صاحب حق سے معاف کرالے یا شفاعت سے معافی ہو جائے' تو ہوسکتی ہے۔ یہ صورتیں اس قاعدے سے علیحدہ ہیں (مرقات)

وَعَنِ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ فَاِنَّ الصِّدْقَ طَمَانِيْنَةٌ وَاِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ الْفَصْلَ الْاَوَّلَ ۔

(۲۶۵۳) روایت ہے حضرت حسن ابن علی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یہ بات یاد کی ہے۱کہ اسے چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے ادھر رجوع کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۲کیونکہ سچ اطمینان ہے اور جھوٹ تردد ہے۳(احمد' ترمذی' نسائی) اور دارمی نے پہلا جز روایت فرمایا۔

(۲۶۵۳)۱؎ ظاہر یہ کہ آپ نے بلاواسطہ حضور سے یہ سنا اور یاد کیا' کیونکہ حضور انور کی زندگی شریف میں امام حسن قدرے سمجھدار تھے بچوں کا حدیث سننا معتبر ہے جبکہ کچھ سمجھدار ہوں اور ہوسکتا ہے کہ آپ نے کسی صحابی سے سنا ہو' چونکہ یہ قول رسول تھا اس لئے اسے حضور کی طرف نسبت فرمادیا' جیسے ہم کہہ دیتے ہیں کہ حضور نے یہ فرمایا' یا ہمیں حضور کا یہ فرمان یاد ہے۲؎ یعنی جو کام یا کلام تمہارے دل میں کھٹکے کہ نہ معلوم حرام ہے یا حلال' اسے چھوڑ دو' اور جس پر دل گواہی دے کہ یہ ٹھیک ہے اسے اختیار کرو' مگر یہ ان حضرات کے لیے ہے جو حضرت حسن جیسی قوت قدسیہ وعلم لدنی والے ہوں جن کا فیصلہ قلب کتاب وسنت کے مطابق ہو عام لوگ یا جو نفسانی وشیطانی وہمیات میں پھنسے ہوں ان کے لیے یہ قاعدہ نہیں' (مرقات واشعہ) بعض لاپرواہ لوگ قطعی حراموں میں کوئی تردد نہیں کرتے' اور بعض وہم پرست' جائز چیزوں کو بلاوجہ حرام ومشکوک سمجھ لیتے ہیں ان کے لیے یہ قاعدہ نہیں ہے' لہٰذا حدیث واضح ہے۳؎ یعنی مومن کامل کا دل سچے کام وسچے کلام سے مطمئن ہوتا ہے اور مشکوک اشیاء سے قدرتی طور پر متردد ہوتا ہے' یہاں لمعات میں فرمایا گیا کہ جب آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہو تو حدیث کی طرف رجوع کرو اور اگرچہ حدیث بھی متعارض نظر آئیں تو اقوال علماء کو تلاش کرو' اور اگر ان میں بھی تعارض نظر آئے' تو اپنے دل سے فتویٰ لو اور احتیاط پر عمل کرو' یہ سارے احکام صاف دل اور پاکیزہ نفوس کے لئے ہیں (لمعات مختصر) اگر کسی کو جھوٹ سے اطمینان ہو اور گناہ سے خوشی ہو' نیکیوں سے دل گھبرائے' تو وہ دل کی آواز نہیں بلکہ نفس امارہ کی شرارت ہے' نفس اگر دل پر غالب آجائے تو بہت پریشان کرتا ہے' اور اگر دل نفس پر غالب ہو تو سبحان اللہ' یہ ہی حال عقل کا ہے۔

عقل زیر حکم دل یزدانی است　　　جوز دل آزاد شد شیطانی است

اللہ تعالیٰ دل کو نفس وعقل پر غالب رکھے آمین۔

وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاوَابِصَةُ جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَجَمَعَ اَصَابِعَهُ فَضَرَبَ بِهَا صَدْرَهُ وَقَالَ اسْتَفْتِ نَفْسَكَ اسْتَفْتِ قَلْبَكَ ثَلٰثًا اَلْبِرُّ مَااطْمَاَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَاَنَّ اِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۶۵۴) روایت ہے حضرت وابصہ ابن معبد سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے وابصہ تم نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھنے آئے ہوئے ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں۱؎ فرماتے ہیں کہ حضور انور نے اپنی انگلیاں جمع کر کے ان کے سینہ پر لگائیں اور تین بار فرمایا اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو۲؎ نیکی وہ ہے جس پر طبیعت جمے اور جس پر دل مطمئن ہو۔۳؎ اور گناہ وہ ہے جو طبیعت میں چبھے اور دل میں کھٹکے' اگرچہ لوگ اس کا فتویٰ دے دیں۴؎ (احمد دارمی)

(۲۶۵۴)۱؎ یہ غیبی خبر ہے کہ حضرت وابصہ جو سوال دل میں لے کر آئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بغیر عرض کئے ہوئے ارشاد فرمادیا' معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دلوں کے حال پر مطلع فرمایا ہے' کیوں نہ ہو انہیں تو پتھروں کے دلوں میں اطلاع ہے کہ فرماتے ہیں احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے۔ شعر:۔

اے کہ ذات پاک تو صبح دھور　　　چشم تو بینندہ مافی الصدور

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وابصہ کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر ان کے قلب کو فیض دیا جس سے ان کا نفس بجائے امارہ کے مطمئنہ ہوگیا' اور دل خطرات شیطانی' وسوسوں سے پاک صاف ہوگیا' صوفیاء کرام جو مریدوں کے سینے پر ہاتھ مار کر یا توجہ ڈال کر انہیں فیض

دیتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث بھی ہے۳؎ یعنی آج سے اے وابصہ گناہ اور نیکی کی پہچان یہ ہے کہ جس پر تمہارا دل ونفس مطمئنہ جمے وہ نیکی ہوگی اور جسے تمہارا دل ونفس مطمئنہ قبول نہ کرے، وہ گناہ ہوگا' یہ حکم حضرت وابصہ کے لیے آج سے ہوگیا' یہ حضور کے ہاتھ شریف کا اثر ہوا' ہم جیسے لوگوں کو یہ حکم نہیں' یہاں مرقات نے فرمایا کہ غیر مجتہد یعنی مقلد تو اپنے امام سے فتویٰ لے اور مجتہد اپنے دل سے ۴؎ یعنی عام لوگوں کے فتویٰ کا تم اعتبار نہ کرنا کیونکہ ان کے دلوں پر ہمارا ہاتھ نہیں پہنچا' اپنے دل ونفس کا فتویٰ قبول کرنا کہ تمہارے دل کا فتویٰ ہمارا فیصلہ ہوگا کہ ہمارا ہاتھ تمہارے دل پر ہے شعر:۔

دل کرو ٹھنڈا مرا دو کف پا چاند سا سینہ پر رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود
آنکھ عطا کیجئے اس میں جلا دیجئے جلوہ قریب آ گیا تم پہ کروڑوں درود

خیال رہے کہ فتویٰ فتوٌّ سے بنا بمعنی پیش آنا' حادث ہونا' یا قوت' چونکہ شرعی مسئلہ حادثات کے پیش آنے پر معلوم کیا جاتا ہے اور عالم کے حکم حاصل ہو جانے سے سائل کو قوت حاصل ہو جاتی ہے' اس لئے مسئلہ شرعی کو فتویٰ کہا جاتا ہے۔

وَعَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَاْسَ بِهٖ حَذَرًا لِّمَابِهٖ بَاْسٌ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۶۵۵) روایت ہے حضرت عطیہ سعدی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ پرہیزگاروں میں سے ہونے کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا حتیٰ کہ مضائقہ والی چیزوں سے ڈرتے ہوئے غیر مضائقہ والی چیزوں کو چھوڑ دے ۱؎ (ترمذی' ابن ماجہ)

(۲۶۵۵) ۱؎ یہ فرمان عالی بہت جامع ہے جس میں صدہا احکام آ گئے' حرام سے بچنے کے لئے مکروہات سے پرہیز کرو گناہوں سے بچنے کے لئے مشکوک ومشتبہ چیزوں سے پرہیز کرو' برے لوگوں سے بچنے کے لئے مشتبہ لوگوں سے الگ رہو' شعر:۔

نگہ دارد آں شوخ در کیسہ در کہ داند ہمہ خلق را کیسہ برد

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْخَمْرِ عَشْرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَاٰكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِىَ لَهَا وَالْمُشْتَرٰى لَهٗ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنِ مَاجَةَ)

(۲۶۵۶) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس شخصوں پر لعنت فرمائی ۱؎ اس کے نچوڑنے والے' نچوڑوانے والے ۲؎ پینے والے' اٹھانے والے پر اور اس پر جس کی طرف پہنچائی جائے پلانے والے پر' بیچنے والے پر' اس کی قیمت کھانے والے پر' خریدنے والے پر اور جس کے لئے خریدی جائے' اس پر ۳؎ (ترمذی' ابن ماجہ)

(۲۶۵۶) ۱؎ اگرچہ یہ دسوں گناہ میں مختلف ہیں مگر لعنت کے مستحق سب ہی ہیں' خیال رہے کہ اجمالاً گنہگار پر بھی لعنت کرنا جائز ہے' جیسے کہا جائے کہ جھوٹوں پر لعنت مگر نام لے کر لعنت صرف کفار پر جائز ہے' کسی گنہگار مسلمان پر جائز نہیں' اور بعد مرے صرف اس کافر پر لعنت جائز ہے جس کا کفر پر مرنا یقین سے معلوم ہو' صرف لعان میں خاوند و بیوی اپنے پر لعنت کرتے ہیں' کہ اگر میں نے جھوٹ کہا ہو تو مجھ پر لعنت ہے ۲؎ یعنی اپنے لئے انگور وغیرہ نچوڑ کر شراب بنائے تب بھی لعنت اور اگر دوسرے کے لئے بنائے تب بھی لعنت بنانے والے پر بھی اور بنوانے والے پر بھی ۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے جیسے نیکی پر مدد کرنا نیکی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى

الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۲:۵) اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (کنز الایمان)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۶۵۷) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ لعنت کرے شراب پر[۱] اس کے پینے والے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے اور خریدار پر نچوڑنے والے اور نچوڑوانے والے اٹھانے والے پر اور جس تک پہنچائی جائے اس پر[۲] (ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۲۶۵۷)[۱] شراب پر لعنت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے رب نے تمام خوبیوں سے خالی کر دیا اور اس میں ہر عیب بھر دیا اسی لئے اس کا نام ام الخبائث یعنی گناہوں کی اصل و جڑ ہے کہ نشہ میں انسان سارے گناہ کر لیتا ہے۔[۲] یہ کلمہ عام ہے خواہ پینے والے تک پہنچائی جائے یا دکاندار تک یا امانت دار تک یعنی شراب پہنچانے کی مزدوری کرنے والا شراب کو بطور امانت رکھنے والا بیچنے والا سب ہی لعنت کے مستحق ہیں۔

وَعَنْ مُحَيِّصَةَ اَنَّهٗ اسْتَاْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اُجْرَةِ الْحَجَّامِ فَنَهَاهُ فَلَمْ يَزَلْ يَسْتَاْذِنُهٗ حَتّٰى قَالَ اَعْلِفْهُ نَاضِحَكَ وَاَطْعِمْهُ رَقِيْقَكَ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۶۵۸) روایت ہے حضرت محیصہ[۱] سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھنے لگانے والے کی مزدوری کی اجازت مانگی[۲] تو آپ نے انہیں منع فرما دیا۔ وہ اجازت مانگتے ہی رہے۔[۳] تب فرمایا کہ وہ اپنی اونٹنی کو چرا دو اور اپنے غلام کو کھلا دو۔[۴] (مالک، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۲۶۵۸)[۱] آپ کا نام محیصہ ابن مسعود انصاری ہے، حویصہ کے بھائی ہیں، غزوہ خندق اور بعد والے غزوات میں شریک رہے، آپ کے اسلام کا عجیب واقعہ ہے جو اس جگہ اشعۃ اللمعات وغیرہ میں مذکور ہے[۲] حضرت محیصہ خود یہ کام نہ کرتے تھے، غالب یہ ہے کہ ان کا غلام کرتا ہوگا جس کا خراج یہ لیتے ہوں گے، اس لیے مسئلہ پوچھا کہ آیا اس میرے غلام کو اجرت لینا اور مجھے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ غلام کا مال اپنا مال ہوتا ہے، اس لئے یہ حکم ہوا، ورنہ اگر کسی کی آمدنی کا ذریعہ غیر درست ہو تو اس کے ہاتھ ہم چیز فروخت کر سکتے ہیں، اس سے کرایہ مکان وغیرہ لے سکتے ہیں جبکہ وہ اس روپے کا مالک ہو گیا ہو، سود، شراب کی قیمت جوئے کی آمدنی کا حکم اور ہے، ناجائز پیشوں کی آمدنی کا حکم دوسرا[۳] حضرت محیصہ یا تو یہ سمجھ گئے تھے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے، میرے بار بار دریافت کرنے سے ممکن ہے کہ یہ بھی جاتی رہے، یا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باذن پروردگار مالک احکام شرعیہ ہیں، اس لئے بار بار عرض کرتے رہے، ورنہ حضور کے منع فرما دینے کے بعد پھر پوچھتے رہنا اور اصرار کرنا ممانعت فرمان کی وجہ سے نہ تھا، رب تعالیٰ فرماتا ہے: مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (۳۳:۳۶) اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے (کنز الایمان) جیسے حضرت عباس نے فرمان عالی سن کر عرض کیا تھا کہ حضور اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت دے دیں، اور حرم شریف کے حکم سے اسے مستثنیٰ فرما دیں، بہرحال اس حدیث سے روافض کا اعتراض نہیں پڑ سکتا، اور صحابہ کرام کی سرتابی

ثابت نہیں ہوسکتی۔۲؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی ہے ورنہ آزاد غلام میں فرق نہ ہوتا یعنی آزاد لوگوں کو ایسے ادنی و خسیس پیشے کی کمائی کھانا اچھا نہیں معلوم ہوتا اس لئے تم خود تو وہ کمائی نہ کھاؤ تمہاری شان کے لائق نہیں' البتہ اپنے غلاموں یا جانوروں کو کھلا دو کہ ان کا وہ احترام نہیں جو آزاد مسلمانوں کا ہے' پھر یہ بھی گزر چکا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد کی اجرت ایک غلام کو عطا فرمائی' وہ عمل شریف بیان جواز کے لیے تھا اور یہ فرمان عالی بیان کراہت کے لئے ہے' لہٰذا دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الزَّمَّارَةِ ۔ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۲۶۵۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور گانے بجانے کی کمائی سے ۱؎ (شرح سنہ)

(۲۶۵۹) ۱؎ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ زمارہ ہے' پہلے ز نقطے والی' بعد میں ر بغیر نقطے کی' زمر سے مشتق ہے بمعنی گانا اراز لہرانا' اسی لئے باجہ کو زمار کہتے ہیں جمع مزامیر یعنی حضور انور نے گانے بجانے کی اجرت لینے اور دینے سے منع فرمایا' اس سے مراد ناجائز گانے ہیں جیسے رنڈیوں کنجریوں کے گیت نعت خوانوں کو اجرت یا ہدیہ دیا جائے وہ اس حکم سے خارج ہیں' کتے کی قیمت کی تحقیق پہلے کی جا چکی ہے کہ اس کی حرمت منسوخ ہے یا اس سے دیوانہ یا بیکار کتا مراد ہے جو مال نہیں' جیسے گندا انڈا' گانے کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ حرام گانے اور باجوں کی اجرت حرام ہے' جائز کی جائز' شادی بیاہ میں دف بجانے کی اجرت جائز ہے' کہ یہ دف جائز ہے کھیل کود کے باجوں کی اجرت ناجائز ہے کہ یہ باجے ناجائز ہیں' طبل غازی' دف شادی' اعلان چاند اعلان افطار وغیرہ کے نقارے تمام جائز ہیں' نعت خواں' بعض صورتوں میں خاص صوفیاء کے لیے خاص قوالی جائز ہے' اس کی اجرت جائز' آج کل عموماً قوالیاں حرام ہیں' جائز و ناجائز قوالی کی بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھئے' اور شامی باب الکراہیت میں مطالعہ فرمایئے' نیز تفسیر احمدی وغیرہ میں ملاحظہ کیجئے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيْعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوْهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ وَفِیْ مِثْلِ هٰذَا اُنْزِلَتْ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَلِیُّ بْنُ يَزِيْدَ الرَّاوِیْ يُضَعَّفُ فِی الْحَدِيْثِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرٍ نَهٰى عَنْ اَكْلِ الْهِرِّ فِیْ بَابِ مَا يَحِلُّ اَكْلُهٗ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ۔

(۲۶۶۰) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رنڈیوں کو نہ بیچو نہ خریدو ۱؎ اور نہ انہیں یہ سکھاؤ ۲؎ اور ان کی قیمت حرام ہے ۳؎ اور اس جیسی صورتوں کے متعلق یہ آیت اتری ہے کہ بعض لوگ کھیل کود کی باتیں خریدتے ہیں ۴؎ (احمد' ترمذی' ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے' اور علی ابن یزید راوی' حدیث میں ضعیف مانے گئے ہیں ۵؎ اور ہم حضرت جابر کی یہ حدیث کہ بلی کھانے سے منع فرمایا۔ ما یحل اکلہ کے باب میں انشاءاللہ ذکر کریں گے۔

(۲۶۶۰) ۱؎ یعنی گانے بجانے کا پیشہ کرنے والی لونڈیوں کو نچانے اور گانے کے لئے نہ خریدو نہ فروخت کرو' اگر یہ نیت نہ ہو بلکہ ان سے دوسری خدمت لینے کا ارادہ ہو تو ان کا خریدنا جائز بلکہ بہتر ہے کہ وہ اس ذریعہ سے توبہ کرلیں گے ۲؎ یعنی لونڈیوں کو گانے بجانے کی تعلیم دینا حرام ہے' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنی لڑکیوں کو کالجوں وسکولوں میں گانے کی تعلیم دلواتے ہیں' رب تعالٰی اس زمانہ کی شر سے مسلمانوں کو بچائے' یہ گانے زنا کے پیش خیمے ہیں' جیسے زنا حرام ہے تو اس کے اسباب بھی حرام ہیں ۳؎ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی اس

سے مراد قیمت کی کراہیت ہے جبکہ اسے گانے بجانے کیلئے فروخت کیا ہو'اس کے ہاتھ جوان سے یہ پیشہ کرائے' جیسے شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور کی بیع کو بعض علماء منع کرتے ہیں کہ یہ گناہ پر امداد ہے ورنہ گانے والی کی نہ قیمت حرام ہے نہ ان کی بیع (مرقات) ۴؎ یہ آیت کریمہ نضر ابن حارث کے متعلق نازل ہوئی' جو گانے والی لونڈیاں اور عجمی قصے کہانیوں کے ناول خرید کر مسلمانوں میں رائج کرنا چاہتا تھا کہ مسلمان ان گانوں اور قصوں میں پھنس کر اسلامی تعلیم سے یکسر علیحدہ ہو جائیں' اور کہتا تھا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہیں عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں میں تمہیں رستم واسفند یار کی کہانیاں سناتا ہوں' لہو الحدیث میں اضافہ من تبعیضیہ کی ہے' یا من تبعیضیہ کی حدیث سے مراد بات ہے تو من تبعیضیہ ہے' اور اگر مطلقاً کلام یا کام ہے تو من تبیینیہ ہے' جو کام یا کلام نفع سے خالی ہو یعنی عبث و بیکار ہو یا مضر ہو یا دین سے روکے' وہ سب لہو ہے' گانا بجانا لغو قصے کہانیاں' نماز کے وقت تجارت میں مشغولیت سب کچھ لہو ہے۔ ۵؎ ائمہ حدیث نے جیسے امام احمد' یحییٰ ابوزرعہ' نسائی وغیرہ نے علی ابن یزید کو ضعیف فرمایا۔ شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حرمت غنا یعنی گانے بجانے کی حرمت میں کئی احادیث ضعیف ہیں' اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ملی' فقیر کہتا ہے کہ اگر اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہ ملے جب بھی قرآن کریم کی آیت کافی ہے' نیز احادیث ضعیفہ متعدد ہو کر حسن بن جاتی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۲۶۶۱) روایت ہے حضرت عبد اللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال کمائی کی تلاش ۱؎ ایک فرض کے بعد دوسرا فرض ہے ۲؎ (بیہقی شعب الایمان)

(۲۶۶۱) ۱؎ کسب بمعنی مکتسب ہے یعنی پیشہ اور حلال حرام کا مقابل بھی ہے' اور مشتبہات کا بھی کیونکہ حرام کمائی کی تلاش حرام ہے اور مشتبہ کی مکروہ (مرقات) تلاش سے مراد جستجو کرنا اور حاصل کرنا ہے ۲؎ یعنی عبادات فرضیہ کے بعد یہ فرض ہے کہ اس پر بہت سے فرائض موقوف ہیں۔ خیال رہے کہ یہ حکم سب کے لیے نہیں' صرف ان کے لئے ہے جن کا خرچ دوسروں کے ذمہ نہ ہو بلکہ اپنے ذمہ ہو' اور اس کے پاس مال بھی نہ ہو' ورنہ خود مالدار پر اور چھوٹے بچوں پر فرض نہیں' یہ خیال رہے کہ بقدر ضرورت معاش کی طلب ضروری ہے' صرف اکیلے کو اپنے لائق' بال بچوں والے کو ان کے لائق کمانا ضروری ہے بعد الفریضۃ فرمانے سے معلوم ہوا کہ کمائی کی فرضیت نماز روزے کی فرضیت کے مثل نہیں کہ اس کا منکر کافر ہو' اور تارک فاسق۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ اُجْرَةِ كِتَابَةِ الْمُصْحَفِ فَقَالَ لَا بَاْسَ اِنَّمَا هُمْ مُصَوِّرُوْنَ وَاِنَّهُمْ اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ مِنْ عَمَلِ اَيْدِيْهِمْ ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

(۲۶۶۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ سے قرآن مجید لکھنے کی اجرت کے متعلق پوچھا گیا ۱؎ تو فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ لوگ تو نقش باندھنے والے ہیں' اور اپنے ہاتھ کے کام سے کھاتے ہیں ۲؎ (رزین)

(۲۶۶۲) ۱؎ سائل کو شبہ یہ تھا کہ رب فرماتا ہے: لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (۲:۴۱) اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو (کنز الایمان) میری آیتوں کو تھوڑی قیمت کے عوض نہ بیچو' اور کاتب قرآن اس کی کتابت کو قیمت پر فروخت کرتا ہے تو بھی گنہگار ہونا چاہیے

کہ نقوش قرآن، قرآن ہی میں شمار ہو جاتے ہیں۔ ۲؎ خلاصہ جواب یہ ہے کہ آیت لَا تَشْتَرُوْا الخ میں ان پادریوں سے خطاب ہے جو روپیہ لے کر احکام الٰہی بدل دیتے تھے یا چھپا لیتے تھے، کتابت قرآن کرنے والا تو دین کی خدمت کرتا ہے، کہ اس کے ذریعہ قرآن کا بقا ہے اور قرآن کے بقاء سے دین کا بقاء اس سے معلوم ہوا کہ قرآن چھاپ کر فروخت کرنا، قرآن مجید کی جلد سازی پر اجرت لینا، تعویذ لکھنے پر اجرت اگرچہ اس میں آیات قرآنیہ ہی لکھی جائیں سب جائز ہیں، ایسے ہی فتویٰ لکھنے کی اجرت، امامت، اذان، کہیں جا کر وقت مقررہ پر وعظ کہنے کی اجرت لینا دینا سب جائز ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ (۲۸۲،۲) اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے نہ گواہ کو (کنزالایمان) اس کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی جلد سوم میں دیکھیے۔

وَعَنْ رَّافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الْكَسْبِ اَطْيَبُ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ بَيْعٍ مَّبْرُوْرٍ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۶۶۳) روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون کسب بہت پاکیزہ ہے فرمایا انسان کی اپنے ہاتھ کی دستکاری اور ہر سچی تجارت ۱؎ (احمد)

(۲۶۶۳) ۱؎ دستکاری میں کھیتی باڑی کتابت اور دوسری حلال صنعتیں داخل ہیں اور سچی تجارت سے ہر حلال و صحیح تجارت مراد ہے، فاسد، باطل، مکروہ تجارتیں اس سے خارج ہیں، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس قسم کی احادیث میں یــد یعنی ہاتھ سے مراد پوری ذات ہوتی ہے لہٰذا پاؤں سے چل پھر کر آنکھ سے دیکھ کر دماغ سے سوچ کر جو کمائیاں کی جائیں وہ بھی حلال ہیں۔ طبابت، وکالت، قضاء وغیرہ بھی ہاتھ کی ہی کمائیاں ہیں۔

وَعَنْ اَبِىْ بَكْرِ بْنِ اَبِىْ مَرْيَمَ قَالَ كَانَتْ لِمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ جَارِيَةٌ تَبِيْعُ اللَّبَنَ وَيَقْبِضُ الْمِقْدَامُ ثَمَنَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ سُبْحَانَ اللّٰهِ اَتَبِيْعُ اللَّبَنَ وَتَقْبِضُ الثَّمَنَ فَقَالَ نَعَمْ وَمَابَاْسٌ بِذٰلِكَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَاْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيْهِ اِلَّا الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۶۶۴) روایت ہے حضرت ابوبکر ابن ابی مریم سے فرماتے ہیں کہ حضرت مقداد ابن معدیکرب کی ایک لونڈی تھی ۱؎ جو دودھ بیچتی تھی اور حضرت مقدام اس کی قیمت لیتے تھے ان سے کہا گیا سبحان اللہ آپ دودھ بیچتے ہیں اور اس کی قیمت پر قبضہ کرتے ہیں ۲؎ فرمایا ہاں اس میں کوئی مضائقہ نہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں پر ایک وہ زمانہ آئے گا جس میں صرف روپیہ پیسہ ہی نفع دے گا ۳؎ (احمد)

(۲۶۶۴) ۱؎ یہ ابوبکر تابعی ہیں، ان کا ذکر مصنف نے اکمال میں نہیں کیا اور حضرت مقداد مشہور صحابی ہیں۔ لونڈی سے مراد مملوکہ لونڈی ہے جسے آپ نے خرید و فروخت کی اجازت دی تھی۔ اس قسم کے غلام کو فقہاء عبد ماذون کہتے ہیں ۲؎ شاید اس زمانہ میں اہل عرب دودھ کی تجارت کو ناپسند کرتے تھے، جیسے آج کل پنجاب میں بھی ذی حیثیت لوگ دودھ بیچنے کو ناپسند کرتے ہیں، گھی فروخت کرتے ہیں، یا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ جیسے عظمت والے لوگوں کو چاہیے کہ دودھ مفت دیا کریں، کیونکہ اس میں خیر کثیر ہے اس پر قیمت کیسی؟ ۳؎ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس کاروبار سے اللہ رسول منع نہ فرمائیں وہ حلال ہے، عرف یا خیالات سے کوئی شے حرام نہیں ہو جاتی، اور اب زمانہ ایسا آ گیا کہ کمال نہیں دیکھا جاتا، مال کی قدر ہوتی ہے مالدار عالم کی تبلیغ و وعظ موثر ہے، تو ہمیں چاہیے کہ مال کما کر کمال پھیلائیں، اللہ اکبر! جب زمانہ صحابہ میں یہ حال ہو چکا تھا تو اس زمانہ کا کیا پوچھنا، اب تو مبلغین علماء کے لئے فقیری زہر قاتل ہے، مالدار عالم کا وعظ بھی موثر ہوتا ہے، علماء کو چاہیے کہ فقیری و ناداری

سے بچیں' حلال ذریعوں سے مال ضرور حاصل کریں' مرقات نے فرمایا کہ علماء سلف فرماتے تھے خوب تجارتیں اور کمائیاں کرو کیونکہ تم ایسے زمانہ میں ہو جبکہ حاجت مند پہلے اپنے دین کو ہی کھا جاتا ہے' ایک بار حضرت سفیان ثوری کچھ اشرفیاں اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اگر میرے پاس یہ مال نہ ہوتا تو بنی عباس مجھے رومال بنالیتے کہ مجھ سے اپنے میل پونچھا کرتے۔

وَعَنْ نَّافِعٍ قَالَ كُنْتُ اُجَهِّزُ اِلَى الشَّامِ وَاِلٰى مِصْرَ فَجَهَّزْتُ اِلَى الْعِرَاقِ فَاَتَيْتُ اِلٰى اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَآئِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ كُنْتُ اُجَهِّزُ اِلَى الشَّامِ فَجَهَّزْتُ اِلَى الْعِرَاقِ فَقَالَتْ لَا تَفْعَلْ مَالَكَ وَلِمُتَّجِرِكَ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا سَبَّبَ اللّٰهُ لِاَحَدِكُمْ رِزْقًا مِّنْ وَجْهٍ فَلَا يَدَعْهُ حَتّٰى يَتَغَيَّرَ لَهٗ اَوْ يَتَنَكَّرَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۶۶۵) روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں میں مصروشام کی طرف سامان تجارت بھیجا کرتا تھا ایک بار عراق کی طرف مال بھیجنے لگا۔ تو ام المومنین عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا اے مسلمانوں کی مہربان ماں میں شام کی طرف مال بھیجا کرتا تھا' اس دفعہ عراق بھیج رہا ہوں ۱؎ فرمایا یہ نہ کرو تمہیں اپنی پرانی منڈی سے نفرت کیوں ہوگئی ۲؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب اللہ تم میں سے کسی کے لیے کسی ذریعہ سے رزق کا سبب بنادے تو وہ اسے نہ چھوڑے حتی کہ سبب بدل جائے یا بگڑ جائے ۳؎ (احمد' ابن ماجہ)

(۲۶۶۵) ۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی کاروبار میں بزرگوں سے مشورہ کرنا سنت صحابہ ہے' اس سے تجارت میں بزرگوں کا فیض بھی شامل ہو جاتا ہے' یہ نافع حضرت عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں' بڑے محدث ہیں تابعی ہیں' حضرت ابن عمر کی وفات کے بعد بہت شاندار تجارت کرتے تھے ۲؎ یعنی جب تمہیں مصروشام سے نفع بھی حاصل ہو رہا ہے' اور تمہاری تجارت بھی وہاں چمک رہی ہے' تو تم وہاں سے متنفر کیوں ہوئے جاتے ہو۔ ۳؎ شارحین فرماتے ہیں تغیر سے مراد بیوپار میں نفع نہ ہونا ہے' اور یتنکر یعنی بگڑنے سے مراد گھاٹا اور نقصان ہونا ہے' یا تو یہ دونوں کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں یا ام المومنین کو روایت میں شک ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتغیر فرمایا یا یتنکر مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ذریعہ آمدنی کو بلاوجہ بند نہ کرے کہ اس میں رب تعالٰی کی ناشکری ہے' بلکہ اس کی نعمت کا ٹھکرانا ہے' لگی نوکری' بندھا کاروبار بلاوجہ مت چھوڑو' اعلٰی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں' جو شخص بلاوجہ پچاس روپیہ ماہوار کی نوکری چھوڑ دے گا' تو ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ پندرہ روپے کی نوکری تلاش کرے گا پر نہ ملے گی ہاں اگر قدرتی طور پر بند ہو جائے تو پروا نہ کرے' کہ اس صورت میں رب تعالٰی اس سے بہتر دروازہ کھول دے گا' یہ حدیث بہت مجرب ہے' جس کا خود فقیر نے بار ہا تجربہ کیا' صوفیاء فرماتے ہیں ع یک در گیرم محکم گیر۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ لِاَبِىْ بَكْرٍ غُلَامٌ يُّخْرِجُ لَهُ الْخَرَاجَ فَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ يَاْكُلُ مِنْ خَرَاجِهٖ فَجَآءَ يَوْمًا بِشَىْءٍ فَاَكَلَ مِنْهُ اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ تَدْرِىْ مَاهٰذَا فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ وَّمَا هُوَ قَالَ كُنْتُ تَكَهَّنْتُ لِاِنْسَانٍ فِى الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا اُحْسِنُ الْكِهَانَةَ اِلَّا اَنِّىْ خَدَعْتُهٗ فَلَقِيَنِىْ فَاَعْطَانِىْ بِذٰلِكَ فَهٰذَا الَّذِىْ

(۲۶۶۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیق کا ایک غلام تھا جو انہیں آمدنی دیتا تھا ۱؎ تو صدیق اکبر اس کی آمدنی کھاتے تھے۔ وہ ایک دن کوئی چیز لایا جس میں سے ابوبکر صدیق نے کچھ کھالیا ۲؎ تب غلام نے عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں جو یہ کیا ہے ابوبکر صدیق نے فرمایا کیا ہے وہ بولا میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کی فال کھولی تھی۔ اور میں فال جانتا تھا نہیں میں نے تو

اَكَلْتَ مِنْهُ قَالَتْ فَاَدْخَلَ اَبُوْبَكْرٍ يَدَهٗ فَقَآءَ كُلَّ شَيْءٍ فِيْ بَطْنِهٖ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اسے دھوکہ دیا تھا۔ وہ آج مجھے ملا اور مجھے اس کے عوض یہ دی یہ وہی ہے جو آپ نے کھائی[۳] فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیق نے ہاتھ ڈالا اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب قے کردیا[۴] (بخاری)

(۲۶۶۶)[۱] اہل عرب اپنے غلاموں کو کاروبار کی اجازت دے دیتے تھے اور ماہوار یا روزانہ کچھ پیسے مقرر کردیتے تھے جو غلام مولیٰ کو ادا کرتا رہتا تھا' خواہ وہ کمائی کرتا یا نہ کرتا' زیادہ کرتا یا کم' جیسا کہ آج کل لوگ تانگہ وگاڑیاں ٹھیکے پر دے دیتے ہیں' اسے خراج کہتے تھے یہاں اسی کا ذکر ہے[۲] اور غلام سے پوچھا نہیں کہ کہاں سے لایا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ ہی لاتا تھا اور آپ کھاتے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کی تحقیق ضروری نہیں' جس چیز کی حلت کا گمان غالب ہو اسے کھالے صحابہ کرام جنگوں میں کفار کے مال واسباب بلکہ پہنے ہوئے کپڑوں پر قبضہ کرلیتے تھے اور ان کی تحقیق نہ فرماتے تھے' یہ عمل خلاف تقویٰ نہیں[۳] خلاصہ یہ ہے کہ یہ مٹھائی دوطرح سے حرام تھی' ایک یہ کہ کہانت یعنی فال کھولنے کی اجرت ہے' اور فال کھولنا بھی حرام ہے' اس کی اجرت بھی حرام' دوسرے یہ کہ دھوکہ کی شیرینی ہے' جیسے کوئی غیر طبیب کسی کو دھوکا دے کر طبیب بنے' اس کی اجرت لے' یہ حرام ہے' غالب یہ ہے کہ غلام نے دیدہ دانستہ یہاں جرم کی نیت نہ کی تھی بلکہ اسے دھوکا یہ لگا کہ میں نے یہ کہانت اسلام سے پہلے کی تھی جب مجھ پر احکام شرعی جاری نہ تھے' کیونکہ یہ اسی کا معاوضہ ہے اس لئے حلال ہے' اب مسلمان ہوکر نہ کہانت کروں گا نہ اجرت لوں گا' اسی خیال پر اس نے جناب صدیق اکبر کو پہلے بتایا بھی نہیں' کھلا دینے کے بعد اسے کچھ خیال آیا' مسئلہ پوچھنے کے لیے یہ عرض کیا' لہذا نہ تو غلام پر یہ اعتراض ہے کہ اس نے یہ شیرینی لی کیوں اور حضرت صدیق کو دھوکہ دیا کیوں' اور نہ جناب صدیق پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ آپ نے بغیر تحقیق کھا کیوں لی[۴] یہ حضرت صدیق اکبر کا انتہائی تقویٰ ہے کہ جو شے واقعی حرام تھی اور بے علمی میں کھالی گئی اسے قے کے ذریعہ پیٹ سے نکال دیا' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو جناب صدیق کی خلافت کو غلط اور آپ کو خائن وغاصب کہتے ہیں جو ہستی ناجائز مٹھائی اپنے پیٹ میں نہ رہنے دے' وہ ناجائز طور پر خلافت پر کیوں کر قابض ہوسکتا ہے' اس حدیث کی بنا پر بعض شوافع فرماتے ہیں کہ جو بے خبری میں بھی ناجائز چیز کھالے وہ قے کردے' مگر ہمارے ہاں یہ خصوصی تقویٰ تھا نہ کہ عمومی تقویٰ (ازمرقات) حرام چیز کھانا حرام ہے' قے کرنا واجب نہیں' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرام بعینہٖ قبضہ کے بعد بھی ملکیت میں نہیں آتا اور نہ وہاں تبدل ملک کے احکام جاری ہوں۔

وَعَنْ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۲۶۶۷) روایت ہے حضرت ابوبکر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں وہ جسم نہ جائے گا جو حرام سے غذا دیا گیا[۱] (بیہقی' شعب الایمان)

(۲۶۶۷)[۱] غذا سے کھانے پینے کی تمام چیزیں مراد ہیں اور جنت کے داخلے سے پہلا داخلہ یا وہاں کے اعلیٰ مقام میں داخلہ مراد ہے' ورنہ مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہو آخر کار جنت میں جائے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيْهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ صَلٰوةً مَادَامَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ

(۲۶۶۸) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں جو کوئی کپڑا دس درہم سے خریدے اور ان میں ایک درہم حرام ہو تو جب تک وہ کپڑا اس پر رہے گا اللہ اس کی کوئی نماز قبول نہ کرے گا[۱] پھر آپ

وَقَالَ صُمَّتَا اِنْ لَّمْ یَکُنِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُہٗ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَقَالَ اِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ ۔

نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں اور فرمایا یہ بہرے ہو جائیں اگر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنا ہو۲ (احمد' بیہقی' شعب الایمان) اور فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے۔

(۲۶۶۸) ۱؎ اور اس کا پورا ثواب نہ دے گا اگرچہ شرعًا اس کی نماز درست ہوگی' رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (۵'۲۷) اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے (کنزالایمان) صحت عبادت کا دارومدار شرائط جواز پر ہے اور قبولیت تقوٰی پر موقوف ہے تقوٰی صحت کی شرط نہیں' یہی اہلسنت کا مذہب ہے (مرقات) ۲؎ یعنی یہ میرا اپنا قول نہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے اور حدیث موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہے' ایسے موقع پر اپنے لئے بد دعا کرنا ایک طرح کی قسم ہے جس سے سامع کو یقین دلانا مقصود ہوتا ہے۔

بَابُ الْمُسَاھَلَةِ فِی الْمُعَامَلَةِ — باب معاملہ میں نرمی کرنا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

مساھلت سہل سے بنا بمعنی نرم زمین صعب کا مقابل' اصطلاح میں ہر نرم چیز کو مسہل کہہ دیتے ہیں' یہاں معاملات اور لین دین میں سختی نہ کرنا مراد ہے' معاملات سے مراد نکاح' تجارت' قرض' اجرت وغیرہ سارے کاروبار ہیں جن کا تعلق بندوں سے ہے' عبادات کا تعلق ربّ تعالٰی سے ہوتا ہے مسلمان کے معاملات بھی عبادت بن جاتے ہیں اگر نیت خیر ہو۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰہُ رَجُلاً سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰی وَاِذَا اقْتَضٰی ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۶۶۹) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اس شخص پر رحمتیں کرے جو نرم ہو جب بیچے اور خریدے اور جب تقاضا کرے ۱؎ (بخاری)

(۲۶۶۹) ۱؎ بیچنے میں نرمی یہ ہے کہ گاہک کو کم یا خراب چیز دینے کی کوشش نہ کرے اور خریدنے میں نرمی یہ ہے کہ قیمت کھری دے اور بخوبی ادا کرے' بیوپاری کو پریشان نہ کرے' تقاضے میں نرمی یہ ہے کہ جب اس کا کسی پر قرض ہو تو نرمی سے مانگے اور مجبور مقروض کو مہلت دیدے' اس پر تنگی نہ کرے' جس میں یہ تین صفتیں جمع ہوں' وہ اللہ کا مقبول بندہ ہے ربّ تعالٰی فرماتا ہے: وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ (۲'۲۸۰) اور اگر قرضدار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک (کنزالایمان) اگر مقروض تنگدست ہو تو اسے وسعت تک مہلت دے دو۔

وَعَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَجُلًا کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ اَتَاہُ الْمَلَکُ لِیَقْبِضَ رُوْحَہٗ فَقِیْلَ لَہٗ ھَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَیْرٍ قَالَ مَا اَعْلَمُ قِیْلَ لَہٗ اُنْظُرْ قَالَ مَا اَعْلَمُ شَیْئًا غَیْرَ اَنِّیْ کُنْتُ اُبَایِعُ النَّاسَ فِی الدُّنْیَا وَاُجَازِیْھِمْ فَاُنْظِرُ الْمُوْسِرَ

(۲۶۷۰) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اگلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس کے پاس اس کی روح قبض کرنے فرشتہ آیا تو اسے کہا گیا ۱؎ کہ کیا تو نے کوئی نیکی کی ہے' وہ بولا میں نہیں جانتا اس سے کہا گیا غور تو کر ۲؎ بولا اس کے سواء کچھ اور نہیں جانتا کہ میں دنیا میں لوگوں سے تجارت

وَاَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَاَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ نَحْوَهُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَّاَبِيْ مَسْعُوْدِنِ الْاَنْصَارِيِّ فَقَالَ اللّٰهُ اَنَا اَحَقُّ بِذَامِنْكَ تَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِيْ ۔

کرتا تھا۔ اوران پر تقاضا کرتا تھا تو امیر کو مہلت دے دیتا اور غریب کو معافی ۳؎ چنانچہ اللہ نے اسے جنت میں داخل فرما دیا ۴؎ (مسلم بخاری) اور مسلم کی روایت اسی طرح ہے عقبہ ابن عامر اور ابومسعود انصاری سے پھر ربّ نے فرمایا کہ میں اس مہربانی کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں میرے بندے سے درگزر کرو ۵؎

(۲۶۷۱)۱؎ ظاہر یہ ہے کہ سوال اس سے جانکنی کے وقت ہوا، یا قبر میں، اور سوال کرنے والے یا تو وہ فرشتے تھے جو جان نکالنے آئے تھے یا منکر نکیر جو حساب قبر لیتے ہیں اگرچہ قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے، اعمال کا حساب تو قیامت میں ہوگا مگر یہ اس شخص کی خصوصیات سے ہے کہ اس سے قبر ہی میں اعمال کا حساب بھی ہوگیا، بعض شارحین نے فرمایا قیل بمعنی یقال ہے اور یہ واقعہ سوال و جواب کا قیامت میں ہوگا مگر پہلی توجیہ قوی ہے (لمعات، اشعہ، مرقات) ۲؎ معلوم ہوا کہ مرتے وقت اور قبر میں حشر میں انسان کو اپنے برے بھلے اعمال یاد ہوں گے ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (۷۵، ۱۴، ۱۵) بلکہ آدمی خود ہی اپنے حال پر پوری نگاہ رکھتا ہے۔ (کنز الایمان) ۳؎ یعنی میرے معاملات بہت درست تھے ان میں اخلاق کو دخل تھا مگر امیر کو ادائے قرض میں دیر لگتی تھی تو میں صبر کرتا تھا، اس پر جلدی مانگ کر سختی نہ کرتا تھا، اور اگر میرا مقروض قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہوتا تو اسے بالکل معاف کردیتا تھا تاکہ وہ دنیا و آخرت میں پھنسا نہ رہے۔ ۴؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ جو بندوں پر مہربانی کرتا ہے، ربّ تعالیٰ اس پر کرم فرماتا ہے، کسی کو پھانسنے کی کوشش نہ کرو بلکہ پھنسے کو نکالنے کی کوشش کرو دوسرے یہ کہ معمولی نیکی کو بھی معمولی سمجھ کر چھوڑ نہ دو کبھی ایک قطرہ جان بچالیتا ہے ممکن ہے کہ چھوٹا عمل بخشش کا ذریعہ بن جائے اور کوئی معمولی گناہ چھوٹا سمجھ کر نہ لو، کبھی چھوٹی چنگاری سارا گھر جلا ڈالتی ہے۔ ۵؎ یعنی پھنسوں کو نکالنا، لوگوں پر رحم کرنا میری صفت ہے، جب تو اخلاقِ الٰہیہ سے موصوف ہوا تو میں بھی تجھے بخش دیتا ہوں۔ یہ ہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ تخلقوا باخلاق اللّٰہ اللہ تعالیٰ کی عادات اختیار کرو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان عبادات کے ساتھ معاملات بھی ٹھیک کرے۔

وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ فَاِنَّهٗ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۷۲) روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیوپار میں زیادہ قسم کھانے سے بچو ۱؎ کہ قسم مال تو بکوا دیتی ہے پھر برکت مٹادیتی ہے ۲؎ (مسلم)

(۲۶۷۲)۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں زیادہ قسم سے ممانعت ہے، تھوڑی قسموں کی اجازت ہے کہ تجارت میں کبھی قسم کھانی ہی پڑ جاتی ہے، بعض نے فرمایا کہ جھوٹی قسموں سے ممانعت ہے سچی قسم کی اجازت ہے، مگر ترجیح اسے ہے کہ مطلقاً قسم سے ممانعت ہے۔ کثرۃ کالفظ اتفاقی ہے، جیسے ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (۳، ۱۳۰) سود دونا دون نہ کھاؤ (کنز الایمان) مقصد یہ ہے کہ خرید و فروخت میں سچی قسمیں بھی نہ کھاؤ کہ کبھی جھوٹی قسم بھی منہ سے نکل جائے گی نزلہ سے بچو تاکہ بخار سے محفوظ رہو۔ ۲؎ ینفق ف کے شد اور کسرہ سے ہے ینفیق کا مضارع، اتفاق سے نہیں ہے تنفیق بمعنی ترویج ہے یعنی قسم سے لوگ دھوکہ کھا کر خرید لیتے ہیں اور مال چل پڑتا ہے، مگر آئندہ کو جھوٹے تاجر کا اعتبار نہیں رہتا، تجارت اعتبار پر چلتی ہے، افسوس کہ یہ سبق مسلمان تاجر بھول گئے، کفار خصوصاً انگریزوں نے یاد کرلیا، آج ان کی راست بازی ضرب المثل بن چکی ہے، اسی لئے وہ تجارت میں سب سے آگے ہیں

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْحَلَفُ مُنَفِّقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِّلْبَرَكَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۶۷۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قسم سامان بکوانے والی ہے برکت مٹانے والی ہے[۱] (مسلم بخاری)

(۲۶۷۳)[۱] ممکن ہے کہ یہاں الحلف میں الف لام عہدی ہو اور قسم سے مراد جھوٹی قسم ہو برکت سے مراد آئندہ کاروبار بند ہو جانا ہو یا کئے ہوئے بیوپار میں گھاٹا پڑ جانا یعنی اگر تم نے قسم کھا کر دھوکے سے خراب مال دے دیا وہ ایک بار تو دھوکہ کھا جائے گا مگر دوبارہ نہ آئے گا نہ کسی کو آنے دے گا، یا جو رقم تم نے اس سے حاصل کرلی اس میں برکت نہ ہوگی کہ حرام میں بے برکتی ہے، صفائی معاملات سیکھو۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلَفِ الْكَاذِبِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۷۴) روایت ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا تین شخص وہ ہیں جن سے اللہ تعالٰی قیامت کے دن نہ تو کلام کرے گا، نہ نظر رحمت اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا۔[۱] اور ان کیلئے دردناک عذاب ہیں ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ تو ٹوٹے اور خسارہ میں پڑ گئے یارسول اللہ وہ کون ہیں فرمایا تہبند لٹکانے والا احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم سے مال بیچنے والا۔[۲] (مسلم)

(۲۶۷۴)[۱] کلام سے مراد محبت کا کلام ہے، دیکھنے سے مراد کرم کا دیکھنا ہے اور پاک فرمانے سے مراد گناہ بخشنا ہے یعنی دوسرے مسلمانوں پر یہ تینوں کرم ہوں گے، مگر یہ تین قسم کے لوگ ان تینوں عنایتوں سے محروم رہیں گے۔ لہذا ان سے بچتے رہو۔[۲] یعنی جو فیشن کیلئے ٹخنوں سے نیچا پاجامہ تہبند استعمال کریں جیسے آج کل جاہل چودھریوں کا طریقہ ہے اور جو کسی کو کچھ صدقہ وخیرات دے کر ان کو طعنے دیں احسان جتائیں لوگوں میں انہیں بدنام کریں کہ فلاں آدمی ہمارا دست نگر رہ چکا ہے، اور جو جھوٹی قسم کھا کر دھوکہ دے کر مال فروخت کریں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَالدَّارَ قُطْنِیُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

(۲۶۷۵) روایت ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچا اور امانت دار بیوپاری[۱] پیغمبروں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔[۲] (ترمذی، دارمی، دارقطنی) اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۲۶۷۵)[۱] اس سے معلوم ہوا کہ دیگر پیشوں سے تجارت اعلٰی پیشہ ہے، پھر تجارت میں غلہ کی، پھر کپڑے کی، پھر عطر کی تجارت افضل ہے (مرقات) ضروریات زندگی اور ضروریات دینی کی تجارت دوسری تجارتوں سے بہتر ہے، پھر سچا تاجر مسلمان بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ اسے نبیوں، ولیوں کے ساتھ حشر نصیب ہوتا ہے۔[۲] مگر یہ ہمراہی ایسی ہوگی جیسے خدام کو آقا کے ساتھ ہمراہی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ

تاجر نبی بن جائے گا، اچھا تاجر تاجور ہے، برا تاجر فاجر ہے۔

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ غَرَزَةَ قَالَ كُنَّا نُسَمّٰى فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمَاسِرَةَ فَمَرَّبِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَّانَا بِاسْمٍ هُوَاَحْسَنُ مِنْهُ فَقَالَ يَامَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ فَشُوْبُوْهُ بِالصَّدَقَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

(۲۶۷۶) روایت ہے حضرت قیس ابن ابی غرزہ سے، فرماتے ہیں کہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم کو سوداگر کہا جاتا تھا ا ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے۔ اس سے بہتر ہمارا نام رکھا گیا۔۲ فرمایا اے تاجروں کے گروہ تجارت میں بے ہودگی اور جھوٹی قسمیں آجاتی ہیں لہٰذا اسے خیرات سے مخلوط کردو۔۳ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

(۲۶۷۶) ا سماسرہ سمسار کی جمع ہے، سمسار دلال کو کہتے ہیں جو تاجر اور خریدار کے درمیان سودا کراتا ہے، یعنی سوداگر مگر پھر مطلقًا تاجر کو سمسار کہنے لگے جیسے ہماری اُردو میں سوداگر دلال کا نام ہے یعنی سودا کرانے والا، مگر اب تاجر کو سوداگر کہتے ہیں، ۲ یعنی سمسار سے تاجر نام بہتر ہے کیونکہ قرآن شریف میں اس مشغلہ کو تجارت فرمایا گیا ہے نیز رب نے اپنے کو مسلمانوں کے جان و مال کا خریدار فرمایا، نیز تجارت کے معنی ہیں نفع پر مال الٹ پلٹ کرنے والا سمسار ظالم چونگی والوں کو بھی کہتے ہیں جو ظلم و رشوت میں مشہور ہیں۔ ۳ مقصد یہ ہے کہ تجارت میں کتنی ہی احتیاط کی جائے مگر پھر بھی کچھ لغو کچھ جھوٹ، جھوٹی قسم منہ سے نکل ہی جاتی ہے، اس لئے صدقہ و خیرات ضرور کرتے رہو کہ صدقے سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے، عموماً تاجر لوگ فقراء کو پیسہ پیسہ دیتے رہتے ہیں۔ خصوصاً جمعرات کو، اس عمل کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے ویسے بھی صدقہ اعلیٰ عبادت ہے۔

وَعَنْ عُبَيْدِبْنِ رُفَاعَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّجَّارُ يُحْشَرُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّوَصَدَقَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ الْبَرَآءِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ .

(۲۶۷۷) روایت ہے حضرت عبید ابن رفاعہ سے وہ اپنے والد سے راوی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قیامت کے دن بیوپاری، بدکار اٹھائے جائیں گے، بجز ان کے جو پرہیزگاری بھلائی کریں سچ بولیں۔ا (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت براء سے روایت کی ہے اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

(۲۶۷۷) ا پرہیزگاری سے مراد ہے گناہ کبیرہ سے خصوصاً گناہ کبیرہ کی عادت سے عموماً بچتے رہنا نیکی سے مراد ہے اپنے کاروبار کو دھوکہ خیانت سے محفوظ رکھنا۔ سچ سے مراد سودے کے متعلق صاف بات کرنا اگر عیب دار ہو تو اس کو بے عیب ثابت کرنے کی کوشش نہ کرنا (مرقات) مطلب یہ ہے کہ قیامت میں سارے تاجر فاسق و فاجر ہوں گے سواء ان کے جن میں یہ تین صفات ہوں، پرہیزگاری، بھلائی اور سچائی۔

بَابُ الْخِیَارِ — اختیار کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

اختیار خیر سے بنا بمعنی خیر و بھلائی کی طلب و تلاش، چننے اور پسند کرنے کو بھی اختیار کہا جاتا ہے، برگزیدن کے معنی میں' بیع میں ہمارے ہاں چار اختیار ہیں، خیار عقد، خیار رویت، خیار شرط، خیار عیب، مگر امام شافعی کے ہاں پانچواں اختیار اور بھی ہے، خیار مجلس، کہ ایجاب قبول کے بعد بھی جب تک فریقین جگہ سے ہٹ نہ جائیں انہیں خیار رہتا ہے کہ بیع کو رکھیں یا ختم کریں، جب ان میں سے کوئی جگہ سے ہٹ گیا یہ خیار ختم ہوگیا مگر ہمارے ہاں ایجاب قبول سے بیع مکمل ہو جاتی ہے کہ اب ان میں سے کسی کو فسخ کا حق نہیں رہتا۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے، خیار شرط کی مدت تین دن ہے، خیار عقد میں مجلس کا اعتبار ہے کہ ایجاب کے بعد جب تک دونوں اپنی جگہ بیٹھے رہیں دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا حق ہے، جب ان میں سے کوئی ہٹ گیا قبول کا اختیار جاتا رہا، خیار عیب میں شرط یہ ہے کہ عیب بائع کے ہاں کا ہو، خریدار کے ہاں پیدا نہ ہوا ہو اور اگر ایک عیب تو بائع کے ہاں تھا دوسرا خریدار کے ہاں پیدا ہوگیا، تو اب واپسی کا حق خریدار کو نہ ملے گا بلکہ چیز کی قیمت کم ہو جائے گی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلٰى صَاحِبِهٖ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ اِذَا تَبَايَعَ الْمُتَبَايِعَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِالْخِيَارِ مِنْ بَيْعِهٖ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا اَوْ يَكُوْنُ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَاِذَا كَانَ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَقَدْ وَجَبَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اَوْيَخْتَارَ اَوْفِي الْمُتَّفَقِّ عَلَيْهِ اَوْيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اخْتَرْ بَدَلَ اَوْيَخْتَارَا ۔

(۲۶۷۸) روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید و فروخت کرنیوالے دونوں میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی پر اختیار ہے[۱] جب تک وہ الگ نہ ہوں۔[۲] سواء خیار والی بیع کے[۳] (مسلم بخاری) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تاجر و خریدار تجارتی کاروبار کریں تو اس بیع میں ہر ایک مختار ہے جب تک جدا نہ ہوں[۴] یا ان کی بیع ہی اختیار کی ہو۔ جب بیع اختیار کی ہے تو اختیار لازم ہوگیا۔[۵] اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ خریدار اور بائع مختار ہیں[۶] جب تک الگ نہ ہوں یا اختیار رکھیں اور مسلم بخاری کی روایت میں بجائے اختیار کے یوں ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ دے تو اختیار رکھ۔[۷]

(۲۶۷۸)[۱] یعنی خرید و فروخت کرنے والوں میں سے ایک نے ایجاب کردیا تو دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور دوسرے کے قبول سے پہلے ایجاب کرنے والا اپنا ایجاب ختم کرسکتا ہے[۲] ہمارے امام اعظم کے ہاں یہاں علیحدگی سے مراد جسمانی علیحدگی نہیں بلکہ کلام کی علیحدگی و جدائی مراد ہے کہ ایک کہے میں نے بیچ دی، دوسرا کہے میں نے قبول کرلی جسماً، خواہ وہاں ہی بیٹھے رہیں یا علیحدہ ہو جائیں، جب باتوں کا ہیر پھیر ہوگیا بیع پوری ہوگئی، ربّ تعالٰی فرماتا ہے: وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ (۴:۱۳۰) اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی کشائش سے تم میں ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کردے گا۔ (کنزالایمان) اگر خاوند بیوی الگ ہو جائیں تو اللہ

اپنے فضل سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کردے گا، یہاں زوجین کی جسمانی علیحدگی مراد نہیں بلکہ نکاح سے علیحدگی یعنی طلاق مراد ہے، نیز جب نکاح' کرایہ صرف ایجاب وقبول سے ہی منعقد ہوجاتے ہیں وہاں خیار مجلس نہیں ہوتا، تو بیع بھی ایک عقد ہے، وہ بھی صرف ایجاب وقبول سے ہوجانی چاہئے، امام شافعی اس تفرقہ سے مراد تفرقہ ابدان لیتے ہیں اور اس لفظ سے خیار مجلس ثابت کرتے ہیں یعنی تاجر و خریدار جب تک اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں انہیں بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے، مگر مذہب حنفی قوی ہے کیونکہ متبایعان دونوں عقدوں کا نام ہے، عقد قول سے ہوتا ہے تو جدائی بھی قولی چاہئے نہ کہ بدنی۔۳؎ اس جگہ خیار سے مرد شرط ہے یعنی ایجاب قبول کے بعد دونوں پر بیع لازم ہوجاتی ہے، لیکن اگر کسی نے اپنے لئے واپسی کے اختیار کی شرط لگائی تو اسے تین دن تک واپسی کا حق رہے گا مثلاً خریدار کہہ دے کہ میں قبول کرتا ہوں مگر تین روز تک مجھے چیز واپس کردینے کا حق ہے کہ اگر میرا دل نہ چاہا تو واپس کردوں گا اب اگرچہ ایجاب وقبول ہوچکا مگر خریدار کو اس مدت میں واپسی کا حق ہے اس کا نام خیار شرط ہے۔۴؎ یعنی جب دونوں میں سے ایک نے کہہ دیا کہ میں فروخت کرتا ہوں یا خریدتا ہوں تو دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنیکا حق ہے اس حق کا نام خیار عقد ہے، ۵؎ کہ اب دوسرے شخص کو اس کے خیار باطل کرنے کا حق نہ رہا، یہ خود اختیار باطل کرے یا نہ کرے وَجَبَ کا فاعل خیار ہے نہ کہ بیع اور اگر بیع ہی فاعل ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ خیار شرط کی بیع میں دوسرے فریق پر بیع لازم ہوجائے گی اختیار اسے رہے گا جس نے اپنے لئے اختیار رکھا۔۶؎ بیعان سے مراد وہ ہیں جو بیع کرنا چاہتے ہوں یا بیع کررہے ہوں وہ مراد نہیں ہیں جو بیع کرچکے ہیں، جیسے عاقدین انہیں کہتے ہیں جو عقد کررہے ہوں نہ انہیں جو عقد کرچکے، یہ خوب خیال رکھئے اس لفظ سے دھوکہ ہوتا ہے، اس لفظ سے شوافع خیار مجلس ثابت کرتے ہیں وہ معنی یہ کرتے ہیں کہ جو بیع شراء کرچکے وہ مختار ہیں۔۷؎ یہ جملہ او یختارا کی تفسیر ہے، کیونکہ خیار شرط دونوں عاقدوں کیلئے نہیں ہوسکتا بلکہ ایک کو اختیار ہوگا دوسرے پر بیع لازم ہوگی، جیسا کہ پہلے وجب سے معلوم ہوچکا ہے۔

وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا وَإِنْ كَتَمَا وَكَذِبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۶۹) روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تاجر وخریدار مختار ہیں جب تک الگ نہ ہوں اگر سچ بولیں اور اصل بات ظاہر کردیں تو انہیں اس تجارت میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ بولیں اور چھپائیں تو ان کی تجارت کی برکت مٹادی جائے گی۔۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۷۶۹)۱؎ آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے ہیں، واقعہ فیل سے تیرہ سال پہلے خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے، ایک سو بیس سال کی عمر ہوئی، ساٹھ سال کفر میں گزارے، ساٹھ سال اسلام میں زمانہ جاہلیت میں بڑے سخی تھے کہ آپ نے سو غلام آزاد کئے اور سو آدمیوں کو سواری دے کر حج کرائے اور جب خود حج کیا تو سو اونٹ قربان کئے اور عرفہ میں سو سے زیادہ غلام آزاد کئے بدر میں کفار کے ساتھ تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے پھر آزاد کئے گئے فتح مکہ میں ایمان لائے ۵۸ ہجری میں مقام زینت میں انتقال کیا (اشعہ)۲؎ یعنی نہ تو تاجر چیز کے عیب چھپا کر خریدار کو دھوکہ دے اور نہ خریدار قیمت کے عیوب چھپا کر تاجر کو دھوکہ دے دونوں کے معاملات صاف ہوں تو برکت ہوگی ورنہ تجارت میں بے برکتی رہے گی جیسا کہ آج کل دیکھا جارہا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

(۲۶۸۰) روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں ایک

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّی اُخْدَعُ فِی الْبُیُوْعِ فَقَالَ اِذَا بَایَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ فَکَانَ الرَّجُلُ یَقُوْلُهٗ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں خرید وفروخت میں دھوکہ کھا جاتا ہوں۔ فرمایا جب خرید وفروخت کرو تو کہہ دیا کرو دھوکہ نہ ہو۔ چنانچہ وہ صاحب یہ کہہ دیا کرتے تھے۔۲ (مسلم بخاری)

(۲۶۸۰) ۱؎ یہ دھوکہ کا کھا جانے والے حضرت حبان ابن منقد ابن عمرو مازنی ہیں غالبًا یہود ومنافقین انہیں دھوکہ دے کر چیز فروخت کردیتے ہوں گے صحابہ کرام سے دھوکہ دینا ممکن نہیں خلابہ خ کے کسرہ سے بمعنی غبن ودھوکہ ہے۔ ۲؎ اس جملہ کے بہت سے معانی کئے گئے ہیں اور ہر معنی کی بنا پر فقہاء کے مذاہب ہیں، ہمارے ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کہہ دیا کرو کہ بھائی میں تجارتی کاروبار میں سادہ بندہ ہوں مجھ سے قیمت زیادہ نہ وصول کرنا میں اپنے لئے اختیار رکھتا ہوں کسی کو دکھاؤں گا اگر قیمت زیادہ لگائی گئی تو مجھے خیار شرط ہے، واپس کردوں گا چنانچہ بعض روایات میں یوں ہے لاخلاۃ ولی الخیار ثلثة ایام یعنی دھوکہ نہ ہو اور مجھے تین دن تک اختیار ہے۔ اسی صورت میں حدیث بالکل واضح ہے خیال رہے کہ اگر خریدار غلطی سے چیز مہنگی خرید لے تو اسے واپس کرنے کا حق نہیں اور نہ اس سے بیع فاسد ہوگی ہاں اگر ردی مال خرید لے تو اسے خیار عیب ملے گا بعض ائمہ کے ہاں زیادہ قیمت لگا لینے پر بیع فاسد ہوجاتی ہے، بعض کے ہاں خریدار کو واپسی کا حق ہوتا ہے وہ اس جملہ کے اور معنی کرتے ہیں مگر مذہب حنفی نہایت قوی ہے اور یہ ہی معنی جو فقیر نے عرض کئے قوی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ صَفْقَةَ خِیَارٍ وَّلَا یَحِلُّ لَهٗ اَنْ یُّفَارِقَ صَاحِبَهٗ خَشْیَةَ اَنْ یَّسْتَقِیْلَهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

(۲۶۸۱) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تاجر و خریدار مختار ہیں جب تک کہ الگ نہ ہوں۔ ۲؎ مگر یہ کہ عقد ہی اختیار کا ہو۔ ۳؎ اور اسے یہ درست نہیں کہ فسخ تجارت کے ڈر سے اپنے ساتھی سے الگ ہوجائے۔ ۴؎ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

(۲۶۸۱) ۱؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ عمرو کے دادا کا نام عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہے، آپ عمرو ابن شعیب ابن محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہیں ان کی روایات مدخول ہوتی ہیں کہ اگر جدہ میں ضمیر عمرو کی طرف ہو تو ان کے دادا محمد ابن عمرو ہیں جو تابعی ہیں اور حدیث مرسل ہے، اور اگر جدہ کی ضمیر ابیہ کی طرف لوٹے تو یہ ابیہ کے خلاف ہے انتشار ضمائر ہے، اور عمرو نے اپنے پردادا کو پایا بھی نہیں، لہٰذا حدیث منقطع ہے، اسی لئے مسلم بخاری میں اسی اسناد سے ان کی روایت نہیں آتیں (اشعہ) ۲؎ اس جملہ کے معنی بھی عرض کردیئے گئے ہیں کہ ہماری علیحدگی سے مراد اقوال کی علیحدگی ہے یعنی ایک کا کہنا کہ میں نے فروخت کردی دوسرے کا کہنا میں نے قبول کرلی اور شوافع کے ہاں تفرق ابدان مراد ہے یعنی تاجر وخریدار کا تجارت کی جگہ سے الگ ہٹ جانا اس حدیث سے وہ خیار مجلس ثابت کرتے ہیں دلائل پہلے عرض ہوچکے، ۳؎ کہ خیار والے عقد میں اس علیحدگی کے بعد بھی صاحب اختیار کو اختیار ہوگا، یہاں خیار سے مراد خیار شرط ہے جس کی مدت تین دن ہے کہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ ۴؎ یعنی متقی پرہیزگار مسلمان کو یہ مناسب نہیں کہ خریدتے ہی یا بیچتے ہی وہاں سے چلا جائے اس خوف سے کہ سامنے والا عیب پر مطلع ہو کر بیع فسخ نہ کردے، خلاصہ یہ ہے کہ خرید وفروخت کرنے کے بعد دونوں کچھ وہاں ٹھہریں تا کہ

خریدار اچھی طرح دیکھ بھال لے اور تاجر پیسہ گن لے پرکھ لے جیسے ریلوے کے ٹکٹ گھروں پر لکھا ہوتا ہے کہ پیسہ گن کر حساب لگا کر کھڑکی چھوڑو، یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ خیار مجلس معتبر نہیں اگر جگہ چھوڑنے سے پہلے بیع مکمل نہ ہوتی تو حضور اسے اقالہ کرنا نہ فرماتے اقالہ کے معنی ہیں بیع مکمل ہو چکنے کے بعد فسخ کرنا اگر ابھی مکمل ہی نہ ہوئی تو فسخ کیسا، اس سے شوافع خیار مجلس ثابت کرتے ہیں مگر ثابت ہوتا نہیں یہ تو ان کے خلاف ہے، سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو منقول ہے کہ آپ چیز خریدتے ہی وہاں سے ہٹ جاتے تھے تاکہ بائع بیع ختم نہ کردے یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے اور صحابی کا اجتہاد نص کے مقابل لائق پیروی نہیں (مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَتَفَرَّقَنَّ اثْنَانِ اِلَّاعَنْ تَرَاضٍ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۲۶۸۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا دو شخص ایک دوسرے کو راضی کئے بغیر الگ نہ ہوں [1] (ابوداؤد)

(۲۶۸۲) [1] اثنان سے مراد تاجر خریدار ہیں یعنی ایجاب وقبول کے بعد بھی تاجر وخریدار ایک دوسرے کو چیز و قیمت سے مطمئن کر کے وہاں سے ہٹیں، دھوکہ دے کر بھاگنے کی کوشش نہ کریں، اس سے بھی خیار مجلس ثابت نہیں ہوتا اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (۲۹-۴) مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو (کنزالایمان) ایجاب وقبول کے بعد بھی ایک دوسرے کو مطمئن کردینا ضروری ہے کہ اگر کسی کو اطمینان نہ ہو تو چیز واپس کردی جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیَّرَ اَعْرَابِیًّا بَعْدَ الْبَیْعِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ

(۲۶۸۳) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدوی کو بیع کے بعد بھی اختیار دیا [1] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے، صحیح ہے، غریب ہے۔

(۲۶۸۳) [1] یعنی ایک دیہاتی نے شہر میں آکر کچھ فروخت کیا تھا پھر وہ اس فروخت پر پشیمان ہوا وہ سمجھا کہ چیز سستی بک گئی تو آپ نے اسے چیز واپس کرلینے کا اختیار دیا، اس طرح کہ خریدار کو فسخ بیع پر راضی فرمادیا اس سے بھی خیار مجلس ثابت نہیں ہوتا کہ اگر خیار مجلس ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار دینے کے کیا معنی ہوتے، اس کا مطلب صاف ہے کہ حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مکمل ہونے کے بعد خصوصیت سے اسے اختیار دیا۔

بَابُ الرِّبٰوا — سود کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

ربو ربوٌ سے بنا بمعنی زیادتی و بڑھ جانا، اسی لئے زمین کو جہاں پیداوار زیادہ ہوتی ہو ربوہ کہتے ہیں، شریعت میں ربٰوا اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو، اور نفس عقد میں مشروط ہو جانبین میں ہم جنس وہم وزن مال ہوں جیسے ایک سیر گندم دے کر سوا سیر لے لینا اگر جنس یا وزن میں فرق ہو گیا تو سود نہ ہوا، ربٰو واؤ سے بھی لکھ سکتے ہیں الف سے بھی ی سے بھی مگر قرآن شریف میں صرف واؤ سے لکھا

جائے گا کیونکہ قرآن شریف کی تلاوت وکتابت سب کچھ منقول ہے سیدنا عبداللہ ابن سلام فرماتے ہیں کہ سود ستر (۷۰) گناہ ہیں چھوٹا گناہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا، ایک درہم سود کا ۳۶ زنا سے بدتر ہے، قرآن شریف میں سودخوار کو اللہ رسول سے جنگ کرنے کا اعلان کردیا گیا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَ مُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَآءٌ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۸۴) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اِکھلانے والے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا یہ سب برابر ہیں۲ (مسلم)

(۲۶۸۴) ۱؎ سود کھانے والے کا ذکر پہلے فرمایا کہ یہی بڑا گنہگار ہے کہ سود لیتا بھی ہے اور کھاتا بھی ہے، دوسرے پر یعنی مقروض اور اس کی اولاد پر ظلم بھی کرتا ہے اللہ کا بھی حق مارتا ہے اور بندوں کا بھی۔ ۲؎ یعنی اصل گناہ میں سب برابر ہیں کہ سودخوار کے مدد ومعاون ہیں گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے رب تعالٰی نے صرف سودخوار کو اعلان جنگ دیا، معلوم ہوا کہ بڑا مجرم یہ ہے۔

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَآءً بِسَوَآءٍ يَدًا بِيَدٍ فَاِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْاَصْنَافُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ اِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۸۵) روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض، گیہوں گیہوں کے عوض اور جو جو کے عوض چھوہارے چھوہاروں کے عوض، نمک نمک کے عوض برابر برابر اِہاتھ بہ ہاتھ بیچو، جب یہ قسمیں بدل جائیں تو جیسے چاہو بیچو جب کہ ہاتھ بہ ہاتھ ہو۔ ۲ (مسلم)

(۲۶۸۵) ۱؎ الذھب اور اس کے معطوف اسماء فرفوع ہیں متبداء ہونے کی وجہ سے اور بالذھب وغیرہ خبر ہوسکتا ہے کہ منصوب ہوں۔ فعل پوشیدہ بیعوا کا مفعول یعنی ان چیزوں کو جب ان کی ہم جنس کے عوض فروخت کرو تو دوطرفہ برابر دو مطلقاً زیادتی وکمی نہ ہو، ان چھ چیزوں کی زیادتی میں تو اتفاق ہے کہ حرام ہے ان کے ماسواء میں ائمہ کا اختلاف ہے ہمارے ہاں ہم جنس وہم وزن میں زیادتی حرام ہے۔ ۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ ہم جنس وہم وزن میں تو زیادتی بھی حرام ہے اور ادھار بھی لیکن اگر صرف جنس ایک ہو جیسے انڈے کے عوض انڈے یا صرف وزن ایک ہو جیسے گندم کے عوض جو تو زیادتی حلال ہے ادھار حرام۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبَى الْاٰخِذُ وَالْمُعْطِيْ فِيْهِ سَوَآءٌ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۸۶) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض، گیہوں گیہوں کے عوض جو جو کے عوض اور چھوہارے چھوہاروں کے عوض نمک نمک کے عوض برابر برابر ہاتھ بہ ہاتھ بیچو۔ ۱ جو زیادہ دے یا زیادہ لے اس نے سود کا کاروبار کیا لینے والا دینے والا اس میں برابر ہے۔ ۲ (مسلم)

(۲۶۸۶) ۱؎ خیال رہے کہ سود کی حرمت صرف ان چھ چیزوں سے خاص نہیں ان چھ چیزوں کا ذکر اس لئے ہے کہ دوسری چیزوں کو بھی

اس پر قیاس کیا جاسکے، علت قیاس میں فقہا کا اختلاف ہے ہمارے ہاں جنس وزن یا کیل میں اتحاد علت قیاسی ہیں۔۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ سود دو شخصوں سے قائم ہے، دینے والے اور لینے والے سے لہذا سود کے دونوں مجرم ہوں گے کہ ان دونوں نے حرام کاروبار کیا اگرچہ لینے والا بڑا گنہگار ہوگا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا (مرقات) خیال رہے کہ نام و کام میں یکساں ہونا ہم وزینت لہذا گائے اور بکری کے گوشت ہم جنس نہیں کہ نام اگرچہ دونوں کا گوشت ہی ہے مگر کام میں قاعدوں میں فرق ہے اور سونا ولوہا ہم وزن نہیں کہ سونے کے باٹ، ماشہ، تولہ اور لوہے کے باٹ سیر و من ہیں لہذا بکری و گائے کے گوشت میں زیادتی جائز ایسے ہی سونے ولوہے میں زیادتی حلال ہے کہ بکری کا گوشت ایک سیر دے کر گائے کا گوشت دو سیر لے لیا جائے یا دو تولہ سونا دے کر دو من لوہا لے لیا جائے یا ایک انڈا دو انڈوں کے عوض ایک گز لٹھا کپڑا دو گز لٹھے کپڑے کے عوض لے لیا جائے کہ انڈے اور کپڑے وزنی یا کیلی چیز نہیں بلکہ انڈا عددی ہے اور کپڑا ازرعی یعنی انڈے گن کر اور کپڑا گزوں سے ناپ کر فروخت ہوتے ہیں ان میں زیادتی سود نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ اِلَّامِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَّلَا تَبِيْعُوا الْوَرَقَ بِالْوَرَقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَلَا تَبِيْعُوْا مِنْهَا غَآئِبًا بِنَاجِزٍ مُّتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّاتَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرَقَ بِالْوَرَقِ اِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ

(۲۶۸۷) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے سے برابر کے بغیر نہ بیچو اور بعض کی بعض پر زیادتی نہ کرو۔۱؎ اور چاندی چاندی کے عوض برابر برابر کے بغیر نہ بیچو۔ بعض کی بعض پر زیادتی نہ کرو۔۲؎ ادھار نقد کے عوض نہ بیچو۔۳؎ (مسلم بخاری) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض برابر برابر کے بغیر نہ بیچو۴؎

(۲۶۸۷) ۱؎ یعنی سونا خواہ مضروب یعنی سرکاری سکہ ہو یا پترا نیز نقشیں زیور ہو یا سادہ دوطرفہ وزن میں برابر ہونا ضروری ہے، اگر ایک تولہ سونا کی اشرفی دو تولے سونے کے پترے کے عوض فروخت کی یا دو تولہ کے جڑاؤ نقش و نگار والا زیور چار تولے سونے کے عوض بیچا تو حرام ہے نقش یا سکہ کا اعتبار نہیں وزن کا اعتبار ہے، یہ مسئلہ بہت خیال میں رکھنا چاہئے۔۲؎ یعنی چاندی کی تجارت کا بھی یہ ہی حکم ہے کہ برابر کے عوض فروخت کرو لہذا اگر چاندی کے ایک روپیہ کے عوض دو تولہ چاندی لی تو حرام ہوا۔ آج کل روپیہ لوہے کا ہے اور نوٹ کاغذ کا۔ اس لیے یہ بیع جائز ہے کہ ایک روپیہ کی دو تولہ چاندی لیں یا دو روپیہ کی چاندی ایک تولہ خریدیں کیونکہ لوہا یا کاغذ چاندی کی ہم جنس نہیں بعض حجاج انگریزی دو روپیہ کی عوض سعودی ایک ریال لیتے تھے یہ حرام تھا کہ ادھر دو تولہ چاندی جاتی تھی اور ادھر ایک تولہ چاندی ملتی تھی۔ اب نوٹ میں یہ قباحت نہیں، خیال رہے کہ سود دو قسم کا ہے ایک زیادتی کا سود، دوسرے ادھار کا سود، زیادتی کے سود کی حرمت دو شرطوں پر موقوف ہے ہم جنس ہونا ہم وزن ہونا مگر ادھار کے سود کی حرمت صرف ایک شرط پر موقوف ہے یا ہم وزن ہونا یا ہم جنس ہونا لہذا سونے چاندی کی تجارت میں زیادتی حلال ہے کہ ایک تولہ سونا کے عوض چار تولہ چاندی لے لیں مگر ادھار حرام ہے فوراً فریقین قبضہ کریں کسی طرف سے ادھار نہ ہو کہ سونا چاندی اگرچہ جنس الگ ہیں مگر وزن دونوں کا ایک ہے کہ دونوں تولہ ماشہ سے بکتے ہیں۔۳؎ دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں مثلاً بمثل تھا اور یہاں وزناً بوزن ہے جس سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں برابر وزن سے کرنا ضروری ہے، پیمائش سے برابری کافی نہیں مثلاً دو انچ کا چاندی کا پترا تین انچ چاندی کے پترے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے اور دونوں کا وزن برابر ہو اگر دوطرفہ دو انچ کے پترے چاندی کے ہوں مگر ان کے وزن میں فرق ہو تو بیع حرام ہے وزن کا لحاظ ہے اور وزن ہی کی برابری ضروری ہے۔

وَعَنْ مَعْمَرِبْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ کُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلاً بِمِثْلٍ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۸۸) روایت ہے حضرت معمر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنتا تھا، غلہ کی غلہ سے بیع برابر برابر کرو۔[۱] (مسلم)

(۲۶۸۸) [۱] طعــام طعم سے بنا بمعنی کھانا، طعام ہر کھانے کی چیز کو کہتے ہیں خواہ پھل ہوں یا دانے، اگر ہم جنس اور ہم وزن ہوں تو زیادتی حرام ہے، لینے کی چیزوں کو اسی پر قیاس کیا گیا ہے لہذا بھینس یا بکری کا دودھ، سرسوں کا تیل، اگر چہ دوطرفہ ایک جنس ہوں تو زیادتی حرام، دوجنس ہوں تو زیادتی حلال لہذا ایک سیر بھینس کے دودھ کے عوض دوسیر بکری کا دودھ یا ایک سیر سرسوں کے تیل کے عوض دوسیر تل کا تیل فروخت کرسکتے ہیں کہ جنس مختلف ہے۔

وَعَنْ عُمَرَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الذَّھَبُ الذَّھَبِ رِبًوا اِلَّا ھَآءَ وَ ھَآءَ وَالْوَرَقُ بِالْوَرَقِ رِبًوا اِلَّا ھَآءَ وَ ھَآءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًوا اِلَّا ھَآءَ وَ ھَآءَ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ رِبًوا اِلَّا ھَآءَ وَ ھَآءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًوا اِلَّا ھَآءَ وَ ھَآءَ . (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

(۲۶۸۹) روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا سونے کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد[۱] چاندی چاندی کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد۔ اور گندم گندم کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد اور جو جو کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد۔[۲] اور چھوہارے چھوہارے کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد[۳] (مسلم بخاری)

(۲۹۸۹) [۱] بعض شارحین نے فرمایا کہ ھاء دراصل ھاك تھا بمعنی خذ یعنی لے لے، اسم فعل ہے بمعنی امر، ک کو ہمزہ سے بدل دیا۔ معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے سے کہے یہ لے یعنی نقد، بعض نے فرمایا ھــاء اسم فاعل بمعنی امر ہے، ہمزہ کو جر ہے یا فتح، معنی وہ ہی ہیں خــذ یعنی لے لے، اس سے مراد نقد ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے ہم وزن ہم جنس میں زیادتی حرام ہے ایسے ہی ادھار بھی حرام ہے، دوطرفہ نقد ہونی چاہئے۔[۲] اس حدیث سے اشارۃً بیع طــعــاطــی کا جواز نکلتا ہے کہ فریقین منہ سے کچھ نہ کہیں، ایک قیمت دے دے، دوسرا مال، حضرت سفیان ثوری ایک انار والے کی دکان پر گئے۔ آپ نے دکاندار کے سامنے درہم رکھ دیا اس نے ایک انار آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ انار اٹھا کر چلے آئے۔ (مرقات) بات کوئی نہ کی، اس سے بیع طعــاطــی کا ثبوت ہوا، بیع طعــاطــی معمولی واعلی ہر قسم کے مال میں ہوسکتی ہے۔ دیکھو یہاں چاندی سونے کی تجارت میں طعاطی کافی نی گئی۔[۳] خیال رہے کہ سونا چاندی فرما کر تمام دھاتوں کی طرف اشارہ فرمادیا اور گندم و جو فرما کر تمام دانہ و غلے کی جانب اور چھوہارے فرما کر تمام پھلوں کی طرف اشارہ فرمادیا، مطلب یہ ہوا کہ ہر ہم جنس و ہم وزن چیز خواہ دھات کی قسم سے ہو یا غلے کی قسم سے خواہ پھلوں کی قسم سے ان میں زیادتی سود ہے حرام ہے، یہ تفصیل مذہب حنفی کی تائید فرماتی ہے کہ ہم جنس و ہم وزن میں زیادتی حرام ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَّ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَعْمَلَ رَجُلاً عَلٰی خَیْبَرَ فَجَآءَ ہٗ بِتَمْرٍ جَنِیْبٍ فَقَالَ اَکُلُّ تَمْرِ خَیْبَرَ ھٰکَذَا قَالَ لَاوَاللّٰہِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا لَنَاخُذُ الصَّاعَ مِنْ ھٰذَا بِالصَّاعَیْنِ وَالصَّاعَیْنِ بِالثَّلَاثِ فَقَالَ لَاتَفْعَلْ

(۲۶۹۰) روایت ہے حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا حاکم بنایا تو آپ کی خدمت میں اعلیٰ درجے کے خرمے لائے۔[۱] تو فرمایا کہ خیبر کے سارے چھوہارے ایسے ہی ہوتے ہیں عرض کیا نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ان چھوہاروں کا ایک صاع دو صاعوں کے عوض اور دو

بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا وَقَالَ فِي الْمِيزَانَ مِثْلَ ذٰلِكَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صاع تین کے عوض خرید لیتے ہیں۔۲؎ تو فرمایا ایسا نہ کرو۔۳؎ مخلوط کو درہموں کے عوض بیچو اور درہموں سے کھرے خرید لو اور وزنی چیزوں کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا۴؎۔(مسلم بخاری)

(۲۶۹۰)۱؎ بطور ہدیہ پیشکش فرمانے کیلئے جنیب چھوہاروں کی ایک اعلیٰ قسم کا نام ہے جیسے ہمارے ہاں شربتی گندم اعلیٰ قسم کی ایک گندم ہے۲؎ یعنی خیبر میں ہر قسم کے چھوہارے ہوتے ہیں اعلیٰ بھی ردی بھی، ہم ردی سے اعلیٰ خرید لیتے ہیں، اس طرح کہ ارزانی کے زمانہ میں دو گنے ردی دیتے ہیں اور گرانی میں تگنے، یا معمولی اعلیٰ دو گنے کے عوض اور بہت اعلیٰ تگنے کے عوض خرید لیتے ہیں، یہ بھی اسی طرح خریدے ہوئے ہیں کہ ردی خرمے دے کر اعلیٰ خرمے اس سے نصف لئے گئے ہیں۔۳؎ یعنی اب تک جو کرلیا وہ کرلیا اس پر پکڑ نہیں آئندہ اس طرح تبادلہ نہ کرنا کہ یہ سود ہے خیال رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لانے والے پر نہ تو عتاب فرمایا نہ ان کی کھجوروں کی واپسی کا حکم دیا نہ انہیں ان کھجوروں کے استعمال سے منع فرمایا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ ہدیہ قبول بھی فرمالیا۔صرف آئندہ کیلئے منع فرما دیا کیونکہ ابھی سود کے قوانین شائع نہ ہوئے تھے،سود کی حرمت نئی نئی ہوئی تھی اور قانون یا تفصیل قانون شائع ہونے سے پہلے خلاف ورزی کرنے والوں پر عتاب نہیں ہوتا جبکہ بے خبری میں کریں اس وقت بے خبری کا عذر درست ہوتا ہے مگر قانون شائع ہوچکنے کے بعد بے خبری عذر نہیں لہذا اب اگر کوئی اس طرح کی تجارت کرے گا تو مجرم بھی ہوگا اور یہ خرید و فروخت درست بھی نہ ہوگی۔لہذا حدیث واضح ہے۔۴؎ یعنی درمیان میں پیسہ رکھ لو سود نہ بنے گا اور سودا درست ہوجائے گا کہ مثلاً دو سیر ردی خرمے ایک روپیہ کے عوض بیچ دو پھر اس روپیہ کے اعلیٰ خرمے ایک سیر لے لو،اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ سود کی علت ہم جنس اور ہم وزن ہونا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وزن کا لحاظ فرمایا یہ ہی احناف کا مذہب ہے،امام شافعی کے ہاں سونا چاندی میں سود ہے اور کھانے کی چیزوں میں سود ہے طعمیت سود کی علت ہے یا ثمنیت یہ حدیث ان کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ حرام سے بچنے کیلئے شرعی حیلے کرنے جائز ہیں اگر سو روپیہ دو سو روپیہ کے عوض فروخت کرنے ہوں تو اس سے روپیہ کے عوض کپڑے کا تھان خرید لو پھر وہ ہی تھان دو سو کے عوض فروخت کردو یہ وہ ہی صورت ہے جس کی تعلیم یہاں دی گئی (مرقات) شرعی حیلوں کا ثبوت قرآن شریف سے بھی ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری کے زمانہ میں اپنی بیوی رحمت کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی،صحت یاب ہونے پر رب نے ان سے فرمایا: وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ (۳۸:۴۴) اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے مار دے اور قسم نہ توڑ (کنزالایمان) ہاتھ میں جھاڑو لے کر مار دو اپنی قسم نہ توڑو،یہ قسم پوری کرنے کا حیلہ ہوا مگر حرام سے بچنے کا حیلہ جائز ہے،احکام شرعیہ میں تبدیل کی نیت سے حیلہ کرنا حرام،حیلہ کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھئے۔

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ جَآءَ بِلَالٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَيْنَ هٰذَا قَالَ كَانَ عِنْدَنَا تَمْرٌ رَدِيٌّ فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ اَوَّهْ عَيْنُ الرِّبٰوا عَيْنُ الرِّبٰوا لَا تَفْعَلْ وَلٰكِنْ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ

(۲۶۹۱) روایت ہے حضرت ابی سعید سے فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجوریں لائے۱؎ تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہاں سے لائے عرض کیا ہمارے پاس ردی کھجوریں تھیں تو میں نے اس کے دو صاع ایک صاع کے عوض بیچ دیئے فرمایا ہائے۲؎ بالکل سود

تَشْتَرِیَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَیْعٍ اٰخَرَثُمَّ اشْتَرِبِہٖ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

بالکل سود یوں نہ کرو لیکن جب خرید نا چاہو تو چھوہارے دوسری بیع سے بیچ دو پھر اس سے خرید لو۔۳ (مسلم، بخاری)

(۲۶۹۱)۱؎ برنی عرب کی مشہور واعلیٰ کھجور ہے، ب کی فتح ر کے سکون یا فتح قاموس میں ہے کہ یہ لفظ برنیک تھا بمعنی اچھا پھل، فارسی سے عربی میں منتقل کیا گیا اور برنی بنا دیا گیا۔۲؎ اوہ الف کا فتح واؤ کی شد اور کسرہ، ہ کا سکون یا واؤ اور ہ دونوں کا سکون یا واؤ کی الف سے تبدیلی،غرضیکہ اوہ اوہ یا آہ ایسے لفاظ ہیں جو تکلیف، بیماری یا اظہار افسوس کے موقع پر بولے جاتے ہیں، یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار افسوس کیلئے فرمایا۔یعنی ہائے افسوس۳؎ اس کی بھی وہی صورت ہے جو پہلے مذکور ہوئی یعنی اولاً دو صاع ردی کھجوریں ایک روپیہ کے عوض فروخت کردو، پھر اس روپیہ سے ایک صاع اعلیٰ کھجوریں لے لو، یہ دو بیعیں ہوجائیں گی اور سود نہ بنے گا اور جو روایت میں آتا ہے کہ رزین ابن ارقم کی ام ولد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ میں نے زید کے ہاتھ آٹھ سو میں ایک لونڈی ادھار بیچی۔اور شرط یہ لگائی کہ جب بھی تم بیچو میرے ہاتھ بیچنا۔ چنانچہ قرض ادا ہونے سے پہلے میں نے یہ لونڈی زید ابن ارقم سے چھ سو میں خرید لی۔تو ام المومنین نے فرمایا، زید ابن ارقم سے کہہ دینا کہ تمہارے سارے نیک اعمال باطل ہوگئے تم نے یہ بیع ناجائز کی (مالک واحمد) ام المومنین کے اس بیع کے ناجائز کہنے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں ادائے قرض کی صحیح مدت مقرر نہ ہونا، دوسرے بیع بالشرط ہونا لہٰذا وہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَآءَ عَبْدٌ فَبَایَعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْھِجْرَۃِ وَلَمْ یَشْعُرْ اَنَّہٗ عَبْدٌ فَجَآءَ سَیِّدُہٗ یُرِیْدُہٗ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعْنِیْہِ فَاشْتَرَاہُ بِعَبْدَیْنِ اَسْوَدَیْنِ وَلَمْ یُبَایِعْ اَحَداً بَعْدَہٗ حَتّٰی یَسْاَلَہٗ اَعَبْدٌ ھُوَا اَوْ حُرٌّ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۹۲) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک غلام آیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال نہ ہوا کہ وہ غلام ہے۱؎ پھر اس کا مولیٰ اسے لینے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اسے ہمارے ہاتھ بیچ دو چنانچہ اسے دو حبشی غلاموں کے عوض خرید لیا اس کے بعد کسی سے بیعت نہ لی حتی کہ اس سے پوچھ لیتے کہ وہ غلام ہے یا آزاد۔۲؎ (مسلم)

(۲۶۹۲)۱؎ حقیقۃً یہ بھاگا ہوا غلام تھا، اس کا مقصود تھا مولیٰ سے نجات پانا، مگر ظاہر یہ کیا کہ مومن ہوں، مہاجر بن کر آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تحقیق نہ فرمائی اور اس سے ہجرت پر بیعت لے لی، خیال رہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ہر کھلے چھپے کی اطلاع دی ہے مگر علم کا ہر وقت حضور ضروری نہیں، حافظ کو سارا قرآن یاد ہوتا ہے مگر ہر لفظ ہر وقت سامنے نہیں رہتا۔لہٰذا اس سے حضور کی بے علمی ثابت کرنا حماقت ہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ غلام مولیٰ کی بغیر اجازت ہجرت نہیں کرسکتا، دوسرے یہ کہ بیعت فسخ نہیں ہوسکتی کہ حضور نے اسے خرید لیا مگر اس کی بیعت فسخ نہ کی، تیسرے یہ کہ غیر سودی مال میں زیادتی کمی جائز ہے۔چنانچہ ایک بکری دو کے عوض فروخت کرسکتے ہیں کیونکہ حیوان سودی مال نہیں کہ یہ نہ کیلی ہے نہ وزنی، ہاں حیوان کی حیوان سے ادھار بیع ناجائز ہے،حضرت رافع نے ایک اونٹ دو کے عوض بیچا۔

وَعَنْہُ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الصُّبْرَۃِ مِنَ التَّمْرِ لَا یُعْلَمُ مَکِیْلَتُھَا بِالْکَیْلِ

(۲۶۹۳) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ چھوہاروں کے معلوم پیمانہ کے عوض

الْمُسَمّٰى مِنَ التَّمْرِ .(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

چھوہاروں کا وہ ڈھیر بیچا جائے جس کا پیمانہ معلوم نہیں ۱؎ (مسلم)۔

(۲۶۹۳) ۱؎ یعنی دوطرفہ کھجوریں ہوں، ایک جانب کی کھجوروں کا وزن معلوم ہو مگر دوسری کا معلوم نہ ہو چونکہ یہ مال سودی ہے اور اس نامعلومیت کی وجہ سے سود ہوجانے کا اندیشہ ہے ممکن ہے کہ وہ نامعلوم ڈھیر اس سے کم یا زیادہ ہو، اس لئے منع فرمایا گیا، روپے یا گندم کے عوض کھجور کا نامعلوم ڈھیر خریدنا جائز ہے، مشکوۃ کے اس نسخے میں مکیلتھا ہے بمعنی مقدار کیل (اشعہ کے نسخے میں بکیلھا کیل و پیمانہ۔)

وَعَنْ فُضَالَةَ بْنِ اَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ دِيْنَارًا فِيْهَا ذَهَبٌ وَّخَرَزٌ فَفَصَّلْتُهَا فَوَجَدْتُّ فِيْهَا اَكْثَرَ مِنِ اثْنَيْ عَشَرَ دِيْنَارًا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تُبَاعُ حَتّٰى تَفَصَّلَ .

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۶۹۴) روایت ہے حضرت فضالہ ابن ابی عبید سے فرماتے ہیں میں نے خیبر کے دن بارہ دینار کے عوض ایک ہار خریدا جس میں سونا بھی تھا اور موتی کے منکے بھی ہیں میں نے اسے کھول ڈالا تو اس میں سونا بارہ دینار سے زیادہ پایا ۱؎ تو اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے ہار بغیر جدا کئے نہ بیچے جائیں ۲؎ (مسلم)

(۲۶۹۴) ۱؎ اس طرح کہ ہار کے سونے کا وزن بارہ دینار کے وزن سے زائد تھا تو مجھے سونا زیادہ ملا اور موتی کے منکے اس کے علاوہ ۲؎ کیونکہ ایسی تجارت میں سود کا قوی اندیشہ ہے۔ اگر یہاں ہار کا سونا برابر بھی ہوتا تب بھی سود تھا کہ موتی زائد تھے ایسی صورت میں دینار ہار کے سونے سے زائد چاہئیں تاکہ زیادتی موتی کے مقابل ہوجائے اور عقد میں سود نہ رہے، خیال رہے کہ اس موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کیلئے تو ایسی تجارت کی ممانعت فرمادی مگر یہ بیع رد نہ فرمائی اور خریدار کو واپسی کا حکم نہ دیا کیونکہ اس زمانہ میں مسئلہ سے ناواقفی عذر تھی کہ قانون سود پورے طور پر نہ واضح ہوا تھا نہ مشتہر، اب اگر ایسا عقد کوئی ناواقفی سے کرے تو واپس کرنا ہوگا۔ جڑاؤ سنہری ہار اگر سونے کے عوض بیچا جائے تو سونے کا وزن معلوم ہونا بھی ضروری ہے اور جو سونا ہار کے عوض دیا جائے اس کا زیادہ ہونا بھی لازم، تاکہ یہ زیادتی ہار کے موتی وغیرہ کے عوض ہوجائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَاْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَّا يَبْقٰى اَحَدٌ اِلَّا اٰكِلُ الرِّبٰوا فَاِنْ لَّمْ يَاْكُلْهُ اَصَابَهٗ مِنْ بُخَارِهٖ وَيُرْوٰى مِنْ غُبَارِهٖ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۶۹۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جب کہ سود کھائے بغیر کوئی نہ رہے گا ۱؎ اگر سود نہ بھی کھائے گا تو اسے سود کا اثر ضرور پہنچے گا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس کا غبار پہنچے گا ۲؎

(احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

(۲۶۹۵) ۱؎ اس طرح کہ سود کا رواج عام ہوجائے گا اور ہر شخص بلاواسطہ یا بالواسطہ کبھی نہ کبھی سود ضرور لے گا جیسا کہ آج کل ہورہا ہے، کوئی کاروبار بغیر بینک کے نہیں چلتا اور کوئی بینک بغیر سود کے لین دین نہیں کرتا، اب اس سودی روپیہ سے جو کاروبار ہوگا اس میں سود ضرور شامل ہوگا۔ ۲؎ یعنی اس زمانہ میں بعض لوگ سود لیں گے بعض دیں گے بعض سود کی گواہی، تحریر وغیرہ کریں گے بعض لوگ اس سودی

کاروبار والوں کے گھر دعوت کھائیں گے بعض لوگ ان سے دینی کاموں میں چندہ لیں گے، بہرحال یہ سودی پیسہ کسی نہ کسی ذریعہ ہر جگہ ضرور پہنچے گا۔مسئلہ:۔جس کی آمدنی مخلوط ہو کہ حلال بھی ہو حرام بھی، اس کے ہاں ملازمت کر کے تنخواہ لینا اس سے چندہ لینا اس کے ہاں دعوت کھانا وغیرہ سب کچھ جائز ہے ہاں خالص حرام کمائی والے کے ہاں نہ ملازمت جائز نہ ان سے یہ معاملات درست (کتب فقہ) اسی لئے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود عام ہوجانے کی خبر دی مگر ان سب لوگوں کو فاسق یا گنہگار نہ فرمایا سودخوار فاسق ہے مگر جسے سود کا غبار یا بخار پہنچے اسے فاسق نہیں کہہ سکتے دیکھو ربّ تعالٰی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ہاں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب کے ہاں پرورش کیلئے رکھا، ان کی کمائیاں یقیناً مخلوط تھیں خالص حلال نہ تھیں۔اگر مخلوط مال کی دعوت یا چندہ حرام ہوتے تو ربّ تعالٰی اپنے کلیم وحبیب صلوٰۃ اللہ علیہما والسلام کی پرورش ان کے ہاں نہ کراتا، نیز اگر مخلوط مال سے یہ سارے معاملہ بند کردیئے جائیں تو آج کوئی دینی ادارہ مدرسے مسجدیں خانقاہیں آباد نہیں رہ سکتے کہ ان میں ہر شخص سے چندہ لیا جاتا ہے، خالص حلال کی تحقیق نہ کرتے ہیں نہ کرسکتے ہیں یہ مسئلہ ضرور خیال میں رکھا جائے، اس قاعدے سے آج کل کے بینک وغیرہ محکموں کی نوکریوں کا حال بھی معلوم ہوگیا، یہ ضرور ہے کہ اس وقت خالص حلال روزی ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَاالْوَرَقَ بِالْوَرَقِ وَلَاالْبُرَّ بِالْبُرِّ وَلَا الشَّعِيْرَ بِالشَّعِيْرِ وَلَاالتَّمَرَ بِالتَّمَرِ وَلَا لْمِلْحَ بِالْمِلْحِ اِلَّا سَوَآءً بِسَوَآءٍ عَيْنًا بِعَيْنٍ يَدًا بِيَدٍ وَلٰكِنْ بِيْعُوا الذَّهَبَ بِالْوَرَقِ وَالْوَرَقَ بِالذَّهَبِ وَالْبُرَّ بِالشَّعِيْرِ وَالشَّعِيْرَ بِالْبُرِّ وَالتَّمَرَ بِالْمِلْحِ وَالْمِلْحَ بِالتَّمَرِ يَدًا بِيَدٍ كَيْفَ شِئْتُمْ ۔(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)

(۲۶۹۶) روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی کے عوض چاندی، گیہوں کے عوض گیہوں، جو کے عوض جو، چھوہارے چھوہارے کے عوض اور نمک نمک کے عوض نہ بیچو مگر برابر برابر۔۱؎ نقد نقد سے ہاتھ بہ ہاتھ۲؎ لیکن سونے کو چاندی کے عوض اور چاندی کو سونے کے عوض اور گیہوں کو جو کے عوض اور جو کو گیہوں کے عوض، چھوہارے نمک کے عوض ہاتھ بہ ہاتھ جیسے چاہو بیچو۔ (شافعی)

(۲۶۹۶)۱؎ خیال رہے کہ وزنی چیزوں کی برابری وزن سے ہوگی، اور کیل یعنی ماپ والی چیزوں کی برابر ماپ سے، شریعت میں سونا چاندی وزنی ہیں اور گندم جو کیلی تو سونے چاندی دھاتوں کو وزن میں برابر کرکے خرید وفروخت کرو اور گندم جو کو ٹوپہ پیمانہ سے برابر کرکے فروخت کرو لہٰذا ایک سیر بھاری گندم کی بیع ایک سیر ہلکی گندم سے ناجائز ہے کہ یہ وزن میں تو برابر ہوئے مگر پیمانہ میں برابر نہیں لیکن گندم پیمانہ میں کم آئے گی وزن میں زیادہ، ایسے ہی ایک سیر گندم کی بیع ایک سیر گندم کے آٹے سے ناجائز ہے، کہ ایک سیر آٹا زیادہ گندم کا ہوتا ہے (از مرقات)۲؎ یعنی ہم جنس وہم وزن چیزوں کی بیع میں زیادتی کمی بھی حرام ہے اور ادھار بھی حرام' برابر دو اور دو طرفہ نقد دو اور ہم وزن تو ہوں مگر ہم جنس نہ ہوں جیسے گندم و جو، یا ہم جنس تو ہوں ہم وزن نہ ہوں جیسے اخروٹ یا انڈے کہ گن کر فروخت کئے جاتے ہیں تو ان میں زیادتی کمی جائز مگر ادھار حرام اور جنس و وزن دونوں میں مختلف ہوں، تو کمی بیشی بھی حلال اور ادھار بھی درست جیسے روپیہ پیسہ سے مذکورہ چیزوں کی خرید وفروخت، اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو،۳؎ یعنی چونکہ ان کی جنسیں مختلف ہیں لہٰذا ان میں زیادتی کمی حلال ہے لیکن ہم وزن میں ادھار حرام ہوگا جیسا کہ پہلی حدیث میں اور ابھی شرح میں گزر چکا۔(مرقات ولمعات)

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ شِرَی التَّمْرِ بِالرُّطَبِ فَقَالَ اَيَنْقُصُ الرُّطَبُ اِذَا يَبِسَ فَقَالَ نَعَمْ فَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

(۲۶۹۷) روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ سے کھجور چھوہاروں کے عوض خریدنے کے متعلق پوچھا گیا۔۱؎ تو فرمایا کیا کھجور خشک ہو کر کم ہوجاتی ہے۔۲؎ عرض کیا ہاں تب آپ نے اس سے منع فرمادیا۔۳؎ (مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

(۲۶۹۷)۱؎ اگر تر کھجور خشک چھوہاروں کے عوض برابر برابر فروخت کی جائے تو درست ہے یا نہیں کہ اس وقت تو برابر ہی ہیں،سوال نہایت اعلیٰ ہے۔۲؎ یہ سوال ناواقفی کی بنا پر نہیں کہ تر کھجور کا خشک ہو کر کم ہوجانا بالکل ظاہر ہے،خصوصاً عرب پر،خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بلکہ آئندہ جواب کی تمہید کیلئے ہے جیسا کہ روش کلام سے ظاہر ہے۔(مرقات)۳؎ امام شافعی و صاحبین کے ہاں تر کھجور و خرما کی بیع برابر برابر بھی ناجائز ہے اس حدیث کی بنا پر مگر ہمارے امام اعظم کے ہاں برابر برابر کی بیع درست ہے اولاً تو یہ حدیث ضعیف ہے اس سے حرمت جیسا مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا۔(اشعہ)اگر حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے ادھار کی بیع مراد ہوگی کہ ایک جنس میں ادھار کی بیع حرام ہے دوسری روایات میں لفظ نسیہ آیا بھی ہے انگور کی بیع کشمش یا منقیٰ سے،تازہ گوشت کی بیع خشک گوشت سے اسی اختلاف پر ہے کہ امام اعظم کے ہاں برابر برابر کی درست دیگر ائمہ کے ہاں ممنوع (مرقات)

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلًا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ قَالَ سَعِيْدٌ كَانَ مِنْ مَيْسِرِ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ

(۲۶۹۸) روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے (ارسالاً)۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے عوض گوشت بیچنے سے منع۲؎ فرمایا حضرت سعید فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ جاہلیت کے جوئے سے تھا۔۳؎ (شرح السنہ)

(۲۶۹۸)۱؎ حضرت سعید ابن مسیب افضل تابعین سے ہیں،انہوں نے بغیر ذکر صحابی حدیث کو حضور سے روایت فرمادیا،اسی کا نام ارسال ہے،حدیث مرسل امام شافعی کے ہاں معتبر نہیں ہمارے ہاں معتبر ہے۔۲؎ اس حدیث کے ظاہری معنی پر حضرت امام شافعی کا عمل ہے،ان کے ہاں گوشت جانور کے عوض فروخت کرنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ گوشت اور جانور ایک ہی جنس کے ہوں یا مختلف جنس کے اور خواہ جانور حلال ہو یا حرام،چنانچہ ان کے ہاں گائے کے گوشت کے عوض گدھا خریدنا بھی حرام ہے اور بکری کا گوشت خریدنا بھی حرام،امام محمد کے ہاں اگر جانور حلال ہو اور گوشت و جانور ہم جنس ہوں تو گوشت جانور کے گوشت سے زیادہ ہونا ضروری ہے اگر بکری میں دس سیر گوشت ہے تو دوسرا گوشت بارہ تیرہ سیر چاہیئے تاکہ زیادتی کھال وغیرہ کے عوض ہوجائے اگر بکری میں دس سیر گوشت ہے تو دوسرا گوشت بارہ تیرہ سیر چاہیئے اور اگر جانور گوشت مختلف الجنس ہوں تو مطلقاً بیع درست ہے،امام اعظم کے ہاں یہ کوئی قید نہیں ان کے ہاں جانور کی بیع گوشت کے عوض ہر طرح جائز ہے اور اس حدیث میں ادھار بیع مراد ہے یعنی جانور کو گوشت کے عوض نقد بیچنا تو حلال ہے ادھار بیچنا حرام کہ جانور موٹا پتلا ہوتا رہتا ہے اور گوشت کا ادھار میں تعین مشکل ہوتا ہے۔(لمعات و مرقات)۳؎ یعنی کفار عرب کھیل کا بھی جوا کرتے تھے اور عقد کا بھی،یہ جانوروں کے گوشت کی بیع کو عقد کا جوا قرار دیتے تھے کہ اگر جانور میں گوشت اس گوشت سے زیادہ نکل آیا تو گوشت والا جیت گیا اور اگر کم نکلا تو جانور والا جیت گیا گوشت والا ہار گیا۔

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيْئَةً . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۶۹۹) روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کی جانور کے عوض ادھار تجارت سے منع فرمایا۔[۱] (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

(۲۶۹۹)[۱] اس مسئلہ کی تحقیق اور اس میں صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کا اختلاف پہلے بیان ہو چکا کہ بعض کے ہاں اگر دو طرفہ جانور ادھار ہوں تو بیع ناجائز ہے اگر ایک طرفہ ادھار ہو ایک طرف نقد تو درست ہے، ہمارے ہاں جانور سے جانور کی ادھار بیع مطلقاً منع ہے، یہ حدیث ہماری دلیل ہے کہ اس میں کوئی تفصیل نہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهٗ اَنْ يُّجَهِّزَ جَيْشًا فَنَفِدَتِ الْاِبِلُ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَّاْخُذَ عَلٰى قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ فَكَانَ يَاْخُذُ الْبَعِيْرَ بِالْبَعِيْرَيْنِ اِلٰى اِبِلِ الصَّدَقَةِ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۲۷۰۰) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لشکر کے سامان تیار کرنے کا حکم دیا۔[۱] تو اونٹ ختم ہو گئے[۲] تو حضور نے انہیں حکم دیا کہ صدقہ کی اونٹنیوں کے عوض لے لیں، تو وہ صدقہ کے اونٹ آنے تک ایک اونٹ دو اونٹوں کے عوض لیتے تھے[۳] (ابوداؤد)

(۲۷۰۰)[۱] یعنی حکم دیا کہ لشکر کو سواریوں ہتھیاروں اور دیگر سامان سے لیس کردیں۔[۲] یعنی بعض سپاہیوں کو اونٹ نہ ملے، اونٹ ختم ہو گئے اور سپاہی بچ رہے کہ اونٹ کم تھے اور سپاہی زیادہ تھے[۳] اس کی صورت یہ ہے کہ آج لوگوں سے اونٹ خرید لو، اور ان تاجروں سے وعدہ کرلو کہ جب زکوٰۃ کے اونٹ آئیں تو تم کو ایک کے عوض دو اور دو کے عوض چار دیئے جائیں گے۔ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے کہ جو جانور کے ادھار کی بیع جائز کہتے ہیں، تمہارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ اولاً یہ حدیث ہی ضعیف ہے۔، اس ضعیف حدیث سے استدلال درست نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو منسوخ ہے، یہ حکم اس وقت تھا جبکہ اسلام میں سود حرام نہ ہوا تھا ہماری دلیل حضرت سمرہ کی حدیث ہے جو ابھی گزر گئی کہ وہ حدیث صحیح بھی ہے اور غیر منسوخ بھی۔ اس حدیث میں ایک اشکال یہ بھی ہے کہ ادھار کی بیع میں وقت ادا مقرر ہونا چاہئے اور زکوٰۃ کے اونٹوں کی وصولی کا وقت مقرر نہیں، ہر شخص اپنا سال گزرنے پر زکوٰۃ دیتا ہے، زکوٰۃ کیلئے کوئی مہینہ یا تاریخ مقرر نہیں ہو سکتی غرضیکہ یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں، ضعیف ہے، منسوخ ہے یا مجمل یا مشکل ہے، حدیث سمرہ اس پر ترجیح رکھتی ہے۔ (لمعات)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّبٰوا فِي النَّسِيْئَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَارِبٰوا فِيْمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۰۱) روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود ادھار میں ہے ایک روایت میں یوں ہے جو ہاتھ بہ ہاتھ ہو اس میں سود نہیں[۱] (بخاری)

(۲۷۰۱)[۱] یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی، جیسے رب کا فرمان: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ (۲،۱۷۳) اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون اور سوئر کا گوشت (کنزالایمان) میں کہ قرآن کریم نے جو صرف چھ جانوروں کی حرمت بیان کی حصر کے

طریقہ پر یہ مشرکین کے بحیرہ سائبہ وغیرہ کے مقابلہ میں ہے ورنہ کتا، گدھا وغیرہ بھی حلال نہیں ہے، کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو برابر برابر فروخت کرنے کے متعلق دریافت کیا ہوگا، یا مختلف الجنس کو زیادتی کمی سے بیچنے کے بارے میں پوچھا ہوگا تو فرمایا ان صورتوں میں سود صرف ادھار میں ہوگا نقد میں نہیں، ایک سیر گندم دو سیر جو کے عوض یا ایک سیر گندم ایک سیر گندم کے عوض نقد بیچ سکتے ہیں۔ ادھار نہیں لہٰذا الرّبوا میں الف لام عہدی ہے، یعنی ان کا ربو صرف ادھار میں ہے اور ہوسکتا ہے کہ الف لام استغراقی ہو یعنی ادھار میں مطلقاً زیادہ حرام ہے، خواہ دونوں کے عوض وقدر میں یکساں ہوں یا صرف جنس میں یا صرف قدر میں یکساں ہوں۔ نقد کی تجارت میں ربو جب حرام ہوگا جبکہ دونوں عوض جنس میں بھی ایک ہوں وزن میں بھی لہٰذا یہ حدیث گزشتہ مِثلاً بمثل کے خلاف نہیں (لمعات، اشعہ، مرقات)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَنْظَلَةَ غَسِيْلِ الْمَلَآئِكَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْهَمُ رِبًوا يَاْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَّ ثَلٰثِيْنَ زِنْيَةً رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارَ قُطْنِيُّ وَ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَزَادَ وَقَالَ مَنْ نَبَتَ لَحْمُهُ مِنَ السُّحْتِ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ

(۲۷۰۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حنظلہ سے جنہیں فرشتوں نے غسل دیا۔ افرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کا ایک درہم جو جانتے ہوئے انسان کھائے ۲ وہ چھتیس بار زنا سے سخت تر ہے۔ ۳ (احمد، دارقطنی) بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس سے روایت کی وہاں یہ زیادتی ہے کہ فرمایا جس کا گوشت حرام سے اگا ہوگا تو آگ اس سے بہت قریب ہوگی۔ ۴

(۲۷۰۲) اغسیل الملائکہ حضرت حنظلہ کی صفت ہے نہ کہ عبداللہ کی، حضرت حنظلہ غزوہ احد کے دن نوعروس تھے، ابھی جنابت سے غسل نہ کیا تھا کہ اعلان جہاد ہوگیا بغیر غسل کئے چلے گئے اور شہید ہوگئے، انہیں حضرت جبرائیل وحضرت میکائیل علیہما السلام نے غسل دیا، ان کی نعش شریف سے پانی ٹپک رہا تھا، اسی لئے ان کا لقب غسیل الملائکہ ہوا، ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بھی صحابی ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سات سالہ تھے، انصار کے سردار تھے، یزید ابن معاویہ کی بیعت مع انصار مدینہ کے آپ نے توڑ دی، ادرحرہ کے دن اپنے سات بیٹوں کے ساتھ یزیدی لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے، بڑے متقی و پرہیزگار تھے۔ (اشعہ) ۲ کھانے سے مراد ہے سود لینا، خواہ کھائے یا پہنے یا کسی اور استعمال میں لائے یا صرف جمع کرکے رکھے چونکہ تمام استعمالات میں کھانا زیادہ اہم ہے، اس لئے اس کا ذکر فرمایا، ہماری اصطلاح میں بھی سود لینے والے کو سود خوار یعنی سود کھانے والا کہا جاتا ہے ایک درہم سے مراد معمولی سامال ہے، جاننے کی قید اس لئے لگائی کہ بے علمی میں اگر سود کا پیسہ استعمال میں آجائے تو گناہ نہیں، اسی لئے مخلوط کمائی والے کے ہاں دعوت وغیرہ کھانا جائز ہے، کہ ہمیں خبر نہیں کہ کس مال سے کھانا پکایا گیا۔ ۳ ایک سود کے چھتیس زنا سے بدتر ہونے کی چند وجہیں ہیں زنا حق اللہ ہے اور سود حق العباد جو توبہ سے معاف نہیں ہوتا۔ سود خوار کو اللہ رسول سے جنگ کا اعلان ہے، زانی کو یہ اعلان نہیں، سود خوار کے خرابی خاتمہ کا اندیشہ ہے، زانی کے متعلق یہ اندیشہ نہیں، سود خوار مقروض اور اس کے بال بچوں کو تباہ کرتا ہے، اسی لئے سود خوار پر زیادہ سختی ہے (لمعات، مرقات) نیز عموماً مسلمان زنا سے تو نفرت کرتے ہیں مگر سود سے نہیں، حکومتیں اور گناہوں کو روکنے کی کوشش کرتی ہیں مگر سود کو رواج دیتی ہیں۔ اس سے بچنا مشکل ہے۔ ۴ یعنی جیسے مٹی کے تیل میں بھیگا ہوا کپڑا آگ میں جلد جل جاتا ہے، ایسے ہی سود، رشوت، جوئے اور چوری وغیرہ حرام مال سے پیدا شدہ گوشت دوزخ کی آگ میں بہت جلد جلے گا، چونکہ غذا سے خون اور خون سے گوشت بنتا ہے۔ اس لئے غذا بہت پاکیزہ ہونی چاہئے۔ حرام غذا کا اثر سارے بدن پر پڑتا ہے

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الرِّبٰوا سَبْعُوْنَ جُزْءً اَیْسَرُهَا اَنْ یَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ .

(۲۷۰۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے ستر حصے ہیں جن سے کمترین حصہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے زنا کرے۔ۓ

(۲۷۰۳)ۓ یعنی ماں سے زنا کرنا جب کمترین درجہ ہوا، تو بقیہ درجے اس سے زیادہ سخت ہوں گے چونکہ اہل عرب سود کے بہت زیادہ عادی تھے۔ان سے سود چھوڑانا آسان نہ تھا،اس لئے سود پر زیادہ وعیدیں وارد ہوئیں،خیال رہے کہ زنا اکثر مرد عورت کی رضامندی سے بلکہ زیادہ تر عورت کی رضا سے ہوتا ہے،اسی لئے ربّ تعالٰی نے زنا میں عورت کا ذکر پہلے فرمایا الزانیة والزانی مگر سود میں مقروض کی رضا قطعًا نہیں ہوتی اس وجہ سے بھی سود کے احکام سخت تر ہیں کہ یہ گناہ بھی ہے اور ظلم بھی صرف مقروض پر نہیں بلکہ اس کے سارے بچوں پر سود خوار ایک تیر سے بہت سوں کا شکار کرتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّبٰوا وَاِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِیْرُ اِلٰی قُلٍّ رَوَاهُمَا ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَرَوٰی اَحْمَدُ الْاٰخِیْرَ .

(۲۷۰۴) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سود اگرچہ بہت ہو مگر انجام کمی کی طرف لوٹتا ہے۔ۓ یہ دونوں حدیثیں ابن ماجہ،بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں اور احمد نے آخری حدیث روایت کی۔

(۲۷۰۴)ۓ یہ فرمان مسلمان کیلئے ہے کہ سود کا انجام قلت و ذلت ہے،اس کا بہت تجربہ ہے،فقیر نے بڑے بڑے سود خوار آخر برباد بلکہ ذلیل و خوار ہوتے دیکھے،بعض جلد اور بعض دیر سے،سود کا پیسہ اصل مال بھی لینے و برباد کرنے آتا ہے،اگر کفار کو پھل جائے تو پھل سکتا ہے ہر ایک کی غذا مختلف ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَیْتُ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ عَلٰی قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُیُوْتِ فِیْهَا الْحَیَّاتُ تُرٰی مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰٓؤُلَاءِ یَاجِبْرَئِیْلُ قَالَ هٰٓؤُلَاءِ اٰكَلَةُ الرِّبٰوا .(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۷۰۵) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم شب معراج اس قوم پر پہنچے جن کے پیٹ کوٹھریوں کی طرح تھے جن میں سانپ تھے جو پیٹوں کے باہر دیکھے جارہے تھےۓ ہم نے کہا اے جبرئیل یہ کون ہیں انہوں نے عرض کیاۓ یہ سود خوار ہیں۔(احمد،ابن ماجہ)ۓ

(۲۷۰۵)ۓ حدیث بالکل ظاہر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ حقیقت بین اور آخر بین ہے،اس لئے آپ کی نگاہ نے وہ واقعہ دیکھ لیا جو آئندہ بعد قیامت ہونے والا تھا ورنہ اس وقت تو دوزخ میں کوئی نہ تھا،دوزخ و جنت میں سزا و جزا کیلئے داخلہ بعد قیامت ہوگا اور چونکہ سود خوار ہوسی ہوتا ہے کہ کھاتا تھوڑا ہے حرص و ہوس زیادہ کرتا ہے،اس لئے ان کے پیٹ واقعی کوٹھڑیوں کی طرح ہوں گے لوگوں کے مال جو ظلمًا وصول کئے تھے وہ سانپ بچھو کی شکل میں نمودار ہوں گے۔آج اگر ایک معمولی کیڑا پیٹ میں پیدا ہو جائے تو تندرستی بگڑ جاتی ہے،آدمی بے قرار ہو جاتا ہے تو سمجھ لو کہ جب اس کا پیٹ سانپوں،بچھوؤں سے بھر جائے تو اس کی تکلیف و بے قراری کا کیا حال ہوگا۔ربّ کی پناہ۔ۓ غالب یہ ہے کہ یہ واقعہ جسمانی معراج کا ہے۔صرف منامی یعنی خواب کی معراج کا نہیں،کیونکہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کا ساتھ ہونا اور سوال و جواب اسی بیداری کی جسمانی معراج میں ہوئے ہیں۔ۓ اس سے

معلوم ہوا کہ اگر چہ سود دینا بھی حرام ہے جرم ہے، مگر سود لینا زیادہ سخت حرام ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود خوار کا یہ حال ملاحظہ فرمایا کہ سود خوار گنہگار بھی ظالم بھی، سود دینے والا گنہگار ہے مگر ظالم نہیں بلکہ مظلوم۔

وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَمَانِعَ الصَّدَقَةِ وَكَانَ يَنْهٰى عَنِ النَّوْحِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

(۲۷۰۶) روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے لکھنے والے زکوۃ نہ دینے والے پر لعنت فرمائی۔۱؎ اور آپ نوحہ سے منع فرماتے تھے۔۲؎ (نسائی)

(۲۷۰۶)۱؎ ظاہر یہ ہے کہ صدقہ سے مراد صدقہ واجبہ یعنی زکوۃ ہے یا زکوۃ بھی اور فطرہ وقربانی بھی، یعنی جس مسلمان پر یہ صدقے واجب ہوں مگر نہ دے تو اس پر لعنت فرمائی، سود دینے والا لکھنے والا چونکہ سود خوار کے گناہ پر معاون و مددگار ہیں اس لئے سب لعنت میں آ گئے، مسلمان اپنے خرچ کم کر دیں، ضروریات کو حتی الامکان مختصر کریں مگر سودی قرض سے بچیں مسلمان اکثر مقدمہ بازیوں اور شادی غمی کی حرام رسموں میں سودی قرضے لیتے ہیں۔۲؎ مردے کے غلط اوصاف بیان کر کے بلند آواز سے رونا قولی نوحہ ہے جیسے ہائے میرے پہاڑ ہائے گھوڑی کے سوار وغیرہ اور پیٹنا بال نوچنا کپڑے پھاڑنا، سینہ کوٹنا، ماتم کرنا، عملی نوحہ، یہ تمام لعنت کا باعث اور سخت ممنوع ہیں۔ ربّ تعالٰی نے صبر کا حکم دیا ہے نہ کہ کپڑے پھاڑنے اور چیخنے چلانے کا۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ اٰخِرَ مَا نَزَلَتْ اٰيَةُ الرِّبٰوا وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۷۰۷) روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہ جو آخری آیت اتری وہ سود کی آیت ہے۱؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی سود کی پوری تشریح نہ کی۔۲؎ لہذا بچو سود سے بھی اور شک وشبہ سے بھی۔۳؎ (ابن ماجہ، دارمی)

(۲۷۰۷)۱؎ یعنی احکام کی آیات میں سب سے آخر سود کی آیت اتری۔ اس کے بعد احکام شرعیہ کی کوئی آیت نہ آئی۔ لہذا یہ محکم ہے منسوخ نہیں، وہ آیت یہ ہے اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا (۲۷۵،۲) وہ جو سود کھاتے ہیں (کنزالایمان) لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سب سے آخری آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (۳،۵) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا (کنزالایمان) ہے کہ مطلقاً آخری یہ آیت ہے اور معاملات واحکام میں آخری آیت سود کی آیت ہے۔۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد بہت کم ظاہری حیات سے دنیا میں رہے اور جس قدر زمانہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا وہ دوسرے اہم کاموں میں گزرا، اس لئے اس آیت سود کی تفصیلی تفسیر نہ ہو سکی، صرف چھ چیزوں میں سود کی حرمت کی تفصیل فرمائی۔ نیز سود کی تفصیل قدرے واضح بھی تھی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں کی تصریح فرما کر علماء امت کو قوانین سود کی رہبری بھی فرما دی تھی، اصول مقرر کر دیئے تھے، ان وجوہ سے تفصیل کی چنداں ضرورت نہ رہی تھی پھر بعد میں علماء امت نے اس مسئلہ کو بھی بالکل واضح کر دیا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دین اسلام پورا واضح نہ ہوا کہ ایک مسئلہ مخفی رہ گیا، اصول تو اس کے بھی واضح ہو گئے فروع مسائل بعد میں واضح ہوئے۔ (از مرقات)۳؎ یعنی جن چیزوں کی تصریح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی ان میں بھی سود نہ لو، ان کے علاوہ دیگر چیزوں میں بھی سود سے بچو، جن میں سود یقینی ہے ان میں بھی نہ لو، جہاں سود کا شک ہو وہاں بھی بچو، وہم کا اعتبار نہیں شک و وہم میں فرق ہے، دلیل سے پیدا ہونے والا شبہ شک

کہلاتا ہے بلا دلیل شبہ وہم ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُكُمْ قَرْضاً فَاَهْدٰى اِلَيْهِ اَوْحَمَلَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهُ وَلَا يَقْبَلْهَا اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ جَرٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ (رَوَاهُ ابْنِ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۲۷۰۸) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی کچھ قرضہ کسی کو دے پھر مقروض اسے کچھ ہدیہ دے یا اسے اپنے گھوڑے پر سوار کرے تو سوار نہ ہو نہ ہدیہ قبول کرے۔ اگر اس صورت میں کہ ان دونوں کی آپس میں یہ رسم پہلے سے جاری ہو۔۲ (ابن ماجہ، بیہقی، شعب الایمان)

(۲۷۰۸) ۱یعنی اگر قرض خواہ و مقروض میں پہلے سے ہدیہ کے لین دین یا اور خدمات کا دستور نہ تھا قرض لینے کے بعد مقروض ہدیہ لایا، یا عاریۃً گھوڑا وغیرہ پیش کیا تو ظاہر یہ ہے کہ قرض کی وجہ سے وہ یہ سب کچھ کررہا ہے۔ اس میں بھی سود کا اندیشہ ہے کہ جو قرض نفع دے وہ سود ہے اور ہدیہ اور گھوڑے کی سواری بھی تو نفع ہی ہے۔ جو اس قرض کا باعث ہوا لہذا اس میں سود کا احتمال ہے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سخت تیز دھوپ میں اپنے مقروض کی دیوار کے سایہ میں نہ کھڑے ہوئے دھوپ میں کھڑے رہے، عرض کرنے پر فرمایا کہ ڈرتا ہوں یہ سایہ سود نہ بن جائے۔ ۲کہ اب یہ ہدیہ قرض کی وجہ سے نہیں بلکہ پرانی دوستی کے سبب ہے، یہی حکم حکام کے ہدایا اور دعوتوں کا ہے کہ وہ عام دعوتوں میں جاسکتے ہیں اور ان کے ہدیئے اور خاص دعوتیں قبول کرسکتے ہیں جن کے ساتھ حکومت ملنے سے پہلے یہ تعلقات ہوں، حاکم بننے پر نہ کسی کی خاص دعوت کھائیں نہ ہدیئے لیں کہ یہ بھی رشوت ہے۔ لوگ دعوتیں اور ہدیئے دے کر وقت پر اپنا کام نکالتے ہیں، ظلم کراتے ہیں۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا يَاْخُذْ هَدِيَّةً (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَارِيْخِهٖ هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى)

(۲۷۰۹) روایت ہے ان ہی سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب کوئی شخص کسی کو قرض دے تو اس سے ہدیہ قبول نہ کرے۱ (بخاری اپنی تاریخ میں) اسی طرح منتقی میں ہے۔۲

(۲۷۰۹) ۱خیال رہے کہ یہ ممانعتیں تنزیہی اور احتیاطی ہیں، جن میں تقویٰ کا حکم دیا گیا، ورنہ حقیقۃً سود وہ ہی ہے جس کی شرط لگائی جائے یا عرفاً مشروط ہو۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ قرض خواہ اور حاکم ایسے ہدیئے ہرگز قبول نہ کریں اور اگر قبول کرنا پڑ جائے تو اس کے عوض دے دے۔ (مرقات مع زیادۃ) ۲منتقٰی بروزن مصطفٰی یا مجتبٰی، حنبلی علماء میں سے ایک فقیہ عالم کی کتاب ہے، جس میں فقہی مسائل کی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہیں اس کے مؤلف امام احمد ابن حنبل کے ساتھیوں میں سے کوئی صاحب ہیں۔ (اشعہ، لمعات، مرقات)

وَعَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَلَقِيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ فَقَالَ اِنَّكَ بِاَرْضٍ فِيْهَا الرِّبٰوا فَاشٍ فَاِذَا كَانَ لَكَ عَلٰى رَجُلٍ حَقٌّ فَاَهْدٰى اِلَيْكَ حِمْلَ تِبْنٍ اَوْحِمْلَ شَعِيْرٍ اَوْحِمْلَ قَتٍّ فَلَا تَاْخُذْهُ فَاِنَّهٗ رِبٰوا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۷۱۰) روایت ہے حضرت ابو بردہ ابن موسیٰ سے فرماتے ہیں میں مدینہ منورہ آیا۱ تو حضرت عبداللہ ابن سلام سے ملا آپ نے فرمایا تم اس جگہ رہتے ہو جہاں سود پھیلا ہوا ہے۔۲ تو اگر تمہارا کسی پر کچھ حق ہو پھر وہ تمہیں بھوسے یا جو کا بوجھ دے۳ یا چارے کا گٹھا دے تو ہرگز نہ لو کہ یہ سود ہے۔۴ (بخاری)

(۲۷۱۰) ۱حضرت ابو بردہ جناب ابو موسیٰ اشعری کے صاحبزادے تھے اور تابعین سے تھے، کوفہ کے قاضی القضاۃ مدینہ منورہ زیارت

وسلام کیلئے حاضر ہوئے، اس زمانہ میں جو صحابہ کرام موجود تھے ان سے ملاقات کی، ان میں حضرت عبداللہ ابن سلام بھی تھے، یہاں اس ملاقات کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔ ۲؎ یعنی عراق میں اب بھی سود کا لین دین عام ہے، بعض مسلمان بھی غلطی سے سود کا لین دین کرلیتے ہیں اسے سود سمجھتے ہی نہیں۔ ۳؎ جو تم خود تو نہ کھاؤ گے اپنے جانوروں کو کھلاؤ گے وہ بھی قبول نہ کرو کہ ملکیت میں تو تمہاری ہی آئے گا پھر جو بھی کھائے مجرم تو تم ہوگے۔ ۴؎ قت ق کے فتح ت کے شد سے بمعنی ہرا چارہ جسے عربی میں رطب اور اب بھی کہتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ (۸۰:۳۱،۳۲) اور دُوب (گھاس) تمہارے فائدے کو (کنزالایمان) مکہ معظمہ میں اسے ہرسوم کہا جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مقروض سے اپنے جانور کیلئے ہری گھاس بھی نہ لو کہ یہ بھی سود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے جانور کو بھی حرام غذا نہ کھلائے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سود یا رشوت لے کر دوسرے کو دے دینے سے بھی مجرم بری نہ ہوجائے گا۔ وہ گنہگار ہی رہے گا بعض لوگ اپنا جانور دوسرے کے کھیت میں چرا لیتے ہیں، یہ بھی چوری ہے، اس چارے سے جو دودھ حاصل ہوگا مشکوک ہوگا بہت احتیاط چاہئے۔ اس حدیث میں غور کرو اپنے معاملات سنبھالو۔

بَابُ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا مِنَ الْبُيُوْعِ — باب جن تجارتوں سے ممانعت کی گئی ہے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

ممنوع تجارتیں چند قسم کی ہیں، بیع فاسد، بیع باطل، بیع مکروہ، بیع فاسد کرنا منع ہے مگر بعد قبضہ مفید ملک ہے اور بیع باطل بالکل ملک کا فائدہ نہیں دیتی، نہ قبضہ سے پہلے نہ بعد میں بیع مکروہ مطلقًا مفید ملک ہے اگرچہ ایسا کرنا اچھا نہیں جیسے اذان جمعہ ہوچکنے کے بعد نماز جمعہ سے پہلے تجارت کہ اس کا کرنا برا لیکن بیع درست ہوگی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ اَنْ يَّبِيْعَ ثَمَرَ حَائِطِهٖ اِنْ كَانَ نَخْلاً بِتَمْرٍ كَيْلًا وَاِنْ كَانَ كَرْمًا اَنْ يَّبِيْعَهٗ بِزَبِيْبٍ كَيْلًا اَوْ كَانَ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ وَاِنْ كَانَ زَرْعًا اَنْ يَّبِيْعَهٗ بِكَيْلِ طَعَامٍ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ قَالَ وَالْمُزَابَنَةُ اَنْ يُّبَاعَ مَا فِيْ رُؤُسِ النَّخْلِ بِتَمْرٍ بِكَيْلٍ مُسَمًّى اِنْ زَادَ فَلِيْ وَاِنْ نَقَصَ فَعَلَيَّ۔

(۲۷۱۱) روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا۔ ۱؎ وہ یہ ہے کہ اگر کھجور ہو تو اپنے باغ کے پھل خشک کھجور کے عوض ناپ سے فروخت کرے اور اگر انگور کا کھیت ہو تو انگور کشمش کے عوض ناپ سے فروخت کرے ۲؎ اور مسلم کے نزدیک یہ ہے ۳؎ کہ اگر کھیت ہو تو تر دانہ خشک دانوں کے عوض ناپ سے بیچے ان سب سے منع فرمایا ۴؎ (مسلم بخاری) ان ہی دونوں میں ایک روایت یوں ہے کہ مزابنہ سے منع فرمایا اور فرمایا کہ مزابنہ یہ ہے کہ درخت میں لگی کھجوریں معین پیمانے چھوہاروں کے عوض بیچے کہ اگر زیادہ ہوں تو میری اور اگر کم ہوں تو مجھ پہ۔ ۵؎

(۲۷۱۱) ۱؎ مزابنہ زبنٌ سے بنا بمعنی دفع کرنا، ختم کرنا چونکہ اس بیع کو بعد میں ایک شخص جاری رکھنا چاہتا ہے دوسرا جسے نقصان نظر آئے فسخ کرنا چاہتا ہے، اس لئے اسے مزابنہ کہتے ہیں یعنی دفع کی جانے والی بیع۔ ۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ خشک پھل ہم جنس تر پھلوں کے عوض

جو درخت پر لگے ہیں فروخت کرنا کہ خشک پھل کا وزن تو معلوم ہو مگر درخت پر لگے ہوئے تر پھلوں کا وزن معلوم نہ ہو صرف اندازہ ہو یہ حرام ہے کہ اس میں سود کا احتمال قوی ہے ہاں اگر جانبین کے پھل مختلف الجنس ہوں تو مضائقہ نہیں۔ ۳؎ یعنی بخاری و مسلم کی روایتوں میں اَوْ اوران کا فرق ہے کہ بخاری میں او کان ہے اور مسلم میں ان کان ۴؎ طعام سے مراد گندم ہے یا تمام دانے یعنی کھیت میں درختوں میں لگے ہوئے گندم کے خوشے، دوسری خشک گندم کی عوض فروخت کرنا منع ہے کہ خشک گندم کا وزن تو معلوم ہے مگر خوشے کی گندم کا وزن معلوم نہیں اور مال ربوی ہے جس میں زیادتی کمی سود ہے لہذا اس بیع سے بچے ۵؎ یعنی خریدار کہے کہ تیرے باغ میں لگی ہوئی کھجوریں جتنی بھی ہوں میری ہیں کم ہوں تو مجھے نقصان ہے زیادہ ہوں مجھے نفع، یہ حرام ہے کہ اس میں سود ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُخَابَرَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةُ اَنْ يَّبِيْعَ الرَّجُلُ الزَّرْعَ بِمِائَةِ فَرَقٍ حِنْطَةٍ وَّالْمُزَابَنَةُ اَنْ يُّبِيْعَ التَّمَرَ فِيْ رُؤُسِ النَّخْلِ بِمِائَةِ فَرَقٍ وَالْمُخَابَرَةُ كِرَآءُ الْاَرْضِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۱۲) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مخابرہ، محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ۱؎ محاقلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا کھیت سوفرق گندم کے عوض بیچے ۲؎ اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت میں لگے چھوہارے سوفرق کے عوض بیچے اور مخابرہ زمین کو کرایہ پر دینا ہے تہائی یا چوتھائی پر ۳؎ (مسلم)

(۲۷۱۲) ۱؎ مخابرہ خیبر سے بنا یعنی خیبر والا معاملہ کرنا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود سے کیا کہ باغات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کام کاج یہود کا، پیداوار نصف نصف، یا خیار سے بنا بمعنی نرم زمین، جس میں زمین ایک کی ہو اور اس کا نرم کر کے جوتنا بونا دوسرے کے ذمے، محاقلہ حقل سے بنا بمعنی اچھی و زرخیز زمین، کھیت کو اسی لئے حقل کہتے ہیں کہ بیج حتی الامکان اچھی زمین میں بویا جاتا ہے۔ ۲؎ فرق ر کے فتح سے وہ پیمانہ ہے جس میں سولہ رطل یعنی آٹھ سیر گندم سمائے اور فرق ر کے جزم سے، وہ پیمانہ ہے جس میں ایک سو بیس سیر گندم آئے یعنی ڈیڑھ من، یہاں فرق کا ذکر تمثیل کے طور پر ہے یعنی گندم کی معین مقدار کھیت والے کو دے اور اس کی کھڑی کھیتی خرید لے (نہایہ، اشعہ، مرقات) مزابنۃ پھل کی خرید و فروخت کو کہا جاتا ہے اور محاقلہ دانہ کی ایسی تجارت کو ۳؎ مخابرہ اور مزارعہ قریبًا ہم معنی ہیں یعنی زمین کاشت کیلئے کرایہ پر دینا ان میں فرق یہ ہے کہ مخابرہ میں تخم کرایہ دار کا ہوتا ہے اور مزارعہ میں تخم مالک زمین کا، صرف کام کرایہ دار کا، مخابرہ یا مزارعہ کو امام ابوحنیفہ منع فرماتے ہیں، اس حدیث کی وجہ سے صاحبین جائز کہتے ہیں، واقعہ خیبر کی وجہ سے صاحبین یہ حدیث منسوخ مانتے ہیں اور حدیث خیبر کو ناسخ فتویٰ قول صاحبین پر ہے۔ ہاں زمین کے معین حصہ کی پیداوار مالک یا کرایہ دار کیلئے مقرر کرنا باقی کی دوسرے کیلئے یہ حرام ہے کہ خبر نہیں کس حصہ میں کتنی پیداوار ہو اور ہو یا نہ ہو۔

وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَعَنِ الثُّنْيَا وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۱۳) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ مزابنہ اور مخابرہ اور معاومہ سے ۱؎ اور کچھ مستثنیٰ کرنے سے منع فرمایا ۲؎ عرایا میں اجازت دی ۳؎ (مسلم)

(۲۷۱۳) ۱؎ معاومہ عام سے بنا بمعنی سال یا برس، جیسے مشاہرہ شہر سے اور مسانہ سنت سے، معاومہ یہ ہے کہ کسی باغ کی چند سال کی بہار خرید لی جائے جیسا کہ آج کل عام رواج ہے یہ بیع باطل ہے کہ اس میں وہ چیز خریدی جاتی ہے جو ابھی پیدا بھی نہ ہوئی جیسے کہ جانور کے غیر پیدا شدہ بچے خرید لینا، بیع میں دو طرف مال چاہیئے اور غیر پیدا شدہ چیز مال تو کیا شے ہی نہیں۔ ۲؎ استثناء کی صورت یہ ہے کہ باغ کا

مالک یا کھیت والا خریدار سے کہے کہ اتنے روپیہ کے عوض میں نے یہ پھل تیرے ہاتھ فروخت کئے مگر ان میں سے دس من میرے باقی تیرے یہ منع ہے کہ دس من نکل جانے پر بقایا کی خبر نہیں کہ کتنے ہوں یا بالکل نہ ہوں صرف دس من ہی اس باغ یا کھیت میں ہوں چونکہ بیع مجہول رہ جاتی ہے اس لئے منع ہے۔۳؎ عرایا عریہ کی جمع ہے بمعنی خالی ہو جانا، عریہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی باغ والا اپنے باغ کا ایک درخت کسی فقیر کو دے دے کہ تو اس کے پھل کھایا کر، اب فقیر ان پھلوں کی وجہ سے باغ میں آنے جانے لگے جس سے مالک کے بال بچوں کو تکلیف ہو، اس لئے مالک اسے کچھ کھجوریں اس درخت میں لگے پھل کے عوض دے کر باغ سے رخصت کر دے، اگرچہ یہ بھی مزابنہ بیع معلوم ہوتی ہے۔مگر درحقیقت تبدیل ہبہ ہے۔اس لئے جائز ہے اس کی اور تفسیر بھی ہے مگر یہ قوی ہے۔(اشعہ، مرقات، لمعات)

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِىْ حَثْمَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ اِلَّا اَنَّهٗ رَخَّصَ فِى الْعَرِيَّةِ اَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا تَمْرًا يَاْكُلُهَا اَهْلُهَا رُطَبًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۱۴) روایت ہے حضرت سہل ابن ابی حثمہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تر کھجور چھوہاروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا مگر عریہ کی اجازت دی کہ درخت کے پھل چھوہاروں کے عوض بیچے جائیں کہ یہ عریہ والے تر کھجور کھا سکیں۔۲؎(مسلم بخاری)

(۲۷۱۴)۱؎ آپ صحابی ہیں انصاری ہیں ۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آٹھ سال کے تھے، بعض محدثین نے فرمایا کہ آپ بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے اور احد و تمام غزوات میں حاضر رہے۔واللہ اعلم۔(اشعہ)۲؎ ثمر سے مراد تر کھجور ہے کہ اکثر تر میوہ کو ہی ثمر یعنی پھل کہا جاتا ہے نہ کہ خشک کو، تمر سے مراد خشک چھوہارے ہیں چونکہ تر کھجور سوکھ کر گھٹ جاتی ہے اور خبر نہیں کتنی گھٹے۔اس لئے اس میں سود کا احتمال ہے۔۲؎ یہاں عریہ کی صورت یہ ہے کہ باغ والے نے کسی فقیر کو ایک درخت کے پھل خیرات دیئے۔یہ فقیر اتنے روز تک صبر نہیں کر سکتا کہ موسم بھر توڑتا رہے کھاتا رہے دوسرے فقیر کے پاس خشک چھوہارے تھے اسے اور اس کے بچوں کو تر کھجوریں کھانے کا شوق تھا، چھوہارے والا فقیر چھوہارے کے عوض یہ کھجوریں خرید لے، اب درخت والے کو اکٹھے چھوہارے مل گئے اور چھوہارے والے کو تر کھجوریں، اگرچہ یہ بیع مزابنہ ہوئی مگر فقراء کی حاجت روائی کیلئے جائز رکھی گئی۔مرقات میں ہے کہ جب بیع مزابنہ سے منع کیا گیا تو فقراء صحابہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگ تر کھجوروں سے محروم ہو جائیں گے تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عریہ کی اجازت دی، معلوم ہوا حضور مالک احکام ہیں۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْخَصَ فِىْ بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمَرِ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ اَوْفِىْ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ شَكَّ دَاوٗدَ بْنُ الْحُصَيْنِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۱۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عرایا میں اجازت دی کہ پانچ وسق سے کم یا پانچ وسق تک درخت کے پھل اندازاً چھوہاروں کے عوض بیچ دے۱؎ داؤد ابن حصین نے شک کیا۔۲؎(مسلم بخاری)

(۲۷۱۵)۱؎ اوسق وسق کی جمع ہے، وسق وہ پیمانہ ہے جس میں ساٹھ صاع پھل سماتے ہیں، ایک صاع قریباً ساڑھے چار سیر ہوتا ہے چونکہ باغ والے فقراء کو ایک دو درخت ہی عاریۃً دیا کرتے تھے جس میں اندازاً اتنی ہی کھجوریں ہوتی تھیں اس لئے اتنی ہی کی اجازت دی گئی۔۲؎ یعنی اس حدیث کے اسناد میں داؤد ابن حصین بھی ہیں عمرو ابن عثمان ابن عفان کے آزاد کردہ غلام، محدثین نے ان کے بارے میں اختلاف کیا، ابن معین کہتے ہیں وہ ثقہ تھے دیگر محدثین کے نزدیک غیر ثقہ۔ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ تھے تو ضعیف مگر چونکہ امام مالک نے ان

سے روایت لے لی اس لئے قوی ہوگئے (اشعہ) یعنی داؤد ابن حصین کو یاد نہ رہا کہ ان کے شیخ نے پانچ وسق فرمائے یا اس سے کم حق یہ ہے کہ بیع عریہ پانچ وسق سے کم میں جائز ہے پانچ میں ناجائز اور یہ بیع صرف فقراء کریں امیر نہ کریں (مرقات واشعہ) یہاں ایک فقہی معمہ بن جاتا ہے بتاؤ وہ کون سی بیع ہے جو فقیر کرے امیر نہ کرے، وہ بیع عریہ ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَصَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِىَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَّيَاْمَنَ الْعَاهَةَ

(۲۷۱۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی تجارت سے ان کی پختگی ظاہر ہونے سے پہلے منع فرمایا۱؎ تاجر کو بھی منع فرمایا اور خریدار کو بھی۲؎ (مسلم بخاری) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ سرخ ہونے سے پہلے کھجور کے پھل کی تجارت سے اور سفید پڑنے سے پہلے اور آفات سے امن سے پہلے بالیوں کی تجارت سے منع فرمایا۳؎

(۲۷۱۶)۱؎ یعنی درختوں پر لگے ہوئے ان پھلوں کی تجارت سے منع فرمایا جو ابھی ناقابل نفع ہوں جن سے کوئی نفع حاصل نہ ہوسکے بالکل کچے و نرم پھل جب سخت پڑ جائیں تو اگرچہ ابھی کچے ہوں ان کی بیع جائز ہے کہ ان سے نفع حاصل ہوسکتا ہے جیسے کچے آم، کھٹائی، اچار، مربے میں کام آتے ہیں پکی کھجوریں یعنی بسر کھائی جاتی ہیں معلوم ہوا ہے کہ ناقابل نفع پھل مال ہی نہیں اور تجارت میں دوطرفہ مال چاہئے۔۲؎ تاجر کو اس سے منع فرمایا کہ پھل ہلاک ہوجانے کی صورت میں وہ خریدار سے قیمت بغیر کچھ دیئے لے گا اور خریدار کو اس لئے منع فرمایا کہ ہلاکت کی صورت میں اس کا مال ضائع ہوجائے گا۔ یہ بیع بالاتفاق ممنوع ہے۔ اس کی ممانعت میں حضرت عبداللہ ابن عباس، جابر، ابوہریرہ، زید ابن ثابت، ابوسعید خدری، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے احادیث مروی ہیں۔۳؎ یعنی گندم، جو وغیرہ کی بالیاں سفید پڑنے سے پہلے اور کھجور وغیرہ پھل سرخ ہونے سے پہلے خطرہ میں ہوتے ہیں، بے وقت بارش آندھی وغیرہ سے برباد ہوسکتے ہیں اس لئے ان کی بیع نہ کرو، بالیاں سفید ہونے پر اور کھجوریں وغیرہ سرخ ہونے پر اگر جھڑ بھی جائیں تو کچھ نہ کچھ کام آجاتے ہیں ان کی بیع درست ہے نیز دانہ کی بیع بالی میں درست ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تَزْهِىَ قِيْلَ وَمَا تَزْهِىَ قَالَ حَتّٰى تَحْمَرَّ وَقَالَ اَرَاَيْتَ اِذَا مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ بِمَ يَاْخُذُ اَحَدُكُمْ مَالَ اَخِيْهِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۱۷) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی تجارت سے منع فرمایا حتی کہ وہ رنگ پکڑ لیں۱؎ عرض کیا گیا کہ رنگ پکڑنا کیا ہے فرمایا سرخ ہوجائیں فرمایا بتاؤ اگر اللہ تعالٰی پھل روک لے تو تم سے کوئی اپنے بھائی کا مال کس کے عوض لے گا۔۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۷۱۷)۱؎ صحیح یہ ہے کہ تزهى ضرب يضرب کا واحد مونث ہے نہ کہ باب افعال کا رها يزهى عرب میں مستعمل ہے نخل مذکر بھی ہے مونث بھی، اس لئے اس کے صیغے مونث مذکر دونوں آتے ہیں، قرآن شریف میں ایک جگہ ہے نخل خاوية دوسری جگہ ہے نخل منقعر، زهى يزهى زیادہ مستعمل ہے۔ زهى يزهو کم۲؎ سے ظاہر یہ ہے کہ یہ سوال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا اور جواب سرکار عالی نے دیا۔ حضرت انس اس سوال و جواب کے ناقل ہیں۔ ممکن ہے یہ سوال حضرت انس سے کیا گیا ہو اور آپ نے یہ جوابا

تقریر فرمائی ہو، خلاصہ یہ ہے کہ پھل سرخ پڑنے سے پہلے خطرہ میں ہیں۔ آفات سے برباد ہوسکتے ہیں بربادی کی صورت میں بائع خریدار سے قیمت کس چیز کے عوض لے گا۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ السِّنِيْنَ وَاَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۱۸) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں تک کی فروخت سے منع فرمایا ۱ اور آفتوں کے نقصانات وضع کردینے کا حکم دیا ۲ (مسلم)

(۲۷۱۸) ۱ یعنی باغ کی چند بہاریں خریدنے سے منع فرمایا مثلًا خریدار مالک باغ سے کہے کہ میں تجھ سے اس باغ کی چھ سال تک کی بہاریں خریدتا ہوں چونکہ یہ معدوم یعنی اس کی خریداری ہے جو ابھی پیداوار بھی نہ ہوئی نہ مال بنی۔ اس لئے ممنوع ہے اس ممانعت پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ ۲ یہ حکم بادشاہ وقت کو ہے کہ خراجی زمینوں کے خراج کی وصولی میں آفات کا خراج کم کردیں (طحاوی) اور ہوسکتا ہے کہ بائع کو حکم ہو یعنی اگر مالک باغ نے رسیدہ پھل فروخت کئے پھر بھی توڑنے سے پہلے کوئی آفت آگئی تو بہتر یہ ہے کہ بقدر نقصان قیمت کم وصول کرے اور اگر ساری قیمت لے چکا ہے تو بقدر نقصان واپس کردے، یہ حکم استحبابی ہے، اب بھی نیک لوگ اس پر عمل کرتے ہیں حکام تباہی کی صورت میں لگان معاف یا کم کردیتے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْبِعْتَ مِنْ اَخِيْكَ ثَمَرًا فَاَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ فَلَا يَحِلُّ لَكَ اَنْ تَاْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا بِمَ تَاْخُذُ مَالَ اَخِيْكَ بِغَيْرِ حَقٍّ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۱۹) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم اپنے کسی بھائی کے ہاتھ پھل بیچو ۱ پھر ان پر کوئی آفت ان پڑے تو تمہیں یہ حلال نہیں کہ اس سے کچھ بھی لو، تم اپنے بھائی کا مال ناحق کیسے لے سکتے ہو ۲ (مسلم)

(۲۷۱۹) ۱ بھائی فرمانا مہربان بنانے کیلئے ہے ورنہ مسلمان کے ہاتھ باغ بیچے یا کافر کے ہاتھ حکم یہ ہی ہے جو آگے آرہا ہے یہ تقاضائے انسانیت ہے۔ ۲ اگر قبضہ دینے سے پہلے پھل برباد ہوگئے تب تو ازروئے فتویٰ بائع کو قیمت لینا حرام ہے کہ جب خریدار کو کچھ دیا ہی نہیں تو قیمت کس کی لے رہا ہے اور اگر قبضہ دینے کے بعد ہلاک ہوئے تو ازروئے تقویٰ قیمت لینا حلال یعنی ٹھیک نہیں ایسے موقع پر رعایت کرنی چاہئے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ فرمان عالی شان ڈرانے دھمکانے کیلئے ہے یا حدیث میں وہ صورت مراد ہے کہ پھل درستی سے پہلے فروخت کئے پھر وہ ضائع ہوگئے تو چونکہ وہ بیع ہی درست نہ تھی لہذا قیمت کیسی، حضرت امام مالک کے ہاں رسیدہ پھل بھی ہلاک ہوجانے پر قیمت واپس کرنا واجب ہے، وہ اس حدیث سے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں۔ (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانُوْا يَبْتَاعُوْنَ الطَّعَامَ فِيْ اَعْلَى السُّوْقِ فَيَبِيْعُوْنَهٗ فِيْ مَكَانِهٖ فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِهٖ فِيْ مَكَانِهٖ حَتّٰى يَنْقُلُوْهُ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ) وَلَمْ اَجِدْهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ.

(۲۷۲۰) روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ لوگ غلہ بازار کے اونچے حصہ میں خریدتے تھے ۱ پھر اسی جگہ بیچ دیتے تھے ۲ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسی جگہ بیچ دینے سے منع فرمادیا حتی کہ اسے وہاں سے منتقل کردیں ۳

(ابوداؤد) میں نے یہ حدیث بخاری میں نہ پائی۔

(۲۷۲۰) ۱ بازار مدینہ میں ایک طرف سے لوگ آتے تھے دوسری طرف سے نکلتے تھے آنے والے حصہ کو اعلیٰ سوق کہتے تھے جدھر

سے تاجر مال کے اونٹ داخل کرتے تھے، نکلنے والے حصہ کو اسفل سوق، یہاں وہ ہی مراد ہے ورنہ زمین مدینہ ہموار ہے۔ وہاں اونچائی نیچائی نہیں۔۲؎ بغیر قبضہ کئے ہوئے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔۳؎ بعض ائمہ نے فرمایا کہ منقول چیزیں بغیر منتقل کئے خریدار کے قبضہ میں نہیں آتیں یعنی ان پر قبضہ کرنے میں وہاں سے منتقل کردینا ضروری ہے وہ اس حدیث کے ظاہر سے دلیل پکڑتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ یہاں نقل سے مراد نقل مکانی نہیں بلکہ نقل قبضہ ہے یعنی اسی جگہ پڑی ہوئی چیز پر بغیر قبضہ کئے فروخت کرنا منع ہے۔ اگر چیز وہاں ہی رہی مگر اسے اپنے قبضہ وکنٹرول میں لے لیا تو اس کی بیع درست ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے، اگلی حدیث اس حدیث کی شرح ہے کہ وہاں حتّٰی یستوفیه اور حتّٰی یکتاله ہے لہٰذا یہ حدیث واضح ہے اگلی حدیث کے متعارض بھی نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِيْعُهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَتّٰى يَكْتَالَهُ .(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۲۱) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو غلہ خریدے تو اس پر قبضہ کئے بغیر نہ بیچے۱؎ اور حضرت ابن عباس کی روایت میں یوں کہ اسے ماپ لے۔۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۷۲۱)۱؎ یعنی قبضہ سے پہلے چیز کی فروخت جائز نہیں، قبضہ کی مختلف صورتیں ہیں مکان میں اپنا سامان رکھ دینا یا اپنا قفل لگادینا قبضہ ہے زمین میں حد بندی کرکے اپنی اینٹ گاڑ دینا قبضہ ہے وزنی کھلی چیز کا وزن ناپ کرلینا قبضہ ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خریدی ہوئی چیز کو بغیر قبضہ نہیں فروخت کرسکتے مگر اسے ہبہ کرسکتے ہیں کہ قبضہ کی قید فروخت کیلئے ہے اسی طرح جو چیز وراثۃً ملے اس کی بیع قبضہ سے پہلے بھی جائز ہے (مرقات)۲؎ جو چیز ناپ تول سے خریدی جائے اس کا تولنا ناپنا مشتری کا قبضہ ہوتا ہے، یکتاله لفظ یستوفیه کی تفسیر ہے مگر جو چیز اندازاً فروخت وخرید کی جائے جیسے دانہ کے ڈھیر کی تجارت وہاں ناپ تول ضروری نہیں وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ غلے کی بیع جائز نہیں جب تک کہ تاجر خریدار دونوں کے وزن علیحدہ علیحدہ نہ ہوجائیں یعنی تاجر بھی تول لے اور خریدار الگ تول لے وہاں وہ صورت مراد ہے جہاں دو بیع جمع ہوں جیسے بیع سلم میں تاجر کسی سے غلہ خریدے اور سلم کے خریدار سے کہے کہ تو اس پر قبضہ کر تو اب ایک بار وہ تولے جس نے مسلم الیہ یعنی بائع کو غلہ دیا اور دوبارہ ربّ السلم یعنی خریدار تولے عام بیعوں میں صرف ایک تول ہی کافی ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا لہٰذا یہ حدیث اس دوبار تول کی حدیث کے خلاف نہیں۔(مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَمَّا الَّذِیْ نَهَى عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الطَّعَامُ اَنْ يُّبَاعَ حَتّٰى يُقْبَضَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّلَا اَحْسِبُ كُلَّ شَیْءٍ اِلَّا مِثْلَهُ .(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۲۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں جس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا وہ یہ ہے کہ غلہ قبضہ کئے بغیر فروخت کردیا جائے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں ہر چیز غلہ ہی کی مثل سمجھتا ہوں۔۱؎ (مسلم، بخاری)

(۲۷۲۲)۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے صرف غلہ کے متعلق سنا ہے کہ غلہ کی بیع بغیر قبضہ کئے جائز نہیں مگر میرا اجتہاد یہ ہے کہ ہر چیز کا یہ ہی حکم ہے کہ بغیر قبضہ کئے ان کی فروخت درست نہیں کیونکہ علت مشترک ہے تو حکم بھی مشترک چاہئے، معلوم ہوا کہ قیاس کرنا جائز ہے اس حدیث سے آج کل کے بیوپاری عبرت پکڑیں کہ کپڑے کا جہاز ولایت سے چلتا ہے ابھی کراچی بندرگاہ پر نہیں پہنچ پاتا کہ کئی جگہ اس کی فروخت نفع سے ہوچکتی ہے۔ بعد میں پھر ان کے دیوالئے ہوتے ہیں بغیر دیکھی، اور بغیر قبضہ کی ہوئی چیز کی تجارت ہرگز نہ کرنی چاہئے۔ یہ شرعاً گناہ بھی ہے اور سخت نقصان کا باعث بھی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ لِبَیْعٍ وَّلَا یَبِیْعِ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَیْعِ بَعْضٍ وَّلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا یَبِعْ حَاضِرٌ لِّبَادٍ وَّلَا تُصَرُّوا الْاِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ بِخَیْرِ النَّظَرَیْنِ بَعْدَاَنْ یَّحْتَلِبَهَا اِنْ رَّضِیَهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ مُّتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ مَنِ اشْتَرٰی شَاةً مُّصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِیَارِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فَاِنْ رَدَّهَا رَدَّمَعَهَا صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ لَاسَمْرَآءَ ۔

(۲۷۲۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجارتی قافلے سے آگے ہی نہ جاملو۱ اور کوئی دوسرے کی خریداری پر خریداری نہ کرے۔۲ اور نہ نرخ بڑھاؤ۳ اور نہ شہری دیہاتی کیلئے تجارت کرے۔۴ اور اونٹ وبکری کو نہ روکو۔۵ پھر جو اس کے بعد جانور خریدے اسے دوھنے کے بعد دونوں میں سے بہتر چیز کا اختیار ہے۔۶ اگر اس سے راضی تو رکھ لے اور اگر ناراضی ہو تو اسے واپس کردے ایک صاع چھوہاروں کے ساتھ ۷۔ (مسلم، بخاری) اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جو روکی ہوئی بکری خرید لے تو اسے تین دن تک اختیار ہے پھر اگر اسے واپس کرے تو اس کے ساتھ گندم کے سواء اور کوئی غلہ ایک صاع دے۔۸

(۲۷۲۳)۱ یعنی تجارتی قافلے کی آمد سن کر شہر سے باہر ہی ان سے سامان نہ خریدلو بلکہ انہیں بازار میں مال لے آنے دو تاکہ انہیں بازاری بھاؤ کی خبر ہوجائے اور ان کے بازار میں آمد سے نرخ ارزاں ہوجائے۔۲ یہاں لفظ بیع بمعنی فروخت بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی خرید بھی یعنی جب دو شخص کوئی چیز خرید وفروخت کررہے ہیں اور سودا طے ہوچکا اور قریباً بات پختہ ہوگئی تو نہ کوئی شخص بھاؤ بڑھا کر وہ چیز خریدے اور نہ کوئی شخص بھاؤ سستا کرکے خریدار کو توڑے۔ یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں نیلام کا یہ حکم نہیں ہاں بولی دیتے وقت بات طے نہیں ہوتی جو بولی بڑھائے وہ لے لے یہ جائز ہے۔۳ نیلام میں اگر کوئی شخص بولی بڑھادے مگر خریدنا مقصود نہ ہو صرف چیز کی قیمت بڑھانا مقصود ہو کہ دوسرا آدمی اس سے زیادہ کی بولی دے یہ نجس ہے اور ممنوع ہے کہ دھوکہ دہی ہے۔۴ اس طرح مال لانے والے دیہاتیوں کو آج کے بھاؤ پر مال فروخت نہ کرنے دے بلکہ اس کا مال خود سنبھال لے کہ جب مہنگا ہوگا فروخت کردوں گا جیسا کہ آج کل بعض آڑھتی یا دلال کرتے ہیں ناجائز ہے کہ اس سے چیزیں مہنگی ہوتی ہیں بلکہ قحط پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ باہر کا مال بکنے دو تاکہ مخلوق کو آرام رہے۔۵ تصروا ت کے پیش ص کے فتح سے یا بالعکس ت کے فتح ص کے پیش سے (اشعہ) تصریہ سے بنا بمعنی دودھ تھن میں روک دینا' نہ نکالنا، ایسے جانور کو مصرات کہتے ہیں یہ حرکت خریدار کو دھوکہ دینے کیلئے کی جاتی ہے کہ وہ زیادتی دودھ سے دھوکہ کھا کر قیمت زیادہ دے جائے۔۶ یعنی اگر کسی نے دودھ کا جانور خریدا مگر دھوکہ کھا گیا کہ خریدتے وقت تو دودھ زیادہ تھا بعد میں کم نکلا۔ تاجر نے کئی وقت سے دودھ نکالا نہ تھا اس لئے اس وقت دودھ بہت ہوا تو اب خریدار کو اختیار ہے۔۷ یعنی اگر جانور رکھنا ہے تو خیر اور اگر رکھنا نہیں ہے تو اس دودھ کے عوض جو اس نے پیا ساڑھے چار سیر خرمے جانور فروخت کرنے والے کو دے دے۔ اس دودھ کے عوض جو خریدتے وقت جانور کے ساتھ لیا تھا کہ وہ تاجر کے مملوکہ جانور کا تھا لہذا تاجر کی ملک تھا اس حدیث کے ظاہر پر امام شافعی کا عمل ہے وہ فرماتے کہ وہ دودھ تھوڑا ہو یا زیادہ اس کے عوض ایک صاع چھوہارے ہی دیئے جائیں گے جیسے نفس کی دیت سو اونٹ ہیں کہ قاتل مقتول کی دیت سو اونٹ دے گا نفس مقتول خواہ کیسا ہی ادنیٰ یا اعلیٰ ہو اور خریدار کو مصرات جانور کے واپس کردینے کا حق ہوگا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قابل عمل نہیں ہے قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہے فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَااعْتَدٰی عَلَیْكُمْ (۲:۱۹۴) اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی (کنزالایمان) جس

سے دودھ مصرات کی قیمت یا مثل دینا معلوم ہوتا ہے یا یہ حدیث سود حرام ہونے سے پہلے کی ہے کہ اس وقت معاملات میں اس قسم کی کمی بیشی درست تھی (مرقات' لمعات وغیرہ) ۸؎ حدیث کا یہ جزء امام شافعی کے بھی خلاف ہے کہ ان کے ہاں مصرات جانور کے ساتھ صرف ایک صاع کھجوریں ہی دی جاتی ہیں، کھجور یا چھوہارے کے سوا کوئی اور چیز نہیں دے سکتے مگر اس جزء سے معلوم ہوا کہ سوا گندم کے اور غلے بھی دے سکتے ہیں، ہمارے امام صاحب کے ہاں یہ حدیث یا منسوخ ہے حرمت سود کی احادیث سے، یا متروک العمل قرآن کریم کی مخالفت کی وجہ سے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَـلَـقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَاِذَا اَتٰى سَيِّدُهُ السُّوْقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۲۴) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ غلہ لانے والوں سے آگے ہی نہ جاملو۱؎ جو کوئی ان سے آگے ہی مل جائے اور خریداری کرلے پھر جب قافلہ کا سردار بازار میں آئے تو اسے اختیار ہے۲؎ (مسلم)

(۲۷۲۴) ۱؎ جلب جالب کی بھی جمع ہے اور مجلوب کی بھی، جالب باہر سے مال لانے والا قافلہ یا کوئی خاص شخص اور مجلوب باہر سے لایا ہوا مال، اونٹ وغیرہ ہوں یا اور مال' یہاں دونوں معنی ہوسکتے ہیں یعنی مال لانے والے قافلے سے شہر سے باہر مل کر مال نہ خریدلو، یا باہر سے لائے ہوئے مال سے بیرون شہر میں نہ جاملو۔ ۲؎ اگر جلب جالب کی جمع تھی تو سید سے مراد سردار قافلہ ہے اور اگر مجلوب کی جمع تھی تو سید سے مراد مال کا مالک ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ بیع درست ہوچکی تھی ورنہ اختیار رد کے کیا معنی، رد بیع جب ہوسکتا ہے جب کہ بیع درست ہوچکی ہو حق یہ ہے کہ مالک مال کو بیع رد کردینے کا حق جب ہوگا جبکہ بازار میں وہ چیز گراں ہو، اور اس سے سستی لے لی گئی ہو لیکن اگر بھاؤ برابر ہے یا ارزاں ہے تو اختیار نہیں، یہ ہی قول قرین قیاس بھی ہے کہ رد کا حق دفع نقصان کیلئے ہوتا ہے جب اس کا نقصان ہوا ہی نہیں تو رد کیسا۔ (مرقاۃ)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَلَقَّوا السِّلَعَ حَتّٰى يُهْبَطَ بِهَا اِلَى السُّوْقِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۲۵) روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آنے والے سامان سے آگے ہی نہ جاملو حتی کہ اسے بازار میں لا ڈالا جائے۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۷۲۵) ۱؎ تاجروں سے باہر شہر ہی جاملنے کی ممانعت یا تو جب ہے جبکہ شہر میں تنگی ہو، مال ملتا نہ ہو یا جب جبکہ ان سے سستا خرید لیا جائے، اصل بھاؤ بتایا نہ جائے اگر یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں تو باہر جاملنا جائز ہے، ضلع فیض آباد میں اکثر دکاندار جنگل میں بیٹھے رہتے ہیں گاؤں سے آنے والوں کا مال وہاں ہی خرید لیتے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيْعِ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ وَلَايَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ اِلَّا اَنْ يَاْذَنَ لَهٗ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۲۶) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام دے ہاں مگر جب کہ وہ اسے اجازت دے دے۔ (مسلم)

(۲۷۲۶) ۱؎ یہ دونوں ممانعتیں جب ہیں جبکہ خریدار و تاجر ایک قیمت پر راضی ہوچکے ہوں، ایسے ہی لڑکے لڑکی والے پیغام نکاح پر

راضی ہو چکے ہوں کہ اس صورت میں اس کے بھاؤ بڑھا دینے یا پیغام نکاح دینے میں پہلے کا نقصان ہوگا ہاں اگر پہلا شخص اجازت دے دے تو درست ہے اور اگر پہلے فریقین کی رضامندی مکمل نہ ہوئی تھی صرف کچی پکی بات ہی تھی تو دوسرا شخص بھاؤ بڑھا بھی سکتا ہے اور پیغام بھی دے سکتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَسُمِ الرَّجُلُ عَلٰی سَوْمِ اَخِیْهِ الْمُسْلِمِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۲۷) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے۔۱ (مسلم)

(۲۷۲۷)۱ لَا یَسُمِ الرَّجُلُ میں لا یسم باب نصر کا نہی واحد مذکر غائب ہے سوم سے مشتق بمعنی بھاؤ و نرخ یعنی کوئی شخص طے شدہ بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے کہ اس میں پہلے خریدار یا پہلے تاجر کا نقصان ہے، مسلمان کی قید اتفاقی ہے، اس حکم میں کافر ذمی بھی شامل ہے ہاں حربی کافر کا بھاؤ چڑھا کر خرید لینا یا گھٹا کر فروخت کر دینا درست ہے (از مرقات) کہ کافر حربی کو نقصان پہنچانا درست ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَبِیْعُ حَاضِرٌ لِّبَادٍ دَعُوا النَّاسَ یَرْزُقُ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۲۸) روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شہری دیہاتی کیلئے تجارت نہ کرے۔۱ لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ بعض کو بعض کے ذریعہ روزی دے۔۲

(۲۷۲۸)۱ اس کی شرح پہلے ہو چکی کہ جب دیہاتی لوگ گاؤں سے غلہ لائیں تو انہیں فروخت کر لینے دو، ان کا غلہ خود شہری جمع کر لیں تاکہ گرانی پر فروخت کیا جائے کہ اس سے شہر میں گرانی بڑھتی ہے۔ اب بھی تنگی پر اسٹاک کرنا بلیک کرنا ممنوع ہوتا ہے۔۲ یعنی اگر شہر والوں کو ان گاؤں والوں کے ذریعہ روزی ملے ارزانی میسر ہو جائے تو تم کیوں آڑ بن کر اسے روکنا چاہتے ہو، قانون قدرت یہ ہے کہ بعض بندوں کو بعض کے ذریعہ روزی ملتی ہے، کسی کی دیوار گرتی ہے تو راج مزدوروں کی روزی کھلتی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لِبْسَتَیْنِ وَعَنْ بَیْعَتَیْنِ نَهٰی عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِی الْبَیْعِ وَالْمُلَامَسَةُ لَمْسُ الرَّجُلِ ثَوْبَ الْاٰخَرِ بِیَدِهٖ بِاللَّیْلِ اَوْ بِالنَّهَارِ وَلَا یُقَلِّبُهٗ اِلَّا بِذٰلِكَ وَالْمُنَابَذَةُ اَنْ یَّنْبِذَ الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ بِثَوْبِهٖ وَیَنْبِذَ الْاٰخَرُ ثَوْبَهٗ وَیَكُوْنُ ذٰلِكَ بَیْعَهُمَا عَنْ غَیْرِ نَظَرٍ وَّلَا تَرَاضٍ وَّالِلّبْسَتَیْنِ اشْتِمَالُ الصَّمَّآءِ وَالصَّمَّآءُ اَنْ یَّجْعَلَ ثَوْبَهٗ عَلٰی اَحَدِ عَاتِقَیْهِ فَیَبْدُوْ اَحَدُ شِقَّیْهِ لَیْسَ عَلَیْهِ ثَوْبٌ وَاللِّبْسَةُ الْاُخْرٰی اِحْتِبَآءُهٗ بِثَوْبِهٖ وَهُوَ جَالِسٌ لَیْسَ عَلٰی فَرْجِهٖ مِنْهُ شَیْءٌ

(۲۷۲۹) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پہناوؤں سے منع فرمایا اور دو تجارتوں سے۱ چھونے اور پھینکنے کی تجارت سے منع فرمایا۔۲ اور چھونے کی بیع تو کسی شخص کا دن رات میں دوسرے کا کپڑا اپنے ہاتھ سے چھو لینا ہے کہ سوا چھونے کے اور طرح نہ الٹے پلٹے۳ اور پھینکنے کی بیع یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی طرف اپنا کپڑا پھینک دے اور دوسرا اس کی طرف اپنا کپڑا پھینک دے ان کی بیع ہو جائے بغیر دیکھے بھالے۔۴ اور بغیر آپس کی پسندیدگی کے، رہے دو ممنوع پہناوے ایک تو صماء پہناوا ہے صماء یہ ہے کہ اپنا کپڑا ایک کندھے پر اس طرح ڈالے کہ دوسری کروٹ کھلی رہے کہ اس کے اوپر کپڑا بالکل نہ ہو۔۵ اور دوسرا پہناوا اپنے کپڑے سے احتباء کرنا ہے جبکہ وہ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) بیٹھا ہو کہ شرمگاہ پر کپڑا بالکل نہ ہو۔۶ (مسلم بخاری)

(۲۷۲۹) ۱؎ لبستین لام کے کسرے لبس بمعنی پہننے یا پوشش کا تثنیہ ہے یعنی دو پہناد ے یا دوطرح لباس پہننا، بیعتین بیعۃ کا تثنیہ بمعنی فروخت، یہاں مطلقاً تجارت کے معنی میں ہے جس میں خرید وفروخت دونوں شامل ہیں ایسی بیع میں خریدار و تاجر دونوں گنہگار ہوں گے۔۲؎ کہ ان دونوں صورتوں میں خریدار کو چیز دیکھنے کا موقع نہیں ملتا جس سے وہ مال کے عیب وخوبی پر مطلع نہیں ہوتا اور خریداری بعد اطلاع چاہیے۔۳؎ اب بھی بڑے شہروں میں اس نامعقول بیع کا رواج ہے کہ دکان پر چیزیں پھیلی ہوئی ہیں۔خریدار نے جس چیز پر ہاتھ لگادیا وہ بک گئی،الٹ پلٹ کر دیکھنے کی اجازت نہیں، اس بیع میں اکثر دھوکہ ہوتا ہے،خریدار لٹ جاتا ہے کہ چیز کا ظاہر اچھا ہوتا ہے۔ اندرون خراب۔۴؎ کپڑے سے مراد وہ کپڑا ہے جسے فروخت کرنا ہے یعنی کپڑا کپڑے کے عوض بیچنا ہے تو کوئی دوسرے کے کپڑے کو نہ دیکھے اپنا کپڑا یہ اس کی طرف پھینک دے اور وہ اس کی طرف یہ پھینک ہی بیع ہوجائے یہ بھی اس لئے ممنوع ہے کہ اس میں دیکھ بھال کا موقع نہیں ملتا۔۵؎ خیال رہے کہ صماء صم سے بنا بمعنی ٹھوس ہونا کہ کوئی سوراخ یا منفد نہ ہو،اس لئے سخت پتھر کو صخرہ صماء کہتے ہیں یعنی ٹھوس چٹان اور سخت بند کی ہوئی سربمہر شیشی قازو یہ صمام کہتے ہیں،اشتمال صماء کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ انسان اپنے بدن پر سرتا پا ایک کپڑا اس طرح مضبوط لپیٹ لے کہ ہاتھ پاؤں جکڑ جائیں کھلنا مشکل ہوجائے یہ بھی ممنوع ہے دوسری تفسیر وہ ہے جو یہاں مذکور ہے کہ جسم پر صرف ایک کپڑا ہو، وہ بھی اس طرح اوڑھا جائے کہ آدھا بدن ننگا رہے کہ جب ایک کندھا کھلا ہے تو اس طرف کا سارا بدن کھلا رہے گا چونکہ یہ ننگا پہناوا ہے،اس لئے ممنوع ہے،طواف میں جو اجتباء کرتے ہیں وہاں ستر نہیں کھلتا کیونکہ تہبند بھی بندھا ہوتا ہے۔۶؎ احتباء اکڑوں بیٹھنے کو کہتے ہیں اس طرح کہ چوتڑ، زمین پر لگے ہوں، دونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور دونوں ہاتھ گھٹنوں کا حلقہ باندھے ہوں اگر صرف ایک کپڑا اوڑھ کر احتباء کیا گیا ہو تو شرمگاہ برہنہ ہوجائے گی لہذا ممنوع ہے لیکن اگر تہبند بندھا ہو تو چونکہ ستر نہیں کھلتا لہذا جائز ہے وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سایہ میں احتباء فرمائے بیٹھے تھے وہاں یہ دوسری صورت تھی لہذا یہ حدیث اس عمل شریف کے خلاف نہیں، دونوں حدیثیں حق ہیں (اشعۃ اللمعات وغیرہ)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الْحَصَاةِ وَعَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۳۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر پھینکنے کی بیع ۱؎ اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا۔۲؎ (مسلم)

(۲۷۳۰) ۱؎ پتھر پھینکنے کی بیع کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ زمین کا خریدار مالک زمین سے کہے میں پتھر پھینکتا ہوں جس چیز پر کنکر لگ جائے وہ دو روپیہ کے عوض میری ہے، تیسرے یہ کہ تاجر کہے میں کنکر پھینکتا ہوں جس چیز پر لگے وہ دو روپے کے عوض تیری، یہ سب جاہلیت کی بیع تھیں چونکہ ان میں دھوکہ ہے اس لئے ممنوع ہیں۔۲؎ غرر یا تو غرہ بالفتح سے بمعنی مجہول الانجام چیز یعنی خطرناک یا غرہ بالکسر سے بنا بمعنی دھوکہ اسی سے غرور ہے، بیع غرر کی بہت صورتیں ہیں بیع منابذہ اور پتھر پھینکنے کی بیع وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں، دریا میں مچھلی ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے بھاگے ہوئے غلام کی بیع سب بیع غرر ہیں۔امام شافعی کے ہاں یہ بیع فاسد ہیں ہمارے ہاں کبھی فاسد،کبھی باطل، خیال رہے کہ ہمارے ہاں فاسد و باطل بیع میں فرق ہے کہ بیع فاسد سے بعد قبضہ ملک حاصل ہوجاتی ہے، بیع باطل میں کبھی ملک حاصل نہیں ہوتی،مگر امام شافعی کے ہاں دونوں بیعیں ایک ہی ہیں اس کی مفصل بحث کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهُ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُوْرَ اِلٰى اَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتَجَ الَّتِيْ فِيْ بَطْنِهَا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۳۱) روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کے حمل کی فروخت سے منع فرمایا ہے۔ا یہ ایک تجارت تھی جس کا جاہلیت والے کاروبار کرتے تھے کہ ایک اونٹ خریدتا تا آنکہ اونٹنی بچہ دے پھر اس کے پیٹ کی بچی بچہ دے۔۲ (مسلم، بخاری)

(۲۷۳۱) ا اس جملہ شریف کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ حمل بیع یعنی کہ میری اونٹنی گیا بھن ہے۔اس کے پیٹ کی بچی جب جوان ہوکر بچی دے گی اس کی بیع میں آج کرتا ہوں۔ یہ بیع باطل ہے کہ معدوم چیز کی بیع ہے' نہ معلوم اونٹنی کے پیٹ میں مادہ ہے یا نر۔ دوسری یہ کہ کسی تجارت میں حمل کے حمل کی پیدائش سے اداء قیمت یا اداء سامان کی مدت مقرر کی جائے کہ اس کی قیمت میں جب دوں گا جب اس اونٹنی کے پیٹ کی بچی بچہ دے گی یہ بیع فاسد ہے کہ وقت اداء مجہول ہے۔۲ اس جملہ کی وہ ہی دو تفسیریں ہیں جو ابھی عرض کی گئیں کہ اونٹ خریدا مگر اس کی قیمت فلاں اونٹنی کے حمل کی بچی کے بچہ جننے پر دی جائے گی یا وہ ہی اونٹ خریدا ہے جو اس اونٹنی کے حمل کی بچی جنے گی۔ یہ بیع غرر ہے پہلی صورت میں فاسد ہے دوسری صورت میں باطل۔

وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۷۳۲) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت سے منع فرمایا۔ا (بخاری)

(۲۷۳۲) ا عسب جانور کے نطفہ کو بھی کہتے ہیں اور نر کے مادہ پر چوٹ کرنے کو بھی اور اس عمل کی اجرت کو بھی' یہاں تمام معنی درست ہیں۔ یہ اجرت اکثر فقہاء کے ہاں حرام ہے بعض نے جائز مانا ہے خلاف مستحب تا کہ نسل منقطع نہ ہوجائے کہ بغیر اجرت کے نر والے اس پر راضی نہ ہوں گے تو نسل ہی ختم ہوجائے گی، اگر نر کو عاریۃً لے کر مادہ پر چوٹ کرائی گئی پھر بطور ہبہ نر والے کو کچھ دے دیا گیا یا خود نر کو کچھ کھلا دیا گیا تو بالاتفاق جائز ہے (لمعات ومرقات) ممانعت کی وجہ جہالت ہے کہ نہ معلوم نر کتنی بار چوٹ کرے اور نہ معلوم کہ مادہ حاملہ ہو کہ نہ ہو، پنجاب میں بھینس کو تیار کرانے کی اجرت دو روپیہ ایک بار چھوڑنے کے لیتے ہیں اس بار میں کتنے ہی بار جست کرے ایک بار یا دو بار۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ وَعَنْ بَيْعِ الْمَآءِ وَالْاَرْضِ لِتُحْرَثَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۳۳) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی چوٹ کی تجارت اور کھیتی کیلئے پانی اور زمین بیچنے سے منع فرمایا۔ (مسلم)

(۲۷۳۳) ا اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اپنی زمین و پانی کاشت کیلئے دے کہ تخم تو محنتی کا ہو اور زمین و پانی زمین والے کا اور پیداوار کا کچھ حصہ اس کام والے کو ملے جسے مخابرہ کہتے ہیں۔اس کے جواز میں اختلاف ہے جو پہلے ذکر ہوا۔

وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَآءِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۳۴) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا بچے پانی کی فروخت سے۔ا مسلم

(۲۷۳۴) ا یعنی اگر کسی کے پاس اپنی ضرورت سے بچا ہوا پانی ہو تو وہ کسی پیاسے آدمی یا پیاسے جانور کو پی لینے دے اس کی قیمت نہ

لے کہ یہ خلافت مروت ہے لیکن اگر دوسرا شخص اپنے کھیت کو پانی بچا ہوا دینا چاہتا ہے تو اس کی بیع بالکل درست ہے، (مرقات) غالبًا یہ حکم کنوؤں اور کھیت والوں کو ہے جن کا پانی نالی کے ذریعہ کھیت میں جا رہا ہے اس نالی سے کوئی شخص یا جانور پانی پی لے جہاں عرب شریف میں پانی کی تجارت پر ہی پانی والے گزارہ کرتے ہیں ان کیلئے یہ حکم نہیں ہے کہ اس صورت میں یہ پانی بچا ہوا نہیں بلکہ اپنی ضرورت کا ہے وہاں پانی کی تجارت خصوصاً کویت سے آگے ریگستان میں یہ تجارت بڑی ضروری ولازمی ہے ہم نے اس سفر میں منزل رمات میں تیس روپے ڈرم پانی خریدا، قریباً سومیل کے ایریا (Area) میں یہاں دو تین کنویں ہیں ان کنوؤں پر دور دراز سے انسان، جانور آ کر پانی پیتے ہیں۔ سینکڑوں روپے کا پانی فروخت ہوتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَاعُ فَضْلُ الْمَآءِ لِيُبَاعَ بِهِ الْكَلَاءُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۳۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بچا ہوا پانی نہ بیچا جائے تاکہ اس سے گھاس فروخت کی جائے۔[۱] (مسلم، بخاری)

(۲۷۳۵)[۱] یعنی کنویں والا پانی کی بیع کو گھاس کی بیع کا ذریعہ بنائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بنجر زمین جسے عربی میں موات کہتے ہیں آباد کی وہاں کنواں لگوالیا، لوگ اس زمین کے ارد گرد اپنے جانور چراتے ہیں وہ زمین موات جو ہوئی۔ یہ شخص جانوروں کو چرنے سے روک نہیں سکتا وہ بہانہ یہ کرے کہ کسی جانور کو بلا معاوضہ پانی نہ پینے دے جو اس کے اپنے کنویں کا ہے، نیت یہ ہو کہ اس پانی کی روک سے جانور یہاں کی گھاس چرنا چھوڑ دیں گے پھر یہ گھاس میری اپنی ہوگی کہ اس سے پیسہ کماؤں گا، یہ جرم ہے کہ کنواں تو اس کا ہے مگر زمین سرکاری چھوٹی ہوئی ہے، یہ پانی کے بہانہ چراگاہ کی گھاس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے ورنہ اپنی زمین کی کھڑی گھاس اور کاٹی ہوئی گھاس کی بیع جائز ہے (مرقات) یہاں ذکر حمیٰ یعنی چراگاہ کا ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ يَدَهٗ فِيْهَا فَنَالَتْ اَصَابِعُهٗ بَلَلًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ قَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَآءُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَهٗ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۳۶) روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے ایک ڈھیر پر گزرے تو اپنا ہاتھ شریف اس میں ڈال دیا آپ کی انگلیوں نے اس میں تری پائی۔[۱] تو فرمایا اے غلہ والے یہ کیا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بارش پڑ گئی۔[۲] فرمایا تو گیلے غلہ کو تو نے ڈھیر کے اوپر کیوں نہ ڈالا تاکہ اسے لوگ دیکھ لیتے۔[۳] جو ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں[۴] (مسلم)

(۲۷۳۶)[۱] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے بازار میں تشریف لے گئے تو کسی دکان پر گندم یا جو یا کسی اور غلہ کا ڈھیر تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈھیر میں اپنا ہاتھ شریف داخل کیا تو پتا لگا کہ ڈھیر کے اوپر تو غلہ سوکھا ہے مگر اندر سے گیلا ہے یعنی تاجر نے لوگوں کو دھوکہ دے رکھا ہے غالبًا دکاندار کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ بھی جرم ہے، وہ سمجھتا تھا کہ خود گیلا کرنا گناہ ہے جو باہر سے قدرتی طور پر گیلا ہو جائے اس میں ہمارا کیا گناہ لہٰذا اس سے ان صحابی کا فسق ثابت نہیں ہوتا نیز گناہ کر لینا اور چیز ہے فسق کچھ اور، یہ گناہ تھا جس سے توبہ ہو گئی۔ اگر اس گناہ پر جم جاتے توبہ نہ کرتے تو فسق ہوتا، رب تعالٰی فرماتا ہے: وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (۳:۱۳۵) اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں (کنزالایمان) [۲] یعنی گندم بارش سے بھیگ گئی تھی میں نے اس بھیگے ڈھیر پر سوکھی گندم ڈال دی۔ خلاصہ

یہ ہے کہ خود دھوپ سے اوپر کا حصہ نہ سوکھ گیا تھا ورنہ ان پر عتاب نہ ہوتا بلکہ سوکھی گندم ڈالی گئی تھی۔۳؎ یعنی سوکھی گندم اوپر نہ ڈالنا چاہئے تھی تاکہ خریدار دھوکہ نہ کھاتا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ تجارتی چیز کا عیب چھپانا گناہ ہے بلکہ خریدار کو عیب پر مطلع کردے کہ وہ چاہے تو عیب دار سمجھ کر خریدے، چاہے نہ خریدے، دوسرے یہ کہ حاکم یا بادشاہ کا بازار میں گشت کرنا دکانداروں کی، ان کی چیزوں کی، باٹ ترازو کی تحقیقات کرنا، قصور ثابت ہونے پر انہیں سزا دینا سنت ہے، آج جو یہ تحقیقات حاکم کرتے ہیں اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ تجارتی چیز میں عیب پیدا کرنا بھی جرم ہے اور قدرتی پیدا شدہ عیب کو چھپانا بھی جرم۔دیکھو بارش سے بھیگے غلہ کو چھپانا ملاوٹ ہی میں داخل فرمایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَہٰى عَنِ الثُّنْیَا اِلَّا اَنْ یُّعْلَمَ ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(۲۷۳۷) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت میں استثنا کر لینے سے منع فرمایا مگر جب کہ وہ شے معلوم ہو۱؎ (ترمذی)

(۲۷۳۷)۱؎ استثناء وہ ممنوع ہے جس سے بیع محض مجہول و نامعلوم رہ جائے جیسے کوئی شخص باغ کے پھل فروخت کرے اور کہے کہ ان میں سے دس من تو میرے ہوں گے باقی تیرے ہاتھ فروخت یا اس ڈھیر کا چار من گندم میرا باقی تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں کہ اب یہ خبر نہ رہی کہ باقی ہے کتنا لیکن اگر یوں کہے کہ آدھے یا تہائی یا چوتھائی میرے باقی تیرے تو جائز ہے کہ یہ استثناء معلوم ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ نَہٰى رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الْعِنَبِ حَتّٰى یَسْوَدَّ وَعَنْ بَیْعِ الْحَبِّ حَتّٰى یَشْتَدَّ ھٰکَذَا رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَلَیْسَ عِنْدَھُمَا بِرِوَایَتِہٖ نَہٰى عَنْ بَیْعِ التَّمْرِ حَتّٰى تَزْھُوَ اِلَّا بِرِوَایَۃِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَہٰى عَنْ بَیْعِ التَّمْرِ حَتّٰى تُزْھُوَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ عَنْ اَنَسٍ وَالزِّیَادَۃُ الَّتِیْ فِی الْمَصَابِیْحِ وَھِیَ قَوْلُہٗ نَہٰى عَنْ بَیْعِ التَّمْرِ حَتّٰى تَزْھُوَ اَنَّمَا ثَبَتَ فِیْ رِوَایَتِہِمَا عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَہٰى عَنْ بَیْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْھُوَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ ۔

(۲۷۳۸) روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور فروخت کرنے سے منع فرمایا حتی کہ سیاہ پڑ جائیں اور دانوں کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ سخت پڑ جائیں۱؎ (ترمذی)، ابوداؤد نے یوں ہی روایت کی ان دونوں کے ہاں حضرت انس کی روایت سے یہ نہیں ہے کہ چھوہاروں کی فروخت سے منع فرمایا تاآنکہ سرخ پڑ جائیں مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوہاروں کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ سرخ ہوجائیں۲؎ اور ترمذی و ابوداؤد نے حضرت انس سے روایت کی اور وہ زیادتی مصابیح میں ہے یعنی حضور کا فرمان کہ چھوہاروں کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ سرخ ہوجائے یہ ان دونوں کی روایت میں حضرت ابن عمر سے ہے فرماتے ہیں کھجور کی تجارت سے منع فرمایا تاآنکہ سرخ پڑ جائیں۔۳؎ ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

(۲۷۳۸)۱؎ پھلوں کی تیاری مختلف صورتوں سے معلوم ہوتی ہے چنانچہ دانے والے سیاہ انگور کی تیاری اس پر سیاہی جھلکنے سے معلوم

ہوتی ہے اور دانوں کی تیاری سختی سے محسوس ہوتی ہے کہ چٹکی میں دبانے سے سخت معلوم دے ان علامات سے قبل نہ تو انگور قابل نفع مال ہے نہ دانے۔ ان کی بیع جائز نہیں کیونکہ بیع میں دوطرفہ مال چاہیے اور یہ دونوں چیزیں اس وقت مال نہیں۔ ۲؎ یہ صاحب مصابیح امام بغوی پر اعتراض ہے کہ انہوں نے بحوالہ ترمذی و ابوداؤد حضرت انس کی روایت میں یہ جملہ بھی شامل کیا حالانکہ یہ جملہ حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے نہ کہ حضرت انس کی ۳؎ یہ امام بغوی پر دوسرا اعتراض ہے کہ انہوں نے حضرت انس کی روایت میں عن بیع التمر نقل کیا حالانکہ یہ روایت عبداللہ ابن عمر کی ہے اس میں بھی عن بیع النخل ہے نہ کہ عن بیع التمر خلاصہ حدیث یہ ہوا کہ کسی پھل کی بیع اس کی تیاری اور قابل انتفاع ہونے سے پہلے جائز نہیں اور ہر چیز کے قابل انتفاع ہونے کی علامتیں مختلف ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ بَیْعِ الْکَالِیِٔ بِالْکَالِیِٔ ۔ (رَوَاہُ الدَّارُقُطْنِیُّ)

(۲۷۳۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کی بیع ادھار سے کرنے سے منع فرمایا ۱؎ (دارقطنی)

(۲۷۳۹) ۱؎ اس کی بہت صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ بیع کے وقت نہ قیمت دی جائے نہ مبیع پر قبضہ ہو یہ ناجائز ہے جواز بیع کیلئے کم سے کم ایک طرف فی الحال قبضہ ضروری ہے دوسری صورت یہ ہے کہ مثلاً زید کا عمرو پر دس گز کپڑا قرض تھا اور بکر کے عمرو پر دس روپے قرض تھے تو زید بکر سے کہے میں تیرے دس روپوں کے عوض اپنا وہ کپڑا فروخت کرتا ہوں جو میرا عمرو پر ہے اب تم مجھ سے روپے نہ مانگنا بلکہ ان کے عوض عمرو سے کپڑا وصول کرلینا بکر کہے مجھے قبول ہے یہ بیع ناجائز ہے تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی کسی شخص سے کوئی چیز ادھار خرید لے جب اس ادھار کی مدت ختم ہوتو تاجر خریدار سے قیمت کا تقاضا کرے خریدار کہہ دے کہ فی الحال میرے پاس پیسے نہیں، مجھے ایک ماہ کی مہلت اور دے میں قیمت میں اتنا اضافہ کرتا ہوں، تاجر کہے منظور ہے، حالانکہ اس چیز پر بھی قبضہ نہیں کیا گیا، یہ بھی ممنوع ہے (لمعات واشعہ) خیال رہے کہ کالی کلاء بنا بمعنی تاخیر و مہلت و حفاظت رب فرماتا ہے: مَنْ یَّکْلَؤُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ (۲۱:۴۲) شبانہ روز تمہاری کون نگہبانی کرتا ہے۔ (کنزالایمان)

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الْعُرْبَانِ (رَوَاہُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

(۲۷۴۰) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا ۲؎ (مالک، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۲۷۴۰) ۱؎ ان کے دادا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہیں ان کی روایت میں ہمیشہ تدلیس ہوتی ہے کیونکہ خبر نہیں کہ جدہ کی ضمیر عمرو کی طرف لوٹتی ہے یا ابیہ کی طرف۔ ۲؎ عربی میں عربان کی چند لغتیں ہیں عُربان، اُربان، عُربون، اُربون، پہلے حرف کو پیش، دوسرے کو جزم، آخری دو میں پہلے حرف کو زبر بھی، بیعانہ کی صورت یہ ہے کہ خریدار بھاؤ طے ہوتے وقت کچھ رقم بیچنے والے کو دے دے اور وعدہ کرے کہ فلاں تاریخ کو میں پوری رقم دے کر چیز لے لوں گا اگر نہ لوں تو یہ رقم ضبط جیسا کہ آج کل عام رواج ہے، یہ بیع تین اماموں کے ہاں منع ہے مگر امام احمد ابن حنبل کے ہاں جائز، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس کی اجازت بھی ہے۔ ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ حضرت عمرو ابن شعیب کی روایتیں مدلس و منقطع ہوتی ہیں۔ (مرقات)

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الْمُضْطَرِّ وَعَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَیْعِ

(۲۷۴۱) روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور کی ۱؎ اور دھوکے اور پکنے سے پہلے

الثَّمَرَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْرَكَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

پھلوں کی بیع سے منع فرمایا۔۳ (ابوداؤد)

(۲۷۴۱) ۱؎ مضطر سے مراد یا مجبور ہے یا محتاج یعنی کسی کی چیز جبراً نہ خریدو کہ راضی نہ ہو تم اس کی چیز فروخت کردو۔ یہ بیع فاسد ہے، کبھی حکومت ظلماً کسی کا مال نیلام کرادیتی ہے اور بیچارہ روتا رہتا ہے حکومت کے جرمانے یا ٹیکس کی وصولی کیلئے چیزیں نیلام ہوتی ہیں ان کا خریدنا جائز نہیں۔ یا مطلب ہے کہ جو محتاج شخص قرض یا بھوک کی وجہ سے تنگ آ کر اپنی چیزیں نہایت سستی بیچے وہ نہ لو کہ خلاف مروت ہے بلکہ ایسے کی حتی الامکان امداد کرو (لمعات و مرقات واشعہ) خیال رہے کہ دیوالیہ کا مال نیلام کردینا جائز ہے مگر حاکم نیلام کرے یہ ظلماً بیع نہیں ہے بلکہ قرض خواہوں کا قرض ادا کرنے کیلئے ہے۔ ۲؎ دھوکہ کی تجارت سے مراد یا تو فریب کی بیع ہے کہ تاجر ناقص مال کو اچھا بتا کر کسی کے ہاتھ بیچ دے۔ اس صورت میں خریدار کو خیار عیب ملے گا کہ چیز کے عیب پر مطلع ہو کر واپس کرسکے گا یا جہالت کی بیع مراد ہے کہ ظاہر چیز کا اچھا ہو اندرون خراب، اس صورت میں خیار عیب ملے گا۔ پھل پکنے سے مراد پھل قابل نفع ہونا ہے۔ لہذا جو چیزیں گدر رہ کر استعمال کی جاتی ہیں ان کی گدر کی بیع جائز ہے اور جو چیزیں کچی بھی کام آتی ہیں ان کی کچی کی بیع بھی درست ہے آم کچے گدر فروخت کئے جاسکتے ہیں، مٹر کی پھلیاں کچی بھی سبزی کے طور پر کام آتی ہیں ان کی کچی کی تجارت درست ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ كِلَابٍ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ فَنَهَاهُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُطْرِقُ الْفَحْلَ فَنُكْرَمُ فَرَخَّصَ لَهٗ فِي الْكَرَامَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۷۴۲) روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ بنی کلاب کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانوروں کی چوٹ کے متعلق پوچھا ۱؎ آپ نے اس سے منع فرمایا۔ ۲؎ اس نے عرض کیا یارسول اللہ ہم تو نر چھوڑتے ہیں تو ہمیں ویسے ہی کچھ دے دیا جاتا ہے تو اسے حضور نے ہدیہ کے متعلق اجازت دی۔ ۳ (ترمذی)

(۲۷۴۲) ۱؎ کہ نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اُجرت کیسی ہے وہاں اس کا رواج عام تھا اب بھی اس کا عام رواج ہے۔ ۲؎ جمہور علماء کے نزدیک یہ ممانعت تحریمی ہے اور اس کی اجرت مکروہ تحریمی امام احمد حنبل کے ہاں بلا کراہت جائز، یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے، نطرق باب افعال سے ہے۔ طرق جانور کی منی کو بھی کہتے ہیں اور اس کی چوٹ کو بھی یہاں دوسرے معنی میں ہے، (مرقات) ۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نر والا عاریۃً جانور دے دے پھر مادہ والا بطور ہدیہ اسے کچھ پیسے یا چارہ دے تو بلا کراہت درست ہے یہ ہی تمام ائمہ کا مذہب ہے غرضیکہ جمہور کے ہاں اس کی اجرت منع ہدیہ جائز ہے۔

وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَبِيْعَ مَالَيْسَ عِنْدِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ وَلِاَبِيْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ يَاتِيْنِي الرَّجُلُ فَيُرِيْدُ مِنِّي الْبَيْعَ وَلَيْسَ عِنْدِيْ فَاَبْتَاعُ لَهٗ مِنَ السُّوْقِ قَالَ لَاتَبِعْ مَالَيْسَ عِنْدَكَ۔

(۲۷۴۳) روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس نہ ہو اسے فروخت کردوں ۱؎ (ترمذی) اور ترمذی و ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں یوں ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کوئی شخص آتا ہے مجھے فروخت کرنے کو کہتا ہے اور میرے پاس چیز ہوتی نہیں۔ ۲؎ تو میں اس کیلئے بازار سے خرید لیتا ہوں۔ ۳؎ تو فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو وہ نہ بیچو۔

(۲۷۴۳)۱؎اس میں بھاگے ہوئے غلام، دریا کی مچھلی، ہوا کے پرندے یا گم شدہ مال کی تمام بیع داخل ہے کہ یہ تمام تجارتیں ممنوع ہیں۔ہاں بیع سلم بالاتفاق جائز ہے۔اگرچہ بائع کے پاس وہ چیز عقد کے وقت ہوتی نہیں،یونہی دوسرے کے مال کی بیع اس کی بغیر اجازت موقوف ہے کہ اگر وہ اجازت دے دے تو جائز ہوجائے گی۔۲؎اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بازار سے اس کیلئے خریدے جسے دلالی کہتے ہیں یہ تو درست ہے،دوسرے یہ کہ اپنے لئے خریدے اور خود مالک بن کر پہلے خریدار کو دے۔یہ ممنوع ہے۔یہاں یہ ہی مراد ہے کہ اس صورت میں اس نے یہ چیز فروخت کی جس کا بوقت بیع مالک نہ تھا ہاں ایسی چیز کا وعدہ بیع کرلینا یا آرڈر (Order) لے لینا درست ہے جیسا کہ آج کل بعض لوگ کرتے ہیں کہ آرڈر وصول کرکے چیز خرید کر بھیجتے یا بنا کر دیتے ہیں۔ہم موچی سے جوتا بنواتے ہیں سائز پہلے دے دیتے ہیں۔اسے استصناع کہتے ہیں۔یہ بالاتفاق درست ہے۔۳؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ غیر مقبوض یا غیر مملوک اعیان کی بیع منع ہے جیسے کہے میں فلاں غلام تمہارے ہاتھ فروخت کرتا ہوں حالانکہ وہ غلام یا تو اپنا ہے ہی نہیں یا ہے مگر بھاگا ہوا ہے یا فلاں پرندہ جو اڑ رہا ہے فروخت کرتا ہوں کہ شکار کرکے تمہارے حوالے کروں گا۔یہ ممنوع ہے مگر صفات کی بیع جائز ہے خواہ مملوک یا مقبوض ہو یا نہ ہو جیسے بیع سلم میں اور چیز بنوانے میں ہوتا ہے یہ بہت نفیس توجیہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

(۲۷۴۴) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو فروختوں سے منع فرمایا۱؎(مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

(۲۷۴۴)۱؎ایک بیع میں دو بیعوں کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ یوں کہے میں فلاں چیز نقد دس روپے میں فروخت کرتا ہوں اور ادھار بیس روپے کے عوض۔یہ ممنوع ہے کہ اس میں قیمت کا صحیح پتا نہ لگا دوسری بیع بالشرط کہ یوں کہے میں اپنا غلام تجھے سو روپے میں دیتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے اپنی لونڈی یا زمین پچاس روپیہ میں دے دے کہ اس میں بھی قیمت ایک اعتبار سے مجہول ہے،اس کے علاوہ دیگر بیع بالشرط بھی منع ہے بشرطیکہ شرط فاسد ہو اگر شرط صحیح ہو تو بیع درست ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ صَفْقَةٍ وَّاحِدَةٍ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۲۷۴۵) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عقد میں دو فروختوں سے منع فرمایا۱؎(شرح السنہ)

(۲۷۴۵)۱؎صفقہ کہتے ہیں ہاتھ مارنے یا ہاتھ ملانے کو چونکہ اہل عرب بیع کے وقت تاجر سے ہاتھ ملاتے تھے اس لئے بیع کو بھی صفقہ کہہ دیتے ہیں۔یعنی ایک بیع کے ضمن میں دوسری بیع کرلینے سے منع فرمایا اس کی دو صورتیں ابھی عرض کی گئیں۔(مرقات)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ سَلَفٌ وَّبَیْعٌ وَّلَاشَرْطَانِ فِیْ بَیْعٍ وَلَارِبْحُ مَالَمْ یُضْمَنْ وَلَا بَیْعَ مَالَیْسَ عِنْدَكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ

(۲۷۴۶) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو ادھار اور فروخت جائز ہے۱؎اور نہ فروخت میں دو شرطیں جائز۔۲؎نہ اس کا نفع جائز جس کا ذمہ دار نہ ہو اور نہ وہ چیز بیچنا حلال جو تیرے پاس نہ ہو۔۳؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے

(۲۷۴۶)۱؎ اس کی دوصورتیں ہیں ایک یہ کہ بائع خریدار سے کہے میں تیرے ہاتھ یہ چیز سوروپے کے عوض فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے دس روپے قرض بھی دے، یہ حرام ہے کہ ایک قسم کا سود ہے کیونکہ خریدار نے دس روپے قرض کے عوض میں اس چیز کے خریدنے کا نفع بھی حاصل کرلیا یا اس کے برعکس کہ قرض مانگنے والے سے ساہوکار کہے میں تجھے سوروپیہ اس شرط پر قرض دیتا ہوں کہ دس روپے میں اپنی بکری میرے ہاتھ فروخت کردے یعنی بیع میں قرض کی شرط ہو تو منع اور قرض میں بیع کی شرط ہو تب منع، دوسرے یہ کہ ساہوکار قرض مانگنے والے سے کہے میں تجھے سوروپے قرض دیتا ہوں بشرطیکہ تم میری فلاں چیز اتنے میں خریدلو یعنی مہنگی اس میں بھی وہ ہی قباحت ہے کہ قرض کے ذریعہ نفع کمارہا ہے۔۲؎ اس جملہ کی شرح میں بہت گفتگو ہے بعض محدثین تو فرماتے ہیں کہ یہ جملہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے۔یعنی سلف بیع کی بعض نے فرمایا کہ دو کا ذکر اتفاقی ہے بیع بالشرط مطلقاً منع ہے جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ان کا خیال ہے کہ شرطان سے مراد دونوں قسم کی شرطیں ہیں یعنی نہ تو بائع خریدار پر کوئی شرط لگائے کہ یہ چیز تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ دو ماہ تک اس کو میں ہی استعمال کروں گا یا تو مجھے اتنے روز کیلئے اپنا مکان عاریۃً یا کرایہ پر دے اور نہ خریدار تاجر پر کوئی شرط لگائے کہ کپڑا تو خریدتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے سی کر یا دھوکر دے، یہ دنوں قسم کی شرطیں بیع کو فاسد کردیں گی جب کہ شرطیں خود فاسد ہوں، شرط فاسد وہ کہلاتی ہے جسے بیع نہ چاہے جسے خود بیع ہی چاہے وہ شرط صحیح ہے اس کی تجارت فاسد نہیں ہوتی جیسے تاجر کہے کہ چیز بیچتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے روپے کھرے دے یا ابھی نقد دے یا خریدار کہے کہ خریدتا ہوں بشرطیکہ مال اصل ہو،نقل نہ ہو وغیرہ۔۳؎ یعنی جو چیز تیرے قبضہ میں نہ ہو اس کا بیچنا بھی ممنوع ہے اور جس چیز کا تو ابھی مالک نہ بنا اس کی فروخت بھی منع۔مالم یضمن سے مراد جو اپنے ضمان و قبضہ میں نہ آئی جیسے ہم کوئی چیز خریدیں اور بغیر قبضہ کئے فروخت کردیں، یہ منع ہے اس کی شرح گزر چکی۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ اَبِيْعُ الْاِبِلَ بِالنَّقِيْعِ بِالدَّنَانِيْرِ فَاٰخُذُمَكَانَهَا الدَّرَاهِمَ وَاَبِيْعُ بِالدَّرَاهِمِ فَاٰخُذُمَكَانَهَا الدَّنَانِيْرَ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ لَا بَاسَ اَنْ تَاْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَالَمْ تَفْتَرِقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ (رَاوَهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۷۴۷) روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ میں نقیع بازار میں اونٹ اشرفیوں کے عوض فروخت کرتا تھا۱؎ پھر اشرفیوں کے عوض درہم لے لیتا تھا اور درہم کے عوض فروخت کرتا تھا پھر ان کے عوض اشرفیاں لے لیتا تھا۔۲؎ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا: اس میں مضائقہ نہیں کہ اس دن کے بھاؤ سے یہ لے لو جب تک کہ تم اس طرح الگ نہ ہو کہ تمہارے درمیان کچھ بقایا ہو۔۳؎ (ترمذی ابوداؤد،نسائی،دارمی)

(۲۷۴۷)۱؎ نقیع نون وق سے، مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ تھی جس میں بازار تھا اور میلہ لگا کرتا تھا اور ایک چراگاہ کا نام بھی ہے جو مدینہ منورہ سے بیس کوس دور ہے یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔۲؎ آپ کا یہ عمل اپنے اجتہاد سے تھا آپ نے خیال فرمایا کہ مثلاً درہم ایک دینار ہی ہے اور ایک دینار دس درہم ہی ہیں درہم کے عوض دینار لینا گویا درہم ہی لینا ہیں معلوم ہوا کہ صحابہ کرام زمانہ نبوی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے ہوئے بھی اجتہاد کرتے تھے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ یقین پر قدرت ہوتے ہوئے بھی ظن پر عمل جائز ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی تمہارا یہ عمل دو شرطوں [illegible] ہمارے ہاں بھی

ایک زمانہ میں اشرفی پندرہ بیس روپے کی تھی پھر چڑھتے چڑھتے اسی نوے تک پہنچ گئی دوسری شرط یہ ہے کہ فریقین دونوں بدلوں پر قبضہ کئے بغیر نہ ہٹیں کیونکہ اشرفی کے عوض چاندی کے درہم لینا یا اس کے برعکس بیع صرف ہے اور بیع صرف میں اگر جنسیں مختلف ہوں تو زیادتی جائز مگر ادھار حرام غرضیکہ اس کو الگ بیع قرار دیا گیا اور اس پر بیع صرف کے احکام جاری کئے گئے۔

وَعَنِ الْعَدَّآءِ بْنِ خَالِدِ بْنِ هُوْذَةَ اَخْرَجَ كِتَابًا هٰذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَّآءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرٰى مِنْهُ عَبْدًا اَوْ اَمَةً لَا دَآءَ وَلَا غَآئِلَةَ وَلَا خِبْثَةَ بَيْعَ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمَ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۲۷۴۸) روایت ہے حضرت عداء ابن خالد ابن ہوذہ سے[1] انہوں نے ایک تحریر نکالی کہ یہ وہ ہے جو عداء ابن خالد ابن ہوذہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غلام یا لونڈی خریدی جس میں نہ کوئی عیب ہے نہ فساد نہ کوئی خرابی۔[2] مسلمان کی مسلمان سے بیع[3]

(ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔[4]

(۲۷۴۸)[1] آپ قبیلہ بنی ربیعہ سے ہیں بصرہ کے دیہات میں رہتے تھے غزوہ حنین کے بعد اسلام لائے۔صحابی ہیں مگر آپ سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے۔[2] یعنی اس میں نہ کوئی بیماری ہے جنون جذام برص وغیرہ اور نہ کوئی بری عادت زنا،چوری،شراب خواری وغیرہ نہ نفرت والی کوئی چیز جیسے حرامی ہونا وغیرہ۔غائلہ وہ عیب کہلاتا ہے جو کبھی ہلاکت کا باعث بن جائے خلاصہ یہ ہے کہ یہ غلام ظاہری اور چھپے ہوئے عیب سے پاک ہے اس میں کوئی ایسی خرابی نہیں ہے جس سے خریدار کو خیار عیب ہے اس تحریر میں اس جانب اشارہ ہے کہ خرید و فروخت اگرچہ ولی بلکہ نبی سے ہو اس پر شرعی احکام ضرور جاری ہوں گے اور اس قسم کی تحریر اس کی شان کے خلاف نہیں ہوگی یہ بھی معلوم ہوا کہ قانون بیع نامہ تاجر کی طرف سے ہونا چاہئے۔رب تعالٰی فرماتا ہے: وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ (۲:۲۸۲) اور جس بات پر حق آتا ہے وہ لکھاتا جائے (کنزالایمان) لیکن خریدار کی طرف سے بھی خرید نامہ ہوسکتا ہے کہ اس میں بھی احتیاط ہے[3] یعنی یہ ایسی خرید و فروخت ہے جیسی مسلمان کی مسلمان سے ہوتی ہے کہ مسلمان اپنے بھائی مسلمان کا خیر خواہ ہوتا ہے اسے دھوکہ نہیں دیتا ورنہ یہ بیع مسلمان کی نبی سے تھی نہ کہ عام مسلمان سے۔خیال رہے کہ نبی لغوی مؤمن و مسلم ہوتے ہیں نہ کہ اصطلاحی اصطلاح میں تو وہ عین ایمان ہیں کہ ان کو ماننے سے انسان مؤمن بنتا ہے اسی لئے بیع منصوب ہے کہ کاف تشبیہ پوشیدہ ہے۔[4] کیونکہ اس کی اسناد میں عباد ہیں جو ضعیف ہیں۔ان کے بارے میں محدثین فرماتے ہیں: لَيْسَ بِشَيْءٍ خیال رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل خرید و فروخت دونوں کی ہیں مگر ہجرت کے بعد فروخت بہت کم کی ہے۔(اشعہ ولمعات)

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ حِلْسًا وَقَدَحًا فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْ هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ فَاَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۷۴۹) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمبل و پیالہ نیلام کیا[1] تو فرمایا اس کمبل و پیالے کو کون خریدتا ہے تو ایک صاحب بولے میں انہیں ایک درہم میں لیتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ایک درہم پر بڑھاتا ہے دوسرے صاحب نے دو درہم حاضر کئے تو ان ہی کے ہاتھ فروخت کردیں۔[2]

(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

(۲۷۴۹)اِحلس وہ بڑا کمبل ہے جو اونٹ پر ڈالا جائے یا فرش پر بچھایا جائے چھوٹا کمبل جو ایک آدمی ہی اوڑھ سکے، کسباء کہلاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نہ تھیں بلکہ ایک فقیر و مسکین کی تھیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگنے آیا تھا۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھیک سے بچالیا اس کی دو چیزیں نیلام کرکے اسے کام پر لگادیا۔۲؎اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نیلام جائز ہے جسے عربی میں بیع من یزید کہتے ہیں۔دوسرے یہ کہ ایک کے بھاؤ پر دوسرا آدمی بھاؤ لگاسکتا ہے جبکہ پہلا بھاؤ طے نہ ہوا ہو۔جن احادیث میں بھاؤ پر بھاؤ لگانے سے منع کیا گیا ہے وہاں بھاؤ طے ہوچکنے کے بعد مراد ہے، تیسرے یہ کہ کسی کی چیز دوسرا آدمی وکیل بن کر فروخت کرسکتا ہے چوتھے یہ کہ بیع تعاطی یعنی فقط لین دین سے جائز ہے، اگرچہ منہ سے ایجاب وقبول نہ ہو، پانچویں یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جان و مال کے مالک ہیں کہ ہماری چیز بغیر ہماری رضامندی فروخت کرسکتے ہیں کیونکہ وہ صحابی حضور سے مانگنے آئے تھے نہ کہ چیز بکوانے مگر حضور نے ان سے بغیر پوچھے ان کی چیزیں نیلام کردیں قرآن شریف فرمارہا ہے کہ مسلمان کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنی جان و مال کا کوئی اختیار نہیں جس کا جس سے چاہیں نکاح کردیں، فرماتا ہے: مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ (۳۶،۳۳) اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں (کنزالایمان)۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَّمْ يُنَبِّهْ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ اَوْلَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تَلْعَنُهٗ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۷۵۰) روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے۱؎فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو عیب دار چیز فروخت کردے جس پر خبردار نہ کرے تو وہ اللہ تعالٰی کی ناراضی میں رہے گا یا فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔(ابن ماجہ)

(۲۷۵۰)۱؎آپ کے اسلام کے وقت میں اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ تیاری غزوہ تبوک کے وقت ایمان لائے بعض فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے لاچکے تھے بلکہ اصحاب صفہ سے تھے تین سال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ ۹۸ یا ۱۰۰ سال کی عمر میں دمشق میں وفات پائی۔آپ دمشق کے آخری صحابی ہیں۔(اشعہ)۲؎عیب یا تو، ی کے شد اور کسرہ سے ہے صفت مشبہ یا، ی کے سکون سے مصدر، اگر مصدر ہے تو مبالغہ کیلئے ارشاد ہوا یعنی جو عیب دار چیز کو فروخت کرے وہ گویا سراپا عیب فروخت کررہا ہے، عیب کا تاجر ہے، اس جرم پر اتنی سخت سزا اس لئے ہے کہ دھوکہ دینا مومن کی شان کے خلاف ہے نہ مومن کو دھوکہ دے نہ کافر کو یہ شرعی قومی ملکی جرم ہے۔

بَابٌ

باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

اس باب میں ممنوع تجارتوں کے متعلق مختلف احادیث مذکور ہوں گی اس لئے اس کا ترجمہ مقرر نہ فرمایا یعنی متفرق احادیث کا باب جس میں مختلف ممنوع تجارتوں کا ذکر ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ نَخلاً بَعْدَ اَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَلَهٗ مَالٌ فَمَالُهٗ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ الْمَعْنَى الْاَوَّلَ وَحْدَهٗ)

(۲۷۵۱) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص پیوند لگانے کے بعد درخت کھجور خریدے۱؎ تو اس کے پھل بیچنے والے کے ہوں گے ہاں مگر خریدار شرط لگائے۔۲؎ اور جو کوئی ایسا غلام خریدے جس کے پاس مال ہو۳؎ تو اس کا مال بیچنے والے کا ہوگا ہاں مگر یہ کہ خریدار شرط لگائے۴؎ (مسلم) بخاری نے صرف پہلی صورت بیان کی۔

(۲۷۵۱)۱؎ کھجور کی تابیر کے معنی ہم باب الاعتصام میں عرض کرچکے ہیں کہ نر کھجور کی شاخ مادہ کھجور میں لگانا تاکہ پھل اچھے لگیں اور زیادہ آئیں یہاں مراد ہے تابیر کے بعد پھل لگ جانا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے اگر تابیر ہوچکی ہے مگر ابھی پھل نہیں لگے تو یہ حکم بھی نہیں غرضیکہ یہاں پھل والا درخت مراد ہے جس کے پھل پختہ یا گدر ہوچکے ہوں۔۲؎ امام مالک و شافعی رحمۃ اللہ کے ہاں تابیر والے پھل دار درخت کے پھل خریدار کے ہوں گے اور اگر تاجر شرط کرلے تو اس کے ہوں گے ہمارے ہاں بہرحال پھل بائع کے ہیں، ہمارے ہاں تابیر سے مراد پھل دار ہوجانا ہے اگر درخت پھلدار نہیں تو خواہ تابیر ہوچکی ہو حکم بھی یہ نہیں ابن ابی لیلیٰ کے ہاں پھل بہرحال خریدار کے ہیں کہ درخت کے تابع ہیں۔۳؎ یعنی غلام ماذون تھا جسے تجارت کی اجازت مولیٰ نے دے رکھی تھی اس وجہ سے اس کے پاس مال جمع ہوگیا تھا اب اسے فروخت کیا گیا تو مال چونکہ مولیٰ کا تھا اسی کا رہے گا، یہاں مال کی نسبت غلام کی طرف قبضہ کی نسبت ہے نہ کہ ملکیت کی، وہ مال تھا مولیٰ کا مگر قبضہ میں غلام کے تھا۔۴؎ یعنی اگر خریدار کہے کہ میں وہ غلام مع اس کے مال کے خریدتا ہوں تب تو مال خریدار کا ورنہ بائع کا امام اعظم کے ہاں فروخت شدہ غلام کے جسم کے کپڑے بھی بائع کے ہوں گے حتی کہ خریدنے کے بعد خریدار اسے اپنا تہبند پہنائے بائع کا تہبند اتار دے۔ (مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ جانور خریدا تو اس کی جھول زنجیر اور دوسرا جسم کا سامان بائع کا ہوگا اگر خریدار شرط لگائے تو اس کا ہوگا خیال رہے اگر غلام کے پاس چاندی کے روپے تھے تو اس کے مع روپوں کے خریدنے کے وہی احکام ہوں گے جو بیع صرف کے ہوتے ہیں یعنی اگر خریدار چاندی سے خریدے تو اس کے روپوں سے زائد روپے دے تاکہ اصل روپیہ روپے کے عوض ہوجائے اور زیادتی غلام کے عوض کہ یہ بیع صرف غلام کی نہیں بلکہ چاندی اور غلام کی ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ كَانَ يَسِيْرُ عَلٰى جَمَلٍ لَهٗ قَدْ اَعْيٰى فَمَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٖ فَضَرَبَهٗ

(۲۷۵۲) روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہ آپ ایک اونٹ پر سفر کررہے تھے جو تھک گیا تھا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

فَسَارَ سَيْرًا لَيْسَ يَسِيرُ مِثْلَهُ ثُمَّ قَالَ بِعْنِيهِ بِأُوقِيَةٍ قَالَ فَبِعْتُهُ فَاسْتَثْنَيْتُ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ وَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ وَفِي رِوَايَةٍ فَأَعْطَانِي ثَمَنَهُ وَرَدَّهُ عَلَيَّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِبِلَالٍ اقْضِهِ وَزِدْهُ فَأَعْطَاهُ وَزَادَهُ قِيرَاطًا

وسلم گزرے تو اسے مارا تو وہ اونٹ ایسی رفتار سے چلنے لگا کہ ایسا کبھی نہ چلتا تھا۔اپھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے میرے ہاتھ ایک اوقیہ میں بیچ دو۔۲میں نے بیچ دیا مگر اپنے گھر تک اس کی سواری کی شرط لگائی۔۳پھر جب میں مدینہ آیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹ لایا۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی قیمت کھری کردی اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی قیمت عطا فرمائی اور اونٹ بھی واپس دے دیا۔۴(مسلم بخاری) اور بخاری کی ایک روایت ہے کہ آپ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ انہیں قیمت ادا کردو کچھ زیادہ بھی دے دو تو انہوں نے ایک قیراط زیادہ دیا۔۵

(۲۷۵۲)۱یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے،معلوم ہوا کہ ان کا ہاتھ بے زوروں کا زور ہے،بے سہاروں کا سہارا بھی ہے،جس کمزور پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نگاہ فرمادیں وہ طاقتور ہوجائے۔شعر:۔

تو مرا دل دہ و دلیری بیں روبہ خویش خوان و شیری بیں (اشعہ)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تم دل بخشو پھر میری بہادری دیکھو مجھے اپنی بلی بنالو پھر میری شیری دیکھو۔۲اوقیہ الف کے پیش یا فتح سے چالیس درہم کا ہوتا ہے مگر وقیہ بغیر الف کے کبھی اوقیہ کے ہم معنی ہوتا ہے اور کبھی سات مثقال کا،اس کی جمع وقایا ہے جیسے خطینہ کی خطایا اور اوقیہ کی جمع اواقی ہے،جیسے اعجوبہ کی جمع اعاجیب اس سے معلوم ہوا کہ مال والے کو اس کا مال بیچنے کی رغبت دینا جائز ہے۔(مرقات)۳اس حدیث کی بنا پر امام احمد نے جانور کی بیع بالشرط جائز رکھی کہ بائع اس پر اپنے لئے سوار ہونے کی شرط لگا سکتا ہے امام مالک کے ہاں تھوڑے فاصلہ تک سواری کی شرط لگانا جائز ہے کیونکہ اس موقع پر مدینہ طیبہ قریب تھا لیکن امام اعظم و شافعی کے ہاں یہ شرط مطلقًا ناجائز ہے کیونکہ دوسری احادیث میں بیع بالشرط سے ممانعت فرمائی گئی ہے اس حدیث کے متعلق ان دو بزرگوں نے چند باتیں فرمائیں ایک یہ کہ یہ شرط داخل بیع نہ تھی بلکہ بعد بیع عاریۃً وہ اونٹ لیا گیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے دوسرے یہ کہ شرط حضرت جابر نے پیش نہ کی بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور رعایت عطا فرمائی جیسے آج کل بعض تاجر کمیشن یا انعامی بونڈ پر چیزیں بیچتے ہیں کہ یہ شرطیں خود اپنی طرف سے لگا دیتے ہیں یا پوسٹ آفس کا محکمہ خطوط لفافے ٹکٹ اس شرط پر بیچتے ہیں کہ ہم مال منزل پر پہنچا دیں گے۔تیسرے یہ کہ یہ صورۃً بیع تھی حقیقۃً نہ تھی جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ حضور انور نے حضرت جابر کو رقم بھی عطا فرمادی اور اونٹ بھی(لمعات و مرقات)۴اس جملہ نے اس تجارت کی نوعیت بتلادی کہ لفظ بیع شراء کے تھے مگر حقیقت عطا کی تھی۔۵قیراط آدھے دانق کو کہتے ہیں دانق تہائی درہم ہے لہذا قیراط درہم کا چھٹا حصہ ہوا۔یہ قیراط حضرت جابر کو قیمت سے الگ دیا گیا تھا جسے حضرت جابر ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے اور خرچ کرتے رہتے تھے حتی کہ یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں واقعہ حرہ کے موقع پر جب یزیدی فوج نے حضرت جابر کا مال لوٹا تو یہ قیراط بھی چھین لیا(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادائے قرض و ادائے حقوق کا وکیل بنانا بھی جائز ہے اور حق سے کچھ زیادہ دینا بھی جائز،یہ زیادتی سود نہ تھی سود کی نوعیت کچھ اور ہوتی

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ جَآءَتْ بَرِيْرَةُ فَقَالَتْ اِنِّيْ كَاتَبْتُ عَلٰى تِسْعِ اَوَاقٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ اُوْقِيَّةٌ فَاَعِيْنِيْنِيْ فَقَالَتْ عَآئِشَةُ اِنْ اَحَبَّ اَهْلُكِ اَنْ اَعُدَّهَا لَهُمْ عَدَّةً وَّاحِدَةً وَّاُعْتِقَكِ فَعَلْتُ وَيَكُوْنُ وَلَآءُكِ لِيْ فَذَهَبَتْ اِلٰى اَهْلِهَا فَاَبَوْا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْوَلَآءُ لَهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِيْهَا وَاَعْتِقِيْهَا ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَّشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَّيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَاِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ فَقَضَآءُ اللّٰهِ اَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰهِ اَوْثَقُ وَاِنَّمَا الْوَلَآءُ لِمَنْ اَعْتَقَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۵۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ آئیں بولیں کہ میں نو اوقیہ پر مکاتبہ ہوگئی ہوں ہر سال میں ایک اوقیہ[۱] آپ میری امداد فرمائیں تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگر تمہارے مولیٰ یہ پسند کریں کہ میں انہیں سارا روپیہ ایک دم گن دوں اور تمہیں آزاد کردوں اور تمہاری ولا، میرے لئے رہے[۲] وہ اپنے مولاؤں کے پاس گئیں۔ انہوں نے اس کا انکار کیا مگر یہ کہ ولا ان کیلئے ہو[۳] اس پر رسول اللہ نے فرمایا تم انہیں لےلو اور آزاد کردو[۴] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے مجمع میں قیام فرمایا اللہ کی حمد و ثنا کی[۵] پھر فرمایا بعد حمد و ثنا کے لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں[۶] جو شرط بھی ایسی ہو جو اللہ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں[۷] لہذا اللہ کا فیصلہ لائق عمل ہے اور اللہ کی شرط بہت مضبوط ہے ولاء اسی کیلئے ہے جو آزاد کرے۔[۸] (مسلم بخاری)

(۲۷۵۳)[۱] حضرت بریرہ بروزن کریمہ مشہور صحابیہ ہیں پہلے ایک یہودی کی لونڈی تھیں پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی، بنیں۔ آپ کی ملک پر آزاد ہوئیں کہ یہودی نے آپکو مکاتبہ کیا تھا پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خرید لیا (اشعہ) اوقیہ کی تحقیق ہو چکی ہے مکاتب وہ غلام ہے جسے مولیٰ کہہ دے کہ اتنی رقم مجھے دے تو آزاد ہے۔[۲] اس طرح کے تو اپنے کو اداء بدل کتابتہ سے معذور کردے جس سے کتابتہ ختم ہوجائے پھر میں تجھے نو اوقیہ کے عوض خرید کر آزاد کردوں تو تم میری آزاد کردہ لونڈی ہو اور تمہاری ولاء میرے لئے ہو، ورنہ مکاتب کی بیع درست نہیں اور جو مکاتب کی امداد کرے کہ اس کا بدل کتابتہ ادا کردے، وہ اس کا مالک نہیں ہوجاتا، نہ ولاء اسے ملتی ہے،[۳] یعنی بریرہ کے مولیٰ اس فسخ کتابتہ پر تو راضی ہوگئے۔ فروخت کردینے پر بھی راضی ہوگئے۔ مگر فروخت میں شرط یہ لگاتے تھے کہ ولاء یعنی حق میراث انہیں ملے، یہ شرط بھی فاسد تھی، اس سے بیع بھی فاسد ہوتی ہے۔[۴] اس حدیث کی بنا پر امام مالک اور احمد ابن حنبل مکاتب کی بیع جائز مانتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ مکاتبہ کی بیع درست رکھی مگر ہمارے امام اعظم و شافعی فرماتے ہیں کہ مکاتب کی رضا سے اس کی فروخت کتابتہ کا فسخ ہے گویا مکاتب اپنی کتابتہ ختم کررہا ہے اور اپنے کو فروخت کرارہا ہے۔ یہاں یہ ہی ہوا بعض ائمہ نے اس حدیث کی وجہ سے بشرط عتق بیع کو جائز رکھا کہ یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آزادی کی شرط پر خریدا ہمارے ہاں ایسی بیع فاسد ہے کہ یہ بیع بالشرط ہے یہاں بائع یا حضرت بریرہ نے یہ شرط نہ لگائی تھی بلکہ خود ام المومنین نے آزادی کی پیشکش کی تھی شرط اور پیشکش میں بڑا فرق ہے۔[۵] وعظ سے پہلے حمد الٰہی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حمد و صلوٰۃ دونوں پڑھنا سنت صحابہ ہے دونوں ہی پڑھنا چاہئیں۔[۶] کتاب اللہ سے مراد یا لوح محفوظ ہے یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دین اسلام کیونکہ یہ قاعدہ الولاء لمن اعتق ولاء آزاد کرنے والے کی ہے، قرآن شریف میں موجود نہیں یا لَیْسَ کے معنی ہیں کہ یہ شرط قرآنی

قاعدے کے موافق نہیں اس صورت میں کتاب اللہ سے مراد قرآن شریف بھی ہوسکتا ہے۔ (مرقات) ۷؎ اس حدیث پر بہت ہی اعتراضات ہیں اس لئے بعض محدثین نے اس ساری حدیث ہی کا انکار کردیا ہے بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اشترطی لھم اے عائشہ! ان کی شرط قبول کرلو اور خریدلو، ولاء تمہارے لئے ہی ہوگی اس حدیث پر حسب ذیل اعتراض پڑ جاتے ہیں (۱) مکاتب غلام کی بیع جو شرعاً ناجائز ہے (۲) بائع کی شرط کو قبول کرلینا، یہ بیع بالشرط ہوئی، یہ بھی فاسد ہے (۳) بشرط عتق بیع یہ بھی فاسد ہے، (۴) بائع کو دھوکہ دینا کہ اس کی شرط ولاء منظور کرلینا حالانکہ ولاء اسے نہ ملے بلکہ خریدار کو ملے، کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کی اجازت دیں، بعض شارحین نے اس حدیث کو درست مانا مگر واشترطی لھم لام کو علیٰ کے معنی میں لیا اور معنی یہ کئے کہ ان کے خلاف شرط لگالو کہ ولاء اس کے ہوگی جیسے ومن اساءَ فلھا میں لام علیٰ کے معنی میں ہے۔ مگر صحیح بات وہ ہے جو یہاں مرقات نے فرمائی کہ چونکہ عرب شریف میں اس قسم کی بیع بالشرط کا عام رواج تھا۔ اس رواج کو توڑنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس بیع کی خصوصی اجازت دی تاکہ آئندہ اس بیع کا سلسلہ ہی ختم ہوجائے اب یہ بیع جائز نہیں، جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حج کے احرام کو عمرہ میں تبدیل کرادیا تاکہ یہ عقیدہ ختم ہوجائے کہ زمانہ حج میں عمرہ حرام ہے، ایسے ہی یہاں ہوا ورنہ یہ حدیث ظاہری معنی پر کسی مذہب کے موافق نہیں اور دیگر تمام احادیث کے خلاف ہے۔ (مرقات) ۸؎ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ربّ تعالٰی کا فیصلہ ہے، دیکھو یہ قانون کہ الولاء لمن اعتق ولاء آزاد کرنے والے کو ملتی ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون، مگر فرمایا گیا قضاء اللہ کیوں نہ ہو ربّ فرماتا ہے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (۸۰:۴) جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا (کنزالایمان) دوسرے یہ کہ اگر کفار مسلمانوں سے تجارت کریں تو انہیں اسلامی قوانین کی پابندی کرنا ہوگی دیکھو یہاں بائع یہودی ہے مگر چونکہ خریدار عائشہ صدیقہ ہیں اس لئے اس پر سارے اسلامی قانون جاری ہوگئے۔ لہٰذا کافر مسلمان کے ہاتھ سور یا شراب نہیں بیچ سکتا۔ آپس میں کفار اس قسم کی بیع کرسکتے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاۗءِ وَعَنْ هِبَتِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۵۴) روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کی فروخت اور اس کے ہبہ سے منع فرمایا ۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۷۵۴) ۱؎ ولاء ولیٌّ سے بنا بمعنی قرب شریعت میں استحقاق میراث کو ولاء کہتے ہیں کہ اگر غلام لاوارث مرجائے تو اس کی میراث مولیٰ کو ملے چونکہ ولاء مال نہیں ہے، نیز معتق کے ساتھ ایسی لازم ہے جیسے نسبی قرابت داروں کے ساتھ نسب منتقل نہیں ہوسکتی، اس لئے اس کی بیع ناجائز ہے، قریباً تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے جن لوگوں نے ولاء کی بیع یا ہبہ جائز رکھا انہیں غالباً یہ حدیث پہنچی نہیں (نووی، اشعہ لمعات، مرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ مَخْلَدِ بْنِ خُفَافٍ قَالَ ابْتَعْتُ غُلَامًا فَاسْتَغْلَلْتُهٗ ثُمَّ ظَهَرْتُ مِنْهُ عَلٰى عَيْبٍ فَخَاصَمْتُ فِيْهِ إِلَى

(۲۷۵۵) روایت ہے حضرت مخلد ابن خفاف سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے ایک غلام خریدا میں نے اس کی آمدنی وصول کرلی پھر میں اس

عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ فَقَضٰى لِيْ بِرَدِّهٖ وَقَضٰى عَلَيَّ بِرَدِّ غَلَّتِهٖ فَاَتَيْتُ عُرْوَةَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَرُوْحُ اِلَيْهِ الْعَشِيَّةَ فَاُخْبِرُهٗ اَنَّ عَآئِشَةَ اَخْبَرَتْنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِيْ مِثْلِ هٰذَا اَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ فَرَاحَ اِلَيْهِ عُرْوَةُ فَقَضٰى لِيْ اَنْ اٰخُذَ الْخَرَاجَ مِنَ الَّذِيْ قَضٰى بِهٖ عَلَيَّ لَهٗ ۔
(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

کے ایک عیب پر مطلع ہوا۔۲؎ تو میں نے اس کا مقدمہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے مجھے اس کے واپس کر دینے کا فیصلہ اور اس کی آمدنی لوٹا دینے کا حکم دیا۔۳؎ پھر میں حضرت عروہ کے پاس گیا اور انہیں خبر دی وہ بولے شام کو میں ان کے پاس جاؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیسے مقدمہ میں فیصلہ یہ فرمایا کہ آمدنی خرچ کے عوض ہے۔۴؎ چنانچہ عمر کے پاس عروہ گئے تو انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ آمدنی اس شخص سے واپس لے لو جسے دے دینے کا حکم مجھے دیا تھا۔۵؎ (شرح السنہ)

(۲۷۵۵)۱؎ صحیح یہ ہے کہ مخلد تو تابعی ہیں جن سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے لیکن ان کے والد خفاف اور دادا ایما دونوں صحابی ہیں، قبیلہ بنی غفار سے ہیں۔مخلد میم کے زبر اور خ کے سکون سے ہے،خفاف خ کے پیش اور ف کے زبر سے ہے۔(اشعہ)۲؎ آمدنی سے مراد غلام کی کمائی ہے اور عیب سے مراد وہ پرانا عیب ہے جو بائع کے ہاں سے آیا،لغت میں غلہ اس آمدنی کو کہا جاتا ہے جو کھیت،باغ،جانور سے حاصل ہو،دانے،پھل،دودھ،بچے کرایہ وغیرہ یہاں کی کمائی مراد ہے یعنی مجھے غلام کے عیب کا پتا اس وقت چلا جب میں اس کی کچھ کمائی حاصل کر چکا۔۳؎ یعنی پہلے تو میں نے فروشندہ سے کہا کہ غلام واپس لے لے مگر جب وہ راضی نہ ہوا تو خلیفۃ المسلمین حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی بارگاہ میں مقدمہ دائر کردیا کہ یہ غلام واپس کرایا جائے تب آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ غلام واپس دو، اس کی آمدنی بائع کے حوالہ کرو اور اپنی قیمت اس سے وصول کرو۔۴؎ آپ حضرت عروہ ابن زبیر ہیں،مشہور تابعی ہیں مدینہ منورہ کے قاریوں سے ہیں،قرشی ہیں،اسدی ہیں ۲۳ ہجری میں پیدا ہوئے،بڑے فقیہ تھے،آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے یہ فیصلہ غلط کیا کہ غلام کی اتنے دن کی آمدنی تمہیں واپس کرنا ہوگی میں انہیں عرض کردوں گا کہ چونکہ اس زمانہ میں خریدار غلام پر کھانا پینا وغیرہ خرچ بھی کر چکا ہے،اس لئے آمدنی اس کے خرچ وضمان کے عوض ہے۔۵؎ یعنی میں بائع کو غلام اور اس کی آمدنی دے چکا تھا پھر مجھے آمدنی واپس دلوائی گئی،معلوم ہوا کہ حاکم کے فیصلہ کی اپیل کرنا جائز ہے،خواہ اس کے پاس کرے یا اس سے بڑے حاکم کے پاس، امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں خریدے ہوئے جانور کے بچے،اون،دودھ،درخت کے پھل وغیرہ خریدار کے ہوں گے اور اصل شے واپس ہوگی امام مالک کے ہاں جانور کے بچے ماں کے ساتھ واپس ہوں۔اور دودھ واپس نہ ہوگا۔ان تمام ائمہ کے دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔چنانچہ عمر ابن عبدالعزیز نے یہ سن کر اپنا پہلا فیصلہ واپس لے لیا اور اب یہ ہی فیصلہ کیا،معلوم ہوا کہ اگر قضاء قاضی حکم منصوص کے خلاف ہو تو ٹوٹ جائے گی۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ

(۲۷۵۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بائع وخریدار جھگڑ پڑیں،۱؎ تو بائع کی بات معتبر ہے اور خریدار کو اختیار ہے۲؎ (ترمذی) اور ابن

رَوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيّ قَالَ الْبَيِّعَانِ إِذَا اخْتَلَفَا وَالْمَبِيْعُ قَائِمٌ بِعَيْنِهِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ فَالْقَوْلُ مَاقَالَ الْبَائِعُ اَوْيَتَرَادَّانِ الْبَيْعَ ۔

ماجہ و دارمی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ بائع و خریدار جب جھگڑ پڑیں اور چیز ویسی ہی موجود ہو اور ان کے درمیان گواہ کوئی ہو نہیں تو قول وہ ہی ہوگا جو بائع کہے یا دونوں بیع واپس کرلیں۳؎

(۲۷۵۶)۱؎ قیمت کی مقدار میں جھگڑیں یا خیار شرط میں ادھار قیمت کی مدت میں یا بیع کی صفت میں غرضیکہ کسی قسم کا جھگڑا پڑ جائے۲؎ اس صورت میں خریدار اپنے دعویٰ پر گواہ لائے اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو بائع قسم کھائے پھر حاکم خریدار کو اختیار دے دے کہ وہ خریدے یا نہ خریدے۔۳؎ اس بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر مبیع چیز موجود ہے اور قیمت میں اختلاف ہوگیا تو فیصلہ گواہی پر ہوگا اور اگر گواہی دونوں کے پاس ہو تو زیادتی قیمت کی گواہی مانی جائے گی اور اگر کسی کے پاس گواہی نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں گے اور بیع فسخ ہوجائے گی اور اگر قیمت و مبیع دونوں میں جھگڑا ہے تو قیمت کے بارے میں بائع کی گواہی قبول ہوگی اور مبیع کے متعلق خریدار کی لیکن اگر مدت یا شرط خیار یا بعض قیمت پر قبضہ کرنے میں اختلاف ہوجائے تو قسم کسی پر نہیں، اس بارہ میں جو مختلف احادیث مروی ہیں وہ صحیح نہیں لہٰذا اس حدیث مشہور پر اعتماد چاہیں کہ گواہ مدعی پر ہیں اور قسم منکر پر۔ (اشعہ)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا اَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ شُرَيْحِ الشَّامِيِّ مُرْسَلاً ۔

(۲۷۵۷) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمان کی فسخ بیع قبول کرے تو اللہ قیامت کے دن اس کی غلطیاں معاف فرمادے گا۱؎ (ابوداؤد، ابن ماجہ) اور شرح السنہ میں مصابیح کے لفظ بطریق ارسال شریح شامی سے روایت کئے۔۲؎

(۲۷۵۷)۱؎ یعنی اگر خرید و فروخت مکمل ہوچکنے کے بعد خریدار چیز واپس کرنا چاہے یا بائع وہ چیز واپس لینا چاہے تو اگرچہ انہیں یہ حق تو نہیں، مگر فریق آخر کو چاہیئے کہ اسے منظور کرے اور سامنے والے پر مہربانی کرے جس کے بدلہ میں پروردگار اس کی خطائیں اور غلطیاں معاف فرمائے گا۔۲؎ مصابیح کے الفاظ یہ ہیں من اقال مسلما صفقة کرھما اقال اللہ عثرته یوم القیمة یہ مصنف مصابیح پر اعتراض ہے کہ انہوں نے یہاں ابوداؤد و ابن ماجہ کی روایت متصل ہوتے ہوئے روایت مرسل کا ذکر کیا، متصل کو چھوڑ دیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرٰى رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ عَقَارًا مِنْ رَجُلٍ فَوَجَدَ الَّذِى اشْتَرَى الْعَقَارَ فِيْ عَقَارِهٖ جَرَّةً فِيْهَا ذَهَبٌ فَقَالَ لَهُ الَّذِى اشْتَرَى الْعَقَارَ خُذْ ذَهَبَكَ عَنِّيْ اِنَّمَا اشْتَرَيْتُ الْعَقَارَ وَلَمْ اَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ فَقَالَ بَائِعُ الْاَرْضِ اِنَّمَا بِعْتُكَ

(۲۷۵۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم سے اگلے لوگوں میں ایک شخص نے دوسرے سے زمین خریدی تو زمین کے خریدار نے اپنی اس زمین میں ایک مٹکی پائی جس میں سونا بھرا تھا۱؎ تو خریدار نے بائع سے کہا اپنا سونا مجھ سے لے لو میں نے تم سے زمین خریدی تھی، سونا نہیں خریدا تھا، بیچنے والا بولا میں نے تیرے ہاتھ زمین اور جو کچھ

اَلْاَرْضَ وَمَا فِیْھَا فَتَحَا کَمَا اِلٰی رَجُلٍ فَقَالَ الَّذِیْ تَحَاکَمَا اِلَیْہِ اَلَکُمَا وَلَدٌ فَقَالَ اَحَدُھُمَا لِیْ غُلَامٌ وَقَالَ الْاٰخَرُ لِیْ جَارِیَۃٌ فَقَالَ اَنْکِحُوا الْغُلَامَ الْجَارِیَۃَ وَاَنْفِقُوْا عَلَیْھِمَا مِنْہُ وَتَصَدَّقُوْا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

زمین میں ہے سب بیچ دیا۔۲؎ چنانچہ یہ دونوں ایک شخص کے پاس مقدمہ لے گئے تو جسے انہوں نے پنچ بنایا تھا وہ بولا ۳؎ کیا تم دونوں کے اولاد ہے تو ان میں سے ایک بولا کہ میرے لڑکا ہے تو دوسرا بولا میرے لڑکی ہے۔ پنچ نے کہا لڑکے کا لڑکی سے نکاح کردو اور ان پر خرچ کرو اور بچا ہوا خیرات کردو۔۴؎ (مسلم، بخاری)

(۲۷۵۸)۱؎ یعنی جب خریدار نے اس زمین میں کنواں یا بنیاد کھودی تو اس میں دفینہ پایا، کان و دفینہ مل جانے کے احکام کتب فقہ میں دیکھئے۔۲؎ سبحان اللہ کیسے ایماندار لوگ تھے، خریدار کہہ رہا ہے کہ میں نے صرف زمین خریدی ہے اور یہ سونا زمین میں نہیں، یہ تیرا ہے، بائع کہتا ہے کہ زمین کی فروخت میں اس کے اندر کی تمام چیزیں بک جاتی ہیں جیسے اس کے اندر کا پانی اور کان وغیرہ۔ لہذا یہ سونا بھی بک گیا اور زمین کی طرح اس کا بھی تو ہی مالک ہوگیا۔۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص حکومت کا مقرر کردہ حاکم نہ تھا بلکہ ان کا اپنا مقرر کردہ پنچ تھا اور ہوسکتا ہے کہ حکم ہی ہو، مرقات نے فرمایا کہ بعض محدثین کے خیال میں یہ حاکم حضرت داؤد علیہ السلام تھے۔ واللہ اعلم۔۴؎ تصدقوا یا انفقوا کا بیان ہے یا علیحدہ حکم یعنی ان بچوں پر سارا خرچ کرو جس میں صدقہ کا ثواب ملے گا یا کچھ ان پر خرچ کرو کچھ فقراء پر۔ (حاشیہ مشکوٰۃ) خیال رہے کہ دفینہ کے یہ احکام ہمارے دین میں نہیں، ہمارے ہاں دفینہ اگر کفار کا ہے تو اس کا اور حکم ہے اور اگر مسلمانوں کا ہے تو اور حکم، رہا یہ فیصلہ کہ کس کا دفینہ ہے، علامات سے کیا جائے گا، تفصیل کتب فقہ میں دیکھئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی و حاکم حتی الامکان فریقین میں صلح کی کوشش کرے اور ان کو اچھی بات کا حکم کرے۔

بَابُ السَّلَمِ وَالرَّھْنِ
سلم اور گروی کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

سلم کے لغوی معنی ہیں تسلیم یعنی سپرد کرنا، سونپنا، شریعت میں سلم یہ ہے کہ قیمت فی الحال دی جائے چیز ادھار ہو، یہ تجارت سات آٹھ شرطوں سے جائز ہے چونکہ اس بیع میں قیمت فوراً سپرد کی جاتی ہے۔ اس لئے سلم کہلاتی ہے، اسے بیع سلف یعنی ادھار کی بیع بھی کہتے ہیں کہ مال مبیع اس میں ادھار ہوتا ہے، بیع سلم کا ثبوت قرآن شریف سے بھی ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ (۲:۲۸۲) جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دین کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو (کنزالایمان) یہاں بیع سلم مراد ہے۔ رہن کے معنی ہیں حبس یعنی قید کرنا، روکنا، شریعت میں گروی کو رہن کہتے ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کے حق کی وجہ سے اپنی کوئی چیز حقدار کے پاس رکھ دی جائے کہ جب یہ شخص حقدار کا حق ادا کردے اپنی چیز لے لے، رہن کا ثبوت قرآن شریف سے بھی ہے، حدیث شریف سے بھی، چنانچہ رب تعالٰی فرماتا ہے: فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَۃٌ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ قرض لیا اور اپنی زرہ اس کے پاس گروی رکھی حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ زرہ گروی ہی تھی جو جناب حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چھوڑائی۔ (اشعہ و لمعات)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُسْلِفُوْنَ فِي الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ وَالثَّلٰثَ فَقَالَ مَنْ اَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَّعْلُوْمٍ وَّ وَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰى اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۵۹) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہ لوگ ایک سال دو سال تین سال تک بیع سلم کرتے تھے[۱] تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی چیز میں بیع سلم کرے وہ مقرر پیمانے اور وزن مقرر میں معین مدت تک سلم کرے۔[۲] (مسلم، بخاری)

(۲۷۵۹)[۱] اس طرح کہ دانے پھل سال دو سال کے ادھار پر خریدتے تھے کہ قیمت آج دے دی اور دانے یا پھل سال دو سال کے بعد لیں۔ ظاہر یہ ہے کہ دانے اور پھل ایسے ہوتے تھے جو سال بھر تک بازار میں ملتے رہیں کیونکہ بیع سلم میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ چیز عقد کے وقت سے ادا کے وقت تک بازار میں ملتی رہے۔[۲] اس حدیث سے بیع سلم کی تین شرطیں معلوم ہوئیں، خریدی چیز کا وزن معلوم ہونا، پیمانہ معلوم ہونا، وقت ادا مقرر ہونا، احناف کے ہاں تقرر مدت بیع سلم کی شرط ہے، امام شافعی کے ہاں نہیں، لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے باقی شرائط چیز کی ذات و وصف کا معلوم ہونا، ادا کی جگہ مقرر ہونا، وقت ادا تک چیز کا بازار میں ملنا دوسری احادیث و دلائل سے معلوم ہوگا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اشْتَرٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا مِّنْ يَّهُوْدِيٍّ اِلٰى اَجَلٍ وَّرَهَنَهٗ دِرْعًا لَّهٗ مِنْ حَدِيْدٍ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۶۰) روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے[۱] غلہ ادھار میعاد معین تک کیلئے خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھی۔[۲] (مسلم، بخاری)

(۲۷۶۰)[۱] اس یہودی کا نام ابوشحم تھا، قبیلہ بنی ظفر سے تھا، یا تو اس وقت صرف اس کے پاس فالتو جو تھے، کسی صحابی کے پاس ضرورت سے زائد نہ تھے یا حضرات صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے گروی لینے پر ہرگز تیار نہ تھے اور گروی رکھنا ضروری تھا تاکہ آئندہ اس کی گروی کے مسائل لوگوں کو معلوم ہوسکیں اسی لئے یہودی سے قرض لیا اور اسے گروی دیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوشحم سے کچھ جو ادھار لئے تھے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔[۲] اس واقعہ سے بہت سے احکام شرعیہ معلوم ہوئے، کفار سے خرید و فروخت اور قرض کا لین دین جائز ہے اگرچہ ان کی آمدنی خالص حلال نہیں، وہ شراب و سور کی بھی تجارتیں کرتے ہیں۔ سود کا کاروبار بھی کرتے ہیں، ہر مخلوط آمدنی والے کا یہی حکم ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں زہد و قناعت اختیار کی، جنگی سامان کفار کے ہاں گروی رکھنا درست ہے، اگرچہ بحالت جنگ ان کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا ممنوع ہے، ذمی کفار اپنے مال و اسباب کے شرعی مالک ہیں رہن گھر میں بھی درست ہے، قرآن کریم میں رہن رکھنے کیلئے جو سفر کی قید ہے کہ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ الخ یہ قید اتفاقی ہے۔ احترازی نہیں، خیال رہے کہ کفار کے ہاتھ قرآن شریف یا مسلمان غلام فروخت کرنا ممنوع ہے، دین میں میعاد ادا مقرر ہونی چاہئے تاکہ جھگڑا نہ پڑے۔ (مرقات)

وَعَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهٗ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ بِثَلٰثِيْنَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ . (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۷۶۱) روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں وفات پائی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض گروی تھی۔[۱] (بخاری)

(۲۷۶۱)۱؎ یا تو یہ وہی واقعہ ہے جو ابھی مذکور ہوا یا یہ دوسرا واقعہ ہے یہ زرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چھوڑائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمادی۔(مرقات) اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام وعدے و قرض حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ادا کیئے، وہ جو روایت میں آتا ہے کہ مقروض میت کی روح ادائے قرض سے پہلے پھنسی رہتی ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ میت نے بلاضرورت قرض لیا ہو یا ناجائز کام کیلئے اس کی نیت ادا کی نہ ہو، لہذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں، ایک صاع ساڑھے چار سیر کا ہوتا ہے، تو کل ۱۳۵ سیر جو ہوئے یعنی تین من پندرہ سیر۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الرَّهْنُ یُرْكَبُ بِنَفَقَتِهٖ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَّلَبَنُ الدَّرِّ یُشْرَبُ بِنَفَقَتِهٖ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَّعَلَی الَّذِیْ یَرْكَبُ وَیَشْرَبُ النَّفَقَةُ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۷۶۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سواری گروی ہو تو اس کے خرچ کے عوض اس پر سوار ہوا جاسکتا ہے اور جب جانور گروی ہو تو اس کا دودھ خرچ کے عوض پیا جاسکتا ہے۱؎ اور سوار ہونے والے اور دودھ پینے والے کے ذمہ خرچ ہے۲؎ (بخاری)

(۲۷۶۲)۱؎ جمہور علماء کے نزدیک اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ مالک یعنی مقروض اپنی گروی چیز کا خرچہ برداشت کرے اور اس سے نفع حاصل کرسکتا ہے، لہذا اگر گروی بھینس یا گھوڑے کا خرچ مالک یعنی مقروض دے گا اور دودھ یا سواری کا حق بھی مقروض ہی کو ہوگا، اس صورت میں حدیث ظاہر ہے اگر یہ مطلب ہو کہ قرض خواہ گروی پر خرچ کرے اور اس کے دودھ سواری سے فائدہ اٹھائے تو احادیث ربوا سے یہ حدیث منسوخ ہے کہ جو قرض نفع کا ذریعہ ہو وہ حرام ہے، امام احمد و اسحاق اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ قرض خواہ رہن سے نفع بھی اٹھائے اس پر خرچ بھی کرے وہ بھی صرف سواری و دودھ کی اجازت دیتے ہیں باقی منافع حاصل کرنا ان کے ہاں بھی حرام ہے مگر ان کا یہ قول ضعیف بھی ہے اور جمہور علماء و احادیث ربوا کے مخالف بھی، کیونکہ ان کے ہاں بھی اگر مرہون غلام قرض خواہ کے قبضہ میں فوت ہوجائے تو اس کا کفن دفن مالک پر ہے نہ کہ قرض خواہ پر۔ اگر مقروض اس گروی کا دودھ وغیرہ استعمال کرے تو خرچہ اس کے ذمہ اور اگر قرض خواہ اس کی یہ چیزیں نہ دے تو رہن کی آمدنی سے اس کے یہ خرچ پورے کئے جائیں اگر آمدنی بچ رہے تو وہ قرض خواہ کے پاس امانت ہے جو ادائے قرض کے وقت دی جائے اور اگر خرچ بڑھ جائے تو قرض میں شمار ہوگا جب مقروض قرض اور یہ خرچ ادا کرے گا تب اپنی چیز واپس لے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَغْلَقُ الرَّهْنُ الرَّهْنَ فِیْ صَاحِبِهِ الَّذِیْ رَهَنَهٗ لَهٗ غُنْمُهٗ وَعَلَیْهِ غُرْمُهٗ رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ مُرْسَلًا وَرَوٰی مِثْلُهٗ اَوْمِثْلُ مَعْنَاهُ لَایُخَالِفُهٗ عَنْهُ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ مُتَّصِلًا

(۲۷۶۳) روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گروی رکھنا مرہون چیز کو اس کے گروی رکھنے والے مالک سے نہیں روکتا۱؎ اس کیلئے اس مرہون کا نفع ہے اور اس ہی پر مرہون کا تاوان۲؎ (شافعی مرسلًا) اور اس کی یا اس کے معنی کی مثل جو مذکورہ حدیث کے خلاف نہیں سعید ابن مسیب سے متصلًا

مروی ہے وہ ابو ہریرہ سے۔۳؎

(۲۷۶۳)۱؎ لایغلق باب افعال کا مضارع معروف ہے، پہلا رہن مصدر ہے دوسرا بمعنی مرہون یعنی کسی چیز کا گروی رکھ دینا مرہون چیز کو مالک مقروض سے روکتا نہیں بلکہ اس راہن کو اس مرہون کے استعمال کا حق ہے۔۲؎ یعنی گروی چیز کے منافعے مالک کے ہوں گے اور اس کے تمام مصارف مالک ہی پر ہوں گے وہ رہن قرض خواہ کے پاس بطور امانت مقبوض رہے گا یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے کہ مالک راہن مرہون کے نفعے حاصل کرے گا اور اس پر ہی اس کے خرچے ہوں گے مرتہن یعنی قرض خواہ کو نفع لینے کا حق ہے نہ اس پر خرچ۔ یہ ہی جمہور علماء اسلام کا مذہب ہے اور یہ حدیث اس کی مؤید ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رہن پر قرض خواہ کا قبضہ تو ضروری ہے مگر قبضہ کا دوام ضروری نہیں مالک کچھ دیر کیلئے قرض خواہ سے مرہون لے سکتا ہے کہ بغیر ملے اس سے نفع کیسے اٹھائے گا۔۳؎ روی معروف ہے اور اس کے فاعل امام شافعی ہیں ہوسکتا ہے کہ مجہول ہو اور مثلہ نائب فاعل' مطلب یہ ہے کہ مصابیح میں تو مرسل مروی ہے اور امام شافعی نے متصل اسناد سے بھی روایت فرمائی عن سعید ابن مسیب عن ابی ہریرہ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمِكْيَالُ مِكْيَالُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَالْمِيْزَانُ مِيْزَانُ اَهْلِ مَكَّةَ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ)

(۲۷۶۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیمانے تو مدینہ والوں کے ہیں اور ترازو مکہ والوں کے۔۱؎ (ابوداؤد، نسائی)

(۲۷۶۴)۱؎ یعنی شرعی احکام میں جہاں وزن ضروری ہے تو مکہ والوں کا وزن معتبر کہ وہ لوگ عموماً تاجر ہیں، انہیں دن رات وزن سے کام رہتا ہے اور جہاں ناپ ضروری ہے تو مدینہ والوں کے ناپ کا اعتبار ہے کہ یہ لوگ عموماً کاشتکار ہیں، انہیں ناپنے کا کام رہتا ہے، دیکھو زکوۃ چاندی سونے کے وزن پر ہے اور وزن سے ہے تو اس میں مکہ والوں کا وزن لو اور فطرہ میں ناپ کا اعتبار ہے تو مدینہ والوں کا ناپ ملحوظ۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِ الْكَيْلِ وَالْمِيْزَانِ اِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيْتُمْ اَمْرَيْنِ هَلَكَتْ فِيْهِمَا الْاُمَمُ السَّابِقَةُ قَبْلَكُمْ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۷۶۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماپ و تول والوں سے تم ایسی دو چیزوں کے ذمہ دار بنائے گئے ہو۱؎ جن میں تم سے پہلی امتیں ہلاک ہوچکی ہیں۔۲؎ (ترمذی)

(۲۷۶۵)۱؎ ظاہر یہ ہے کہ ان دو چیزوں سے مراد ناپ و تول' جیسا کہ ترجمہ باب سے ظاہر ہے بعض شارحین نے ان دو سے مراد نماز و جہاد لیا مگر یہ خلاف ظاہر ہے ورنہ حدیث اس باب میں نہ لائی جاتی (لمعات)۲؎ ان امتوں سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی امت ہے جو تول و ناپ میں بے ایمانی کرتے تھے کہ لیتے تھے زیادہ دیتے تھے کم، کیونکہ وہ امت بڑی جماعت تھی اس لئے انہیں امم جمع فرمایا گیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَلَا يَصْرِفْهُ اِلٰى غَيْرِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّقْبِضَهٗ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۷۶۶) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی چیز کو بیع سلم سے خریدے تو اسے قبضہ سے پہلے دوسرے کو نہ پھیرے۱؎ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۲۷۶۶)۱؎ یہ حکم اس قاعدہ کی بنا پر ہے کہ کسی چیز کی فروخت قبضہ سے پہلے جائز نہیں، صرف سے مراد پھیرنا، منتقل کرنا ہے یعنی بیع سلم میں خریدار سلم فیہ یعنی خریدی چیز کو قبضہ سے پہلے دوسرے کی طرف منتقل نہیں کرسکتا، نہ بیع سے نہ ہبہ یا صدقہ سے، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ بیع سلم میں خریدار کسی اور چیز سے تبادلہ نہیں کرسکتا مثلاً بائع سے گندم خریدی تھی اور قبضہ سے پہلے جو سے تبادلہ کرے، یہ ناجائز ہے۔

بَابُ الْاِحْتِکَارِ — غلہ روکنے کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

احتکار حکرٌ سے بنا بمعنی ظلم و بدصحبتی، شریعت میں انسان یا جانور کی غذاؤں کا ذخیرہ کرلینا احتکار کہلاتا ہے، تنگی کے زمانہ میں احتکار ناجائز ہے، فراخی میں جائز یعنی اگر انسان یا جانور بھوکے مررہے ہیں، بازار میں یہ چیزیں ملتی نہیں مگر یہ ظالم اور زیادہ مہنگائی کے انتظار میں اشیاء ضرورت کا ذخیرہ کئے بیٹھا ہے یہ جرم ہے، ممانعت کی تمام حدیثوں میں احتکار سے یہی مراد ہے، مطلقًا ذخیرہ کرنا حرام نہیں ورنہ مسلمان غلہ بھوسہ وغیرہ کی تجارت نہ کرسکیں گے۔ (اشعہ و مرقات)

عَنْ مَّعْمَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَکَرَ فَھُوَ خَاطِئٌ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَ سَنَذْکُرُ حَدِیْثَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کَانَتْ اَمْوَالُ بَنِی النَّضِیْرِ فِیْ بَابِ الْفَیْءِ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی ۔

(۲۷۶۷) روایت ہے حضرت معمر سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غلہ روکے وہ خطارکار ہے۲؎ (مسلم) اور ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ بنی نضیر کے مال کا ان شاء اللہ تعالٰی باب الفیٔ میں ذکر کریں گے۔

(۲۷۶۷)۱؎ آپ معمر ابن عبداللہ صحابی ہیں، قرشی عدوی ہیں، قدیم الاسلام ہیں، پہلے حبشہ کی جانب ہجرت کی، پھر وہاں سے مدینہ طیبہ کی طرف وہیں عمر گزاری ان کے علاوہ بہت سے تابعین، تبع تابعین کا نام معمر ہے، جن میں معمر ابن راشد بہت مشہور ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہاں معمر صحابی مراد ہیں اور حدیث متصل ہے اور ہوسکتا ہے کہ معمر تابعی مراد ہوں اور حدیث مرسل ہو (اشعہ) ۲؎ یعنی گنہگار، امام مالک نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ مطلقًا مال کا ذخیرہ کرنا ناجائز ہے، مال غذا کی قسم کا ہو یا اور، باقی جمہور ائمہ کے ہاں صرف غذاؤں کا روکنا منع ہے وہ بھی صرف تنگی کے زمانہ میں، اگر اس کے روکنے سے بازار پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور چیز عمومًا مل ہی رہی ہے، تو بلاکراہت جائز ہے۔ (مرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَّالْمُحْتَکِرُ مَلْعُوْنٌ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ)

(۲۷۶۸) روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں غلہ لانے والا روزی دیا جائے گا روکنے والا لعنتی ہے۱؎ (ابن ماجہ، دارمی)

(۲۷۶۸)۱؎ یعنی جو تاجر باہر سے شہر میں غلہ لائے جس کی وجہ سے یہاں کا قحط دور ہوجائے اللہ اسے روزی دے اور جو غلہ کو ذخیرہ کرکے قحط پیدا کرے اس پر خدا کی پھٹکار ہو اور ہوسکتا ہے کہ یہ خبر ہو یعنی غلہ لانے والے کو برکتیں ملیں گی اور ذخیرہ والا لعنتی ہی مرے گا۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْا اَنْ اَلْقٰى رَبِّيْ وَلَيْسَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ يَطْلُبُنِيْ بِمَظْلِمَةٍ بِدَمٍ وَّلَا مَالٍ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۷۶۹) روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھاؤ چڑھتے گئے تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھاؤ مقرر فرما دیجئے۔[۱] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھاؤ مقرر فرمانے والا اللہ ہے وہ ہی تنگی وفراخی فرمانے والا روزی رساں ہے۔[۲] میری آرزو ہے کہ اپنے ربّ سے اس طرح ملوں[۳] کہ تم میں سے کوئی مجھ سے خونی یا مالی ظلم کا مطالبہ نہ کرسکے[۴] (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

(۲۷۶۹)[۱] یعنی دن بدن گرانی بڑھتی جارہی ہے، آپ ہر چیز پر کنٹرول فرماتے ہوئے بھاؤ مقرر فرمادیں کہ کوئی شخص اس سے زیادہ بھاؤ پر فروخت نہ کرسکے تاکہ خریداروں کو آسانی ہو، جیسا کہ آج کل حکومتیں کرتی رہتی ہیں[۲] یعنی بھاؤ کا اتار چڑھاؤ گرانی وارزانی ربّ کی طرف سے ہے یہ قدرتی چیز ہے جو انسان کی تدبیر سے دفع نہیں ہوسکتی، اس کیلئے ربّ سے دعائیں مانگو کہ وہ رحم کرے ارزانی بھیجے، سبحان اللہ کیا پیارا فرمان ہے تجربہ شاہد ہے کہ کنٹرول سے ارزانی نہیں ہوتی گرانی بڑھ جاتی ہے کہ پھر تاجر بلیک سے دوگنی تگنی قیمت پر فروخت کرتے ہیں بلکہ کبھی چیز ناپید ہوجاتی ہے بھلا جس چیز کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمایا ہو وہ مفید کب ہوسکتی ہے۔[۳] یعنی میری وفات اس حال میں ہو یا قیامت میں اس طرح اٹھوں کہ کسی بندہ کا مجھ پر کوئی حق نہ ہو، ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ربّ سے اتنے قریب ہیں اور ربّ سے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ جو ان سے مل جائے وہ ربّ سے مل جاتا ہے، ربّ فرماتا ہے: کہ اگر مجرم آپ کے دروازہ پر آکر استغفار کریں تو ربّ کو پالیں گے حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، شعر:

ضَمّ الا له اسم النبی باسمه — اذ قال فی الخمس المؤذن اشهد

یعنی ربّ نے تو ان کے نام کو اپنے نام کے ساتھ اذان وکلمہ وغیرہ میں ملالیا ہے، ہم نے عرض کیا ہے شعر:۔

وہ ربّ کے ہیں ربّ ان کا ہے جو ان کا ہے وہ ربّ کا ہے — بے ان کے جو ربّ سے ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے

بہرحال ربّ سے ملنے سے مراد وفات یا قیامت میں اٹھنا ہے،[۴] معلوم ہوا کہ چیزوں پر کنٹرول کرنا، ان کے بھاؤ مقرر کردینا تاجروں پر بھی ظلم ہے اور خریداروں پر بھی تاجروں پر اس لئے کہ جب انہیں وہ چیز اس بھاؤ پڑتی نہیں تو وہ بیچیں گے کیوں کر اگر حکومت جبراً سستی بکوادے، تو یہ دوسرے کے مال میں ناحق تصرف ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تاجر بیوپار چھوڑ دیں گے اور لوگ بھوکے مریں گے، جیسا کہ اب بھی مشاہدہ ہورہا ہے ہاں اگر حکومت خود تجارت کرے یا تاجروں کو مناسب بھاؤ پر مہیا کرکے دے پھر فروخت کا بھاؤ مقرر کردے جس سے تاجروں کو نقصان نہ ہو اور چیز ناپید نہ ہو تو جائز ہوسکتا ہے اس کی تفصیل اسی جگہ لمعات شرح مشکوۃ میں ملاحظہ فرمائیے، کچھ مرقات نے بھی اس پر روشنی ڈالی ہے، خریداروں پر اس لئے کہ جب تاجر کنٹرول کی وجہ سے مال باہر سے لانا چھوڑ دیں گے تو خریدار مال کہاں سے حاصل کریں گے، شہر میں قحط پڑ جائے گا پھر بلیک ہوکر مال بہت ہی گراں ملے گا جیسا کہ آج دیکھا جارہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ طَعَامَهُمْ ضَرَبَهُ اللّٰهُ بِالْجُذَامِ وَالْاِفْلَاسِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ

(۲۷۷۰) روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مسلمانوں پر ان کی روزی (غلہ) روکے[۱] اللہ اسے کوڑھ اور مفلسی میں مارے[۲] (ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان اور رزین نے اپنی کتاب میں)

(۲۷۷۰)[۱] ان کی روزی فرمانے میں اشارۃً فرمایا کہ احتکار مطلقاً ممنوع ہے مگر مسلمانوں پر احتکار زیادہ برا کہ مسلمان کو تکلیف دینا دوسروں کو تکلیف دینے سے بدتر ہے۔[۲] حق یہ ہے کہ یہ جملہ خبر نہیں بلکہ بددعا ہے گویا محتکر یعنی غلہ ذخیرہ کرکے لوگوں کو بھوکا مارنے والا نبی کی بددعا کا مستحق ہے اور اس کے برعکس مسلمانوں پر وسعت کرنے والا نبی کی دعا کا حقدار ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يُرِيْدُ بِهِ الْغَلَاءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَبَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

(۲۷۷۱) روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چالیس دن غلہ روکے[۱] کہ اس کے مہنگے ہونے کا انتظار کرے[۲] تو وہ اللہ سے دور ہوگیا اور اللہ اس سے بیزار ہوگیا[۳] (رزین)

(۲۷۷۱)[۱] چالیس دن کا ذکر حد بندی کیلئے نہیں تاکہ اس سے کم احتکار جائز ہو بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو احتکار کا عادی ہو جائے اس کی یہ سزا ہے، چالیس دن کوئی کام کرنے سے عادت پڑ جاتی ہے اس لئے چالیس دن نماز با جماعت کی تکبیر اولیٰ پانے کی بڑی فضیلت ہے کہ اتنی مدت میں وہ جماعت کا عادی ہوجائے گا۔[۲] ہر جگہ احتکار میں یہ ہی قید ہے کہ غلہ کی گرانی کیلئے اس کا ذخیرہ کرنا ممنوع ہے وہ بھی جبکہ لوگ تنگی میں ہوں اور یہ بہت زیادہ گرانی کا انتظار کرے کہ خوب نفع سے بیچے۔[۳] یہ فرمان عالی شان انتہائی غضب کا ہے جو بادشاہ کی حفاظت سے نکل جائے اس کا حال کیا ہوتا ہے جو چاہے اس کا مال لوٹ لے جو چاہے اس کا خون کردے جو چاہے اس کے زن و فرزند کو ہلاک کردے تو جو رب تعالیٰ کی امان و عہد سے نکل گیا اس کی بدحالی کا اندازہ نہیں ہوسکتا لہذا یہ ایک جملہ ہزار ہا عذابوں کا پتا دے رہا ہے، رب تعالیٰ محفوظ رکھے یہ حدیث احمد و حاکم نے کچھ فرق کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی۔

وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ اِنْ اَرْخَصَ اللّٰهُ الْاَسْعَارَ حَزِنَ وَاِنْ اَغْلَاهَا فَرِحَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَ رَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ)

(۲۷۷۲) روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا غلہ روکنے والا بندہ بہت برا ہے کہ اگر اللہ بھاؤ سستے کرے تو رنجیدہ ہو اور اگر مہنگے کرے تو خوش[۱] (بیہقی شعب الایمان اور رزین اپنی کتاب میں)

(۲۷۷۲)[۱] اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تکلیف پر خوش ہونا اور ان کی خوشی پر ناراض ہونا لعنتی آدمیوں کا کام ہے خوشی و غم میں مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہیے [illegible] کیلئے ناجائز عمل

کرتے ہیں، الٹے وظیفے پڑھتے ہیں لوگوں سے قحط کی دعائیں کراتے ہیں نعوذ باللہ، وقت پر بارش ہو تو ان کے گھر صف ماتم بچھ جاتی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احْتَکَرَ طَعَامًا اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهٖ لَمْ لَکُنْ لَّهٗ کَفَّارَةً ۔ (رَوَاهُ رَزِیْنٌ)

(۲۷۷۳) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چالیس دن غلہ روکے[۱] پھر وہ سارا غلہ خیرات بھی کردے تب بھی اس کا کفارہ نہ ہوگا۔[۲] (رزین)

(۲۷۷۳) چالیس دن فرمانے کی حکمتیں ابھی عرض کی جاچکیں ہوسکتا ہے کہ چالیس دن سے کم احتکار کرنے والے کا یہ حکم نہ ہو کہ ابھی یہ گناہ اس کی طبیعت میں پختہ نہ ہوا[۲] یعنی اگرچہ اس صدقہ کا ثواب پائے گا مگر یہ ثواب اس گناہ کا کفارہ نہ ہوسکے گا جو غلہ روکنے سے ہوا، یہ حدیث ابن عساکر نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت فرمائی ہے۔

بَابُ الْاِفْلَاسِ وَالْاِنْظَارِ باب دیوالیہ کرنا اور مہلت دینا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

افلاس فلس بمعنی پیسہ کا مصدر ہے ہمزہ سلب کی ہے لہذا اس کے معنی ہوئے پیسہ نہ رہنا ہوسکتا ہے کہ ہمزہ تصییر کی ہو یعنی اس کے پاس روپیہ اشرفیوں کے بجائے پیسے بن جانا یا پیسے رہ جانا، انظار نظر سے بنا بمعنی ڈھیل یا مہلت دینا یعنی مقروض کا دیوالیہ ہوجانا اور اس کو قرض خواہوں یا حکومت کی طرف سے مہلت دینا کہ مال حاصل ہونے پر ادا کرے ابھی اس پر تقاضا نہ ہو یہ حکم قرآن کریم سے حاصل ہوا فرماتا ہے: وَاِنْ کَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ (۲۸۰:۲) اور اگر قرضدار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک (کنزالایمان) اس مہلت دینے کا بڑا اجر وثواب ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّمَارَجُلٍ اَفْلَسَ فَاَدْرَكَ رَجُلٌ مَالَهٗ بِعَیْنِهٖ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ مِنْ غَیْرِهٖ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۷۷۴) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دیوالیہ ہوجائے[۱] پھر کوئی شخص اپنا مال بعینہ اسی طرح پالے[۲] تو دوسروں سے زیادہ حق دار اس کا یہ ہی ہوگا[۳] (مسلم، بخاری)

(۲۷۷۴)[۱] امام شافعی علیہ الرحمہ کے ہاں مَن عام ہے جس میں ساری قسم کے دیوالیہ داخل ہیں مگر احناف کے ہاں مَن سے مراد وہ خریدار ہے جو تاجر سے ادھار خرید کر لایا پھر دیوالیہ ہوگیا' اس فرق مطلب کی وجہ سے ان دونوں اماموں میں بڑا اختلاف ہے جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا[۲] بعینہ پانے سے مراد یہ ہے کہ نہ تو ذاتًا وہ مال فنا ہوا ہو نہ صفاتًا کہ نہ تو وہ چیز دیوالیہ نے خرچ کرکے فنا کردی ہو نہ اسے وقف یا ہبہ یا بیع کردیا ہو اگر ایسا کرچکا ہے تو اس کا یہ حکم نہیں[۳] امام شافعی کے ہاں اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اگر دیوالیہ کے پاس کسی کو اپنا مال مل جائے تو وہ اپنا مال لے لے، دوسرے قرض خواہ اس میں شریک نہ ہوں گے یہ مال کسی قسم کا بھی ہو ہمارے احناف کے ہاں اس سے صرف یہ صورت مراد ہے کہ کسی شخص نے کسی سے کوئی چیز بشرط خیار خریدی کہ خیار بائع کو تھا اچانک خریدار دیوالیہ ہوگیا تو اب بائع اپنا خیار استعمال کرکے چیز واپس لے سکتا ہے اور اگر اس مال کی کچھ قیمت بھی لے چکا ہے تو بقدر قیمت وضع کرکے باقی چیز واپس لے سکتا ہے اس کے

علاوہ اور کسی صورت میں یہ مال نہیں لے سکتا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ ہی فیصلہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ ہی منقول ہے۔ (مرقات) یہ اختلاف خیال میں رہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ اُصِیْبَ رَجُلٌ فِیْ عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ ثِمَارٍ اِبْتَاعَهَا فَكَثُرَ دَیْنُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا عَلَیْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَیْهِ فَلَمْ یَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَیْنِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهٖ خُذُوْا مَا وَجَدْتُّمْ وَلَیْسَ لَكُمْ اِلَّا ذٰلِكَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۷۵) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ پھلوں میں جو اس نے خریدے تھے گھاٹے میں پڑ گیا تو اس پر بہت قرض ہو گیا[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر صدقہ کرو۔ لوگوں نے اسے صدقہ دیا۔ مگر صدقہ اس کے ادائے قرض تک نہ پہنچ سکا[۲] تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا جو پاؤ وہ لے لو[۳] تو تمہیں اس کے سوا کچھ نہ ملے گا[۴] (مسلم)

(۲۷۷۵)[۱] یعنی اس نے بہت باغ والوں سے قرض پھل خریدے، پھر یا تو پھل یکدم ارزاں ہو گئے کہ ان کا بھاؤ بہت گر گیا یا پھل خراب ہو گئے، دیوالیہ ہو گیا، ان کا قرض ادا نہ کر سکا نہ اس کے مال کی قیمت سے ہی ان کا قرض ادا ہو سکتا تھا، دیوالیہ اسی کو کہتے ہیں[۲] یعنی لوگوں نے اسے صدقات و خیرات بھی حتی الامکان دیئے مگر قرض اتنا زیادہ تھا کہ اس کا مال اور یہ صدقات مل کر بھی ادا نہ ہو سکتا تھا صدقہ کا یہ حکم استحبابی تھا، معلوم ہوا کہ دیوالیہ کو صدقہ دینا بہتر ہے، کسی مسلمان کی گردن چھڑانا بہت ثواب ہے۔[۳] یعنی مقروض کی تمام املاک تجارتی مال، جائیداد، مکانات وغیرہ جو کچھ اس کی ملک و قبضہ میں ہے تم لوگ آپس میں بقدر حصہ تقسیم کرلو، اگر تمام املاک قرض کا نصف ہے تو ہر قرض خواہ اپنا آدھا قرض وصول کرے، اگر قرض کا تہائی ہے تو ہر قرض خواہ اپنا تہائی قرض وصول کرے، یہ حضرت امام اعظم کی دلیل ہے کہ کوئی شخص مقروض کے قبضہ سے کسی خاص چیز پر قبضہ نہیں کر سکتا بلکہ قرض خواہوں کے ساتھ بقدر حصہ وصول کرے گا۔[۴] یعنی اس وقت زیادہ نہ ملے گا اور نہ تم مقروض کو قید و بند کر سکتے ہو، اسے مہلت دو جب اس کے پاس مال ہو جائے لے لو، یہ مطلب نہیں کہ اب تمہارا بقیہ قرض ملے گا ہی نہیں، مارا گیا یا معاف ہو گیا، خیال رہے کہ اس مقروض کو قید کرایا جا سکتا ہے جس کے متعلق شبہ ہو، کہ اس کے پاس مال تو ہے مگر چھپا لیا ہے پھر جب اس کی ناداری معلوم ہو جائے تو اسے قید نہیں کیا جا سکتا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ یُدَایِنُ النَّاسَ فَكَانَ یَقُوْلُ لِفَتَاهُ اِذَا اَتَیْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَّتَجَاوَزَ عَنَّا قَالَ فَلَقِیَ اللّٰهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۷۷۶) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے نوکر سے اس نے کہہ رکھا تھا[۱] کہ جب تو کسی تنگ دست کے پاس تقاضا کو جائے تو اسے معاف کردے[۲] ہو سکتا ہے کہ اللہ ہم کو معافی دے دے فرمایا کہ وہ اللہ سے ملا تو رب نے اس سے درگزر فرمائی[۳] (مسلم، بخاری)

(۲۷۷۶)[۱] نوکر سے وہ نوکر مراد ہے جو مقروضوں سے تقاضا کرنے کو مقرر تھا جیسا کہ عام تجارتی ساہوکار ایسے لوگ رکھتے ہیں، فتا ساتھی کو بھی کہتے ہیں نوکر و غلام کو بھی اس کے لغوی معنی ہیں جوان۔[۲] یا سارا قرض معاف کردے یا کچھ قرض یا مہلت دے دے کہ جلدی تقاضا نہ کرے، معافی میں یہ سب کچھ داخل ہے۔[۳] کہ اس کے سارے گناہ بخش دے، اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ غلام یا نوکر

قرض وصول کرنے کا وکیل کرسکتے ہیں، دوسرے یہ کہ وکیل کو معافی یا نرمی کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں، تیسرے یہ کہ دعا میں جمع کے صیغے استعمال کرنا بہتر ہے کہ اس نے کہ تھا عنا کہ اگر ایک کے حق میں دعا قبول ہوگئی تو انشاء اللہ تعالٰی سب کے حق میں قبول ہوجاوے گی، چوتھے یہ کہ گزشتہ دین کے احکام ہمارے لئے بھی قابل عمل ہیں جبکہ قرآن یا حدیث میں نقل ہوں (نووی، مرقات) پانچویں یہ کہ اپنے مقروض پر مہربانی کرنا اپنی بخشش کا ذریعہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُّنَجِّيَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْيَضَعْ عَنْهُ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۷۷) روایت ہے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہے اسے اللہ تعالٰی روز قیامت کی تکالیف سے نجات دے۱ تو چاہیے کہ وہ تنگدست کو مہلت دے یا معافی۲ (مسلم)

(۲۷۷۷)۱کرب کاف کے پیش رکے فتح سے کربۃ کی جمع ہے بمعنی تکلیف، محنت مشقت، اس لفظ میں قیامت کی دھوپ، پیاس، گھبراہٹ، ملائکہ کی سختی وغیرہ سب کچھ داخل ہے۔۲فلینفس تنفیس سے بنا بمعنی تاخیر کرنا، دیر لگانا، مہلت دینا، وضع سے مراد یا قرض بالکل معاف کردینا، اگر قرض خواہ کی طرف سے وکیل قبض کو اس کی اجازت ہوتو وہ یہ کام کرسکتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ تم بھی رب تعالٰی کے مقروض ہو لہذا اپنے مقروضوں کو معافی یا آسانی دو تم پر اللہ آسانی کرے گا۔

وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْوَضَعَ عَنْهُ اَنْجَاهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۷۸) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو تنگدست کو مہلت دے یا معافی۱ تو اللہ اسے روز قیامت کی تکلیف سے نجات دے گا۔۲ (مسلم)

(۲۷۷۸)۱تنگدست کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ مقروض جو فراخی والا ہو مگر نادہند ہو، اسے مہلت نہ دی جائے، وہ خبیث النفس ہے، اس سے وصول ہی کیا جائے۔۲خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کی تکالیف سے بچنا چاہو تو لوگوں کو مصائب سے بچاؤ کما تدین تدان۔

وَعَنْ اَبِی الْيُسْرِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۷۹) روایت ہے حضرت ابوالیسر سے۱ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کسی تنگدست کو مہلت یا معافی دے۲ تو اللہ اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔۳

(۲۷۷۹)۱آپ کا نام کعب ابن عمرو ہے۔کنیت ابوالیسر انصاری ہے عقبہ وغزوہ بدر میں شریک ہوئے آپ ہی نے بدر کے دن حضرت عباس ابن عبدالمطلب کو قید کرکے بارگاہ رسالت میں پیش فرمایا۔۵۵ ہجری میں مدینہ پاک میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے (اشعہ)۲مہلت و معافی میں فرق واضح ہے مگر دونوں کی جزاء وثواب یکساں ہے۔۳اپنے سایہ سے مراد عرش اعظم کا سایہ ہے کہ قیامت میں صرف اسی کا سایہ ہوگا وہاں ہی دھوپ اور تپش سے امان ہوگی، مقروض پر آسانی کرنے والا' تنہائی میں اپنے گناہ یاد کرکے رونے والا گناہ کرنے کے ارادہ پر رب کو یاد کرکے ہٹ جانے والا وغیرہ اس کے سایہ میں ہوں گے۔

وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ اسْتَسْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرًا فَجَآءَتْهُ اِبِلٌ مِّنَ الصَّدَقَةِ

(۲۷۸۰) روایت ہے حضرت ابورافع سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوان اونٹ قرض لیا۱ پھر آپ صلی اللہ علیہ

قَالَ اَبُوْرَافِعٍ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَقْضِیَ الرَّجُلَ بَکْرَہٗ فَقُلْتُ لَااَجِدُ اِلَّا جَمَلاً خِیَارًا رَبَاعِیًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطِہٖ اِیَّاہُ فَاِنَّ خَیْرَ النَّاسِ اَحْسَنُھُمْ قَضَآءً۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

وسلم کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے۔ابورافع کہتے ہیں کہ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس شخص (قرض خواہ) کا اونٹ ادا کردوں۲؎ میں نے عرض کیا کہ میں تو اس سے اچھا رباعی دانت والا اونٹ ہی پا رہا ہوں۔۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے وہ ہی دے دو کہ بہترین شخص وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔۴؎

(۲۷۸۰)۱؎ ظاہر یہ ہے کہ فقراء پر خیرات کرنے کو قرض لیا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کے اونٹ سے ادا نہ فرماتے، اور ہوسکتا ہے کہ اپنے لئے قرض لیا ہو پھر صدقہ کا اونٹ اپنی جیب سے خرید کر ادا قرض کردیا اور وہ قیمت خیرات کردی ہو بکر نوعمر جوان اونٹ کو کہتے ہیں، اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ابوبکر کہا جاتا ہے کہ آپ جوان اونٹ پر سواری کرتے تھے (اشعہ) یا اس لئے کہ بکر کے معنی ہیں اول، چونکہ آپ ایمان، صحابیت وغیرہ سے کمالات میں اول رہے، لہذا آپ کو ابوبکر یعنی اولیت والے کہا گیا۔ابو بمعنی والا۔یہ حدیث امام شافعی و جمہور ائمہ کی دلیل ہے کہ حیوان کا قرض لینا جائز ہے، ہمارے امام اعظم کے ہاں منع ہے، وہ اس حدیث کو منسوخ فرماتے ہیں۔۲؎ اگر فقیر کیلئے قرض لیا تھا تب تو اس کے معنی ظاہر ہیں اور اگر اپنے لئے قرض لیا تھا تو مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ صدقہ کے اونٹ کی قیمت فقیر کو دے دی۔اونٹ قرض خواہ کو عطا فرمادیا جیسے آج ہم قربانی کی کھال کی قیمت خیرات کردیتے ہیں، اس صدقہ کی فروخت جائز ہے۔۳؎ یعنی چھ برس کی عمر والا اونٹ جس کے رباعی دانت اُگ گئے ہوں، رباعی دانت وہ ہیں جو کیلوں کے برابر ہوتے ہیں۴؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اگر مقروض بغیر شرط لگائے قرض سے کچھ زیادہ دے دے خواہ وصف کی زیادتی ہو یا تعداد میں وہ سود نہیں سود وہ ہے جو قولاً یا عادتاً مشروط ہو، امام مالک کے یہاں غیر مشروط زیادتی عدد بھی حرام ہے، زیادتی وصف درست ہے، دوسرے یہ کہ قرض خواہ کو خوش دلی سے قرض ادا کرے، خیال رہے کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ درجہ کا اونٹ قرض خواہ کو دیا اور اس کی قیمت اپنی طرف سے فقیر کو دی، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ صدقہ کا مال اس طرح رعایۃً یا مروت کرکے دینا کیسے درست ہے، متولی کو چاہیے کہ صدقہ کی بہتری کی تدبیر کرے گویا یہ اونٹ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قرض لے کر ادا فرمایا پھر اس کی قیمت صدقہ میں دی۔(مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَجُلاً تَقَاضٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَغْلَظَ لَہٗ فَھَمَّ اَصْحَابُہٗ فَقَالَ دَعُوْہُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَاشْتَرُوْا لَہٗ بَعِیْرًا فَاَعْطُوْہُ اِیَّاہُ قَالُوْا لَا نَجِدُ اِلَّا اَفْضَلَ مِنْ سِنِّہٖ قَالَ اشْتَرُوْہُ فَاَعْطُوْہُ اِیَّاہُ فَاِنَّ خَیْرَکُمْ اَحْسَنُکُمْ قَضَآءً۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

(۲۷۸۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقاضائے قرض کیا تو آپ پر سختی کی۱؎ صحابہ نے کچھ کرنا چاہا۲؎ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کہ حق والے کو کچھ کہنے کا حق ہے۳؎ اور اس کیلئے اونٹ خریدلو وہ اسے دے دو۔صحابہ نے عرض کیا کہ ہم تو اس کی عمر سے بہتر ہی پاتے ہیں۴؎ فرمایا وہ ہی خریدلو اور وہ ہی اسے دے دو کہ تم میں بہترین وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔۵؎ (مسلم، بخاری)

(۲۷۸۱)۱؎ یہ سختی کرنے والا قرض خواہ یا تو کوئی یہودی وغیرہ کافر ہوگا یا آداب سے ناواقف بدوی جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے

احترام سے خبردار نہ تھے، وہ تو بغیر قرض بھی گفتگو میں بہت سختی کرتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تحمل فرماتے تھے ورنہ صحابہ کرام سے یہ سختی ناممکن ہے (لمعات ومرقات) ۲؎ مار پیٹ یا سخت جواب یا بارگاہ عالی سے نکال دینا چاہا۔ ۳؎ یعنی قرض خواہ کو حق ہے کہ اگر مقروض غنی ہو کر ٹال مٹول کرے تو اس کے خلاف دعویٰ کردے یا اسے ظالم خائن کہے یا کہے کہ تو نادہند بہانہ خور ہے، خیال رہے کہ یہ قانون نادہند مقروضوں کیلئے ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بیان فرمایا ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام ٹال مٹول وغیرہ سے معصوم ہیں۔ ۴؎ یعنی جو اونٹ اس نے آپ کو قرض دیا تھا وہ کم عمر اور دبلا تھا اب بازار سے ایسے دبلے کم عمر اونٹ نہیں ملتے، اس سے اچھے موٹے رباعیہ مل رہے ہیں۔ ۵؎ طبرانی، ابن حبان، حاکم، بیہقی نے حضرت زید ابن سعنہ سے روایت کی کہ میں یہود کے بڑے پادریوں میں سے تھا، میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام علامات نبوت تو دیکھ لی تھیں دو کی آزمائش کرنا چاہتا تھا ایک حلم، دوسرے سختی کے جواب میں نرمی، میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ چھوہارے ادھار دیئے اور وقت اداء سے دو دن قبل تقاضا کرنے کیلئے آگیا، آپ کی چادر پکڑ کر نہایت سختی سے بولا کہ میرا قرض دو، بنی عبدالمطلب عموماً نادہند ہوتے ہیں، جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اس آستانہ کا ادب مانع نہ ہوتا تو یہ تلوار تیرے سر پر ہوتی، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عمر بہتر ہوتا کہ تم مجھے قرض ادا کرنے کا مشورہ دیتے تم نے الٹا میرے محسن پر سختی کی، جاؤ ان کا قرض ادا کرو اور بیس صاع زیادہ کھجوریں دے دو اس سختی کے عوض جو تم نے اس پر کی، میں نے کہا اے عمر میں نبوت کی دو علامتوں کا امتحان کر رہا تھا میں نے درست پالیں، میں پڑھتا ہوں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ تو قرض خواہ کا معاملہ ہے۔ آستانہ عالیہ پر بھیک مانگنے والوں نے سختی سے مانگا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عطائیں بھی دی ہیں اور دعائیں بھی، جیسا کہ بخاری ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ہے۔ (مرقات)

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ فَاِذَا اُتْبِعَ اَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيءٍ فَلْيَتْبَعْ .(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۷۸۲) روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غنی کا ٹال مٹول ظلم ہے ۱؎ اور جب تم میں سے کسی کا قرض غنی پر حوالہ کیا جائے تو حوالہ قبول کرے ۲؎ (مسلم، بخاری)

(۲۷۸۲) ۱؎ یعنی جس مقروض کے پاس ادائے قرض کیلئے پیسہ ہو پھر ٹالے تو وہ ظالم ہے اسے قرض خواہ ذلیل بھی کرسکتا ہے اور جیل بھی بھجوا سکتا ہے، یہ شخص مقروض گنہگار بھی ہوگا کیونکہ ظالم گنہگار رہتا ہے۔ ۲؎ حوالہ کے معنی ہیں نقل ذمہ الی ذمہ یعنی اپنا قرض دوسرے کے ذمہ ڈال دینا، اتبع باب افعال کا ماضی مجہول ہے یعنی تابع بنایا جائے مَلِيءٌ بمعنی غنی جس کی جیب مال سے بھری ہو، یہ امر استحبابی ہے یعنی اگر تمہارا مقروض تم سے کہے کہ میرا قرض فلاں سے وصول کرلینا اور وہ فلاں بھی قبول کرلے تو بہتر ہے کہ اس مقروض کا پیچھا چھوڑ دو اور اس غنی سے ہی وصول کرلو، تمہیں تو اپنے قرض سے غرض ہے۔

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ تَقَاضٰى ابْنَ اَبِيْ حَدْرَدٍ دَيْنًا لَهٗ عَلَيْهِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۲۷۸۳) روایت ہے حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے مسجد میں ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا تقاضا کیا ۱؎ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ان کی آوازیں کچھ اونچی ہوگئیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر سے سن لیں۔ ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف تشریف لائے حتی کہ اپنے حجرہ

وَسَلَّمَ حَتّٰی کَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِہٖ وَنَادٰی کَعْبَ بْنَ مَالِکٍ قَالَ یَا کَعْبُ قَالَ لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَشَارَبِیَدِہٖ اَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَیْنِکَ قَالَ کَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ قُمْ فَاقْضِہٖ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

شریف کا پردہ اٹھایا اور حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کو پکارا فرمایا اے کعب عرض کیا حضور حاضر ہوں آپ نے اپنے ہاتھ شریف سے اشارہ کیا کہ آدھا قرض معاف کردو، حضرت کعب نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کردیا۔فرمایا اٹھو اب ادا کردو۔ ۳؎ (مسلم، بخاری)

(۲۷۸۳)۱؎ ان کا نام عبداللہ ابن ابی حدرد ہے کنیت ابومحمد بیعت حدیبیہ اورغزوہ خیبر میں شریک تھے مسجد سے مراد خارج مسجد ہے کہ داخل مسجد میں دنیاوی کلام ممنوع ہیں۔۲؎ حضرت کعب نے کہا ہوگا کہ ابھی قرض دو، انہوں نے کہا ہوگا کہ میرے پاس ابھی نہیں، اس سے جھگڑا پیدا ہوگیا ہوگا جیسا کہ عموماً تقاضا کے وقت ہوتا ہے۔۳؎ سبحان اللہ کیا نفیس فیصلہ ہے کہ منٹوں میں مہینوں کا جھگڑا طے فرمالیا۔اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے ایک یہ کہ قرض کی معافی کی صورت میں بقیہ قرض کی ادا فوراً ضروری ہے، دوسرے یہ کہ حدود مسجد میں قرض کا مطالبہ کرنا جائز ہے تیسرے یہ کہ معافی و رعایت کی سفارش کرنا جائز ہے چوتھے یہ کہ صلح کرانے والا فریقین کا لحاظ رکھے کہ کچھ اسے دبائے کچھ اسے پانچویں یہ کہ جائز سفارش قبول کرلینا بہتر ہے چھٹے یہ کہ اشارہ پر اعتماد کرسکتے ہیں کہ یہ کلام کے قائم مقام ہے دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھے قرض کا اشارہ ہی فرمایا (مرقاۃ)

وَعَنْ سَلَمَۃَ بْنِ الْاَکْوَعِ قَالَ کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْاُتِیَ بِجَنَازَۃٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَیْھَا فَقَالَ ھَلْ عَلَیْہِ دَیْنٌ قَالُوْا لَافَصَلّٰی عَلَیْھَا ثُمَّ اُتِیَ بِجَنَازَۃٍ اُخْرٰی فَقَالَ ھَلْ عَلَیْہِ دَیْنٌ قِیْلَ نَعَمْ قَالَ فَھَلْ تَرَکَ شَیْأً قَالُوْا ثَلٰثَۃُ دَنَانِیْرَ فَصَلّٰی عَلَیْھَا ثُمَّ اُتِیَ بِالثَّالِثَۃِ فَقَالَ ھَلْ عَلَیْہِ دَیْنٌ قَالُوْا ثَلٰثَۃُ دَنَانِیْرَ قَالَ ھَلْ تَرَکَ شَیْأً قَالُوْا لَاقَالَ صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ قَالَ اَبُوْقَتَادَۃَ صَلِّ عَلَیْہِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلَیَّ دَیْنُہٗ فَصَلّٰی عَلَیْہِ ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۷۸۴) روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا لوگوں نے عرض کیا اس پر نماز پڑھیے۔۱؎ فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے ۲؎ عرض کیا نہیں آپ نے نماز پڑھ لی پھر دوسرا جنازہ لایا گیا فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے عرض کیا گیا ہاں، فرمایا کیا کچھ مال چھوڑا بھی ہے، عرض کیا تین اشرفیاں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھ لی۔۳؎ پھر تیسرا جنازہ لایا گیا فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے عرض کیا گیا تین اشرفیاں فرمایا کیا اس نے کچھ مال چھوڑا بھی ہے عرض کیا نہیں ۴؎ فرمایا اپنے یار پر تم ہی نماز پڑھو۔ابوقتادہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس پر نماز پڑھیں اس کا قرضہ میرے ذمہ ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ۵؎ (مسلم، بخاری)

(۲۷۸۴)۱؎ غالبًا عرض کرنے والے اس میت کے ولی وارث تھے یا اس کے دوست احباب، اس زمانہ میں ہر شخص کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ہماری میت پر جنازہ حضور پڑھیں، اس لئے دور دور سے جنازے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائے جاتے تھے۔۲؎ قرض سے مراد بندوں کا حق مالی ہے خواہ بیوی کا مہر ہو یا کسی کا تجارتی دین یا ہاتھ کا لیا ہوا ادھار جسے دست گرداں کہتے ہیں۔۳؎ غالبًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف، الہام، یا وحی سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس پر قرض تین دینار یا اس سے بھی کم ہے، اس لئے آپ نے اس جواب پر نماز

پڑھ لی ورنہ اگر قرض اس سے زائد ہوتا تو آپ نماز نہ پڑھتے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہورہا ہے۔(لمعات،مرقات) ۴؎ شاید یہ تین جنازے ایک ہی دن ایک ہی مجلس میں کچھ وقفہ پر لائے گئے اور ہوسکتا ہے کہ یہ مختلف دنوں کے واقعات ہوں مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔۵؎ اس واقعہ سے چند مسائل معلوم ہوئے،ایک یہ کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے کہ بعض کے ادا کرنے سے ادا ہوجاتی ہے،دوسرے یہ کہ گناہ یا بری رسمیں روکنے کیلئے عالم دین یا شیخ وقت گنہگار پر جنازہ پڑھنے سے انکار کرسکتا ہے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور یہ رسمیں چھوڑ دیں، انصار مدینہ قرض لینے کے بہت عادی تھے،ان کے مکانات،جائیدادیں،سامان یہود کے ہاں گروی تھے،معمولی باتوں پر قرض لے لیا کرتے تھے،اس بری رسم کو مٹانے کیلئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقروضوں پر یہ سختی فرمائی پھر جب یہ آیت کریمہ اتری:اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (۳۳:۶) یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔(کنزالایمان) تو سرکار نے اعلان فرمادیا کہ اب جو فوت ہوا کرے گا تو اس کا مال اس کے وارثوں کیلئے ہوگا اور اس کا قرض یا اس کے یتیم غریب بچوں کی پرورش میرے ذمہ ہوگی،حق تو یہ ہے کہ اب بھی ہمیں اور ہمارے بچوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی پال رہے ہیں جیسے قرآنی فرمان اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ سارے مسلمانوں کو شامل ہے ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش سب مسلمانوں کو شامل ہے،تیسرے یہ کہ میت کی طرف سے ضامن بننا جائز ہے اکثر علماء کا یہی قول ہے،امام اعظم کے ہاں یہ ضمان جائز نہیں،وہ فرماتے ہیں کہ یہ ضمانت نہ تھی بلکہ وعدہ ادا تھا،ضمانت اور وعدہ ادا میں بڑا فرق ہے،امام صاحب کے ہاں اگر میت مال چھوڑ دے تو اس کی تقسیم میراث یا ادائے قرض کی ذمہ داری جائز ہے۔(از لمعات،مرقات) خیال رہے کہ صاحبین کے ہاں میت کی ضمانت اسی حدیث کی بنا پر جائز ہے،فتویٰ قول صاحبین پر ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ یُرِیْدُ اَدَآءَ هَا اَدَّی اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَ یُرِیْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ . (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۷۸۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو لوگوں کے مال قرض لے جس کے ادا کردینے کا پختہ ارادہ رکھے۱؎ تو اللہ اس سے ادا کرا ہی دیتا ہے اور جو ان کے برباد کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ اس پر بربادی ڈالتا ہے۲؎(بخاری)

(۲۷۸۵) ۱؎ اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی بغیر ضرورت قرض لے گا ہی نہیں اور نہ ناجائز کاموں کیلئے قرض لے گا،رب کا خوف رکھنے والا قرض سے حتی الامکان بچتا ہے۔۲؎ یعنی جس کی نیت قرض لیتے وقت ہی ادا کرنے کی نہ ہو پہلے ہی سے مال مارنے کا ارادہ ہو،ایسا آدمی بے ضرورت بھی قرض لے لیتا ہے اور ناجائز طور پر بھی غرضیکہ یہ حدیث بہت سی ہدایتوں پر مشتمل ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ نیک آدمی کا قرض ادا ہو ہی جاتا ہے،خواہ زندگی میں خود ادا کرے یا بعد موت اس کے وارث ادا کریں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرض ادا کیا،زرہ چھڑائی،اگر یہ بھی نہ ہو تو بروز قیامت رب تعالٰی ایسے مقروض کا قرض اس کے قرض خواہ سے معاف کرادے گا یا قرض خواہ کو قرض کے عوض جنت کی نعمتیں بخش دے گا بہرحال حدیث واضح ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض کیوں رہ گیا تھا وہ رب نے کیوں ادا نہ کرایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ادا کرنا رب تعالٰی ہی کی طرف سے تھا اور نہ یہ اعتراض ہے کہ بعض مقروضوں کے قرض قیامت میں رب تعالٰی ادا یا معاف کرادے گا جیسا کہ احادیث میں ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَءَ

(۲۷۸۶) روایت ہے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں ایک

اَیَتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ صَابِراً مُحْتَسِبًا مُقْبِلاً غَیْرَ مُدْبِرٍ یُکَفِّرُ اللّٰهُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَلَمَّا اَدْبَرَ نَادَاهُ فَقَالَ نَعَمْ اِلَّا الدَّیْنَ کَذٰلِكَ قَالَ جِبْرَائِیْلُ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے اگر میں اللہ کی راہ میں صبر کرتے اور طلب اجر کرتے پیچھے ہٹتے نہیں بلکہ آگے بڑھتا مارا جاؤں تو کیا اللہ میری خطائیں مٹا دے گا؟ا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔۲ جب وہ شخص چل دیا تو اسے پکارا اور فرمایا ہاں قرض کے سواء حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے یوں ہی کہا ہے۳ (مسلم)

(۲۷۸۶)ا یعنی میں بحالت جہاد صابر بھی ہوں بہادر بھی غازی بھی اور آخر میں شہید بھی کیا اتنی صفات جمع ہونے پر میرے گناہ معاف ہوں گے یا نہیں۔۲ یعنی ہاں تیرے سارے اگلے پچھلے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ غازی شہید تمام گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۳ یعنی اے شخص میرے فرمان کا مطلب غلط نہ سمجھنا ان تمام صفات سے گناہ معاف ہوں گے نہ کہ حقوق خصوصاً حقوق العباد وہ تو ادا کرنے سے ہی معاف ہوں گے مجھے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے ابھی توجہ دلائی کہ تجھے یہ سمجھادوں کہ تو میرا کلام غلط نہ سمجھے۔فقیر کی اس شرح سے بہت سے سوالات اٹھ گئے نہ یہ اعتراض پڑ سکتا ہے کہ قرض گناہوں میں داخل ہی نہ تھا قرض تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لیا ہے پھر اس کے استثناء فرمانے کی کیا ضرورت تھی نہ یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کرنا نہ آتا تھا، اس لئے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے تبلیغ کرنا سکھایا، نہ یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اسے مسئلہ غلط کیوں بتلایا تبلیغ میں غلطی تو شان نبوت کے خلاف ہے وغیرہ وغیرہ، خیال رہے کہ یہاں نفس قرض کی معافی کا ذکر ہے جو جہاد وشہادت سے بھی نہیں ہوتی اور حج کے بیان میں قرض میں ٹال مٹول، جھوٹے وعدے وقت پر ادا نہ کرنا مراد ہے جیسے بخشش کا وعدہ فرمایا گیا کہ حاجی کے قرض بھی معاف ہوجاتے ہیں یعنی قرض کے یہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے قرآن کے علاوہ اور بھی چیزیں نازل فرمائی ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُغْفَرُ لِلشَّهِیْدِ کُلُّ ذَنْبٍ اِلَّا الدَّیْنَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۷۸۷) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کے سارے گناہ بخشش دیئے جاتے ہیں سوائے قرض کے۱ (مسلم)

(۲۷۸۷)ا یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ قرض لینا گناہ نہیں، ورنہ انبیاء کرام خصوصاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نہ لیتے اور ہوسکتا ہے کہ قرض سے مراد ناجائز قرض لینا ہو۔حرام رسوم میں خرچ کرنے کیلئے یا لوازم قرض مراد ہوں یا بلاعذر ٹال مٹول کرنا، وقت پر ادا نہ کرنا جھوٹے وعدے کرنا وغیرہ،تب مستثنیٰ منقطع ہے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں کہ یہ گناہ تو حج سے بھی معاف ہوجاتے ہیں تو انشاء اللہ تعالٰی جہاد سے بھی معاف ہوں گے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ قرض سے مراد حقوق العباد ہیں لہذا ناحق خون، ناحق کسی کی آبروریزی بھی اس میں داخل ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُؤْتٰی بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفّٰی عَلَیْهِ الدَّیْنُ فَیَسْئَلُ هَلْ تَرَكَ لِدَیْنِهٖ قَضَاءً فَاِنْ حُدِّثَ اَنَّهٗ تَرَكَ

(۲۷۸۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی وفات یافتہ شخص لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ پوچھتے ا کیا اس نے ادائے قرض کیلئے کچھ

وَفَآءً صَلّٰی وَاِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِیْنَ صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْفُتُوْحَ قَامَ فَقَالَ اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَتَرَكَ دَیْنًا فَعَلَیَّ قَضَآءُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهٖ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

چھوڑا ہے پھر اگر خبر دی جاتی کہ اس نے ادائے قرض کیلئے چھوڑا ہے تو نماز پڑھ لیتے۔۲؎ ورنہ مسلمانوں سے فرمادیتے کہ اپنے یار پر نماز پڑھ لو۔۳؎ جب اللہ نے آپ پر کشائشیں فرمائیں۴؎ تو کھڑے ہوکر فرمایا میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ والی ہوں۔۵؎ تو جو مسلمان فوت ہو قرض چھوڑے تو اس کی ادا میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑے تو اس کے وارثوں کیلئے ہے۔۶؎ (مسلم، بخاری)

(۲۷۸۸)۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پوچھنا اپنے علم کیلئے نہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر شخص کے ہر کھلے چھپے اعمال سے خبردار ہیں، دو قبروں پر کھڑے ہوکر فرمایا کہ یہ چغل خور تھا اور یہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھا بلکہ یہ سوال لوگوں کو بتانے کیلئے ہے کہ ہمارا نماز نہ پڑھنا قرض کی سزا میں ہے جیسے رب تعالٰی قیامت میں بندوں سے پوچھ کر حساب و کتاب لے کر سزا و جزا دے گا وہ بھی لوگوں کی تسلی کیلئے ہے نہ کہ رب کے اپنے علم کیلئے۔۲؎ یعنی اگر قرض نہ ہوتا تب بھی نماز پڑھ لیتے اور اگر قرض تو ہوتا مگر ادائے قرض کیلئے مال چھوڑا ہے تب بھی جنازہ پڑھ لیتے۔۳؎ یعنی ہم نہ پڑھیں گے تم پڑھ لو۔ معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر جنازہ پڑھا جائے گا خواہ گنہگار ہو یا حقوق العباد اس کے ذمہ ہوں، نماز تو حق اسلامی ہے، یہ سختی لوگوں کو قرض سے بچانے کیلئے تھی۔۴؎ مالی آمدنیاں شہر و علاقے فتح فرماکر اور نیازمندوں کے ہدایا عقیدت کے ذریعہ سے (مرقات)۵؎ اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے تمام دینی و دنیاوی امور کے مالک ہیں، آپ مالک ہیں ہم سب حضور کے غلام، جیسے غلام مقروض کا قرض مولٰی چکاتا ہے، ایسے ہی ہمارے دنیا و آخرت کے قرض ان شاء اللہ تعالٰی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی چکائیں گے، چاہیئے تو یہ تھا کہ ہمارے متروکہ مال بھی حضور ہی لیتے کہ غلام کا مال مالک کا ہوتا ہے مگر یہ کرم کریمانہ ہے کہ وراثت نہیں لیتے قرض ادا کردیتے ہیں خیال رہے کہ رب تعالٰی نے اپنے لئے فرمایا: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (۵۰:۱۶) اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں (کنزالایمان) ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں اور اپنے حبیب کیلئے فرمایا اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (۳۳:۶) یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔ (کنزالایمان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ قریب یا مالک ہیں، اپنے لئے فرمایا فِیْ اَنْفُسِکُمْ حضور انور کیلئے فرمایا مِنْ اَنْفُسِکُمْ پتا لگا کہ جس طرح تعلق بندے کا رب سے ہے اسی طرح تعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یعنی دینی، ایمانی اور جانی وغیرہ۔ اس کو صاحب ذوق ہی سمجھ سکتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ خَلْدَةَ الزُّرَقِیِّ قَالَ جِئْنَا اَبَاهُرَیْرَةَ فِیْ صَاحِبٍ لَّنَا قَدْ اُفْلِسَ فَقَالَ هٰذَا الَّذِیْ قَضٰی فِیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا رَجُلٍ مَّاتَ اَوْ اُفْلِسَ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ اَحَقُّ بِمَتَاعِهٖ اِذَا وَجَدَهٗ

(۲۷۸۹) روایت ہے حضرت ابوخلدہ زرقی سے۱؎ فرماتے ہیں ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے ایک دیوالیہ ساتھی کے متعلق گئے۲؎ تو فرمایا کہ یہ ہی وہ واقعہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ جو شخص دیوالیہ ہوکر فوت ہوجائے

بِعَیْنِہٖ ۔ ۳؎ تو خاص سامان والا اپنے سامان کا زیادہ حق دار ہے جبکہ بعینہ وہ ہی پائے ۴؎ (شافعی، ابن ماجہ)

(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۷۸۹) ۱؎ آپ کا نام خالد ابن دینار ہے، ابوخلدہ کنیت، قبیلہ عامر ابن زریق سے ہیں جو بنی تمیم کا ایک خاندان ہے درزی گری کرتے تھے، تابعی ہیں۔ ثقہ ہیں، حضرت انس، ابوالعالیہ، خواجہ حسن بصری سے روایات کرتے ہیں، ان سے وکیع وغیرہ نے روایات لیں (مرقات، اشعہ، لمعات) ۲؎ جن پر قرض بہت ہوگیا تھا ادا کی کوئی صورت نہ تھی، ان کے پاس کچھ ایسے خریدے ہوئے مال بھی تھے جن کی قیمت ادا نہ ہوئی تھی، ہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دیوالیہ کے مسائل پوچھے ۳؎ فوت ہوجانے کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اب اس سے قرض وصول ہونے کی کوئی صورت نہیں رہتی زندگی میں تو امید تھی کہ آئندہ کما کر دے گا ۴؎ اس کی بحث باب الافلاس کے شروع میں گزر گئی کہ اس سے مراد یا تو امانت کی چیزیں ہیں یا وہ چیزیں جو دیوالیہ نے دیوالیہ نکلنے سے پہلے خریدیں، خیار بائع کو تھا، وہ دیوالیہ ہونے پر اپنے خیار کا حق استعمال کرسکتا ہے مگر جو چیز فروخت کرچکا ہے اس کی قیمت میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگا کہ اسے بقدر حصہ قرض وصول ہوگا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهٖ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ ۔

(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۷۹۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی جان اپنے قرض میں معلق رہتی ہے ۱؎ حتی کہ اس کا قرض ادا کردیا جائے۔۲؎

(شافعی، احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

(۲۷۹۰) ۱؎ یا تو فی الحال جنت میں داخل ہونے یا نیکوں کے ساتھ ملنے یا درجات حاصل کرنے سے روکی جاتی ہے، ادائے قرض کی منتظر رہتی ہے یا قیامت میں قرض کی ادا تک جنت میں جانے سے روکی جائے گی جب تک کہ قرض کی معافی یا کوئی اور صورت نہ ہوجائے، کتنی ہی صالح نیک ہو جنت میں داخل نہ ہوسکے گی ۔۲؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس قرض سے وہ قرض مراد ہے جو انسان بغیر ضرورت کے لے لے اور ادا نہ کرنے میں بلاوجہ ٹال مٹول کرے اور مرتے وقت ادا کیلئے مال نہ چھوڑے اگر ان تین شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو اللہ تعالٰی کے فضل سے امید ہے کہ اسے محبوس نہ کرے گا جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے چنانچہ ابن ماجہ میں ہے کہ قیامت میں قرض خواہ کو مقروض سے قصاص دلوایا جاوے گا سوائے تین مقروضوں کے ایک وہ جو جہاد وغیرہ دینی ضروریات کیلئے قرض لے دوسرے وہ جس کے ہاں بے کفن میت پڑی ہو اس کے کفن دفن کیلئے قرض لے، تیسرے وہ جو اپنے دین پر خطرہ محسوس کرے اور نکاح کے ضروری و جائز خرچ کیلئے قرض لے ان کے قرض رب تعالٰی قرض خواہوں سے معاف کرادے گا، وہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے (مرقات)

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاحِبُ الدَّيْنِ مَاسُوْرٌ بِدَيْنِهٖ يَشْكُوْٓا اِلٰى رَبِّهِ الْوَحْدَةَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرُوِیَ اَنَّ مُعَاذًا كَانَ يَدَّانُ فَاَتٰى غُرَمَآءُوْهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاعَ

(۲۷۹۱) روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن مقروض اپنے قرض میں گرفتار رہے گا ۱؎ حتی کہ اپنے رب سے تنہائی کی شکایت کرے گا ۲؎ (شرح السنہ) اور مروی ہے کہ حضرت معاذ مقروض ہوجاتے تھے ۳؎ ان کے قرض خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۴؎

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَهٗ كُلَّهٗ فِيْ دَيْنِهٖ حَتّٰى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ مُّرْسَلٌ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَلَمْ اَجِدْهُ فِي الْاُصُوْلِ اِلَّا فِي الْمُنْتَقٰى

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قرض میں ان کا سارا مال بیچ دیا حتی کہ حضرت معاذ خالی ہاتھ اٹھ گئے۔ ۵؎ یہ مصابیح کے لفظ ہیں اسے میں نے منتقی کے سواء کسی اصول کی کتاب میں نہ پایا ۶؎

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ شَابًّا سَخِيًّا وَكَانَ لَا يُمْسِكُ شَيْئًا فَلَمْ يَزَلْ يَدَّانُ حَتّٰى اُغْرِقَ مَالُهٗ كُلُّهٗ فِي الدَّيْنِ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهٗ لِيُكَلِّمَ غُرَمَاءَهٗ فَلَوْ تَرَكُوْا لِاَحَدٍ لَتَرَكُوْا لِمُعَاذٍ لِاَجْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمْ مَالَهٗ حَتّٰى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ

(رَوَاهُ سَعِيْدٌ فِيْ سُنَنِهٖ مُرْسَلًا)

وہاں عبدالرحمن ابن کعب ابن مالک سے روایت کی فرمایا حضرت معاذ ابن جبل سخی جوان تھے کچھ بچاتے نہ تھے وہ قرض لیتے رہے۔ ۷؎ حتی کہ ان کا سارا مال قرض میں ڈوب گیا۔ ۸؎ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قرض خواہوں سے کچھ کہہ سنا دیں۔ ۹؎ تو اگر وہ لوگ کسی کیلئے چھوڑنے والے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر معاذ کیلئے ضرور چھوڑتے۔ ۱۰؎ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وجہ سے معاذ کا سارا مال بیچ دیا حتی کہ حضرت معاذ کسی چیز کے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ۱۱؎ (سعید نے ارسالاً اپنی سنن سے روایت کی)

(۲۷۹۱) ۱؎ کہ اپنے دوست واحباب سے علیحدہ کھڑا کیا جائے گا اس کے سارے نیک احباب جنت میں پہنچ جائیں گے مگر یہ نہ جاسکے گا اگرچہ کتنا ہی نیک وصالح ہو۔ ربّ تعالٰی سے اپنی تنہائی اور جنت میں نہ پہنچ سکنے کی فریاد کرے گا، شور مچائے گا، یہ تنہائی وتاخیر اور میدان محشر کی دھوپ وتپش میں کھڑا رہنا بھی پوری مصیبت ہوگی۔ ۲؎ کسی غمخوار کو نہ پائے گا جو اس کا قرض ادا کرے صرف یہ ہی صورت ادائے قرض کی ہوگی کہ ربّ تعالٰی اس مقروض کی نیکیاں قرض خواہ کو قرض کے عوض دے یا ان سے معاف کرائے ۳؎ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کے مقروض ہوتے رہنے کی وجہ آگے آرہی ہے کہ آپ سخی بہت تھے قرض لے کر بھی خیرات وصدقات دیتے رہتے تھے۔ ۴؎ کہ ہمارا قرض ادا کرایا جائے، معلوم ہوا کہ قرض خواہوں کا کچہری میں مقروض پر دعویٰ کرنا حاکم سے فریاد کرنا درست ہے، اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے ۵؎ یہ حدیث مختصر ہے، اولاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو قرض ادا کرنے کا حکم دیا، انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس روپیہ بالکل نہیں پھر ان کی رضا سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال نیلام فرمادیا یا فروخت کردیا، اب بھی اس پر ہی عمل ہے، ہاں اگر مقروض نہ تو ادائے قرض کرے نہ اپنا مال فروخت کرے تب حاکم اسے قید کردے تا کہ وہ اپنا مال خود فروخت کرے قرض ادا کرے یا حاکم کو فروخت کی اجازت دے جبراً حاکم اس کا مال فروخت نہیں کرے گا (مرقات) بعض صورتوں میں قرض خواہوں کے مطالبہ پر حاکم خود بھی فروخت کرسکتا ہے اور دیوالیہ کو مجبور بھی کرسکتا ہے کہ اعلان کردے کوئی اس سے لین دین نہ کرے یہ دیوالیہ ہے۔ (حاشیہ، مشکوٰۃ) ۶؎ یعنی یہ حدیث صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث میں نہیں صرف ابن تیمیہ حنبلی کی کتاب منتقی میں ہے صاحب مشکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ میری تلاش میں کمی ہے کہ مجھے کتب اصول میں یہ حدیث نہ ملی، ان میں ہے ضرور اگر نہ ہوتو تو منتقی میں نہ ہوتی، لہٰذا یہ مصابیح پر اعتراض نہیں بلکہ دفع اعتراض ہے خیال رہے کہ ہم احناف کے ہاں مرسل حدیث قبول ہے جیسا کہ کتب اصول میں مصرح ہے۔ ۷؎ یعنی حضرت معاذ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ اپنی آمدنی میں سے تو کیا بچاتے، ساری آمدنی خیرات، صدقے ہدایا میں خرچ کرکے اور قرض بھی لیتے رہے۔

دعوتیں، ہدیئے، صدقے خیرات کرتے رہے۔ ۸؎ یہاں مال سے مراد روپیہ پیسہ نہیں بلکہ جائیداد اور گھر کا سامان، سواری کے جانور وغیرہ ہیں اگر روپیہ پیسہ ہوتا تو ان چیزوں کے فروخت کی کیا ضرورت پڑتی خیال رہے کہ قرض اولاً روپیہ پیسہ سے ادا کیا جاتا ہے پھر منقولہ سامان فروخت کرکے پھر غیر منقولہ جائیداد پھر رہنے کا سامان فروخت کرکے۔ ۹؎ یا تو یہ سارا یا کچھ قرض معاف کرادیں یا قرض خواہوں کو صبر کی سفارش فرمادیں کہ ابھی کچھ اور مہلت دے دیں مطالبہ قرض جلدی نہ کریں لیکلم میں سب چیزیں داخل ہیں۔ ۱۰؎ یعنی قرض خواہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش بھی نہ مانی، نہ تو قرض ہی معاف کیا، نہ مہلت ہی دی خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں سے سفارش فرمائی تھی حکم نہ دیا تھا اور پیغمبر کی سفارش یا مشورہ ماننا بہتر ہے۔ واجب نہیں۔ حکم ماننا واجب ہے اس مشورہ کے نہ ماننے سے حضرت معاذ کو بالکل مایوسی ہوگئی کہ جب قرض خواہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش نہ مانی تو اب کس کی مانیں گے، تب وہ عمل ہوا جو آگے مذکور ہے ۱۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ حاکم دیوالیہ کا سارا مال منقولہ وغیر منقولہ فروخت کرکے اس کا قرض ادا کردے گا کوئی چیز حتیٰ کہ رہنے کا مکان بھی نہ چھوڑے گا آج کل حکام کبھی مقروض کا رہائشی مکان وہ بھی مختصر سا چھوڑ دیتے ہیں یہ بھی کسی بڑے ساہوکار دیوالیہ کیلئے ورنہ سب ہی نیلام یا فروخت کردیتے ہیں خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بیان قانون کیلئے تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کا قرض بطور معجزہ تمام ادا کرادینا کہ تھوڑی کھجوروں سے سارا قرض ادا ہوگیا پھر ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی۔ یہ کرم کریمانہ تھا اگر یہاں قانون پر عمل نہ ہوتا تو بعد کے لوگوں کو یہ احکام کیسے معلوم ہوتے، لہٰذا حدیث پاک پر اعتراض نہیں کہ یہاں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طرح قرض ادا کیوں نہ کرادیا گیا، دیکھو بعض سائلوں کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمبل و پیالہ نیلام کرکے انہیں کام پر لگادیا اور بعض سائلوں کو عطا دے کر غنی کردیا، جلوے مختلف ہیں۔

وَعَنِ الشَّرِيْدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهٗ وَعُقُوْبَتَهٗ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ يُحِلُّ عِرْضَهٗ يُغَلَّظُ لَهٗ وَعُقُوْبَتَهٗ يُحْبَسُ لَهٗ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۲۷۹۲) روایت ہے حضرت شرید سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال والے کا ٹال مٹول اس کی آبرو کو اس کی سزا کو درست کردیتا ہے ۲؎ ابن مبارک نے فرمایا آبرو حلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے سخت کلامی کرے اور سزا یہ ہے کہ اسے قید کردیا جائے ۳؎ (ابوداؤد، نسائی)

(۲۷۹۲) ۱؎ آپ صحابی ہیں ثقہ ہیں اولاً حضر موت میں رہتے تھے، پھر طائف میں قیام کیا، آپ کا نام پہلے مالک تھا حضور انور نے شرید رکھا آپ اپنے کسی ہم قوم کو مار کر مکہ معظمہ بھاگ آئے تھے، شرید کے معنی ہیں بھاگ آنے والا ۲؎ یعنی جو مقروض مال رکھتا ہو مگر قرض ادا نہ کرتا ہو تو قرض خواہ کو حق ہے کہ اسے ذلیل کرے، اس کی نادہندی کا طعنہ دے یا اسے حاکم سے سزا دلوادے سزا خود نہ دے گا حاکم سے دلوائے ۳؎ یعنی ابن مبارک نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کلمات کی تفسیریں فرمائیں کہ آبروریزی کے معنی یہ ہیں کہ اس سے سخت کلامی کرے مثلاً کہے تو ظالم ہے نادہند ہے لوگوں کا مال مارنے والا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اسے تہمتیں یا ناجائز الزام لگائے۔ اسی طرح سزا کا مطلب یہ ہے کہ اسے حاکم کے ذریعہ قید کرادے، یہ مطلب نہیں کہ اسے خود مارے پیٹے یا قتل کرے یا حبس بے جا میں رکھے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَنَازَةٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ

(۲۷۹۳) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا ۱؎ تاکہ آپ اس پر

عَلٰى صَاحِبِكُمْ دَيْنٌ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ هَلْ تَرَكَ لَهٗ مِنْ وَفَآءٍ قَالُوْا لَاقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ عَلَيَّ دَيْنُهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَّعْنَاهُ وَقَالَ لِعَلِيٍّ فَكَّ اللّٰهُ رِهَانَكَ مِنَ النَّارِ كَمَا فَكَكْتَ رِهَانَ اَخِيْكَ الْمُسْلِمِ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يَقْضِيْ عَنْ اَخِيْهِ دَيْنَهٗ اِلَّا فَكَّ اللّٰهُ رِهَانَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

نماز پڑھیں تو فرمایا کیا تمہارے دوست پر کچھ قرض ہے۲؎ لوگوں نے کہا ہاں فرمایا کیا اس کی ادا چھوڑی ہے عرض کیا نہیں فرمایا اپنے دوست پر نماز پڑھ لو۔۳؎ حضرت علی ابن ابی طالب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا قرض میرے ذمہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اس پر نماز پڑھی۔۴؎ ایک روایت میں اس کے معنی ہیں اور جناب علی سے فرمایا اللہ تمہارے نفس کو آگ سے آزاد کرے جیسے تم نے اپنے مسلمان بھائی کی جان چھوڑائی ۵؎ ایسا کوئی مسلمان بندہ نہیں جو اپنے بھائی کا قرض ادا کرے مگر قیامت کے دن اللہ اس کی جان کو چھوڑ دے گا۶؎ (شرح السنہ)

(۲۷۹۳)۱؎ جنازہ جیم کے کسرہ سے وہ ڈولی ہے جس میں میت رکھی جائے اور جیم کے فتح سے خود میت، یہاں فتح سے ہے۔۲؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ مالی معاملات کے قرض کو دین کہا جاتا ہے جیسے کسی کے ذمہ کرایہ یا مال کی قیمت رہ گئی ہو اور دست گردان کو قرض کہتے ہیں یہاں دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں اور ممکن ہے کہ بطریق عموم مشترک عام معنی مراد ہوں۔۳؎ ہم نہ پڑھیں گے پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سختی لوگوں کو قرض سے ڈرانے کیلئے تھی کہ اہل مدینہ عموماً بلاضرورت بھی قرض لے لیتے تھے، اتنی سختی کے بغیر یہ عادت چھوٹ نہیں سکتی تھی، حکیم کا نشتر بھی رحمت ہے۔۴؎ اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے کہ میت کی طرف سے کفالہ اور ضمانت اکثر ائمہ کے ہاں جائز ہے ہمارے ہاں بھی صاحبین جائز فرماتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔۵؎ رہان بمعنی مرہون ہے یعنی گروی رکھی ہوئی چیز چونکہ ہر شخص کا نفس اپنے نیک و بد اعمال میں مثل گروی کے ہے اس لئے رہان سے مراد نفس لیا جاتا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (۷۴:۳۸) مرقات نے فرمایا رہان رہین کی جمع ہے جیسے کریم کی کرام چونکہ ہر انسان کا عضو گناہ کرتا رہتا ہے اس لئے ہر عضو گروی و گرفتار ہے، تو گویا ہر شخص مرہون چیزوں کا مجموعہ ہے۔۶؎ یعنی جیسا برتاؤ تم رب کے بندوں کے ساتھ کرو گے تمہارے ساتھ بھی قیامت میں ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا اگر پھانسو گے تو پھنسو گے اگر پھنسے ہوؤں کو چھوڑاؤ گے تو چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ خیال رہے کہ میت کو قرض سے چھوڑانے کی دو صورتیں ہیں، اپنا قرض ہو تو معاف کردو، دوسرے کا ہو تو ادا کردو۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ وَهُوَ بَرِيٌّ مِّنَ الْكِبْرِ وَالْغُلُوْلِ وَالدَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۷۹۴) روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اس حال میں مرے کہ وہ غرور خیانت اور قرض سے پاک وصاف ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۱؎

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

(۲۷۹۴)۱؎ کبر یعنی غرور یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اپنے کو اونچا جانے، یہ ممنوع ہے، کفار پر کبر خصوصاً جہاد میں ثواب ہے، انبیاء اولیاء پر کبر کفر ہے، غلول غلّ سے بنا بمعنی بندھنا چونکہ خیانت کی وجہ سے قیامت میں انسان کے ہاتھ بندھے ہوں گے گرفتار ہوگا، اس لئے اسے غلول کہتے ہیں غلّ غ کے کسرہ سے عداوت و کینہ اور غ کے فتح سے قید و بند، اگرچہ غلول غنیمت میں خیانت کو کہتے ہیں

مگر یہاں مطلقاً خیانت مراد ہے خواہ مال کی ہو یا عزت وآبرو کی یا دین وایمان کی یا کسی کے اسرار وبھید کی (از لمعات) دَین کے معنی ہم عرض کر چکے ہیں، ممکن ہے کہ یہاں دَین سے مراد بندوں کا قرض شریعت کا اور ربّ کا سب ہی ہوں لہٰذا یہ حدیث بہت جامع ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الذُّنُوْبِ عِنْدَاللّٰهِ اَنْ یَّلْقَاهُ بِهَاعَبْدٌ بَعْدَ الْكَبَائِرِ الَّتِیْ نَهَی اللّٰهُ عَنْهَا اَنْ یَّمُوْتَ رَجُلٌ وَّعَلَیْهِ دَیْنٌ لَایَدَعُ لَهٗ قَضَآءً ۔(رَوَاهُ اَحْمَدَ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۷۹۵) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان بڑے گناہوں کے بعد جن سے اللہ نے منع کیا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ انسان مقروض ہوکر مرے جس کی ادا نہ چھوڑے[۱] (احمد، ابوداؤد)

(۲۷۹۵)[۱] اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ قرض لینا گناہ کبیرہ نہیں کیونکہ اسے فرمایا گیا بعدالکبائر اور نہ بذات خود ممنوع ہے۔ اس وقت منع ہے جبکہ اس کے ذریعہ لوگوں کے حقوق مارے جائیں اور ممکن ہے کہ یہاں قرض سے وہ قرض مراد ہوں جو انسان بلاضرورت یا حرام رسمیں پوری کرنے کیلئے لے۔ اور ادا کرنے کی نیت نہ ہو ورنہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپ کی زرہ قرض میں گروی تھی اور آپ نے کچھ مال میراث یا ادائے قرض کے واسطے نہ چھوڑا۔ حجرہ وغیرہ جو کچھ تھا وہ وقف تھا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کا قرض ادا کیا لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ[۱] الْمُزَنِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْاَحَلَّ حَرَامًا (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ اَبُوْدَاوٗدَ) وَانْتَهَتْ رِوَایَتُهٗ عِنْدَقَوْلِهٖ شُرُوْطِهِمْ ۔

(۲۷۹۶) روایت ہے حضرت عمرو ابن عوف مزنی سے[۱] وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا مسلمانوں میں صلح جائز ہے[۲] بجز اس صلح کے جو حلال کو حرام کردے یا حرام کو حلال[۳] اور مسلمان اپنی شرطوں پر رہیں بجز اس شرط کے جو حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال[۴] (ترمذی وابن ماجہ، ابوداؤد) اور ابوداؤد کی روایت شروطھم پر ختم ہوگئی۔[۵]

(۲۷۹۶)[۱] آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں آپ کے ہی متعلق یہ آیت کریمہ اتری تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ (۹۲،۹) اس پر یوں واپس جائیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو اُبلتے ہوں (کنزالایمان) مدینہ منورہ میں رہے وہیں امیر معاویہ کے آخر زمانہ میں انتقال فرمایا۔[۲] چونکہ اکثر قرض کے موقع پر ہی صلح کرائی جاتی ہے کہ کچھ قرض خواہ کو دبایا جاتا ہے۔ کچھ مقروض کو کہ قرض خواہ کچھ معاف کردے اور مقروض جلدی ادا کردے۔ اس لئے صاحب مشکوۃ یہ حدیث دیوالیہ مقروض کے باب میں لائے۔[۳] مثلاً زوجین میں اس طرح صلح کرائی جائے کہ خاوند اس عورت کی سوکن (اپنی دوسری بیوی) کے پاس نہ جائے گا یا مسلمان مقروض اس قدر شراب وسود اپنے کافر قرض خواہ کو دے گا۔ پہلی صورت میں حلال کو حرام کیا گیا۔ دوسری صورت میں حرام کو حلال، اس قسم کی صلحیں ہیں حرام جن کا توڑ دینا واجب ہے۔[۴] یعنی مسلمان نے جس سے جو شرط کی ہو اسے پورا کرے۔ اس میں وعدے، کرائے، قیمتیں سب داخل ہیں۔ ہاں حرام شرطوں کا توڑ دینا واجب ہے کیونکہ حق اللہ اور حق شریعت سب پر مقدم ہے۔[۵] یہ حدیث احمد، ابوداؤد، حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پہلا جملہ نقل فرمایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ جَلَبْتُ اَنَا وَمَخْرَفَةُ الْعَبْدِيُّ بَزًّا مِّنْ هَجَرَ فَاَتَيْنَا بِهٖ مَكَّةَ فَجَآءَ نَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ فَسَاوَمَنَا بِسَرَاوِيْلَ فَبِعْنَاهُ وَثَمَّ رَجُلٌ يَزِنُ بِالْاَجْرِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زِنْ وَارْجِحْ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ، وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ ۔

(۲۷۹۷) روایت ہے حضرت سوید ابن قیس سے فرماتے ہیں کہ میں اور مخرفہ عبدی[1] مقام ہجر سے کپڑا لائے ہم اسے مکہ معظمہ میں لائے تو ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاپیادہ چلتے ہوئے تشریف لائے تو ہم سے پانجامہ کا بھاؤ چکایا[2] ہم نے وہ آپ کے ہاتھ بیچ دیا وہاں ایک شخص تھا جو مزدوری پر تول رہا تھا[3] اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تول دو اور نیچا تولو[4] (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے، صحیح ہے[5]

(۲۷۹۷)[1] سوید ابن قیس کی کنیت ابوعمرو ہے صحابی ہیں، آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے۔مخرفہ بھی صحابی ہیں واؤ بمعنی مع ہے یا عاطفہ پر دونوں صاحب شرکت میں مقام ہجر سے کپڑا تجارت کیلئے لائے تھے ہجر کا کپڑا مشہور تھا ہجر تین بستیوں کے نام ہیں۔ یمن کا ایک شہر ہے۔بحرین کے ایک علاقہ کا نام بھی ہے اور مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی بھی ہے۔(اشعہ) یہاں تیسری بستی مراد ہے۔ یہ کپڑا اسی بستی سے آیا تھا۔(مرقاۃ) [2] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانجامہ خریدنا تو ثابت ہے مگر پہننا ثابت نہیں ہمیشہ تہبند شریف استعمال فرمایا۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہادت کے دن پائجامہ پہنے ہوئے تھے۔پانجامہ ہی میں آپ کی شہادت ہوئی۔بھاؤ چکانے کا مطلب ہے کہ بھاؤ طے کرکے خریدلیا (مرقات) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود دکان پر جانا اور تاجر کی منہ مانگی قیمت نہ دینا بلکہ اس سے طے کرنا کچھ کم کرانا سنت ہے۔اگرچہ اپنے خدام سے ہی خرید کی جائے اس بھاؤ تاؤ کرنے میں عار نہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں پائجامہ کا استعمال ہوتا تھا۔[3] چونکہ اس زمانہ میں نوٹ تو تھے نہیں درہم کا عام رواج تھا۔جن کے گننے میں بہت وقت لگتا ہے اس لئے تول کرادا کئے جاتے تھے۔درہم تولنے والا تاجر کی طرف سے مقرر ہوتا تھا جس کی اجرت تولائی خریدار کے ذمہ ہوتی تھی اب بھی حکم یہ ہی ہے کہ قیمت کی تولائی خریدار کے ذمہ، مال تولائی بائع کے ذمہ ہے کہ قیمت دینا خریدار پر لازم ہے اور مال دینا بائع پر ضروری ہے۔تولنے والا جس کا کام کرے، اس سے دام لے۔آج کل مال کی تولائی خریدار سے لیتے ہیں۔یہ غلط ہے۔[4] یعنی جو قیمت طے ہے اس سے زیادہ دے دو، یہ کرم کریمانہ ہے کہ طے شدہ سے زیادہ قیمت عطا کی، مہنگی خریدنے میں نقصان ہے۔طے شدہ سے زیادہ دینے میں احسان، نقصان برا، احسان اچھا۔[5] اسے نسائی، ابن حبان اور حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل فرمایا۔(مرقات)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ لِيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۲۷۹۸) روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا کچھ قرض تھا تو مجھے عطا فرمایا اور زیادہ دیا[1] (ابوداؤد)

(۲۷۹۸)[1] غالبًا یہ وہ ہی واقعہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ کے راستے میں ان کا تھکا ہوا اونٹ خریدا۔اس کی قیمت مدینہ منورہ میں تشریف لاکر مرحمت فرمائی۔اور اونٹ بھی دے دیا اور قیمت بھی زیادہ عطا کی چونکہ یہ زیادتی

عقد میں مشروط نہ تھی اس لئے سود نہیں بلکہ انعام اور کرم خسروانہ ہے۔اس کی تحقیق شروع باب میں ہو چکی جہاں یہ قصہ مذکور ہوا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ رَبِيْعَةَ قَالَ اسْتَقْرَضَ مِنِّی النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِيْنَ اَلْفًا فَجَآءَهُ مَالٌ فَدَفَعَهُ اِلَیَّ وَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ اِنَّمَا جَزَآءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَآءُ ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِیُّ)

(۲۷۹۹) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی ربیعہ سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس ہزار قرض لئے[۱] پھر آپ کے پاس مال آیا[۲] تو مجھے ادا فرمادیا اور فرمایا اللہ تعالٰی تمہارے گھر بار اور مال میں برکت دے قرض کا عوض شکریہ اور ادا ہے۔[۳] (نسائی)

(۲۷۹۹)[۱] چالیس ہزار درہم قرض لئے غالبًا کسی جہاد میں لشکر پر خرچ کیلئے قرض لئے ہوں گے ورنہ اتنے بڑے قرض کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی خرچ کیلئے ضرورت نہ تھی۔الحمدللہ ابھی مرقات میں نظر پڑا کہ یہ قرض غزوۂ حنین کیلئے لیا گیا تھا فقیر کا خیال درست نکلا اور یہ رقم درہم تھی۔[۲] یا کسی جہاد سے مال غنیمت آیا یا خراج وغیرہ تھا مال بہت آیا تھا۔[۳] اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ قرض پورا ادا کرے زیادہ نہ دے کیونکہ انما حصر کیلئے آتا ہے۔لیکن یہاں وجوب ولزوم کا ذکر ہے کہ مقروض پر ادا اور دعا دونوں لازم ہیں۔رہی زیادتی وہ مقروض کی مہربانی ہے۔لہذا یہ حدیث زیادہ دینے کی احادیث کے خلاف نہیں۔(مرقاۃ) معلوم ہوا کہ مقروض دلی تنگی سے قرض ادا نہ کرے بلکہ خوش دلی سے دے اور دعائیں بھی دے کہ قرض خواہ نے قرض دے کر اس پر مہربانی کی۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ عَلٰى رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ اَخَّرَهٗ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۸۰۰) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا کسی شخص پر کوئی حق ہو وہ اسے مہلت دے دے تو اسے ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ہوگا[۱] (احمد)

(۲۸۰۰)[۱] حق میں قرض، دَین، مکان، دکان کا کرایہ، اپنے کام کی اجرت تمام حقوق داخل ہیں، مــــن فرما کر یہ اشارہ لیا کہ جو بھی مہلت دے دے یا دلوا دے یا مہلت' کا سبب بن جائے اسے ہر دن صدقہ کا ثواب ہے۔مثلاً یکم تاریخ کو کرایہ دار پر کرایہ ادا کرنا لازم ہے۔کسی نے سفارش کرکے اسے دو چار دن کی مالک مکان سے مہلت دلوادی کہ یہ تو بیچارہ غریب ہے۔ابھی اس کے پاس نہیں ہے۔پچھ مہلت دے دو تو مالک مکان کو بھی اور اس سفارشی کو بھی ان دو چار دنوں میں ہر دن اتنے روپے خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔اس لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ صدقہ دینے سے قرض دینا پھر مہلت دینا افضل ہے۔صدقہ تو غیر حاجت مند بھی لے لیتے ہیں مگر قرض حاجت مند ہی لیتا ہے۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ الْاَطْوَلِ قَالَ مَاتَ اَخِیْ وَتَرَكَ ثَلٰثَ مِائَةِ دِيْنَارٍ وَتَرَكَ وُلْدًا صِغَارًا فَاَرَدْتُّ اَنْ اُنْفِقَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخَاكَ مَحْبُوْسٌ بِدَيْنِهٖ فَاقْضِ عَنْهُ قَالَ فَذَهَبْتُ فَقَضَيْتُ عَنْهُ ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ قَضَيْتُ عَنْهُ وَلَمْ تَبْقَ اِلَّا امْرَاَةٌ تَدَّعِیْ

(۲۸۰۱) روایت ہے حضرت سعد ابن اطول سے فرماتے ہیں میرا بھائی وفات پا گیا اور اس نے تین سو اشرفیاں چھوڑیں اور چھوٹے بچے چھوڑے۔میں نے چاہا کہ ان پر خرچ کروں۔[۱] تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا بھائی قرض میں گرفتار ہے ان کا قرض ادا کرو۔[۲] فرماتے ہیں میں چلا اور ان کا قرض ادا کردیا پھر میں نے حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دِيْنَارَيْنِ وَلَيْسَتْ لَهَا بَيِّنَةٌ قَالَ اَعْطِهَا فَاِنَّهَا صَادِقَةٌ ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

میں نے بھائی کا سارا قرض ادا کر دیا۔۳ کچھ باقی نہ رہا۔ ہاں ایک عورت دو اشرفیوں کا دعویٰ کرتی ہے اور اس کے پاس گواہ ہے نہیں فرمایا اسے دے دو وہ سچی ہے۔۴ (احمد)

(۲۸۰۱)۱ اسی طرح کہ قرض خواہوں کو کچھ نہ دوں سب اس کے بچوں پر ہی خرچ کروں یا ان کے جوان ہونے پر اگر کچھ بچے قرض خواہوں کو دوں۔ عرب میں اس قسم کی بے قاعدگیوں کا عام رواج تھا۔۲ یعنی پہلے قرض دو، اس سے جو بچے وہ مرحوم کے بچوں پر خرچ کرو۔ اب بھی حکم یہ ہے کہ ادائے قرض میراث سے پہلے ہے۔ اولاً کفن دفن پھر ادائے قرض پھر تہائی مال سے وصیت کا اجراء پھر تقسیم میراث اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔۳ یعنی جن کے قرضوں کا ثبوت گواہی وغیرہ سے تھا وہ تو ادا کر دیا اس میں سے ایک پیسہ باقی نہ بچا۔۴ غالباً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بی بی کی سچائی وحی سے معلوم ہوئی۔ اس لئے جیسے اور وحی کی اتباع مسلمانوں پر لازم ہے ایسے ہی اس وحی کی اتباع بھی لازم ہے ورنہ حاکم اپنے خصوصی علم پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کر سکتا گواہی و شہادت پر ہی فیصلہ کرے گا۔ (مرقات) یہ حدیثیں باب الافلاس میں اس لئے لائی گئیں کہ ان سے دیوالیہ کے احکام میں مدد ملتی ہے ورنہ ان میں دیوالیہ کا ذکر نہیں۔

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا بِفِنَآءِ الْمَسْجِدِ حَيْثُ يُوْضَعُ الْجَنَآئِزُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنَا فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهٗ قِبَلَ السَّمَآءِ فَنَظَرَ ثُمَّ طَاْطَاَ بَصَرَهٗ وَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى جَبْهَتِهٖ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا نَزَلَ مِنَ التَّشْدِيْدِ قَالَ فَسَكَتْنَا يَوْمَنَا وَلَيْلَتَنَا فَلَمْ نَرَ اِلَّا خَيْرًا حَتّٰى اَصْبَحْنَا قَالَ مُحَمَّدٌ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا التَّشْدِيْدُ الَّذِيْ نَزَلَ قَالَ فِي الدَّيْنِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ وَ عَلَيْهِ دَيْنٌ مَادَخَلَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يُقْضٰى دَيْنُهٗ ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ) وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ نَحْوَهٗ ۔

(۲۸۰۲) روایت ہے حضرت محمد ابن عبداللہ بن جحش سے۱ فرماتے ہیں ہم مسجد کے صحن میں بیٹھے تھے جہاں جنازے رکھے جاتے ہیں۲ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔۳ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی پھر کچھ دیکھا پھر اپنی نگاہ شریف جھکا لی اور اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ کیسی سختی نازل ہوئی۴ فرماتے ہیں ہم ایک دن رات خاموش رہے ہم نے بھلائی کے سوا کچھ نہ دیکھا حتی کہ سویرا ہوگیا۔۵ محمد (راوی) فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا وہ کون سی سختی تھی جو نازل ہوئی فرمایا قرض کے متعلق۔۶ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے پھر زندہ ہو پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے پھر زندہ ہو۔ پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے پھر زندہ ہو حالانکہ اس پر قرض ہو تو جنت میں نہیں جا سکتا۔ حتی کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔۷ (احمد) اور شرح سنہ میں اس کی مثل ہے۔

(۲۸۰۲)۱ آپ قرشی، اسدی، صحابی ہیں۔ ہجرت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے اپنے والد عبداللہ ابن جحش کے ساتھ پہلے تو حبشہ کو ہجرت کر گئے پھر مدینہ منورہ کو حضرت ام المومنین زینب بنت جحش کے بھائی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے ہیں۔ عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ (لمعات، مرقات، اشعہ) ۲ یعنی جس جگہ جنازے رکھ کر نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں نماز جنازہ داخل

مسجد میں نہ ہوتی تھی بلکہ خارج مسجد میں ہوا کرتی تھی۔ یہ ہی امام اعظم کا قول ہے کہ نماز جنازہ داخل مسجد میں منع ہے۔لہذا یہ امام صاحب کی دلیل ہے۔ظاہر یہ ہے کہ خارج مسجد میں جنازے صرف نماز کیلئے رکھے جاتے ہیں نہ کہ اور کسی مقصد کیلئے امام شافعی کے ہاں داخل مسجد میں بھی جنازہ کی نماز درست ہے۔(از مرقات) ۳؎ یہ لفظ اصل میں بیننا ظہرینا زائد ہے۔بیان قریب کیلئے یعنی ہم سے اتنے قریب تھے کہ گویا پشت سے پشت ملی ہوئی تھی ہماری پیٹھوں کے بیچ تھے ۴؎ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے غیبی حجاب اٹھے ہوئے تھے کہ وہاں ہی تمام صحابہ حاضر ہیں اور اسی جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں مگر جو کچھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے ہیں دوسرے نہیں دیکھتے۔یہ سبحان اللہ فرمانا اظہار تعجب کیلئے ہے۔یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سختی کسی خاص شکل میں تھی جو آنکھوں سے نظر آ رہی تھی کوئی خاص وحی نہ تھی کہ وحی کا تعلق کان سے ہے۔ہم لوگ خواب میں آفتوں مصیبتوں کو کالی عورت،حملہ کرنے والے سانپ کی شکل میں دیکھتے ہیں۔شاہ مصر نے قحط کے سات سال سات گائیوں اور سات بالیوں کی شکل میں دیکھے تھے۔۵؎ یعنی ہم سمجھتے تھے کہ کوئی آسمانی وبال یا مصیبت فوری آنے والی ہے تو ایک دن و رات بہت فکر و تردد میں گزرا۔مگر خدا کا شکر ہے کوئی آفت نہ آئی۔۶؎ یعنی کوئی وبال یا غیبی آفت نہ تھی بلکہ قرض کی سختی ہے جو مقروض پر ہوگی۔۷؎ یقضی کی دو قراءتیں ہیں معروف و مجہول یعنی خود مقروض ادا کرے یا اس کے ورثاء اس کی طرف سے ادا کریں۔معلوم ہوا شہادت جیسی عبادت سے بھی قرض معاف نہیں ہوتا۔وہ جو روایت میں ہے کہ حج سے قرض بھی معاف ہوجاتا ہے وہاں ادائے قرض کی بے اعتدالیاں مراد ہیں یعنی ادائے قرض میں جو مقروض کی طرف سے وعدہ خلافی،ٹال مٹول ہوجاتی ہے،وہ معاف ہوجائے گی ورنہ قرض ادا کرکے حج کو جانا چاہیے۔لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

بَابُ الشِّرْكَةِ وَالْوَكَالَةِ — شرکت اور وکالت کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

شرکت کے معنی ساجھی ہونا۔وکالت کے معنی ہیں دوسرے پر اعتماد کرکے اس سے اپنا کام کرانا۔شرکت کی بہت قسمیں ہیں۔شرکت منافع میں،شرکت اصل چیز میں،شرکت حقوق بدنی میں جیسے قصاص یا حد قذف میں مطالبہ کرنے والوں کی شرکت اور شرکت حق مال میں جیسے کسی کتاب کو حق شفعہ ملے۔پھر شرکت عنان،شرکت معاوضہ،شرکت وجوہ،شرکت صنائع یہ بھی شرکت ہی کے اقسام ہیں۔ان کی تفاصیل و احکام کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ اَنَّهٗ كَانَ يَخْرُجُ بِهٖ جَدُّهٗ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ هِشَامٍ اِلَى السُّوْقِ فَيَشْتَرِى الطَّعَامَ فَيَلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ اَشْرِكْنَا فَاِنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَالَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيُشْرِكُهُمْ فَرُبَّمَا اَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِىَ فَيَبْعَثُ بِهَا اِلَى الْمَنْزِلِ وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ

(۲۸۰۳) روایت ہے حضرت زہرہ ابن معبد سے کہ ان کو ان کے دادا عبداللہ ابن ہشام ۱؎ بازار لے جاتے تھے غلہ خریدتے تھے ۲؎ تو ان سے حضرت ابن عمر اور ابن زبیر ملتے تھے تو کہتے تھے ہمیں شریک کرلو۔۳؎ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کیلئے برکت کی دعا کی ہے۔۴؎ تو وہ انہیں شریک کرلیتے تھے۔بہت دفعہ پورا اونٹ ویسے کا ویسا ہی نفع میں پالیتے تھے۔۵؎ جسے وہ اپنے گھر بھیج دیتے تھے

هِشَامٍ ذَهَبَتْ بِهٖ اُمُّهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ رَاْسَهٗ وَدَعَالَهٗ بِالْبَرَكَةِ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اور حضرت عبداللہ ابن ہشام کو ان کی ماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی تھیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا اور ان کیلئے دعائے برکت کی تھی۔۲(بخاری)

(۲۸۰۳)۱؎حضرت زہرہ تابعین میں سے ہیں۔تمام محدثین فرماتے ہیں کہ آپ اولیائے کاملین سے تھے۔امام دارمی فرماتے ہیں کہ آپ اپنے وقت کے ابدال تھے اپنے دادا عبداللہ ابن ہشام سے جو صحابی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن زبیر سے ملاقات رکھتے ہیں ان حضرات سے روایات لیتے ہیں۔(اشعہ)۲؎ تاکہ انہیں خرید و فروخت آ جائے معلوم ہوا کہ اولاد کو جیسے عبادات سکھائی جائیں۔ویسے ہی انہیں معاملات کی تعلیم دی جائے۔تجربہ کرایا جائے کہ معاملات بھی عبادات کی طرح ضروری ہیں ان کے احکام سخت ہیں۔۳؎ کہ اپنے مال میں ہمارا مال ملالو۔اس سے غلہ خریدو۔پھر فروخت کرو۔نفع ہمارا تمہارا ہم اگرچہ تجارت جانتے ہیں مگر جو خصوصیت تم کو میسر ہے ہم کو نہیں،وہ خصوصیت یہ ہے۔۴؎ تمہیں ضرور ہر کام میں برکت و نفع ہوگا،ہم بھی تمہارے ساتھ نفع میں شریک ہوجائیں گے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کیلئے دعا کی تھی کہ وَاَشْرِكْهُ فِيْۤ اَمْرِيْ(۲۰:۳۲)اور اسے میرے کام میں شریک کر(کنزالایمان) خدایا انہیں بھی میرا شریک کار بنادے کہ ہم دونوں نبی ہوں دونوں دینی خدمات کریں،اجر و ثواب میں شریک رہیں۔۵؎ اونٹ سے مراد اونٹ کا بوجھ یعنی گندم کی بوریاں ہیں۔یعنی بسا اوقات ایک اونٹ گندم کا بیوپار کرتے تو پورا اونٹ نفع میں بچ رہتا جیسے ایک صحابی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشرفی دی کہ قربانی کیلئے بکری خرید لاؤ انہوں نے ایک اشرفی کی بکری خریدی اور دو اشرفیوں کے عوض فروخت کردی پھر ایک اشرفی کی دوسری بکری خریدی پھر بکری اور ایک اشرفی لاکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کی۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعا دی اور اشرفی خیرات کردینے کا حکم دیا۔یہ ہے پورا مال نفع میں بچ رہنا۔۶؎ عبداللہ ابن ہشام کی والدہ کا نام زینب بنت حمید تھا۔عبداللہ گود میں تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب پیش ہوئے تو پیار میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دے دی۔پھر کیا تھا وارے نیارے ہوگئے۔معلوم ہوا کہ بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرنا دعا کرنا سنت ہے،بہار شریف میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔حضرت مخدوم الملک۔ایک بار انہیں ان کی چھوٹی بہن نے سلام کیا تو آپ نے جواب سلام دے کر فرمایا ٹھنڈی رہو۔اللہ نے یہ دعا ایسی قبول فرمائی کہ ان کی قبر بھی ٹھنڈی کردی۔ہم نے دو پہر کے وقت ان کی قبر پر ہاتھ رکھا دھوپ قبر پر ہے۔سخت دھوپ تھی تمام قبریں گرم تھیں مگر یہ قبر ٹھنڈی تھی حالانکہ چونا گچ کی قبر تھی۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَتِ الْاَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ اِخْوَانِنَا النَّخِيْلَ قَالَ لَاتَكْفُرُنَنَا الْمَؤُنَةَ وَلَشْرَكُكُمْ فِي الثَّمَرَةِ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۸۰۴)روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجوروں کے درخت تقسیم فرمادیں۱؎ فرمایا نہیں بلکہ تم ہماری طرف سے قیمت کرو اور پھلوں میں ہم تمہارے شریک ہیں۔۲؎ وہ بولے ہم نے سن لیا اطاعت کریں گے۔۳؎(بخاری)

(۲۸۰۴)۱؎ یہ واقعہ شروع ہجرت کا ہے۔جب مہاجر مکہ مکرمہ وغیرہ سے مدینہ پاک آئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار میں عقد مواخات یعنی بھائی چارہ قائم فرمایا۔کہ فلاں مہاجر فلاں انصار کا بھائی۔اور فلاں فلاں کا۔تب انصاری نے عرض کیا کہ

ہمارے باغ ہمارے بھائی مہاجرین میں اس طرح تقسیم فرمادیجئے کہ ہر انصاری کے باغ میں اس کے مہاجر بھائی کا آدھا حصہ ہو۔ یہ تھی وہ بے مثال مہمان نوازی جس کی مثال آسمان نے نہ دیکھی ہوگی۔۲؎ سبحان اللہ کیا پیارا فرمان ہے مقصد تو یہ تھا کہ انصار کے باغ انہیں کے رہیں کہ یہ ان کی روزی کا ذریعہ ہیں مگر ظاہر اسی طرح فرمایا کہ مہاجرین کو باغبانی آتی بھی نہیں اور ان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں کہ باغ کو پانی دینے وغیرہ کا کام کیا کریں محنت تم کرو، پھل آدھا آدھا کردیا کرو، مقصد اور ہے اور اظہار کچھ اور تاکہ انصار کے مال محفوظ رہیں اور ان کی دل شکنی بھی نہ ہو (مرقات) صاحب مشکوٰۃ کا یہ حدیث یہاں لانے سے مقصد یہ ہے کہ پھلوں میں شرکت جائز ہے کہ درخت ایک شخص کے ہوں پھل مشترک کہ اس لئے یہ حدیث یہاں لائے۔ اس سے بہت مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔ کوئی شخص کسی سے اپنے باغ کی تمام خدمات لے۔ اس طرح کہ باغ اس کا محنت دوسرے کی پیداوار مشترک کہ یہ جائز ہے۔ کھیتی وغیرہ کا بھی یہی حال ہے کہ زمین ایک کی محنت دوسرے کی۔ پیداوار مشترک یہ بھی جائز ہے۔۳؎ انصار کی نیت یہ تھی کہ ہم نے اپنا باغ نصف مہاجر بھائی کو دے ہی دیا اب باغ بھی مشترک ہے پیداوار بھی مشترک کہ کام غیر مشترک کام ہم ہی کریں گے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کچھ اور تھی جو ابھی عرض کی گئی۔

وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ الْبَارِقِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ دِيْنَارًا لِيَشْتَرِیَ لَهُ شَاةً فَاشْتَرٰی لَهُ شَاتَيْنِ فَبَاعَ اِحْدٰهُمَا بِدِيْنَارٍ وَاٰتَاهُ بِشَاةٍ وَدِيْنَارٍ فَدَعَالَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَيْعِهٖ بِالْبَرَكَةِ فَكَانَ لَوِاشْتَرٰی تُرَابًا لَرَبِحَ فِيْهِ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۸۰۵) روایت ہے حضرت عروہ ابن ابی الجعد بارقی سے۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک اشرفی دی تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وہ بکری خریدیں۔ انہوں نے حضور کیلئے دو بکریاں خریدلیں پھر ایک بکری ایک اشرفی سے بیچ دی۲؎ اور آپ کی خدمت میں بکری اور اشرفی لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ پھر اگر وہ مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی نفع کما لیتے تھے۔۳؎ (بخاری)

(۲۸۰۵)۱؎ آپ صحابی ہیں بارق ابن عوف ابن عدی کی اولاد سے۔ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ آپ وہاں ہی رہے۔ اس لئے آپ کا شمار اہل کوفہ سے ہوتا ہے۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ آپ عروہ ابن جعد ہیں۔ ابی جعد نہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ آپ عروہ ابن ابی الجعد ہیں۔۲؎ حق یہ ہے کہ حضرت عروہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل مطلق تھے اور وکیل مطلق کو خرید و فروخت ہر چیز کا حق ہوتا ہے۔ اس لئے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بکری فروخت بھی کردی اگر فقط خریدنے کیلئے وکیل ہوتے تو آپ کو فروخت کرنے کا حق نہ ہوتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وکیل خرید کو سستا مال خریدنے کا حق ہے کہ اس میں موکل کا نفع ہی ہے۔ اگر بارہ آنے سیر دودھ خریدنے کا کسی کو وکیل کیا۔ اس نے اعلیٰ درجہ کا دودھ جو بارہ آنے سیر بکتا ہے دس آنے سیر خرید لیا تو یقیناً جائز ہے کہ موکل کا فائدہ ہی کیا ہاں وکیل بیع سستی نہیں بیچ سکتا جبکہ موکل نے قیمت مقرر کردی ہو کہ اس میں موکل کا نقصان ہے۔۳؎ گویا آپ حضرت عروہ کی اس دانائی و فراست سے بہت خوش ہوئے۔ تجارتی سمجھ بھی اللہ تعالٰی کی رحمت ہے جسے میسر ہو انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے یہ نعمت رب کی طرف سے پائی۔۴؎ مٹی کا لفظ یا تو بطور تمثیل فرمایا گیا مراد معمولی چیز ہے۔ یعنی اگر نہایت معمولی چیز کی تجارت بھی کرتے تب بھی نفع کما لیتے تھے یا مٹی ہی مراد ہے کہ مٹی کی تجارت جائز ہے خصوصاً مدینہ پاک کی مٹی کی تجارت تو اب بھی بڑے زور سے ہوتی ہے۔ وہاں کی خاک شفاء حجاج تحفہ کے طور پر لاتے ہیں کمہار جنگلی مٹی مفت اٹھالاتے ہیں اور شہر میں

فروخت کرتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَفَعَهٗ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ اَنَا ثَالِثُ الشَّرِیْکَیْنِ مَالَمْ یَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ فَاِذَا خَانَهٗ خَرَجْتُ مِنْ بَیْنِهِمَا ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ) وَزَادَ رَزِیْنٌ وَجَآءَ الشَّیْطٰنُ ۔

(۲۸۰۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ اسے مرفوع فرما کر فرماتے ہیں کہ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: میں دو شریکوں کا تیسرا ہوتا ہوں جب تک کہ ان میں کا ایک اپنے ساتھی سے خیانت نہ کرے۱ جب خیانت کرتا ہے تو ان کے درمیان سے میں نکل جاتا ہوں۲ (ابوداؤد) رزین نے یہ اور بڑھایا کہ شیطان آ جاتا ہے۔۳

(۲۸۰۶)۱ اللہ تعالٰی کے تیسرا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کی رحمت و برکت ان دونوں صاحبوں کے شریک حال ہو جاتی ہے ربّ کو ان کا شریک قرار دینا مجازاً ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تجارتی کاروبار شرکت میں کرنا اکیلے اکیلے کرنے سے بہتر ہے۔ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے علیحدگی کی صورت میں ہر ایک دوسرے کی مخالفت کرتا ہے اور شرکت میں ایک دوسرے کا تعاون کرتا ہے اور اللہ تعالٰی بندوں کی مدد کرنے والے کی مدد کرتا ہے اس سے کاروبار کے بہت مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں۔۲ یعنی اپنی برکت نکال لیتا ہوں بے برکتی داخل فرما دیتا ہوں، یہ تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ جب تک تجارت میں نیک نیتی سے شرکت رہے بڑی برکت ہوتی ہے اور جہاں نیت خراب ہوئی تو برکت گئی اور دکان کا دیوالیہ ہوا بارہا کا تجربہ ہے۳ یعنی بدنیت شریکوں کے ساتھ شیطان شامل رہتا ہے کہ ان سے صدہا گناہ کراتا ہے پھر ایک شریک چوری، جھوٹ، حسد بغض وغیرہ کرنے لگتا ہے۔ آخر کار بہت بدنامی اور لڑائی کے ساتھ ان کی علیحدگی ہوتی ہے جب شیطان شریک ہو گیا تو پھر گناہوں کی کیا کمی۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ الدَّارِمِیُّ)

(۲۸۰۷) روایت ہے ان ہی سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم سے امانتداری کرے اس کی امانت ادا کرو۱ اور جو تم سے خیانت کرے اس سے تم خیانت نہ کرو۔۲ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)۳

(۲۸۰۷)۱ یعنی جو شخص تمہیں امین جان کر اپنے مال، اسرار، عزت و آبرو وغیرہ کو تمہارے سپرد کرے تو تم امین ہی بن کر اسے دکھا دو کہ اس کے کسی معاملہ میں خیانت نہ کرو۔۲ علماء فرماتے ہیں کہ حدیث فتویٰ پر شامل ہو سکتی ہے اور تقویٰ پر بھی، فتویٰ یہ ہے کہ خائن سے بقدر خیانت بدلہ لے سکتے ہیں اگر کسی نے تمہارے سو روپے مار لئے تو جب کبھی وہ تمہارے پاس اپنی کچھ رقم امانت یا قرض دے تو اپنا حق وضع کر کے باقی مال اسے دو کہ یہ وضع خیانت نہیں بلکہ اپنا حق وصول کرنا مگر تقویٰ یہ ہے کہ ایسے شخص سے بھی بدلہ میں یہ معاملہ نہ کرے۔ اپنا حق علیحدہ مانگے مگر اس کا یہ حق پورا ادا کرے۔ یہ اعلیٰ درجہ کا اخلاق ہے۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (۲۳:۹۶) سب سے اچھی بھلائی سے برائی کو دفع کرو (کنزالایمان) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْكَ جو تم سے برائی کرے تم اس سے بھلائی کرو۔ خیال رہے کہ کافر حربی کی بھی خیانت جائز نہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر ان خون

کے پیاسے دشمنوں کی امانتیں ادا کیں جنہوں نے قتل کے ارادے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر گھیر لیا تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ چھوڑا اور آپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ ہوگئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرما گئے کہ ان ہی لوگوں کی میرے پاس امانتیں ہیں۔تم وہ ادا کرکے مدینہ آجانا۔۳؎ یہ حدیث بخاری نے اپنی تاریخ میں،حاکم نے اپنی مستدرک میں،دارقطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَرَدْتُّ الْخُرُوْجَ اِلٰى خَيْبَرَ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ اِنِّيْ اَرَدْتُّ الْخُرُوْجَ اِلٰى خَيْبَرَ فَقَالَ اِذَا اَتَيْتَ وَكِيْلِيْ فَخُذْ مِنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَسَقًا فَاِنِ ابْتَغٰى مِنْكَ اٰيَةً فَضَعْ يَدَكَ عَلٰى تَرْقُوَتِهٖ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۲۸۰۸)روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ میں خیبر جانے کا ارادہ کررہا ہوں ۱؎ فرمایا جب تم ہمارے وکیل کے پاس جاؤ تو ان سے پندرہ وسق لے لینا۔۲؎ پھر اگر تم سے کوئی نشانی مانگیں تو ان کے گلے پر ہاتھ رکھ دینا۔۳؎(ابوداؤد)

(۲۸۰۸)۱؎ صحابہ کرام جب کبھی سفر میں جاتے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مل کر آپ سے وداع ہوکر آپ کی دعائیں و نصیحتیں لے کر جاتے تھے۔ان کیلئے یہ دعائیں و نصیحتیں سفر کا بہترین توشہ ہوتی تھیں۔بعض حضرات تو صراحۃً عرض کرتے تھے کہ سفر کو جارہا ہوں کچھ توشہ عنایت فرمایا جائے۔اس کے مطابق حضرت جابر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وداع ہونے حاضر ہوئے آپ اپنے کسی کام کو خیبر جا رہے تھے۲؎ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ایک صاع ساڑھے چار سیر کا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وکیل قبض بنایا کہ ہماری اتنی کھجوریں یا جو،ان وکیل سے وصول کرکے ہمارے پاس لے آنا وہ حضرت خیبر میں وکیل وصولی بنا کر بھیجے گئے تھے کہ اہل خیبر سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کی کھجوریں یہود خیبر سے وصول کرکے اپنے پاس رکھیں۔جب کوئی شخص مدینہ آئے گا ہم اس کے ہاتھ منگالیں گے۔اس حدیث سے دو طرح وکالت ثابت ہوئی اور دو قسم کی ثابت ہوئی،وکالت قبض،وکالت وصولی۔۳؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہلے وکیل وصولی کو اولاً سمجھا دیا تھا کہ آدمی تمہارے پاس جو آئے گا اس کو ہم یہ علامت سمجھا دیں گے تاکہ کوئی شخص ناجائز طور پر ان سے یہ مال نہ لے لے،خیال رہے کہ یہ عمل ہم کو تعلیم کیلئے ہے،ورنہ تمام صحابہ سچے،عادل،قابل اعتماد ہیں۔ان پر جھوٹ یا دھوکہ کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔انہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تین لپ بھر کر درہم دینے کا وعدہ فرمایا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بغیر گواہ و قسم لئے وہ وعدہ پورا کیا۔کیوں؟اس لئے کہ صحابہ عادل ثقہ ہیں ان کی بات قبول ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ فِيْهِنَّ الْبَرَكَةُ اَلْبَيْعُ اِلٰى اَجَلٍ وَّالْمُقَارَضَةُ وَاِخْلَاطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيْرِ لِلْبَيْتِ لَا لِلْبَيْعِ .

(۲۸۰۹)روایت ہے حضرت صہیب سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین چیزوں میں برکت ہے۲؎ ادھار بیچنا،قرض دینا اور گیہوں جو سے ملانا۔۳؎ مگر گھر کیلئے نہ کہ تجارت کیلئے۔۴؎

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) (ابن ماجہ)

(۲۸۰۹)۱؎ آپ صہیب ابن سنان ہیں،کنیت ابویحیٰ علاقہ موصل میں دجلہ وفرات کے درمیان کے رہنے والے،آپ کے علاقہ پر روم نے حملہ کرکے آپ کو غلام بنالیا اور بنی کلب قبیلہ نے آپ کو رومیوں سے خرید لیا۔بنی کلب نے عبداللہ ابن جدعان کے ہاتھ فروخت کردیا۔مکہ معظمہ لاکر انہوں نے ہی آپ کو آزاد کیا۔آپ اور عمار ابن یاسر ایک ہی دن ایمان لائے جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں پناہ گزین تھے۔آپ نے کفار مکہ کے ہاتھوں اسلام لاکر بہت مصیبتیں اٹھائیں۔آپ کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ (۲،۲۰۷)اور کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے(کنزالایمان)نوے سال عمر ہوئی ۸۰ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔بقیع میں دفن ہوئے۔آپ کے فضائل بے شمار ہیں۔بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے۔۲؎ برکت وکثرت میں فرق ہے ہر زیادتی کثرت ہے۔مگر خیر ونفع کی زیادتی برکت ہے۔کثرت سے برکت اعلیٰ ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا:وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا (۱۹،۳۱)اور اس نے مجھے مبارک کیا(کنزالایمان) ربّ نے مجھے برکت والا بنایا۔کثرت والا نہ کہا۳؎ فقراء کو ادھار بیچ دینے میں دعائیں بھی ملتی ہیں۔لوگوں کی تعریفیں بھی رب کی رحمت بھی۔قرض دینے سے مراد مضاربۃ پر مال دینا کہ مال ہمارا ہو محنت دوسرے کی نفع میں شرکت' گندم میں قدرے جو ملانے سے سنت بھی ادا ہوتی ہے۔خرچ میں کفایت بھی،روٹی زود ہضم بھی ہوتی ہے اور قدرے ٹھنڈی بھی۔گندم گرم ہے جو ٹھنڈے ہے۴؎ یعنی گندم دکھا کر جو ملا کر نہ بیچو کہ اس میں خریدار کو دھوکہ دہی ہے بلکہ اپنے کھانے کیلئے گندم میں جو ملاؤ فروخت میں جو خریدار کو دکھاؤ وہ ہی دو۔

وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهٗ بِدِيْنَارٍ لِيَشْتَرِیَ لَهٗ بِهٖ اُضْحِيَةً فَاشْتَرٰى كَبْشًا بِدِيْنَارٍ وَبَاعَهٗ بِدِيْنَارَيْنِ فَرَجَعَ فَاشْتَرٰى اُضْحِيَةً بِدِيْنَارٍ فَجَآءَ بِهَا وَبِالدِّيْنَارِ الَّذِیْ اسْتَفْضَلَ مِنَ الْاُخْرٰى فَتَصَدَّقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدِّيْنَارِ فَدَعَا لَهٗ اَنْ يُّبَارَكَ لَهٗ فِیْ تِجَارَتِهٖ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاؤُدَ)

(۲۸۱۰) روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ ایک اشرفی بھیجی تاکہ آپ کیلئے قربانی خرید لیں۔انہوں نے ایک اشرفی سے مینڈھا خریدا اور اسے دو دینار میں بیچ دیا۲؎ پھر واپس بازار آئے اور ایک اشرفی سے قربانی خرید لی پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قربانی اور دوسری قربانی سے بچی ہوئی اشرفی لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشرفی تو خیرات کردی۳؎ اور انہیں دعا دی کہ ان کی تجارت میں ہمیشہ برکت ہو۔۴؎ (ترمذی،ابوداؤد)

(۲۸۱۰)۱؎ آپ کی کنیت ابوخالد ہے۔قرشی ہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے،خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے واقعہ فیل سے تیرہ سال پہلے،فتح مکہ میں ایمان لائے۔مدینہ منورہ میں وفات پائی عمر ایک سو بیس سال ہوئی۔۵۴ ہجری میں وفات ہوئی۔۲؎ آپ کو یقین تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس بیچ دینے سے ناراض نہ ہوں گے اس لئے جانور بیچ دیا ورنہ آپ صرف خریدنے کیلئے وکیل تھے نہ کہ فروخت کرنے کے۳؎ اور آپ نے حکیم کی یہ بیع جائز رکھی اس سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں قربانی کیلئے خریدا ہوا جانور فروخت کرکے دوسرا جانور خرید سکتے ہیں خصوصاً جبکہ قربانی کرنے والا غریب نہ ہو،امیر ہو،یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کی قیمت سے بچا ہوا پیسہ اپنے کام میں نہ لائے بلکہ خیرات کردے تاکہ اپنا صدقہ خود نہ کھائے۔۴؎ چنانچہ ربّ تعالٰی آپ کو ہمیشہ تجارتوں میں برکت دیتا تھا جو لوگ

آپ کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے وہ بھی مالدار ہوجاتے تھے اور بڑے بڑے تاجر آپ کے مشورہ سے بیوپار کرتے تھے۔ (مرقات)

بَابُ الْغَصَبِ وَالْعَارِيَةِ — مال ہتھیا لینے اور مانگ کر لینے کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

غصب کے معنی ہیں کسی کے مال پر ناجائز قبضہ کرلینا جیسے کوئی چیز کسی سے مانگ کرلائے پھر نہ دے یا امانت کا انکار کردیا لہذا غصب چوری ڈکیتی میں فرق ہے۔ عاریت کے معنی ہیں کسی کی چیز سے اس کی اجازت پر بغیر معاوضہ نفع حاصل کرنا جیسے کسی کا برتن کچھ دن کیلئے مانگ لینا۔ پھر کام نکال کر واپس کردینا، غصب حرام ہے۔ عاریت جائز، عاریت عار بمعنی شرم و غیرت سے بنا۔ چونکہ اہل عرب اس کام میں شرم کرتے تھے اس لئے اسے عاریت کہا گیا ننگے کو بھی عاری اسی لئے کہتے ہیں کہ ننگا رہنے میں شرم و عار ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا عاریت تعاور سے ہے بمعنی تبادلہ کرنا، دست بدست لین، دین۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهٗ يُطَوِّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۱۱) روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بالشت بھر زمین ظلماً لے لے تو قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔[2] (مسلم، بخاری)

(۲۸۱۱)[1] آپ عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں تھیں۔ آپ ہی کے ذریعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ سوا بدر تمام غزوات میں شامل رہے۔ بدر کے دن آپ حضرت طلحہ کے ساتھ کفار قریش کی تلاش میں گئے تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حصہ غنیمت کے مال سے دیا۔ ستر سال سے زیادہ عمر ہوئی۔ ۵۱ ہجری میں مقام عقیق میں انتقال ہوا، آپ کی نعش مدینہ پاک لائی گئی۔ بقیع میں دفن ہوئے۔[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین کے سات طبقے اوپر نیچے ہیں۔ صرف سات ملک نہیں پہلے تو اس غاصب کو زمین کے سات طبق کا طوق پہنایا جائے گا پھر اسے زمین میں دھنسایا جائے گا۔ لہذا جن احادیث میں ہے کہ اسے زمین میں دھنسایا جائے گا وہ احادیث اس حدیث کے خلاف نہیں، یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کہ کسی تاویل کی ضرورت نہیں، اللہ تعالٰی اس غاصب کی گردن اتنی لمبی کردے گا کہ اتنی بڑی ہنسلی اس میں آجائے گی۔ معلوم ہوا کہ زمین کا غصب دوسرے غصب سے سخت تر ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَحْلُبَنَّ اَحَدٌ مَاشِيَةَ امْرِىءٍ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يُّؤْتٰى مَشْرُبَتُهٗ فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهٗ فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهٗ وَاِنَّمَا يَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوْعُ مَوَاشِيْهِمْ اَطْعِمَاتِهِمْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۸۱۲) روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی کسی کا جانور بغیر اس کی اجازت کے نہ دوہے۔[1] کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ کوئی اس کے بالاخانہ پر گھس آئے پھر اس کا خزانہ توڑ کر غلہ لے جائے۔[2] اور لوگوں کے جانوروں کے تھن ان کی غذاؤں کے خزانے ہیں۔[3] (مسلم)

(۲۸۱۲)۱؎ یعنی کسی کی بکری، گائے، بھینس، اونٹنی وغیرہ کا دودھ بغیر اس کی اجازت نہ نکالے، اہل عرب اس طرح دودھ کی چوری بھی کرتے تھے کہ کسی کا جانور پکڑا دودھ دوھ لیا، یہ بھی حرام ہے۔۲؎ بعض نسخوں میں بجائے طعامہ کے متباعہ ہے' اہل عرب اکثر اپنا سامان بالاخانوں پر رکھتے تھے، اس لئے بالاخانہ کا ذکر فرمایا ورنہ چوری تہہ خانہ سے بھی حرام ہے اور بالاخانہ سے بھی۔۳؎ یعنی جیسے کسی کا مال بغیر اجازت اس کے گھر سے لینا حرام ہے ایسے ہی کسی کے جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر دوھ لینا حرام ہے۔ یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے کہ کسی کا جانور بغیر اجازت نہ دوہے ہاں مخمصہ یعنی سخت بھوک' کی حالت میں اجازت ہے کہ اس طرح دودھ کر پی لے اور جان بچالے' ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں اگر مردار بھی پائے اور غیر کا مال بھی تو مردار کھا کر جان بچالے اور غیر کے مال کو ہاتھ نہ لگائے (مرقات) امام محمد و اسحاق کے ہاں دوسرے کا جانور بغیر اجازت دوھ لینا جائز ہے ان کی دلیل حدیث ہجرت ہے' کہ صدیق اکبر نے بحالت سفر ایک قریش کے غلام سے اس کی بکری کا دودھ نکلوایا اور خرید کر حضور کو پلایا' حالانکہ بکری کا مالک وہاں موجود نہ تھا' نیز بعض روایات میں ہے کہ جو کسی کی بکری پائے' وہ تین بار آواز دے کہ کس کی بکری ہے میں دودھ دوہتا ہوں' اگر تین آوازوں میں مالک نہ ملے' تو دودھ دوھ لے اور پی لے' مگر یہ دلیلیں کمزور ہیں' کیونکہ پہلی حدیث کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ اس غلام کو دودھ بیچنے کی مالک کی طرف سے اجازت تھی' اور یہ دوسری حدیث مخمصہ کی حالت کے لئے ہے جبکہ بھوک سے جان نکل رہی ہو' ورنہ غیر کا مال بغیر اجازت لینا کس طرح درست ہوسکتا ہے یوں ہی کسی کے باغ کے پھل اس کی اجازت کے بغیر نہ توڑے نہ کھائے' نہ اٹھائے نہ لے جائے' جن احادیث میں اجازت ہے کہ کھائے مگر لے نہ جائے وہاں بھی مخمصہ کی حالت مراد ہے کہ بھوکے کی جان پر بن گئی ہے وہ یہ کھا کر جان بچائے' ہاں جنگلی پھل کسی کی ملک نہیں جیسے کوکن بیر' وہ شکار کے جانور کی طرح کسی کی ملک نہیں جو چاہے کھائے' (از لمعات و مرقات و اشعہ مع زیادۃ) اس کی تحقیق کتب فقہ میں دیکھیے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَآءِهٖ فَاَرْسَلَتْ اِحْدٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِصَحْفَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِىْ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ بَيْتِهَا يَدَالْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيْهَا الطَّعَامَ الَّذِىْ كَانَ فِى الصَّحْفَةِ وَيَقُوْلُ غَارَتْ اُمُّكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتّٰى اُتِىَ بِصَحْفَةٍ مِّنْ عِنْدَ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيْحَةَ اِلَى الَّتِىْ كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَاَمْسَكَ الْمَكْسُوْرَةَ فِىْ بَيْتِ الَّتِىْ كَسَرَتْ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۸۱۳) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کے پاس تھے کہ امہات المومنین میں سے کسی نے ایک پیالہ بھیجا۱؎ جس میں کچھ کھانا تھا تو جس کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ مارا جس سے پیالہ گر کر ٹوٹ گیا۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کے ٹکڑے جمع کئے۔ پھر جو کھانا پیالے میں تھا اس میں ڈالا۳؎ اور آپ فرماتے جاتے تھے کہ تمہاری ماں غیرت کر گئیں۴؎ پھر خادم کو روک لیا حتیٰ کہ جن کے گھر میں حضور تھے ان کے پاس سے پیالہ لایا گیا تو جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا' انہیں درست پیالہ دے دیا۵؎ اور ٹوٹا ہوا پیالہ توڑنے والی کے گھر میں رکھ دیا۶؎ (بخاری)

(۲۸۱۳)۱؎ بعض بیویوں سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ ہیں جیسا کہ دوسری روایتوں میں ہے' یا تو حضرت انس ان کا نام بھول گئے' یا

احتراماً ان کا نام ظاہر نہ فرمایا' کھانا بھیجنے والی بی بی صفیہ ہیں۔اور ہوسکتا ہے کہ حضرت زینب یا ام سلمہ ہوں' حضور کی بارگاہ میں اکثر و بیشتر ہدیے جب ہی آتے تھے جبکہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر پر ہوتے (اشعہ و مرقات) ۲؎ آپ خادم کو مارنا نہ چاہتی تھیں کہ وہ تو بے قصور تھا بلکہ ارادہ پیالہ پھینکنے کا تھا اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارنا اسی نیت پر تھا' چنانچہ خادم کو چوٹ نہ لگی اور پیالہ گر گیا اسی لئے حضور انور نے خادم کو قصاص نہ دلوایا پیالہ کا عوض دلوایا' ۳؎ یہ ہے سرکار کا حلم واخلاق اور نعمت الٰہی کی قدر دانی کہ آپ ام المومنین پر ناراض نہ ہوئے اور کھانا ضائع نہ جانے دیا۔اس سے پتا لگا کہ گرے ہوئے لقمہ کو بھی جھاڑ پونچھ کر کھالینا چاہیے جیسا کہ دوسری روایتوں میں صراحۃً آتا ہے' ۴؎ یعنی ام المومنین نے یہ کام ظلماً نہیں کیا نہ وہ اس میں گنہگار ہیں بلکہ فطرت بشری کی بنا پر کیا کہ قدرتی طور پر ہر بی بی اپنی سوکن کی چیز کا اپنے گھر آنا پسند نہیں کرتی۔فطری چیز پر پکڑ نہیں ہوا کرتی' سبحان اللہ کیسی برکت والی ماں ہیں کہ یہاں ان کی صفائی حضور انور بیان فرمارہے ہیں' اور دوسرے مقام پر ان کی صفائی اللہ تعالٰی قرآن میں بیان فرمارہا ہے۔ان خطاؤں پر ہماری لاکھوں عبادتیں قربان' ۵؎ یہ پیالہ کا ضمان نہ تھا ورنہ قیمت دلوائی جاتی' کیونکہ پیالہ شرعاً مثلی چیز نہیں ہے قیمتی چیز ہے جس کے توڑنے پر بدلہ میں قیمت واجب ہوتی ہے' بلکہ یہ عمل شریف اخلاقاً تھا' کیونکہ دونوں پیالے حضور ہی کے تھے' وہاں ضمان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' بعض شارحین نے اس کی اور وجہیں بھی بیان کی ہیں' مگر یہ وجہ نہایت اعلیٰ ہے' دینے والے بھی حضور ہیں اور لینے والے بھی' گھر کا سامان خاوند کا ہوتا ہے نہ کہ بیوی کی ملک' ۶؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ٹوٹا پیالہ بھی مال ہے' اس کی بیع و معاوضہ جائز ہے' کبھی تو یہ ٹھیکریاں جڑ کر کام دیتی ہیں اور کبھی الگ الگ ہی کچھ کام دے جاتی ہیں۔دوسرے یہ کہ کسی کی چیز توڑ دینا بھی غصب کی ایک قسم ہے جبکہ یہ توڑنا زیادتی کی بنا پر ہو' اور اس کا تاوان لازم ہے۔اسی لئے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث غصب کے باب میں لائے' جناب عائشہ صدیقہ کا یہ فعل صورۃً تعدی تھا' لہٰذا یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا کہ صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث باب الغصب میں کیوں لائے (مرقات)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰى عَنِ النُّهْبَةِ وَالْمُثْلَةِ . (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۸۱۴) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن یزید سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور نے لوٹ مار کرنے اور ناک کان کاٹنے سے منع فرمایا ۲؎ (بخاری)

(۲۸۱۴) ۱؎ آپ خطمی انصاری ہیں' صلح حدیبیہ میں آپ ۱۷ سال کے تھے' بیعت الرضوان میں شریک تھے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں انہی کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے اور انہی کے زمانہ میں وفات پائی' آپ سے آپ کے بیٹے موسیٰ اور آپ کے پوتے ابوبردہ ابن ابی موسیٰ وغیرہم نے روایات لیں' امام شعبی آپ کے کاتب رہے۔ ۲؎ یعنی نہ تو کسی مسلمان کا مال لوٹنا جائز ہے اور نہ کسی انسان یا حیوان کے ناک کان زندگی میں یا بعد موت کاٹنا جائز اس سے معلوم ہوا کہ کٹی ہوئی پتنگ یا اس کی ڈور لوٹنا حرام ہے کہ یہ بھی نہبہ ہے خیال رہے کہ لٹائی ہوئی چیز کو لوٹ لینا جائز ہے' جیسے نکاح کے چھوہارے اور دولہا دلہن پر بکھیر کے پیسے' کہ اسے عربی میں نثر کہتے ہیں نہ کہ نہبہ' یوں ہی علاجاً و قصاصاً ناک کان کاٹنا جائز' کہ وہ مثلہ نہیں' بلکہ علاج یا قصاص ہے' لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ (۴۵'۵) کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ (کنزالایمان) اہل عرب جنگوں میں مقتولین کے ناک کان کاٹ ڈالتے تھے اور ایک دو مہمانوں کی آمد پر زندہ بکری کا ہاتھ یا پیر کاٹ کر پکا لیتے تھے' یہاں اس سے منع فرمایا گیا۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ

(۲۸۱۵) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمَ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِاَرْبَعِ سَجَدَاتٍ فَانْصَرَفَ وَقَدْ اٰضَتِ الشَّمْسُ وَقَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ تُوْعَدُوْنَهٗ اِلَّا قَدْ رَاَيْتُهٗ فِيْ صَلٰوتِيْ هٰذِهٖ لَقَدْ جِيْءَ بِالنَّارِ وَذٰلِكَ حِيْنَ رَاَيْتُمُوْنِيْ تَاَخَّرْتُ مَخَافَةَ اَنْ يُّصِيْبَنِيْ مِنْ لَفْحِهَا وَحَتّٰى رَاَيْتُ فِيْهَا صَاحِبَ الْمِحْجَنِ يَجُرُّ قُصْبَهٗ فِي النَّارِ وَكَانَ يَسْرِقُ الْحَاجَّ بِمِحْجَنِهٖ فَاِنْ فُطِنَ لَهٗ قَالَ اِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمِحْجَنِيْ وَاِنْ غُفِلَ عَنْهُ ذَهَبَ بِهٖ وَحَتّٰى رَاَيْتُ فِيْهَا صَاحِبَةَ الْهِرَّةِ الَّتِيْ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَاْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا ثُمَّ جِيْءَ بِالْجَنَّةِ وَذٰلِكَ حِيْنَ رَاَيْتُمُوْنِيْ تَقَدَّمْتُ حَتّٰى قُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ وَلَقَدْ مَدَدْتُّ يَدِيْ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اَتَنَاوَلَ مِنْ ثَمَرَتِهَا لِتَنْظُرُوْا اِلَيْهِ ثُمَّ بَدَالِيْ اَنْ لَّا اَفْعَلَ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گہن گیا جس دن حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ۱؎ تو حضور نے لوگوں کو دو رکعتیں چھ رکوعوں اور چار سجدوں سے پڑھائیں ۲؎ پھر فارغ ہوئے حالانکہ سورج اصلی حالت میں لوٹ چکا تھا فرمایا جن چیزوں کی تمہیں خبر دی گئی ہے ان میں سے کوئی چیز نہیں مگر میں نے اپنی اس نماز میں وہ سب دیکھ لیں ۳؎ حتی کہ آگ لائی گئی اور یہ جب تھا جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا ۴؎ اس خوف سے کہ اس کی لپٹ مجھے پہنچ جائے ۵؎ اور حتی کہ میں نے آگ میں تیرنے والے کو دیکھا جو اپنی آنتیں آگ میں کھینچ رہا ہے ۶؎ وہ اپنے نیزے سے حاجیوں کی چوری کر لیتا تھا اگر اس کی حرکت معلوم ہو جاتی تو کہہ دیتا تھا کہ یہ میرے نیزے سے لگ رہا اور اگر اس سے بے خبری رہی تو لے جاتا ۷؎ اور حتی کہ میں نے اس میں بلی والی کو دیکھا جس نے بلی کو باندھ رکھا کہ اسے کچھ نہ کھلایا اور نہ اسے چھوڑا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی ۸؎ پھر جنت لائی گئی اور یہ جب تھا کہ تم نے مجھے دیکھا کہ میں آگے بڑھا حتی کہ اپنی جگہ کھڑا ہو گیا ۹؎ اور میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا میں چاہتا تھا کہ اس کے کچھ پھل لے لوں تاکہ تم انہیں دیکھو۔ پھر رائے یہ ہی قائم ہوئی کہ ایسا نہ کروں ۱۰؎ (مسلم)

(۲۸۱۵) ۱؎ اس کی تحقیق باب صلوۃ الکسوف میں ہو چکی کہ حضرت ابراہیم کی وفات چاند کی دسویں تاریخ کو ہوئی' ریاضی کے قاعدہ سے اس دن سورج گرہن لگ سکتا ہی نہ تھا' مگر رب تعالٰی نے ان کا قاعدہ توڑ دیا' حضرت ابراہیم بقرعید ۸ھ میں بی بی ماریہ قبطیہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے' اور سولہ یا اٹھارہ مہینہ کی عمر پا کر وفات پا گئے اور بقیع میں دفن ہوئے' ۲؎ اس طرح کہ ہر رکعت میں تین رکوع اور دو سجدے کئے' اس کی تحقیق نماز کسوف میں گزر چکی ہمارے ہاں اس نماز کی ہر رکعت میں بھی اور نمازوں کی طرح ایک رکوع اور دو سجدے ہی ہوں گے' اس کے جوابات اسی باب میں عرض کر دیئے گئے' ۳؎ یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں اور دوزخ اور وہاں کے سارے عذاب اپنی ان آنکھوں سے ملاحظہ فرمالئے' حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے۔ اس میں کسی تاویل اور توجیہ کی ضرورت نہیں' اس کی پوری تحقیق نماز کسوف میں ہو چکی ہے ۴؎ باب الکسوف میں گزر چکا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں دو بار کچھ جنبش فرمائی ایک بار تو آگے بڑھ کر کچھ لینے کے ارادے سے اور ایک بار پیچھے ہٹ کر بچنے کے قصد سے' اسے فرمارہے ہیں کہ جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں عین نماز کی حالت میں کسی خطرناک چیز سے بچتے ہوئے پیچھے ہٹا تو اس وقت دوزخ ہمارے سامنے تھی۔ اس سے بچنا مقصود تھا ۵؎ یہ فرمان ایسا ہی ہے جیسے کہ بادل یا آندھی آنے پر حضور انور کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا تھا کہیں عذاب یا قیامت نہ آ گئی ہو حالانکہ سرکار کو معلوم تھا کہ قیامت ابھی نہیں آ

سکتی اور آپ کے ہوتے عذاب نازل نہیں ہوسکتا' یوں ہی حضور انور کو معلوم تھا' کہ دوزخ کی آگ ہم پر اثر نہیں کرسکتی حضور انور کی تو بڑی شان ہے مومن دوزخ میں جا کر دوزخی مسلمان کو نکال لائیں گے اور آگ کے اثر سے محفوظ رہیں گے' یہ خوف دراصل خوف الٰہی ہے۔لہذا یہ حدیث واضح ہے۔۶؎ مِحجن حجن سے بنا بمعنی اپنی طرف کھینچا' اب مِحجن وہ لاٹھی ہے۔جس کے کنارے پرخم دار گولا لگا ہو اس کے ذریعہ آسانی سے چیز اپنی طرف کھینچی جائے۔اس محجن والے کا نام عمرو ابن لُحیی ہے۔لام کے پیش ح کے فتح سے' قصب بمعنی آنت جمع اقصاب یعنی اس کی آنتیں باہر نکل پڑی تھیں۔جب وہ چلتا پھرتا ہے تو آنتیں گھسٹتی ہیں' رب کی پناہ۔ ۷؎غرضیکہ فیشن ایبل (FASHION ABLE) سیاسی چور تھا کہ حجاج کے کپڑے دن دہاڑے اس طرح چوری کرتا تھا کہ پکڑا بھی نہ جائے۔اور چوری بھی کرے۔مالک نے دیکھ لیا تو کہہ دیا ارے مجھے خبر نہ ہوئی کہ میرے مِحجن سے تیرا کپڑا الگ گیا ہے' نہ دیکھا تو مال اپنا کرلیا۸؎ شاید یہ عورت اسرائیلی تھی جس نے بلی پر یہ ظلم کیا تھا اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں جنت و دوزخ ملاحظہ فرمائے۔جو عالم غیب کی چیزیں ہیں دوسرے یہ کہ قیامت کے بعد ہونے والے عذابوں کو حضور کی نگاہ ملاحظہ فرمالیتی ہے۔یعنی آپ اگلے پچھلے کھلے چھپے حالات کو دیکھ لیتے ہیں تیسرے یہ کہ یہ حرکت نماز فاسد نہیں کرتی۔چوتھے یہ کہ جانوروں پر ظلم بھی عذاب کا باعث ہے۔اس کی مکمل بحث ہم نماز کسوف کے بیان میں کرچکے ہیں۔۹؎ ظاہر یہ ہے کہ مقامی (اپنی جگہ) سے مراد آخری وہ جگہ ہے۔جہاں تک آپ آگے بڑھ کر پہنچے تھے اور ہوسکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ پہلے ہم آگے بڑھے۔پھر پیچھے ہٹے حتی کہ مصلے پر وہاں پر وہاں ہی لوٹ آئے جو ہماری جگہ تھی ۱۰؎ یعنی ہم نے ہاتھ بڑھایا اور ہمارا ہاتھ جنت کے خوشہ تک پہنچ گیا۔چاہا کہ توڑ لیں۔اور اس غیبی پھل کو شہودی بنا کر تمہیں دکھا دیں بلکہ کھلا دیں' مگر خیال یہ ہوا کہ پھر جنت و دوزخ پر ایمان بالغیب نہ رہے گا اس لئے چھوڑ دیا' بعض روایات میں ہے کہ اگر ہم وہ پھل توڑ لیتے تو تم تا قیامت کھاتے رہتے کبھی ختم نہ ہوتے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جنت و دوزخ پیدا ہوچکی ہیں' دوسرے یہ کہ جنت کے پھل دنیا کی طرح عینی اور حقیقی ہیں فقط خیالی وتمثیلی نہیں۔تیسرے یہ کہ ہلاکت اور عذاب کی جگہ سے ہٹ جانا سنت ہے چوتھے یہ کہ تھوڑا عمل نماز کو فاسد نہیں کرتا۔پانچویں یہ کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے اور دوزخ کا سبب ہوجاتا ہے۔چھٹے یہ کہ رب نے حضور کے ہاتھ میں وہ قدرت دی ہے کہ اٹھے تو مغرب و مشرق میں پہنچ جائے اور ہر جگہ تصرف کرے دیکھو بظاہر ہاتھ شریف دو تین فٹ کے فاصلہ پر پہنچا لیکن درحقیقت وہ جنت میں پہنچ چکا تھا اور وہاں کے خوشے پکڑ چکا تھا اب بھی حضور کا ہاتھ ہر بیکس کو سہارا دیتا ہے ساتویں یہ کہ حضور جنت اور وہاں کی نعمتوں کے مالک ہیں' جو چاہیں لے لیں اور دے دیں' دیکھو اس موقع پر رب نے نہ فرمایا کہ آپ خوشہ کیوں توڑ رہے ہیں حضور انور نے خود ہی چھوڑ دیا۔

وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا مِنْ اَبِيْ طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمَنْدُوْبُ فَرَكِبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا رَاَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَاِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۱۶) روایت ہے حضرت قتادہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس کو فرماتے سنا کہ ایک دفعہ مدینہ میں دہشت پھیل گئی ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ سے گھوڑا مانگا جسے مندوب کہا جاتا تھا ۲؎ آپ اس پر سوار ہوئے پھر جب واپس ہوئے تو فرمایا ہم نے وہاں کچھ بھی نہ دیکھا اور ہم نے اس گھوڑے کو دریا پایا ۳؎ (مسلم بخاری)

(۲۸۱۶) ۱؎ افواہ پھیل گئی کہ دشمن کا لشکر اچانک حملہ آور ہوگیا ہے شور مچ گیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا حضرت ابوطلحہ کے

گھوڑے پر وہاں پہنچ گئے فرماتے جاتے تھے مت گھبراؤ میں آ گیا مت گھبراؤ میں آ گیا۲ مندوب یا تو ندبٌ سے بنا بمعنی طلب اور بلاوا۔ مندوب بمعنی مطلوب، مرغوب محبوب یا نُدْبَۃٌ سے بنا بمعنی اثر زخم چونکہ یہ گھوڑا بہترین تھا اور اس کے جسم میں زخم کا اثر بھی تھا اس لئے اسے مندوب کہا جاتا تھا (مرقات)۳ یعنی وہاں حملہ وغیرہ کچھ نہیں ہوا یونہی وہم تھا اور یہ گھوڑا بہت تیز اور سبک رفتار ہے۔ خیال رہے کہ یہ گھوڑا اڑیل تھا آج حضور کی برکت سے ٹھیک ہو گیا پھر ٹھیک ہی رہا اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جانور عاریۃً لے سکتے ہیں دوسرے یہ کہ جانور کا نام رکھنا جائز ہے تیسرے یہ کہ خطرناک مقام پر اکیلے پہنچ جانا جائز ہے چوتھے یہ کہ دشمن کی تحقیق کرنا اور اس سے باخبر رہنا ضروری ہے پانچویں یہ کہ خوف دور ہو جانے پر لوگوں کو مطمئن کرنا سنت ہے آج خطرہ کا بھی الارم (ALARM) ہوتا ہے۔ اور اس کے جاتے رہنے کا بھی چھٹے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے بہت قوی دل عطا فرمایا تھا اور حضور بے مثل بہادر تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ اَحْیٰ اَرْضًا مَیْتَۃً فَھِیَ لَہٗ وَلَیْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ رَوَاہُ مَالِكٌ عَنْ عُرْوَۃَ مُرْسَلًا وَّقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ ۔

(۲۸۱۷) روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور نے فرمایا جو بنجر زمین کو آباد کرے۱ وہ اس کی ہے۲ کسی ظالم رگ کا اس میں کوئی حق نہیں۳ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) اور مالک نے ارسالاً حضرت عروہ سے روایت کی۴ اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے، غریب ہے۵

(۲۸۱۷)۱ زمین میں میتہ وہ زمین ہے، جو نہ تو کسی کی ملکیت ہو نہ اس سے بستی کے فوائد وابستہ ہوں۔ لہٰذا بستی کے قریب کی چراگاہیں، گھوڑ دوڑ کے میدان فوجی چھاؤنیوں کی زمینیں ارض میتہ نہیں۔ اسے آباد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے قابل کاشت بنائے ہموار کرے اس میں رہے باغ وغیرہ لگائے ۲ یعنی ایسی زمین کو آباد کرنے والا اس کا مالک ہو جائے گا۔ صاحبین اور امام شافعی اس حدیث کو مطلق رکھتے ہیں حاکم کی اجازت کی قید نہیں لگاتے مگر امام اعظم سلطان کی اجازت ضروری فرماتے ہیں یعنی اگر حکومت کی اجازت سے آباد ہوئی ہے تو آباد کار اس کا مالک ہے ورنہ نہیں، ان حضرات کے ہاں یہ فرمان عالی مذہبی قانون ہے، امام اعظم کے ہاں سیاسی حکم تھا یعنی حضور انور سلطان تھے آپ نے لوگوں کو اجازت دی تھی کہ بنجر زمینیں آباد کرو تم مالک ہو اگر اب بھی بادشاہ اعلان کر دے تو حکم نافذ ہوگا آج کل بعض نواب راجے اپنی ریاستیں آباد کرنے کے لیے مربعے دیتے ہیں لوگ آباد کر لیتے ہیں وہ حکم اسی حدیث سے حاصل ہے دوسری روایت میں ہے۔ للمرا الا ماطابت به نفس به انسان اس زمین کا مالک ہے جس پر سلطان راضی ہو وہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے (مرقات)۳ یعنی اگر اس زمین میں کوئی شخص کھیت بوئے یا باغ لگائے، تو آباد کرنے والا شخص اس کھیت یا باغ کو اکھڑوا سکتا ہے اپنی زمین خالی کرا سکتا ہے عرق تنوین سے ہے یعنی رگ، مراد خود رگ والا یعنی انسان ہے۔۴ یعنی عروہ اگرچہ صحابی ہیں مگر انہوں نے خود حضور انور سے یہ حدیث نہ سنی ان سے کسی اور راوی نے بیان کی۔ انہوں نے اس راوی کا نام نہ لیا خیال رہے کہ صحابی کی مرسل حدیث بالاتفاق قبول ہے تابعی کی مرسل حدیث امام شافعی کے ہاں حجت نہیں ہمارے ہاں حجت ہے مرقات نے فرمایا کہ شاید حضرت عروہ نے سعید ابن زید سے ہی روایت کی ہے مگر امام مالک کی روایت میں سعید ابن زید کا نام شاید مذکور نہیں اس لئے وہ حدیث مرسل ہوئی اور احمد کی اسناد

متصل ۵؎ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مختلف اسنادوں سے بہت ائمہ نے روایت کی۔ چنانچہ بیہقی نے باسناد حسن حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوعًا روایت کی فرمایا کہ الصبر العباد اللہ و البلا دبلا داللہ فمن احیا من موات الارض شیئا فھولہ ولیس لعرق ظالم حق

وَعَنْ اَبِیْ حُرَّةَ الرَّقَاشِیِّ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِیءٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَالدَّارُقُطْنِیُّ فِی الْمُجْتَبٰى۔

(۲۸۱۸) روایت ہے حضرت ابوحرہ رقاشی سے وہ اپنے چچا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار ظلم نہ کرنا کسی شخص کا مال دوسرے کو حلال نہیں مگر اس کی خوش دلی سے ۲؎
(بیہقی، شعب الایمان، دارقطنی، فی مجتبیٰ)

(۲۸۱۸) ۱؎ ابوحرہ تابعی ہیں بصری ہیں حق یہ ہے کہ ثقہ ہیں اگرچہ بعض نے انہیں ضعیف بھی کہا ہے ان کے چچا صحابی ہیں جن کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ مگر صحابی کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔ کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں (اشعہ و مرقات) ۲؎ شخص سے مراد حربی کافر کے علاوہ دیگر لوگ ہیں یہ حدیث بہت سے احکام کا ماخذ ہے مالی جرمانے کسی کی چوری، کسی کا مال لوٹ لینا، کسی کا مال جبرًا نیلام کردینا۔ یہ سب حرام ہے خیال رہے کہ دیوالیہ کا مال درحقیقت اس کے قرض خواہوں کا مال ہے اس لئے حاکم دیوالیہ کی اجازت کے بغیر نیلام کردیتا ہے، غرضیکہ بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں لا تظلموا کے معنی ہیں کہ غیر پر ظلم نہ کرو یا اپنے پر ظلم نہ کرو۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا شِغَارَ فِی الْاِسْلَامِ وَمَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۲۸۱۹) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا اسلام میں نہ تو دور سے لانا جائز نہ دور لے جانا جائز ۱؎ نہ شغار حلال ۲؎ اور جو لوٹ مچائے وہ ہم میں سے نہیں ۳؎ (ترمذی)

(۲۸۱۹) ۱؎ جلب و جنب زکوۃ میں بھی ہوتا ہے۔ اور گھوڑ دوڑ میں بھی۔ ہم نے یہ معنی زکوۃ کے جلب و جنب کے کئے ہیں اس کی شرح کتاب الزکوۃ میں گزر چکی گھوڑ دوڑ میں گھوڑے کے ساتھ دوسرا گھوڑا لگانا اس پر سے اس گھوڑے کو ڈانٹنا جلب ہے اور دوسرا گھوڑا خالی رکھنا کہ اس کے تھکنے پر اس پر سوار ہوجائے جنب ہے (لمعات) ۲؎ نکاح کے عوض نکاح کرنا کہ ہر ایک نکاح دوسرے نکاح کا مہر ہو شغار کہلاتا ہے امام اعظم کے ہاں یہ نکاح درست ہوگا اور شرط باطل مہر مثل واجب ہوگا بعض اماموں کے ہاں نکاح ہی درست نہیں ان شاء اللہ اس کی بحث کتاب النکاح میں ہوگی۔ ۳؎ یعنی ہماری جماعت سے نہیں یا ہمارے طریقہ سے نہیں ہم لوٹنے لٹانے یعنی بکھیر کا فرق پہلے عرض کرچکے ہیں۔

وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَاْخُذْ اَحَدُكُمْ عَصَا اَخِيْهِ لَاعِبًا جَادًّا فَمَنْ اَخَذَ عَصَا اَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا اِلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ رِوَايَتُهٗ اِلٰى قَوْلِهٖ جَادًّا۔

(۲۸۲۰) روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے وہ اپنے والد سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ۱؎ فرمایا تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کی لاٹھی نہ تو دل لگی سے لے نہ ارادۃً جو اپنے بھائی کی لاٹھی لے لے وہ اسے واپس دے دے ۲؎
(ترمذی، ابوداؤد) اور ابوداؤد کی روایت جادًا تک ہے۔

(۲۸۲۰) ۱؎ آپ صغیرالسن صحابی ہیں ۲ھ میں پیدا ہوئے حجۃ الوداع میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ سات سال کے تھے آپ کی کنیت ابویزید کندی ہے حضرت عمر نے آپ کو بازار مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا ۸۰ھ یا ۸۶ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

آپ مدینہ منورہ کے آخری صحابی ہیں جو وہاں فوت ہوئے۔ ۲؎ عصا وہ معمولی لاٹھی کہلاتی ہے جو بوڑھوں کے ہاتھوں میں رہتی ہے کبھی جانور ہانکنے کی قمچی کو عصا کہہ دیتے ہیں۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کسی کی معمولی چیز بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر نہ لو۔ اگر نادانی میں لے چکے ہو تو معلوم ہونے پر فوراً واپس کردو۔ چیز چھپانے چرانے کا مذاق بھی جائز نہیں (اشعہ)

وَعَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَّجَدَ عَيْنَ مَالِهٖ عِنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ وَ يَتَّبِعُ الْبَيِّعُ مَنْ بَاعَهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ

(۲۸۲۱) روایت ہے حضرت سمرہ سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو کسی شخص کے پاس بعینہ اپنا مال پائے وہ ہی اس کا حق دار ہے ۲؎ اور خریدار بیچنے والے کا پیچھا کرے ۳؎ (احمد،ابوداؤد،نسائی)

(۲۸۲۱) ۱؎ آپ سمرہ ابن جندب فزاری ہیں انصار کے حلیف بہت احادیث کے حافظ ہیں ۵۹ھ میں بصرہ میں وفات پائی ۲؎ یہ جملہ پہلے بھی دیوالیہ کے بیان میں گزر گیا ہے۔ وہاں اس کا مطلب اور تھا یہاں غصب چوری یا ڈکیتی کا مال مراد ہے۔ یعنی اگر غاصب یا چور یا ڈاکو چوری کا مال فروخت کردے۔ پھر مالک خریدار کے پاس وہ مال پائے تو اس سے لے لے گا خریدار یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے خریدا ہے۔ اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے ایک یہ کہ ناجائز قبضہ سے قابض مالک نہیں ہوجاتا، چور، رشوت خور، سود خور، چوری، رشوت اور سود کے مال کے مالک نہیں، کہ یہ ناجائز قبضے ہیں۔ دوسرے یہ کہ غیر کا مال بغیر اس کی اجازت فروخت نہیں کرسکتے اگر فروخت کردیا تو بیع درست نہ ہوگی ۳؎ یعنی مالک سے خریدار قیمت نہیں، مانگ سکتا بلکہ چیز اس کے حوالے کردے گا اور بیچنے والے کا پیچھا کرے گا اور اس سے قیمت لے گا، لیکن اگر کوئی شخص جانتے ہوئے چور یا غاصب سے چیز سستی خریدے تو مجرم ہے کہ یہ چور و غاصب کا مددگار معاون ہے حدیث میں اس خریدار کا ذکر ہے جو بے خبری سے غاصب سے خریدے۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَى الْيَدِ مَا اَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۸۲۲) روایت ہے ان ہی سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی حتی کہ اسے ادا کردے ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

(۲۸۲۲) ۱؎ یعنی ہاتھ سے مراد ہاتھ والا ہے مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی کا مال عاریت، امانت، ودیعت غصب وغیرہ کسی ذریعہ سے لے۔ اس پر اس مال کا لوٹانا واجب ہے جب تک کہ لوٹا نہ دے گا ذمہ دار رہے گا اگر مال ہلاک ہوجائے تو غاصب پر تاوان لازم ہے امانت وغیرہ میں تاوان نہیں اور ہلاک کردینے کی صورت میں سب پر تاوان ہے غاصب پر بہرحال واپس کرنا لازم ہے، مالک مانگے یا نہ مانگے، عاریت میں مدت معینہ پوری ہوجانے پر بغیر مانگے واپس کرنا لازم ہے مگر امانت بغیر مانگے واپس دینا لازم نہیں۔ مانگنے پر لازم ہے (ازمرقات مع زیادۃ)

وَعَنْ حَرَامِ بْنِ سَعْدِ بْنِ مُحَيِّصَةَ اَنَّ نَاقَةً لِّلْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ دَخَلَتْ حَآئِطًا فَاَفْسَدَتْ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَلٰى اَهْلِ الْحَوَآئِطِ حِفْظُهَا بِالنَّهَارِ وَاَنَّ مَا اَفْسَدَتِ الْمَوَاشِيْ بِاللَّيْلِ ضَامِنٌ عَلٰى اَهْلِهَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۸۲۳) روایت ہے حضرت حرام ابن سعد ابن محیصہ سے ۱؎ کہ براء ابن عازب کی اونٹنی کسی باغ میں گھس گئی ۲؎ اسے خراب کردیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ یہ فرمایا کہ دن میں تو باغ والوں پر باغ کی حفاظت لازم ہے ۳؎ اور رات میں جانور جو بربادی کرجائیں ان کے جانور والے ضامن ہیں ۴؎ (مالک،ابوداؤد،ابن ماجہ)

(۲۸۲۳)۱؎حرام تابعی ہیں ان کے والد صحابی' حرام اپنے والد اور براء ابن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔۱۱۳ھ میں وفات پائی ثقہ ہیں (مرقات واشعہ)۲؎عربی میں بستان یا روضہ ہر باغ کو کہتے ہیں۔مگر حائط وہ باغ کہلاتا ہے جس کے اردگرد دیوار ہو۳؎ یعنی باغ والے نے دربار رسالت میں فریاد کی۔تو فیصلہ یہ فرمایا کہ دن میں باغ والے اپنے باغ کی نگرانی کریں۔کسی جانور کو نہ گھسنے دیں کیونکہ دن میں عموماً جانور کام کاج کو نکلتے ہیں ان کے مالک ان کی پوری نگرانی نہیں کرسکتے۔اور رات کو جانور والے اپنے جانوروں کی نگرانی کریں۔کہ رات میں جانور باندھے جاتے ہیں۴؎خلاصہ فیصلہ یہ ہے کہ اگر کسی کا جانور کسی دوسرے کا باغ یا کھیت دن میں خراب کر دیں تو اس کا تاوان جانور والے پر نہیں کہ قصور باغ والے کا اپنا ہے۔اور اگر رات میں یہ واقعہ ہوا تو جانور والے پر برباد شدہ باغ کی قیمت باغ کے مالک کو دینا لازم ہے۔کیا ہی نفیس فیصلہ ہے آج کل حکومتیں ایسے جانور کو پکڑ کر قید کردیتی ہیں اور مالک جانور سے جرمانہ خود وصول کرلیتی ہیں جس کا باغ یا کھیت اجڑا اسے کچھ نہیں ملتا یہ ظلم ہے۔حضرت امام شافعی و مالک کے ہاں اگر مالک جانور کے ساتھ ہو اور پھر جانور کھیت برباد کرے منہ سے یا پاؤں سے تو بہرحال جانور والے پر تاوان ہے دن میں برباد کرے یا رات میں' اگر مالک ساتھ نہ ہو تو وہ تفصیل ہے جو یہاں مذکور ہے۔احناف کے ہاں اگر مالک کے ساتھ نہ ہو تو تاوان واجب نہیں خواہ دن میں ہلاکت ہو یا رات میں تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے (ازمرقات)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّجْلُ جُبَارٌ وَقَالَ النَّارُ جُبَارٌ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۸۲۴) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھر باطل ہیں اور فرمایا آگ باطل ہے۱؎(ابوداؤد)

(۲۸۲۴)۱؎یعنی جو چیز جانور کے پاؤں تلے آکر برباد و ہلاک ہو جائے اس کا ضمان مالک پر نہیں' یونہی اگر کسی کے گھر کی آگ اڑ کر دوسرے کی چیز کو جلا دے تو آگ والے پر ضمان نہیں' یہ دونوں حکم اس صورت میں ہیں کہ مالک جانور اور آگ والے کی زیادتی نہ ہو' اگر ہوگی تو تاوان لازم ہوگا مثلاً آندھی چلتے ہوئے کوئی بلاوجہ بے احتیاطی سے آگ جلائے جس سے دوسرے کے گھر میں آگ لگ جائے تو یقیناً تاوان واجب ہوگا' یونہی بے احتیاطی سے جانور یا موٹر تیز دوڑائے کہ کوئی کچل جائے تو تاوان یقیناً لازم ہے' آج کل حکومت بے احتیاط ڈرائیور پر جرمانے وغیرہ کرتی ہے' ریل کے حادثہ کی صورت میں کانٹے والے یا دوسرے ذمہ دار لوگ پکڑے جاتے ہیں' ان کا ماخذ اس قسم کی احادیث ہیں' بہرحال قصوروار کی پکڑ ہے' بے قصور معافی میں ہے۔

وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمْ عَلٰی مَاشِیَةٍ فَاِنْ کَانَ فِیْهَا صَاحِبُهَا فَلْیَسْتَاذِنْهُ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْهَا فَلْیُصَوِّتْ ثَلٰثًا فَاِنْ اَجَابَهٗ اَحَدٌ فَلْیَسْتَاذِنْهُ وَاِنْ لَّمْ یُجِبْهُ اَحَدٌ فَلْیَحْتَلِبْ وَلْیَشْرِبْ وَلَا یَحْمِلْ . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۸۲۵) روایت ہے حضرت حسن سے وہ حضرت سمرہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جانوروں پر آئے تو اگر ان میں ان کا مالک موجود ہو تو اس سے اجازت لے لے۱؎اور اگر وہاں مالک نہ ہو تو تین آوازیں دے اگر کوئی اس کی آواز کا جواب دے تو اس سے اجازت لے لے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو دودھ لے اور پی لے مگر لے نہ جائے۲؎(ابوداؤد)

(۲۸۲۵)۱؎اور اجازت لے کر جانور دوھے' دودھ پئے' کہ مالک کی اجازت پر اس کی چیز استعمال کرسکتے ہیں۔۲؎یہ حکم اس مجبور و مضطر کے لئے ہے جو بھوک سے مر رہا ہو' اور کوئی کھانے کی چیز میسر نہ ہو وہ ایسی مجبوری میں اس جانور کا دودھ بغیر مالک کی اجازت بھی پی لے

بلکہ اگر مالک موجود ہو اور اجازت نہ دے تب بھی پی لے کہ جان جارہی ہے اس کا بچانا ضروری ہے' پھر جب خدا دے تو اس کی قیمت مالک کو ادا کردے' اور یہ پینا بھی بقدر ضرورت جائز ہے جس سے جان بچ جائے' بلا ضرورت یا ضرورت سے زیادہ ہرگز نہ پئے' (مرقات' لمعات وغیرہ) ایسی مجبوری میں تو مردار بلکہ سور وغیرہ حرام گوشت بھی حلال ہوجاتے ہیں۔ رب فرماتا ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ (۵'۳) تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو یوں کہ گناہ کی طرف نہ جھکے (کنزالایمان) اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لے نہ جائے کہ یہ ضرورت سے زیادہ ہے لہٰذا حدیث پر چکڑالویوں کا یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اس میں چوری جائز کردی گئی۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ حَآئِطًا فَلْیَاْکُلْ وَلَا یَتَّخِذْ خُبْنَۃً . (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ .

(۲۸۲۶) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی باغ میں جائے وہ کھاتو لے ذخیرہ نہ کرے[1] (ترمذی' ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۲۸۲۶)[1] اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ بھوکا مسافر جب بھوک سے جاں بلب ہو اور کسی باغ پر گزرے جس کا مالک موجود نہیں' یا ہے تو اجازت نہیں دیتا' ایسی حالت میں اس کی بغیر اجازت بقدر بقاء حیات پھل کھالے' لے نہ جائے' پھر آمدنی ہونے پر اس کی قیمت ادا کردے لہٰذا حدیث واضح ہے۔ خبنہ خ کے پیش ب کے جزم سے خبن سے بنا بمعنی دامن' دامن میں چھپائی چیز کو خبنہ کہتے ہیں' پھر ہر ذخیرہ کی ہوئی چیز کو خبنہ کہنے لگے (اشعہ' مرقات' لمعات)

وَعَنْ اُمَیَّۃَ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اسْتَعَارَمِنْہُ اَدْرَاعَہٗ یَوْمَ حُنَیْنٍ فَقَالَ اَغَصْبًا یَا مُحَمَّدُ قَالَ بَلْ عَارِیَۃً مَّضْمُوْنَۃً . (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۸۲۷) روایت ہے حضرت امیہ ابن صفوان سے وہ اپنے والد سے راوی[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حنین کے دن ان کی زرہ عاریۃً لی وہ بولے یا رسول اللہ کیا غصب سے لیتے ہیں[2] فرمایا نہیں بلکہ عاریۃً جس کا ضمان دیا جائے گا[3] (ابوداؤد)

(۲۸۲۷)[1] امیہ کے والد کا نام صفوان ابن امیہ ابن خلف جمحی ہے' یہ قرشی ہیں' فتح مکہ کے دن یہ بھاگ گئے تھے' عمیر ابن وھب اور وھب ابن عمیر نے ان کے لئے حضور سے امان لے لی' حضور انور نے ان دونوں کو اپنی چادر عنایت کی' فرمایا صفوان کو دے دو' یہ امان کی چادر ہے' چنانچہ یہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے' مگر ایمان نہ لائے' غزوہ حنین و طائف میں موجود رہے مگر بحالت کفر' حضور انور نے انہیں ان دونوں غزووں کی غنیمت سے دیا' تالیف قلب کے لیے' تب حضور کی داد و دہش دیکھ کر آپ ایمان لے آئے مکہ مکرمہ میں رہے' پھر ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے' حضرت عباس کے پاس ٹھہرے' حضرت عباس نے ان کی آمد کی خبر حضور انور کو دی' حضور نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں' ان کی بیوی ایک ماہ پہلے ایمان لاچکی تھی' آپ کا نکاح قائم رکھا گیا' صفوان مکہ معظمہ میں ۴۲ھ میں فوت ہوئے ان کا اسلام قبول ہوا بڑے فصیح و اشراف مکہ میں تھے (اکمال' مرقات)[2] ابھی صفوان ایمان نہ لائے تھے' بحالت کفر ہی مدینہ منورہ میں ٹھہرائے گئے تھے تاکہ قرآن شریف سنیں' شاید ایمان کی توفیق مل جائے' ورنہ مکہ معظمہ واپس جائیں اس وقت کا یہ واقعہ ہے آپ آداب سے واقف نہ تھے' ورنہ مومن ایسی بات کبھی نہیں کہہ سکتا' اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے عاریۃً ہتھیار زرہ وغیرہ لے کے جہاد کرسکتے ہیں[3] یہاں ضمان

سے مراد خود اس زرہ کی واپسی ہے نہ کہ گم ہو جانے کی صورت میں اس کی قیمت کیونکہ عاریت والی چیز مستعیر کے پاس امانت ہوتی ہے۔ہلاک ہو جانے پر اس کا ضمان نہیں' یا مطلب یہ ہے کہ اگر بحالت جہاد یہ زرہ خراب ہوگئی تو ضمان دیا جائے گا کہ تلف کر دینے کی صورت میں عاریت کا ضمان ہے' حضرت علی' ابن مسعود' خواجہ حسن بصری' قاضی شریح کا یہ ہی مذہب' امام اعظم بھی یہ ہی فرماتے ہیں' مگر حضرت ابن عباس' ابو ہریرہ' عطاء فرماتے ہیں کہ عاریت تلف ہو جانے پر ضمان ہے' یہ ہی امام شافعی واحمد بن حنبل کا مذہب ہے وہ حضرات اس حدیث کے ظاہری معنی سے دلیل پکڑتے ہیں' امام صاحب کے نزدیک چونکہ عاریت امانت ہے لہٰذا تلف ہو جانے پر اس کا ضمان نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۸۲۸) روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عاریۃً (مانگی ہوئی چیز) ادا کی جائے اور عاریت کا جانور واپس کیا جائے[۱] قرض ادا کیا جائے اور کفیل ضامن ہے[۲] (ترمذی،ابوداؤد)

(۲۸۲۸)[۱] منحہ وہ دودھ کا جانور یا درخت یا زمین ہے جو عاریۃً کچھ روز کے لئے کسی کو دودھ پینے، پھل کھانے، کھیتی باڑی کرنے کو دیئے جائیں، یہ بھی عاریت کی ہی قسم ہے اور مردودہ کے معنی ہمارے ہاں یہ ہیں کہ اصل شے واپس کی جائے گی، امام شافعی کے ہاں یہ ہیں کہ ہلاک ہو جانے پر قیمت یا مثل بھی دیا جائے گا اس اختلاف کا ذکر ابھی گزر چکا[۲] یعنی مقروض زندگی میں تو خود قرض ادا کرے اور اگر بغیر ادا کئے مر جائے تو اس کے ورثاء اس کے مال سے ادا کریں، ادائے قرض میراث پر مقدم ہے اور قرض کا ذمہ دار وہ ہے، کہ اگر مقروض نہ دے تو یہ دے، خیال رہے کہ کفالہ اور حوالہ میں بڑا فرق ہے یہاں کفیل کا ذکر ہے۔

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو الْغِفَارِيِّ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا اَرْمِیْ نَخْلَ الْاَنْصَارِ فَاُتِیَ بِیَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا غُلَامُ لِمَ تَرْمِی النَّخْلَ قُلْتُ اٰكُلُ قَالَ فَلَا تَرْمِ وَكُلْ مِمَّا سَقَطَ فِیْ اَسْفَلِهَا ثُمَّ مَسَحَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اَشْبِعْ بَطْنَهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ) وَابْنُ مَاجَةَ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثُ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ فِیْ بَابِ اللُّقْطَةِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

(۲۸۲۹) روایت ہے حضرت رافع ابن عمرو غفاری سے فرماتے ہیں میں لڑکا تھا انصار کے درخت کھجور پر پتھر مار رہا تھا[۱] کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا فرمایا اے لڑکے درخت پر پتھر کیوں مارتا ہے میں نے عرض کیا کھاؤں گا[۲] فرمایا تو پتھر نہ مار اور جو نیچے گرے ان میں سے کھالے[۳] پھر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا فرمایا خدایا اس کا پیٹ بھر دے[۴] (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ) اور ہم حضرت عمرو ابن شعیب کی حدیث انشاءاللہ باب اللقطہ میں بیان کریں گے۔

(۲۸۲۹)[۱] یعنی پتھر کے ذریعہ کھجور کے پھل جھاڑ کر کھا رہا تھا، کہ مجھے باغ والے نے پکڑ لیا[۲] یعنی سخت بھوکا ہوں، مجبوراً جھاڑ کر کھا رہا ہوں، جان بچانا مقصود ہے نہ کہ چوری کرنا، یا گھر لے جانا[۳] یعنی درخت جھاڑنا ضرورت سے زائد ہے، گرے پھلوں سے بھی پیٹ بھر سکتا ہے، یہ اجازت بھی اس بنا پر دی گئی کہ میں بھوکا تھا، جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے ورنہ مالک کی اجازت کے بغیر گرے پھل بھی نہیں کھا سکتے، فقیر نے عراق میں دیکھا کہ گرے پھل کھانے کی مالک کی طرف سے عام اجازت ہوتی ہے، جیسے ہمارے کھیت کٹنے پر گری ہوئی بالیاں کھیت والے نہیں اٹھاتے ... [illegible] ... آخری جملہ کسی اور راوی کا کلام ہے ورنہ

رافع ابن عمرو فرماتے کہ میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اس جملے سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بھوکے تھے اور مجبوری کی حالت میں کھجوریں کھا رہے تھے اگرچہ ایسی حالت میں درخت سے توڑنے کی بھی اجازت ہے مگر جبکہ نیچے گرے ہوئے پھلوں سے حاجت پوری ہو سکتی ہے تو توڑنے کی کیا ضرورت۔لہذا حدیث واضح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ　تیسری فصل

عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرْضِيْنَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۸۳۰) روایت ہے حضرت سالم سے وہ اپنے باپ سے راوی[۱] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زمین کا کچھ حصہ ناحق لے لے اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا[۲] (بخاری)

(۲۸۳۰)[۱] ان کے والد سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں آپ فاروق اعظم کے پوتے ہیں، تابعی ہیں فقہاء مدینہ سے ہیں ۱۰۶ھ میں مدینہ پاک میں انتقال ہوا، آپ کی کنیت ابو عمرو قرشی ہے۔[۲] یہ عذاب تو قیامت کے دن ہوگا بعد میں دوزخ کا عذاب اس کے علاوہ ہے کیونکہ حقوق العباد میں بڑا فرق ہے کہ اور چیزیں فانی ہیں، زمین پشت بایشت تک باقی رہتی ہے اس کی سزا بھی زیادہ، لمعات میں فرمایا گیا کہ بعض غاصبین زمین کو دھنسانے کی سزا دی جائے گی اور بعض کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی، لہذا یہ حدیث طوق والی حدیث کے خلاف نہیں (لمعات) اور ہو سکتا ہے کہ ایک ہی غاصب کو دو وقت میں یہ دو عذاب ہوں۔

وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِغَيْرِ حَقِّهَا كُلِّفَ اَنْ يَّحْمِلَ تُرَابَهَا الْمَحْشَرَ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۸۳۱) روایت ہے حضرت یعلی ابن مرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ناحق کوئی زمین لے لے تو اسے اس کا مکلف کیا جائے گا اس کی ساری مٹی سارے محشر میں اٹھائے پھرے[۱] (احمد)

(۲۸۳۱)[۱] یہ غاصب زمین کا دوسرا عذاب ہے، اور اس کے سر پر اتنے حصے کی تحت الثریٰ تک کی مٹی رکھی جائے گی اور کہا جائے گا سارے محشر میں اٹھائے پھر، آج دھوپ میں ایک ٹوکرا مٹی لے کر چلنا وبال جان ہوتا ہے تو سوچ لو کہ قیامت کی دھوپ میں اتنا بوجھ لے کر سارے محشر میں پھرنا کیسا ہوگا۔ اللہ کی پناہ، خیال رہے کہ یہ تکلیف شرعی نہ ہوگی۔ تکلیف شرعی کی جگہ دنیا ہے بلکہ عذابی وعقابی تکلیف ہوگی۔

وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَيُّمَا رَجُلٍ ظَلَمَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ كَلَّفَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَّحْفِرَهٗ حَتّٰى يَبْلُغَ اٰخِرَ سَبْعِ اَرْضِيْنَ ثُمَّ يُطَوَّقُهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۸۳۲) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ظلماً بالشت بھر زمین لے لے اللہ اسے اس کا مکلف کرے گا اسے سات زمینوں کی تہ تک کھودے پھر قیامت کے دن تک اس کا طوق پہنائے گا حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے[۱] (احمد)

(۲۸۳۲)۱؎ یہ غاصب زمین کا تیسرا عذاب ہے، یا ایک ہی شخص کو یہ تینوں عذاب تین وقت میں دیئے جائیں گے یا کسی کو وہ گزشتہ عذاب اور کسی کو یہ یعنی یہ شخص خود سات تہ زمین تک بورنگ (BORING) کرے اور خود ہی اپنے گلے میں طوق بنا کر پہنے پھرے۔ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ سے مراد ہے قیامت کا آخری حصہ جس کی تفسیر حتی یقضی الخ ہے، خیال رہے کہ قیامت میں مومن کے بعض علانیہ گناہوں کی سزا علانیہ ہوگی، لہذا یہ حدیث پردہ پوشی کی احادیث کے خلاف نہیں۔

بَابُ الشُّفْعَةِ
شفعہ کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

شفعہ شین کے پیش سے ہے شفع سے بنا بمعنی جوڑنا ملانا، اسی لئے جفت عدد کو شفع کہتے ہیں اور طاق کو وتر، رب فرماتا ہے: وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ سفارش کو شفاعت اور سفارشی کو شفیع کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے کو ملزم کے ساتھ ملا دیتا ہے حق قرب کو شفعہ اس لئے کہتے ہیں کہ شفیع دوسری زمین خرید کر اپنی زمین سے ملاتا ہے دیگر اماموں کے ہاں صرف شرکت والے کو حق شفعہ پہنچتا ہے مگر ہمارے امام اعظم کے ہاں پڑوسی کو بھی پہنچتا ہے جسے حق جوار کہتے ہیں، اس پر حدیث صحیحہ وارد ہیں۔ ایک روایت میں امام احمد ابن حنبل بھی امام اعظم کے ساتھ ہیں فریقین کے دلائل کتب فقہ میں دیکھئے، ہم بھی ان شاء اللہ موقع پر عرض کریں گے (از اشعہ)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ فَاِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَاشُفْعَةَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۸۳۳) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس زمین پر شفعہ کا فیصلہ فرمایا جو تقسیم نہ کی گئی ہو۱؎ مگر جب حدیں مقرر ہوگئیں اور راستے پھیر دیئے گئے تو شفعہ نہیں۲؎ (بخاری)

(۲۸۳۳)۱؎ یعنی جس زمین میں دو شخص شریک ہیں ان میں سے ایک شخص اپنا حصہ فروخت کر رہا ہے تو دوسرا شریک ہی خریدے گا، اگر یہ نہ خریدے تو دوسرا خرید سکتا ہے، اگر اس شریک کی بےخبری میں یہ زمین وغیرہ فروخت ہوگئی تو شریک مطلع ہوکر وہ بیع ختم کرا سکتا ہے، اس حدیث کا عموم بتا رہا ہے کہ زمین قابل تقسیم ہو یا نہ ہو بہرحال حق شفعہ اس میں ہوگا، امام شافعی کے ہاں ناقابل تقسیم میں شفعہ نہیں، یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔۲؎ آخری جملہ حضرت جابر کا اپنا قول ہے۔حضور انور کا فرمان نہیں، حضور کا فرمان عالی مالم یقسم پر ختم ہوگیا (مرقات) اگر حضور انور کا فرمان عالی مانا جائے تو ان احادیث کے خلاف ہوگا جن میں پڑوسی کے حق شفعہ کا ثبوت ہے، اور اگر حضور عالی کا فرمان بھی ہو تب بھی اس کے معنی یہ ہیں کہ شفعہ شرکت نہ رہا کیونکہ شرکت تو ختم ہو چکی رہا شفعہ جوار یعنی پڑوسی کی وجہ سے حق شفعہ، یہ دوسری احادیث سے ثابت ہے، لہذا یہ جملہ ان احادیث کے خلاف نہیں کہ اس میں مطلقاً شفعہ کی نفی نہیں، شفعہ شرکت کی نفی ہے، لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں، تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ ہو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ شِرْكَةٍ لَّمْ تُقْسَمْ رَبْعَةٍ اَوْحَائِطٍ لَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّبِيْعَ حَتّٰى يُؤْذِنَ شَرِيْكَهٗ

(۲۸۳۴) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مشترکہ زمین میں جو تقسیم نہ کی گئی ہو شفعہ کا حکم دیا گھر یا باغ۱؎ کسی کو اپنے ساجھی کو خبر دیئے بغیر بیچنا جائز نہیں۲؎ پھر وہ

فَاِنْ شَآءَ اَخَذَ وَاِنْ شَآءَ تَرَكَ فَاِذَا بَاعَ وَلَمْ يُؤْذِنْهُ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ- (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ساجھی اگر چاہے لے لے اگر چاہے چھوڑ دے اور اگر اسے بغیر خبر دیئے بیچ دیا تو وہ ہی اس کا حق دار ہوگا۳؎ (مسلم)

(۲۸۳۴)۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ شفعہ صرف غیر منقول چیزوں میں ہوگا، جیسے گھر، باغ، کھیت وغیرہ منقولی چیز میں شفعہ نہیں، جیسے جانور، سامان وغیرہ، ہاں حمام وغیرہ جو نا قابل تقسیم ہے اس میں ہمارے ہاں شفعہ ہے شوافع کے ہاں نہیں۔۲؎ یہ ناجائز بمعنی گناہ نہیں بلکہ بمعنی جاری نہ ہونا ہے، یعنی اگر ایک شخص اپنا زمین کا حصہ بغیر ساجھی کو خبر کیئے بیچ دے تو یہ بیع لازم نہ ہوگی، ساجھی دعویٰ کر کے خود لے سکتا ہے، ۳؎ یعنی ساجھی کو اس بیع کی جب بھی خبر لگے تو وہ دعویٰ کر کے یہ بیع اپنے حق میں کرا سکتا ہے، کہ وہی قیمت جو خریدار نے دی ہے، خریدار کو ادا کر دے اور زمین پر قبضہ کر لے، اس سے معلوم ہوا کہ شفیع کا بیع کی خبر پا کر خاموش رہنا اس کے حق شفعہ کو باطل کر دیتا ہے ضروری ہے کہ اطلاع پاتے ہی کہہ دے کہ میں اس زمین کا شفیع ہوں اور میں اسے خریدوں گا، ذرا بھی خاموش رہا کہ حق شفعہ گیا، تفصیل کتب فقہ میں ہے، حق شفعہ کا مقصد یہ ہے کہ اس کے پڑوس میں کوئی ایسا آدمی نہ آبسے جو اس کے لئے تکلیف کا باعث ہو، اچھا پڑوس اللہ کی رحمت ہے اور برا پڑوس ربّ کا عذاب، اہل عرب کہتے ہیں الجار قبل الدار گھر سے پہلے پڑوسی کو دیکھو-

وَعَنْ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَارُ اَحَقُّ بِسَقَبِهٖ- (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

(۲۸۳۵) روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنا پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے حق دار ہے۱؎ (بخاری)

(۲۸۳۵)۱؎ سقب س اور ق کے زبر سے بمعنی قرب اور ملنا یعنی پڑوسی اپنے پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حقدار ہے غیر پڑوسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا، حضرت عمر ابن شرید سے مروی ہے کہ اس فرمان عالی پر حضور سے پوچھا گیا کہ سقب کیا چیز ہے، تو فرمایا سقبہ شفعتہ جب خود حضور سقب کی تفسیر شفعہ سے فرما رہے ہیں تو اس میں کسی اور تاویل کی گنجائش نہیں رہی اس لئے تمام محدثین حتی کہ امام بخاری بھی یہ حدیث باب الشفعہ میں لائے -لہذا یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ پڑوسی کو حق شفعہ ملتا ہے بعض لوگوں نے اس حدیث کے معنی یہ کیئے کہ پڑوسی حسن سلوک کا مستحق ہے نہ کہ شفعہ کا، وہ غلط ہیں، جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سقب کی شرح شفعہ سے فرمائی -تو اب کسی اور کی شرح کیونکر معتبر ہوسکتی ہے- ہاں اگر ایک زمین یا مکان میں کوئی شریک ہے، اور دوسرا پڑوسی، تو اس کا حق شفعہ شریک کو ملے گا نہ کہ پڑوسی کو، یہی اس پہلی حدیث کا مطلب ہے (لمعات ومرقات، اشعہ وغیرہ)

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهٗ اَنْ يَّغْرِزَ خَشْبَةً فِىْ جِدَارِهٖ- (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۳۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۸۳۶)۱؎ یعنی اگر تمہاری دیوار میں تمہارا پڑوسی کیل، کھونٹی، میخ وغیرہ گاڑنا چاہے اور تمہارا اس میں کوئی نقصان نہ ہو تو بہتر ہے کہ اسے منع نہ کرو، امام اعظم واحمد ابن حنبل کا یہی مذہب ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے، امام شافعی وغیرہم نے اسے وجوب پر محمول کیا مگر مذہب حنفی قوی ہے، کیونکہ یہی حدیث حضرت ابو ہریرہ نے صحابہ کرام پر پیش کی، تو وہ حضرات اس پر خاموش ہو گئے، تو جناب ابو ہریرہ ناراض ہو کر بولے ہیں، جانتا ہوں تم لوگ اس سے منہ پھیر چکے ہو میں تم ... معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ نے اس کو امر وجوبی نہ

سمجھا ورنہ اس پرعمل نہ چھوڑتے خیال رہے کہ فی زمانہ پڑوسی دوسرے کی دیوار میں کیل گاڑ کر دیوار کے دعویدار بن جاتے ہیں، اس لئے احتیاط چاہیے کہ یہ بھی ایک قسم کا نقصان ہے اورنقصان کی صورت میں منع کرنا بلاکراہت جائز ہے، صاحب کتاب یہ حدیث اس باب میں اس لئے لائے تاکہ معلوم ہوکہ پڑوسی کوشفعہ کی طرح دیوار میں کیل گاڑنے کا بھی حق ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِي الطَّرِيْقِ جُعِلَ عَرْضُهُ سَبْعَةَ اَذْرُعٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۸۳۷) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم راستہ کے متعلق جھگڑو تو راستہ کی چوڑائی سات گز رکھی جائے ۱؎ (مسلم)

(۲۸۳۷) ۱؎ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک جانب عمارتوں کی لائن بنی ہے، سامنے سفیدہ زمین پڑی ہو، اب اس کے مقابل دوسری جانب عمارتیں بننا شروع ہوگئیں، پرانی لائن والے چوڑا راستہ چھوڑانا چاہتے ہیں مگر یہ لوگ کم، تاکہ انہیں زمین زیادہ مل جائے تو سات ہاتھ یعنی پاکستانی ساڑھے تین گز چوڑا راستہ چھوڑا جائے، شریعت میں گز ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، لیکن اگر پہلے ہی راستہ زیادہ چوڑا چھوٹا ہوا ہو، تو اب کم کرنے کا کسی حق نہیں (لمعات ومرقات) خیال رہے کہ ذکر گلی کوچوں کا ہے، بڑی سڑکیں زیادہ چوڑی چھوڑی جائیں گی، اور اگرکسی کی زمین میں دوسروں کی کوٹھری تک جانے کا راستہ ہے، تو اتنی جگہ چھوڑی جائے کہ جنازہ اور بھری ہوئی مشک لے کرلوگ نکل سکیں، حق یہ ہے کہ راستوں کی چوڑائی زمان ومکان اورشہروں کے لحاظ سے مختلف ہے (مرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ دَارًا اَوْ عَقَارًا فَمِنْ اَنْ لَّا يُبَارَكَ لَهُ اِلَّا اَنْ يَّجْعَلَهُ فِيْ مِثْلِه۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۸۳۸) روایت ہے حضرت سعید ابن حریث سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا کہ تم میں سے جوبھی گھریا زمین بیچے وہ اس لائق ہے کہ اسے برکت نہ دی جائے مگر یہ کہ وہ پیسہ اس کی مثل میں لگائے ۱؎ (ابن ماجہ، دارمی)

(۲۸۳۸) ۱؎ یہ فرمان عالی بالکل برحق ہے جس کا تجربہ بہت ہی کیا گیا ہے کہ زمین کا پیسہ اگر زمین میں نہ لگایا جائے تو ہوا کی طرح اڑ جاتا ہے۔ چاہیے کہ زمین فروخت ہی نہ کرے، اوراگر کرے تو زمین ہی میں لگائے، ہم نے بہت لوگ بعد میں روتے دیکھے، یہاں مرقات نے فرمایا کہ غیرمنقولی چیز کی قیمت منقولی چیزوں میں لگانا بہترنہیں، کہ غیرمنقولی چیزیں نفع میں زیادہ ہیں آفات میں کم، کہ انہیں نہ چور چرا سکے نہ ڈاکو لے جاسکے، بلکہ زمین وغیرہ کا بیچنا ہی بہترنہیں (اشعہ، لمعات ومرقات) قربان اس محبوب کے جسے ہمارے دین کی بھی فکر ہے دنیا کی بھی صلی اللہ علیہ وسلم، طبرانی نے حضرت معقل ابن یسار سے بروایت حسن مرفوعًا روایت فرمائی کہ اگر کوئی بلاسخت ضرورت اپنا مکان بیچے، اللہ اس کا مال برباد کردیتا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَتِهٖ يُنْتَظَرُ لَهَا وَاِنْ كَانَ غَائِبًا اِذَا كَانَ طَرِيْقُهُمَا وَاحِدًا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ

(۲۸۳۹) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پڑوسی اپنے شفعہ کا حق دار ہے ۱؎ اس کا انتظار کیا جائے اگرچہ وہ غائب ہو جب کہ دونوں کا راستہ ایک ہو ۲؎

التِّرمِذِیُّ وَابُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ) (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)۳

(۲۸۳۹)۱یہ حدیث گزشتہ حدیث بخاری کی شرح ہے، وہاں بسقبہ تھا، اس حدیث نے بتایا کہ وہاں سقب سے مراد شفعہ ہے۔۲یعنی جو پڑوسی شفعہ کا حق پاتا ہے، وہ ہے جس کا راستہ اور اس کے گھر کا راستہ ایک ہو، ایسا ہی پڑوسی اگر غائب بھی ہوتو اس کے پیچھے مکان زمین نہ بیچے، اس کے آنے پر خبر دے کر فروخت کرے، ورنہ خریدار کو بھی تکلیف ہوگی اور اس پڑوسی کو بھی وہ مقدمہ کرے گا اور زمین واپس لے گا۔۳اس کی اسناد میں عبدالملک ابن ابی سلیمان عن عطا عن جابر ہے، بعض لوگوں نے عبدالملک ابن سلیمان میں طعن کیا کہ یہ قوی نہیں، مگر چونکہ حدیث بخاری سے اس کو قوت حاصل ہے، لہٰذا حدیث قابل عمل ہے، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے جب یہ حدیث لی تو عبدالملک اس کی اسناد میں شامل تھے ہی نہیں، اس وقت حدیث بالکل صحیح تھی، بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں (مرقات مع زیادۃ)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّرِیْكُ شَفِیْعٌ وَّالشُّفْعَةُ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ (رَوَاهُ التِّرمِذِیُّ) قَالَ وَقَدْ رُوِیَ عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْكَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلاً وَّهُوَ اَصَحُّ.

(۲۸۴۰) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ساجھی شفیع ہے اور شفعہ ہر چیز میں ہے۱ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث ابن ابی ملیکہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق ارسال مروی ہے یہ ہی زیادہ صحیح ہے۔۲

(۲۸۴۰)۱یعنی ہر غیر منقولی یا ہر قابل شفیع چیز میں شفعہ ہے، منقولی چیزوں میں شفعہ نہیں، بعض لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر حیوانات، سامان وغیرہ میں شفعہ مانا ہے مگر غلط ہے (مرقات)۲یعنی مرسل حدیث متصل سے اسناداً صحیح تر ہے حدیث مرسل سوائے امام شافعی کے تمام ائمہ کے ہاں قبول ہے اگر مرسل کو دوسری وجہ سے قوت ہو جائے تو ان کے ہاں بھی قبول ہے، خیال رہے کہ عبیداللہ ابن ابی ملیکہ ثقہ تابعی ہیں آپ عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں قاضی تھے۔رضی اللہ عنہم

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حُبَیْشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً صَوَّبَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ فِی النَّارِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ) وَقَالَ هٰذَا الْحَدِیْثُ مُخْتَصَرٌ یَعْنِیْ مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً فِیْ فَلَاةٍ یَسْتَظِلُّ بِهَا ابْنُ السَّبِیْلِ وَالْبَهَآئِمُ غَشْماً وَّظُلْماً بِغَیْرِ حَقٍّ یَكُوْنُ لَهٗ فِیْهَا صَوَّبَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ فِی النَّارِ۔

(۲۸۴۱) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حبیش سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیری کاٹے۱اللہ اسے اوندھے منہ آگ میں ڈالے (ابوداؤد) اور فرمایا یہ حدیث مختصر ہے کہ جو جنگل کی وہ بیری کاٹے جس سے مسافر سایہ لیتے ہوں۔اور محض ظلم وستم سے کاٹے اس میں اس کا کوئی حق نہ ہوتو اللہ اسے اوندھے منہ آگ میں ڈالے۲

(۲۸۴۱)۱اس سے مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کی بیری مراد ہے، حرم مکہ میں تو ہر خودرو درخت کا کاٹنا ممنوع ہے، مدینہ منورہ میں بیریاں کمیاب ہیں، نیز اس کا سایہ ٹھنڈا و مفید ہوتا ہے اس لئے خصوصیت سے بیری کا ذکر فرمایا۔۲یعنی یہ حدیث معنیً مختصر ہے اگرچہ الفاظ پورے ہیں گویا مجمل ہے قابل شرح ہے، غشم ظلم کو کہتے ہیں تو ظلماً عطف تفسیری ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جنگل کی بیری رفاہ عام کی چیز ہے جس سے انسان و حیوان فائدے اٹھاتے ہیں، اسے ظلماً کاٹ دینا سب سے ظلم ہے، اس لئے وہ کاٹنے والا دوزخ کا مستحق ہے، سر سے مراد سارا جسم ہے، اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ بلاضرورت مفید درخت کاٹنا ممنوع ہے اور درخت لگانا ثواب، کہ جب تک لوگ اس سے فائدہ حاصل

کرتے رہیں گے، اسے ثواب پہنچتا رہے گا، یہ بھی صدقہ جاریہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ تیسری فصل

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ اِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ فِی الْاَرْضِ فَلَا شُفْعَةَ فِيْهَا وَلَا شُفْعَةَ فِیْ بِئْرٍ وَلَا فَحْلِ النَّخْلِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

(۲۸۴۲) روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرماتے ہیں جب زمین میں حدیں مقرر کردی جائیں تو اس میں شفعہ نہیں[۱] اور نہ کنوئیں میں شفعہ ہے نہ نرکھجور میں[۲] (مالک)

(۲۸۴۲)[۱] یعنی اگر مشترک زمین کو تقسیم کرکے ہر حصہ کی حدود قائم کرلی جائیں، تو شرکت کا شفعہ جاتا رہا، اب اگر ہوگا تو شفعہ جوار ہوگا، اس کی بحث پہلے ہوچکی، لہذا یہ حدیث شفعۂ جوار کی احادیث کے خلاف نہیں[۲] اہل عرب مشترک باغ کے حصے فروخت کرتے تھے کبھی زمین کبھی کھجور، تو فرمایا گیا کہ اگر زمین فروخت ہوئی تو شفعہ ہے، لیکن اگر صرف کھجور فروخت کی تو شفعہ نہیں، کہ کھجور زمین نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی صرف عمارت فروخت کرے نہ کہ زمین، تو شفعہ نہ ہوگا۔

بَابُ الْمُسَاقَاةِ وَالْمُزَارَعَةِ پانی دینے اور کھیت کرانے کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

کسی سے اپنے باغ کو پانی دلوانا کچھ حصہ پیداوار کے عوض پر مساقات کہلاتا ہے، اور کسی کو ٹھیکہ پر زمین دینا کہ میری زمین، کاشت تم کرو، پیداوار میں تمہارا اتنا حصہ، مزارعت کہلاتا ہے، مساقات باغ میں ہوتی ہے مزارعت کھیت میں یہ دونوں مساقات ومزارعت امام اعظم کے ہاں ممنوع ہیں، صاحبین اور باقی اماموں کے ہاں درست، فتویٰ قول صاحبین پر ہے، امام اعظم فرماتے ہیں اس میں نامعلوم بلکہ معدوم چیز پر کرایہ ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا، شاید امام اعظم کو یہ احادیث پہنچی نہیں واللہ اعلم۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَ اِلٰی يَهُوْدِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ وَاَرْضَهَا عَلٰی اَنْ يَّعْتَمِلُوْهَا مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَلِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَطْرُ ثَمَرِهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَفِیْ رِوَايَةِ الْبُخَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطٰی خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ اَنْ يَّعْمَلُوْهَا وَيَزْرَعُوْهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا۔

(۲۸۴۳) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود کو خیبر کے کھجور کے باغ اور وہاں کی زمین اس شرط پر دی کہ اس میں اپنے مالوں سے کام کریں[۱] اور اس کے آدھے پھل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوں[۲] (مسلم) اور بخاری کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر یہود کو اس شرط پر دیا کہ کام کاج کریں اسے جوتیں بوئیں اور پیداوار کا آدھا ان کا ہوگا[۳]

(۲۸۴۳)[۱] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح فرمایا اور وہاں سے یہود کو نکالنا چاہا، تو انہوں نے عاجزی سے عرض کیا کہ ہمیں یہیں رہنے دیں اور جو چاہیں شرط لگالیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم جب تک چاہیں گے تمہیں رکھیں گے اس شرط پر کہ

یہاں کی تمام زمین ہماری ہوگی، باغبانی اور کاشتکاری کی محنت تم کرو گے، اس کا سامان بھی تمہارا ہوگا ہل بیل چرسہ وغیرہ، جو کچھ پیداوار ہو گی وہ آدھی تمہاری آدھی ہماری، چنانچہ زمانہ نبوی وعہد صدیقی میں ایسا ہی رہا، شروع خلافت فاروقی میں تو اس پر عمل رہا، مگر بعد میں آپ نے ان یہود کو اریحہ اور شام کی طرف نکال دیا، خیال رہے- کہ یہودی بڑے موذی وغدار تھے، مدینہ منورہ کے نکالے ہوئے بنی نضیر بھی یہیں آبسے تھے، غزوہ خندق انہی کی حرکتوں سے واقع ہوا، اللہ نے بچالیا ورنہ یہ تو ختم کر چکے تھے، یہ تو حضور کی وسعت قلبی تھی جو انہیں اتنی رعایتیں عطا فرمائیں، آج کل کی سی کوئی حکومت ہوتی تو دنیا سے ایسے غداروں کا بیج مٹا دیتی -۲؎ اور آدھے یہود کے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر مزارعت وغیرہ میں ایک فریق کے حصے کا ہی ذکر کیا جائے، دوسرے سے خاموشی رہے تب بھی جائز ہے، کیونکہ دوسرے کا حصہ خود بخود معلوم ہوجاتا ہے، اور یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام وہ مسلمان مراد ہیں جن کا خیبر میں حصہ تھا، ذکر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مگر مراد امت بھی ہے۳؎ دیا سے مراد ہے قبضہ میں دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کا کچھ حصہ صلح سے اور کچھ جنگ سے قبضہ میں آیا اسی لئے وہاں کے یہود غلام نہ بنائے گئے یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے جو مزارعت ومساقات دونوں کو جائز کہتے ہیں، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں مخابرہ سے منع کیا گیا وہاں وہ صورت مراد ہے کہ اجرت کے لیے کسی خاص حصے کی پیداوار مقرر ہو کہ اس حصے کی پیداوار تیری ہوگی باقی میری، لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں، امام اعظم فرماتے ہیں کہ خیبر کا یہ معاملہ مساقات یا مزارعت نہ تھا بلکہ بطور جزیہ تھا، اور آدھا ان کو دنیا بطور عطیہ، اس کی مکمل بحث یہاں مرقات میں دیکھئے۔

وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نُخَابِرُ وَلَانَرٰى بِذٰلِكَ بَاْسًا حَتّٰى زَعَمَ رَافِعُ بْنُ خَدِيْجٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهَا فَتَرَكْنَاهَا مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۸۴۴) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں ہم کھیتی باڑی کراتے تھے اور اس میں کچھ حرج نہ جانتے تھے۱؎ حتی کہ رافع ابن خدیج نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، تب اس وجہ سے ہم نے یہ کام چھوڑ دیا۲؎ (مسلم)

(۲۸۴۴)۱؎ مخابرہ کے وہی معنی ہیں جو ابھی عرض کئے گئے کہ زمین ایک کی ہو، محنت دوسرے کی، پیداوار مشترک۲؎ یہ حدیث ظاہری معنی سے امام اعظم کی دلیل ہے کہ کھیتی باڑی کسی اور سے کرانا مطلقاً ممنوع ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ اس سے خاص صورت مراد ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا اس کی دلیل اگلی حدیث ہے بہر حال فتویٰ قول صاحبین پر ہی ہے اور آج عمل بھی اس پر ہی ہے (لمعات)

وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَمَّايَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُكْرُوْنَ الْاَرْضَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يَنْبُتُ عَلَى الْاَرْبِعَاءِ اَوْشَيْءٍ يَسْتَثْنِيْهِ صَاحِبُ الْاَرْضِ فَنَهَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لِرَافِعٍ فَكَيْفَ هِيَ بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ فَقَالَ لَيْسَ بِهَا بَاْسٌ وَكَانَ الَّذِيْ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ مَالَوْ نَظَرَفِيْهِ ذُو الْفَهْمِ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ لَمْ يُجِيْزُوْهُ لِمَا فِيْهِ

(۲۸۴۵) روایت ہے حضرت حنظلہ ابن قیس سے وہ حضرت رافع ابن خدیج سے۱؎ راوی فرماتے ہیں مجھے میرے چچا نے خبر دی کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمین کرایہ پر دیتے تھے۲؎ اس کے عوض جو نالیوں پر اگ جائے یا اس چیز پر جسے زمین والا بیان کر دیتا تھا-۳؎ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا۴؎ میں نے حضرت رافع سے کہا کہ درہم و دینار کے عوض کیا ہے- فرمایا اس میں حرج نہیں۵؎ اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا وہ تو ایسی صاف چیز ہے۶؎ کہ اگر حلال وحرام کی سمجھ

مِنَ الْمُخَاطَرَةِ۔ رکھے اس میں غور کرے تو اسے جائز نہ رکھے کیونکہ اس میں جوا سا
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ہے۔[۶] (مسلم بخاری)

(۲۸۴۵)[۱] حنظلہ ابن قیس زرقی انصاری ہیں ثقہ تابعین سے ہیں، مدینہ پاک کے رہنے والے اور رافع ابن خدیج صحابی ہیں، آپ کے حالات جلد اول میں بیان ہو چکے۔[۲] انھم کا مرجع یا صحابہ ہیں یا ناس یا حضرت رافع ابن خدیج کے وہ تمام چچا جو زمین کے مالک تھے۔[۳] مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں یستبینہ ہے بیان سے مشتق اور بعض نسخوں میں یستثنیہ ہے استثناء کا مضارع، ہمارا ترجمہ پہلی روایت پر ہے، مطلب یہ ہے کہ زمین والا کرایہ دار کو جگہ دکھایا بتا دیتا تھا کہ اس کی پیداوار تیری ہو گی، باقی ساری زمین کی پیداوار میری۔[۴] یہ حدیث پہلی حدیث کی شرح ہے کہ حضور انور نے مطلقاً زمین کرایہ پر دینے سے منع نہ فرمایا بلکہ اس نوعیت کے کرایہ سے منع فرمایا کہ زمین کا کرایہ حصہ کی پیداوار سے ادا کیا جائے۔[۵] کیونکہ اس میں کسی کو کوئی دھوکہ نہیں، اس کرایہ کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ زمین والا مزارع کو حق خدمت روپیہ سے ادا کرے، دوسرے یہ کہ مزارع پیداوار ساری خود لے لے اور مالک کو نقد روپیہ دے، دونوں صورتیں جائز ہیں، ان پر آج کل بھی عمل ہے۔[۶] غالباً یہ کلام حضرت رافع ابن خدیج کا ہے یا کسی اور کا، مخاطرہ خطر سے بنا بمعنی دھوکا یا ہلاکت یا اندیشہ جوئے کو مخاطرہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں فریقین کو دھوکا ہوتا ہے کہ ہر ایک اندیشہ وفکر کرتا ہے کہ نہ معلوم میں ہاروں یا جیتوں، ایسے ہی یہاں ہے کہ زمین والے کو بھی اندیشہ ہے کہ شاید میرے حصہ کی زمین میں پیداوار بالکل نہ ہو یا بہت کم ہو، ایسے ہی مزارع کو دھوکا ہے وہ اندیشہ کرتا ہے کہ نہ معلوم کہ میرے حصہ میں پیداوار ہو کہ نہیں، اور ہو تو کتنی ہو، اس لئے اس سے منع فرما دیا گیا کہ اگر مطلقاً پیداوار کے مقرر حصے پر زمین دی کہ کُل پیداوار کا آدھا یا تہائی تیرا باقی میرا، تو بالکل جائز ہے، کہ اس میں نہ کسی کو اندیشہ ہے، نہ دھوکا، نقصان ہوا تو دونوں کا، نفع ہوا تو دونوں کا۔

وَعَنْ رَّافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا اَكْثَرَ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ حَقْلًا وَّ كَانَ اَحَدُنَا يُكْرِيْ اَرْضَهُ فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْقِطْعَةُ لِيْ وَهٰذِهٖ لَكَ فَرُبَّمَا اَخْرَجَتْ ذِهْ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهْ فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۴۶) روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ والے زیادہ زمیندار تھے[۱] اور ہم میں سے بعض اپنی زمین کرایہ پر دیتے تھے وہ کہتا تھا یہ ٹکڑا میرا ہے اور یہ تمہارا ہے[۲] تو بہت دفعہ اس ٹکڑے میں پیداوار ہوتی تھی اور اس میں نہ ہوتی تھی[۳] اس لئے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا[۴] (مسلم بخاری)

(۲۸۴۶)[۱] یعنی زمینوں کے مالک، پنجاب میں کاشتکار کو زمیندار کہتے ہیں، وہ معنی یہاں نہیں، عربی میں حقل زمین کو کہتے ہیں اور محاقلہ بالی میں دانہ کی بیع دوسرے کھلے دانہ کے عوض۔[۲] یعنی اے مزارع اس میں جو پیداوار ہو گی وہ بحق مالکانہ میری ہے، اور اس ٹکڑے میں جو پیداوار ہو گی وہ بحق خدمت تیری، دونوں جگہ دکھا کر معین کر دیتے تھے۔[۳] اس لئے کبھی زمین کا مالک محروم ہو جاتا تھا اور کبھی مزارع محروم، پھر جھگڑے فساد ہوتے تھے کہ محروم دوسرے کے حصے سے لینا چاہتا تھا وہ دیتا نہ تھا، جیسا کہ ہارا ہوا جواری جیتے ہوئے سے لڑ پڑتا ہے جس سے مار پٹائی بلکہ کبھی قتل وخون ہو جاتا ہے۔[۴] اور جھگڑے فساد کی جڑ کاٹ دی۔

وَعَنْ عَمْرٍو قَالَ قُلْتُ لِطَاوُسٍ لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ فَاِنَّهُمْ يَزْعُمُوْنَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۲۸۴۷) روایت ہے حضرت عمرو سے[۱] فرماتے ہیں میں نے طاؤس سے کہا[۲] کاش آپ کھیتی کرانا چھوڑ دیتے کیونکہ لوگ کہتے

وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ قَالَ اَىْ عَمْرُو اِنِّىْ اُعْطِيْهِمْ وَ اُعِيْنُهُمْ وَاِنَّ اَعْلَمَهُمْ اَخْبَرَنِىْ يَعْنِىْ ابْنَ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلٰكِنْ قَالَ اَنْ يَّمْنَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّاْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَّعْلُوْمًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے[۳] وہ بولے اے عمرو میں انہیں زمین دیتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں[۴] اور صحابہ کے بڑے عالم نے مجھے خبر دی ہے یعنی حضرت ابن عباس نے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہ فرمایا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کا اپنے بھائی کو عاریۃً زمین دے دینا کچھ مقرر اجرت لینے سے بہتر ہے[۵] (مسلم بخاری)

(۲۸۴۷)[۱] یہاں عمرو سے مراد عمرو ابن دینار ہیں جن کی کنیت ابو یحییٰ ہے، تابعین میں سے نہایت متقی ثقہ ہیں، عمرو ابن واقد دمشقی یا عمرو ابن میمون اودی یا عمرو ابن تشرید ثقفی مراد نہیں (لمعات و مرقات) [۲] طاؤس ابن کیسان ائمہ دین علمائے تابعین بہتر صالحین سے ہیں، چالیس حج کئے، مقبول الدعاء تھے، حضرت عبداللہ ابن عباس کے خاص صحبت یافتہ، عمرو ابن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس جیسا عالم، عامل نہ دیکھا، آپ نے مکہ معظمہ میں ۱۰۵ھ میں وفات پائی، آپ سے امام زہری اور کئی ایک خلفاء نے روایات لیں ہیں [۳] کھیتی کرانے کے متعلق صحابہ کا اختلاف رہا، بعض حضرات مطلقاً ناجائز سمجھتے تھے، انہیں یا تو مفصل حدیث نہ پہنچی تھی یا وہ حدیث کا مطلب نہ سمجھے تھے اس لئے عمرو ابن دینار نے یزعمون فرمایا [۴] یعنی یہ کام ناجائز نہیں اور اس میں غریبوں کی مدد ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ اس زمین میں کام کرکے پیٹ پال لیتے ہیں، غرضیکہ یہ کام جائز بھی ہے نافع بھی [۵] خلاصہ یہ ہے کہ وہ ممانعت تحریم یا کراہت کی نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ کے لئے ہے یعنی غریب بھائی کو عاریۃً زمین دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس سے کچھ کرایہ لیا جائے، کہ کبھی زمین میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا، اور کرایہ اس پر بلاوجہ پڑ جاتا ہے، خیال رہے کہ رافع ابن خدیج کو یہ احادیث مختلف ذرائع سے پہنچیں۔ بعض احادیث انہوں نے براہ راست حضور سے سنیں، بعض احادیث اپنے چچاؤں کی معرفت پہنچیں، اس لئے وہ کبھی تو فرماتے ہیں، میں نے حضور انور سے سنا اور کبھی فرماتے ہیں مجھ سے میرے بعض چچاؤں نے کہا انہوں نے حضور سے سنا، لہذا حدیث میں اضطراب نہیں بلکہ روایات میں اختلاف ہے، لہذا یہ احادیث مضطرب اصطلاحی نہیں، اس لئے مسلم بخاری نے ان احادیث کی تخریج فرمائی ورنہ اصطلاحی اضطراب حدیث کو ضعیف کر دیتا ہے، اور کرایہ زمین کی ممانعت کی بہت وجوہ احادیث میں وارد ہیں، بعض میں ہے کہ کرایہ نہ لینا اپنے بھائی مسلمان کو یوں ہی عاریۃً دے دینا افضل ہے، بعض میں ہے کہ کاشت وغیرہ کی وجہ سے جہاد سے باز نہ رہو، بعض میں ہے کہ جب اسی کرایہ کی بناء پر جھگڑے بڑھ گئے تو حضور انور نے اس سے منع فرمادیا، بعض میں ہے کہ زمیندار کاشتکار کے لئے زمین کے حصے مقرر کر دینا کہ اس کی پیداوار تیری اتنے کی میری اس سے منع فرمایا، غرضیکہ بعض صورتوں میں مزارعت جائز ہے بعض میں مکروہ بعض صورتوں میں بالکل ممنوع، تمام احادیث درست ہیں۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْلِيَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۴۸) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے پاس زمین ہو تو وہ اسے خود بوئے یا کسی اپنے بھائی کو عاریۃً دے دے اگر نہ مانے تو اپنی زمین روک رکھے[۱] (مسلم بخاری)

(۲۸۴۸)[۱] یہ امر اخلاقی ہے یعنی تقاضا ئے اخلاق یہ ہے کہ یا تو اپنے مال سے خود نفع اٹھاؤ یا دوسروں کو نفع پہنچاؤ، اگر یہ دونوں

کام نہیں کرتا تو وہ جانے، سنبھال رکھے، اپنی زمین یہ زمین غیر نافع ہے، اور ممکن ہے کہ انکار کرنے والا دوسرا شخص ہو، یعنی اگر دوسرا آدمی اس عاریت کو قبول نہ کرے تو اپنی زمین محفوظ رکھے، کچھ روز کاشت نہ کرنے سے زمین کی طاقت بڑھتی ہے، یہ روکنا بھی اسے مفید ہوگا۔

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّهٗ رَاٰى سُكَّةً وَّشَيْئًا مِّنْ اٰلَةِ الْحَرْثِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَايَدْخُلُ هٰذَا بَيْتَ قَوْمٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ الذِّلَّ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۸۴۹) روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ انہوں نے ہل اور کچھ کھیتی باڑی کا سامان دیکھا ۱؎ تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ چیزیں کسی کے گھر میں داخل نہ ہوں گی مگر اللہ اس گھر میں ذلت ڈال دے گا ۲؎ (بخاری)

(۲۸۴۹) ۱؎ یا تو کسی گھر میں رکھے ہوئے دیکھے یا کسی کو وہ آلات استعمال کرتے ملاحظہ فرمایا ۲؎ یہ فرمان عالی شان اس زمانہ کا ہے جب اسلام میں جہاد کی سخت ضرورت تھی، ایسے موقع پر تمام کاروبار بند کرکے جہاد کئے جاتے ہیں، یعنی جس قوم نے فوجی طاقت گم کردی اور کھیتی باڑی میں مصروف ہوگئے تو ذلیل ہوجائیں گے، دنیا میں وہ ہی قوم زندہ رہتی ہے جس کی زندگی سپاہیانہ ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

عَنْ رَّافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَرَعَ فِيْ اَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهٗ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ وَّلَهٗ نَفَقَتُهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

(۲۸۵۰) روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں ۱؎ کہ جو کسی کی زمین بغیر اس کی اجازت سے کھیتی کرے تو اسے کھیت سے کچھ نہ ملے گا ہاں اسے خرچ مل جائے گا ۲؎ (ترمذی، ابوداؤد) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۳؎

(۲۸۵۰) ۱؎ اس طرح کہ مالک زمین کو یا تو خبر ہی نہ ہو، اور یہ وہاں تخم بودے یا مالک منع کرتا رہے اور یہ بیج ڈال دے، بغیر اذن ان دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ ۲؎ خرچ سے مراد تخم کی قیمت، پانی اور اس کی اپنی محنت کا کرایہ ہے، حضرت امام احمد کا یہی مذہب ہے، کہ ایسی صورت میں پیداوار زمین والے کی ہے اور تخم پانی، حق خدمت کاشتکار کو دلوایا جائے، باقی اماموں کے ہاں پیداوار تخم والے کی ہے، اور زمین والے کو اتنے عرصہ کا کرایہ زمین دلوایا جائے گا یا اگر اس کاشت سے زمین ناقص ہوگئی تو نقصان دلایا جائے گا کیونکہ پیداوار تخم کا نتیجہ ہے، زمین تو اس کا ظرف ہے، یہ حدیث چونکہ صحیح نہیں، اس لئے ان بزرگوں نے اس پر عمل نہ فرمایا (مرقات مع زیادۃ) ۳؎ اور شرح السنہ میں فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، احمد نے فرمایا کہ بغیر اذنهم حدیث میں نہیں ہے، ابواسحاق نے یہ زیادت اپنی طرف سے کی ابو اسحاق، رافع ابن خدیج سے راوی ہیں (مرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ قَالَ مَا بِالْمَدِيْنَةِ اَهْلُ بَيْتِ هِجْرَةٍ اِلَّا يَزْرَعُوْنَ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ

(۲۸۵۱) روایت ہے حضرت قیس ابن مسلم سے وہ حضرت ابوجعفر سے راوی فرماتے ہیں مدینہ میں ایسا کوئی گھر والا مہاجر نہیں جو

وَزَارَعَ عَلِيٌّ وَسَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَعَبْدُاللهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَعُمَرُبْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ وَالْقَاسِمُ وَعُرْوَةُ وَاٰلُ اَبِىْ بَكْرٍ وَّاٰلُ عُمَرَ وَاٰلُ عَلِيٍّ وَّابْنُ سِيْرِيْنَ وَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ الْاَسْوَدِ كُنْتُ اُشَارِكُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ فِى الزَّرْعِ وَعَامَلَ عُمَرُ النَّاسَ عَلٰى اَنْ جَآءَ عُمَرُ بِالْبَذْرِ مِنْ عِنْدِهٖ فَلَهُ الشَّطْرُ وَاِنْ جَآءُ وْا بِالْبَذْرِ فَلَهُمْ كَذَا- (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

تہائی، یا چوتھائی پر کھیتی نہ کرتا ہو، اور حضرت علی اور سعد ابن مالک، عبداللہ ابن مسعود، عمر ابن عبدالعزیز، قاسم، عروہ اور ابوبکر و عمر و علی کی اولاد نے اور ابن سیرین نے کھیتیاں کرائیں۲ اور عبدالرحمٰن ابن اسود کہتے ہیں، کہ میں عبدالرحمٰن ابن یزید کے ساتھ کھیتی میں شرکت کر لیتا تھا۳ اور حضرت عمر نے لوگوں سے اس شرط پر معاملہ کیا تھا کہ اگر عمر اپنے پاس سے بیج دیں تو انہیں آدھی پیداوار اور اگر وہ لوگ بیج دیں تو انہیں اتنی پیداوار۴ (بخاری)۵

(۲۸۵۱)۱قیس ابن مسلم جدلی کوفی تابعی ہیں، ۱۲۰ھ میں وفات پائی، اشعہ نے فرمایا کہ ان کا مذہب مرجیہ تھا واللہ اعلم، امام ابوجعفر کا نام محمد باقر ہے، ان کے صاحبزادے امام جعفر صادق ہیں، آپ امام زین العابدین کے فرزند ہیں تابعی ہیں حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت لی ہیں، آپ سے آپ کے فرزند امام جعفر صادق راوی ۲ قاسم محمد ابن ابوبکر صدیق کے فرزند ہیں، جو مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہاء سے ہیں یونہی عروہ ابن زبیر ابن عوام جو اکابر تابعین سے ہیں، آل عمرو غیرہم ثقہ تابعین سے ہیں، یہ سب اپنی زمین میں مزارعت کراتے یا کرتے تھے کہ بعض زمین کے مالک تھے، دوسروں سے کاشت کراتے تھے، بعض دوسروں کی زمین میں خود کاشت کرتے تھے، معلوم ہوا کہ نہ تو کھیتی باڑی کرنا منع نہ کرانا، جن احادیث میں اس کی ممانعت ہے وہاں وجہ کچھ اور ہے جو پہلے عرض کی جا چکی وہاں مطالعہ فرمایئے ۳ عبدالرحمٰن ابن اسود قرشی زہری ثقہ تابعین مدینہ سے ہیں، اور عبدالرحمٰن ابن یزید اسلمی مدنی تابعی ہیں، اگرچہ ضعیف ہیں، ان دونوں کا مزارعت کرنا کرانا علامت جواز ہے ۴ یعنی زمین تو حضرت فاروق اعظم کی ہے اگر بیج بھی آپ ہی دیں، مزارع صرف محنت کریں تو ان کا اتنا حصہ اور اگر بیج بھی مزارع کا ہو تو اتنا حصہ کچھ زائد، معلوم ہوا کہ مزارعت بہر حال جائز ہے، خواہ بیج زمین والے کا ہو یا مزارع کا، مگر پیداوار کے حصہ پر مزارعت ہو نہ کہ کسی خاص جگہ کی پیداوار ۵ بخاری نے یہ تمام احادیث آثار تعلیقاً یعنی بغیر اسناد روایت فرمائیں بہتر تھا کہ مصنف یوں فرماتے رواہ البخاری تعلیقا تاکہ طریقہ روایت واضح ہو جاتا-

بَابُ الْاِجَارَةِ — کرایہ کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

نفع عوض پر فروخت کرنا شرعاً اجارہ کہلاتا ہے، قیاس چاہتا ہے کہ اجارہ جائز نہ ہو کہ اس میں معدوم کی فروخت ہے، مگر شریعت نے ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے جائز قرار دیا، نص کے مقابل قیاس قابل عمل نہیں جیسے دائی کو روٹی کپڑے پر نوکر رکھنا جائز ہے اگرچہ اس کا دودھ بھی نامعلوم ہے اور روٹی کپڑا بھی غیر مقرر مگر ضرورۃً جائز، یا جیسے حمام میں اجرت پر غسل کہ اگرچہ پانی کی مقدار معلوم نہیں مگر ضرورۃً جائز قرار دیا گیا، اسی طرح یہ بھی ہے-

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ زَعَمَ ثَابِتُ ابْنُ

(۲۸۵۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل ۱ سے فرماتے کہ

الضَّحَّاكِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَاَمَرَ بِالْمُوَاجَرَةِ وَقَالَ لَا بَاسَ بِهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ).

ثابت ابن ضحاک نے فرمایا۲ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتی کرانے سے منع فرمایا۳ اور زمین کرایہ پر دینے کی اجازت دی اور فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۴ (مسلم)

(۲۸۵۲) ۱؎ مغفل بروزن محمد، غین اورف سے، آپ صحابی ہیں بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے، مدینہ منورہ میں قیام رہا، عہد فاروقی میں آپ کو بصرہ بھیج دیا گیا، وہاں ہی ۶۰ ھ میں وفات پائی۔ بعض نسخوں میں عبداللہ ابن معقل عین وقاف سے ہے، سکون عین سے قاف کے کسرہ سے وہ تابعین میں سے ہیں (اشعہ ومرقات) ۲؎ آپ کا نام ثابت، کنیت ابو یزید ہے، انصاری خزرجی ہیں، بیعۃ الرضوان میں شریک تھے اس وقت نوعمر تھے، فتنہ عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں وفات پائی، ۳ھ میں پیدائش ہے ۷۰ھ میں وفات۔ ۳؎ اس ممانعت کی وجہ پہلے ہو چکی کہ اگر کسی خاص حصہ زمین کی پیداوار کو اجرت قرار دیا جائے تو مزارعت ممنوع ہے ورنہ جائز، یہاں وہ ہی ممنوع صورت مراد ہے ۴؎ یعنی زمین کو نقد روپیہ میں کرایہ پر دینا بلا کراہت درست۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ فَاَعْطَى الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ وَاسْتَعَطَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۵۳) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور لگانے والے کو مزدوری دی۱؎ اور نسوار لی ۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۸۵۳) ۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ آپریشن (OPERATION) پچھنے سینگی لگوانا جائز ہے اس کی اجرت بھی مباح، جن احادیث میں اس کی اجرت سے ممانعت آئی وہ تمام منسوخ ہیں ۲؎ استعط باب افتعال کا ماضی ہے، سعوط ہر وہ دوا ہے جو ناک میں چڑھائی جائے پتلی ہو یا خشک، اس سے نسوار کا جواز معلوم ہوا البتہ حرام یا مکروہ چیز کی نسوار سے بچے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَابَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ وَاَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَرْعٰى عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۸۵۴) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ اللہ نے کوئی نبی نہ بھیجا مگر انہوں نے بکریاں چرائیں ۱؎ صحابہ نے عرض کیا حضور آپ نے فرمایا ہاں میں مکہ والوں کی بکریاں کچھ قیراط کے عوض چراتا تھا ۲؎ (بخاری)

(۲۸۵۴) ۱؎ بکریاں چرانے سے طبیعت میں حلم و بردباری، محنت کا شوق، ملکی انتظام کی قابلیت اور رعایا پروری پیدا ہوتی ہے کہ بکریاں ہر وقت محافظ کی حاجت مند ہوتی ہیں، اور ان میں انتظام نہیں ہوتا، ہر ایک جدھر منہ اٹھا چل دیتی ہے جو انہیں سنبھال لے گا، وہ انشاء اللہ تعالٰی رعایا کو بھی سنبھال لے گا، تبلیغ خوب کر سکے گا، عام طور پر رعایا کو بکریوں سے اور بادشاہ کو چرواہے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ ۲؎ قراریط قیراط کی جمع ہے، قیراط دینار کا بیسواں حصہ یا چوبیسواں حصہ ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی بکریاں ایک قیراط روزیا ماہوار کے عوض چرائی ہیں، خیال رہے کہ نبی تبلیغ دین پر اجرت نہیں لیتے، دوسرے کاموں پر اجرت لیتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث قرآن کریم کی آیت یٰقَوْمِ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (۵۱/۱۱) اے قوم میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا (کنزالایمان) کے خلاف نہیں، کہ وہاں علیہ سے مراد دین کی تبلیغ ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ قراریط مکہ معظمہ میں ایک جگہ کا نام ہے، جہاں حضور انور بغیر اجرت بکریاں چراتے تھے، مگر یہ درست نہیں، ورنہ یہ حدیث باب الاجارہ میں نہ لائی جاتی، لہٰذا حق یہ ہی ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے (مرقات ولمعات وغیرہ) اشعہ

میں شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے نبوت بادشاہ وامیروں میں نہ رکھی بلکہ بکری چرانے اور تواضع کے پیش کرنے والوں میں رکھی چنانچہ ایوب علیہ السلام درزی گری کرتے تھے زکریا علیہ السلام بڑھئی پیشہ۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ثَلٰثَةٌ اَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَجُلٌ اَعْطٰى بِىْ ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَكَلَ ثَمَنَهٗ وَرَجُلٌ اِسْتَاْجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهٖ اَجْرَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

(۲۸۵۵) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: کہ میں قیامت کے دن تین شخصوں کا مدمقابل ہوں گا۱ ایک وہ شخص جو میرے نام پر وعدہ دے پھر عہد شکنی کرے۲ دوسرا وہ شخص جو آزاد کو بیچے پھر اس کی قیمت کھائے۳ تیسرا وہ شخص جو مزدور سے کام پورا لے اور اس کی مزدوری نہ دے۴ (بخاری)

(۲۸۵۵)۱یعنی سخت سزا دوں گا، جیسے کوئی دشمن اپنے دشمن پر قابو پائے تو اس کی کوئی رعایت نہیں کرتا، ایسے ہی میں ان کی رعایت و رحم نہ کروں گا، لہٰذا یہ حدیث واضح ہے۔۲اس کی بہت صورتیں ہیں، کسی کو خدا کا نام لے کر امان دی، پھر موقع پا کر اسے قتل کر دیا، کسی سے رب کی قسم کھا کر کوئی وعدہ کیا، پھر پورا نہ کیا، عورت سے رب تعالٰی کا نام لے کر بہت سے وعدوں پر نکاح کیا، پھر وہ ادا نہ کئے، اسی لئے نکاح کے وقت کلمے پڑھاتے ہیں کہ دونوں خاوند بیوی حقوق میں جکڑ جائیں، ربّ تعالٰی فرماتا ہے: اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ (۲،۲۷) وہ جو اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں پکا ہونے کے بعد (کنزالایمان) غرضیکہ وعدہ خلافی یوں ہی بری ہے، مگر جب وعدہ رب تعالٰی کا نام لے کر کیا گیا ہو، پھر خلاف کرنا زیادہ برا، کہ اس میں اللہ تعالٰی کے نام شریف کی بے حرمتی بھی ہے۳ کھانے کا ذکر اتفاقی ہے، وہ قیمت کھائے یا نہ کھائے آزاد کو غلام بنا کر فروخت کر دینا ویسے ہی بہت برا ہے، یوسف علیہ السلام کے بھائی اسی جرم پر زیادہ شرمندہ تھے جن کی معافی ہوئی۴ کام پورا لینے میں اسی جانب اشارہ ہے کہ اگر مزدور بیچ میں کام چھوڑ دے شرارۃً تو وہ مزدوری کا حقدار نہیں، نائی آدھی حجامت کر کے انکار کر دے تو بجائے اجرت کے سزا کا مستحق ہوگا، کام پورا کرنے پر اجرت کا مستحق ہوگا۔ روزانہ اجرت دی جائے یا ماہوار، جو طے ہو گیا ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَفَرًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوْا بِمَآءٍ فِيْهِمْ لَدِيْغٌ اَوْ سَلِيْمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْمَآءِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِّنْ رَّاقٍ اِنَّ فِى الْمَآءِ رَجُلًا لَدِيْغًا اَوْ سَلِيْمًا فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَقَرَاَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلٰى شَآءٍ فَبَرَاَ فَجَآءَ بِالشَّآءِ اِلٰى اَصْحَابِهٖ فَكَرِهُوْا ذٰلِكَ وَقَالُوْا اَخَذْتَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا حَتّٰى قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخَذَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۲۸۵۶) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کسی گھاٹ پر گزری۱ جس میں ایک سانپ یا بچھو کا ڈسا ہوا تھا تو گھاٹ والوں میں سے ایک شخص ان کے پاس آ کر بولا کیا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے گھاٹ میں ایک شخص بچھو یا سانپ کا کاٹا ہوا ہے۲ تو صحابہ میں سے ایک صاحب کچھ بکریوں کی شرط پر چلے گئے۳ سورۂ فاتحہ پڑھ دی وہ اچھا ہو گیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس کچھ بکریاں لائے، صحابہ نے ناپسند کیں۴ وہ بولے تم نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ آئے بولے یا رسول اللہ انہوں نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے تب

وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ اَصَبْتُمْ اقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ سَهْمًا-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً اجرت لینے کے سب سے زیادہ لائق کتاب اللہ ہے۵ (بخاری) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم نے ٹھیک کیا بانٹ لو اور اپنے ساتھ ہمارا حصہ بھی رکھو۶

(۲۸۵۶) ۱؎ اس گھاٹ پر کوئی قبیلہ آباد تھا، اب بھی عرب میں کنوؤں پر بستیاں آباد ہوتی ہیں، جو پانی کی تجارت سے گزارہ کرتی ہیں، عربی میں لدیغ بچھو کاٹے کو کہتے ہیں سلیم سانپ کاٹے کو، نیک فال کے لئے، کہ اللہ اسے سلامت رکھے-۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے- ایک یہ کہ جھاڑ پھونک دم درود زمانۂ صحابہ میں تھا- دوسرے یہ کہ لوگوں کو پتا تھا کہ صحابہ کرام دم درود کرتے تھے اور قرآن شریف اور دعاؤں میں تاثیر ہے، یہ گھاٹ والے مسلمان نہ تھے جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۳؎ یعنی ان صحابی نے پہلے طے فرمالیا کہ ہم دم کردیں گے اور انشاء اللہ تمہارا بیمار اچھا ہوجائے گا مگر تمیں بکریاں لیں گے وہ راضی ہوگئے، یہ بھی اجارہ ہوا، اسی لئے یہ حدیث باب الاجارہ میں لائی گئی، اگر بغیر طے کئے یہ بکریاں تھیں تو وہ ہدیہ یا نذرانہ ہوتا نہ کہ اجرت۴؎ یعنی رب تعالٰی فرماتا ہے: وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (۴۱،۲) اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو (کنزالایمان) میری آیات تھوڑی قیمت کے عوض نہ فروخت کرو، یہ بھی فروخت کی ایک صورت ہے، لہٰذا یہ معاوضہ درست نہ ہوا-۵؎ یعنی ناجائز کام پر اجرت لینا منع ہے، قرآن کریم پڑھنا یا اس سے علاج کرنا منع نہیں، تو اس کی اجرت کیوں منع ہوگی، اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے (۱) قرآنی آیات سے علاج جائز ہے خواہ دم کرکے ہو یا تعویز لکھ کر یا گنڈا کرکے، کہ دھاگے وغیرہ پر دم کردے اور دھاگہ مریض کے باندھے، اس علاج پر اجرت لینا جائز ہے، (۲) قرآن کریم یا احادیث یا فتوی لکھنے کی اجرت لینا جائز ہے- (۳) قرآن شریف کی تجارت درست ہے یعنی قرآن شریف فروخت کرنا ان مسائل پر سب کا اتفاق ہے- (۴) قراۃ قرآن، تعلیم قرآن پر اجرت لینا درست ہے، اس میں امام ابوحنیفہ امام زہری واسحاق کا اختلاف ہے رضی اللہ عنہم ان حضرات کی دلیل اگلی حدیث ہے جو آرہی ہے باقی ائمہ کے ہاں درست ہے (مرقات) مگر اب تعلیم قرآن پر اجرت بھی بالاتفاق جائز ہے- متاخرین احناف کا فتوی بھی یہی ہے تاکہ دین ختم نہ ہوجائے (اشعہ)۶؎ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک ان حضرات نے یہ بکریاں بانٹیں اور کھائیں نہ تھیں اور واپس بھی نہ کی تھیں، کہ اب تک انہیں جائز یا ناجائز ہونے کا یقین نہ تھا، یہ ساری بکریاں دم کرنے والے کی تھیں، مگر حضور انور کا ان تمام صحابہ میں تقسیم کرانا، اور اپنے حصہ بھی ان میں رکھنا، یہ بتانے کے لئے ہے کہ یہ بڑی طیب اور بہترین کمائی ہے جسے ہم بھی اور ہمارے صحابہ بھی کھارہے ہیں، اس میں اشارۃً یہ بتایا گیا کہ مسافر لوگ آپس میں مل بانٹ کر چیزیں کھائیں، اکیلے کھالینا مروت اور اخلاق کے خلاف ہے (از لمعات ومرقات) یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے خدام سے کچھ مانگنا ناجائز نہیں نہ ہی اس میں کوئی ذلت، یہ تو ان خدام کے لئے باعث فخر وعزت ہے- شعر:-

کلاہ گوشہ دہقان بآفتاب رسید
کہ سایہ برسرش افگند چوں تو سلطانے

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ
دوسری فصل

عَنْ خَارِجَةَ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ اَقْبَلْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيْنَا عَلٰى

(۲۸۵۷) روایت ہے حضرت خارجہ ابن صلت سے وہ اپنے چچا سے راوی فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو

حَيٍّ مِّنَ الْعَرَبِ فَقَالُوْا اِنَّا اُنْبِئْنَا اَنَّكُمْ قَدْ جِئْتُمْ مِّنْ عِنْدِهٰذَا الرَّجُلِ بِخَيْرٍ فَهَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ دَوَاءٍ اَوْ رُقْيَةٍ فَاِنَّ عِنْدَ نَامَعْتُوْهًا فِي الْقُيُوْدِ فَقُلْنَا نَعَمْ فَجَآءُ وْا بِمَعْتُوْهٍ فِي الْقُيُوْدِ فَقَرَاْتُ عَلَيْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ غُدْوَةً وَّ عَشِيَّةً اَجْمَعُ بُزَاقِيْ ثُمَّ اَتْفُلُ قَالَ فَكَاَنَّمَا اُنْشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَاَعْطَوْنِيْ جُعْلًا فَقُلْتُ لَاحَتّٰى اَسْاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلْ فَلَعَمْرِيْ لَمَنْ اَكَلَ بِرُقْيَةٍ بَاطِلٍ لَقَدْ اَكَلْتَ بِرُقْيَةٍ حَقٍّ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوُدَ)

عرب کے ایک قبیلہ پر گزرے وہ لوگ بولے ہمیں خبر ملی ہے کہ تم ان محبوب کے پاس سے بڑی خیر لے کر آئے ہو۲ تو کیا تمہارے پاس کوئی دوا یا دم درود ہے ہمارے ہاں ایک دیوانہ قید میں بندھا ہوا ہے ۳ ہم بولے ہاں چنانچہ وہ لوگ بیڑیاں پہنے ایک دیوانہ لائے میں نے تین دن تک صبح شام اس پر سورۃ فاتحہ پڑھی کہ اپنا تھوک جمع کرتا پھر اس پر تھتکار دیتا تھا۴ وہ تو گویا رسیوں سے کھل گیا انہوں نے مجھے کچھ اجرت پیش کی میں بولا نہیں حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں۵ حضور نے فرمایا کھاؤ میری زندگی کی قسم یہ اجرت اسی کے لئے ہے جو جھوٹے دم سے کھائے تم نے سچے دم سے کھایا ہے۶

(احمد، ابوداؤد)

(۲۸۵۷)۱ خارجہ بنی تمیم سے ہیں، تابعی ہیں، ان کے چچا کا نام معلوم نہ ہوا، مگر چونکہ وہ صحابی ہیں، لہٰذا ان کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں کہ صحابہ سب عادل اور ثقہ ہیں (مرقات) ۲ غالبًا یہ حضرات اپنی قوم کے نمائندہ بن کر وفد کی شکل میں بارگاہِ عالی میں حاضر ہوئے، وہاں سے واپسی پر یہ واقعہ پیش آیا اس زمانہ میں جو حضور کے پاس آتا تھا تو لوگ اس کی آنکھوں کی زیارتیں کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بڑے داتا کے دربار سے آرہے ہیں۔ بھرے پڑے آئے ہوں گے نہ معلوم کیا کیا لائے ہوں گے، اسی سلسلہ میں یہ لوگ بھی ان سے ملنے آئے اور عرض کیا، اب بھی ہم نے دیکھا کہ مدینہ سے آنے والوں کی آنکھیں لوگ چومتے ہیں، ان کے ہاتھ پیروں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں، یہ نئی بات نہیں، زمانہ صحابہ سے چلی آرہی ہے، خیر سے مراد دین اور دنیا کی بھلائی ہے، اسی لئے ان لوگوں نے دوا کا ذکر بھی کیا اور دعا کا بھی ۳ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے آستانہ بوسوں سے فریاد کرنا اور ان پر اپنے دکھ درد پیش کر کے دفعیہ کے لئے عرض کرنا سنت صحابہ ہے، وہ ایسا دیوانہ تھا جسے باندھنا پڑ گیا تھا، بالکل ہی مخبوط الحواس ۴ اب بھی بعض صوفیاء کچھ پڑھ کر بیمار پر تھتکار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے بعض صرف پھونک مار دیتے ہیں، اس کی روایتیں بھی ہیں، منشاء یہ ہوتا ہے کہ جیسے پھولوں سے لگ کر ہوا مہک جاتی ہے اور دور تک لوگوں کے دماغ معطر کر دیتی ہے ایسے ہی قرآن والے منہ میں رہ کر ہوا یا تھوک میں شفا کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے، بھٹی کے پاس ہوا گرم ہوتی ہے پانی کے پاس ٹھنڈی، ایسے ہی قرآن کے پاس کی ہوا شافی ہوتی ہے، خیال رکھئے کہ جانوروں کے نام میں تاثیر ہے، کسی کو شیر کہہ دیا خوش ہو گیا، گدھا کہہ دیا ناراض ہو گیا تو کیا خالق کے ناموں میں تاثر نہ ہو گی ضرور ہو گی۔ ۵ یعنی میرے دم سے اتنا فائدہ ہوا کہ اسے بالکل ہی آرام ہو گیا گویا مرض نے اسے جکڑ رکھا تھا اس دم سے کھل گیا، معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ چند ساعتوں کی صحبت میں حضور سے علم، عمل وغیرہ سب کچھ ہی لے لیتے تھے، خیال رہے کہ اسے اجرت کہنا مجازًا ہے، درحقیقت یہ نذرانہ تھا، اجرت پہلے طے کی جاتی ہے۔ ۶ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ ہدیہ قبول تو کر لیا تھا استعمال نہ کیا تھا، اس لئے یہ عرض کیا اس سے معلوم ہوا کہ ناجائز اور جھوٹے جنتر منتر پر اجرت یا نذرانہ لینا حرام ہے حق دم درود پر اجرت بھی جائز نذرانہ بھی، لعمری قسم شرعی نہیں، وہ تو صرف خدا کے نام کی ہوتی ہے۔ بلکہ قسم لغوی ہے جیسے رب فرماتا ہے: وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ انجیر اور زیتون کی قسم، لہٰذا یہ فرمان عالی اس حدیث کے خلاف نہیں، جس میں

ارشاد ہوا کہ غیر خدا کی قسم نہ کھاؤ ولمن اکل کی غیر محذوف ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهٗ۔ (رَوَاهُ بْنُ مَاجَةَ)

(۲۸۵۸) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے دے دوا (ابن ماجہ)

(۲۸۵۸) ایعنی مزدوری دینے میں ٹال مٹول نہ کرو، جس وقت دینے کا معاہدہ ہوا اسی وقت دے دو بلا تاخیر لہٰذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ اگر مزدور کو پسینہ نہ آیا ہو تو اسے مزدوری دو ہی نہیں، نہ یہ سوال ہے کہ ماہوار تنخواہیں دینا منع ہیں، ہر دن کام کرتے ہی دے دی جائیں، حدیث کی فہم کے لئے عقل کامل ضروری ہے۔

وَعَنِ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَاِنْ جَآءَ عَلٰى فَرَسٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوُدَ فِي الْمَصَابِيْحِ مُرْسَلٌ

(۲۸۵۹) روایت ہے حضرت حسین ابن علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مانگنے والے کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر آئے ا (احمد، ابوداؤد) ۲ اور مصابیح میں مرسل ہے ۳

(۲۸۵۹) ایعنی اگر کسی سائل بھکاری پر آثار غنا ہوں اور وہ اپنے کو فقیر ظاہر کرے تو اس کی بات پر اعتماد کرکے اسے صدقہ دے سکتے ہو، بہت دفعہ انسان کے پاس گھوڑا ہوتا ہے مگر اس کا سامان گروی اور قرض سر پر سوار ہوتا ہے، اس لئے اس کا ظاہری حال نہ دیکھو اس کی بات کا اعتبار کرو، اگر وہ کہے کہ وہ گھوڑا کرایہ کا ہے مجھے بھی کچھ دو، اس گھوڑے کو بھی کچھ دو، تو بھی اس کی بات مان لو، اسی لئے یہ حدیث کرایہ کے باب میں لائے، ورنہ صدقہ کو کرایہ سے کیا تعلق۔ ۲ یہ حدیث ابوداؤد میں حضرت علی سے طبرانی کسر میں حضرت برماس ابن زیاد سے ابن عدی کامل میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار چاندی کی لگام لگائے آئے (مرقات) ۳ حق یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ مسند ہے، اگرچہ حضرت حسین نے حضور علیہ السلام کو بحالت سمجھ بوجھ نہ پایا، مگر آپ نے یہ روایت حضرت عبداللہ ابن عمر سے کی، شاید صاحب مصابیح کو اس پر اطلاع نہ ہوئی (از مرقات) مصابیح کے بعض نسخوں میں یہ لفظ نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ عُتْبَةَ بْنِ النُّدَّرِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَا طٰسٓمٓ حَتّٰى بَلَغَ قِصَّةَ مُوْسٰى قَالَ اِنَّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اٰجَرَ نَفْسَهٗ ثَمَانَ سِنِيْنَ اَوْعَشْرًا عَلٰى عِفَّةِ فَرْجِهٖ وَطَعَامِ بَطْنِهٖ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۸۶۰) روایت ہے حضرت عتبہ ابن نُدَر سے ا فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ نے سورۂ طسم پڑھی حتی کہ حضرت موسیٰ کے قصہ پر پہنچے ۲ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو اپنی پاکدامنی کی حفاظت اور اپنے پیٹ کی روٹی پر آٹھ یا دس سال اجرت پر دیا ۳ (احمد، ابن ماجہ)

(۲۸۶۰) ابعض نسخوں میں عقبہ ابن منذر ہے، بعض میں عتبہ ابن ندر، ن کا پیش دال مشدد مفتوح، بعض میں عتبہ ابن عبد سلمی ہے۔ غرضیکہ ان کے نام میں بہت گفتگو ہے۔ ۲ یعنی حضور انور نے سورہ قصص تلاوت کی جس میں موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام

کے ہاں رہنا آٹھ بلکہ دس سال بکریاں چرانا ان کی صاحبزادی صفورا سے نکاح وغیرہ مذکور ہے۳ مقصد یہ ہے کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے محنت مزدوری کرنا اچھا ہے سوال برا، بڑے سے بڑے شخص کو معمولی محنت سے عار نہ کرنی چاہیے- خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب کی بکریاں چرانا بی بی صفورا کا مہر نہ تھا، بلکہ نکاح کی شرط تھی، اس لئے آپ نے فرمایا تھاھتین علی ان تاجرنی ثمنی حجج (۲۸،۲۷) اس مہر پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو (کنزالایمان) تم میری مزدوری آٹھ سال کرو، اگر مہر ہوتا تو علیٰ کی بجائے ب آتی، اور آپ اپنے بجائے بی بی صفورا کا ذکر فرماتے، قرآن کریم فرماتا ہے: اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ (۴،۲۴) کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو (کنزالایمان) بیویاں اپنے مالوں سے تلاش کرو، لہٰذا مذہب حنفی بالکل حق ہے کہ مہر میں مال دینا پڑے گا، خدمت زوجہ مہر نہیں بن سکتا، امام شافعی کا فرمان کہ خدمت پر نکاح درست ہے، اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا خیال رہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو آٹھ دس سال بکریوں کے بہانہ سے رکھا مگر مقصود تھا انہیں اپنے پاس رکھ کر کلیم اللہ بننے کے لائق بنانا، ڈاکٹر اقبال نے ایک شعر میں یہ مضمون حل کر دیا- شعر:-

اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَجُلٌ اَهْدٰى اِلَيَّ قَوْسًا مِمَّنْ كُنْتُ اُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْقُرْاٰنَ وَلَيْسَتْ بِمَالٍ فَارْمِيْ عَلَيْهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ اِنْ كُنْتَ تُحِبُّ اَنْ تُطَوَّقَ طَوْقًا مِنْ نَّارٍ فَاقْبَلْهَا-

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۸۶۱) روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں میں کتاب اللہ یعنی قرآن سکھاتا تھا ان میں سے ایک شخص نے مجھے کمان دی ہے۱ یہ کوئی بڑا قیمتی مال نہیں ہے اس پر میں اللہ کی راہ میں تیر پھینکوں گا فرمایا اگر تم آگ کا ہار پہنایا جانا پسند کرتے ہو تو اسے قبول کرلو۲

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۲۸۶۱) ۱یعنی ایک طالب علم نے مجھے بطور ہدیہ کمان دی ہے، معمولی چیز ہے اور میں نے بھی جہاد کے لئے رکھی ہے، اس کی تجارت نہیں کرتا کہ مجھے اس کا لینا درست ہے یا نہیں، اور کمان آیا تعلیم قرآن کی اجرت ہے یا کچھ اور-۲ یعنی یہ کمان بظاہر ہدیہ ہے مگر درحقیقت گزشتہ تعلیم کی اجرت ہے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا ممنوع ہے، یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کی دلیل ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا ممنوع ہے بلکہ وہ حضرات تو مطلقاً علم دین سکھانے پر اجرت منع فرماتے ہیں، متاخرین احناف نے اسے جائز فرمایا تا کہ دین ضائع نہ ہو جائے، خیال رہے کہ پچھلی احادیث میں قرآن شریف سے علاج دم درود پر اجرت جائز فرمائی گئی تھی، یہاں تعلیم قرآن کی اجرت سے ممانعت ہے، لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں، شیخ نے فرمایا کہ وہ احادیث بیان جواز کے لئے تھیں، اور یہ حدیث بیان استحباب کے لئے، یعنی تعلیم قرآن پر اجرت جائز تو ہے مگر بہتر نہیں، یا یہ مطلب ہے کہ تم نے قرآن شریف پڑھایا تھا فی سبیل اللہ اس وقت تمہاری نیت اجرت کی قطعاً نہ تھی، جو کام اللہ کے لئے کر چکے ہو، اب اس پر اجرت لے کر اسے بگاڑتے کیوں ہو واللہ اعلم- مرقات نے فرمایا کہ الکتاب سے مراد یا تو قرآن شریف ہے یا کتابت یعنی لکھنے کی تعلیم-

بَابُ اِحْيَآءِ الْمَوَاتِ وَالشِّرْبِ باب بنجر زمین کو آباد کرنا اور پانی دینا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

موات وہ زمین کہلاتی ہے جو نہ تو کسی کی ملک ہو نہ بستی والوں کی ضروریات کے لئے ہو، نہ اس پر کوئی کاشت وغیرہ کرتا ہو، موات کا مقابل عامر ہے یعنی آباد زمین، شرب شین کے کسرہ سے پانی کا حصہ یا پانی کی باری یا پانی دینے کا حق، موات زمین آباد کرنے کا حکم پہلے گزر چکا کہ اگر سلطان اعلان کردے کہ جو یہ زمین آباد کرے وہ اسی کی ہے، تب تو آباد کرنے والا مالک ہوگا ورنہ نہیں، امام شافعی کے ہاں مالک ہوگا۔

عَنْ عَآئِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَمَرَ اَرْضًا لَيْسَتْ لِاَحَدٍ فَهُوَ اَحَقُّ قَالَ عُرْوَةُ قَضٰى بِهٖ عُمَرُ فِيْ خِلَافَتِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۸۶۲) روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا جو کسی ایسی زمین کو آباد کرے۱؎ جو کسی کی ملک نہ ہو تو وہ ہی اس کا حقدار ہے عروہ فرماتے ہیں کہ جناب عمر نے اپنی خلافت میں اسی پر فیصلہ کیا۲؎ (بخاری)

(۲۸۶۲) ۱؎ یعنی بادشاہ کی اجازت سے آباد کرے (احناف) ۲؎ ہمارے ہاں یہ دونوں فرمان سیاسی تھے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ پاک میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں قانون نافذ فرما دیا تھا، اب بھی اگر سلطان یہ قانون نافذ کردے، تو یہ ہی حکم ہوگا کہ جو ایسی زمین آباد کرے گا وہ مالک ہوگا، امام شافعی کے ہاں یہ حکم شرعی تھا اب بادشاہ اسلام یہ قانون بنائے یا نہ بنائے، زمین آباد کرنے والا اس کا مالک ہوگا، لیست لاحد کے معنی یہ ہیں کہ نہ تو وہ زمین کسی کو ملک ہو نہ شہر کی ضروریات کے لئے ہو لہذا حدیث ظاہر ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا حِمٰى اِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۸۶۳) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ حضرت صعب بن جثامہ نے فرمایا۱؎ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ چراگاہیں اللہ اور رسول ہی کی ہیں۲؎ (بخاری)

(۲۸۶۳) ۱؎ جثامہ جیم کے فتح، ث کے شد و فتح سے، حضرت صعب ابن جثامہ لیثی ہیں صحابی ہیں، ودان اور ابواء میں رہتے تھے، خلافت صدیقی میں وفات پائی ۲؎ رؤسائے عرب اپنے جانوروں کے لئے خاص چراگاہیں مقرر کرلیتے تھے جن میں ان کے سواء کوئی اپنے جانور نہ چرا سکتا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ چراگاہیں بنانے کا حق صرف اللہ رسول ہی کو ہے دوسرے کو نہیں، تو حضور انور اپنے جانوروں کے لئے چراگاہیں مقرر کرسکتے ہیں، لیکن آپ نے کبھی مقرر فرمائیں نہیں، دوسرے یہ کہ صرف جہاد کے جانوروں ہی کے لئے چراگاہیں مقرر ہوسکتی ہیں۔ اپنے نجی جانوروں کے لئے نہیں ہوسکتی، تیسرے یہ کہ کوئی شخص اللہ رسول کی بغیر اجازت چراگاہ نہ بنائے، کہ چراگاہ بنانے، اجازت دینے کا حق اللہ رسول ہی کو ہے۔ خیال رہے کہ اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے، چراگاہ کی اجازت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی جائے گی۔

وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ خَاصَمَ الزُّبَيْرُ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ فِيْ شِرَاجٍ مِّنَ الْحَرَّةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَآءَ اِلٰى جَارِكَ فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ اَنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَآءَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَى الْجُدُرِ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَآءَ اِلٰى جَارِكَ فَاسْتَوْعَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ حَقَّهٗ فِيْ صَرِيْحِ الْحُكْمِ حِيْنَ اَحْفَظَهُ الْاَنْصَارِيُّ وَكَانَ اَشَارَ عَلَيْهِمَا بِاَمْرٍ لَّهُمَا فِيْهِ سَعَةٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۶۴) روایت ہے حضرت عروہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر نے ایک انصاری شخص سے حرہ کی نال کے متعلق جھگڑا کیا۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے زبیر تم پانی دے لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو۳؎ انصاری نے کہا کہ وہ آپ کے پھوپھی زاد جو ہوئے۴؎ اس پر حضور کے چہرے کا رنگ بدل گیا۵؎ پھر فرمایا اے زبیر پانی دو پھر پانی روک لو حتی کہ مینڈھ تک لوٹ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو۶؎ یعنی اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر کو اپنا پورا حق لینے کا صریح حکم دیا جبکہ انصاری نے آپ کو ناراض کر دیا حالانکہ حضور نے ان دونوں کو وہ مشورہ دیا تھا جس میں دونوں کے لئے گنجائش تھی۷؎ (بخاری و مسلم)

(۲۸۶۴)۱؎ آپ عروہ ابن زبیر ابن عوام ہیں، مدینہ منورہ کے سات فقہاء سے ہیں، آپ کی والدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق ہیں، اور زبیر حضرت صفیہ کے فرزند ہیں، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب حضور انور کی پھوپھی ہیں، حضرت زبیر سولہ برس کی عمر میں اسلام لائے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تلوار آپ نے چلائی، احد کے دن حضور انور کے پاس سے نہ ہٹے، عمرو ابن جرموز نے آپ کو قتل کیا، ۶۴ سال عمر پائی ۳۶ھ میں جنگ صفین میں شہید ہوئے، اولًا وادی سباع میں دفن کئے گئے، پھر وہاں سے بصرہ منتقل کر دیئے گئے، آپ کی قبر زیارت گاہ خلق ہے، فقیر نے زیارت کی ہے (ازمرقات) ۲؎ پتھریلی زمین کو حرہ کہتے ہیں، قدرتی پہاڑی نالہ شراج کہلاتا ہے، ان دونوں صاحبوں کے کھیت برابر تھے۔ جو اس نالے سے سینچے جاتے تھے، جھگڑا ہوا آگے پانی دینے کا، انصاری کہتے تھے پہلے میں پانی دوں، زبیر فرماتے ہیں پہلے میں دوں۳؎ کیونکہ آپ کا کھیت اوپر تھا جہاں سے پانی آتا تھا، اور انصاری کا کھیت نیچے بہاؤ کی طرف اور اوپر والا پہلے پانی دیتا ہے۔۴؎ یعنی آپ نے اس فیصلہ میں ان کی قرابتداری کا لحاظ فرمایا ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ شخص قوم انصار سے تو تھا مگر مؤمن نہ تھا، یا یہودی تھا، یا منافق مگر ترجیح اسے ہے کہ تھا تو مسلمان مگر نو مسلم تھا، آداب بارگاہ سے بے خبر تھا، اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے صحابہ نے اسے کوئی سزا نہ دی (مرقات) اشعہ نے فرمایا یہ منافق ہی تھا جیسے عبداللہ ابن ابی کہ قبیلہ انصار سے تھا مگر منافق تھا قتل اس لئے نہ کرایا کہ منافقوں کو قتل نہ کرایا جاتا تھا واللہ اعلم ۵؎ یعنی حضور انور ایسی باتیں سن لیتے تھے تکلیف ہوتی تھی مگر صبر فرماتے تھے۔۶؎ پہلے تو فرمایا تھا کہ اے زبیر اپنی زمین تر کر کے پانی انصاری کو دے دو، اب پورا حق زبیر کو عطا فرمایا کہ پہلے تم اپنے کھیت کو پانی دو، پھر اتنی دیر تک پانی روکے رکھو کہ کھیت کے آس پاس کی مینڈھ (بنا) تک پہنچ جائے اور کھیت لبریز ہو جائے، تب انصاری کو دو۔۷؎ یعنی پہلے انصاری کی رعایت کی گئی تھی اور حضرت زبیر کو حسن اخلاق کی تعلیم دی گئی تھی، مگر جب انصاری نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ الٹا ناراض ہو گیا، تو ہر ایک کو پورا حق دیا گیا پہلے فضل تھا اب عدل، اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ اپنا حق معاف کر دینا، اور اپنے مجرم کو سزا نہ دینا اخلاق صحابہ اور اخلاق محمدی ہیں، دوسرے یہ کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنا حضور کے لئے جائز تھا ہمارے واسطے منع، کیونکہ آپ غصہ میں بھی حق ہی فرماتے تھے تیسرے یہ کہ جنگل اور سیلاب کا پانی کسی کی ملک نہیں، ہر شخص ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، چوتھے یہ کہ پانی دینے میں ترتیب یہ ہے کہ اوپر والا

پہلے پانی دے نیچے والا بعد میں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَمْنَعُوْا فَضْلَ الْمَآءِ لِتَمْنَعُوْا بِهٖ فَضْلَ الْكَلَآءِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۶۵) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بچا ہوا پانی نہ روکو تا کہ اس سے بچی گھاس روکو[1] (مسلم بخاری)

(۲۸۶۵)[1] اس کی شرح باب ممنوع بیع کی پہلی فصل میں گزر چکی کہ رفاہ عام کی چھوٹی ہوئی زمین کی گھاس جو کاٹی نہ گئی ہو ہر ایک کا حصہ ہے یونہی ایسے جنگلوں کے پانی، کسی شخص کو جائز نہیں کہ ان پر قبضہ جمائے اور دوسروں کو اس سے روکے ہاں کاٹی ہوئی گھاس اور اپنے برتنوں میں بھرا ہوا پانی اپنی ملک ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ رَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى سِلْعَةٍ لَقَدْ اُعْطِيَ بِهَا اَكْثَرَ مِمَّا اُعْطِيَ وَهُوَ كَاذِبٌ وَّرَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ كَاذِبَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ وَرَجُلٌ مَنَعَ فَضْلَ مَآءٍ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ الْيَوْمَ اَمْنَعُكَ فَضْلِيْ كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَآءٍ لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ فِيْ بَابِ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا مِنَ الْبُيُوْعِ ۔

(۲۸۶۶) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخص وہ ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ نہ کلام فرمائے گا اور نہ انہیں نظر رحمت سے دیکھے[1] ایک وہ شخص جو کسی سامان پر قسم کھائے کہ مجھے پہلے اس سے زیادہ قیمت ملتی رہی حالانکہ ہو وہ جھوٹا[2] اور ایک وہ شخص جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے تا کہ اس قسم سے مسلمان آدمی کا مال مارے[3] اور ایک وہ شخص جو بچا ہوا پانی روکے اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ آج میں تجھ سے اپنا فضل روکتا ہوں جیسے تو نے بچا ہوا پانی روکا تھا جسے تیرے ہاتھوں نے نہ بنایا تھا[4] (مسلم بخاری) اور حضرت جابر کی حدیث ممنوع تجارتوں کے باب میں ذکر کردی گئی ہے۔

(۲۸۶۶)[1] کلام سے کلام محبت مراد ہے اور نظر سے نظر رحمت ورنہ غضب کا کلام اور قہر کی نظر تو کفار پر بھی ہوگی[2] یہ بیماری عام دکانداروں کو ہے کہ جب کوئی خریدار ان کے مال کی قیمت لگاتا ہے تو کہتے ہیں رب کی قسم ابھی تم سے پہلے ایک گاہک اس سے زیادہ پیسے دیتا رہا میں نے نہ دی، اور سچے ایسے ہوتے ہیں کہ جب گاہک چل دیتا ہے تو پکارتے ہیں اچھا اتنے میں ہی لے جا، خیال رہے کہ جھوٹ بولنے سے تقدیر نہیں بدل جاتی بلکہ تجربہ یہ ہے کہ سچا دکاندار خوب کماتا ہے[3] اس کی صورت یہ ہے کہ حاکم کے ہاں ایک دعویٰ دائر ہوا، مدعی کے پاس گواہ نہ تھے مگر تھا وہ سچا، مدعیٰ علیہ سے بعد عصر قسم کھانے کے لئے کہا گیا، یہ جھوٹی قسم کھا گیا اور اس کا حق مار لیا، بعد عصر کی قید اس لئے لگائی کہ وہ وقت دن رات کے فرشتوں کے اجتماع کا ہے، دن کے جانے اور رات کے آنے کی گھڑیاں ہیں، اس وقت کفار عرب بھی جھوٹی قسم نہ کھاتے تھے، یہ بے غیرت مسلمان ہو کر اس گناہ پر دلیری کر لیتا ہے[4] یعنی گزرگاہ عام پر غیر مملوک پانی اس کی حاجت سے زائد ہو پھر وہ مسافروں اور جانوروں کو نہ پینے دے، لہٰذا اس حکم سے وہ لوگ خارج ہیں جو پانی بیچ کر اپنا گزارہ کرتے ہیں، کہ وہ پانی ان کے اپنے کنوئیں کا ہوتا ہے یا دور سے لایا ہوا جیسا کہ عرب کی منزلوں میں دیکھا جاتا ہے[5] اس جملہ میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ اپنا کھودا ہوا کنواں یا اپنا جمع کیا ہوا پانی اپنی ملکیت ہے جسے فروخت کرنا بلا کراہت جائز ہے، ید سے مراد کوشش اور محنت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَاطَ حَآئِطاً عَلَی الْاَرْضِ فَهُوَلَهٗ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۲۸۶۷) روایت ہے حضرت حسن سے وہ حضرت سمرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو کسی زمین پر احاطہ بنائے تو وہ زمین اسی کی ہوگی۱؎ (ابوداؤد)

(۲۸۶۷)۱؎ یہاں ارض سے مراد زمین موات ہے جو نہ کسی کی ملک ہو نہ رفاہ عام کی ہو‘ احاطہ سے مراد اپنے یا اپنے جانوروں کے رہنے کے مکان کے لئے احاطہ ہے یعنی جو شخص غیرمملوک زمین میں اپنے مکان یا اصطبل کے لئے دیوار کھینچ لے وہ زمین اس کی ہوگی‘ یہ ہی مذہب امام احمد کا ہے کہ ان کے ہاں صرف دیوار کھینچ لینا ملکیت کے لئے کافی ہے‘ دیگر اماموں کے ہاں صرف دیوار کھینچ لینا کافی نہیں احیاء یعنی آباد کرنا ضروری ہے‘ اس لئے وہ حضرات دیوار سے مکان کی دیوار مراد لیتے ہیں اور لـــہ سے مراد عارضی ملکیت ہے کہ ایسی زمین میں مکان بنا لینے والا جب تک رہے گا زمین حکومت کی ہوگی (لمعات‘ اشعہ‘ مرقات)

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِلزُّبَیْرِ نَخِیْلاً. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۲۸۶۸) روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو کھجور کے درخت بطور جاگیر بخشے۱؎ (ابوداؤد)

(۲۸۶۸)۱؎ اقطاع کے معنی ہیں کسی کو قطعہ زمین بخشنا یا تو بالکل مالک کرکے یا وہاں رہنے سہنے کی اجازت دینا یہاں پہلے معنی مراد ہیں اور نخیل سے مراد نخلستان ہے یعنی درخت کھجور مع زمین بطور جاگیر عطا فرمائے‘ یہ باغ یا تو اس خمس سے تھا جو حضور انور کی ملک تھا یا زمین موات تھی۔ حضرت زبیر نے اسے آباد کیا (لمعات‘ مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِلزُّبَیْرِ حُضْرَ فَرَسِهٖ فَاَجْرٰی فَرَسَهٗ حَتّٰی قَامَ ثُمَّ رَمٰی بِسَوْطِهٖ فَقَالَ اَعْطُوْهُ مِنْ حَیْثُ بَلَغَ السَّوْطُ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۲۸۶۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو ان کے گھوڑے کی حد دوڑ تک جاگیر بخشی۱؎ زبیر نے اپنا گھوڑا چھوڑا حتی کہ ٹھہر گیا پھر اپنا کوڑا پھینکا حضور نے فرمایا جہاں کوڑا پہنچا وہاں تک کی زمین انہیں دے دو۲؎ (ابوداؤد)

(۲۸۶۹)۱؎ حــضــر ح کے پیش ضاد کے سکون سے بمعنی دوڑ‘ یہاں قدر پوشیدہ ہے‘ یعنی گھوڑے کی دوڑ کی بقدر کہ گھوڑا چھوڑو جہاں رک جائے وہاں تک کی زمین تمہاری ۲؎ یعنی پہلے گھوڑا چھوڑا جہاں وہ رکا وہاں سے کوڑا پھینکوایا‘ جہاں کوڑا پہنچا وہاں تک کی یہ مجموعہ زمین حضرت زبیر کو بخش دی ظاہر یہ ہے کہ بالکل ہی بخش دی‘ مالک بنا دیا کہ نسلاً بعد نسل ان کی ہی ہو‘ صرف رہنے کے لئے عارضی طور پہ نہ دی‘ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جیسے بادشاہ بیت المال کا روپیہ کسی کو دے سکتا ہے ایسے ہی بیت المال کی زمین بھی کسی کو بخش سکتا ہے‘ یہ زمین بیت المال کی ملکیت تھی جو حضور انور نے حضرت زبیر کو بخش دی‘ امام اعظم فرماتے ہیں کہ زمین موات تھی جو حضرت زبیر کو احیاء یعنی آباد کرنے کے لئے عطا ہوئی‘ اس لئے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث احیاء موات کے باب میں لائے‘ بادشاہ اعلان بھی کرسکتا ہے کہ جو جس زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے‘ اور اس طرح بخش بھی سکتا ہے [illegible]

وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَآئِلٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَهٗ اَرْضًا بِحَضْرَ مَوْتَ قَالَ فَاَرْسَلَ مَعِيَ مُعٰوِيَةَ قَالَ اَعْطِهَا اِيَّاهُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۸۷۰) روایت ہے حضرت علقمہ ابن وائل سے وہ اپنے والد سے راوی[۱] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضر موت میں کچھ زمین جاگیر بخشی فرماتے ہیں میرے ساتھ حضرت معاویہ کو بھیجا فرمایا وہ زمین انہیں دے آؤ[۲] (ترمذی' ابوداؤد)

(۲۸۷۰)[۱] علقمہ تابعی ہیں ان کے والد حضرت وائل ابن حجر حضری صحابی ہیں' یہ یمن کے شاہزادے تھے ان کے دوسرے صاحبزادے عبدالجبار ہیں' دونوں تابعی ہیں حضرت وائل ابن حجر کو حضور انور نے یہ عطیہ دیا[۲] حضر موت یمن کا مشہور شہر ہے' اہل یمن کے مورث اعلیٰ عامر کا یہ لقب تھا کیونکہ وہ جس جنگ میں پہنچ جاتے وہاں کشتوں کے پشتے لگ جاتے اس لئے انہیں حضر موت کہتے تھے انہوں نے یہ شہر آباد کیا تو شہر کا نام حضر موت ہوا' اور بھی کئی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں' اور یہ معاویہ ابن ابوسفیان نہیں بلکہ معاویہ ابن حکم سلمی ہیں' کیونکہ معاویہ ابن ابوسفیان کا اسلام تو فتح مکہ میں ظاہر ہوا' اور یہ واقعہ فتح مکہ سے بہت پہلے کا ہے (مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو قبضہ دینے اور لینے کا وکیل کر سکتے ہیں۔

وَعَنْ اَبْيَضَ بْنِ حَمَّالٍ الْمَارِبِيِّ اَنَّهٗ وَفَدَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَقْطَعَهُ الْمِلْحَ الَّذِيْ بِمَارِبَ فَاَقْطَعَهٗ اِيَّاهُ فَلَمَّا وَلّٰى قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا اَقْطَعْتَ لَهُ الْمَآءَ الْعِدَّ قَالَ فَرَجَعَهٗ مِنْهُ قَالَ وَسَاَلَهٗ مَاذَا يُحْمٰى مِنَ الْاَرَاكِ قَالَ مَالَمْ تَنَلْهُ اَخْفَافُ الْاِبِلِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۸۷۱) روایت ہے حضرت ابیض ابن حمال ماربی سے[۱] کہ وہ بطور نمائندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے حضور سے مارب کے نمک کی کان کی جاگیر مانگی[۲] حضور نے انہیں وہ جاگیر عطا فرمادی جب وہ چلے گئے تو کسی شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے تو انہیں پانی کا چشمہ جاگیر دے دیا[۳] فرماتے ہیں تب حضور نے وہ ان سے واپس لے لیا[۴] راوی فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور سے پوچھا کہ کس قدر پیلو چراگاہ بنائے جاسکتے ہیں فرمایا جہاں تک اونٹوں کے سم نہ پہنچیں[۵] (ترمذی' ابن ماجہ' دارمی)

(۲۸۷۱)[۱] ان کا نام پہلے اسود تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابیض رکھا' مارب یمن کے علاقہ صنعا کا مشہور شہر ہے جہاں نمک کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔[۲] یعنی عرض کیا کہ مجھے وہاں کا نمک عنایت فرمادیجئے کہ میں اس کی تجارت کر کے گزر اوقات کروں' [۳] یہ عرض کرنے والے اقرع ابن حابس تمیمی ہیں یا عباس ابن مرداس' آپ نے سمجھا تھا کہ وہاں نمک پہاڑی ہوگا جو بصد دشواری کھود کر نکالا جاتا ہوگا اس لئے وہ بطور جاگیر عنایت فرمادیا۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ وہ تو جھیل ہے جس سے بغیر مشقت نمک بنتا ہے' وہاں پانی کا چشمہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا' عد ع کے کسرہ سے بمعنی مہیا یعنی نفع کے لئے تیار کی ہوئی چیز' مطلب یہ تھا کہ یہ نمک کا ذخیرہ رفاہ عام کی چیز ہے' ایک کی ملکیت بن جانے سے سب کو تکلیف ہوجائے گی۔[۴] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ بادشاہ اندرونی کانوں کو بطور جاگیر دے سکتا ہے جیسے پہاڑی نمک کا تیل فیروزہ اور گندھک وغیرہ کی کانیں' ظاہری کانیں جیسے پانی کا نمک وغیرہ کسی کو بطور جاگیر نہیں دے سکتا کہ یہ پانی گھاس وغیرہ کی طرح رفاہ عام کی چیزیں ہیں کہ ایک کی ملکیت میں جانے سے سب کو تکلیف ہوجائے گی' دوسرے یہ کہ حاکم اپنے فیصلہ کو رد بھی کرسکتا ہے اور اس میں ترمیم بھی' اور حاکم کے فیصلہ کی اپیل بھی کی جاسکتی ہے۔[۵] یعنی بستی کے آس پاس کی وہ زمینیں جن کی

بستی والوں کو ضرورت رہتی ہے اور جہاں تک ان کے جانور چرنے پھرنے آتے ہیں وہاں تک کی زمین موات نہیں اور نہ اسے کوئی آباد کر کے مالک ہوسکتا ہے کہ اس سے سب کو تکلیف ہو جائے گی' وہ زمینیں جو شہر سے دور ہوں' کسی کی مملوک نہ ہوں' رفاہ عام کی نہ ہوں وہ موات ہیں اور اس کی آبادکاری جائز ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَآءُ فِيْ ثَلٰثٍ فِي الْمَآءِ وَالْكَلَاءِ وَالنَّارِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۸۷۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں پانی' گھاس اور آگ میں ا(ابوداؤد' ابن ماجہ)

(۲۸۷۲) ا یہاں پانی سے وہ پانی مراد ہے جو نہ کسی کی محنت سے حاصل ہوا ہو، نہ کسی کے برتن میں بھرا ہو، جیسے جنگل، بارش، سیلاب کا پانی مگر اپنے نہر گھڑے، اپنی نالی کا پانی اس سے خارج ہے، ایسے ہی گھاس سے وہ گھاس مراد ہے جو غیر مملوک زمین میں کھڑی ہو۔ اپنی مملوک زمین کی گھاس، ایسے ہی وہ گھاس جو کاٹ کر اپنے گھر میں رکھ لی مملوک ہے، آگ سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنے چراغ کی روشنی میں بیٹھنے آگ تاپنے سے نہیں روک سکتے، یوں ہی اپنی شمع سے دوسرے کو شمع جلانے سے منع نہیں کر سکتے، بعض نے فرمایا کہ آگ سے مراد چقماق پتھر ہے، لہٰذا ہر شخص اپنی آگ سے چنگاری لینے سے منع کر سکتا ہے کہ یہ اسی کی ملک ہے اور اس سے آگ کم بھی ہو جاتی ہے (مرقات، اشعہ)

وَعَنْ اَسْمَرَ بْنِ مُضَرِّسٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهٗ فَقَالَ مَنْ سَبَقَ اِلٰى مَآءٍ لَّمْ يَسْبِقْهُ اِلَيْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۸۷۳) روایت ہے حضرت اسمر ابن مضرس سے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے حضور سے بیعت کی آپ نے فرمایا جو ایسے پانی پر قبضہ کرے جس تک کسی مسلمان کا قبضہ نہ پہنچا ہو تو وہ اسی کا ہے۔ا(ابوداؤد)

(۲۸۷۳) ا یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے اس نے بتایا کہ غیر مملوک چیز پر اگر کوئی قبضہ کرے تو وہ قابض اس کا مالک ہوگا، جیسے شکار جانور، خودرو جنگلی درختوں کے پھل، جنگل کا پانی غیر مملوک زمین میں اگی ہوئی گھاس، بن کی لکڑی وغیرہ مگر ان میں سے جو کسی کی مملوک بن چکی ہو، اس پر ملکیت نہیں آسکتی۔

وَعَنْ طَاؤسٍ مُرْسَلًا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحْيٰى مَوَاتًا مِّنَ الْاَرْضِ فَهُوَ لَهٗ وَعَادِيُّ الْاَرْضِ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ مِنِّيْ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَرُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدِ نِ الدُّوْرَ بِالْمَدِيْنَةِ وَهِيَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ عِمَارَةِ الْاَنْصَارِ مِنَ الْمَنَازِلِ وَالنَّخْلِ فَقَالَ بَنُوْ عَبْدِ بْنِ زُهْرَةَ نَكِّبْ عَنَّا ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۲۸۷۴) ا روایت ہے حضرت طاؤس سے ا ارسالاً کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بنجر غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ زمین اسی کی ہے ۲ اور پرانی غیر مملوکہ زمینیں اللہ اور رسول کی ہیں ۳ پھر میری طرف سے وہ تمہاری ہیں ۴ (شافعی) اور شرح السنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کو مدینہ منورہ میں مکانات بطور جاگیر بخشش فرمائے جو انصار کی آبادی مکانات اور باغ کے درمیان تھے ۵ تو عبداللہ ابن زہرہ کے خاندان نے کہا ۶ حضور ہم سے ام عبد کے بیٹے کو دور فرمائیں ۷ انہیں رسول اللہ صلی

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلِمَ ابْتَعَثَنِیَ اللّٰہُ اِذًا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُقَدِّسُ اُمَّۃً لَّا یُؤْخَذُ لِلضَّعِیْفِ فِیْھِمْ حَقُّہٗ۔

اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ پھر مجھے اللہ تعالٰی نے بھیجا کیوں ہے۔۸ اللہ اس جماعت کو پاک نہیں فرماتا جس میں کمزور کا حق نہ لیا جائے۔۹

(۲۸۷۴)۱؎ آپ طاؤس ابن کیسان خولانی ہمدانی ہیں، اہل فارس سے ہیں، علم وعمل میں بہت ہی کامل ہیں۔تابعی ہیں، ثقہ ہیں، ۱۵۰ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی، آپ نے جماعت صحابہ سے احادیث لیں، اور آپ سے امام زہری جیسے بزرگوں نے احادیث قبول کیں، عمرو ابن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس جیسا عالم وعامل نہ دیکھا (مرقات) ۲؎ اس کی شرح گزر گئی کہ رفاہ عام اور مملوک زمین کے علاوہ دوسری زمینیں اگر بادشاہ اسلام کی اجازت سے آباد کرلی جائیں تو وہ آباد کرنے والے کی ہوں گی ۳؎ عادی، عاد سے بنا، جو ایک قوم کا نام ہے عاد وثمود، عادی کے معنی ہیں عاد والی زمین، مراد ہے پرانی زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ ہو، عاد بہت پرانی قوم ہے، یہ زمین اللہ رسول کی ملک ہیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے چاہیں اس میں تصرف فرمائیں، جسے چاہیں بخشیں، اللہ کا ذکر برکت کے لیے ہے، درحقیقت حضور انور کی ملک ہیں (مرقات) ۴؎ اس میں اشارۃً مذہب حنفی کی تائید ہے کہ ایسی زمینیں سلطان کی ملک ہوتی ہیں جوکوئی سلطان کی اجازت سے ان کو آباد کرے، وہ ان کا مالک ہوگا بغیر اجازت نہیں، یہ ہی امام اعظم کا قول ہے۔ ۵؎ دور سے مراد سفیدہ زمین ہے جس پر مکانات بن سکیں، چونکہ آئندہ اس پر دار یعنی عمارت بننے والی تھی اس لئے اسے دور فرمایا گیا، بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور انور نے یہ زمین حضرت ابن مسعود کو عاریۃً مرحمت فرمائی تھی، مگر یہ غلط ہے، کیونکہ آپ کے بعد آپ کی بیوی یعنی زوجہ ابن مسعود اس مکان کی وارث ہوئیں، عاریت میں وراثت جاری نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ شہر کی متروکہ اور غیر مملوکہ زمین بھی سلطان بطور جاگیر کسی کو دے سکتا ہے، اس سے بہت مسائل حاصل ہوسکتے ہیں، (مرقات ولمعات) ۶؎ بنوعبداللہ ابن زہرہ قریش کا ایک خاندان ہے اسی خاندان سے حضرت خاتون والدہ جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں، یہ لوگ مدینہ میں مہاجر تھے ۷؎ نکب تنکیب کا امر ہے جس کی اصل نکوب ہے بمعنی علیحدگی ویکسوئی، ام عبد حضرت ابن مسعود کی والدہ کا نام شریف ہے، یعنی ہم کو حضرت ابن مسعود کا قرب منظور نہیں ہے حضور انور یہ جاگیر ان سے واپس فرمالیں اور کسی دوسری جگہ زمین عطا فرمادیں ۸؎ یعنی اگر تم دینے نہ دینے، کسی کو پاس بسانے نہ بسانے میں مختار عام ہوتو میری بعثت بیکار ہے۔نہیں، بلکہ جو ہم فرمائیں گے اس پر عمل کرنا ہوگا۔ ۹؎ یعنی جس قوم کمزور کا حق زور آوروں سے نہ لیا جائے وہ قوم بربادی کے لائق ہے، حضرت ابن مسعود مسکین ضعیف ہیں، تمہاری جماعت قوی ہے۔اگر تمہارے جتھا کی رعایت کرکے ایک کمزور کو وہاں سے بیدخل کردیا جائے تو یہ ظلم ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَضٰی فِی السَّیْلِ الْمَھْزُوْرِ اَنْ یُّمْسَکَ حَتّٰی یَبْلُغَ الْکَعْبَیْنِ ثُمَّ یُرْسِلُ الْاَعْلٰی عَلَی الْاَسْفَلِ۔
(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

(۲۸۷۵) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہزور کے پانی کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا ۱؎ کہ یہاں تک پانی آنے دیا جائے کہ ٹخنوں کو پہنچ جائے پھر اوپر والا نیچے پر چھوڑ دے ۲؎
(ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۲۸۷۵) ۱؎ مہزور مدینہ منورہ کے ایک جنگل کا نام ہے جس کے پانی سے وہاں کی زمین کاشت کی جاتی ہے۔مہزول لام سے وہ بھی ایک وادی ہی کا نام ہے، مگر وہ وادی جبل یثرب کے دامن میں ہے، یہ اور وادی ہے وہ اور، وادی مہزور ہے، رہے، مہزور علم ہے اس لئے

اس پر الف لام نہ آنا چاہیے تھا مگر یہاں وصفی معنی میں ہے اسی لئے الف لام آ گیا، مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں بغیر الف لام ہے۔ ۳؎ یعنی اس پانی سے تمام کھیت والے اپنی زمین سیراب کریں، ترتیب یہ ہوگی، اوپر والا پہلے پانی لے اور نیچے والا بعد میں اور اوپر والا اتنا پانی لے کہ ٹخنوں ٹخنوں پانی کھڑا ہو جائے، پھر نیچے والے کی طرف چھوڑ دے، یہ ترتیب و پیمائش نہایت موزوں ہے جسے کاشتکار لوگ بخوبی سمجھتے ہیں۔

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ اَنَّهٗ كَانَتْ لَهٗ عَضُدٌ مِّنْ نَّخْلٍ فِيْ حَائِطِ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَمَعَ الرَّجُلِ اَهْلُهٗ فَكَانَ سَمُرَةُ يَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَتَاَذّٰى بِهٖ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَطَلَبَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَبِيْعَهٗ فَاَبٰى فَطَلَبَ اَنْ يُّنَاقِلَهٗ فَاَبٰى قَالَ فَهَبْهُ لَهٗ وَ لَكَ كَذَا اَمْرًا رَغَّبَهٗ فِيْهِ فَاَبٰى فَقَالَ اَنْتَ مُضَارٌّ فَقَالَ لِلْاَنْصَارِيِّ اذْهَبْ فَاقْطَعْ نَخْلَهٗ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ ذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا فِيْ بَابِ الْغَصَبِ بِرِوَايَةِ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ صِرْمَةَ مَنْ ضَارَّ اَضَرَّ اللّٰهُ بِهٖ فِيْ بَابِ مَايُنْهٰى مِنَ التَّهَاجُرِ۔

(٢٨٧٦) روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ ایک انصاری کے باغ میں ان کا ایک کھجور کا دستہ تھا ۱؎ مالک باغ کے ساتھ اس کے گھر والے بھی تھے جب حضرت سمرہ باغ میں جاتے تو مالک کو تکلیف ہوتی ۲؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا حضور سے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ سے مطالبہ فرمایا کہ سمرہ وہ بیچ دیں ۳؎ انہوں نے انکار کیا تو فرمایا تبادلہ کر لیں وہ انکاری ہوئے فرمایا اسے ہبہ کر دو تو تمہیں ایسا ثواب ہوگا، اس کی انہیں رغبت دی مگر انہوں نے انکار کیا ۴؎ تب فرمایا در پے ایذا ہو انصاری کو حکم دیا جاؤ ان کا درخت کاٹ دو ۵؎ (ابوداؤد) حضرت جابر کی حدیث کہ جو زمین آباد کرے باب غصب میں سعید ابن زید کی روایت سے ذکر کر دی گئی اور ابوصرمہ کی حدیث کہ جو نقصان دے اللہ اسے نقصان دے گا اس باب میں ذکر ہوگی کہ تعلق ممنوع ہے ۶؎

(٢٨٧٦) ۱؎ عضد، ضاد اور دال کے فتح سے یا ضاد کے پیش سے، کھجور کی وہ شاخ یہاں تک کہ ہاتھ پہنچ جائے اور اس کے پھل ہاتھ سے توڑے جاسکیں، یعنی ان کے کھجور کی ایک نچلی شاخ ان کے پڑوسی انصاری کے باغ میں پہنچ گئی تھی جس کے سبب انہیں اس باغ میں جانا ہوتا تھا۔ ۲؎ یعنی حضرت سمرہ اپنے اس شاخ کے پھل لینے اس کے باغ میں جاتے، تو صاحب باغ کو بے پردگی وغیرہ کی وجہ سے اذیت ہوتی ہے۔ ۳؎ طلب کے بعد الیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے حضرت سمرہ کو ان کے گھر سے اپنی بارگاہ عالی میں بلایا، لیبیعہ میں لام بلانے کی علت ہے یعنی اس لئے بلایا کہ حضرت سمرہ وہ درخت کھجور یا اس کی وہ شاخ جو انصاری کے باغ میں تھی اس انصاری کے ہاتھ فروخت کر دیں تاکہ وہ انصاری یہ شاخ کاٹ دیں اور ان کا آنا جانا بند ہو جائے اس لئے نہ فروخت کیں کہ انصاری اس شاخ کے پھل کھایا کریں کہ یہ ممنوع ہے' اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ بغیر مدعی علیہ کا بیان لئے ہوئے فیصلہ نہ کرنا چاہیے' دوسرے یہ کہ مدعی علیہ کے پاس سمن بھیجنا' اس کی تعمیل کرانا سنت سے ثابت ہے اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔ ۴؎ یعنی اولاً تو حضور انور نے ان سے فرمایا کہ اپنے پڑوسی انصاری سے قیمت لے کر وہ شاخ اس کے ہاتھ فروخت کر دو' اور انکار کرنے پر فرمایا کہ جنت لے لو' اور یہ شاخ اسے ویسے ہی بغیر قیمت دے دو' اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ حضور انور کے مشورہ پر عمل کرنا بہتر ہے' نہ کرنا بھی جائز ہے مگر حکم مصطفوی کی اطاعت بہرحال لازم ہے' یہ حکم نہ تھا مشورہ تھا' دوسرے یہ کہ حضور انور جنت کے مالک ہیں' باذن پروردگار جسے چاہیں بخشیں' دیکھو حضرت سمرہ کو

صرف ایک شاخ خرما کے عوض جنت کا باغ عطا فرما رہے ہیں' یہ ہے سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھئے۔ ۵؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ حاکم کو رعیت کے مال میں تصرف کرنے کا حق ہے' دیکھو حضرت سمرہ کے درخت کی شاخ اس انصاری پر زیادتی وظلم کا باعث تھی' تو حضور انور نے بغیر ان کی رضا کے اس کے کاٹنے کا حکم دے دیا' مگر انصاری کو صرف کاٹ دینے کا حکم دیا' اس شاخ کی لکڑی و پھل حضرت سمرہ کے ہی ہوں گے وہ انصاری نہ لے سکیں گے' دوسرے یہ کہ حضرات صحابہ کرام نے اخلاق و مروت آہستہ آہستہ سیکھے بچہ سکول میں پہنچتے ہی بی اے نہیں پاس کر لیتا' ابھی حضرت سمرہ نئے نئے حاضری بارگاہ سے مشرف ہوئے تھے' آداب سے پورے پورے واقف نہ تھے پھر یہی صحابہ حضور کے اشارہ پر جان نثار کرتے تھے' لہذا اس حدیث سے صحابہ کی سرتابی ثابت نہیں ہوسکتی۔ ۶؎ یعنی مصابیح میں یہ دونوں حدیثیں اس جگہ تھیں' ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک حدیث تو پیچھے بیان کر دی' اور دوسری حدیث آگے بیان کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الشَّیْءُ الَّذِیْ لَا یَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ الْمَآءُ وَالْمِلْحُ وَالنَّارُ قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْمَآءُ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَمَا بَالُ الْمِلْحِ وَالنَّارِ قَالَ یَا حُمَیْرَآءُ مَنْ اَعْطٰی نَارًا فَکَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِیْعِ مَا اَنْضَجَتْ تِلْكَ النَّارُ وَمَنْ اَعْطٰی مِلْحًا فَکَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِیْعِ مَاطَیَّبَ تِلْكَ الْمِلْحُ وَمَنْ سَقٰی مُسْلِمًا شَرْبَةً مِّنْ مَّآءٍ حَیْثُ یُوْجَدُ الْمَآءُ فَکَاَنَّمَا اَعْتَقَ رَقَبَةً وَّمَنْ سَقٰی مُسْلِمًا شَرْبَةً مِّنْ مَّآءٍ حَیْثُ لَایُوْجَدُ الْمَآءُ فَکَاَنَّمَا اَحْیَاهَا۔ (رَوَاهُ بْنُ مَاجَةَ)

(۲۸۷۷) روایت ہے حضرت عائشہ سے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسی چیز ہے جس کا منع کرنا حلال نہیں ۲؎ فرمایا پانی' نمک اور آگ ۲؎ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ پانی کو تو ہم سمجھ گئے۔ مگر نمک اور آگ کا یہ حکم کیوں ہے ۳؎ فرمایا اے حمیراء ۴؎ جس نے کسی کو آگ دی اس نے گویا اس آگ سے پکا ہوا سارا کھانا خیرات کیا اور جس نے کسی کو نمک دیا اس نے گویا سارا وہ کھانا خیرات کیا جسے اس نمک نے لذیذ بنایا ۵؎ اور جس نے کسی مسلمان کو ایک گھونٹ پانی وہاں پلایا جہاں پانی عام ملتا ہو اس نے گویا غلام آزاد کیا اور جس نے مسلمان کو وہاں ایک گھونٹ پانی پلایا جہاں پانی نہ ملتا ہو اس نے گویا اسے زندگی بخشی ۶؎ (ابن ماجہ)

(۲۸۷۷) ۱؎ شاید ام المؤمنین اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھ رہی ہیں کہ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۱۰۷:۷) اور برتنے کی چیز مانگے نہیں دیتے (کنزالایمان) اور عرض کر رہی ہیں کہ مَاعُوْنَ کیا چیزیں ہیں' جن کا منع کرنا برا ہے ۲؎ پانی سے مراد وہ ایک گلاس پانی ہے۔ جس سے پیاسے کی پیاس بجھ سکے اور اپنی ضرورت سے زائد ہو' نمک سے بھی یہی مراد ہے کہ ایک آدھ ہانڈی کا نمک کسی کو دے دینا جب کہ اپنے پاس ضرورت سے زیادہ ہو' آگ سے مراد بھی وہ آگ ہے جو ایک آدھ چنگاری کسی کو دے دی جائے' جس سے وہ اپنے ہاں آگ روشن کرے' ان چیزوں کے دینے میں اپنا کچھ نقصان نہیں ہوتا' دوسرے کا بھلا ہو جاتا ہے اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے' دینے والے کو اجر بے حساب مل جاتا ہے۔ ۳؎ یعنی پانی ایک بے قیمت چیز ہے مگر اس سے دوسرے کی جان بچ جاتی ہے اس لئے اس کا منع کرنا واقعی برا ہے مگر نمک و آگ کا تو یہ حال نہیں' نمک و آگ پر پیسے خرچ ہوتے ہیں اور ان سے دوسرے کی زندگی وابستہ نہیں۔ ۴؎ حمیرا احمر کا مونث ہے

جس کا مادہ حمرۃ ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ جن احادیث میں یا حمیراء ہے وہ اکثر موضوع ہیں ۵؎ یعنی ان مسائل میں اپنی قیاس آرائی نہ کرو کہ نمک وآگ قیمتی چیز ہے اور اس پر دوسرے کی زندگی کا دارومدار نہیں بلکہ اس اجر کو دیکھو جو رب تعالٰی اس معمولی خیرات پر عطا فرماتا ہے،معمولی خیرات سے باز رہ کر اتنے بڑے اجر سے محروم رہ جانا عقلمندی نہیں،رب تعالٰی کی عطائیں ہمارے خیال،وہم وسمجھ سے وراء ہیں ۶؎ اس فرمان عالی کا تجربہ اسے ہوگا جس نے کبھی عراق ونجد کے ریگستان کا نظارہ کیا ہو،وہاں ایک گلاس پانی کی قیمت ایک جان ہے،بعض موقع فقیر نے ایسے دیکھے جہاں فقیر وسائل کو پانچ روپیہ خیرات دینے کی وہ خوشی نہیں ہوتی جو ایک پیالہ پانی دینے کی خوشی ہوتی ہے،واقعی ایک پیالہ پانی ایک جان بچالیتا ہے،اس کی تفصیل ہماری کتاب سفرنامہ میں ملاحظہ کیجئے۔

بَابُ الْعَطَايَا — بخششوں کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

کسی بڑے کا اپنے چھوٹے کو بغیر عوض کچھ دینا عطیہ کہلاتا ہے اور چھوٹے کا بڑے کو کچھ دینا نذرانہ اور برابر والے کا برابر والے کو دینا ہبہ،چونکہ عطیے بہت قسم کے ہیں،عمری،رقبی،جائزہ،انعام،سلطانی بخششیں،ماں باپ کا اپنی اولاد کو کچھ دینا وغیرہ اس لئے عطایا جمع ارشاد ہوا،علماء فرماتے ہیں کہ سلطانی عطیے قبول کرنا عالم،جاہل،فقیر،غنی ہر ایک کو جائز ہے کہ اگرچہ سلطانی اموال عمومًا حرام وحلال سے مخلوط ہوتے ہیں مگر مخلوط مال کا قبول کرنا،دعوت کا کھانا درست ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ اسکندریہ مقوقس وغیرہ کے ہدیے تحفے قبول فرمائے یہود مدینہ سے قرض لیا،حالانکہ ان کے متعلق رب تعالٰی فرماتا ہے:اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (۵:۴۲) یہ لوگ حرام خور ہیں۔(مرقات وغیرہ)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ اَصَابَ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَصَبْتُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالاً قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِيْ مِنْهُ فَمَا تَاْمُرُنِيْ بِهٖ قَالَ اِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اَنَّهٗ لَايُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَآءِ وَفِي الْقُرْبٰى وَفِي الرِّقَابِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا اَنْ يَاْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اَوْ يُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ غَيْرَ مُتَاَثِّلٍ مَالًا — (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۷۸) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ جناب عمر نے خیبر میں کچھ زمین پائی ۱؎ تو آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے خیبر میں ایسی زمین پائی ہے کہ میرے خیال میں ایسا نفیس مال میں نے کبھی نہ پایا ۲؎ حضور والا مجھے اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں ۳؎ فرمایا اگر تم چاہو تو اصل زمین محفوظ کردو اور اسے صدقہ کردو ۴؎ چنانچہ حضرت عمر نے صدقہ کردی کہ اصل زمین نہ بیچی جائے اور نہ ہبہ کی جائے نہ موروثی ہو اور فقیروں،قرابتداروں،اللہ کی راہ،مسافروں،مہمانوں میں صدقہ کردی ۵؎ اس زمین کے متولی پر اس میں مضائقہ نہیں کہ اس میں سے بطریق احسن کچھ کھالے یا کھلائے ۶؎ ہاں اسے مال نہ بنائے ابن سیرین نے فرمایا غیر متاثل مال ۷؎ (مسلم بخاری)

(۲۸۷۸) ۱؎ جس میں بہت [illegible] غ تھے،اولًا تو زمین خود ہی بہت سبزہ زار ہے،پھر اس میں باغات بھی تھے جن کی آمدنی بہت تھی

اس لئے آپ کو یہ زمین بہت ہی پسند آئی' یہ واقعہ غزوہ خیبر کے بعد کا ہے۔۲؎ کیونکہ اولاً تو مال غیر منقول ویسے بھی اعلیٰ ہوتا ہے' خصوصاً خیبر کی زمین زرخیز جو پشت ہاپشت تک کام آئے' ایسا اعلیٰ مال میرے پاس کبھی نہ آیا تھا۔۳؎ یعنی اس مال کو راہ خدا میں خیرات کرنا چاہتا ہوں مگر خبر نہیں کہ کیسی خیرات بہتر ہوگی۔ یہ عمل تھا اس آیت پر کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۳'۹۲) تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو (کنزالایمان) اپنی پیاری چیز خیرات کرنا افضل ہے۔۴؎ یعنی بہتر ہوگا کہ یہ باغ فقراء پر وقف کردو کہ مالک کوئی نہ ہوں' فروخت وغیرہ کا کسی کو حق نہ ہو' اور اس سے نفع سارے فقراء اٹھائیں' یہ وقف صدقہ جاریہ ہوگا ۵؎ قرابتداروں سے مراد یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار مراد ہیں یا اپنے یا دونوں' فقراء سے مراد عام مدینہ کے فقراء خصوصاً اہل صفہ' رقاب سے مراد مکاتب غلاموں کا بدل کتابت ادا کرکے انہیں آزاد کرنا یا مقروض کے قرض ادا کرنا مہمانوں سے مراد غرباء اہل مدینہ کے گھر آنے والے مہمان جن کی وہ خاطر تواضع مہمان نوازی نہ کرسکیں' ان مہمانوں کو اس باغ کی آمدنی سے دیا جائے' اللہ کی راہ میں مراد غازی' مسافر وغیرہ ہیں۔۶؎ یعنی اس باغ کے منتظم و متولی کو بھی اجازت ہوگی کہ اپنی اجرت اس باغ سے لے لے کہ اسی میں سے کھائے' اپنے بچوں' دوستوں کو کھلائے مگر فساد کی نیت سے نہ ہو بلکہ اجرت وصول کرنے کی نیت سے۔ ۷؎ یعنی دفع ضرورت کے لئے خرچ کرے' مال جمع نہ کرے' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین یا باغ کا وقف درست ہے اور مال وقف کی نہ بیع درست ہے' نہ ہبہ نہ تملیک' یہ بھی معلوم ہوا وقف کرنا بہت اعلیٰ عبادت ہے کہ یہ صدقہ جاریہ ہے' یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کیسے مخلص مومن تھے کہ ہمیشہ اعلیٰ کاموں میں سبقت فرماتے تھے' یہ بھی معلوم ہوا کہ خیبر صلح سے حاصل نہ ہوا' بلکہ جنگ سے فتح کیا گیا' اسی لئے وہاں کی زمین غازیوں میں تقسیم کردی گئی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ صحت وقف کے لئے متولی مقرر کرنا لازم نہیں' دیکھو حضرت عمر نے کسی کو متولی نہ بنایا بلکہ قاعدہ مقرر فرمادیا کہ متولی کو یہ حقوق ہوں گے یہ بھی معلوم ہوا کہ متولی وقف سے خرچ کرسکتا ہے کھا کھلا سکتا ہے' خیال رہے کہ واقف خود بھی ایسے وقف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے' حضرت عثمان غنی نے بیر رومہ وقف کیا مگر خود بھی اس کا پانی پیتے تھے۔ لہٰذا وقف کردہ قبرستان میں دفن ہوسکتا ہے۔ اپنی مسجد میں نماز' اپنے کنوئیں سے پانی حاصل کرسکتا ہے' یہ حدیث بہت سے مسائل وقف کی اصل ہے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیے' وقف علی الاولاد بھی درست ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرٰى جَائِزَةٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۷۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا عمر بھر کو دینا جائز ہے ۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۸۷۹) ۱؎ عمرۂ حج اور ہے عمریٰ عطاء کچھ اور یہاں عمرۂ عطاء مراد ہے' اس کی تین صورتیں ہیں' ایک یہ کہ کوئی شخص کسی کو زمین وغیرہ اس کی عمر بھر کے لئے دے' اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دے کہ تیرے بعد تیرے وارثوں کی یہ بالاتفاق جائز ہے' کہ موہوب لہ کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو ملے گی' وارث نہ ہوں تو بیت المال کو واہب کو نہ لوٹے گی' دوسرے یہ کہ اس کے وارثوں کا ذکر نہ کرے' یہ عمریٰ ہمارے ہاں جائز ہے اور حق یہ ہے کہ امام شافعی کے ہاں بھی درست ہے' اس کا حکم پہلے عمریٰ کا سا ہے کہ یہ بھی کسی صورت میں واہب کو نہ لوٹے گی' تیسرے یہ کہ لوٹنے کی شرط لگادے کہ کہہ دے تیری حین حیات تک' تیرے بعد میں میری' اس میں ہمارے ہاں اختلاف ہے فتویٰ اس پر ہے کہ یہ بھی جائز ہے اور لوٹنے کی شرط باطل' کہ یہ ہبہ بالشرط ہے اور ہبہ بالشرط جائز ہوتا ہے' شرط باطل ہوتی ہے' لہٰذا اس صورت میں بھی یہ شے موہوب لہ کی ہوگی' واہب کو نہ ملے گی' امام احمد کے ہاں مطلق عمرہ درست ہے موقت باطل' امام مالک کے ہاں عمریٰ

میں منافع کی ملکیت ہوتی ہے اصل شے کی نہیں یعنی موہوب لـہ اس کو برت سکتا ہے اس کا مالک نہیں مگر مذہب حنفی قوی ہے کہ اس کی تائید بہت سی احادیث سے ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعُمْرٰى مِيْرَاثٌ لِاَهْلِهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۸۸۰) روایت ہے حضرت جابر سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ عمری عمرے والے کے گھر والوں کی میراث ہے۱ (مسلم)

(۲۸۸۰)۱ یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے کہ عمری خواہ کیسا ہی ہو مطلق یا وقتی، مشروط یا غیر مشروط واہب کو نہ لوٹے گا بلکہ موہوب لـہ کی موت کے بعد خود اس کے ورثاء کو ملے گا، خیال رہے کہ عمری عمرٌ سے بنا عمر زندگی کی مدت کو کہتے ہیں، چونکہ اس ہبہ میں موہوب لہٗ کی زندگی کا ذکر ہوتا ہے اس لئے اسے عمری کہا جاتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ اُعْمِرَ عُمْرٰى لَهٗ وَلِعَقِبِهٖ فَاِنَّهَا لِلَّذِيْ اُعْطِيَهَا لَايَرْجِعُ اِلَى الَّذِيْ اَعْطَاهَا لِاَنَّهٗ اَعْطٰى عَطَاءً وَّقَعَتْ فِيْهِ الْمَوَارِيْثُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۸۱) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو کچھ چیز بطور عمری دی گئی اسے اور اس کے پسماندگان کو۱ تو وہ عمری اس کا ہوگا جسے دیا گیا دینے والے کو واپس نہ ملے گا۲ کیونکہ وہ ایسا عطیہ دے چکا ہے جس میں وراثتیں واقع ہو گئیں۳ (مسلم بخاری)

(۲۸۸۱)۱ اس طرح کہ اس سے کہا گیا یہ چیز تاحین حیات تیری ہے اور تیرے بعد تیرے وارثوں کی یہ پہلی قسم کا عمری ہے عقب قاف کے کسرہ سے ہے بمعنی پیچھے رہنے والے لوگ یعنی ورثاء خواہ اولاد ہوں یا دوسرے وارث، بعض نے کہا عقب قاف کے سکون سے ہے۔۲ امام مالک کے ہاں تو صرف یہ عمری جس میں وارثوں کا بھی ذکر ہو واپس نہ ہوگا، جمہور علماء جیسے امام ابوحنیفہ و شافعی وغیرہم کے ہاں ہر عمری کا یہی حکم ہے، خواہ یہ شرط لگائے یا نہ لگائے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۳ خلاصہ یہ ہے کہ عمری ہبہ کی قسم ہے، اور ہبہ کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے بعد واہب کو واپس نہیں ہوسکتا، موت مانع رد ہے مانع رد کل سات چیزیں ہیں جو دمع خزقہ میں جمع ہیں، زیادۃ، موت، عوض، خروج عن الملک، زوجیت، قرابت، ہلاکت

وَعَنْهُ قَالَ اِنَّمَا الْعُمْرٰى الَّتِيْ اَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقُوْلَ هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ فَاَمَّا اِذَا قَالَ هِيَ لَكَ مَاعِشْتَ فَاِنَّهَا تَرْجِعُ اِلٰى صَاحِبِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۸۲) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں وہ عمری جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز کیا۔۱ وہ یہ ہے کہ کہے یہ تیرا اور تیرے پسماندگان کا ہے۲ لیکن اگر یوں کہے کہ تیرے جیتے جی تیری ہے تو وہ اپنے مالک کو لوٹ جائے گی۳ (مسلم بخاری)

(۲۸۸۲)۱ جائز کہا سے مراد ہے کہ موہوب لـہ کو اس کا مالک بنایا، دوسرا عمری بھی جائز تو ہے، مگر موہوب لـہ اس کا مالک نہیں بنتا صرف نفع حاصل کرسکتا ہے، بعد موت واہب کو لوٹ جائے گا۲ یعنی عمرے کی پہلی قسم جو بالاتفاق درست ہے۔۳ یہ حدیث امام مالک و امام زہری کی دلیل ہے کہ اگر عمرے میں وراثت کا ذکر نہ ہو تو دینے والے کی طرف لوٹ جاتا ہے، ان کی دلیل وہ حدیث جابر ہے، جو مرفوعاً فرمائی العمری میراث لا هلها عمری، معمرلہ کی میراث ہے، یہاں العمریٰ مطلق ہے جو تینوں قسموں کو شامل ہے، رہی یہ حدیث یہ حضرت

جابر کا اپنا اجتہاد ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی لہٰذا وہ ہی حدیث قابل عمل ہے یہ مرجوع ہے (اشعہ ومرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتُرْقِبُوْا وَلَا تُعْمِرُوْا فَمَنْ اُرْقِبُ شَیْئًا اَوْ اُعْمِرَ فَهِیَ لِوَرَثَتِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۸۸۳) روایت ہے حضرت جابر سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا نہ کسی کو کچھ بطور رقبیٰ دو نہ بطور عمریٰ[1] جسے کچھ رقبیٰ یا عمریٰ دیا گیا تو اس کا اور اس کے وارثوں کا ہے[2] (ابوداؤد)

(۲۸۸۳)[1] رقبیٰ ارقاب سے ہے جو مراقبہ سے بنا' رقب گردن کو کہتے ہیں' سوچنا' انتظار کرنا رقبی کہلاتا ہے کہ وہ بھی گردن ڈال کر ہی ہوتا ہے' رقبی یہ ہے کہ کہے یہ چیز تجھے دیتا ہوں لیکن اگر تو پہلے مرجائے تو میری ہوگی' اور اگر میں پہلے مرجاؤں تو مستقل تیری ہوگی چونکہ اس صورت میں ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتا ہے' اس لئے اسے رقبی کہتے ہیں' عمریٰ کے معنی پہلے عرض ہو چکے- لا ترقبوا کی نہی بطور مشورہ ہے نہ کہ حرمت کے لئے یا یہ مطلب ہے کہ واپسی کی نیت سے رقبی عمریٰ نہ کرو۔[2] یعنی رقبی ہو یا عمریٰ چونکہ یہ ہبہ بالشرط ہے' لہٰذا ہبہ درست ہے اور شرط باطل' اور وہ شے کبھی بھی واہب کو نہ واپس ہوگی' یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے کہ رقبی اور ہر طرح کا عمریٰ موہوب لہ کو مستقل مالک کردیتا ہے' چونکہ حدیث مرفوع ہے لہٰذا موقوف کے مقابل یہ ہی راجح ہے-

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرٰی جَائِزَةٌ لِاَهْلِهَا وَالرُّقْبٰی جَائِزَةٌ لِاَهْلِهَا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۸۸۴) روایت ہے انہی سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا عمریٰ جائز ہے عمریٰ والے کے لئے ہے اور رقبیٰ جائز رقبیٰ والے کے لئے[1] (احمد' ترمذی' ابوداؤد)

(۲۸۸۴)[1] زمانہ جاہلیت میں عمریٰ' رقبیٰ' موہوب لہ کے مرنے پر واہب کو واپس ہوجاتا تھا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قاعدہ توڑ دیا' اس توڑنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا: لاهلها میں ضمیر رقبیٰ یا عمریٰ کی طرف راجع ہے اور اہل عمریٰ سے عمریٰ لہ مراد ہے جسے ہبہ دی گئی-

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكُوْا اَمْوَالَكُمْ عَلَیْكُمْ لَا تُفْسِدُوْهَا فَاِنَّهٗ مَنْ اَعْمَرَ عُمْرٰی فَهِیَ لِلَّذِیْ اُعْمِرَ حَیًّا وَمَیِّتًا وَلِعَقِبِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۸۸۵) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مال اپنے پاس محفوظ رکھو انہیں بگاڑو مت[1] جسے کچھ عمریٰ کے طور پر دیا گیا تو مرے جئے اس کا ہے اور اس کے پسماندگان کا[2] (مسلم)

(۲۸۸۵)[1] مطلب یہ ہے کہ تم جو مال اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو اسے کسی کو بطور عمریٰ یا رقبی نہ دو کہ اس سے تمہارا مال بگڑ جائے گا کہ تمہیں واپس نہ ملے گا اور تمہارا مدعا پورا نہ ہوگا' یہ مطلب نہیں کہ عمریٰ یا رقبی کرنا اپنا مال بگاڑنا ہے کہ یہ تو مخلوق پر مہربانی ہے جس پر ثواب کی امید ہے- لہٰذا مطلب واضح ہے-[2] للذی کا لام ملکیت کا ہے' یعنی عمریٰ معمور لہ کی ملکیت میں تام ہوگا کہ وہ اس کے فروخت

کرنے کا بھی مجاز ہوگا' اور اس کے مرنے پر وہ چیز اس کے ورثاء کو ملے گی' یہ حدیث بھی جمہور علماء کی دلیل ہے کہ عمرٰی عاریت نہیں ہوتا بلکہ ملکیت ہوتا ہے۔ حضرت امام مالک وغیرہ اسے عاریت مانتے ہیں' یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

بَابٌ
باب
اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

چونکہ یہ باب متفرق احادیث پر مشتمل ہے اس لئے اس کا ترجمہ مقرر نہ کیا' اس باب میں گزشتہ باب کے متمات احادیث مذکور ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عُرِضَ عَلَيْهِ رَيْحَانٌ فَلَا يَرُدَّهٗ فَاِنَّهٗ خَفِيْفُ الْمَحْمَلِ طَيِّبُ الرِّيْحِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۸۸۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر خوشبو تحفہ پیش کیا جائے ۱؎ وہ اسے واپس نہ کرے کہ اس کا بوجھ ہلکا ہے خوشبو اچھی ہے ۲؎ (مسلم)

(۲۸۸۶) ۱؎ ہم نے تحفہ کی قید اس لئے لگائی کہ تجارت کی نوعیت نکل جائے' بعض عطر فروش کسی کو قیمتاً عطر پیش کرتے ہیں' اگر اسے خریدنا نہ ہو اور وہ انکار کرے تو حدیث پڑھ کر اسے خریدنے پر مجبور کرتے ہیں' وہ اس حدیث کی منشاء سے یا تو واقف نہیں یا واقف ہیں مگر اس کے ذریعہ اپنا بیوپار چلانا چاہتے ہیں' ریحان ریح سے بنا بمعنی خوشبو اس سے ہر خوشبو مراد ہے' پھول ہوں یا عطر چنبیلی وغیرہ کا تیل ۲؎ یعنی اگرچہ دوسرے ہدیے بھی واپس کرنا خلاف اخلاق ہے' مگر خوشبو واپس کرنا تو بہت ہی خشک مزاجی کی دلیل ہے کہ اس میں وزن ہلکا قیمت معمولی خوشبو اعلیٰ ہے' مرقات نے فرمایا کہ خوشبو جنت سے آئی ہے اور وہاں کا ہی پتا دیتی ہے' مبسوط سرخسی باب اللمس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ زہرا کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان سے جنت کی مہک آتی ہے' اسی لئے آپ کو زہرا کہتے ہیں یعنی جنت کی کلی۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيْبَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۸۸۷) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو واپس نہ کرتے تھے ۱؎ (بخاری)

(۲۸۸۷) ۱؎ اس کا مطلب بھی وہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ اگر کوئی بارگاہ عالی میں ہدیۃً خوشبو پیش کرتا' تو آپ اسے کبھی واپس نہ فرماتے' لہٰذا حدیث واضح ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَائِدُ فِيْ هِبَتِهٖ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهٖ لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۸۸۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے کر واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرکے چاٹ لے ۱؎ اس سے بدتر ہمارے پاس کوئی مثال نہیں ۲؎ (بخاری)

(۲۸۸۸) ۱؎ اس حدیث کی بناء پر امام شافعی و مالک و احمد فرماتے ہیں کہ ہبہ دی ہوئی چیز واپس لینا مطلقاً حرام ہے' کیونکہ حضور انور نے اسے قے کھانے سے تشبیہ دی ہے' قے حرام ہے' امام اعظم فرماتے ہیں کہ جب تک سات مانع چیزوں میں سے کوئی چیز نہ پائی

جائے تب تک ہبہ کی واپسی درست ہے اگر چہ بے مروتی اور بدخلقی ہے۔ امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے اَلْوَاهِبُ اَحَقُّ بِهِبَتِهٖ مَالَمْ يُصِبْ مِنْهُ یعنی ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا حقدار ہے جب تک کہ اس کا عوض نہ لے لے اور یہ حدیث تو حرمت رجوع پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ تے کتے پر حرام نہیں' یہ تشبیہ صرف نفرت دلانے کے لئے ہے' بشیر نے اپنے بیٹے نعمان کو باغ ہبہ کیا' حضور نے فرمایا واپس لے لو جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے کسی کو گھوڑا ہبہ دیا تھا پھر اس سے واپس خریدنا چاہا' حضور نے فرمایا مت خریدو وہاں بھی یہی کتے والی مثال دی' حالانکہ اپنا ہبہ خریدنا سب کے ہاں جائز ہے' اگر یہ حدیث حرمت کی ہوتو ان احادیث کے مخالف ہوگی' لہٰذا امام اعظم کا فرمان نہایت قوی ہے اور یہ حدیث نہ ان کے خلاف ہے نہ دیگر ائمہ کی مؤید۔۲؎ اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں' ایک تو وہ جو ترجمے سے ظاہر ہوئے' کہ اگر اس سے بدتر کوئی مثال ہمارے پاس ہوتی تو ہم وہ پیش فرماتے' مگر ہے نہیں' کیونکہ کوئی جانور اپنی قے نہیں کھاتا' اس صورت میں لنا سے مراد خود اپنی ذات کریم ہے' دوسرے یہ کہ بدترین مثال ہم لوگوں کے لئے نہیں ہونی چاہیے' یعنی کوشش کرو کہ یہ کہاوت ہم پر چسپاں نہ ہو' اس صورت میں لنا سے مراد عام مسلمان ہیں حضور انور کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَتٰى بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّىْ نَحَلْتُ ابْنِىْ هٰذَا غُلَامًا فَقَالَ اَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهٗ قَالَ لَاقَالَ فَارْجِعْهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ اَيَسُرُّكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا اِلَيْكَ فِى الْبِرِّ سَوَآءً قَالَ بَلٰى قَالَ فَلَا اِذًا وَّفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ اَعْطَانِىْ اَبِىْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا اَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّىْ اَعْطَيْتُ ابْنِىْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِىْ اَنْ اُشْهِدَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَعْطَيْتَ سَآئِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَاقَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهٗ وَ فِىْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ لَا اَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۸۸۹) روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۱؎ کہ ان کے والد انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے حضور نے فرمایا کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح دیا ہے ۲؎ عرض کیا نہیں فرمایا تو اسے لوٹا لو ۳؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ وہ ساری اولاد تمہاری خدمت میں برابر ہو عرض کیا ہاں فرمایا تو نہیں ۴؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرماتے ہیں مجھے میرے باپ نے کچھ عطیہ دیا تو عمرہ بنت رواحہ بولیں ۵؎ میں تو راضی نہیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کرلو ۶؎ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر آئے عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ سے ہے ۷؎ ایک عطیہ دیا ہے وہ کہتی ہیں میں یا رسول اللہ آپ کو گواہ بنا لوں فرمایا کیا تم نے اپنے سارے بچوں کو اسی طرح دیا ہے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو ۸؎ فرماتے ہیں میرے والد لوٹ گئے پھر اپنا عطیہ واپس کرلیا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا ۹؎ (مسلم بخاری)

(۲۸۸۹) ۱؎ آپ خود بھی صحابی ہیں آپ کے والدین بھی صحابی' آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے انصاری ہیں' اسلام میں پہلے بچے ہیں جو انصار میں پیدا ہوئے' ہجرت کے چودھویں مہینے پیدا ہوئے' حضور انور کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال سات ماہ تھی' کوفہ میں قیام رہا' امیر معاویہ کی طرف سے حمص کے حاکم تھے ۶۴ھ میں قتل کئے گئے (اکمال' اشعہ' مرقات) ۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کو برابر عطیے دے

بعض کو بعض پر ترجیح نہ دے کہ کسی کو کچھ نہ دے یا کسی کو زیادہ دے' بعض علماء فرماتے ہیں کہ زندگی میں لڑکی لڑکے کو برابر دے' لڑکے کا دوگنا حصہ میراث میں ہے نہ کہ عطیہ میں' بعض نے فرمایا کہ زندگی میں بھی لڑکے کو دوگنا دے اور لڑکی کو ایک حصہ (درمختار' شامی وغیرہ) بعض بزرگ لڑکیوں کو دوگنا دیتے ہیں' کہتے ہیں کہ لڑکیاں ماں باپ کے گھر مہمان ہیں' لڑکے مقیم-۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ باپ اولاد کو دے کر واپس لے سکتا ہے دوسرے اہل قرابت نہیں لے سکتے' قرابت اسے مانع ہے' یعنی تب تم بھی اپنے عطیہ میں فرق نہ کرو' برابر دو۔۵؎ عمرہ عین کے فتح سے' نعمان کی والدہ ہیں- بشیر کی بیوی' عبداللہ ابن رواحہ کی بہن ہیں ۶؎ تاکہ عطیہ پختہ ہو جائے' تمہارے بعد اولاد کا آپس میں جھگڑا نہ ہو' آج کل جو غیر منقول جائیداد کے بیع نامہ رجسٹری کرائے جاتے ہیں اسی کی اصل یہ حدیث ہے' رجسٹری میں حکومت کو گواہ بنایا جاتا ہے-۷؎ معلوم ہوا کہ نعمان تو عمرہ بنت رواحہ سے تھے باقی اور اولاد دوسری بیویوں سے جن کی مائیں فوت ہو چکی ہوں گی- اس لئے یہ واقعہ ہوا-۸؎ اس حدیث کی بنا پر علماء فرماتے ہیں کہ باپ اپنی زندگی میں بیٹا بیٹی ساری اولاد میں برابری کرے' بیٹے کے لئے دوگنا حصہ بعد وفات ہے-حتیٰ کہ پیار محبت بلکہ چومنے میں بھی برابری کرے (مرقات) اگرچہ قدرتی طور پر چھوٹے بچے سے زیادہ محبت ہوتی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فاطمہ زہرا بہت پیاری تھیں کہ سب سے چھوٹی تھیں-۹؎ اس حدیث کی بنا پر امام احمد' ثوری و اسحاق نے فرمایا کہ اولاد کے عطیوں میں کمی بیشی کرنا حرام ہے' کیونکہ حضور انور نے اسے ظلم فرمایا ہے اور ظلم حرام ہے' ان بزرگوں کے ہاں اس صورت میں ہبہ درست ہی نہ ہوگا' مگر ابوحنیفہ' شافعی و مالک و جمہور علماء رحمہم اللہ کے ہاں یہ زیادتی مکروہ ہے جب کہ بلاوجہ ہو' اس میں ہبہ درست ہی ہوگا' اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے- کہ ہبہ درست ہو گیا تھا ورنہ رجوع کے کیا معنی' نیز دوسری روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عطیہ پر کسی اور کو گواہ بنالو' اگر یہ حرام قطعی ہوتا تو کسی اور کو گواہ بنانے کے کیا معنی' حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عائشہ صدیقہ کو اکیس وسق کھجوریں دیں جو اور اولاد کو نہ دیں- حضرت عمر نے اپنے بیٹے عاصم کو ایک دفعہ ایک خاص عطیہ دیا جو اور اولاد کو نہ دیا- عبدالرحمن ابن عوف نے اپنی بیٹی ام کلثوم کو خاص عطیہ دیا جو اور اولاد کو نہ دیا- تمام صحابہ نے یہ واقعات دیکھے اور کسی نے انکار نہ کیا' لہٰذا اس کے جواز پر صحابہ کا اجماع ہو گیا (مرقات) خیال رہے کہ متقی بیٹے کو فاسق بیٹے سے زیادہ دینا یا غریب معذور بے درست و پا اولاد کو دوسری امیر اولاد سے کچھ زیادہ دینا بلا کراہت درست ہے-

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنَ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَرْجِعُ اَحَدٌ فِیْ ھِبَتِہٖ اِلَّا الْوَالِدُ مِنْ وَّلَدِہٖ- (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

(۲۸۹۰) روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنا دیا ہوا ہبہ واپس نہ لے سوائے باپ کے اپنے بیٹے سے۱؎ (نسائی' ابن ماجہ)

(۲۸۹۰)۱؎ اسی حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ والد اولاد کو عطیہ دے کر واپس لے سکتا ہے' دیگر اہل قرابت سے واپس نہیں لے سکتے' امام اعظم کے ہاں باپ بھی بیٹے کو دیا ہوا عطیہ واپس نہیں لے سکتا' اس کی دلیل حضور عالی کا وہ فرمان ہے کہ جب ذی رحم محرم کو ہبہ دیا جائے تو واپس نہ ہوگا اور فاروق اعظم کا یہ فرمان ہے کہ اہل قرابت کا ہبہ جائز ہے اور اجنبی کا ہبہ واپس ہو سکتا ہے جب تک کہ اس کا عوض نہ دیا گیا ہو اس حدیث کا مطلب امام اعظم کے ہاں یہ ہے کہ بوقت ضرورت باپ بیٹے کا عطیہ واپس لے سکتا ہے' کیونکہ یہ مال بیٹے

کا تھا اور باپ بیٹے کا مال ضرورۃً بغیر اجازت خرچ کرسکتا ہے- لمعات (مرقات) یا یہ کہ دوسرا عطیہ والا اگر ہدیہ واپس لے- تو قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہے- لیکن والد بوقت ضرورت بغیر قضاء قاضی واپس لے سکتا ہے (اشعہ ولمعات ومرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّعْطِىَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا اِلَّا الْوَالِدَ فِيهَا يُعْطِىْ وَلَدَهٗ وَمَثَلُ الَّذِىْ يُعْطِى الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ اَكَلَ حَتّٰى اِذَا شَبِعَ قَآءَ ثُمَّ عَادَ فِىْ قَيْئِهٖ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِىُّ وَالنَّسَآئِىُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِىُّ)

(۲۸۹۱) روایت ہے حضرت ابن عمر سے وابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ کوئی عطیہ دے پھر واپس لے لے[۱] سوائے باپ کے جو اپنے بیٹے کو دے[۲] اور اس کی مثال جو عطیہ دے پھر واپس لے لے اس کتے کی سی ہے جو کھاتا رہے حتیٰ کہ سیر ہو جائے تو قے کر دے پھر اپنی قے دوبارہ کھائے[۳] (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اسے ترمذی نے صحیح کہا ہے-

(۲۸۹۱) [۱] یہاں جائز بمعنی مناسب ہے یعنی عطیہ دے کر واپس لینا مناسب نہیں جیسے کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ مومن کے لئے یہ حلال نہیں کہ خود سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو، وہاں بھی لَایَحِلُّ ہے بمعنی غیر مناسب، لہٰذا یہ حدیث رجوع ہبہ کی احادیث کے خلاف نہیں [۲] ولد میں بیٹا بیٹی سب ہی شامل ہیں اس کی شرح ابھی گزر گئی کہ ہمارے ہاں باپ بھی بلاضرورت رجوع نہیں کرسکتا- شوافع کے ہاں کرسکتا ہے- لہٰذا بیٹی کو دیا ہوا جہیز واپس لے سکتا نہیں، خیال رہے کہ خاوند بیوی ایک دوسرے کو عطیہ دے کر واپس نہیں کر سکتے، یوں ہی اہل قرابت، عزیز، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **اذا کانت الھبة لذی رحم محرم لم یرجع فیھا** حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اہل قرابت کا عطیہ لازم ہے دوسرے کا عطیہ لازم نہیں جب تک کہ وہ عوض نہ دیں (لمعات) [۳] یعنی کتے کا قے کر کے چاٹ لینا ہر طبیعت پر باعث نفرت ہے، یوں ہی عطیہ دے کر واپس لینا ہر شخص کو برا معلوم ہونا چاہیے- خیال رہے کہ ہبہ کا حکم اور ہے صدقہ کا حکم کچھ اور، ہبہ تو بعض صورتوں میں واپس ہوسکتا ہے مگر دیا ہوا صدقہ وخیرات واپس نہیں لے سکتے کہ وہاں منشاء صدقہ رضاء الٰہی ہے جو بفضلہ تعالیٰ حاصل ہوگئی، جب عوض مل گیا تو رجوع کیسا-

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ اَعْرَابِيًّا اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرَةً فَعَوَّضَهٗ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ فَتَسَخَّطَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَاللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ فُلَانًا اَهْدٰى اِلَىَّ نَاقَةً فَعَوَّضْتُهٗ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ فَظَلَّ سَاخِطًا لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَّا اَقْبَلَ هَدِيَّةً اِلَّا مَنْ قُرَشِىٍّ اَوْ اَنْصَارِىٍّ اَوْثَقَفِىٍّ اَوْ دَوْسِىٍّ- (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَآئِىُّ)

(۲۸۹۲) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ بدوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوان اونٹنی ہدیۃً پیش کی[۱] تو حضور نے اس کے عوض چھ اونٹنیاں عطا فرمائیں پھر بھی وہ ناراض ہی رہا[۲] یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی[۳] پھر فرمایا کہ فلاں شخص نے ہم کو ایک اونٹنی دی تھی ہم نے اسے اس کے بدلے چھ اونٹنیاں دیں پھر بھی وہ ناراض ہی رہا میں نے تو ارادہ کرلیا ہے کہ اب سواء قریش یا انصاری یا ثقفی یا دوسی کا ہدیہ قبول نہ کروں[۴] (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

(۲۸۹۲) [۱] بکر کے لغوی معنی ہیں پہلی حالت، اسی لئے کنواری لڑکی کو باکرہ، صبح کو بکرہ اور شروع پھل کو باکورہ کہتے ہیں، یہاں بکرہ سے

مراد ہے نئی اونٹنی جو ابھی نوجوان ہو' حضرت صدیق اکبر کا نام ہے ابوبکر یعنی اولیت والے' آپ ہر صفت میں اول رہے لہٰذا ابوبکر ہوئے' ابو کا معنی' والا جیسے ابو ہریرہ بلی والا' ۲؎ وہ حضور انور سے بہت کچھ امید وابستہ کرکے یہ اونٹنی لایا تھا' اس لئے چھ گنا ملنے پر بھی راضی نہ ہوا' یا تو زبان سے ناراضی ظاہر کی یا اس کے چہرے مہرے سے ناراضی کا ظہور ہوا یا اس کے خوش نہ ہونے سے ناراضی ظاہر ہوئی' مومن کو چاہیے کہ چیز لے کر خوش ہو' کہ یہ خوشی دینے والے کو بھی خوش کر دیتی ہے' جس سے وہ اور زیادہ دیتا ہے- رب کی نعمتوں پر بھی خوب خوش ہوا کرے' رب تعالٰی فرماتا ہے: فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (۵۸،۱۰) اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں (کنزالایمان) ۳؎ یعنی بطور وعظ یہ کلام فرمایا اور وعظ کے اول خطبہ میں رب کی حمد و ثنا سنت ہے ۴؎ کیونکہ یہ چار قبیلہ والے حضرات کریم النفس ہوتے ہیں' وہ اپنے ہدایا و عطیوں کا عوض چاہتے ہی نہیں اور تھوڑے عوض پر راضی ہو جاتے ہیں' خیال رہے کہ عوض یا زیادہ عوض کے لئے ہدیہ دینا ہم لوگوں کو بہتر نہیں' حضور انور کو یہ حرام تھا کہ حضور تو دینے ہی کے لئے دنیا میں تشریف لائے ہیں' رب تعالٰی فرماتا ہے: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (۶،۷۴) اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو (کنزالایمان) زیادہ وصول کرنے کے لئے کسی کو عطیے نہ دو' اس میں حضور انور سے خطاب ہے اور نہی تحریم کی ہے بڑا آدمی جب چھوٹوں کو کچھ دے تو وہ عطیہ' انعام' اکرام ہے' اور جو برابر والا اپنے برابر والے کو دے تو وہ ہدیہ' سوغات ہے' اور جب چھوٹا اپنے بڑے کو کچھ دے تو وہ نذرانہ ہے' بڑے کو چاہیے کہ چھوٹوں کو نذرانہ کا عوض ضرور دیا کریں' کہ وہ اسی لالچ سے تو لاتے ہیں' دیکھو حضور انور ایک کے چھ عطا فرماتے تھے- شادی بیاہ یا عید بقر عید پر نوابوں کے نوکر چاکر نذرانے پیش کرتے ہیں کیوں؟ کچھ لینے کے لئے' انہیں ضرور دیا جائے- (مرقات) مروجہ نیوتے (نذرانے) جائز ہیں' جبکہ ان سے لڑائی جھگڑے فساد نہ ہوں' نیوتے کا مسئلہ شامی باب الہبۃ میں ملاحظہ فرمائیے-

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اُعْطِیَ عَطَآءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَاِنَّ مَنْ اَثْنٰی فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلّٰی بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ- (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۸۹۳) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے کوئی عطیہ دیا جائے اگر ہو سکے تو اس کا بدلہ دے دے اور جو کچھ نہ پائے وہ اس کی تعریف کر دے ۲؎ کہ جس نے تعریف کر دی اس نے شکریہ ادا کیا جس نے چھپایا اس نے ناشکری کی ۲؎ اور جو ایسی چیز سے ٹیپ ٹاپ کرے جو اسے نہ دی گئی وہ فریب کے کپڑے بننے والے کی طرح ہے ۳؎ (ترمذی' ابوداؤد)

(۲۸۹۳) ۱؎ سبحان اللہ کیسی پیاری واعلٰی تعلیم ہے کہ برابر والا برابر والے کو عوض دے' فقیر امیر کو دعائیں دیں- ہم لوگ دن رات حضور انور پر درود شریف کیوں پڑھتے ہیں؟ اس لئے کہ ان داتا کریم کی نعمتوں میں پل رہے ہیں کہ کروڑواں حصہ بھی عوض نہیں دے سکتے تو دعائیں دیں کہ اللہ ان کا بھلا کرے' ان کا خانہ آباد' ان کے بال بچوں' صحابہ کو شاد رکھے' یہ درود بھی اسی حدیث پر عمل ہے' مولانا فرماتے ہیں- شعر:-

چونکہ ذاتش ہست محتاج الیہ زاں سبب فرمود حق صلوا علیہ

۲؎ یعنی حمد و ثنا شکر کی ایک قسم ہے' شکر دلی بھی ہوتا ہے زبانی بھی ارکانی بھی' حمد و ثنا زبانی شکریہ ہے جس سے اور زیادہ نعمتیں ملتی ہیں' رب تعالٰی فرماتا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (۷،۱۴) کہ اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا (کنزالایمان) اگر شکر کرو گے اور زیادہ دوں گا ۲؎ یہ فرمانِ عالی [illegible] جلانے کے لئے اعلٰی

لباس، عمدہ زیور پہنا کروں تا کہ وہ سمجھے کہ مجھے یہ سب کچھ میرے خاوند نے دیا ہے اور وہ مجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے' اس پر یہ ارشاد ہوا' فریب کے کپڑوں کی کئی صورتیں ہیں' غریب آدمی غرور وتکبر کے طور پر امیروں کے سے کپڑے پہنے جاہل شخص ریا کے طور پر علماء وصوفیاء کا لباس پہنے' فاسق آدمی دھوکے دینے کے لئے متقیوں کا سا لباس رکھے تا کہ اس کی جھوٹی گواہی حکام مان لیا کریں' یہ سب کچھ دھوکے فریب کے لئے ہو (مرقات) ایسا آدمی بہروپیا ہے اور اس کی یہ حرکت بری ہے۔ اگر اچھی نیت سے علماء کا لباس پہنے تو اچھا' کہ اچھوں کی نقل بھی اچھی ہے۔

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صُنِعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۸۹۴) روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے وہ بھلائی کرنے والے سے کہہ دے اللہ تجھے جزائے خیر دے تو اس نے تعریف حد تک پہنچادی۱؎ (ترمذی)

(۲۸۹۴)۱؎ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تو بدلہ سے عاجز ہوں' رب تعالیٰ تجھے دین ودنیا میں اس سلوک کی جزاء خیر دے' اس مختصر سے جملہ میں اس کی نعمت کا اقرار بھی ہو گیا۔ اپنے عجز کا اظہار بھی' اور اس کے حق میں دعائے خیر بھی' شکریہ کا مقصد بھی یہ ہی ہوتا ہے' اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ دینے والے کی جھوٹی تعریف اور خوشامدانہ گفتگو نہ کرے' فاسق کو ولی نہ کہے' جاہل کو عالم نہ بتائے' فقیر کو شہنشاہ نہ کہے کہ جھوٹ بولنا گناہ بھی ہے اور بے فائدہ بھی' یوں ہی اگر کوئی تم سے بدسلوکی کرے تو اسے گالیاں نہ دو' برا بھلا نہ کہو بلکہ کہو غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَاَصْلَحَ حَالَكَ اللہ تجھے بخشے اور تیری اصلاح کرے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

(۲۸۹۵) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکریہ بھی ادا نہ کرے گا۱؎ (احمد' ترمذی)

(۲۸۹۵)۱؎ سبحان اللہ کتنا عالی مقام ہے' بندوں کا ناشکرا رب کا بھی ناشکرا یقیناً ہوتا ہے۔ بندہ کا شکریہ ہر طرح کا چاہیے' دلی' زبانی' عملی یوں ہی رب کا شکریہ بھی ہر قسم کا کرے' بندوں میں ماں باپ کا شکریہ اور ہے استاذ کا شکریہ کچھ اور شیخ' بادشاہ کا شکریہ کچھ اور۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَارَاَيْنَا قَوْمًا اَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَلَا اَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِنْ قَلِيْلٍ مِّنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ اَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَاَشْرَكُوْنَا فِي الْمَهْنَاءِ حَتّٰى لَقَدْ خِفْنَا اَنْ يَّذْهَبُوْا بِالْاَجْرِ كُلِّهٖ فَقَالَ لَا مَادَعَوْتُمُ اللّٰهَ لَهُمْ وَاَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهٗ)

(۲۸۹۶) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضور کی خدمت میں مہاجرین حاضر ہو کر بولے۱؎ یا رسول اللہ ہم جن لوگوں کے مہمان بنے ہیں ان سے بڑھ کر زیادہ مال خرچ کرنے والا اور تھوڑے مال سے مدد کرنے والا کوئی نہ دیکھا۲؎ ہماری طرف سے محنت مشقت تو خود کرتے ہیں' اور آمدنی میں ہمیں شریک کر لیتے ہیں۳؎ حتی کہ ہم کو خوف ہے کہ سارا ثواب وہ ہی لے جائیں گے۴؎ حضور نے فرمایا نہیں جب تک تم ان کے لئے اللہ سے دعا کرتے رہو اور ان کی

تعریف کرتے رہو۵ (ترمذی) ترمذی نے اسے صحیح کہا۔

(۲۸۹۶)۱؎ یہ واقعہ جب ہوا جبکہ انصار نے مہاجرین کو اپنے مالوں میں برابر کا حصہ دار کرلیا حتیٰ کہ اپنے مکان کے دو حصے کرکے ایک مہاجر بھائی کو دے دیا' کھیت' باغ کا بھی اسی طرح بٹوارا کردیا' اگر کسی انصاری کی دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی (مرقاۃ) ۲؎ اس جملہ میں انصار کی تعریف اور ان کی مہمان نوازی کی توصیف ہے' قوم سے مراد انصار ہیں' اور من کثیر و من قلیل ابذل کے متعلق ہے اور من قوم' ابذل اور احسن کا صلہ یعنی اس قوم انصار سے بڑھ کر ہم نے کوئی ایسی قوم نہ دیکھی جو مہمان پر تھوڑا اور بہت مال اس قدر خرچ کرتی ہو' ان میں مالدار تو اپنے بہت مال سے خرچ کرتے ہیں' اور غریب اپنے تھوڑے مال سے مدد و معاونت کرتے ہیں' مواساۃ کے معنی ہیں مدد بھلائی نیکی وغیرہ (اشعہ و مرقات) ۳؎ یہ انصار کے دوسرے کمال کا ذکر ہے کہ ہم کو انہوں نے اپنے مالوں میں برابر شریک کرلیا۔ تو چاہیے تھا کہ محنت میں بھی ہم برابر کے ہی شریک ہوتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ محنت وہ کرتے ہیں اور نفع میں ہم کو برابر کا شریک کرتے ہیں' عربی میں مھنا بے مشقت حاصل شدہ مال کو کہتے ہیں ۴؎ یعنی انصار ان مہربانیوں کی وجہ سے ہماری ہجرت اور ہماری ساری عبادتوں کا ثواب لے لیں گے' کیونکہ وہ ہمارے ہر نیکی میں معاون و مددگار ہیں ۵؎ یعنی ایسا نہ ہوگا بلکہ تمہاری دعا و ثنا کی وجہ سے اللہ تعالٰی ان کو ثواب احسان علیحدہ عطا کرے گا اور تم کو ثواب ہجرت و عبادات علیحدہ دے گا' اس سے اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے محسن کو دعاء خیر و شکریہ سے یاد نہ کرے تو اندیشہ ہے کہ اس کے اعمال کا ثواب اس کے محسن و مددگار کو مل جائے' اس لئے اپنے محسن کو ضرور دعائیں دو اور اس کے شکر گزار رہو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَاِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ الضَّغَائِنَ رَوَاهُ مَحَلَّ الْبَيَاضِ وَمَا اَطْلَعَ الْمُصَنِّفُ عَلَيْهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ كَذَا قَالَ الشَّيْخُ)

(۲۸۹۷) روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ھدیہ کا لین دین کرو ہدیہ عداوتوں کو مٹا دیتا ہے۱؎

(۲۸۹۷)۱؎ ضغائن' ضغینہ کی جمع ہے' بمعنی دشمنی' یعنی ایک دوسرے کو ہدیے تحفے دیتے رہو کہ اس کی برکت سے دشمنی دوستی میں تبدیل ہوجاتی ہے' یہ عمل بہت ہی مجرب ہے ہدیہ کی برکت سے دوستوں کی دوستی میں زیادتی ہوجاتی ہے اور دشمن کی دشمنی ختم ہوجاتی ہے۔ لہٰذا حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ صرف دشمنوں کو ہدیہ دے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوستوں کو ہدیہ دو کہ اس سے دشمنی دور رہتی ہے قریب نہیں آتی' دشمنوں کو ہدیہ دو کہ اس سے دشمنی دور ہوجاتی ہے۔ تذھب کے معنی عام کرنے چاہئیں یہاں رواہ کے بعد جگہ چھوٹی ہوئی ہے کہ مصنف کو مخرج حدیث نہ ملا۔ مگر یہ حدیث ترمذی کی ہے' جیسا کہ مرقات وغیرہ میں ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَاِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَّ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسَنِ شَاةٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۸۹۸) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا آپس میں ہدیے لو دو کہ ہدیہ سینہ کا کینہ دور کرتا ہے۱؎ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ جانے اگرچہ بکری کی کھری کا ٹکڑا ہی ہو۲؎ (ترمذی)

(۲۸۹۸)۱؎ وحر کے معنی گرمی' تیزی' عداوت' کینہ' غصہ وغیرہ ہیں' یہاں سب معنی بن سکتے ہیں کہ ہدیہ ان سب کو دور کرتا ہے' ۲؎ یعنی

اگر تم امیر کبیر ہو اور تمہارا پڑوسی غریب و مسکین' اور وہ تمہیں محبت سے کوئی معمولی چیز ہدیہ بھیجے تو اسے نہ حقیر سمجھ کر واپس کر دو نہ اسے بے قدری سے رکھو بلکہ شکریہ کے ساتھ قبول کرو' اور اپنی شان کے لائق اسے اچھا بدلہ دو تاکہ اس کا دل بڑھے- اللہ تو غنی ہے مگر ہم فقیروں کے معمولی صدقات کو بخوشی قبول فرماتا ہے: اور ان شاء اللہ اپنی شان کے لائق بدلہ دے گا-

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَاللَّبَنُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ قِيْلَ اَرَادَ بِالدُّهْنِ الطِّيْبَ-

(۲۸۹۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں واپس نہ کی جائیں' تکیے' تیل اور دودھ[۱] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے کہا گیا ہے تیل سے مراد خوشبو ہے[۲]

(۲۸۹۹)[۱] یعنی اگر میزبان اپنے مہمانوں کو آرام کے لئے تکیہ پیش کرے اور سر میں ملنے کے لئے تیل' پینے کے لئے دودھ یا لسی' تو مہمان اسے رد نہ کرے بلکہ بخوشی قبول کرے' عرب شریف میں تیل بھی مہمان کی خاطر پیش ہوتا تھا' جیسے بہار میں اب بھی تیل' عطر' پان سے ہر آنے والے کی خاطر کی جاتی ہے-[۲] یعنی خوشبودار تیل' مگر حق یہ ہے کہ ہر تیل مراد ہے' خوشبو دار ہو یا نہ ہو' حدیث کے مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا بہتر ہے-

وَعَنْ اَبِىْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُعْطِىَ اَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدَّهٗ فَاِنَّهٗ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ- (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا)

(۲۹۰۰) روایت ہے حضرت ابوعثمان نہدی سے[۱] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کو خوشبو دی جائے تو اسے رد نہ کرے کہ خوشبو جنت سے آئی ہے[۲] (ترمذی ارسالاً)

(۲۹۰۰)[۱] آپ بصری ہیں' حضور انور کے زمانہ میں اسلام لائے مگر دیدار نہ کر سکے' اس لئے تابعی ہیں' ایک سو تیس سال عمر ہوئی' ساٹھ سال سے زیادہ کفر میں گزاری' باقی اسلام میں ۹۵ھ میں وفات پائی -[۲] حدیث اپنے ظاہر پر ہے' بہت چیزیں دنیا میں جنت سے آئی ہیں' جن میں سے ایک خوشبو بھی ہے' اسے رد کرنا رب تعالٰی کی اعلٰی نعمت کی ناقدری ہے- مراد وہ ہی ہے جو پہلے عرض کی گئی کہ خوشبو کا ہدیہ واپس نہ کرو' یہ مطلب نہیں کہ خوشبو کا سودا رد نہ کرو' ضرور خرید لو' جیسا کہ عام عطر فروش کہتے ہیں

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَتِ امْرَاَةُ بَشِيْرٍ اَنْحِلِ ابْنِىْ غُلَامَكَ وَاَشْهِدْ لِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ ابْنَةَ فُلَانٍ سَاَلَتْنِىْ اَنْ اَنْحَلَ ابْنَهَا غُلَامِىْ وَقَالَتْ اَشْهِدْ لِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَهٗ اِخْوَةٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَفَكُلَّهُمْ اَعْطَيْتَهُمْ مِثْلَ مَا

(۲۹۰۱) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ بشیر کی بیوی نے کہا کہ میرے بیٹے کو اپنا غلام دو[۱] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا گواہ بنا لو[۲] چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کہ فلاں کی لڑکی نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ میں اس کے لڑکے کو اپنا غلام دے دوں اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا گواہ بنا لو[۳] ارشاد ہوا کہ اس کے اور بھی بھائی ہیں

اَعْطَيْتَهٗ قَالَ لَا قَالَ فَلَيْسَ يُصْلُحُ هٰذَا وَاِنِّیْ لَا اَشْهَدُ اِلَّا عَلٰی حَقٍّ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بولے ہاں فرمایا کیا تم نے ان سب کو اس جیسا ہی عطیہ کیا ہے جو اسے دے رہے ہو۔ عرض کیا نہیں فرمایا یہ درست نہیں ۴؎ اور میں صرف حق پر گواہ بنتا ہوں ۵؎ (مسلم)

(۲۹۰۱) ۱؎ بشیر کی بیوی کا نام عمرہ بنت رواحہ ہے' اور ان کے بیٹے کا نام جو عمرہ کے بطن سے تھا نعمان ہے۔ جیسا کہ ابھی کچھ پہلے گزرا' بشیر کے اور اولاد دوسری بیوی سے تھی۔ ۲؎ تاکہ آئندہ کوئی جھگڑا نہ ہو' پہلے عرض کیا گیا کہ یہ حدیث آج کل کی مروجہ رجسٹری کی اصل ہے کہ اہم چیزوں کی بیع کی رجسٹری کرائی جاتی ہے۔ ۳؎ معلوم ہوا کہ ہر جگہ دو گواہوں کی ضرورت نہیں' کبھی ایک گواہ بھی کافی ہوتا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا (۲۶،۱۲) اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی (کنزالایمان) زلیخا والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی۔ ۴؎ یعنی ان بیوی صاحبہ کا یہ کہنا یا تمہارا صرف ایک بیٹے کو عطیہ دینا یا میرا اس عطیہ پر گواہ بننا بہتر نہیں۔ غرضیکہ ھذا میں چند احتمال ہیں اور یصلح بمعنی بہتر و مناسب ہے' نہ کہ بمعنی جائز و درست' جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا کہ والدین اپنی زندگی میں جس بچہ کو جو چاہیں دیں' مگر برابری کرنا بہتر ہے۔ ۵؎ یہ حق باطل کا مقابل نہیں بلکہ غیر مناسب کا مقابل ہے یعنی ہم اس پر گواہ بنتے ہیں جو غیر مناسب یا مکروہ بھی نہ ہو۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِیَ بِبَاكُوْرَةِ الْفَاكِهَةِ وَضَعَهَا عَلٰی عَيْنَيْهِ وَعَلٰی شَفَتَيْهِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ كَمَا اَرَيْتَنَا اَوَّلَهٗ فَاَرِنَا اٰخِرَهٗ ثُمَّ يُعْطِيْهَا مَنْ يَّكُوْنُ عِنْدَهٗ مِنَ الصِّبْيَانِ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِی الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

(۲۹۰۲) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کے پاس نیا پھل لایا جاتا تو اسے آپ اپنی آنکھوں اور لبوں پر رکھتے ۱؎ اور عرض کرتے الٰہی جیسے تو نے ہم کو اس کی ابتداء دکھائی ہم کو اس کی انتہا بھی دکھا ۲؎ پھر وہ پھل کسی اس بچے کو عطا فرمادیتے جو آپ کے پاس ہوتا ۳؎ (بیہقی دعوات کبیر) ۴؎

(۲۹۰۲) ۱؎ یعنی چوم کر آنکھوں سے لگاتے نعمت الٰہی کا احترام فرماتے ہوئے' جیسے کہ پہلی بارش کے قطرے اپنے منہ و سینہ شریف پر لیتے تھے' اس میں رب تعالٰی کی نعمت کی قدر دانی ہے اور اس کا شکریہ ۲؎ پھل کی انتہا سے مراد یا تو آخری موسم کے پھل ہیں' یعنی ہماری زندگی اتنی دراز فرما کر ہم بہار کا آخر بھی دیکھ لیں یا جنت کے پھل ہیں' کہ دنیا کے پھل وہاں کا نمونہ ہیں' یعنی ہم کو ایمان و تقویٰ نصیب فرما کر ہم آخرت میں جنت میں جائیں اور وہاں کے پھل دیکھیں اور کھائیں (مرقات) ۳؎ چونکہ بچوں کو پھل وغیرہ سے بہت رغبت ہوتی ہے' نیز وہ بھی انسان کا پہلا پھل ہے اس مناسبت سے پہلا پھل پہلے پھلوں کو عطا فرماتے تھے' اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ اللہ تعالٰی کی نعمت کو چومنا' آنکھوں سے لگانا سنت ہے' لہٰذا قرآن شریف' حدیث شریف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات چومنا سنت سے ثابت ہے' بعض روٹی چومتے ہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے' دوسرے یہ کہ کھانا ہاتھ میں لے کر یا سامنے رکھ کر اللہ کا ذکر یا دعا کرنا سنت ہے' لہٰذا مروجہ ختم فاتحہ بھی جائز' سنت سے ثابت ہے' اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے سرکار عالی قربانی فرما کر جانور سامنے رکھ کے اللہ کا ذکر یا دعا کرتے تھے' تیسرے یہ کہ ختم شریف کا پھل وغیرہ کھانا' بچوں میں تقسیم کرنا سنت سے ثابت ہے' جس کی اصل یہ حدیث ہے' چوتھے یہ کہ نئے پھل پر فاتحہ پڑھ کر بچوں میں بانٹ دینا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف سے ثابت ہے' جیسا کہ آج بزرگوں کا طریقہ ہے۔

۴؎ علامہ جزری نے حصن حصین شریف میں یوں روایت فرمائی کہ جب حضور انور پہلا پھل ملاحظہ فرماتے تو فرماتے اللھم بارك لنا فی ثمرنا وبارك لنا فی مناتبنا وبارك لنا فی صاعنا وبارك لنافی مدنا اور جب آپ کی خدمت میں وہ پھل لایا جاتا تو کسی بچہ کو عطا فرما دیتے (مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ، از مرقات)

بَابُ اللُّقَطَةِ پائی ہوئی چیز کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

لقط اور التقاط پڑی چیز کا اٹھالینا، اور لقط لام کے پیش قاف کے سکون سے پڑی ہوئی چیز اٹھائی جائے، بعض نے فرمایا تھا لقطہ لام کے پیش قاف کے فتح سے، اٹھانے والے لوگ، جیسے ھمزہ اور لمزہ، جمع ھامز اور لامز کی، ایسے ہی لقطہ جمع الاقطہ کی۔

عَنْ زَيْدِبْنِ خَالِدٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ اَعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَآئَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنْ جَآءَ صَاحِبُهَا وَاِلَّا فَشَانَكَ بِهَا قَالَ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ هِيَ لَكَ اَوْلِاَخِيْكَ اَوْلِلذِّئْبِ قَالَ فَضَالَّةُ الْاِبِلِ قَالَ مَالَكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَآءَ وَتَاكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا- (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اَعْرِفْ وِكَآءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَاِنْ جَآءَ رَبُّهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ

(۲۹۰۳) روایت ہے حضرت زید ابن خالد سے۱؎ فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا فرمایا اس کے برتن اس کے بندھن کا اعلان کرو۲؎ پھر ایک سال تک مشہور کرتے رہو۳؎ پھر اگر اس کا مالک آجائے فبہا ورنہ تم اس سے نفع لو۴؎ عرض کیا گمی ہوئی بکری فرمایا وہ یا تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۵؎ عرض کیا گما ہوا اونٹ فرمایا تمہیں اس سے کیا اس کے ساتھ اس کی مشک اس کا بچاؤ ہے۔ پانی پر جائے گا، درخت کھائے گا حتی کہ اسے مالک پالے گا۶؎ (بخاری) مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا اسے مشہور کرو ایک سال پھر اس کا بندھن اس کا برتن مشہور کرو پھر اس کو خود خرچ کرلو۷؎ پھر اگر اس کا مالک آئے تو اسے ادا کردو۸؎۔

(۲۹۰۳) ۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں، پچھتر سال عمر پائی، ۷۸ھ میں کوفہ میں وفات پائی، امیر معاویہ یا عبدالملک کے زمانہ میں، آخری بات صحیح ہے کیونکہ امیر معاویہ ۶۰ھ میں وفات پاچکے تھے (از اشعہ)۔ ۲؎ یعنی یہ کہو کہ جس کی یہ چیز ہو وہ اس کا تھیلہ برتن اور بندھن مال کی تعداد وغیرہ بیان کرے اور ہم سے لے لے، یہ مطلب نہیں کہ تم خود ہی بتادو کہ اس مال کی مقدار یہ ہے برتن وغیرہ ایسا کہ اس صورت میں جھوٹے لوگ دعویٰ کریں گے کہ ہمارا مال ہے (مرقات واشعہ) ۳؎ یہ اعلان مساجد اور بازاروں مجمعوں میں وقتاً فوقتاً کیا جائے روزانہ مسلسل کرنا واجب نہیں، امام محمد و شافعی و احمد کے نزدیک ہر قسم کے لقطہ کا اعلان ایک سال کرے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے، امام اعظم و مالک رحمہما اللہ تعالٰی کے ہاں معمولی لقطہ کا اعلان کچھ روز کرے، درمیانی کا ایک سال اعلیٰ قیمتی چیز کا تین سال، یہ فرمان عالی درمیان کیلئے ہے ورنہ حضرت ابی ابن کعب کو تین سال اعلان کا حکم دیا گیا، کہ وہاں لقطہ بہت قیمتی تھا لہذا یہ حدیث احناف کی قوی ہے۴؎ ہر شخص لقطہ کا برتن

بندھن مال کی مقدار دیگر علامات درست بیان کر دے تو امام مالک و احمد کے ہاں اسے دے دینا واجب ہے مگر امام اعظم و شافعی کے ہاں اگر پانے والے کا دل گواہی دے کہ یہ سچا ہے تو دے دے، ورنہ اس مدعی سے گواہ طلب کرے گواہی لے کر دے کہ ہوسکتا ہے اس شخص نے مالک مال سے یہ اوصاف سنے ہوں اور سن کر بیان کر رہا ہو اگر لقطہ پانے والا فقیر ہو تو بعد مایوسی خود استعمال کرے ورنہ خیرات کر دے، لیکن اگر بعد میں مالک مل گیا تو اسے چیز کی قیمت دینا ہوگی، بعض کے نزدیک غنی بھی استعمال کرسکتا ہے، ۵؎ یعنی گم بکری ضرور پکڑ لو- ورنہ بھیڑیا کھائے گا نہ تمہیں ملے گی نہ مالک کو ۶؎ خلاصہ یہ ہے- گم شدہ اونٹ نہ پکڑو کہ اس کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں، پانی کا تھیلہ اس کے پیٹ میں ہے- پاؤں اس کے مضبوط ہیں- درندے سے بھاگ کر جان بچا سکتا ہے- لمبا سفر طے کرسکتا ہے- علماء فرماتے ہیں کہ جنگل میں گمے ہوئے اونٹ کو نہ پکڑے، لیکن بستی میں گمے ہوئے کو پکڑے کہ وہاں اسے لوگ چرالیں گے، اور اب تو جنگل و بستی میں جہاں بھی چوری کا خطرہ ہو پکڑے، یہ حکم عرب کے لئے تھا- جہاں چوری بالکل ختم ہوچکی تھی (از مرقات) ۷؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں ثم محض عطف کیلئے ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے: ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ (۶:۱۵۴) پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی (کنزالایمان) لہٰذا دو سال تک مشہور کرنا ضروری ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ثم اعرف الخ پہلے جملہ عرفها سنة کا بیان ہے اور بعض شارحین فرماتے ہیں کہ ثم ترتیب کیلئے ہے لقطہ پانے والے کو مناسب یہ ہے کہ پہلے ایک سال تک مشہور کرے، پھر جب اپنے استعمال میں لانے لگے پھر اعلان کرے، یہاں بیان استحباب کے لئے ہے، ۸؎ خرچ کرنے کا حکم اباحت کے لئے ہے اور فادها وجوب کے لئے- یعنی ایک سال گزرنے پر تمہیں لقطہ خود خرچ کر لینا جائز ہے، پھر اگر خرچ کر لینے کے بعد مالک ملے تو اس کی مثل یا قیمت مالک کو ادا کرنا ضروری ہے، اور اگر خیرات کر دیا، پھر بعد کو مالک آیا، تو اسے اختیار ہے جو لقطہ پانے والے سے قیمت لے یا فقیر سے جسے خیرات دی گئی (مرقات)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰوٰى ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَالَمْ يُعَرِّفْهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۹۰۴) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گمی چیز کو اپنے پاس جگہ دے ۱؎ وہ گمراہ ہے جب تک کہ اس کا اعلان نہ کرے ۲؎ (مسلم)

(۲۹۰۴) ۱؎ غالب یہ ہے کہ گمی چیز سے مراد گما ہوا جانور ہے کیونکہ ضال اکثر جاندار گمے ہوئے کو کہا جاتا ہے اور لقطہ عام ہے، جاندار بے جان گمشدہ سب کو لقطہ کہتے ہیں مگر اکثر بے جان چیز پر بولا جاتا ہے (مرقات) ۲؎ یعنی جو گمشدہ چیز اٹھا کر اعلان نہ کرے وہ بدنیت اور خائن ہے بہتر ہے کہ اٹھاتے وقت ہی اعلان کر دے کہ میں یہ چیز مالک تک پہنچانے کے لئے اٹھا رہا ہوں، پھر چیز کا اعلان شروع کرے۔ کہ اس میں اپنے کو تہمت سے بچانا ہے-

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۹۰۵) روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عثمان تیمی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کے لقطہ سے منع فرمایا ۲؎ (مسلم)

(۲۹۰۵) ۱؎ آپ حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کے بھتیجے ہیں صحابی ہیں اور عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ ایمان لائے- مگر آپ نے براہ راست حضور انور سے کوئی روایت نہ کی، لہٰذا یہ حدیث مرسل صحابی ہے کہ کسی سننے والے صحابی کا نام رہ گیا ہے خیال رہے کہ مرسل صحابی تمام کے نزدیک حجت ہے، غیر صحابی کی مرسل میں اختلاف ہے، ہمارے احناف کے ہاں مقبول ہے امام شافعی کے ہاں غیر مقبول (مرقات) ۲؎ اس

جملہ کے دو ہی معنی کر سکتے ہیں ایک یہ کہ حاجی کی گمی چیز کے مالک کبھی نہ ہو بلکہ اس تک پہنچا ہی دو دوسرے یہ کہ زمانہ حج میں حجاج کی گری چیز نہ اٹھاؤ بلکہ جہاں چیز پڑی ہو وہاں ہی اعلان کرو' کیونکہ بعد میں اعلان کرنا مفید نہیں کہ حجاج بہت جلد متفرق ہو جاتے ہیں تیسرے یہ کہ حرم شریف میں حجاج کے لقطے کے مالک کبھی نہ ہو' اسے ہمیشہ امانت رہنے دو' جب کبھی حاجی آئے دے دو' ورنہ پڑی رہے' یہ تیسرا قول امام شافعی کا ہے' ہمارے ہاں حرم وغیرہ کے لقطہ میں کوئی فرق نہیں اب امام شافعی کے ہاں بھی حرم کا لقطہ ضرور اٹھایا جائے اور مالک نہ ملنے پر خیرات کر دیا جائے کہ اب حرم شریف میں بھی چوریاں ہونے لگیں' اگر نہ اٹھایا گیا تو چوری ہو جائے گا (مرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ فَقَالَ مَنْ اَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِیْ حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَیْءَ عَلَيْهِ وَمَنْ خَرَجَ بِشَیْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ غُرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوْبَةُ وَمَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ اَنْ يُّؤْوِيَهُ الْجَرِيْنُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ وَذَكَرَ فِیْ ضَالَّةِ الْاِبِلِ وَالْغَنَمِ كَمَا ذَكَرَ غَيْرُهٗ قَالَ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ مَا كَانَ مِنْهَا فِی الطَّرِيْقِ الْمِيْتَاءِ وَالْقَرْيَةِ الْجَامِعَةِ فَعَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنْ جَآءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا اِلَيْهِ وَاِنْ لَّمْ يَاْتِ فَهُوَ لَكَ وَمَا كَانَ فِی الْخَرَابِ الْعَادِیِّ فَفِيْهِ وَفِی الرِّكَازِ الْخُمُسُ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَرَوٰی اَبُوْ دَاوٗدَ عَنْهُ مِنْ قَوْلِهٖ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ اِلٰی اٰخِرِهٖ۔

دوسری فصل

(۲۹۰۶) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے ۱؎ وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ سے لٹکے ہوئے پھل کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا جو ضرورت مند ان میں سے کچھ لے لے کہ اسے ذخیرہ نہ کرے تو اس پر حرج نہیں ۲؎ اور جو ان میں سے کچھ لے کر نکل جائے اس پر ڈبل تاوان بھی ہے اور سزا بھی ۳؎ اور جو ان میں سے خرمن میں پہنچنے کے بعد چرا لے پھر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر ہاتھ کٹنا ہے ۴؎ اور گمے ہوئے اونٹ اور بکری کے بارے میں وہ ہی ذکر کیا جو دوسروں نے بیان کیا ۵؎ اور آپ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا جو آباد راستہ اور بڑی بستی میں ملے تو ایک سال تک اس کا اعلان کرو ۶؎ اگر اس کا مالک آ جائے تو اسے دے دو اور اگر نہ آئے تو وہ تمہاری ہے ۷؎ اور جو پرانے ویرانے میں ہو تو اس میں اور دفینہ میں پانچواں حصہ ہے۔ ۸؎ (نسائی) اور ابو داؤد نے انہی عمرو ابن شعیب سے روایت یہاں سے آخر تک کی وسئل عن اللقطه

(۲۹۰۶) ۱؎ عمرو ابن شعیب کے دادا کا نام عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہے' یہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ عمرو ابن شعیب کی تمام روایات میں تدلیس ہے خبر نہیں کہ جدہ کی ضمیر کدھر لوٹتی ہے عمرو کی طرف یا ابیہ کی طرف' اس لئے ان کی احادیث سے مسائل شرعیہ بغیر تائید دوسری حدیث ثابت نہیں ہوتے ۲؎ اس کی شرح باب الغصب میں گزر گئی' کہ بھوکا آدمی جو بھوک سے مر رہا ہو' مالک باغ سے بغیر پوچھے پھل توڑ کر بقدر ضرورت کھا سکتا ہے اور پیسہ ملنے پر اس کی قیمت ادا کر دے' لہذا یہاں لا شیء سے مراد لا اثم ہے یعنی اس پر گناہ نہیں کہ ایسی مجبوری کی حالت میں مردار کھانا بھی درست ہوتا ہے' رب تعالٰی فرماتا ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ (۵:۳) تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو (کنز الایمان) یعنی جو شخص پھل لے کر باغ سے نکلے وہ خائن غاصب ہے اس کی دو سزائیں ہیں ڈبل قیمت' قاضی جو چاہے سزا

دے امام احمد کے ہاں اسی پر عمل ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے زمانہ خلافت میں یہی حکم دیتے تھے ہمارے ہاں یہ حدیث منسوخ ہے اول اسلام میں تھی کیونکہ مال جرمانہ اب حرام ہوگیا رب تعالٰی فرماتا ہے: لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (۲:۱۸۸) اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ (کنزالایمان) ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ اور جرمانہ بھی ناجائز طریقہ ہی ہے کہ ناحق کسی کا مال لینا حرام ہے۔ ۴؎ چونکہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے باغات دیواروں سے گھرے ہوئے نہ تھے ویسے ہی کھلے تھے' اس لئے درخت سے پھل توڑنے کو چوری قرار نہ دیا' کیونکہ غیر محفوظ مال کا لینا چوری نہیں' بلکہ جب پھل خرمن میں پہنچ کر محفوظ ہو جائیں انہیں لینے کا نام چوری ہوا' اگر باغ کے آس پاس چار دیواری ہو تو پھل توڑنا بھی چوری ہوگا۔ ڈھال کی قیمت احناف کے ہاں دس درہم یعنی پونے تین روپے ہے اس سے کم قیمت مال کی چوری پر ہاتھ نہ کٹے گا دوسرے اماموں کے ہاں اس سے کم پر بھی کٹے گا' اس کی تحقیق انشاء اللہ کتاب الحدود میں ہوگی۔ ۵؎ یعنی عمرو ابن شعیب کے دادا نے بھی اونٹ و بکری کے لقطہ کے متعلق وہ ہی حدیث بیان کی جو دوسرے راویوں نے کی ہے یعنی گمی بکری کو پکڑلو' گما اونٹ نہ پکڑو۔ ۶؎ میتاء اتو یا اتیان سے ہے' اصل میں میتا ہمزہ سے تھا' ہمزہ ی ہوگیا یعنی کثرت آنے جانے کا راستہ' چوراہے کو بھی میتاء کہتے ہیں اور جادہ یعنی شاہ راہ کو بھی۔ ۷؎ خلاصہ یہ ہے کہ عام آبادی اور عام راستہ کی پڑی چیز لقطہ ہے کہ غالبًا کسی مسلمان کی ہے اس پر لقطے کے احکام جاری ہوں گے' ۸؎ یعنی پرانا غیر آباد راستہ یا پرانی غیر آباد بستی جو کسی مسلمان کی ملک نہ ہو اور وہاں اسلامی آبادی نہ رہی ہو وہاں کی پڑی چیز' غالب یہ ہے کہ پرانے زمانہ کے کفار کی ہے تو یہ دفینہ کے حکم میں ہے' اور اس پر دفینہ کے احکام جاری ہوں گے کہ پانچواں حصہ حکومت اسلامیہ کا' باقی پانے والے کا۔

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِىْ طَالِبٍ وَجَدَ دِيْنَارًا فَاَتٰى بِهٖ فَاطِمَةَ فَسَاَلَ عَنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا رِزْقُ اللّٰهِ فَاَكَلَ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلَ عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَتَتِ امْرَاَةٌ تَنْشُدُ الدِّيْنَارَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاعَلِيُّ اَدِّ الدِّيْنَارَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۹۰۷) روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ جناب علی ابن ابی طالب نے ایک اشرفی پڑی پائی تو اسے حضرت فاطمہ کے پاس لائے پھر اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا دیا رزق ہے۱؎ چنانچہ اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا اور حضرت علی و فاطمہ زہرا نے بھی کھایا۲؎ پھر جب کچھ عرصہ گزرا تو ایک عورت اشرفی ڈھونڈتی آئی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی اشرفی ادا کردو۳؎ (ابوداؤد)

(۲۹۰۷) ۱؎ لہذا تم اپنے خرچ میں لاؤ' اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے فرمایا تھوڑے لقطہ کا اعلان کرنا واجب نہیں' کیونکہ حضرت علی کو حضور انور نے فورًا خرچ کر لینے کی اجازت دے دی' اعلان کا حکم نہ دیا' فاتی اور فسال سے معلوم ہوا ہے کہ لقطہ پاتے ہی بغیر تاخیر خرچ کر لینے کی اجازت دے دی۔ مگر اس استدلال میں دو طرح گفتگو ہے' ایک یہ کہ دینار تھوڑا مال نہیں' بلکہ مال کثیر ہے دوسرے یہ کہ ف بھی تراخی پر بھی استعمال ہوتی ہے لہذا کہا جاتا ہے نکحت فولدی میں نے نکاح کیا تو اللہ نے مجھے بچہ دیا دیکھو بچہ نکاح سے نو ماہ بعد ہوتا ہے مگر یہاں ف' بولا گیا رب تعالٰی فرماتا ہے: اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً (۲۲:۶۳) اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تو صبح کو زمین ہری ہو گئی [illegible] بارش کے کچھ عرصہ

بعد زمین ہری بھری ہوتی ہے نہ کہ فوراً مگر یہاں ف ارشاد ہوا' معلوم ہوا کہ ف کبھی تراخی کے لئے بھی آ جاتی ہے' ایسے ہی یہاں حضرت علی کو اعلان وغیرہ کے بعد لقطہ استعمال کرنے کی اجازت دی گئی' لہٰذا حق یہی ہے کہ لقطہ کا اعلان ضروری ہے۔۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ لقطہ وہ بھی کھا سکتا ہے جو صدقہ نہیں کھا سکتا یعنی بنی ہاشم بعض حضرات نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ لقطہ غنی بھی کھا سکتا ہے دیکھو حضرت علی بھی غنی تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو غنی گر' مگر دونوں بزرگوں نے لقطہ کھایا لیکن یہ استدلال ضعیف ہے' کیونکہ لقطے کے بارے میں غنی سے مراد وہ ہے جو چاندی سونے وغیرہ کا صاحب نصاب ہو' یہ غنا یعنی چاندی سونے کا اجتماع ان دونوں گھروں میں اس وقت تو کیا کبھی بھی نہ ہوا' حضرت علی مرتضٰی نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی تلوار گروی رکھی اور فرمایا کہ اگر میرے گھر میں ایک وقت کا بھی کھانا ہوتا تو میں تلوار کبھی گروی نہ رکھتا' یہ حضرات انسانی لباس میں فرشتے تھے۔شعر:۔

شیر نر در پوستین برہ　　　آفتابے درلباس ذرہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا سے پردہ فرمایا تو آپ کی زرہ گروی تھی۔شعر:۔

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا　　　سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جن کا بچھونا تھا

لہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں' حق یہی ہے کہ غنی لقطہ نہیں کھا سکتا (ازمرقات) ۳؎ غالبًا اس عورت کی صداقت وحی یا دیگر دلائل سے معلوم ہوگئی ہوگی' ورنہ بغیر تحقیقات کسی کو لقطہ کا مالک نہیں مانا جاتا جیسا کہ گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا لہٰذا یہ حدیث نہ گزشتہ احادیث کے خلاف ہے نہ حکم فقہی کے مخالف۔

وَعَنِ الْجَارُوْدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَالَّةُ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

(۲۹۰۸) روایت ہے حضرت جارود سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی گم شدہ چیز آگ کی چنگاری ہے۲؎ (دارمی)۳؎

(۲۹۰۸)۱؎ آپ کا نام جارود ابن معلٰی ہے' ۹ھ میں وفد عبدالقیس کے ساتھ آپ حاضر بارگاہ ہوئے' پھر اولاً بصرہ میں بعد میں فارس میں مقیم رہے۔بزمانہ فاروق ۱۲ھ میں وفات پائی (اشعہ) ۲؎ یعنی جو مسلمان کی گمی چیز بدنیتی سے اٹھائے کہ مالک کو پہنچانے کا ارادہ نہ ہو' خیانت کی نیت ہو وہ دوزخی ہے۔اگرچہ ذمی کافر کا لقطہ بھی کھانا جائز نہیں' مگر مسلمان کے لقطہ میں ڈبل عذاب ہے' اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر ہوا۔ ۳؎ یہ حدیث احمد' ترمذی' نسائی' ابن حبان نے انہی جارود سے بروایت عبداللہ ابن شخیر نقل کی' اور طبرانی نے عصمہ ابن مالک سے۔

وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَا عَدْلٍ اَوْ ذَوَيْ عَدْلٍ وَلَا يَكْتُمْ وَلَا يُغَيِّبْ فَاِنْ وَجَدَ صَاحِبَهَا فَلْيَرُدَّهَا عَلَيْهِ وَاِلَّا فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۹۰۹) روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پڑی چیز پائے تو ایک یا دو عادلوں کو گواہ بنائے۲؎ نہ اسے چھپائے نہ غائب کرے۳؎ پھر اگر اس کا مالک ملے تو اسے لوٹا دے وہ اللہ کا مال ہے جسے چاہے دے۴؎ (احمد)(ابوداؤد' دارمی)

(۲۹۰۹)۱؎ آپ عیاض ابن حمار ابن ناجیہ ابن عقال ہیں تمیمی مجاشی ہیں بصرہ کے رہنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے پرانے محبوب ساتھی تھے جو ہمیشہ حضور کو خوش کیا کرتے تھے آپ سے خواجہ حسن بصری وغیرہ نے روایات لیں۔۲؎ یعنی اٹھاتے وقت ہی کہہ

دے کہ گواہ رہنا میں یہ چیز اس لئے اٹھا رہا ہوں کہ مالک کو پہنچا دوں یہ حکم استحبابی ہے، بعض کے نزدیک وجوبی اس میں بڑی حکمتیں ہیں، اس اعلان کے بعد نفس میں خیانت کا خیال نہ پیدا ہوگا، اگر یہ اچانک فوت ہو جائے، تو اس کے ورثاء اسے میراث نہ بنا سکیں گے مالک کچھ زیادتی کمی کا دعویٰ نہ کر سکے گا کہ میری چیز زیادہ تھی یا اچھی تھی تم نے کم یا خراب کر دی (لمعات) ۳؎ یعنی نہ تو اٹھاتے وقت ہی جیب میں ڈالنے کی کوشش کرے اور نہ اس کے بعد اسے لاپتا کر دے، بعض نے فرمایا کہ یکتم سے مراد لقطہ کا چھپانا اور غائب کرنے سے مراد ہے ملے ہوئے جانور کو بدنیتی سے اور جگہ بھیج دینا ۴؎ یعنی اگر تلاش کرنے پر بھی مالک نہ ملے تو سمجھ لے کہ یہ روزی مجھے رب نے دی ہے۔غریب ہو تو استعمال کرے امیر ہو تو خیرات کر دے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصَا وَالسَّوْطِ وَالْحَبْلِ وَاَشْبَاهِهٖ يَلْتَقِطُهُ الرَّجُلُ يَنْتَفِعُ بِهٖ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرَبَ اَلَا لَا يَحِلُّ فِيْ بَابِ الْاِعْتِصَامِ۔

(۲۹۱۰) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو لاٹھی، کوڑا، رسی اور ان جیسی چیزوں میں اجازت دی کہ کوئی پڑی ہوئی اٹھالے اس سے نفع اٹھائے ۱؎ (ابو داؤد) اور حضرت مقدام ابن معدی کرب کی حدیث کہ الا لا یحل باب الاعتصام میں ذکر کر دی گئی ہے۔

(۲۹۱۰) ۱؎ اس حدیث کی بنا پر علماء فرماتے ہیں کہ معمولی حقیر چیزیں جو پڑی ہوئی مل جائیں اور مالک ان کی پروا بھی نہ کرتے ہوں اسے بغیر اعلان بھی استعمال کرنا جائز ہے، ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی تو فرمایا کہ اگر اس کے صدقہ ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم کھا لیتے، کھیت اٹھاتے وقت بالیاں رہ جاتی ہیں، یا گر جاتی ہیں، ایسے ہی ترکاریاں، ایک آدھ گرا ہوا پھل وغیرہ جس کو مالک تلاش بھی نہیں کرتا، یہ سب اسی میں داخل ہیں، لیکن اگر بعد میں ان چیزوں کا مالک آکر مطالبہ کرے تو اسے قیمت یا مثل دینا پڑے گا، حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ لقطہ کو پانے کا خوب استعمال کرتا رہے اور جب مالک مل جائے تو خراب کیا ہوا لقطہ اسے دے دے کہ یہ سخت ممنوع ہے۔لقطہ امانت ہوتا ہے اور امانت کا استعمال جائز نہیں۔

بَابُ الْفَرَآئِضِ
باب میراث کے حصے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

فرائض فریضہ کی جمع ہے جو فرض سے بنا بمعنی قطع و کاٹنا، اصلاح میں میت کے متروکہ مال کے معین حصہ کو فریضہ کہتے ہیں کہ وہ بھی مال سے کاٹ کر دیا جاتا ہے، مسائل میراث کے علم کو علم الفرائض کہتے ہیں، اور میراث جاننے والے کو بھی فرضی یا فارض کہتے ہیں حدیث شریف میں ہے افرضکم زید تم میں زیادہ علم میراث جاننے والے حضرت زید ابن ثابت ہیں (مرقات)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَآءً فَعَلَيَّ قَضَآؤُهٗ وَمَنْ تَرَكَ

(۲۹۱۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ والی ہوں ... قرض ہو ... کا ذریعہ نہ چھوڑے

مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْضَيَاعًا فَلْيَاتِنِيْ فَاَنَا مَوْلَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَاِلَيْنَا- (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اس کی ادائیگی مجھ پر ہے۲ اور جو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۳ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جو قرض یا بال بچے چھوڑے تو میرے پاس آئے۴ تو میں اس کا والی ہوں ایک روایت میں یوں ہے کہ جو مال چھوڑے تو اس کے وارثوں کا ہے اور جو بوجھ چھوڑ دے وہ ہمارے ذمہ ہے۵ (مسلم بخاری)

(۲۹۱۱)۱ اس فرمان عالی میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (۶:۳۳) اور اولیٰ کے معنی ہیں زیادہ قریب، زیادہ والی وارث زیادہ خیرخواہ، زیادہ مالک، یہاں شیخ نے اولیٰ کے معنی زیادہ خیر کئے، یعنی جس قدر مسلمان اپنے خیرخواہ ہیں اس سے زیادہ میں ان کا خیرخواہ ہوں، میں نہیں چاہتا کہ میرا کوئی امتی بعد موت قرض میں گرفتار رہے۔۲ یعنی سارے مقروض نادار مسلمان کا قرض ان کی موت کے بعد ہم ادا کریں گے، خواہ مدینہ کے مسلمان ہوں یا کسی اور جگہ کے، تاکہ میری امت بارگاہ الٰہی میں گرفتار نہ رہے۔۳ یعنی اگر مال چھوڑے اور اس پر قرض نہ ہو، تو مال وارثوں کا اور اگر قرض بھی ہو تو ادائے قرض کے بعد سب مال وارثوں کا، میت کا وصی یا اس کا وکیل میت کے بال بچوں کی ہم کو خبر دے ہم قرض ادا فرمائیں گے اس کے بال بچوں کو بلالیں گے، ضیاع جمع ضائع کی ہے جیسے جائع کی جمع جیاع ضائع کے معنی ہیں، برباد ہو جانے والی چیز جس کے برباد ہونے کا خطرہ ہو، جیسے چھوٹے بچے یا بیوہ عورت جو دوسرا نکاح نہ کر سکے ان سب کو حضور پالتے ہیں، بیوگان اور یتیموں کے والی وارث حضور ہی تھے اور ہیں۵ کُلٌّ یعنی بوجھ سے مراد قرض اور چھوٹے بچے بیوہ بیوی ہے اس کی شرح پہلی حدیث میں گزری۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۹:۱۲۸) مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان (کنزالایمان) حضور انور مسلمانوں پر بڑے مہربان رحمت والے ہیں۔ یہ اس ہی کی رحمت کا ظہور ہے، خیال رہے کہ حضور انور کی رحمت عامہ تمام جہان پر ہے، اس لحاظ سے فرمایا گیا رحمۃ للعالمین اور رحمت خاصہ صرف مسلمانوں پر ہے اس لحاظ سے ارشاد ہوا بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۹۱۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقرر شدہ میراثی حصے ان کے حق داروں کو دو پھر جو بچ رہے وہ قریب ترین مرد کو دو۔۱ (مسلم بخاری)

(۲۹۱۲)۱ یعنی تقسیم میراث میں پہلے تو ذی فرض وارثوں کو ان کے مقرر کردہ حصے دو، یہ حضرات کل بارہ ہیں چار مرد آٹھ عورتیں، ان کے حصوں سے جو باقی بچے وہ عصبہ بنفسہ کو دو خواہ بالغ ہوں یا نابالغ، عصبہ بنفسہ وہ مرد ہے جس کا رشتہ میت سے بغیر عورت کے واسطے کے ہو، جیسے بیٹا، باپ، بھائی وغیرہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ میراث اوّلاً ذی فرض کو دی جائے ان سے بچے تو عصبات میں تقسیم ہو۔ اولیٰ بمعنی اقرب ہے اس سے معلوم ہوا کہ قریبی وارث کے ہوتے ہوئے دور والے وارث کو میراث نہ ملے گی لہٰذا باپ کے ہوتے دادا محروم ہے، بیٹے کے ہوتے پوتا محروم، بھائی کے ہوتے بھتیجا محروم، چچا کے ہوتے چچازاد اولاد محروم یہ شریعت کا قاعدہ کلیہ ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ (۴:۷) اس کے مال سے حصے بانٹو جو ماں باپ یا قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہے۔ اقربون اسم تفضیل ہے معلوم ہوا کہ قریبی کے ہوتے بعید کا رشتہ دار محروم ہے آج بعض جہلاء نے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے

پوتے کو بھی میراث دو مگر وہ یہ نہیں کہتے کہ باپ کے ہوتے دادا وارث ہو' بیٹی کے ہوتے یتیم نواسہ وارث ہو' اور بھائی چچا کے ہوتے ان کی یتیم اولاد بھی وارث ہو' یہ حضرات کہتے ہیں مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ میں ماں باپ دادا دادی سب شامل ہیں' مگر تعجب ہے کہ نانا' نانی کو اس میں شامل نہیں کرتے' غرضیکہ یہ مسئلہ آج تک کسی زمانہ میں کسی مسلمان نے نہ کہا' اب چودہ سو برس کے بعد ان کو سوجھا۔

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكٰفِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۹۱۳) روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ مسلمان کافر کا وارث نہ کافر مسلمان کا[۱] (مسلم بخاری)

(۲۹۱۳)[۱] یعنی کفر و اسلام کا فرق میراث سے مانع ہے' لہٰذا مومن باپ کی میراث کافر بیٹا نہ پائے گا اور کافر بیٹے کی میراث سے مومن باپ کو کچھ نہ ملے گا' مگر کفر ایک ہی ملت ہے۔ لہٰذا یہودی باپ کی میراث عیسائی بیٹے کو مل جائے گی' سعید ابن مسیّب' امیر معاویہ' معاذ بن جبل وغیرہم فرماتے ہیں کہ مومن وارث تو کافر کی میراث حاصل کرے گا مگر کافر وارث مومن کی میراث نہ پائے گا۔ الاسلام یعلوا ولا یعلی مگر جمہور صحابہ وفقہاء کا قول ہے جو ہم نے عرض کیا کہ دوطرفہ میراث نہ ملے گی' مرتد کسی کا وارث نہیں' ہمارے ہاں زمانہ ارتداد کی کمائی بیت المال کی ہے اور زمانہ اسلام کی کمائی وارثوں کی' امام شافعی کے ہاں مرتد کسی کا وارث نہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ . (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۹۱۴) روایت ہے حضرت انس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قوم کا آزاد کردہ غلام ان ہی سے ہے[۱] (بخاری)

(۲۹۱۴)[۱] یعنی آزاد کردہ غلام بھی عصبہ سببی ہونے کی وجہ سے وارث ہے کہ اگر اوپر کے وارث نہ ہوں تو اسے میراث ملے گی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ عَآئِشَةَ اِنَّمَا الْوَلَآءُ فِيْ بَابٍ قَبْلَ بَابَ السَّلَمِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ الْبَرَآءِ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ فِيْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَحِضَانَتِهٖ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى .

(۲۹۱۵) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قوم کا بھانجہ ان ہی سے ہے[۱] (مسلم بخاری) اور حضرت عائشہ کی حدیث انما الولاء باب السلم سے پہلے والے باب میں ذکر کر دی گئی اور حضرت براء کی حدیث کہ خالہ ماں کے درجے میں ہے انشاء اللہ بچے کے بلوغ اور اس کی پرورش کے باب میں ذکر کی جائے گی۔[۲]

(۲۹۱۵)[۱] یعنی بھانجہ بھی ذی رحم ہونے کی وجہ سے وارث ہے' کہ اگر ذی فرض وعصبہ وارث نہ ہو' تو اسے میراث مل سکتی ہے یہ ہی قول امام اعظم واحمد کا ہے دوسرا اماموں کے ہاں ذی رحم وارث نہیں' یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے' خیال رہے کہ ذی رحم دس قسم کے ہیں' نواسے' بھانجے' بھتیجی' چچا کی بیٹی' پھوپھی کی بیٹی' ماموں' خالہ' نانا' ماں کا چچا' پھوپھی' اخیافی بھائی کی اولاد (مرقات) پوری تفصیل ہماری کتاب علم المیراث میں ملاحظہ فرمایئے[۲] یعنی یہ دو حدیثیں مصابیح میں یہاں تھیں ہم نے مناسبت کی وجہ سے اُن مقامات میں درج کیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۲۹۱۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَتَوَارَثُ اَهْلُ مِلَّتَيْنِ شَتّٰى رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ جَابِرٍ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو مختلف دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں۱ (ابوداؤد،ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت جابر سے روایت کی۔

(۲۹۱۶)۱؎ شتّٰی شتیت سے بنا بمعنی متفرق، حق یہ ہے کہ شتّٰی ملتین کی صفت ہے نہ کہ اہل کی، مختلف دین سے مراد کفر و اسلام ہے، اس کی شرح ابھی گزری ہوئی پہلی حدیث ہے، جس میں ارشاد ہوا کہ کافر مومن کا وارث نہیں، یہ امام اعظم کا قول ہے مگر امام شافعی کے ہاں یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے، وہ اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ یہودی عیسائی کا وارث نہیں اور عیسائی یہودی کا وارث نہیں یوں ہی مشرک مجوسی اور مجوسی مشرک کا وارث نہیں، بعض علماء نے فرمایا کہ اہل کتاب تو ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ مگر مشرک مجوسی اور اہل کتاب ایک دوسرے کے وارث نہیں لہٰذا عیسائی، یہودی، کی میراث مجوسی یا بت پرست نہیں پائے گا، وہ حضرات ملتین کے معنی آسمانی اور غیر آسمانی دین کرتے ہیں، مگر مذہب احناف قوی ہے، اولاً تو اس لئے کہ اس حدیث کی شرح خود حضور انور نے فرمادی کہ کافر مومن کا اور مومن کافر کا وارث نہیں، خود صاحب حدیث کی شرح دوسری شرحوں سے اعلیٰ ہے دوسرے یہ کہ حضور نے فرمادیا الکفر ملة واحدة کفر ایک ہی دین ہے، تو دنیا میں دو ہی دین ہوئے، کفر یا اسلام، انہیں ملتین فرمانا بالکل درست ہوا، خیال رہے کہ مانع میراث چار چیزیں ہیں، اختلاف دین، اختلاف ملک (مگر کفار کے لئے)، قتل، عبدیت۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَاتِلُ لَايَرِثُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۹۱۷) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا۱ (ترمذی، ابن ماجہ)

(۲۹۱۷)۱؎ یعنی اگر کوئی رشتہ دار اپنے عزیز کو قتل کردے تو قاتل اس عزیز کی میراث نہ پائے گا، مگر اس قتل میں کچھ شرطیں ہیں، ایک یہ کہ قاتل عاقل بالغ ہو، بچہ یا مجنون دیوانگی میں قتل کردے تو وارث ہے، دوسرے یہ کہ قتل ظلماً ہو اپنی جان بچانے کے لئے یا قصاصاً یا حسداً قتل کیا تو میراث سے محروم نہیں، تیسرے یہ کہ قتل موجب قصاص یا کفارہ ہو، اگر ایسا قتل ہے جس میں نہ قصاص ہے نہ کفارہ، تو وہ میراث سے محروم نہ کرے گا، اس کی تفصیل ہماری کتاب علم المیراث میں ملاحظہ فرمایئے۔ (از مرقات)

وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ اِذَالَمْ تَكُنْ دُوْنَهَا اُمٌّ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۹۱۸) روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کے لئے چھٹا حصہ مقرر فرمایا جب کہ اس کے اوپر ماں موجود نہ ہو۲ (ابوداؤد)

(۲۹۱۸)۱؎ آپ بریدہ ابن حصیب اسلمی ہیں، غزوہ بدر سے پہلے اسلام لائے، مگر بدر میں شریک نہ ہو سکے، بیعۃ الرضوان میں شریک تھے، مدینہ منورہ میں رہے، آخر میں بصرہ میں قیام رہا، پھر جہاد کرتے ہوئے، خراسان پہنچے، وہاں ہی یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں ۶۲ھ مقام مرو میں وفات پائی، آپ سے بہت صحابہ نے روایات لی ہیں (مرقات) ۲؎ یعنی دادی، نانی کی میراث چھٹا حصہ ہے، لیکن اگر میت کی ماں موجود ہے تو دادی بھی محروم اور نانی بھی، کیونکہ ان دونوں کے لئے حاجب ہے، حجب اور منع میں فرق یہ ہے کہ کسی عزیز کا دوسرے عزیز کو محروم کردینا حجب حرمان کہلاتا ہے اور اس کا حصہ کم کردینا حجب نقصان ہے، مگر خود وارث کی اپنی حالت کا اسے میراث سے محروم کردینا منع ہے۔ جیسے کفر و غلام ہونا، قتل، ماں دونوں قسم کی دادی نانی کے لئے حاجب حرمان ہے، خیال رہے دادی کا کل حصہ سدس یعنی چھٹا ہے لہٰذا اگر

میت کی دادی بھی ہے نانی بھی، تو ان دونوں کو چھٹا حصہ ملے گا جسے وہ آپس میں تقسیم کرلیں گی، چنانچہ حاکم نے حضرت عبادہ ابن صامت سے روایۃً فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹا حصہ دادی نانی میں تقسیم فرمایا، اور دادی باپ سے بھی محروم ہو جاتی ہے مگر نانی صرف ماں سے محروم ہوگی، اس کی تفصیل ہماری کتاب علم المیراث اور سراجی وشریفی میں ملاحظہ فرمایئے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِيُّ صُلِيَّ عَلَيْهِ وَوُرِّثَ . (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۹۱۹) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بچہ چیخے تو اس پر نماز پڑھی جائے اور اسے وارث بنایا جائے گا[۱] (ابن ماجہ، دارمی)

(۲۹۱۹)[۱] یعنی اگر بچہ زندہ پیدا ہوا اور اس کی زندگی اس کے رونے یا چھینکنے یا حرکت کرنے سے معلوم ہو جائے پھر مر جائے تو اس کی تجہیز و تکفین بھی ہوگی، جنازہ بھی اور وہ وارث بھی ہوگا مورث بھی، اگر مرا ہوا پیدا ہو تو ان میں سے کوئی کام نہ ہوگا، اگر میت کی بیوی حاملہ ہے، تو تقسیم میراث کے وقت حمل کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔ اگر بچہ زندہ پیدا ہوا تو یہ حصہ اس ہی کا ہوگا اور گر مردہ پیدا ہوا تو یہ موقوف رکھا ہوا حصہ انہیں وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا جن کے حصے سے کاٹ لی گئی تھی، میراث حمل کی تفصیل بحث علم المیراث میں ملاحظہ فرمایئے، بعض ائمہ صرف بچہ کے چیخنے پر تو اسے میراث دیتے ہیں، دوسری علامات حیات پر نہیں دیتے وہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں مگر امام اعظم، شافعی، اوزاعی، سفیان ثوری وغیرہم کا وہ ہی فرمان ہے جو ہم نے عرض کیا وہ فرماتے ہیں کہ یہاں چیخنے سے مراد علامت حیات ہے چونکہ اکثر بچے چیختے ہوئے پیدا ہوتے ہیں اس لئے چیخنے کا ذکر ہوا۔

وَعَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَحَلِيْفُ الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَابْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ . (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

(۲۹۲۰) روایت ہے حضرت کثیر ابن عبداللہ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی[۱] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کا آزاد کردہ غلام ان ہی میں سے ہے اور قوم کا حلیف ان ہی میں سے ہے[۲] اور قوم کا بھانجہ ان ہی میں سے ہے[۳] (دارمی)

(۲۹۲۰)[۱] آپ کثیر ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عوف مزنی مدنی ہیں، تبع تابعین میں سے ہیں مگر کثیر کو اشعہ میں ضعیف متروک الحدیث فرمایا، کثیر کے والد عبداللہ تابعی ہیں، اور دادا عمرو ابن عوف صحابی۔[۲] غلام کی وراثت کا ذکر تو پہلے ہو چکا، حلیف سے مراد مولی موالات ہے جس سے میت نے زندگی میں معاہدہ کیا ہو کہ تو میرا وارث اور میں تیرا وارث جو پہلے مرے اس کا مال دوسرا لے، اسے بھی بعض صورتوں میں میراث مل جاتی ہے جبکہ اس کے اوپر وارثین موجود نہ ہوں، اس کی مکمل بحث علم المیراث میں ملاحظہ فرمایئے[۳] بھانجہ ذی رحم وارث ہے اور ذی رحم کو بھی میراث مل جاتی ہے جبکہ ذی فرض عصبہ وغیرہ اوپر کے وارث نہ ہوں، ہم ذی رحم کی تعداد پہلے بیان کر چکے ہیں۔

وَعَنِ الْمِقْدَامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِّنْ نَّفْسِهٖ فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضَيْعَةً فَاِلَيْنَا وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَاَنَا مَوْلٰى مَنْ لَّا مَوْلٰى لَهٗ اَرِثُ مَالَهٗ وَاَفُكُّ عَانَهٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهٗ يَرِثُ مَالَهٗ وَيَفُكُّ

(۲۹۲۱) روایت ہے حضرت مقدام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں ہر مسلمان کا اس کی جان سے زیادہ والی ہوں جو قرض یا بال بچے چھوڑے وہ ہمارے سپرد ہے[۱] اور جو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے[۲] میں اس کا والی ہوں جس کا کوئی والی نہیں میں اس کے مال کا وارث ہوں گا[۳] اور اس کے قیدی کو چھوڑاؤں گا اور

عَافَهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَاَنَا وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهُ اَعْقِلُ عَنْهُ وَارِثَهُ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهُ يَعْقِلُ عَنْهُ وَيَرِثُهُ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں کہ اس کے مال کا وارث ہوگا ۴ اور اس کا قیدی چھوڑائے گا ۵ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں وارث ہوں اس کا جس کا کوئی وارث نہیں کہ اس کی دیت بھی دوں گا اور اس کا وارث بھی ہوں گا ۶ اور ماموں وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہ ہو کہ اس کی دیت دے گا اور میراث لے گا (ابوداؤد)

(۲۹۲۱) ۱ کہ اس کا قرض بھی ہم ادا کریں گے اور اس کے یتیم بچوں کو بھی ہم پالیں گے اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزر گئی۔ ۲ ہم اس مال سے کچھ نہ لیں گے بلکہ تجہیز و تکفین، ادائے قرض، اجرائے وصیت کے بعد اس کے وارثوں کا ہوگا، ۳ یعنی اگر میت کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال میں جائے گا کہ بیت المال اللہ رسول کا ہے لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضرات انبیاء کرام نہ کسی کے وارث ہوں نہ مورث۔ ۴ یعنی جس میت کا روی ذی فرض وعصبہ نہ ہو اس کے وارث ماموں خالہ وغیرہ تمام ذی رحم بالترتیب ہیں، اور اگر غیر روی ذی فرض ہے جیسے بیوی یا خاوند تو بھی ذی رحم وارثوں کو میراث ملے گی۔ خیال رہے کہ ذی رحم کی وراثت کے امام شافعی و امام مالک منکر ہیں، ان کے ہاں ذی فرض وعصبہ کے نہ ہونے پر مال بیت المال میں جائے گا، مگر ہمارے ہاں ذی رحم بھی وارث ہیں، ربّ تعالٰی فرماتا ہے: وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللهِ (۸:۷۵) اور رشتہ والے ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں (کنزالایمان) اس آیت نے عقد مواخات کی میراث کو منسوخ فرما کر رشتہ داروں کو وارث بنایا اور ان میں ذی رحم وارثوں کو لے لیا، نیز سہل ابن حنیف جب قتل کیئے گئے، تو ان کا ایک ماموں ہی تھا اور کوئی عزیز نہ تھا، حضرت ابوعبیدہ ابن جراح کا انتقال ہوا تو حضور انور نے حضرت قیس ابن عاصم سے فرمایا کیا تم میں کوئی ان کا عزیز قریبی بھی ہے، انہوں نے عرض کیا وہ مسافر تھے، ان کا عزیز سوائے ابولبابہ ابن عبدالمنذر کے جوان کے بھانجے ہیں، اور کوئی نہیں، حضور انور نے انہیں کو وارث بنایا، جن روایات میں ہے کہ پھوپھی خالہ وارث نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ذی فرض یا عصبہ کے ہوتے ہوئے یہ لوگ وارث نہیں لہٰذا مذہب حنفی بہت قوی ہے (مرقات) ۵ یعنی بھانجہ کی دیت ماموں دے گا اور اگر بھانجہ قید ہو جائے تو ماموں فدیہ دے کر چھڑائے گا۔ ۶ یعنی لاوارث کی دیت بیت المال سے دی جائے گی اور اس کا متروکہ مال بیت المال میں داخل ہوگا، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، دیت اور فدیہ کے مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے اور ہم انشاء اللہ باب الدیت میں عرض کریں گے۔

وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحُوْزُ الْمَرْاَةُ ثَلٰثَ مَوَارِيْثَ عَتِيْقَهَا وَلَقِيْطَهَا وَوَلَدَهَا الَّذِيْ لَاعَنَتْ عَنْهُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۹۲۲) روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت تین میراثیں سمیٹتی ہے ۱ اپنے آزاد کردہ غلام کی اپنے پڑے پائے بچہ کی اور اپنے اس بچہ کی جس پر اس نے لعان کیا ۲ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۲۹۲۲) ۱ اس طرح کہ یہ میراثیں مرد کو نہیں ملتیں صرف عورت کو ملتی ہیں۔ ۲ عورت کے آزاد کردہ غلام کی دیت یا وراثت صرف عورت ہی کو ملے گی نہ کہ اس کے خاوند کو، پڑے ہوئے بچہ کی میراث عورت کو ملنا منسوخ ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر اس بچہ کا اور کوئی وارث نہ ہو تو اجنبی لوگوں کے مقابل ... جس کا ... انکار کر کے اس پر لعان

کرلیا' ان دونوں کی میراث صرف ماں کو ملے گی کہ ان کا باپ تو کوئی ہے ہی نہیں' خیال رہے کہ اسحاق ابن راھویہ فرماتے ہیں کہ لقیط یعنی پڑے ہوئے بچہ کا مال پانے والے کو ملے گا' اس حدیث کی بنا پر' مگر باقی تمام ائمہ اس کے انکاری ہیں' ان کے ہاں یہ جزء منسوخ ہے یا اس کا وہ مطلب ہے جو ابھی عرض کیا گیا (لمعات و مرقات) یہ حدیث قوی نہیں۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ عَاهَرَ بِحُرَّةٍ اَوْ اَمَةٍ فَالْوَلَدُ وَلَدُ زِنًا لَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۹۲۳) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آزاد یا لونڈی سے زنا کرے تو بچہ حرام کا ہے کہ نہ وہ اس کا وارث ہو اور نہ یہ اس کا وارث[۱] (ترمذی)

(۲۹۲۳) [۱] یعنی حرامی بچے کی وارث صرف ماں اور ماں کے قرابت دار ہوں گے' نانی' خالہ' ماموں وغیرہ اور وہ بچہ ان لوگوں کا وارث ہوگا مگر یہ زانی باپ اور اس کے عزیز نہ تو حرامی بچے کے وارث نہ وہ بچہ ان کا وارث کہ یہ بچہ نسباً اس باپ سے ہے ہی نہیں' صرف ماں سے ہے' یہاں باپ اور باپ کے عزیزوں کی میراث کی نفی ہے اور ماں کی میراث کا ثبوت پچھلی حدیث میں گزر گیا کہ لعان والے بچہ کی وارث ماں ہے' لعان اور زنا کے بچوں کا ایک ہی حکم ہے' کہ ان کا نسب صرف ماں سے ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ مَوْلًى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَتَرَكَ شَيْئًا وَّلَمْ يَدَعْ حَمِيْمًا وَّلَا وَلَدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطُوْا مِيْرَاثَهٗ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ قَرْيَتِهٖ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

(۲۹۲۴) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام فوت ہوگیا اس نے کچھ مال چھوڑا[۱] اور نہ کوئی قرابت دار چھوڑا نہ اولاد تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی میراث اس کے کسی بستی والے کو دے دو[۲] (ابوداؤد' ترمذی)

(۲۹۲۴) [۱] اس غلام کا نام معلوم نہ ہوسکا کہ کون صاحب تھے [۲] حضور انور نے اس مرحوم غلام کا مال خود نہ لیا' حالانکہ ایسے موقع پر آزاد کرنے والا مولیٰ میراث پاتا ہے کیونکہ حضور انور نبی ہیں' اور حضرات انبیاء نہ کسی کے وارث ہوں نہ ان کا کوئی وارث ہو جیسا کہ دوسری احادیث میں صراحۃً ارشاد ہے۔ اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ اس کا مال بیت المال کا ہے اور بیت المال تمام مسلمانوں کا' سلطان اسلام کا حق ہوتا ہے کہ بیت المال کا مال جس مسلمان پر چاہے خرچ کرے' اس حیثیت سے حکم دیتے ہیں کہ اس کے کسی بستی والے کو دے دو کہ وہ بھی تو مسلمان ہی ہوگا جس کا بیت المال میں حق ہے لہٰذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایسے لاوارث کا متروکہ مال اس کے کسی بستی والے کو دے دیا جائے بلکہ مطلب وہ ہی ہے جو عرض کیا گیا (از لمعات و مرقات)

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ مَاتَ رَجُلٌ مِّنْ خُزَاعَةَ فَاُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِيْرَاثِهٖ فَقَالَ الْتَمِسُوْا لَهٗ وَارِثًا اَوْ ذَا رَحِمٍ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهٗ وَارِثًا وَّلَا ذَا رَحِمٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطُوْهُ الْكُبْرَ مِنْ خُزَاعَةَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۲۹۲۵) روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ بنی خزاعہ[۱] کا ایک شخص فوت ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی میراث لائی گئی تو فرمایا اس کا کوئی وارث یا ذی رحم ڈھونڈو تو نہ اس کا کوئی وارث پایا اور نہ ذی رحم[۲] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میراث خزاعہ کے کسی قریبی کو دے دو[۳] (ابوداؤد) اور اس کی

وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّہٗ قَالَ اُنْظُرُوا اَکْبَرَ رَجُلٍ مِّنْ خُزَاعَۃَ ۔ ایک روایت میں یوں ہے فرمایا خزاعہ کے کسی بڑے آدمی کو دیکھو۴

(۲۹۲۵)۱خزاعہ ازد کا بڑا مشہور قبیلہ ہے۔۲یہاں وارث سے مراد ذی فرض یا عصبہ وارث ہے جیسا کہ ذی رحم کے مقابلہ سے معلوم ہورہا ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔کہ ذی رحم کو میراث مل سکتی ہے۔۳شیخ نے اشعہ فرمایا کہ کبرا کاف کے پیش ب کے جزم سے' وہ شخص جو قوم کے مورث میں میت سے ملتا ہو' ایسے شخص کو میراث سے کچھ نہیں ملتا' حضور انور کا یہ دلوانا بطور میراث نہ تھا بلکہ بیت المال کے مصرف ہونے کی حیثیت سے تھا کہ یہ مال ہے تو بیت المال کا' اور چونکہ بیت المال کا مال مسلمانوں پر خرچ ہوتا ہے اور یہ شخص بھی مسلمان ہے لہٰذا ہم سلطان اسلام کی حیثیت سے حکم دیتے ہیں کہ اسے دے دو' علامہ شامی نے فرمایا کہ دادا کے چچا اور اس چچا کی اولاد تک تو وارث ہوتا ہے جو اس سے اوپر میت سے ملے' وہ وارث نہیں ورنہ سارے ہی انسان آدم علیہ السلام میں مل جاتے ہیں' سب ایک دوسرے کے وارث ہونا چاہئیں' انہی شامی نے یہ بھی فرمایا کہ اب فی زمانہ حتی الامکان بیت المال میں کسی کا ترکہ نہ بھیجو کہ وہ عموماً ظالموں کے قبضہ میں ہوتا ہے' بلکہ اب جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کے بستی والے کو دے دو' مسلمانوں میں تقسیم کردو' حتی کہ غیر ذوی وارثوں پر رد کردو مگر بیت المال سے مسلمانوں کا متروکہ مال بچاؤ۔۴یہاں بھی اکبر رجل میں دو احتمال ہیں' یا اکبر سے مراد بڑے قرب والا یا گاؤں کا بڑا آدمی' چودھری نمبردار یعنی اس بستی میں جو اس مرنے والے سے بڑی قرب کی قرابت رکھتا ہو اسے دو یا جو بڑا ہو اسے میراث دو کہ وہ اپنے انتظام سے لوگوں میں تقسیم کرے خود بھی لے دوسروں کو بھی دے کھائے بھی کھلائے بھی۔

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ اِنَّکُمْ تَقْرَءُوْنَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ تُوْصُوْنَ بِھَا اَوْدَیْنٍ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَضٰی بِالدَّیْنِ قَبْلَ الْوَصِیَّۃِ وَاَنَّ اَعْیَانَ بَنِی الْاُمِّ یَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِی الْعَلَّاتِ الرَّجُلُ یَرِثُ اَخَاہُ لِاَبِیْہِ وَاُمِّہٖ دُوْنَ اَخِیْہِ لِاَبِیْہِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَفِیْ رِوَایَۃِ الدَّارِمِیُّ قَالَ الْاِخْوَۃُ مِنَ الْاُمِّ یَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِی الْعَلَّاتِ اِلٰی اٰخِرِہٖ ۔

(۲۹۲۶) روایت ہے حضرت علی سے فرمایا تم یہ آیت پڑھتے ہو کہ تمہاری کی ہوئی وصیت کے یا قرض کے بعد' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کا وصیت سے پہلے حکم دیا ہے۱اور حکم دیا ہے کہ ماں والی اولاد وارث ہوگی نہ کہ علاتی اولاد۲آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوگا نہ کہ علاتی بھائی کا ۳(ترمذی' ابن ماجہ) اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ ماں جائے بھائی بہن آپس میں وارث ہوں گے نہ کہ علاتی بھائی الخ۴

(۲۹۲۶)۱خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں وصیت کا ذکر قرض سے پہلے فرمایا گیا کہ ارشاد باری میں پہلے وصیت ہے پھر قرض مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے قرض کو وصیت پر مقدم فرمایا کہ تجہیز و تکفین کے بعد میت کا قرض ادا کرو پھر بعد ادائے قرض تہائی مال سے وصیت جاری کرو' پھر میراث تقسیم کرو۔حضور انور کا یہ عمل قرآن کریم کے مخالف نہیں' بلکہ اس کی تفسیر ہے جس سے بتادیا گیا کہ قرض ذکر میں پیچھے ہے مگر عمل میں پہلے چونکہ وارثوں پر وصیت پوری کرنا شاق گزرتا ہے' قرض شوق سے ادا کردیتے ہیں اس لئے اہتماما پہلے وصیت کا ذکر فرمایا۲اعیان جمع عین کی ہے بمعنی ذات اور بنی ام سے مراد اخیافی اولاد نہیں بلکہ حقیقی بھائی مراد ہیں یعنی جو ماں میں بھی شریک ہوں مطلب یہ ہے کہ جس میت سے سگے بھائی بھی ہوں اور باپ شریکے بھی' تو سگے بھائی میراث پائیں گے۔باپ شریکے نہ پائیں گے' کہ سگوں کو قوت قرابت حاصل ہے' اسی لئے آپ نے اخیافی نہ فرمایا بلکہ اعیان بنی ام فرمایا اتنی دراز عبارت (مرقات ولمعات واشعہ وغیرہ) لہٰذا قرآن شریف میں جو لفظ اخوۃ ارشاد ہوا اس سے دھوکا نہ کھائے اور اس سے سارے بھائی نہ سمجھ لیجئے سگے ہوں یا سوتیلے۔۳یہ جملہ

گزشتہ کلام کی شرح ہے لابیہ و امہ فرما کر بتادیا کہ وہاں بنی الام سے مراد ماں میں بھی شریک تھے نہ کہ ماں میں ہی شریک' دیکھو حضرت ہارون نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ابن ام اے میرے ماں جائے۔حالانکہ آپ حضرت ہارون کے سگے بھائی تھے۔۴اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے کہ سگے بھائی بہن سوتیلوں پر مقدم ہیں۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَآءَتِ امْرَاَةُ سَعْدِبْنِ الرَّبِيْعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ قُتِلَ اَبُوْهُمَا مَعَكَ يَوْمَ اُحُدٍ شَهِيْدًا وَاِنَّ عَمَّهُمَا اَخَذَ مَالَهُمَا وَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا وَلَا تُنْكَحَانَ اِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ قَالَ يَقْضِى اللّٰهُ فِىْ ذٰلِكَ فَنَزَلَتْ اٰيَةُ الْمِيْرَاثِ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عَمِّهِمَا فَقَالَ اَعْطِ لِابْنَتَىْ سَعْدِنِ الثُّلُثَيْنِ وَاَعْطِ اُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِىَ فَهُوَ لَكَ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِىُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ) وَقَالَ التِّرْمِذِىُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ .

(۲۹۲۷) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ سعد ابن ربیع کی بیوی اپنی دو لڑکیاں جو سعد ابن ربیع سے تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں۱بولیں یا رسول اللہ سعد اب ربیع کی لڑکیاں ہیں جن کے باپ آپ کے ساتھ احد کے دن شہید ہوکر قتل کردیئے گئے اور ان کے چچا نے ان کا مال لے لیا۲کہ ان کے لئے کچھ مال نہ چھوڑا اور بغیر مال ان کا نکاح نہیں کیا جاسکتا ہے۳حضور نے فرمایا اللہ اس بارے میں فیصلہ فرمائے گا۴تب میراث کی آیت نازل ہوئی۵تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکیوں کے چچا کو بلا بھیجا فرمایا سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی دے دو اور ان بچیوں کی ماں کو آٹھواں حصہ جو باقی بچے وہ تمہارا۶(احمد' ترمذی' ابو داؤد' ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

(۲۹۲۷)۱سعد ابن ربیع بروزن فعیل' ر کے فتح کے ب کسرہ سے' یہ سعد ابن ربیع انصاری ہیں خزرجی ہیں بدری ہیں' عقبہ اولیٰ کی بیعت میں شریک رہے' حضرت عبدالرحمن بن عوف سے آپ کا عقد مواخات کرایا گیا' جنگ احد میں شہید ہوئے' اور حضرت خارجہ ابن زید کے ساتھ ایک قبر میں داخل کئے گئے (اشعہ' مرقات)۲جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ کسی کے فوت ہونے کے بعد اس کا بھائی ساری میراث پر قبضہ کرلیتا تھا' اور اس کی یتیم بچیوں کو محروم کردیتا تھا' غرضیکہ مرحوم کی لڑکیاں میراث نہ پاتی تھیں یا بھائی میراث سمیٹتا تھا یا چچا' بچیاں محروم ہی رہتی تھیں۳کیونکہ بچیوں کی شادی میں جہیز وغیرہ دینا ہوتا ہے اور جہیز بغیر مال تیار نہیں ہوتا' غریب یتیم بچیوں سے کوئی نکاح کرنا پسند نہیں کرتا' مالدار لڑکیاں جلد ٹھکانے لگ جاتی ہیں جیسا کہ آج بھی دیکھا جارہا ہے' یہ قدرتی چیز ہے حسن اور مال پر رجحان ہے۔۴ابھی تک میراث کی آیات نہ اتری تھیں' اس لئے حضور انور نے خود کچھ فیصلہ نہ فرمایا' خیال رہے کہ میراث کے احکام اکثر قرآن کریم میں وارد ہیں ربّ تعالیٰ نے خود براہ راست میراث کے احکام جاری کئے' تاکہ لوگ میراث میں خوف خدا سے کام لیں۵یعنی یہ آیت يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِىْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (۴:۱۱) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (کنزالایمان) جس میں بیٹے بیٹیوں کے حصے مقرر فرمادیئے گئے۔۶خلاصہ یہ ہے کہ سعد کے مال کے کل چوبیس حصے کرو جن میں سے تین تو ان کی بیوی کے ہیں' سولہ ان کی لڑکیوں کے اور پانچ بقیہ تمہارے' کہ اولاد کے ہوتے بیوی کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے' بیوی اور لڑکیاں ذی فرض ہیں اور چچا عصبہ' ماتھی سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی عصبہ ہے کہ اس کا حصہ مقرر نہیں' مرقات نے فرمایا کہ اسلام میں یہ پہلی میراث تقسیم ہوئی' خیال رہے کہ ربّ تعالیٰ نے لڑکیوں کے بارے میں فرمایا فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ [illegible] (کنزالایمان) اگر لڑکیاں دو

سے زیادہ ہوں تو دوتہائی کی وارث ہیں اس آیت کی بنا پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ دولڑکیاں بھی ایک لڑکے کی طرح آدھا مال ہی پائیں گی دو سے زیادہ ہوں تو دوتہائی' مگر باقی تمام صحابہ کرام اور علمائے اسلام کا فرمان ہے کہ دولڑکیاں بھی دوتہائی پائیں گی' یعنی میراث میں دو کی تعداد جمع ہے اور یہ حدیث اس آیت کریمہ کی شرح ہے' قرآن کریم نے اتنی بڑی عبارت فرمائی' یہ نہ فرمادیا کہ اگر لڑکیاں دو ہوں تا کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ دولڑکیوں کو تہائی اور زیادہ کو تہائی اور زیادہ کو اس سے زیادہ' غالبًا ابن عباس کو یہ حدیث پہنچی نہیں' جب ایک بیٹی میت کے بیٹے کے ساتھ تہائی پاتی ہے تو بیٹی کے ساتھ بدرجہ اولیٰ تہائی پائے گی (مرقات)

وَعَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيْلٍ قَالَ سُئِلَ اَبُوْ مُوْسٰى عَنِ ابْنَةٍ وَبِنْتِ ابْنٍ وَاُخْتٍ فَقَالَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِلْاُخْتِ النِّصْفُ وَائْتِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ فَسَيُتَابِعُنِيْ فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَاُخْبِرَ بِقَوْلِ اَبِيْ مُوْسٰى فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ اَقْضِيْ فِيْهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ الِابْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِيَ فَلِلْاُخْتِ فَاَتَيْنَا اَبَا مُوْسٰى فَاَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ لَا تَسْاَلُوْنِيْ مَادَامَ هٰذَا الْحِبْرُ فِيْكُمْ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۹۲۸) روایت ہے حضرت ہزیل ابن شرحبیل سے فرماتے ہیں کہ جناب ابوموسیٰ سے ایک بیٹی' پوتی اور بہن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا بیٹی کا آدھا اور بہن کا آدھا ہے[1] اور تم حضرت ابن مسعود کے پاس جاؤ وہ بھی ہماری ہی مطابقت کریں گے[2] چنانچہ حضرت ابن مسعود سے مسئلہ پوچھا گیا اور حضرت موسیٰ کی بات کی خبر دی گئی وہ بولے تب تو بہک جاؤں گا اور راہ پانے والوں سے نہ ہوں گا[3] میں تو اس میں وہ فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا' بیٹی کا آدھا ہے اور پوتی کا چھٹا حصہ دوتہائی پوری کرنے والے کو اور جو باقی بچے وہ بہن کا[4] پھر ہم ابوموسیٰ کے پاس آئے تو ہم نے انہیں حضرت ابن مسعود کے فیصلہ کی خبر دی تو آپ بولے جب تک یہ علامہ تم میں رہے۔ مجھ سے نہ پوچھو[5] (بخاری)

(۲۹۲۸)[1] سوال یہ تھا کہ ایک شخص فوت ہوا' اس نے ایک بیٹی' ایک پوتی' ایک بہن چھوڑی' تو کسے کتنا ملے گا؟ آپ نے فرمایا بیٹی کو آدھا' بہن کو آدھا' اور پوتی محروم ہے آپ نے ان دو آیتوں پر نظر فرمائی' کہ بیٹی کے متعلق ارشاد ہوا وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (۱۱:۴) اور اگر ایک لڑکی ہوتو اس کا آدھا (کنزالایمان) اگر بیٹی اکیلی ہوتو اس کے لئے آدھا ہے اور بہن کے متعلق ارشاد ہوا ہے اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ (۱۷۶:۴) اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہوتو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے (کنزالایمان) کہ اگر کوئی مرگیا اور اس کے اولاد نہیں ہے بہن ہے تو بہن کو آدھا ملے گا' آپ نے ولد سے مراد صلبی اولاد لی' حالانکہ ولد میں پوتی بھی داخل ہے اگر بیٹا بیٹی' پوتا پوتی نہ ہوتو بہن کو آدھا ملتا ہے' یہ ہوئی اجتہادی غلطی یا انہوں نے خیال کیا کہ وہاں آیت میں ولد سے مراد مذکر اولاد ہے۔[2] یعنی میرے بتائے ہوئے مسئلہ کی تصدیق حضرت ابن مسعود سے بھی کرالو' انشاءاللہ وہ بھی یہ ہی فتویٰ دیں گے' یہ حدیث فتویٰ کی تصدیق کرانے کی اصل ہے[3] یعنی ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ غلط بتایا۔ وہ تو اجتہادی غلطی کی وجہ سے معاف کردیئے جائیں گے' مجھے اصل مسئلہ معلوم ہے اگر میں جانتے ہوئے غلط مسئلہ میں ان کی تائید کردوں تو گمراہ ہو جاؤں گا' لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو حضرت ابوموسیٰ اشعری گمراہ ہو گئے ہوں گے کہ انہوں نے مسئلہ غلط بتایا کیونکہ وہ خطاء اجتہادی کی بنا پر مسئلہ غلط بتا گئے' خطاء اجتہادی پر پکڑ نہیں دیکھو قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک اجتہادی غلطی کا ذکر تو فرمایا مگر عتاب نہ فرمایا[4]

خلاصہ جواب یہ ہے کہ از روئے قرآن کریم بیٹیوں کا حصہ دوتہائی ہے۔ یہاں لڑکی نے آدھا لے لیا کہ اس کی قرابت میت سے بمقابلہ پوتی کے قوی ہے' اب چھٹا حصہ بچا کیونکہ آدھا چھٹے سے مل کر دوتہائی ہو جاتا ہے وہ پوتی کو دے دیا' یہ دونوں ذی فرض تھیں بہن عصبہ ہے اس کیلئے تہائی بچا ہے۔ وہ اسے دے دو۔ مال کے چھ حصے کر کے تین بیٹی کو دو' ایک پوتی کو' باقی دو بچے' وہ عصبۃ بہن کو دے دو حضور فرماتے ہیں اجعلو الاخوات مع البنات عصبة بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کو عصبہ بناؤ' یہ ہی جمہور علماء کا قول ہے' مگر حضرت ابن عباس بیٹی کی موجودگی میں بہن کو محروم کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ ربّ تعالٰی نے مذکورہ آیت میں بہن کی میراث کے لئے ولد نہ ہونے کی قید لگائی' ولد سے مراد مطلقًا اولاد ہے بیٹا ہو یا بیٹی' حالانکہ وہاں ولد سے مراد صرف بیٹا ہے' اس لئے حضرت عبداللہ ابن مسعود زندہ ہیں مجھ سے مسئلہ نہ پوچھو' وہ مجھ سے بڑے عالم ہیں' ان سے ہی پوچھا کرو' اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ عالم کو چاہیے کہ اپنی غلطی معلوم ہونے پر ضد نہ کرے فورًا رجوع کرلے رجوع میں اپنی توہین نہ جانے' دوسرے یہ کہ بڑے عالم کے ہوتے ماتحتوں کی تقلید نہ کرے' یہ حدیث تقلید شخصی کی اصل ہے کہ ایک عالم مجتہد کا ہو کر رہے ہر جگہ نہ بھٹکے۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ ابْنِىْ مَاتَ فَمَالِىْ مِنْ مِيْرَاثِهٖ قَالَ لَكَ السُّدُسُ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ قَالَ لَكَ سُدُسٌ اٰخَرُ فَلَمَّهٗ وَلّٰى دَعَاهُ قَالَ اِنَّ السُّدُسَ الْاٰخِرَ طُعْمَةٌ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِىُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِىُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ ۔

(۲۹۲۹) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا میرا بیٹا مر گیا ہے تو اس کی میراث میں میرا کتنا ہے[۱] فرمایا تیرا چھٹا حصہ ہے جب اس نے پیٹھ پھیری تو اسے بلایا فرمایا تیرے لئے دوسرا چھٹا بھی ہے[۲] پھر جب پیٹھ پھیری تو اسے بلایا فرمایا دوسرا چھٹا عصبۃ ہے[۳] (احمد' ترمذی' ابوداؤد) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲۹۲۹)[۱] اس مرحوم کی دو بیٹیاں تھیں ایک باپ' دونوں بیٹیوں کا دوتہائی جو سائل کو معلوم تھا باپ کے حصے کی خبر نہ تھی' اس لئے اس نے صرف باپ کا حصہ پوچھا' [۲] خلاصہ یہ ہے کہ تیرے بیٹے کے متروکہ مال کے چھ حصے ہوں گے' چار تو دو بیٹیوں کے یعنی دوتہائی اور ایک تیرا یعنی چھٹا حصہ تو ذی فرض ہے' تیرا حق چھٹا حصہ ہے' باقی بچا ایک' وہ بھی تجھے ہی ملے گا مگر عصبۃ معلوم ہوا کہ بیٹیوں کے ہوتے باپ ذی فرض بھی ہے اور عصبہ بھی' یہ ہی تمام علماء کا مذہب ہے۔ [۳] یعنی ذی فرض ہونے کی حیثیت سے تیرا حصہ چھٹا حصہ ہی تھا' اب جو دوبارہ تجھے چھٹا حصہ اور دیا گیا وہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے ہے کہ تو عصبہ بھی ہے کہ بچا ہوا بھی تو ہی پائے گا۔

وَعَنْ قَبِيْصَةَ ابْنِ ذُوَيْبٍ قَالَ جَآءَتِ الْجَدَّةُ اِلٰى اَبِىْ بَكْرٍ تَسْاَلُهٗ مِيْرَاثَهَا فَقَالَ لَهَا مَالَكِ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ شَىْءٌ وَمَالَكِ فِىْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَىْءٌ فَارْجِعِىْ حَتّٰى اَسْاَلَ النَّاسَ فَسَاَلَ فَقَالَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهَا السُّدُسَ فَقَالَ

(۲۹۳۰) روایت ہے حضرت قبیصہ ابن ذویب سے[۱] فرماتے ہیں حضرت ابوبکر کی خدمت میں نانی حاضر ہوئی آپ سے اپنی میراث مانگتی تھی[۲] تو فرمایا نہ اللہ کی کتاب میں تیرے لئے کچھ ہے اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تجھے کچھ ملے گا[۳] ابھی تو لوٹ جا حتی کہ میں لوگوں سے پوچھ گچھ کرلوں[۴] چنانچہ آپ نے پوچھا تو حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے عرض کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

اَبُوْ بَكْرٍ هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ مِثْلَ مَاقَالَ الْمُغِيْرَةُ فَاَنْفَذَهُ لَهَا اَبُوْ بَكْرٍ ثُمَّ جَآءَتِ الْجَدَّةُ الْاُخْرٰى اِلٰى عُمَرَ تَسْاَلُهُ مِيْرَاثَهَا فَقَالَ هُوَ ذٰلِكَ السُّدُسُ فَاِنِ اجْتَمَعْتُمَا فَهُوَ بَيْنَكُمَا وَاَيَّتُكُمَا خَلَتْ بِهٖ فَهُوَ لَهَا.

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

بارگاہ میں حاضر تھا آپ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا ابو بکر صدیق نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے۵؎ تب محمد ابن مسلمہ نے ویسا ہی کہا جو مغیرہ نے کہا تھا چنانچہ جناب صدیق نے دادی کے لئے چھٹا حصہ جاری کر دیا۶؎ پھر دوسری جانب کی دادی حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئیں ۷؎ اپنی میراث آپ سے مانگتی تھیں تو فرمایا دادی کی میراث یہ ہی چھٹا حصہ ہے۸؎ اگر تم دونوں (دادی، نانی) جمع ہو جاؤ تو وہ تم دونوں میں ہوگا اور تم میں سے جو اکیلی ہو تو وہ اس کا ہوگا۹؎

(مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۲۹۳۰) ۱؎ قبیصہ بروزن کریمہ ہے اور ذویب ذال کے پیش واؤ کے کسرہ سے، آپ کو ابن عبدالبر نے تو صحابی مانا ہے اور ایک ہجری میں پیدائش ثابت کی ہے، دوسرے محدثین انہیں تابعی مانتے ہیں، آپ فقہاء مدینہ سے ہیں چنانچہ سعید ابن مسیب، عروہ ابن زبیر، عبدالملک ابن مروان، قبیصہ ابن ذویب یہ چار حضرات فقہاء مدینہ سے مانے جاتے تھے ۸۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی (اشعہ، مرقات، اکمال) ۲؎ اس نے عرض کیا کہ میرا اولد بنت یعنی نواسا فوت ہو گیا ہے میرا حصہ میراث کا مجھے دلوایا جائے، یہاں جدۃ بمعنی نانی ہے جیسا کہ دوسری روایات سے ثابت ہے (مرقات) ۳؎ یعنی جہاں تک میرا علم ہے، حدیث شریف میں بھی دادی نانی کا حصہ کچھ نہیں، یہاں نفی اپنے علم کے اعتبار سے ہے ۴؎ اس زمانہ میں کسی کو مسئلہ بتانا آسان نہ تھا، ایک مسئلہ کے لئے مہینوں حدیث تلاش کرنا پڑتی، اللہ تعالٰی فقہاء کرام کا بھلا کرے کہ وہ حضرات ہمارے لئے علم فقہ کو پانی بنا گئے، کہ کوئی مسئلہ ہو کتاب باب فصل نکالو اور بتادو، اسی لئے حضور نے فرمایا تھا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے، جتنی خدمت علماء اسلام نے کی، اتنی خدمت کسی دین کے عالموں نے اپنے دین کی نہ کی۔ ۵؎ گواہ مانگنا احتیاطًا تھا تاکہ لوگ حدیث بیان کرنے پر دلیر نہ ہو جائیں نیز اس حدیث سے حقوق العباد متعلق تھے اس وجوہ سے یہ احتیاط برتی ورنہ صحابہ سارے عادل ہیں، ہر ایک کی روایت معتبر ہے ۶؎ یعنی ورثاء کو حکم دے دیا کہ دادی کو چھٹا حصہ دیں، چونکہ حکم فرمانے والے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس پر عمل کرانے والے ابو بکر صدیق، اس لئے یہ عبارت استعمال ہوئی، یوں ہی بادشاہ اسلام حضور انور کے احکام جاری کرنے والا ہے حاکم اللہ رسول ہیں۔ ۷؎ یا تو پہلے نانی آئی تھی، اب دادی آئی یا اس کے برعکس اول معنی زیادہ قوی ہیں، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ پھر میت کے باپ کی ماں آئی اور اس نے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کیا کہ بمقابلہ نانی کے میرا حق میراث میں زیادہ ہے کہ اگر میں مرجاتی تو میرا یہ پوتا وارث ہوتا، اگر نانی مرتی تو اس کا یہ نواسہ وارث نہ ہوتا، جب وہ مرحوم میرا وارث ہوتا ہے نہ کہ نانی کا، تو چاہیے کہ میں ہی اس کی وارث ہوں نہ کہ نانی لہذا مجھے میراث واپس دلوائی جائے (مرقات) ۸؎ یعنی اس چھٹے حصے میں تو بھی شریک ہے کہ آدھا تیرا آدھا نانی کا۔ ۹؎ یہ جملہ گزشتہ مضمون کا بیان ہے، جمہور صحابہ اور قریبًا تمام فقہاء و علماء کا یہ ہی مذہب ہے کہ اگر نانی یا دادی اکیلی ہو تو پورا چھٹا حصہ اسے ملے گا، اور اگر دونوں ہوں، تو یہ ہی چھٹا حصہ دونوں میں آدھا آدھا مگر حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ماں کے نہ ہونے پر نانی ماں کی جگہ ہوگی کہ اگر میت کے اولاد بھائی، بہن نہ ہوں تو نانی کو تہائی، اور اگر ہوں تو پورا حصہ شاید یہ حدیث انہیں پہنچی نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فِي الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا اِنَّهَا اَوَّلَ جَدَّةٍ اَطْعَمَهَارَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُدُسًامَعَ ابْنِهَا وَابْنُهَا حَيٌّ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ ضَعَّفَهٗ)

(۲۹۳۱) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ دادی کے متعلق جو اپنے بیٹے کے ساتھ ہوفرماتے ہیں کہ یہ پہلی وہ دادی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کے ساتھ جبکہ بیٹا زندہ ہو چھٹا حصہ دیا ۱؎ (ترمذی، دارمی) ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف بتایا۔

(۲۹۳۱) ۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ دادی باپ کے ہوتے بھی میراث پائے گی، باپ کی وجہ سے محروم نہ ہوگی، یہ ہی چند صحابہ اور بعض فقہاء کا مذہب ہے، عام صحابہ علماء فرماتے ہیں کہ باپ کے ہوتے دادی محروم ہے، یہ حدیث اوّلاً تو ضعیف ہے، اگر صحیح ہو تو حضور انور کا یہ فرمان وعطیہ بطور میراث نہ تھا بلکہ بغیر توارث ویسے ہی عطا فرمایا، جیسا کہ حکم قرآن ہے کہ اگر تقسیم میراث کے وقت بعض محروم قرابت دار موجود ہوں تو انہیں کو دے دو۔ فرمایا: وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُو الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ (۴:۸) یا میت کا باپ کافر تھا یا غلام کہ میراث کا مستحق نہ تھا اور محروم وارث دوسرے کو محروم نہیں کرتا (مرقات ولمعات واشعہ)

وَعَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ سُفْيَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلَيْهِ اَنْ وَرِّثِ امْرَاَةَ اَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ ۔

(۲۹۳۲) روایت ہے حضرت ضحاک ابن سفیان سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر نہیں فرمایا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کو ان کے خاوند کی دیت سے ورثہ دو ۲؎ (ترمذی، ابوداؤد) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

(۲۹۳۲) ۱؎ آپ ضحاک ابن سفیان عامری کلابی ہیں، بڑے بہادر شجاع تھے، آپ اکیلے کو سو پہلوانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے آپ سے قریب تلوار لئے کھڑے رہتے تھے، آپ کو حضور انور نے اپنی قوم بنی کلاب کا والی بنایا تھا ۲؎ اشیم ضبابی صحابی تھے صباب ایک قلعے کا نام ہے ادھر آپ کی نسبت ہے، یہ خطاءً قتل کئے گئے تھے قاتل پر دیت یعنی خون بہا واجب ہوا تھا، حضور انور نے حضرت ضحاک کو جو وہاں کے والی تھے یہ لکھا کہ ان کی دیت وارثوں میں تقسیم کرو، چونکہ زوجہ بھی وارث ہے اس لئے اسے بھی بقدر میراث دیت سے حصہ دو، اس حدیث کی بناء پر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ دیت کا مال پہلے تو مقتول کی ملک بنتا ہے، پھر مقتول کے دیگر مالوں کی طرح اس کے وارثوں کو بقدر حصہ ملتا ہے، مگر حضرت علی کا قول یہ ہے کہ دیت سے اخیافی بھائی بہن، خاوند اور کسی عورت کو حصہ نہیں مل سکتا، غالبًا آپ کو یہ حدیث پہنچی نہیں۔

وَعَنْ تَمِيْمِ نِ الدَّارِيِّ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاالسُّنَّةُ فِي الرَّجُلِ مِنْ اَهْلِ الشِّرْكِ يُسْلِمُ عَلٰى يَدَىْ رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ هُوَاَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهٖ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۹۳۳) روایت ہے حضرت تمیم داری سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس مشرک آدمی کے متعلق شرعی طریقہ کیا ہے جو مسلمانوں میں سے کسی کے ہاتھ پر ایمان لائے ۲؎ فرمایا وہ مسلمان اس مشرک کا زندگی اور موت میں والی ہے۔ ۳؎

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

(۲۹۳۳) ۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں۔ پہلے عیسائی تھے ۹ھ میں اسلام لائے بڑے عابد وزاہد تھے، رات کو ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرتے تھے کبھی تہجد کی نماز میں ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہتے حتی کہ سویرا ہوجاتا، محمد ابن منکدر فرماتے ہیں کہ ایک رات تمیم داری کی

آنکھ نہ کھلی اور تہجد قضاء ہوگئی' تو اس کے کفارہ میں سال بھر رات کو سوئے ہی نہیں' آپ نے نماز میں پہننے کے لئے ایک ہزار درہم کا جوڑا خریدا تھا' آپ نے ہی سب سے پہلے مسجد نبوی میں چراغ جلایا آپ ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال اور جساسہ کی روایت اپنے خطبہ میں بیان فرمائی' آپ مدینہ منورہ میں رہے' شہادت حضرت عثمان کے بعد شام چلے گئے' وہاں ہی وفات پائی' دار ابن ہانی کی اولاد میں ہیں' اسی لئے آپ کو داری کہا جاتا ہے (اکمال' اشعہ' مرقات) ۲؎ آیا وہ مسلمان کرنے والا اس نومسلم کا مولیٰ ہوگا یا نہیں اور اس کے مال کی میراث پائے گا یا نہیں ۳؎ یعنی وارث ہے کہ اگر اس نومسلم کا کوئی عزیز رشتہ دار نہ ہو تو اس کی میراث اسے ملے گی اس حدیث کی بنا پر حضرت عمر ابن عبدالعزیز' سعید ابن مسیب وغیرہم مسلمان کرنے والے کو نومسلم کا آخری وارث مانتے ہیں' جیسے غلام کا وارث آزاد کرنے والا مولیٰ' مگر باقی تمام علماء اسے وارث نہیں مانتے' وہ فرماتے ہیں کہ حدیث اس وقت کی ہے جب اسلام اور نصرت و مدد کی بناء پر میراث ملتی تھی کہ مہاجر کا وارث انصاری ہوتا تھا اور انصاری کا مہاجر پھر آیات میراث سے یہ وراثت منسوخ ہوگئی۔ یا یہاں اَوْلٰی کے معنی وارث نہیں مددگار ہیں کہ مسلمان کرنے والا اس نومسلم کی زندگی میں ہر طرح مدد کرے اور بعد موت اس کی نماز اور دفن وغیرہ کا انتظام کرے۔ اس صورت میں یہ حدیث محکم ہے۔ (لمعات ومرقات واشعہ)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلاً مَاتَ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا اِلَّا غُلَامًا كَانَ اَعْتَقَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَّهٗ اَحَدٌ قَالُوْا لَا اِلَّا غُلَامٌ لَّهٗ كَانَ اَعْتَقَهٗ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِيْرَاثَهٗ لَهٗ . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۹۳۴) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ایک شخص مر گیا اور اس نے سوا اس غلام کے جسے آزاد کیا تھا اور کوئی وارث نہ چھوڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا کوئی ہے لوگوں نے کہا نہیں سوا ایک غلام کے جسے اس نے آزاد کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی میراث اس کے غلام کے لئے مخصوص کردی ۱؎ (ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ)

(۲۹۳۴) ۱؎ اس حدیث کی بنا پر حضرت شریح' طاؤس وغیرہم نے فرمایا کہ جیسے آزاد کردہ غلام کا وارث مولیٰ ہوتا ہے اگر اس کا اوپر کا وارث نہ ہو ایسے ہی مولیٰ کا وارث یہ غلام ہوگا' مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ غلام مولیٰ کا وارث نہیں' اور یہ حدیث ایسی ہی ہے۔ جیسے حضور انور نے گاؤں کے آدمیوں کو لاوارث کی میراث عطا فرمائی تھی' کیونکہ یہ مال بیت المال کا تھا اور اس کا بھی بیت المال میں حق ہے۔ اس بناء پر اسے یہ مال دیا گیا (مرقاۃ ولمعات)

وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَرِثُ الْوَلَآءَ مَنْ يَّرِثُ الْمَالَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ اِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ .

(۲۹۳۵) روایت ہے حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولا کا وارث وہ ہی عصبہ ہوگا جو مال کا وارث ہوگا ۱؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد قوی نہیں۔

(۲۹۳۵) ۱؎ وَلَآ واؤ کے فتح سے بمعنی قرب' یہاں قرب عبدیت مراد ہے جس سے مولیٰ کو غلام کے متروکہ مال کے وارث ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس غلام کو مولیٰ نے آزاد کیا تو غلام کے فوت ہونے پر اگر مولیٰ زندہ ہو تو وہ میراث لے گا' ورنہ اس کے عصبہ بنفسہ وارثین میراث لیں گے' [illegible] غلام کے آزاد کردہ غلام

ہی کی میراث پائے گی عصبۂ ولاء نہ پائے گی کہ زوجہ عصبہ ہوتی ہی نہیں' ولاء بیت المال کو نہیں ملا کرتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَ مِنْ مِّيْرَاثٍ قُسِمَ فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا كَانَ مِنْ مِيْرَاثٍ اَدْرَكَهُ الْاِسْلَامُ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْاِسْلَامِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۹۳۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میراث زمانہ جاہلیت میں بانٹی جا چکی تو وہ جاہلیت ہی کے بٹوارے پر رہے گی اور جس میراث کو اسلام نے پا لیا تو وہ اسلام کی بانٹ پر ہوگی [۱] (ابن ماجہ)

(۲۹۳۶) [۱] اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جن کفار نے اپنے دین کے مطابق میراثیں تقسیم کر لی تھیں پھر وہ مسلمان ہو گئے یا ان میں سے ایک مسلمان ہو گیا' تو اب اسے تقسیم شدہ مال دوبارہ تقسیم کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا بلکہ اس تقسیم کو باقی رکھا جائے گا' یا یہ مطلب ہے کہ وراثت کے اسلامی احکام آنے سے پہلے جو تقسیم میراث ہو چکی ہیں' اگرچہ مسلمانوں ہی نے کی ہوں' وہ اسلامی قانون وراثت آنے پر توڑی نہ جائیں گی بلکہ باقی رکھی جائیں گی' ہاں اب اس کے بعد جو تقسیم ہوگی وہ اسلامی قانون کے مطابق ہوگی دیکھو آج اگر کافر جوڑا اسلام لائے تو انہیں دوبارہ نکاح کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا کہ چونکہ تمہارا کفر کا نکاح اسلامی قانون کے مطابق نہ ہوا تھا لہذا اب پھر دوبارہ ایجاب وقبول کرو بلکہ وہ ہی باقی رکھا جاتا ہے' ایسے ہی یہ حکم ہے۔

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِىْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُ كَثِيْرًا يَقُوْلُ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ عَجَبًا لِلْعَمَّةِ تُوْرَثُ وَلَاتَرِثُ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

(۲۹۳۷) روایت ہے حضرت محمد ابن ابوبکر ابن حزم سے [۱] کہ انہوں نے اپنے والد کو بہت بار یہ کہتے سنا کہ حضرت عمر ابن خطاب فرماتے تھے تعجب ہے پھوپھی پر کہ وارث تو کر دیتی ہے مگر خود وارث نہیں ہوتی [۲] (مالک)

(۲۹۳۷) [۱] محمد تبع تابعین سے ہیں' ان کے والد ابوبکر ابن حزم تابعین سے ہیں (اشعۃ اللمعات) [۲] یعنی از روئے قیاس یا تو پھوپھی بھی بھتیجا کی وراثت عصبۃ پاتی یا بھتیجا بھی پھوپھی کا وارث نہ ہوتا بلکہ ذی رحم ہوتا' مگر حکم شرعی کے آگے سرخم ہے۔ بھتیجا پھوپھی کا عصبہ ہے مگر پھوپھی بھتیجے کی ذی رحم خیال رہے بھتیجا تو عصبہ ہے مگر بھتیجی ذی رحم ہے اور یہاں وراثت سے مراد عصبۂ وراثت ہے ورنہ پھوپھی بھی بھتیجے کی ذی رحم وارث تو ہے' اس حدیث سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو ذی رحم کو وارث نہیں مانتے وہ حضرات اس جملہ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ پھوپھی بالکل وارث نہیں ہوتی کیونکہ وہ ذی رحم ہے مگر وہ ہی مطلب قوی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ تَعَلَّمُوا الْفَرَآئِضَ وَزَادَابْنُ مَسْعُوْدٍ وَالطَّلَاقَ وَالْحَجَّ قَالَا فَاِنَّهٗ مِنْ دِيْنِكُمْ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِىُّ)

(۲۹۳۸) روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں علم فرائض سیکھو حضرت ابن مسعود نے یہ زیادتی کی کہ طلاق و حج بھی سیکھو ان دونوں نے فرمایا یہ تمہارے دین سے ہے [۱] (دارمی)

(۲۹۳۸) [۱] یعنی علم میراث' حج وطلاق کے مسائل' اہم دینی مسائل ہیں انہیں سیکھو' آج علم فرائض جاننے کے علماء کم رہ گئے ہیں' اور اب تو مسلمانوں کو فرائض میں ترمیم کی سوجھی ہے کوشش کر رہے ہیں کہ چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث سے پوتا کو دلوایا جائے اور نہ معلوم کیا کیا ہونے والا ہے مگر انشاء اللہ دین بدلنے والے خود مٹ جائیں گے دین نہ بدلا جائے گا' مروان ابن حکم نے خطبہ عید نماز سے پہلے پڑھا مگر وہ مٹ گیا' خطبہ نماز کے بعد ہی رہا' اللہ اپنے دین کا محافظ ہے۔

بَابُ الْوَصَایَا وصیتوں کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

وصایا وصیت کی جمع ہے جیسے خطایا خطیئت کی' لغت میں وصیت کے معنی ہیں' عہد' مگر اصطلاح میں اس وعدہ اور عہد کو وصیت کہا جاتا ہے جس کا تعلق موت کے بعد سے ہو' شروع اسلام میں مالدار پر وصیت کرنا فرض تھا کہ اس زمانہ میں وصیت سے ہی متروکہ مال تقسیم ہوتا تھا' لیکن میراث کے احکام آنے پر یہ حکم منسوخ ہوگیا' استحباب اب بھی باقی ہے یہ خیال رہے کہ وارث کو وصیت جائز نہیں' جسے میراث سے ایک پائی ملے گی' اس کے لئے وصیت نہیں ہوسکتی' اگر کی گئی ہے تو معتبر نہیں' قرآن شریف میں تاکیدی حکموں کو بھی وصیت فرمایا گیا ہے' رب تعالٰی فرماتا ہے: وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ (۱۳۱،۴) اور بے شک تاکید فرمادی ہے ہم نے ان سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهِیْمُ بَنِیْهِ (۱۳۲،۲) اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کی (کنزالایمان)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاحَقُّ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَیْءٌ یُّوْصٰی فِیْهِ یَبِیْتُ لَیْلَتَیْنِ اِلَّا وَصِیَّتُهُ مَکْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ . (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۹۳۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس مسلمان کے پاس کوئی چیز لائق وصیت ہوا اسے یہ مناسب نہیں کہ دو راتیں بھی اس کے بغیر گزارے کہ اس کے پاس اس کی وصیت لکھی ہو[۱] (مسلم بخاری)

(۲۹۳۹)[۱] یوصی معروف بھی ہوسکتا ہے مجہول بھی' شیخ نے مجہول پڑھا ہے اور مرقات نے دونوں طرح' لائق وصیت کی قید اس لئے لگائی کہ جس مال کی وصیت ہی نہیں ہوسکتی اس کا حکم یہ نہیں' قابل میراث مال کی وصیت ہوسکتی ہے دوسرے کی نہیں' قرض' امانت' وقف مالوں میں میراث جاری نہیں ہوتی' لہٰذا ان کی وصیت بھی نہیں ہوتی' نبی کا مال قابل میراث نہیں تو قابل وصیت بھی نہیں' جو لوگ حضرت علی کو وصی رسول مانتے ہیں بایں معنی کہ حضور انور نے آپ کو اپنے مال یا خلافت کی وصیت فرمائی وہ بہت ہی نادان ہیں' ہر مسلمان وصی رسول ہے' سرکار نے ہر شخص کو تقوٰی اور پرہیزگاری کی وصیت فرمائی ہے کہ فرمایا اوصیکم بتقوی اللہ [۲] اگر یہ حکم وجوبی ہے' تو منسوخ ہے کہ اب میراث کے احکام آچکے' اور اگر استحبابی ہے تو اب بھی باقی ہے' واقعی جو وصیت کرنا چاہے وہ بغیر وصیت کئے ایک رات بھی نہ گزارے کیا خبر موت کہاں اور کب آئے' نیز وصیت لکھ کر کرے بلکہ آج کل رجسٹری کرادے کہ زبانی وصیتیں بدل جاتی ہیں۔ ہاں ادائے قرض اور ادائے امانات کی وصیت اب بھی واجب ہے۔ جبکہ ان قرضوں اور امانتوں کی کسی کو خبر نہ ہو۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ مَرِضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا اَشْفَیْتُ عَلَی الْمَوْتِ فَاَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُنِیْ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِیْ مَالًا کَثِیْرًا وَّلَیْسَ یَرِثُنِیْ اِلَّا ابْنَتِیْ اَفَاُوْصِیْ بِمَالِیْ کُلِّهٖ قَالَ لَاقُلْتُ فَثُلُثَیْ مَالِیْ قَالَ لَاقُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَاقُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ اِنَّکَ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَکَ اَغْنِیَآءَ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً یَّتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ وَاِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ

(۲۹۴۰) روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں میں فتح کے سال ایسا بیمار ہوا کہ موت کے قریب ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی کرنے تشریف لائے[۱] میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس مال بہت ہے اور سوا میری بیٹی کے میرا وارث کوئی نہیں[۲] تو کیا میں اپنے کل مال کی وصیت کر جاؤں[۳] فرمایا نہیں میں نے عرض کیا دو تہائی مال کی فرمایا نہیں میں نے عرض کیا تو آدھے کی فرمایا نہیں میں نے عرض کیا تہائی کی فرمایا تہائی کی کرو اور تہائی بھی زیادہ ہے[۴] اگر تم اپنے وارثوں کو غنی ... چھوڑو تو ... سے اچھا ہے کہ تم انہیں ... کر کے

نَفَقَةً تَبْتَغِیْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ بِهَا حَتّٰی اللُّقْمَةُ تَرْفَعُهَا اِلٰی فِیْ امْرَاَتِكَ . (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

جاؤ۵ کہ لوگوں سے مانگے پھریں۶ اور تم کوئی خرچہ ایسا نہ کرو گے جس سے اللہ کی رضا چاہو مگر تمہیں اس پر ثواب دیا جائے گا حتی کہ وہ نوالہ جسے تم اپنی بیوی کے منہ میں دو ۷ (مسلم بخاری)

(۲۹۴۰)۱ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بیمار کی مزاج پرسی فرماتے تھے' اس سلسلہ میں آپ کے پاس بھی تشریف لے گئے' اشفیت' شفا سے بنا بمعنی کنارہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (۱۰۳،۳) اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے (کنزالایمان) اس کا استعمال اکثر مصیبت و تکلیف کے موقع پر ہوتا ہے۔ اشفیت کے معنی ہوئے میں کنارہ موت پر پہنچ گیا۔۲ یہاں وارث سے مراد ذی فرض وارث ہے یعنی سوائے میری بیٹی کے اور کوئی ذی فرض وارث نہیں عصبہ وارث بہت ہیں' بعض شارحین نے فرمایا کہ وارث سے مراد کمزور وارث ہیں جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو' کیونکہ آپ کے ذی فرض وارث بھی کئی تھے (مرقات و اشعہ) ۳ کہ سارا مال فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے یا کسی کار خیر میں لگا دیا جائے' بیٹی وغیرہ کسی وارث کو کچھ نہ ملے' کیونکہ یہ سب اللہ کے حکم سے غنی ہیں۔۴ پہلا الثلث یا منصوب ہے یا مرفوع کہ وہ فاعل ہے یا مبتداء جس کا فعل یا خبر محذوف ہے یا مفعول ہے' اور دوسرا الثلث مرفوع ہی ہے کہ وہ مبتداء ہے جس کی خبر کثیر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے والا مرتے وقت صرف تہائی کی وصیت کر سکتا ہے' زیادہ کی نہیں اور اگر زیادہ کی کر بھی گیا تو جاری نہ ہوگی' یہ بھی معلوم ہوا کہ تہائی سے بھی کم کی وصیت کرنا بہتر ہے کہ حضور انور نے تہائی کو بھی زیادہ فرمایا۔۵ اس سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت سعد کے بہت وارث تھے ذی فرض صرف بیٹی تھی' اور بعض وارث فقراء بھی تھے مالدار نہ تھے' یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ اپنے عزیزوں سے سلوک کرنا غیروں سے سلوک کرنے سے افضل ہے کہ وصیت میں غیروں سے سلوک ہے میراث میں اپنوں سے سلوک' خیال رہے کہ ان تذر میں ان شرطیہ ہے اور خبر سے پہلے فھو پوشیدہ ہے خیر اس فھو کی خبر ہے۶ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اپنی موت کے بعد وارثین کا بھیک مانگتے پھرنا اپنی ذلت کا باعث ہے' اور قبر میں روحانی تکلیف کا بھی ذریعہ ہے یعنی تم وصیت کیوں کرتے ہو حصول ثواب کے لئے' اور میراث جو وارثوں کو پہنچے گی' اگر اس میں تم رضائے الٰہی کی نیت کر لو کہ اپنے عزیزوں کو اپنا مال پہنچنا رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے تب بھی تم کو ثواب ملے گا' بلکہ زیادہ ملے گا' لہٰذا وصیت تہائی سے بھی کم کی کرو' اس حدیث سے بہت مسائل معلوم ہوئے' مال جمع کرنا درست ہے' اور مرتے وقت تک اسے پاس رکھنا مباح۔ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نافذ نہیں ہوتی' اللہ کی راہ میں خرچ کرنا باعث ثواب ہے' جب مباح میں نیت خیر کر لی جائے تو مستحب بن جاتا ہے مومن کی نیت عمل سے افضل ہے' دیکھو بیوی کے منہ میں لقمہ دینا خوشی و محبت کے وقت ہوتا ہے جس میں عبادت کا احتمال بھی نہیں' مگر اس پر بھی ثواب کا وعدہ ہے اپنے وارثوں سے عدل و انصاف کرنا' ضروری ہے (مرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ عَادَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مَرِیْضٌ فَقَالَ اَوْصَیْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِكَمْ قُلْتُ بِمَالِیْ كُلِّهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ فَمَا تَرَكْتَ لِوَلَدِكَ قُلْتُ هُمْ اَغْنِيَآءُ بِخَيْرٍ فَقَالَ اَوْصِ بِالْعُشْرِ فَمَا زِلْتُ اُنَاقِصُهٗ حَتّٰی قَالَ اَوْصِ بِالثُّلُثِ وَالثُّلُثُ كَثِیْرٌ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۲۹۴۱) روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیمار پرسی فرمائی جب کہ میں بیمار تھا' فرمایا تم نے کچھ وصیت کر دی ہے میں نے عرض کیا ہاں فرمایا کتنے کی۱ میں نے عرض کیا اپنے سارے مال کی اللہ کی راہ میں۲ فرمایا تو نے اپنے اولاد کے لئے کیا چھوڑا میں نے عرض کیا وہ بہت مال سے غنی ہیں۳ تب فرمایا دسویں حصہ کی وصیت کرو۴ میں کم کراتا رہا۵ حتی کہ فرمایا تہائی کی وصیت کرو اور تہائی بھی بہت ہے۶ (ترمذی)

(۲۹۴۱)۱؎ معلوم ہوتا ہے کہ مرض سخت تھا' اس لئے ان سے وصیت کا سوال کیا گیا' خیال رہے کہ حضور انور کو خبر تھی کہ حضرت سعد کی وفات اس مرض میں نہیں ہے جیسا کہ دیگر روایات میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا تم ابھی جیو گے اور تم سے کچھ نفع پائیں گے کچھ نقصان ۲؎ اللہ کی راہ سے مراد سارے کار خیر ہیں' فقراء مساکین پر خرچ' مسجد مسافر خانہ کی تعمیر وغیرہ وغیرہ۔۳؎ ولد سے مراد بیٹی ہے کہ آپ کے صرف ایک بیٹی ہی تھی' ولد مطلقاً اولاد پر بولا جاتا ہے بیٹا ہو یا بیٹی مگر ابن صرف بیٹے کو کہتے ہیں' آپ کا ہم اغنیاء فرمانا عصبہ وارثوں کو شامل کرکے ہے اور اغنیاء فرمانا تغلیباً ہے کہ بعض ان میں غنی تھے اور بعض فقراء جیسا کہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے۴؎ اس سے پتا لگا کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت جاری نہ ہوگی' دیکھو حضرت سعد نے کل مال کی وصیت کردی مگر جاری نہ ہوئی' امام اعظم و اسحاق و احمد فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو وہ کل مال کی وصیت کرسکتا ہے اور اس کی وصیت جاری بھی ہوگی' کیونکہ اس کل وصیت کا جاری نہ ہونا وارثوں کے حق کی وجہ سے ہے جب وہ موجود ہی نہیں تو اب مانع کیا چیز ہے۔۵؎ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں انا قصه نقطہ والی ضاد سے ہے بمعنی جواباً عرض کرتا رہا مگر عام نسخوں پر انا قصه صاد مہملہ سے ہے' معنی یہ ہیں کہ میں اس وصیت کو کم سمجھتا رہا اور زیادہ وصیت کی اجازت چاہتا رہا (مرقات) یا یہ معنی ہیں کہ میراث کو کم کراتا رہا' میراث کم ہوگی تو وصیت زیادہ ہوگی۔۶؎ یعنی تمہاری پہلی وصیت تو بالکل باطل ہو چکی اب نئے سرے سے وصیت کرو جو تہائی سے زیادہ نہ ہو' یا یہ مطلب ہے کہ اپنی پہلی وصیت کو خود باطل کرو' اور اب نئی وصیت کرو' خیال رہے کہ وصیت کرنے والا اپنی وصیت باطل بھی کرسکتا ہے اس میں ترمیم بھی کرسکتا ہے' کیونکہ وصیت ایک قسم کا ہبہ ہے اور ہبہ میں تبدیلی یا نسخ قبل از قبضہ جائز ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِیْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ التِّرْمِذِیُّ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ وَيُرْوٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ الْوَرَثَةُ مُنْقَطَعٌ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَفِیْ رِوَايَةِ الدَّارَ قُطْنِیِّ قَالَ لَاتَجُوْزُ وَصِيَّةٌ لِّوَارِثٍ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ الْوَرَثَةُ ۔

(۲۹۴۲) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خطبہ میں حجۃ الوداع کے سال فرماتے سنا۱؎ کہ اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیا ہے لہذا وارث کے لئے وصیت نہیں۲؎ (ابوداؤد' ابن ماجہ) اور ترمذی نے یہ بڑھایا کہ بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۳؎ ان کا حساب اللہ کا ذمہ ہے۴؎ اور حضرت ابن عباس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں راوی کہ فرمایا وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ وارث راضی ہوں یہ منقطع ہے۵؎ یہ مصابیح کے الفاظ ہیں اور دارقطنی کی روایت ہے کہ فرمایا وارث کے لئے وصیت جائز نہیں مگر جب کہ وارث راضی ہوں۶؎

(۲۹۴۲)۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس خطبہ سے مراد حج کا خطبہ ہے جو آپ نے عرفات میں دیا' اور ہوسکتا ہے کہ کوئی اور خطبہ مراد ہو۔۲؎ آیات میراث آنے سے پہلے اہل قرابت کے لئے وصیت کرنا از روئے قرآن فرض تھی' کہ رب نے فرمایا كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا نِالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (۲:۱۸۰) تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں کسی کو موت آئے اگر کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر جائے اپنے ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کے لئے (کنزالایمان) آیات میراث سے یہ فرضیت منسوخ ہوگئی' مگر جواز وصیت کا نسخ اس حدیث سے ہوا کہ اب جسے ایک پائی میراث ملے اس کے لئے وصیت نہیں ہوسکتی' معلوم ہوا کہ قرآن کا نسخ حدیث سے جائز بلکہ واقع ہے۔۳؎ بیوی اور لونڈی کو فراش کہا جاتا ہے کیونکہ اسے اپنے خاوند اور مولیٰ کے بستر پر لیٹنے کا حق ہے' مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی لونڈی یا بیوی کے بچے کے متعلق کوئی اجنبی شخص کہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس کی بات نہ مانی جائے گی بچہ اس عورت کے خاوند یا مالک کا ہوگا' ہاں اس کہنے والے کو زنا کی سزا دی جائے گی کہ اس نے زنا کا اقرار کرلیا' حجر سے مراد رجم ہے' اور اگر یہ شخص اس قول سے توبہ کر

لے تب بھی اسے حدِ قذف لگے گی یعنی پاکدامن عورت کو تہمت لگانے کی سزا۔ ۴ اس جملہ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ اگر اس نے زنا کا جھوٹا اقرار کیا ہے اور ہم نے سزا دے دی تو ہم مجرم نہیں' دوسرے یہ کہ زنا کی سزا دینے کے بعد بھی زانی کی بخشش یقینی نہیں' رب چاہے تو معاف کرے' تیسرے یہ کہ جن گناہوں کی شریعت میں سزا نہیں ہے ان کا حساب اللہ کے ہاں ہے۔ (مرقات لمعات) ۵ منقطع وہ روایت ہے جس میں تابعی سے پہلے کوئی راوی رہ گیا ہو یا راوی کا نام نہ مذکور ہو بلکہ رجل یا شیخ کہہ دیا گیا ہو کیونکہ مجہول مثل معدوم کے ہے (مرقات) ۶ یعنی وارث کے لئے وصیت جائز نہ ہونا دوسرے وارثوں کے حق کی وجہ سے تھا اگر وہی اس کو جائز کردیں تو جائز ہے' یہی مسئلہ تمام ائمہ کے ہاں ہے اگرچہ اس کی ایک اسناد منقطع ہے' مگر چونکہ دوسری اسنادیں متصل بھی ہیں اس لئے یہ حدیث صحیح ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْاَةُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ ثُمَّ قَرَاَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَا اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۹۴۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور انور نے فرمایا کہ ایک مرد و عورت ساٹھ سال اللہ کی اطاعت کے کام کرتے رہتے ہیں پھر انہیں موت آتی ہے ۱ تو وصیت میں کسی کو نقصان پہنچا جاتے ہیں ۲ ان کے لئے آگ واجب ہو جاتی ہے ۳ پھر حضرت ابوہریرہ نے یہ آیت تلاوت کی کہ بعد ادائے قرض وصیت کے جو وہ کر گیا ہے جب کہ کسی کو نہ نقصان دیا ہو باری تعالٰی کے فرمان تک' یہ بڑی کامیابی ہے ۴ (احمد ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ)

(۲۹۴۳) ۱ یہاں ساٹھ سال سے مراد بڑی مدت ہے خواہ اس سے زیادہ ہو یا کم ساٹھ تحدید کے لئے نہیں بلکہ تکثیر کے لئے ہے' اور موت آنے سے مراد موت کے علامات نمودار ہونا ہیں ورنہ خاص موت آجانے پر بولنا مشکل ہو جاتا ہے' وصیت کرنا یا وصیت میں نقصان پہنچانا کیسا۔ ۲ وصیت میں نقصان پہنچانے کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچانے کی نیت سے وصیت کر جائے کہ تہائی مال وصیت میں نکل جائے تو وارثوں کے حصے کم ہو جائیں' دوسرے یہ کہ نالائق اور برے لوگوں کو وصیت کر جائے' اپنا تہائی مال کسی بدمعاش کو دے جائے تاکہ وہ وارثوں کے ساتھ رہ کر انہیں تنگ کرے تیسرے یہ کہ پہلے وصیت کی تھی پھر مرتے وقت وصیت سے رجوع کرے یا اس میں کچھ ترمیم کرے تاکہ وصیت والے کو نقصان ہو' غرضیکہ فی الوصیۃ کی فی یا بمعنی ب ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے۔ ۳ یعنی دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ رہا دوزخ میں جانا' یہ رب تعالٰی کی مرضی پر ہے یہاں وجوب استحقاق کا ہے نہ کہ دخول کا (مرقات) ۴ حضرت ابوہریرہ نے اس میں جو لفظ غیر مضار ہے اس سے دلیل پکڑی' یہاں آیت میں مضار اسم فاعل ہے یعنی مرنے والے نے وصیت میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ عَلٰى وَصِيَّةٍ مَّاتَ عَلٰى سَبِيْلٍ وَّسُنَّةٍ وَّمَاتَ عَلٰى تُقًى وَّشَهَادَةٍ وَّمَاتَ مَغْفُوْرًا لَّهٗ ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۹۴۴) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اچھی وصیت پر مرا وہ دین کے راستے اور سنت پر مرا۔ اور تقوٰی و شہادت کی موت مرا۔ اور بخشا ہوا مرا ۱ ۲ (ابن ماجہ)

(۲۹۴۴) ۱ اس طرح کہ مرتے وقت اپنے مال کا کچھ حصہ فقراء پر یا کسی کار خیر میں لگانے کی وصیت کر گیا' کسی دینی ادارہ میں لگانے کی وصیت کر گیا ۲ سبیل سے مراد رضائے الٰہی کا راستہ ہے' اور سنت سے مراد اچھا طریقہ ہے یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضور انور کا مال بعد وفات ... بعد وفات صدقہ ہے اس

حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض نیک عمل بظاہر معمولی تر ہیں۔ مگر ان کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے' دیکھو بعد موت مال راہ خدا میں خرچ کرنا معمولی کام ہے کہ وہ انسان اب مال سے بے نیاز ہو چکا' مگر اس پر بھی اتنا بڑا ثواب ملا۔ اور ایسے درجے کا مستحق ہوا' اسی لئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ معمولی نیکی کو بھی ہلکا نہ جانو' کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے۔ اور معمولی گناہ کرنہ لو' کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلا دیتی ہے۔ خیال رہے کہ یہاں شہادت سے مراد حکمی شہادت ہے۔

وَعَنْ عُمَرِ وبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ الْعَاصَ ابْنَ وَائِلٍ اَوْصٰى اَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ فَاَعْتَقَ ابْنُهٗ هِشَامٌ خَمْسِيْنَ رَقَبَةً فَاَرَادَ اِبْنُهٗ عَمْرٌو اَنْ يُّعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِيْنَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ اَوْصٰى اَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ وَاِنَّ هِشَامًا اَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَ بَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً اَفَاُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَوْكَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهٗ ذٰلِكَ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۹۴۵) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ عاص ابن وائل نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کردیئے جائیں۱ تو اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کردیئے۲ پھر اس کے بیٹے عمرو نے چاہا کہ باقی پچاس اس کی طرف سے وہ آزاد کردیں۳ بولے میں تو آزاد نہ کروں گا تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں۴ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ میرے باپ نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کردیئے جائیں اور ہشام نے اس کی طرف سے پچاس آزاد کردیئے ہیں اور اس پر پچاس غلام باقی ہیں تو کیا اس کی طرف سے میں آزاد کردوں ۵ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا پھر تم اس کی طرف سے آزاد کرتے اس کی طرف سے خیرات یا حج کرتے یہ سب کچھ اسے پہنچ جاتا۶ (ابوداؤد)

(۲۹۴۳) ۱؎ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ عمرو ابن شعیب کے دادا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہیں' وہ خود اپنا واقعہ بیان کررہے ہیں۔ کہ میرے باپ عاص ابن وائل نے مرتے وقت سو غلام لونڈیاں آزاد کرنے کی وصیت تھی' عاص ابن وائل قرشی سہمی ہے' حضور انور کا زمانہ پایا مگر اسلام نہ لایا اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَالْاَبْتَرُ (۳۱۰۸) آپ کا بدگو ابتر یعنی بے اولاد ہے کہ اللہ نے اس کی اولاد کو اسلام کی توفیق دے کر اسے حکماً لاولد کردیا' اس کی ساری اولاد ایمان لے آئی ۲؎ ہشام قدیم الاسلام صحابی ہیں' پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر مکہ معظمہ یہ پتا کرنے آئے کہ حضور نے ہجرت کہاں کی ہے باپ نے پکڑ لیا' پھر غزوۂ خندق کے بعد مدینہ منورہ پہنچے بڑے فقیہ عالم تھے' ۱۳ھ میں غزوہ یرموک میں شہید ہوئے (مرقات) انہوں نے حضور انور سے بغیر پوچھے پچاس غلام آزاد کردیئے یہ سمجھ کر کہ اسلام والدین کے ساتھ احسان کرنے سے منع نہیں فرماتا ۔۳؎ حضرت عمرو ابن عاص اپنے بھائی ہشام سے عمر میں بڑے ہیں۔ آپ ۵ یا ۸ھ میں حضرت خالد ابن ولید اور عثمان ابن طلحہ کے ساتھ ایمان لائے حضور انور نے آپ کو عمان کا حاکم بنایا' پھر حضرت عمر کے زمانہ میں آپ نے ہی مصر فتح کیا' حضرت عمر عثمان' معاویہ کے زمانہ میں عامل رہے امیر معاویہ نے آپ کو اپنے زمانہ میں مصر میں جاگیر بخشی' آپ وہاں ہی رہے' ۴۳ھ میں ننانوے سال کی عمر میں مصر ہی میں وفات پائی' پھر ان کے بیٹے عبداللہ ابن عمرو مصر کے حاکم رہے جنہیں بعد میں امیر معاویہ نے معزول کردیا ۔۴؎ یعنی اگرچہ عاص میرا باپ تھا مگر کافر بھی تھا اس لئے اس کی وصیت حضور انور سے پوچھ کر پوری کروں گا یہ بھی اجتہاد سے تھا مگر پہلے اجتہاد سے [illegible] تو آپ نے اپنے بھائی ہشام سے [illegible] فرمایا [illegible] اس سوال سے معلوم ہوا کہ نیکی بھی بزرگوں کے مشورہ اور ان کی اجازت سے کرنا

چاہیے دیکھو غلام آزاد کرنا بہرحال ثواب تھا اگر عاص کو اس کا ثواب نہ بھی ملے تب بھی خود حضرت عمرو ابن عاص کو تو ثواب ملنا ہی تھا مگر پھر بھی حضور انور سے اجازت مانگ کر آزاد کرنا چاہتے ہیں' صوفیاء کے نزدیک، ورد وظیفے شیخ کی اجازت سے کیے جاتے ہیں کہ اجازت کی برکت سے ان میں الفاظ کی تاثیر کے ساتھ زبان کی تاثیر بھی جمع ہو جاتی ہے گولی بارود کی مدد سے مارکرتی ہے تلوار کی دھار بغیر درست وار کے نہیں کاٹتی۔ ۶۔ مگر چونکہ عاص کافر ہو کر مرا اس لئے اسے تمہاری کسی نیکی کا ثواب نہیں پہنچ سکتا' نہ وہ عذاب الٰہی سے بچ سکتا ہے اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ کافر کو ثواب بخشنا منع ہے کہ حضور انور نے اس کی اجازت نہ دی' دوسرے یہ کہ اگر اسے ایصال ثواب کیا بھی جائے تو ثواب پہنچتا نہیں جب اسے اپنی نیکیوں کا ثواب نہیں ملتا تو دوسرے کی نیکیوں کا بخشا ہوا ثواب کیسے ملے گا' مردہ کو کوئی دوا فائدہ نہیں پہنچاتی' کافر کو کوئی دعا عذاب سے نہیں بچاتی' تیسرے یہ کہ مسلمانوں کو ہر قسم کی عبادات کا ثواب بخشنا جائز ہے اور انہیں پہنچتا بھی ہے' دیکھو غلام آزاد کرنا' صدقہ وخیرات' حج مختلف قسم کی عبادتیں ہیں' مگر سب کے متعلق حضور نے فیصلہ فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو ثواب پہنچ جاتا' خیال رہے کہ کافر کو بعض نیکیوں کی بدولت عذاب ہلکا ہو جاتا ہے۔ مگر عذاب سے رہائی نہیں ہوتی' نہ وہ جنت کی کسی نعمت کا مستحق ہوتا ہے۔ دیکھو حضور انور کی خدمت کے باعث ابو طالب کا عذاب ہلکا ہے ولادت پاک کی خوشی منانے کے سبب ابولہب کو سوموار کے دن عذاب میں تخفیف ہوتی ہے (بخاری شریف) لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔ آج بعض لوگ ایصال ثواب کے انکاری ہیں' وہ ان احادیث میں غور کریں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ مِيْرَاثَ وَارِثِهٖ قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ . (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)

(۲۹۴۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے وارث کو اس کی میراث سے محروم کرے ۱؎ تو اللہ اس کو قیامت کے دن جنت کی میراث سے محروم کر دے گا ۲؎ (ابن ماجہ) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا۔

(۲۹۴۴) ۱؎ اپنے وارث کو میراث سے محروم کرنے کی بہت صورتیں ہیں کسی کو وصیت کرنا تاکہ ورثہ کا حصہ کم ہو جائے' کسی کے لئے قرض کا جھوٹا اقرار کر لینا تاکہ وارث کے حصے کم ہوں بیوی کو طلاق دے دینا تاکہ وہ وارث نہ ہو سکے' اپنا کل مال کسی کو دے جانا تاکہ وارثوں کو کچھ نہ ملے' کسی وارث کو قتل کرا دینا تاکہ میراث نہ پا سکے یا اپنے بچہ کا انکار کر دینا کہ یہ بچہ میرا ہے ہی نہیں تاکہ میراث نہ پا سکے' اپنی زندگی میں سارا مال برباد کر دینا تاکہ وارثوں کے لئے کچھ نہ بچے وغیرہ' بعض کسی بیٹے کو عاق کر دیتے ہیں یا کہہ دیتے ہیں کہ ہماری میراث سے اسے کچھ نہ دیا جائے' یہ محض بیکار ہے اس سے وہ وارث محروم نہ ہوگا' میراث سے محروم کرنے والی چیزیں مسلمان کے لئے صرف تین ہیں' غلام ہونا' قتل' اختلاف دین' ان کے سوا کسی اور وجہ سے محرومی نہیں ہو سکتی۔ ۲؎ جو چیز بغیر عقد اور بغیر مشقت کے ملے اسے میراث کہہ دیتے ہیں۔ یہاں یہ ہی مراد ہے' نیز ہر جنتی جنت میں اپنا حصہ بھی لے گا اور کافر کے جنتی حصہ پر قبضہ کر لے گا' اس لحاظ سے بھی اسے میراث کہہ دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رب تعالٰی ایسے ظالم کو جنت سے محروم کر دے گا' محرومی سے مراد ہے اولاً داخلہ سے محروم کر دے گا ورنہ ہر مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہوگا' آخر کار جنت میں داخل ہوگا جیسے اس شخص نے اپنے منتظر وارث کو محروم کر دیا ایسے ہی اسے جنت کا انتظار کرنے کے بعد جب قیامت میں اسے جنت کا سخت انتظار ہوگا اسے محروم کر دیا جائے گا بہرحال یہ جرم بدترین ہے رب تعالٰی ظلم سے بچنے کی توفیق دے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمْ

الحمد للہ کہ جلد چہارم مرأت شرح مشکوٰۃ یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء کو شروع ہو کر آج ۳ جولائی ۱۹۶۱ء مطابق ۲۰ محرم الحرام ۱۳۸۱ھ یوم دوشنبہ کل ۹ ماہ تین دن میں ختم ہوئی' رب تعالٰی اسے قبول فرمائے اور صدقہ جاریہ بنائے۔

احمد یار خاں نعیمی غفرلہ ولوالدیہ